

مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں
میں ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جدید

گلدستہ تفاسیر

مرتب
حضرۃ مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

اُردو کی چھ مستند تفاسیر سے منتخب

- اوّل مکمل تفسیر عثمانی
- تفسیر ابن کثیر
- تفسیر مظہری
- تفسیر عزیزی
- معارف القرآن
  حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
- معارف القرآن
  حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
- تفسیر میرٹھی
  مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

- حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
- مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
- حضرت علامہ الزماں شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

پسند فرمودہ

- حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
- حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ
- حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان

Marfat.com

مدینہ منورہ کی مبارک فضائوں میں ترتیب
دی جانیوالی عظیم تفسیر
دورحاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

گلدستہ تفاسیر جدید

جلد پنجم

۲۰۱۷-۰۲

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن تا سُوْرَةُ الْاَحْزَاب

مرتب

حضرۃ مولانا عبدالقیوم مدظلہ العالی مہاجر مدنی

پسند فرمودہ

حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب مدظلہ
نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ
حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

Marfat.com

گلدستۂ تفاسیر جدید

تاریخ اشاعت.....جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ
ناشر.....ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.....سلامت اقبال پریس ملتان

297.15
ش گ 50
159749
جلد ۱۵

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

قانونی مشیر
محمد اکبر ساجد
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہوسکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان

مکتبہ سید احمد شہید.....اردو بازار.....لاہور
دارالاشاعت.....اُردو بازار.....کراچی
مکتبہ علمیہ.....اکوڑہ خٹک.....پشاور
مکتبہ رشیدیہ.....سرکی روڈ.....کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار.....پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

Marfat.com

''گلدستہ تفاسیر''

دَورِ حاضر کی چھ شاہکار تفسیروں کا حاصل

(حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

اِس دَور میں پاک وہند میں جہاں بھی درس قرآن کی مجالس قائم ہیں وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا حاصل ہیں کہ جہاں تک ہوسکے اس دور میں علومِ قرآن کو عام کیا جائے آپ نے مالٹا کے ایام اسیری میں برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی دینی فلاح اسی میں سمجھی۔

علی العموم مسلمانوں کو اس ترجموں کے سیکھنے اور سمجھنے کی رغبت بھی دلائی جائے۔ علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اس کی منفعت دل نشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں بلکہ ترجمہ کی تعلیم کیلئے ایسے سلسلے ہی قائم فرمادیں کہ ہر بات بسہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق حاصل کرسکے۔

اس ملک میں اُردو میں لکھی گئیں دو بڑی تفسیریں (۱) معارف القرآن حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ (۲) معارف القرآن حضرت شیخ الحدیث وا لتفسیر مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ برصغیر پاک وہند میں وہ شہرت پائے ہوئے ہیں کہ درس قرآن دینے والا کوئی عالم دین ان دو سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ تاہم ان دونوں ضخیم تفاسیر کو ساتھ ساتھ رکھنا خاصا مشکل کام تھا حدیث کا خصوصی ذوق رکھنے والوں کیلئے تفسیر ابن کثیر کا ساتھ رکھنا ایک اور کڑی منزل تھی یہ درس قرآن پاک وہند کے ہر علمی حلقے میں قبولیت سے اس کیلئے سرتاج علماء سند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا نام نامی اور اسم گرامی اس درجہ ضمانت میں ہے کہ اسے پاک وہند کا ہر شخص بلا کسی اختلاف کے گھر بیٹھے علم قرآن اور مرادات قرآن پر مطلع ہوسکتا ہے فقہی نقطہ نظر سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی تفسیر مظہری نقشبندی سلسلہ کے سالکین کیلئے حرف آخر ہے۔

مولانا عبدالقیوم صاحب نے ان تمام تفاسیر پر خاصی محنت کرکے اس حاصل مطالعہ کو عصر حاضر کے عظیم علمی شاہکار تفسیر عثمانی کے ساتھ جمع کرکے ایک ''گلدستہ تفاسیر'' عوام کے سامنے رکھ دیا ہے جس طرح دعوت کا کام چھ نمبروں پر چل رہا ہے اور اس دَور کی یہ خدمت قرآن بھی ان چھ نمبروں پر چلی ہے۔

راقم الحروف اس گلدستہ کی صرف مہک سے متاثر ہوکر بلکہ حضرت مفتی عبدالستار صاحب کی نظر پسند پر پورا اعتماد کرکے اس خدمت قرآن میں ان چند سطور سے شامل ہورہا ہے ؎

اجازت ہو تو آکر اس میں شامل ان میں ہوجاؤں ۔۔۔ سنا ہے کل تیرے دَر پر ہجومِ عاشقاں ہوگا

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ درس قرآن کے ان چھ نمبروں کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں اور ہوسکے تو ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے یہ چھ علمی ذخیرے اپنے پاس منگوا رکھیں اور کبھی کبھی گلدستہ تفاسیر کے مطالعہ میں ان اصل ماخذ کو بھی دیکھ لیا کریں اس سے یہ بات آپ پر ضرور کھل جائے گی کہ مولف مولانا عبدالقیوم صاحب کس قدر اپنی علمی سفر میں کامیاب ہوئے ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت مؤلف اور اس گلدستہ تفاسیر کے جملہ مقرظین کو ان چھ مفسرین کے ساتھ جمع کرے آمین۔

؎ زہے نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خالد محمود عفی اللہ عنہ

(ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال روڈ مدرس جامعۃ الرحیم ملتان)

Marfat.com

کلمات مبارکہ

ازحضرت اقدس استاد العلماء مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

(مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْدُ!

ہمارے مشفق ومہربان جناب الحاج عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی مدظلہٗ کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب شدت سے یہ جذبہ پیدا کیا کہ عامۃ المسلمین کے نفع کے لئے ایک جامع تفسیر ہو جس میں آیات کی مختلف تفسیریں یکجا جمع ہوں اور اس کے علاوہ تفسیر کے متعلق ضروری مضامین بھی آجائیں۔ تاکہ علماء وطلباء وعوام کے لئے قرآن مجید کی آیات کے مفہوم وتفسیر کو سمجھنا آسان ہو اور متفرق تفاسیر کی ورق گردانی سے بے نیاز ہو جائیں جو چیزیں بہت سے اوراق پلٹنے کے بعد حاصل ہوتی تھیں وہ ایک ہی جگہ بآسانی میسر ہوسکیں۔ اسی جذبہ کے پیش نظر جناب موصوف نے مختلف تفاسیر کو کھنگال کر گلدستہ تفاسیر کے نام سے ایک تفسیری مجموعہ تیار کیا ہے۔ میں نے اس کے بعض اجزاء کو دیکھ کر مفید پایا۔ امید ہے کہ اس کاوش کی بدولت علماء وطلباء اور عوام الناس سب کو ہی بے حد نفع ہوگا۔ اور قارئین حضرات اس کو بہت پسند فرمائیں گے۔ چونکہ یہ تفسیری مضامین مختلف تفاسیر سے منتخب شدہ ہیں، ممکن ہے کہ کہیں کوئی بات بے ربط یا نامکمل رہ گئی ہو تو ایسی جگہ حوالہ کو مدنظر رکھ کر قارئین کرام اصل تفسیر کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، جناب مؤلف صاحب کو کہ وہ امت مسلمہ کے دینی نفع کیلئے بہت متفکر اور کوشاں رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی فکر کی وجہ سے پہلے بھی ایک اسلامی انسائیکلوپیڈیا دینی دسترخوان کے نام سے مرتب کر چکے ہیں۔ جو کہ تین ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح تعمیر انسانیت بھی موصوف کی مرتب شدہ کتاب ہے۔ جو کہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ مجموعہ تفسیر بھی موصوف کی دیگر کتب کی طرح بہت نافع اور مفید ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشیں، اور اس کے نفع کو عام وتام بنادیں اور باعثِ بخشش ونجات بنادیں۔

وماذلک علی اللہ بعزیز۔ سرطہ النہار ۱۰/۵/۲۰۰۷

فہم قرآن کے شائقین کیلئے قرآنی علوم کا گلدستہ

(حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا)

بندہ نے گلدستہ تفاسیر مؤلفہ الحاج جناب عبدالقیوم صاحب ملتانی ثم مدنی کو چند مقامات سے دیکھا ماشاء اللہ بہت مفید اور آسان پایا مؤلف دام مجدہ نے اس امر کا اہتمام فرمایا ہے کہ اکابر کی اُردو تفاسیر کو جمع کر کے یکجا کر دیا ہے فہم قرآن کا طالب بہت آسانی سے تھوڑے وقت میں بہت سے اکابر کے علوم سے مستفید ہو جاتا ہے حق تعالےٰ اس تفسیر کو بہت ہی نافع اور مقبول بنائیں۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

Marfat.com

یہ تفسیر عوام وخواص کیلئے نہایت مفید ہے

(حضرت مولانا موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالیٰ کا لندن سے مکتوب)

محترم المقام حضرت الحاج عبدالقیوم صاحب مدظلہ العالیٰ مہاجر مدنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعدہٗ، امید ہے کہ آپ حضرات بخیر وعافیت ہونگے دیگر آنجناب کی ترتیب شدہ تفسیر بنام ''گلدستہ تفاسیر'' کی پہلی جلد برخوردار یہ ٹرسٹ کراچی کی معرفت موصول ہوئی الحمدللہ پڑھ کر بہت ہی مسرت ہوئی، ماشاءاللہ ہمارے بزرگوں کی معتبر تفاسیر کو سامنے رکھ کر ایسی ضروری باتیں ایک جگہ جمع کردی گئی ہیں جو عوام وخواص سب کیلئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوں گی اور بار باران تفاسیر کی اوراق گردانی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، یہ سلسلہ بہت ہی پسند آیا مبارک ہو اللہ پاک آنجناب کو مزید ہمت وتوفیق عطا فرمائے، اگرچہ یہ کام کافی لمبا اور دشوار ہے مگر ہمت مرداں مدد خدا.....اللہ کرے یہ مبارک سلسلہ جلد مکمل ہو۔ آمین

مولانا موسیٰ سلیمان کرماڈی
سیکرٹری: اسلامک ایجوکیشن ٹرسٹ یو۔کے
۸۶ ھامپٹن روڈ فوریسٹ گیٹ، لندن

یہ تفسیر اکابر کی تفاسیر کا نچوڑ ہے اور اس میں مسلکِ حق کی پوری پوری ترجمانی ہے

(حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ العالیٰ مدیر ''انوار مدینہ'')

''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' ملتان کے مؤسس وبانی مولانا محمد اسحاق صاحب زید مجدہم کے والد محترم مولانا عبدالقیوم مدنی مدظلہم کو اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کی اصلاح کا ایک خاص جذبہ عطاء فرمایا ہے اس جذبہ کے تحت انہوں نے بہت سی وقیع کتابیں تحریر فرمائی ہیں جنہیں عوام الناس میں پذیرائی حاصل ہوئی ہے حال ہی میں مولانا موصوف نے عامۃ المسلمین کے نفع کے پیش نظر ایک جامع تفسیر لکھنی شروع کی ہے، زیر تبصرہ کتاب ''گلدستہ تفاسیر'' میں تفسیر عثمانی مکمل اور تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، تفسیر معارف القرآن (حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)، تفسیر معارف القرآن (حضرت مولانا مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ) کا خلاصہ درج کیا ہے۔

مزید برآں یہ کہ موقع ومحل کی مناسبت سے دیگر اکابر واعلام رحمہم اللہ کے تفسیری نکات اور معارف وبصائر ذکر کیے ہیں۔

اس لحاظ سے اس تفسیر کو اکابر کی تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ کہا جاسکتا ہے، بلاشبہ حضرت موصوف نے اس میں نہایت عرق ریزی سے کام لیا ہے اور واقعتاً مستند تفاسیر کا گلدستہ عوام کے سامنے پیش کردیا ہے۔

یہ تفسیر اس لحاظ سے بھی بہترین تفسیر کہی جاسکتی ہے کہ اس میں مسلکِ حق کی پوری پوری ترجمانی کی گئی ہے خدا کرے کہ یہ تفسیر پایۂ تکمیل کو پہنچے اور عوام الناس کی رشد وہدایت کا ذریعہ بنے۔

اللہ تعالیٰ مفسر اور ناشر دونوں کی کوشش وکاوش کو قبول فرمائے۔ کتاب کی طباعت اور کتابت انتہائی عمدہ ہے اور کتاب حُسنِ معنوی کے ساتھ حُسنِ ظاہری سے بھی آراستہ ہے، عوام الناس، علماء، طلباء اس سے ضرور فائدہ اُٹھائیں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

Marfat.com

فہرست عنوانات

سورۃ المؤمنون تا سورۃ الاحزاب

سورۃ المؤمنون	۳۱
خشوع کا معنی	۳۱
نماز میں خشوع	۳۱
پہلی دس آیات	۳۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق	۳۲
کامیابی کی چابی	۳۲
نماز میں داڑھی سے کھیلنا	۳۲
لفظ ''قد'' کا استعمال	۳۳
فلاح کیا ہے؟	۳۳
بخیل جنت میں نہ جائے گا	۳۳
جنت کی چیزیں	۳۳
تمام مؤمن کسی نہ کسی وقت	۳۴
جنت میں داخل نہ ہوں گے	۳۴
خشوع کے متعلق مختلف اقوال	۳۴
بندہ متوجہ ہو تو اللہ متوجہ رہتا ہے	۳۴
شیطان کا جھپٹا	۳۴
نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا	۳۴
نفاق والا خشوع	۳۵
حضرت عبداللہ بن زبیر	۳۵
اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی نماز	۳۵
نماز میں پتھر نہ ہٹائے	۳۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انس ؓ کو نصیحت	۳۵
فضولیات سے پرہیز	۳۵
لغو کے درجات	۳۵
لغو کے متعلق اقوال	۳۵
زکوٰۃ ادا کرنا	۳۶
شرمگاہوں کی حفاظت	۳۶
قضائے شہوت کی حرام صورتیں	۳۶
ماملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں	۳۶
متعہ کی حرمت	۳۷
حلق حرام ہے	۳۷
امانتداری اور ایفائے عہد	۳۷
دو قسم کے عہد	۳۷
سب سے پہلے نماز کا حساب	۳۷
نمازوں کی حفاظت	۳۷
محبوب عمل	۳۷
آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت	۳۷
بہترین عمل	۳۸
جنت کے وارث	۳۸
ہر ایک کی دو منزلیں	۳۸
فردوس	۳۸
مہاجرین وانصار	۳۸
منتخب مٹی کا بنا ہوا	۳۸
رحم مادر میں	۳۹
مختلف مراحل	۳۹
روح حیات	۳۹
انسان پیدائش سے انجام تک	۳۹
زندگی کے تغیرات	۳۹
روحِ حقیقی اور روحِ حیوانی	۴۰
متناسب صورت	۴۰
وحی کے ساتھ حضرت عمرؓ کی موافقت	۴۰
شانِ الٰہی	۴۰
عبداللہ بن سعد کا واقعہ	۴۰
سب کو موت آئے گی	۴۱
پھر قیامت میں اٹھائے جاؤ گے	۴۱
سات آسمان	۴۱
پورا نظام قابو میں ہے	۴۱
آب رسانی کا نظام	۴۱
زیر زمین پانی کا ذخیرہ	۴۲
اللہ چاہے تو پانی ختم ہو جائے	۴۲
باغات اور پھل	۴۲
زیتون کا درخت	۴۲
علمی لطیفہ	۴۳
زیتوں کے فوائد وخصوصیات	۴۳
طورِ سیناء	۴۳
زیتون کا سالن	۴۳
حیوانات کے فوائد	۴۴
وسائل نقل وحمل	۴۴
ربطِ آیات	۴۴
حضرت نوحؑ کی دعوت اور سردارانِ قوم کا جواب	۴۴
سرداروں کا تبصرہ	۴۴
بارگاہِ الٰہی حضرت نوحؑ کی درخواست	۴۵
تنور کا مطلب	۴۵
آغازِ عذاب	۴۵
کشتی سے برکت کا اتارنا	۴۶

Marfat.com

حضرت نوح علیہ السلام کی عظمت	۴۶
حضرت ہودؑ یا حضرت صالح کی دعوت	۴۶
قوم کا عقیدہ	۴۶
سرداروں کا فیصلہ	۴۷
بعث بعد الموت کا انکار	۴۷
انکارِ آخرت	۴۷
پیغمبر پر جھوٹ کی تہمت	۴۷
پیغمبر کی دُعاء	۴۷
عذاب کی اطلاع	۴۷
قوم کی ہلاکت	۴۷
قوموں کے انجام	۴۸
رسولوں کو جھٹلانے کی سزا	۴۸
فرعون اور اس کے سرداروں کا تکبر	۴۸
ایمان سے انکار کا بہانہ	۴۹
بنی اسرائیل کا دستور العمل	۴۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۴۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش	۴۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بادشاہ کی دشمنی	۴۹
زبوہ کا مطلب	۴۹
بعض گمراہ مصنفین کی تردید	۴۹
صحابہ وتابعین کے اقوال	۴۹
اکل حلال اور صدق مقال	۵۰
حضرت داؤدؑ کا اکل حلال اور عبادت گذاری	۵۰
انبیاء حلال ہی کھاتے ہیں	۵۰
طیبات فقط حلال چیزیں ہیں	۵۰
ایسا کھانا جو غافل نہ کرے	۵۰
عمل صالح	۵۱
خلاصہ کلام	۵۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت	۵۱
حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو خطاب	۵۱
اللہ باخبر ہے	۵۱
اختلافِ امت کے اسباب	۵۱
پیغمبر کا کام	۵۱
آسمانی کتابوں میں تحریف	۵۲
فرقہ پرستوں کو چھوڑیئے	۵۲
فرقہ پرستوں پر گرفت ضرور ہوگی	۵۲
ایک پرانا وہم	۵۲
عقل کے کورے	۵۲
مؤمن کی شان	۵۲
آیات پر یقین	۵۳
توحید پر ایمان	۵۳
نیک عمل کے باوجود ڈرتے رہنا	۵۳
اصل نیکی	۵۳
نیکی میں پیش قدمی کرنا	۵۳
انسان کو اس کی طاقت کے مطابق	۵۴
مکلّف بنایا گیا ہے	۵۴
انسان کسی اور طرف مشغول ہے	۵۴
عذاب آتے تو چلاتے	۵۵
غزوۂ بدر اور قحط کا عذاب	۵۵
اپنی غفلت واعراض کو یاد کرو	۵۵
پیغمبر کی باتوں پر توجہ دیتے تھے	۵۵
قرآن پر غور نہیں کیا	۵۵
پیغمبر اور کتاب کوئی نئی بات نہ تھی	۵۶
پیغمبر کی صداقت ودیانت بھی سامنے ہے	۵۶
فقط خواہش پرستی انکار کرا رہی ہے	۵۶
ان کی خواہش پرستی کیلئے حق نہیں بدل سکتا	۵۶
ہدایت آپہنچی ہے	۵۶
مفاد پرست انکار کر رہے ہیں	۵۶
پیغمبر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا	۵۷
پیغمبر تو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتا ہے	۵۷
احسان فراموش اور ناشکرے	۵۷
اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں استعمال کرو	۵۸
آخرت کی حاضری	۵۸
دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں	۵۸
رجعت پسندی اور اندھی تقلید	۵۸
سب اللہ کے قبضہ میں ہے	۵۹
خوفِ خدا کرو	۶۰
عرشِ الٰہی	۶۰
اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا	۶۰
تم پر کیا جادو ہے	۶۰
دلائل کے باوجود انکارِ حق	۶۱
اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو نظام نہ چلتا	۶۱
اللہ شراکت سے پاک ہے	۶۱
ہر مؤمن عذاب سے بچنے کی دُعاء کرے	۶۱
اعلیٰ اخلاقی قدریں	۶۱
شیاطین سے بچنے کا طریقہ	۶۱
شیاطین سے حفاظت کی دُعاء	۶۱
نیند آنے کیلئے دُعاء	۶۱
موت آئے گی تو پچھتائیں گے	۶۲
موت کے فرشتوں سے مؤمن کی گفتگو	۶۲
جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اسے ملنا چاہتا ہے	۶۲
عمل صالح کرنے کا نسخہ	۶۲
کافر کی درخواست رَدّ ہو جاتی ہے	۶۲
گناہگاروں کی قبریں	۶۲
عالم برزخ کے عذاب پر تنبیہ	۶۳
ناکام تمنا	۶۳
کافر واپس آکر بھی نیکی نہ کرینگے	۶۳
عالم برزخ	۶۳
کوئی کسی کو نہ پوچھے گا	۶۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ برقرار رہے گا	۶۴
بدعتیں ایجاد کرنے والے	۶۴
حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثوم سے نکاح	۶۴
پہلا نفخہ اور دوسرا نفخہ	۶۴
قیامت میں حقوق کا اعتبار ہوگا انساب کا نہیں	۶۴
نسب پر فخر بے کار ہے	۶۴
معصوم بچے والدین کو شراب پلائیں گے	۶۴
مؤمنوں کے رشتے منقطع نہ ہونگے	۶۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء	۶۵
ہونٹ سوج جائیں گے	۶۵

Marfat.com

اور زبان کو پاؤں روندیں گے	۶۵
میدان حشر کے مختلف احوال	۶۵
مؤمنین کاملین اور کفار	۶۵
ہر انسان کے اعمال کا وزن ہوگا	۶۵
میزان اور ترازو پر ایمان لانا ضروری ہے	۶۶
میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنی ہیں	۶۶
مؤمن بندہ اور اس کے اعمال کا	۶۷
کافر و کافر کے اعمال سے موازنہ	۶۷
اعمال کے درجات	۶۷
جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں	۶۷
قرآن میں یا مؤمن صالح کا تذکرہ ہے یا کافر کا	۶۷
ہمیشہ کی خوش نصیبی و بدنصیبی	۶۷
گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبارہ تلیں گے	۶۷
امت محمدیہ کے چہرے آگ نہیں جلائے گی	۶۷
پورے جسم کا گوشت اتر جائے گا	۶۸
شکلیں بگڑ جائیں گی	۶۸
منکروں کو جتلایا جائے گا	۶۸
منکروں کا اعتراف	۶۸
وہاں فریاد نہیں سنی جائے گی	۶۸
دنیا میں مؤمن پر ہنستے تھے	۶۹
مؤمنین کے صبر کا اجر	۶۹
دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی	۶۹
دنیا کی زندگی قلیل کیوں معلوم ہوگی	۶۹
کاش کہ دنیا میں سمجھ جاتے	۶۹
تمہیں یونہی فضول نہیں بنایا	۶۹
اللہ تعالیٰ وفاداروں کو یونہی نہیں چھوڑے گا	۷۰
اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے	۷۰
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری خطبہ	۷۰
جنّ کا علاج	۷۰
غرق ہونے سے تحفظ کی دُعاء	۷۰
دعائے مغفرت	۷۱
آخری آیات کا ورد رکھنا چاہئے	۷۱
اختتام سورۃ و آغاز سورۃ کا ربط	۷۱
نبی اور امت کی دُعاء	۷۱
مجاہدین کا ورد	۷۱
پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے	۷۱
سورۃ النور	۷۲
سورۂ نور کے مضامین	۷۲
سورۂ نور میں بیان کئے گئے احکام کی اہمیت	۷۲
حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عائشہ	۷۲
رضی اللہ عنہا کی عفت پر ایمان لانا فرض ہے	۷۲
زانی کی سزا	۷۳
زناء اور قتل عمد اور مرتد کی سزا میں	۷۳
تورات کا حکم باقی رکھا گیا	۷۳
ان احکام کی حفاظت فرض ہے	۷۳
وہ لوگ جو رحمت سے محروم ہیں	۷۳
کوڑے مارنے کا طریقہ	۷۳
امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک	۷۴
جلاوطنی حدِ زناء کا حصہ نہیں ہے	۷۴
حدّ کے علاوہ جلاوطنی حاکم کا	۷۵
صوابدیدی عمل ہے	۷۵
ترک معصیت اور تزکیہ کیلئے ہجرت	۷۵
سنگسار کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے	۷۵
حضرت عمرؓ کا خطبہ	۷۵
تین چیزیں جو مسلمان کا خون حلال کرتی ہیں	۷۶
حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سنگساری	۷۶
حضور نے غیر محصن مرد کو کوڑے لگوائے	۷۶
اور محصنہ عورت کو سنگسار کرایا	۷۶
ایک صحابی کی بیوی کی سنگساری	۷۶
ایک خاتون کی دوہری سزا	۷۷
ایک شخص کی دوہری سزا	۷۷
احصان کا معنی اور شرائط	۷۷
یہودی زناکاروں کی سنگساری کا واقعہ	۷۷
سابقہ شریعتوں کے احکام	۷۷
زناء کی تعریف	۷۸
ایسی صورتیں جو زنا نہیں مگر زنا کے مشابہ ہیں	۷۸
شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے	۷۸
شبہ اشتباہ	۷۹
حدّ کا مطلب	۷۹
وہ عورتیں جن سے نکاح حلال نہیں	۷۹
مریض پر حدّ جاری کرنا	۸۰
حاملہ عورت پر حد	۸۱
زناء کی تباہ کاریاں	۸۲
جس جرم کی سزا سخت ہے اس کے	۸۲
ثبوت کی شرائط بھی سخت ہیں	۸۲
آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی	۸۲
احکام الٰہی جاری کرنے میں کوئی چیز	۸۲
مانع نہ بننے دو	۸۲
اگر فاطمہ بنت محمد ہوتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا	۸۳
حدود میں نرمی نہ کرو	۸۳
حد سے آگے بھی نہ بڑھو	۸۳
سزا برسرِ عام ہو	۸۳
برسرِ عام سزا کی حکمت	۸۳
زانی کی طبیعت کا تجزیہ	۸۳
زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے	۸۴
مؤمنین کیلئے زنا اور زانیہ سے نکاح حرام ہے	۸۵
حرام نکاح اور حرام فعل	۸۵
پاکدامن عورت پر زناء کی تہمت لگانا	۸۵
محصنات کا مطلب	۸۵
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	۸۶
مؤمنوں والا کلمہ	۸۶
ثبوتِ تہمت کی شرائط	۸۶
ایک شبہ اور جواب	۸۷
محصنات کون ہیں	۸۷
زنا کی تہمت لگانے کی سزا	۸۷
تہمت لگانے والا فاسق ہوا	۸۷
توبہ سے فسق کا ازالہ ہو جاتا ہے	۸۸
توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی	۸۸
حضرت سعید بن معاذ کی گفتگو،	۸۹

Marfat.com

عویمر کے واقعہ کی تفصیل	۹۰
لعان کیلئے دو شرطیں	۹۱
لعان کا طریقہ	۹۲
لعان کے بعد تفریق واجب ہے	۹۳
لعان سے فسخ نکاح از خود نہیں ہو جاتا	۹۳
زنا کار خاتون اور تہمت تراش مرد کی اخروی سزا	۹۴
غیر باپ کو اپنا باپ بنانا حرام ہے	۹۴
قانونِ الٰہی رحمت و فضل ہے	۹۴
حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ	۹۴
مفصل واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی	۹۵
سفر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول	۹۵
غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں میری رفاقت	۹۵
میرا پیچھے رہ جانا	۹۵
حضرت صفوان بن معطلؓ کے ساتھ	۹۶
قافلہ کے ساتھ شمولیت	۹۶
واپسی پر میری علالت	۹۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات میں کمی	۹۶
تہمت تراشی کی خبر	۹۶
والدین کے گھر جا کر رات بھر روتے رہنا	۹۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا متعلقین سے تحقیق کرنا	۹۶
برسر منبر بہتان تراشوں کی تردید میں	۹۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب	۹۷
میرا رات دن روتے رہنا	۹۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی	۹۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرا بیان	۹۷
مجھے اپنی براءت کا یقین تھا	۹۸
وحی اُترنا	۹۸
خوشخبری	۹۸
حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات	۹۸
اِفک کا معنی اور مطلب	۹۹
طوفان اٹھانے والے	۹۹
حضرت عائشہؓ کا حسنِ خلق و مروت	۹۹
الزام سے متاثرہ شخصیات کیلئے تسلی	۹۹
الزام تراشی کے فتنہ کے حصہ داروں کا گناہ	۱۰۰
کوڑوں کی سزا	۱۰۰
عبداللہ بن اُبی کی بکواس بازی	۱۰۰
آیت کی تفسیر میں ایک کمزور قول	۱۰۰
اہل بدر کی فضیلت	۱۰۰
ایک مسلمان کا طرز معاشرت	۱۰۱
حضرت ایوایوب رضی اللہ عنہ کا کمال	۱۰۱
بلا دلیل مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں ہے	۱۰۱
ایک اہم اور ضروری تنبیہ	۱۰۱
انسدادِ فواحش کا قرآنی نظام	۱۰۱
بغیر ثبوت الزام اٹھانا غلط ہے	۱۰۲
ایک اہم تنبیہ	۱۰۲
اللہ کے فضل نے بچالیا	۱۰۲
جرم کی سنگینی	۱۰۲
تمام نیکیوں کا مدار	۱۰۲
تہمت کی بات سنتے ہی انکار کیوں نہ کیا	۱۰۳
حضرت صدیق اکبر کی بیٹی کیلئے	۱۰۳
ایسی بات کیوں کہی گئی؟	۱۰۳
یہ بہت بڑا بہتان تھا	۱۰۳
خبردار! آئندہ ایسا نہ ہو	۱۰۳
اللہ کی طرف سے راہنمائی	۱۰۴
بدکاری کی خبروں کا چرچا کرنیوالے	۱۰۴
اللہ جانتا ہے کس کا کتنا جرم ہے	۱۰۴
اللہ کی مہربانی سے فتنہ ختم ہوا	۱۰۵
شیطانی چالوں سے ہوشیار رہو	۱۰۵
اللہ نے شیطان کو ناکام کردیا	۱۰۵
احسان و مروت کی تعلیم	۱۰۵
حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت مسطحؓ کا معاملہ	۱۰۵
پاکدامن خواتین پر تہمت گناہِ کبیرہ ہے	۱۰۶
ازواج مطہرات میں سے کسی	۱۰۶
پر تہمت لگانا کفر ہے	۱۰۶
قیامت کے دن مجرم کی رسوائی	۱۰۷
مؤمن کی پردہ پوشی اور کافر کی رسوائی	۱۰۷
زبان پر مہر اور مختلف اعضاء کی گواہی	۱۰۷
رتی رتی عمل سامنے آئے گا	۱۰۸
بروں کیلئے برے اچھوں کیلئے اچھے	۱۰۸
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت	۱۰۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جنتی ہیں	۱۰۸
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مایہ ناز خصوصیتیں	۱۰۹
صدیق کی بیٹی صدیقہ	۱۰۹
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص عظمت	۱۰۹
جبریلؑ کا حضرت عائشہؓ کو سلام	۱۰۹
تمام ازواج مطہرات پر فضیلت	۱۱۰
تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ کی فضیلت	۱۱۰
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بلاغت و سلاست	۱۱۰
چار شخصیتوں کی براءت	۱۱۰
کسی کے ہاں جانے کے آداب	۱۱۰
استیناس کا مطلب	۱۱۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت	۱۱۱
سلام کے بغیر داخلہ کی اجازت نہ دو	۱۱۱
جاہلیت کا طریقہ	۱۱۲
اپنے گھر میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا	۱۱۲
اجازت لیتے وقت اپنا نام بتائے	۱۱۳
ایک برا طریقہ	۱۱۳
بہرحال دوسرے کے گھر میں بلا اجازت	۱۱۴
داخل ہونا جائز نہیں	۱۱۴
اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ	۱۱۴
تین مرتبہ مانگنے سے اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ	۱۱۴
کسی کے گھر جھانکنا منع ہے	۱۱۵
جو کچھ کرتے ہو اللہ جانتا ہے	۱۱۶
غیر رہائشی مکانات کا مسئلہ	۱۱۶
بدنظری حرام ہے	۱۱۷
اچانک نظر پڑنا	۱۱۷
نابینا سے بھی پردہ ضروری ہے	۱۱۷
دیور موت ہے	۱۱۷
عورت کا خوشبو لگا کر مسجد آنا	۱۱۷

Marfat.com

غیر جگہ زینت ظاہر کرنا	۱۱۷
عورتیں راستہ کے ایک طرف ہو کر چلیں	۱۱۷
انسدادِ فواحش اور حفاظتِ عصمت کا ایک اہم باب	۱۱۸
برہنہ ہونے سے بچو	۱۱۸
آنکھ کی چوری اور دل کا بھید اللہ کو معلوم ہے	۱۱۸
زینت کو ظاہر نہ کرنا	۱۱۹
عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے	۱۲۰
ضرورت و مجبوری کا حکم	۱۲۰
اوپر کے کپڑے	۱۲۰
چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے	۱۲۰
سینہ چھپانے کی تاکید	۱۲۰
محرم رشتہ داروں کا حکم	۱۲۱
خاوند کا حکم	۱۲۱
محرم کے سامنے زینت کا اظہار مقصود نہ ہو	۱۲۱
خوشبو لگا کر لوگوں پر گذرنا	۱۲۱
آواز سنانا	۱۱۲۱
آنکھوں اور ہاتھوں کا زنا	۲۲
اگر خطرہ ہو تو محرم سے بھی پرہیز کرے	۱۲۲
عورت کا عورت کی زینت کو دیکھنا	۱۲۳
بارہ قسم کے محارم	۱۲۳
غلام اور باندی	۱۲۴
مخنث وغیرہ	۱۲۴
عورت عورت سے قرآن سیکھے	۱۲۵
خوشبو لگا کر باہر نکلنا	۱۲۵
آئندہ کیلئے توبہ کرلو	۱۲۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ و استغفار	۱۲۶
بیوہ، رنڈوں اور غیر شادی شدہ کا نکاح کرو	۱۲۶
نکاح کرنے کا مسنون طریقہ	۱۲۶
نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف	۱۲۶
حالات میں حکم مختلف ہے	۱۲۶
تین آدمی جن کی مدد ضرور ہوتی ہے	۱۲۷
ایک بے سروسامان آدمی کا نکاح	۱۲۷
اسلام میں سب سے پہلی قسطیں	۱۲۷
حفاظتِ عصمت کا نسخہ	۱۲۷
لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح	۱۲۸
بغیر نکاح رہنے کی ممانعت	۱۲۸
جوانوں کو حکم	۱۲۸
نکاح میری سنت ہے	۱۲۸
پیغمبروں کی چار سنتیں	۱۲۹
بعض صحابہ کے جذبات کی اصلاح	۱۲۹
اس امت کے سب سے افضل آدمی	۱۲۹
حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق	۱۱۲۹
مناسب رشتہ آئے تو نکاح کردو	۱۳۰
اولاد کا نکاح نہ کرنے کا نقصان	۱۳۰
غلام اور باندیاں نکاح کے قابل ہوں	۱۳۱
تو ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالو	۱۳۱
رزق کے خوف سے نکاح ترک نہ کرو	۱۳۱
نکاح کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو	۱۳۱
جب تک نکاح کی ہمت نہیں عفت محفوظ رکھو	۱۳۲
غلام اور لونڈی کی آزادی	۱۳۲
حضرت ابن سیرینؒ کی آزادی	۱۳۲
اگر آزادی میں ان کی بہتری ہو تو آزاد کرو	۱۳۲
جدید مادہ پرستانہ نظریات	۱۳۲
اور قرآن کا نظریۂ ملکیت	۱۳۲
غلاموں کی آزادی میں مالی امداد کرو	۱۳۳
لونڈیوں کو غلط کاری نہ کراؤ	۱۳۳
مجبور و محکوم قابل رحم ہے	۱۳۳
قرآن کا بیان نصیحت و عبرت کا کامل سامان ہے	۱۳۴
اللہ کے نور سے جہان آباد ہے	۱۳۴
طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء	۱۳۴
نور کا مطلب	۱۳۴
مذکورہ مثال کا حاصل	۱۳۵
مومن نورِ الٰہی سے کس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے	۱۳۵
دلوں کی چار قسمیں	۱۳۶
نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۶
روغن زیتوں کی برکات	۱۳۷
مؤمن کے دل کا نور	۱۳۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور	۱۳۷
مہرِ نبوت	۱۳۸
عالمِ کفر میں زلزلہ	۱۳۸
یہودی تاجر کی خبر	۱۳۸
راہب کی پیش گوئی	۱۳۸
حضرت عباس کے مسلمان	۱۳۸
ہونے کا خاص سبب	۱۳۸
فرشتے جھولا جھلاتے تھے	۱۳۸
حضرت حلیمہ کی گود میں برکتیں	۱۳۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کلام	۱۳۹
بادل کا سایہ	۱۳۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں	۱۳۹
چراغ کی ضرورت نہیں تھی	۱۳۹
بت اور حجر اسود تعظیم سے جھک گئے	۱۳۹
خشک وادیاں سرسبز ہوگئیں	۱۳۹
شقِ صدر	۱۳۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قحط دُور ہوگیا	۱۴۰
راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا	۱۴۰
راہب مسلمان ہوگیا	۱۴۰
فرشتے سایہ کرنے لگے	۱۴۰
علامہ سہیلی کی توجیہہ	۱۴۰
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول	۱۴۱
محمد بن کعب کا قول	۱۴۱
وحی سے قبل ہی کمالات ظاہر ہونے لگے	۱۴۱
نور اصل اور نور نسل	۱۴۱
حضرت ابی بن کعب کی تفسیر	۱۴۱
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول	۱۴۱
صوفی کا دِل	۱۴۱
حسن اور ابن زید کا قول	۱۴۱
بعض علماء کا قول	۱۴۲
انسان کی پانچ علمی ادراکی قوتیں	۴۲
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تشریح	۱۴۲

Marfat.com

میٹھا و کڑوا پانی ایک ساتھ	۱۹۶
میٹھا اور کھاری پانی اللہ کی عظیم نعمت	۱۹۷
اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ	۱۹۷
ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش	۱۹۸
پیغمبر کا کام	۱۹۸
رسالت کا اجر	۱۹۸
اللہ کے سوا کسی کے بھروسہ کی ضرورت نہیں	۱۹۸
اللہ کی قدر جاننے والے	۱۹۹
بے قدرے لوگ	۱۹۹
سجدہ فقط اللہ کو ہے	۱۹۹
آسمان کے بُرج	۱۹۹
موسموں کی تبدیلی کا نظام	۲۰۰
تفسیر قرآن میں سائنسی نظریات کی	۲۰۰
موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار	۲۰۰
فیثاغورس کی تحقیق کی تائید	۲۰۰
غلط دعویٰ	۲۰۰
علامہ آلوسیؒ کا تجزیہ	۲۰۱
علمِ فلکیات کی تاریخ	۲۰۱
ابوریحان البیرونی کی تحقیقات پر	۲۰۱
راکٹ کی ایجاد	۲۰۱
خلائی سفر	۲۰۲
قطب نما کے پس پردہ قوت	۲۰۲
نظام کائنات کا پیغام	۲۰۲
آسمان کا چراغ	۲۰۳
رات و دن کا نظام	۲۰۳
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست	۲۰۳
بدلتے حالات کا سبق	۲۰۳
اللہ کے سچے بندے	۲۰۳
مقبول بندوں کی مخصوص صفات و علامات	۲۰۴
جاہلوں سے سلوک	۲۰۵
رات کی عبادت گذاری	۲۰۵
رات کی نماز کی فضیلت	۲۰۵
خوفِ آخرت	۲۰۶
اپنے عملوں پر بھروسہ نہ کر بیٹھو	۲۰۶
جہنم کے گڑھے	۲۰۶
جہنمیوں کی آہ وزاری	۲۰۶
خرچ میں میانہ روی	۲۰۶
صحابہ کرام کے کھانے پینے کا مقصد	۲۰۶
محتاجی سے تحفظ	۲۰۷
اثام	۲۰۷
سب سے بڑا گناہ	۲۰۷
فنائے قلب کا مقام	۲۰۷
توبہ کا فائدہ	۲۰۷
گناہ پر نیک بندوں کی ندامت	۲۰۸
حضرت ماعزؓ کی توبہ	۲۰۸
ایک خاتون کی توبہ	۲۰۸
اہل محبت کے بعض اعمال واقوال	۲۰۸
سونے کا وظیفہ	۲۰۹
برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی	۲۰۹
چار قسم کے جنتی	۲۰۹
ایک بوڑھے گناہ گار کا واقعہ	۲۰۹
ایک خاتون کا واقعہ	۲۱۰
مسلمان گناہ گار کی توبہ	۲۱۰
حضرت قاضی ثناء الہ پانی پتیؒ کی صوفیانہ توجیہ	۲۱۰
جھوٹ سے پرہیز	۲۱۱
جھوٹے گواہ کی سزا	۲۱۱
گناہ کبیرہ	۲۱۱
قاضی شریح رحمہ اللہ کا عمل	۲۱۱
جھوٹ کی مجلسوں سے پرہیز	۲۱۱
غور وفکر کی عادت	۲۱۲
صالح اہل وعیال	۲۱۲
نیکی کی امامت	۲۱۲
مؤمنین کا انعام	۲۱۳
جنت کے درجات	۲۱۳
جنت کے بالاخانے	۲۱۳
سلامتی کے تحفے	۲۱۴
اللہ بے نیاز ہے ہم محتاج ہیں	۲۱۴
تکذیب حق کی سزا ملنے والی ہے	۲۱۴
سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کا خلاصہ	۲۱۵
انسان کا مبداء کیا ہے؟	۲۱۵
انسان کا میعاد رحمٰن کے بندوں کی چال	۲۱۵
رحمٰن کے بندوں کا قال	۲۱۶
سلام کی برکات اور آداب	۲۱۷
رحمٰن کے بندوں کی تنہائی	۲۱۸
رحمٰن کے بندوں کی زبان سے عبادت	۲۱۹
مالیات کے سلسلہ میں رحمٰن کے بندوں کی شان	۲۲۰
رحمٰن کے بندوں کی قلبی عبادت	۲۲۱
حقوق العباد کے بارے میں رحمٰن کے	۲۲۳
بندوں کا طرزِ عمل	۲۲۳
توبہ کرنے والوں سے حق تعالیٰ کا معاملہ	۲۲۵
رحمٰن کے بندوں کی معاد	۲۲۶
سورۃ الشعراء	۲۲۷
اعجازِ قرآن	۲۲۷
امت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سوزی	۲۲۷
نزولِ آیت کا زمانہ	۲۲۷
آیت سے معلوم شدہ احکام	۲۲۷
حکمتِ الٰہی	۲۲۷
محروم ہدایت لوگ	۲۲۸
تکذیب وانکار کی سزا ملنے والی ہے	۲۲۸
تھوڑا سا غور کر کے حق تک رسائی ممکن ہے	۲۲۸
قدرتِ الٰہی	۲۲۸
ربطِ مضامین	۲۲۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو	۲۲۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ	۲۲۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تسکین وتسلی	۲۲۹
آزادی بنی اسرائیل کا پروگرام	۲۲۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو دعوت	۲۲۹
فرعون کا جواب	۲۳۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عذر	۲۳۰

Marfat.com

حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں	۲۳۰
لفظ ضلال کا مفہوم	۲۳۰
دعوائے نبوت	۲۳۱
فرعون کے احسان کا تجزیہ	۲۳۱
ربُّ العالمین کے متعلق فرعون کا سوال	۲۳۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب	۲۳۲
فرعون کی چالاکی	۲۳۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زور خطاب	۲۳۲
فرعون کا دوسرا پینترا	۲۳۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک	۲۳۲
اور نا قابل انکار دلیل	۲۳۲
فرعون کی دہشت گردی	۲۳۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور چیلنج	۲۳۳
فرعون کی بدحواسی	۲۳۳
فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا	۲۳۳
فرعون کے جادوگر کرائے کے مزدور	۲۳۴
جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیلنج	۲۳۴
جادوگروں نے فرعون کی قوت کا سہارا لیا	۲۳۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح	۲۳۴
فرعون کی سیاسی چالبازیاں	۲۳۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ	۲۳۵
جادوگروں کے ایمان کی پختگی	۲۳۵
ہجرت کا حکم	۲۳۵
تعاقب کی تیاری	۲۳۵
فرعون کے دعوے	۲۳۵
فرعونیوں کی بدبختی	۲۳۶
بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنا دیا	۲۳۶
دریائے قلزم کے کنارے پر	۲۳۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اطمینان علی اللہ	۲۳۶
عصائے موسیٰ علیہ السلام سے پانی میں	۲۳۶
راستے بن گئے	۲۳۶
فرعون اور اس کی لشکر کی غرقابی	۲۳۷
حق کی کامیابی کی دلیل	۲۳۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی	۲۳۷
دعوتِ ابراہیمی	۲۳۷
قوم کا جواب	۲۳۷
حضرت ابراہیمؑ کا سوال	۲۳۷
قوم کا جواب	۲۳۸
حضرت ابراہیمؑ کا اعلانِ جنگ	۲۳۸
اللہ تعالیٰ ہی خالق و راہنما ہے	۲۳۸
راز، شفا اور زندو موت کا مالک اللہ ہی ہے	۲۳۸
موت اور بیماری کا فرق	۲۳۹
مقام عصمت کی وضاحت	۲۳۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ	۲۳۹
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعاء	۲۴۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد کیلئے استغفار	۲۴۰
پاک دِل	۲۴۱
کافروں اور منافقوں کی رسوائی	۲۴۱
شرک اور شک سے پاک دِل	۲۴۱
کافر کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی	۲۴۱
تندرست دِل	۲۴۱
جنت و دوزخ کا نظارہ	۲۴۱
فرضی معبود کہاں ہیں	۲۴۱
انجام کار سب باطل پرستوں کا آپس میں جھگڑا	۲۴۲
کافر کو گہری دوستی بھی کام نہ آئے گی	۲۴۲
کافروں کی ناکام حسرت	۲۴۲
قصہ ابراہیم علیہ السلام کا سبق	۲۴۲
حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت	۲۴۳
ایک پیغمبر کا انکار سب کا انکار ہے	۲۴۳
پیغمبر بے لوث ہوتا ہے	۲۴۳
طاعات پر اُجرت لینے کا حکم	۲۴۳
قوم کے سرداروں کا اعتراض	۲۴۳
قوم نوح کا احمق پن	۲۴۳
غریبوں کو دھکے نہیں جا سکتے	۲۴۳
قوم والوں کی دھمکی	۲۴۴
حضرت نوح علیہ السلام کی دُعاء	۲۴۴
قوم عاد کی عمارت پرستی	۲۴۴
کبوتر بازی	۲۴۴
ذلت والا کام	۲۴۴
بلا ضرورت عمارت بنانا مذموم ہے	۲۴۵
ایک انصاری صحابی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم	۲۴۵
سے ناراضگی	۲۴۵
موت سر پر کھڑی ہے	۲۴۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل	۲۴۵
کمزوروں پر ظلم سے باز آؤ	۲۴۶
جبارین	۲۴۶
اپنے انجام کو سوچو	۲۴۶
قوم والوں کی بے حسی	۲۴۶
حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ	۲۴۷
عوام سے خطاب	۲۴۷
سرداروں کی بے پرواہی	۲۴۷
حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی	۲۴۷
اونٹنی کے ساتھ ظلم	۲۴۷
قوم لوط کی بدکاری	۲۴۸
فطرت کی خلاف ورزی	۲۴۸
غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے	۲۴۸
قوم والوں کی دھمکی	۲۴۹
حضرت لوط علیہ السلام کی استقامت	۲۴۹
حضرت لوط علیہ السلام کی دُعاء	۲۴۹
حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی	۲۴۹
عذاب کی صورت	۲۴۹
لوطی کی سزا	۲۴۹
مدین والے	۲۵۰
حضرت شعیبؑ کی تبلیغ	۲۵۰
فساد فی الارض	۲۵۰
قوم کا جواب	۲۵۱
حضرت شعیب علیہ السلام کی وضاحت	۲۵۱
زلزلے اور آگ کا عذاب	۲۵۱
خدا کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے	۲۵۱

Marfat.com

نزول قرآن	۲۵۱
وحی کی صورتیں	۲۵۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز	۲۵۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت	۲۵۲
قرآن پاک کے متعلق عقیدہ	۲۵۲
نزولِ قرآن عربی میں ہوا	۲۵۳
نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا جائز ہے	۲۵۳
قرآن کے اُردو ترجمہ کو قرآن کہنا جائز نہیں	۲۵۳
سابقہ کتب کو قرآن نہ کہا جائے	۲۵۳
مضامین قرآن کا تسلسل	۲۵۳
علمائے یہود کا علم	۲۵۴
مشرکین کے بہانے کبھی ختم نہ ہونگے	۲۵۴
عجمی کا مطلب	۲۵۴
اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت	۲۵۴
حقانیتِ قرآن	۲۵۴
جب آنکھ کھلے گی مہلت نہیں ملے گی	۲۵۵
لمبی عمر نعمت ہے	۲۵۵
مہلت کے بعد عذاب آتا ہے	۲۵۵
قرآن کریم شیطان کے دخل سے پاک ہے	۲۵۵
شیاطین کی ناکہ بندی	۲۵۶
قرآن کو چھوڑنا عذاب کو دعوت دینا ہے	۲۵۶
قربتداروں کو ڈرانے کا حکم	۲۵۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے قرابتداروں کو دعوت دینا	۲۵۷
کوہِ صفا سے سب کو بلانا	۲۵۷
قوم والوں سے خطاب	۲۵۷
ابولہب کی ہلاکت	۲۵۷
ایک ایک کو خطاب	۲۵۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی مثال	۲۵۸
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت	۲۵۸
اللہ پر بھروسہ رکھو	۲۵۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساجدین میں تقلیب	۲۵۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا مؤمن ہونا	۲۵۹
صداقت وعظمتِ قرآن وپیغمبر	۲۶۰
شیطان کی جھوٹی روایات	۲۶۰
کاہنوں کی باتیں	۲۶۰
ستاروں کا ٹوٹنا	۲۶۱
پیغمبر شاعر نہیں ہے	۲۶۱
دورِ فاروقی کے ایک گورنر کی معزولی کا واقعہ	۲۶۱
شعر کی تعریف	۲۶۲
اچھے اشعار	۲۶۲
کون سے اشعار بُرے ہیں	۲۶۲
خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا	۲۶۳
ہر علم اور فن مذموم ہے	۲۶۳
اکثر تابعین کی گمراہی متبوع کی	۲۶۳
گمراہی کی علامت ہوتی ہے	۲۶۳
شاعروں کی گپوں کا ایک نمونہ لکھا جاتا ہے	۲۶۳
شعر گوئی کی مذمت	۲۶۳
بے عمل خطیب	۲۶۳
غاوی کون ہیں	۲۶۴
شعراء کی گمراہیاں	۲۶۴
زبانی وخیالی باتیں	۲۶۴
پیغمبر کو شاعروں سے کوئی لگاؤ نہیں	۲۶۴
اچھے شعراء	۲۶۴
حضرت عبداللہ بن رواحہؓ	۲۶۵
حضرت حسان بن ثابتؓ	۲۶۵
لبید کا کلام	۲۶۶
امیہ بن صلت کے اشعار	۲۶۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد	۲۶۶
حضرت صدیق وفاروق وحیدر رضی اللہ عنہم	۲۶۶
حضرت عبداللہ بن عباس کی شعر پسندی	۲۶۶
ظالموں کو دھمکی	۲۶۶
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وصیت نامہ	۲۶۶
سورۃ النمل	۲۶۸
دنیا پرستی کے مریض	۲۶۸
لوحِ محفوظ	۲۶۸
قرآن کے احکام واضح ہیں	۲۶۸
دنیا پرستوں کو چھوڑیئے آپ عظیم الشان کتاب کا شکر ادا کرتے رہیں	۲۶۹
علم وحکمت	۲۶۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے واپسی سفر کا حال	۲۶۹
روایت بالمعنی کی دلیل	۲۶۹
جدوجہد توکل کے منافی نہیں ہے	۲۶۹
ادب کا لحاظ	۲۷۰
نورِ الٰہی کا ظہور	۲۷۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سلام	۲۷۰
آگ میں کیا تھا	۲۷۰
اللہ تعالیٰ جسم، صورت، جہت وغیرہ سے پاک ہے	۲۷۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف	۲۷۲
پیغمبر اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا	۲۷۲
کوتاہی کے بعد توبہ واصلاح	۲۷۳
پیغمبر گناہ سے پاک ہوتا ہے	۲۷۳
قوم والوں کا انکار اور عذاب	۲۷۳
حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے علوم	۲۷۳
نعمتوں کا شکر	۲۷۴
علم کی فضیلت	۲۷۴
حضرت سلیمانؑ کے فضائل	۲۷۴
انبیاء کے مال کی وراثت نہیں ہوتی	۲۷۴
حضرت سلیمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیانی عرصہ	۲۷۵
پرندوں کی بولیاں	۲۷۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولیوں کا علم	۲۷۶
اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے	۲۷۶
بشرطیکہ تکبر انہ ہو	۲۷۶
مختلف پرندوں کی نصیحتیں	۲۷۶
حضرت ابن عباسؓ سے یہودیوں کے سوال	۲۷۷
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول	۲۷۷
حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق	۲۷۷
حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات	۲۷۷
ایک اللہ والے کا عجیب قصہ	۲۷۸

Marfat.com

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر	۲۷۹
حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت	۲۷۹
چیونٹیوں کی وادی پر گذر	۲۷۹
حضرت سلیمانؑ کے سفری انتظامات	۲۷۹
مدینہ اور مکہ سے حضرت سلیمانؑ کا گذر	۲۷۹
چیونٹی کا اعلان	۲۸۰
چیونٹیوں کی معاشرت کا نظام	۲۸۰
حیوانوں میں بھی ایک درجہ کی عقل موجود ہے	۲۸۰
چیونٹی کا اندازِ خطاب	۲۸۰
حضرت سلیمان اور ان کے لشکر	۲۸۱
کے متعلق چیونٹی کا حسن ظن	۲۸۱
اہل معرفت کا قول	۲۸۱
حضرت سلیمان علیہ السلام کا تعجب اور خوشی	۲۸۱
انبیاء کی ہنسی	۲۸۱
توفیقِ شکر کی دُعاء	۲۸۲
عمل صالح کیلئے قبولیت کی دُعاء	۲۸۲
ہُدہُد کی غیر حاضری	۲۸۲
حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مُریدوں کی خبر گیری ضروری ہے	۲۸۳
اپنے نفس کا محاسبہ	۲۸۳
طیور میں سے ہُدہُد کی تخصیص کی وجہ	۲۸۳
اور ایک اہم عبرت	۲۸۳
حضرت عبداللہ بن عباس پر سوال اور اس کا جواب	۲۸۴
کام میں سستی پر معتدل سزا دینا جائز ہے	۲۸۴
مجرم کو عذر کا موقع دینا چاہئے	۲۸۴
قوم سباء	۲۸۴
انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے	۲۸۵
کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں سے کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے	۲۸۵
چار جانوروں کا قتل ممنوع ہے	۲۸۵
ہُدہُد کا غیر حاضری کے سبب کا مفصل واقعہ	۲۸۵
کسی کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے	۲۸۶
ملکہ سباء	۲۸۶
کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہوسکتا ہے	۲۸۷
عورت کی حکمرانی	۲۸۷
بلقیس..... پیدائش سے حکمرانی تک	۲۸۷
بلقیس کی ماں	۲۸۸
بلقیس کا لاؤ لشکر	۲۸۸
بلقیس کا تخت	۲۸۸
قوم سبا کا شرک	۲۸۸
جانوروں کی فطری معرفت	۲۸۹
حضرت سلیمانؑ کا خط	۲۸۹
قاصد شاہی کے آداب	۲۸۹
تحریر اور خط بھی عام معاملات میں	۲۸۹
حجتِ شرعیہ ہے	۲۸۹
مشرکین کو خط لکھنا اور انکے پاس بھیجنا جائز ہے	۲۸۹
انسانی اخلاق کی رعایت ضروری ہے	۲۹۰
خط بلقیس کے پاس	۲۹۰
بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ	۲۹۰
حضرت سلیمانؑ کا خط کس زبان میں تھا	۲۹۰
خط نویسی کے چند آداب	۲۹۰
حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا اعزاز	۲۹۱
کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا	۲۹۱
خط کا جواب دینا بھی سنتِ انبیاء ہے	۲۹۱
خطوط میں بسم اللہ لکھنا	۲۹۲
آیتِ قرآنی والی تحریر کیا کسی کافر مشرک	۲۹۲
کے ہاتھ میں دینا جائز ہے	۲۹۲
خط مختصر، جامع، بلیغ اور مؤثر انداز	۲۹۲
میں لکھنا چاہئے	۲۹۲
خط کی جامعیت	۲۹۳
درباریوں کا مشورہ	۲۹۳
بلقیس کا فیصلہ	۲۹۴
بلقیس کے تحائف	۲۹۴
بلقیس کا قاصد اور اس کو ہدایات	۲۹۴
حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتظامات	۲۹۵
بلقیس کے قاصدوں کا احساس کمتری	۲۹۵
حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے تمام سوالات حل کردیئے	۲۹۵
حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحائف واپس کردیئے	۲۹۶
کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا اصول	۲۹۶
حضرت سلیمانؑ کا جواب	۲۹۶
حملہ کی اطلاع	۲۹۶
بلقیس کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں	۲۹۷
حاضری کی تیاری	۲۹۷
حضرت سلیمانؑ کا رعب	۲۹۷
بلقیس کے تخت اٹھانے کا پروگرام	۲۹۷
بلقیس کی حاضری دربارِ سلیمان میں ایک دیو کا دعویٰ	۲۹۷
آصف بن برخیا	۲۹۹
معجزہ اور کرامت میں فرق	۲۹۹
تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف	۲۹۹
آصف بن برخیا کی دُعاء	۳۰۰
فضلِ الٰہی کا شکر	۳۰۰
شکر گزاری کا نفع	۳۰۱
تخت کے رنگ وروپ میں تبدیلی	۳۰۱
تخت کے ذریعہ بلقیس کے امتحان کی حکمت	۳۰۱
بلقیس کی دانائی	۳۰۱
بلقیس کے یقین کا اظہار	۳۰۲
حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو شرک سے منع کیا	۳۰۲
بلقیس حضرت سلیمانؑ کے دربار کو سمجھ نہ سکی	۳۰۲
نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا	۳۰۳
حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو حقیقت بتلائی	۳۰۳
بلقیس کے اسلام کا اعلان	۳۰۳
حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس سے نکاح	۳۰۳
بلقیس کی ایک بدگمانی	۳۰۴
قوم ثمود میں گروہ بندی	۳۰۴
حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم	۳۰۴
قوم کا حضرت صالح علیہ السلام پر الزام	۳۰۴
قوم ثمود کے نو سردار	۳۰۴
حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کا پروگرام	۳۰۵
جھوٹ کی برائی	۳۰۵

Marfat.com

ان کا فساد اور ہلاکت	۳۰۵
آخر کار اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی	۳۰۶
قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈر	۳۰۷
ایمان والے کامیاب ہوئے	۳۰۷
حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت	۳۰۷
قوم والوں کا جواب	۳۰۷
حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی	۳۰۸
پتھروں کی بارش	۳۰۸
وعظ توحید	۳۰۹
مشرکوں کی حماقت	۳۰۹
اللہ کی خالقیت مشرک بھی مانتے ہیں	۳۰۹
جو خالق ہے وہی معبود ہے	۳۰۹
اوتار	۳۱۰
زمین کا فرش کس نے بنایا	۳۱۰
نہریں اور پہاڑ کس نے بنائے	۳۱۰
دریاؤں کا نظام کس نے بنایا	۳۱۰
اللہ ہی نے یہ سب کچھ بنایا ہے	۳۱۰
مظلوم کی فریاد کون سنتا ہے	۳۱۰
مضطر کون ہے؟	۳۱۰
بے کس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دُعاء	۳۱۱
مضطر کی دُعاء اخلاص کی بناء پر ضرور	۳۱۱
قبول ہوتی ہے	۳۱۱
تین دُعائیں	۳۱۱
دُعاء قبول نہ ہو تو مایوس نہ ہو	۳۱۱
ایک بے کس و مجبور کا عجیب واقعہ	۳۱۱
ایک بزرگ کا عجیب واقعہ	۳۱۲
قوموں کو زمین کی وراثت کون دیتا ہے؟	۳۱۲
غور کرو تو حقیقت نظر آئے؟	۳۱۳
جنگل و دریاء میں کون راہنمائی کرتا ہے	۳۱۳
معنوی ستارے	۳۱۳
ہوا و بارش کون بھیجتا ہے	۳۱۳
یہ سب کچھ جھوٹے معبودوں کے بس کا نہیں ہے	۳۱۳
کس نے ابتداءً پیدا کیا اور کون	۳۱۳
دوبارہ زندہ کرے گا	۳۱۳
آسمان و زمین سے تمہیں رزق کون دیتا ہے	۳۱۳
تمہارے پاس مقابلہ کی کوئی	۳۱۴
دلیل ہے تو پیش کرو؟	۳۱۴
اللہ کے معبود ہونے پر ایک	۳۱۴
دوسری طرح کی دلیل	۳۱۴
علم غیب کا مسئلہ	۳۱۴
ستاروں کے فائدے اور جاہلوں کا علم	۳۱۵
قیامت کا معین وقت کسی کو معلوم نہیں	۳۱۵
کم عقلوں کا انکارِ قیامت	۳۱۵
منکروں کی دلیل	۳۱۵
قیام قیامت کی دلیل	۳۱۶
منکروں کو دھمکی	۳۱۶
جو منکر ہی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں	۳۱۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت	۳۱۶
معرکہ بدر مشرکین کیلئے عذاب	۳۱۶
مہلت اللہ کا فضل ہے	۳۱۶
سب کے سب اعمال اللہ کے علم میں ہیں	۳۱۷
اہل کتاب کے جھگڑوں کا فیصلہ	۳۱۷
آپ کسی کے اختلاف سے متاثر نہ ہوں	۳۱۷
مردہ دلوں کا حال	۳۱۷
مسئلہ سماع اموات	۳۱۸
نصیحت کس کو نفع دیتی ہے؟	۳۱۹
باتیں کرنے والا جانور	۳۱۹
قیامت کی دس نشانیاں	۳۱۹
دابہ کوہ صفا سے نکلے گا	۳۱۹
قیامت کی سب سے آخری علامت	۳۱۹
دابۃ کی انگوٹھی اور لاٹھی	۳۲۰
دابۃ الارض کی چیخ	۳۲۰
دابۃ الارض کا رنگ و روپ	۳۲۰
تین بار دابہ نکلے گا	۳۲۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دابۃ الارض کو دیکھا	۳۲۱
مؤمن و کافر کا امتیاز	۳۲۲
گناہ گاروں کی تقسیم	۳۲۲
غور و فکر کے بغیر جھٹلا دیا	۳۲۲
منکروں کے تمام عذر ختم ہو گئے	۳۲۲
رات و دن کے نظام پر غور کی دعوت	۳۲۳
حشر کی دلیل	۳۲۳
صُور کا پھونکا جانا	۳۲۳
وہ لوگ جن پر گھبراہٹ نہ ہوگی	۳۲۳
سور ایک سینگ ہے	۳۲۴
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فکرِ آخرت	۳۲۴
صُور والا فرشتہ	۳۲۴
کل نفخات	۳۲۴
شہداء کی فضیلت	۳۲۴
جبریل، میکائیل، عزائیل اور حاملین عرش	۳۲۴
سب سے پہلے پیدا ہونے اور سب سے آخر میں مرنے والے	۳۲۵
حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق	۳۲۵
متعدد بار صور پھنکنا	۳۲۷
پہاڑ روئی کی طرح ہوں گے	۳۲۷
تمام بڑے اجسام کی حرکت	۳۲۷
بڑی بڑی اہم باتیں	۳۲۷
روحوں کا جسم میں سرایت کرنا	۳۲۸
صانع حقیقی کی کاریگری	۳۲۸
نیک عمل اور اس کا بدلہ	۳۲۸
بڑی گھبراہٹ	۳۲۸
معظم و محترم گھر	۳۲۹
کامل فرمانبرداری	۳۲۹
قرآن کے ذریعہ نصیحت اور قرآن کی پیروی	۳۲۹
ہر کسی کو اپنے لئے راہِ راست کی ضرورت ہے	۳۳۰
راہنمائی کے منصب کا شکر	۳۳۰
آیاتِ الٰہیہ	۳۳۰
سزا میں تاخیر کو غفلت نہ سمجھو	۳۳۱
سورۃ کے مضامین کا ربط	۳۳۱
اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا	۳۳۱

Marfat.com

سورۃ القصص	۳۳۲
مؤمنوں کو ظالموں پر کامیابی ملے گی	۳۳۲
سورۂ قصص کا تعارف	۳۳۲
قبطیوں کا بنی اسرائیل پر تسلط	۳۳۲
بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل	۳۳۳
حضرت ابراہیمؑ کی پیشینگوئی	۳۳۳
فرعون کا فساد	۳۳۳
اللہ کمزوروں کو غالب کرنیوالے تھے	۳۳۳
مصر وشام کی حکومت	۳۳۳
فرعون وہامان اور اس کے لشکروں کی شکست	۳۳۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام	۳۳۴
اُمّ موسیٰ کو تسلی	۳۳۴
مصر میں قبطیوں کے زوال کے اسباب	۳۳۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور دایہ	۳۳۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام تنور کی آگ میں	۳۳۵
صندوق کی تیاری اور بڑھئی کی زبان بندی	۳۳۵
بالآخر بڑھئی مسلمان ہوگیا	۳۳۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں	۳۳۵
فرعون کی بیوی نے موسیٰ کو بیٹا بنالیا	۳۳۶
فرعون کی اکلوتی بیٹی کا علاج	۳۳۶
بچہ کے نام	۳۳۶
حضرت آسیہ	۳۳۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کی کیفیت	۳۳۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنے	۳۳۸
بھائی کے حالات کی جاسوسی	۳۳۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام دوبارہ اپنی والدہ کی گود میں	۳۳۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی تفتیش	۳۴۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم وحکمت کی عطاء	۳۴۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کی موت	۳۴۱
قبطی اور اسرائیلی کا جھگڑا	۳۴۳
قبطی کے قتل کی قانونی حیثیت	۳۴۳
اسرائیلی کی دوسری لڑائی	۳۴۴
راز کا فاش ہونا	۳۴۴
فرعون کے مشورے	۳۴۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی طرف سفر	۳۴۵
مشکلاتِ سفر	۳۴۵
مدین پہنچنا	۳۴۵
دو حیاء والی بیبیاں	۳۴۶
بیبیوں کی مشکل	۳۴۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلوادیا	۳۴۶
مذکورہ واقعہ سے حاصل شدہ چند اہم فوائد	۳۴۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ سے دُعاء	۳۴۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت	۳۴۷
وہ درخت جس کے سایہ میں حضرت	۳۴۷
موسیٰ علیہ السلام بیٹھتے تھے	۳۴۷
قوم شعیب علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں	۳۴۸
ایک بی بی کی واپسی	۳۴۸
حضرت موسیٰ کیلئے حضرت شعیبؑ کا پیغام	۳۴۸
ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں	۳۴۸
نیکی پر اُجرت کا مسئلہ	۳۴۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو	۳۴۸
حضرت شعیب علیہ السلام کی تسلی وامان	۳۴۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت وامانت	۳۴۹
حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی کی دانائی	۳۴۹
تین زیرک آدمی	۳۴۹
ملازمت یا عہدہ سُپرد کرنے	۳۴۹
کے لئے دو اہم شرطیں	۳۴۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی	۳۴۹
بیٹی کے نکاح میں ایک نبوی طریقہ	۳۴۹
خدمت کو حق مہر بنانا	۳۵۰
بیع کے متعلق ایک مسئلہ	۳۵۰
موسیٰ علیہ السلام کے نکاح کا حق مہر	۳۵۰
معاہدۂ نکاح کی تکمیل	۳۵۱
حضرت شعیب علیہ السلام کا گریہ شوق	۳۵۱
حضرت شعیب علیہ السلام کی لاٹھی	۳۵۱
لاٹھی پر اختلاف کا فیصلہ	۳۵۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بکریاں	۳۵۲
تکمیل مدت اور مصر واپسی	۳۵۲
صحرائے سینا میں نور نظر آنا	۳۵۲
کلام الٰہی	۳۵۳
خوف کا علاج	۳۵۳
سندِ نبوت	۳۵۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت	۳۵۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواستوں کی منظوری	۳۵۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعاء	۳۵۴
اور فرعون کی مرعوبیت	۳۵۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا الزام	۳۵۴
فرعون کی دلیل	۳۵۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر	۳۵۵
فرعون کی حماقت	۳۵۵
فرعون کا تکبر اور ہلاکت	۳۵۶
گمراہی کے امام	۳۵۶
حکمت عملی کی تبدیلی	۳۵۶
تورات کے مضامین	۳۵۷
سابقہ کتابوں کا مطالعہ	۳۵۷
ماضی کے واقعات کے تذکرہ کی حکمت	۳۵۷
خواب غفلت سے بیداری کا انتظام	۳۵۸
طور ومدین کی تاریخ حراء وثور میں دہرائی گئی	۳۵۸
امت محمدیہ کو نداء	۳۵۸
تبلیغ ودعوت کے بعض آداب	۳۵۹
پیغمبروں کا وجود اللہ کا احسان ہے	۳۵۹
قوم کی کٹ حجتیاں	۳۵۹
مشرکین ہدایت سے خالی	۳۶۰
خواہش کے بندے	۳۶۰
نزول ہدایت کا تسلسل	۳۶۰
انصاف پسند اہلِ کتاب	۳۶۱
حضرت نجاشیؓ کی رعایا کے چند لوگ	۳۶۱
اہل کتاب کا سابقہ ایمان	۳۶۱
دوہرا ایمان اور دوہرا اجر	۳۶۱

Marfat.com

دوہرے اجر والے لوگ	۳۶۲
اہلِ علم کے اوصاف	۳۶۲
جاہلوں سے برتاؤ	۳۶۲
جناب ابوطالب	۳۶۳
مشرکین کا عذر	۳۶۴
عذر کا جواب	۳۶۴
حرم دورِ جاہلیت میں بھی امن کی جگہ تھی	۳۶۴
حرم میں ہر قسم کے پھل	۳۶۵
اللہ کے عذاب سے ڈرو	۳۶۵
قانونِ قدرت	۳۶۵
دنیا کا سامان فانی ہے	۳۶۶
عقلمند کون؟	۳۶۶
مؤمن وکافر برابر نہیں	۳۶۷
خدائی کے جھوٹے حصہ دار	۳۶۷
جھوٹے معبودوں کا عذر	۳۶۷
مصنوعی معبود مدد سے عاجز ہونگے	۳۶۸
گمراہوں کی حسرت	۳۶۸
رسالت کا سوال	۳۶۸
آخرت کی کامیابی ایمان وعمل صالح ہے	۳۶۹
تخلیق وانتخاب کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے	۳۶۹
فضیلت کا معیارِ صحیح اختیارِ خداوندی ہے	۳۶۹
اللہ آگاہ ہے	۳۷۰
معبود صرف اللہ ہے	۳۷۰
دن کی روشنی کی نعمت	۳۷۰
رات کی نعمت	۳۷۰
اعمال کے گواہ	۳۷۱
تب ان پر حق واضح ہوگا	۳۷۱
ربطِ مضامین	۳۷۱
قارون ملعون	۳۷۲
چادر لٹکانا	۳۷۲
قارون کے خزانے	۳۷۳
حضرت حیوہ مصری کی کرامت	۳۷۳
دولت پر اِترانا	۳۷۳
حصولِ مقصد پر خوشی	۳۷۳
اِترانے کی سزا	۳۷۴
مال ووسائل کا صحیح استعمال	۳۷۴
دنیا کے مال میں آدمی کا حصہ	۳۷۵
زمین میں فساد نہ کر	۳۷۵
قارون کا تکبر وخودغرضی	۳۷۵
کیمیا گری کا علم	۳۷۵
بُری خصلتیں	۳۷۶
دولت کس نے دی؟	۳۷۶
سزا کیلئے اللہ کو گناہوں کے پوچھنے کی ضرورت نہیں	۳۷۶
قارون کی ٹیپ ٹاپ	۳۷۷
دانا اہلِ علم کی نصیحت	۳۷۷
صبر کا پھل	۳۷۷
قارون کی سرکشی کا آغاز	۳۷۸
قارون نے عہدہ طلب کرلیا	۳۷۸
قارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جُدائی	۳۷۸
قارون نے زکوٰۃ کا انکار کردیا	۳۷۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف	۳۷۸
فرعون کی تدبیریں ناکام	۳۷۸
قارون کی ہلاکت	۳۷۹
قارون کی ہلاکت سے عبرت	۳۸۰
حقیقت سے آگاہی	۳۸۰
اصل خوش بختی	۳۸۰
تواضع کرنے والا حاکم	۳۸۰
مشفقانہ قانون	۳۸۱
دنیا وآخرت کی کامیابی متقین کیلئے ہے	۳۸۱
منصب نبوت محض رحمتِ خداوندی ہے	۳۸۲
جو ایمان میں ساتھ دے وہی اپنا ہے	۳۸۲
دین کے کام میں قوم کی رعایت نہ کیجئے	۳۸۲
فانی اور باقی	۳۸۳
اللہ کی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے	۳۸۳
سورۃ العنکبوت	۳۸۴
ایمان کا امتحان ضروری ہے	۳۸۴
آزمائش کی صورتیں	۳۸۴
حضرت عمرؓ کا آزاد کردہ غلام حضرت مجنع	۳۸۵
سابقہ انبیاء اور ان کے متبعین کی آزمائشیں	۳۸۵
اللہ کے جان لینے کا مطلب	۳۸۵
ایذاء دینے والے کافر عذاب میں مبتلا ہونگے	۳۸۶
اللہ اپنے امیدواروں سے وعدہ پورا کریگا	۳۸۶
اللہ بے نیاز ہے، عبادت ومحنت کا	۳۸۶
نفع خود بندے کو ہے	۳۸۷
اللہ نیکیوں کا صلہ دیتا ہے	۳۸۷
اللہ کا شریک کوئی نہیں ہوسکتا	۳۸۷
حضرت سعد بن ابی وقاص کی	۳۸۷
والدہ کی بھوک ہڑتال	۳۸۷
والدین کی اطاعت کی حد	۳۸۷
حق پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر	۳۸۸
مؤمن کے درجات کا کمال	۳۸۸
کمزور دِل مؤمن	۳۸۸
منافقوں کی حالت	۳۸۸
مؤمن منافق ایک ہوکر رہے گا	۳۸۹
مسلمان کافروں کی اتباع نہ کریں	۳۸۹
کافروں کے جھوٹے دعوے	۳۸۹
نیکی اور بدی کا داعی	۳۸۹
اہلِ حق ہمیشہ آزمائے جاتے رہے ہیں	۳۸۹
حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت	۳۹۰
طوفان نوح	۳۹۰
نجات یافتہ لوگ	۳۹۰
کشتی نوح علیہ السلام عبرت کا نشان	۳۹۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت	۳۹۰
معیشت کی اہمیت	۳۹۱
قوم کے جھٹلانے سے پیغمبر کا کوئی نقصان نہیں	۳۹۱
اپنی پیدائش پر دوبارہ زندگی کو قیاس کرلو	۳۹۱
اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں	۳۹۱
دوسری مخلوقات میں غور کرو	۳۹۱
عذاب ورحم کی صورتیں	۳۹۲

Marfat.com

اللہ سے کوئی بھاگ نہیں سکتا	۳۹۲
مایوس رحمت	۳۹۲
قوم ابراہیم علیہ السلام کی دہشت گردی	۳۹۲
اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ	۳۹۲
اہلِ حق کی کامیابی کی مثال	۳۹۳
آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی تقریر	۳۹۳
مشرکانہ دوستیاں کوئی کام نہ دیں گی	۳۹۳
امت محمدیہ میں انقلابات	۳۹۳
حضرت لوطؑ کا ایمان لانا اور ہجرت	۳۹۴
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہجرت	۳۹۴
اولادِ ابراہیم	۳۹۴
دنیا میں سب سے پہلی ہجرت	۳۹۵
بعض اعمال کی جزاء دنیا میں بھی مل جاتی ہے	۳۹۵
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت حبشہ	۳۹۵
حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغ	۳۹۵
قوم لوط کی بدکاریاں	۳۹۵
قوم والوں کا حضرت لوط کو جواب	۳۹۶
حضرت لوط علیہ السلام کی دُعاء	۳۹۶
ہلاکت کے فرشتے	۳۹۶
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعجب	۳۹۷
فرشتوں کا جواب	۳۹۷
فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس	۳۹۷
قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات	۳۹۷
حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ	۳۹۸
فساد فی الارض	۳۹۸
عقل پرستوں کی غلط فہمی	۳۹۸
عقل کے باوجود ہلاکت کے خریدار بنے	۳۹۸
قارون، فرعون اور ہامان	۳۹۸
مختلف مجرموں کی مختلف سزائیں	۳۹۸
اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا	۳۹۹
مشرکوں کی حیثیت	۳۹۹
مکڑی اور مشرک	۳۹۹
حکمت وطاقت کا مالک اللہ ہے	۴۰۰
قرآنی مثالوں پر مشرکین کے اعتراض کا جواب	۴۰۰
اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟	۴۰۰
تلاوتِ قرآن کے نتائج	۴۰۱
نماز برائیوں سے روکتی ہے	۴۰۱
امام رازیؒ کی تحقیق	۴۰۲
ناقص نمازیں	۴۰۲
عنقریب نماز برائی سے روک دے گی	۴۰۲
انصاری نوجوان کی توبہ	۴۰۲
اللہ کی یاد	۴۰۲
فضائل ذکر کی احادیث	۴۰۳
(۱) سب سے بہتر عمل	۴۰۳
(۲) سب سے اعلیٰ مرتبہ والا بندہ	۴۰۳
(۳) افضل آدمی اور افضل عمل	۴۰۳
(۴) آگے بڑھ جانے والے	۴۰۳
(۵) زندہ مردہ آدمی	۴۰۳
(۶) اہل ذکر کو فرشتے تلاش کرتے ہیں	۴۰۴
(۷) جنت کے باغ	۴۰۴
(۸) فرشتوں کا سرمایہ فخر	۴۰۴
(۹) غافلوں میں ذاکر کی مثال	۴۰۴
(۱۰) عذاب سے نجات	۴۰۴
(۱۱) فرشتوں اور رحمتوں کا نزول	۴۰۵
(۱۲) اللہ تعالیٰ کی ہمراہی	۴۰۵
جو آدمی جس قدر اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ جانتا ہے	۴۰۵
اہلِ کتاب کو دعوت دینے کا طریقہ	۴۰۵
کیا اس آیت میں موجودہ تورات و انجیل کے مضامین کی تصدیق کا حکم ہے	۴۰۵
موجودہ تورات وانجیل کی نہ مطلقاً	۴۰۶
تصدیق کی جائے نہ مطلقاً تکذیب	۴۰۶
بداخلاقی کا جواب نرمی سے	۴۰۶
ظلم اور معاہدہ شکن کافر	۴۰۶
اہلِ کتاب کی تصدیق وتردید کی حد	۴۰۶
سابقہ کتب پر ایمان	۴۰۶
اہل کتاب قرآن پاک کو کیوں قبول نہیں کرتے	۴۰۷
قرآن کریم..... محفوظ کتاب	۴۰۷
سچے اور منصف اہل کتاب قرآن کو مانیں گے	۴۰۷
جو قرآن کا منکر ہے وہ تورات کا بھی منکر ہے	۴۰۷
صداقتِ قرآن کی دلیل	۴۰۷
قرآن پاک کی سینہ بہ سینہ حفاظت	۴۰۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت	۴۰۸
امت محمدیہ کا ایک وصف	۴۰۸
منہ مانگا نشان دکھلانا پیغمبر کا کام نہیں ہے	۴۰۸
قرآن کافی نشانی ہے	۴۰۹
شانِ نزول..... اپنے پیغمبر کو چھوڑ کر	۴۰۹
دوسروں کی باتوں پر توجہ کرنا	۴۰۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اللہ کی مصدقہ ہے	۴۰۹
سب سے بڑی بدبختی	۴۰۹
اس امت کے کافروں کا عذاب	۴۰۹
عذاب کا وقت	۴۰۹
کافر عذاب میں گھرے ہوئے ہیں	۴۱۰
جہنم کہاں ہے	۴۱۰
مال عذاب بنے گا	۴۱۰
ہجرت کا حکم	۴۱۰
آخر سب کچھ چھوڑنا ہے	۴۱۱
ایمان واعمال پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر	۴۱۱
اللہ رزاق ہے..... جانوروں کو بھی رزق ملتا ہے	۴۱۱
کوے کے بچوں کی پرورش	۴۱۱
سفر وسیلۂ ظفر	۴۱۲
سوائے انسان، چوہے اور چیونٹی کے	۴۱۲
کوئی مخلوق روزی جمع نہیں کرتی	۴۱۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اوقات	۴۱۲
کامل توکل کا انعام	۴۱۲
ہر ایک کو اپنا رزق ضرور ملے گا	۴۱۲
رزق کے اسباب پر اللہ کا تصرف ہے	۴۱۳
بندوں کے ایمان کی حفاظت	۴۱۳
آخرت کی فکر ضروری ہے	۴۱۳
انسان کی احسان فراموش طبیعت	۴۱۴

۱۵۹۷۶۹

Marfat.com

حقیقت ماننی پڑتی ہے	۴۱۴
اہلِ مکہ کیلئے امن کی نعمت	۴۱۴
سب سے بڑی ناانصافی	۴۱۴
اللہ کیلئے جہاد کا ثمرہ	۴۱۴
بارگاہِ الٰہی کا قرب	۴۱۵
سورۃ الروم	۴۱۶
عرب سے قریب کی زمین	۴۱۶
ایرانیوں کی فتح پر مشرکین کی خوشی	۴۱۶
اہلِ روم کا تعارف	۴۱۶
رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ	۴۱۷
رومیوں کے غلبہ کی پیشگوئی	۴۱۸
ابتدائے اسلام کے وقت کی	۴۱۸
بین الاقوامی طاقتیں	۴۱۸
فارسیوں کی فتح اور مشرکین کی چھیڑ بازی	۴۱۸
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مشرکین سے شرط	۴۱۹
مسئلہ قمار	۴۱۹
فارسیوں کا مقابلہ اور ابی بن خلف کی	۴۱۹
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بحث	۴۱۹
ابی بن خلف کی موت	۴۲۰
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جیت	۴۲۰
رومیوں کے غلبہ کے اسباب	۴۲۰
مسلمانوں کی خوشی کا دن	۴۲۲
اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے	۴۲۲
لوگوں کی ظاہر پرستی	۴۲۲
معیشت میں پڑ کر آخرت سے	۴۲۳
غفلت دانائی نہیں	۴۲۳
تخلیق کائنات کا ایک مقصد ہے	۴۲۳
اپنے آپ میں غور کرو	۴۲۳
غور وفکر کا حاصل	۴۲۳
ماضی کی طاقتور اقوام سے عبرت پکڑو	۴۲۴
اہل مکہ کیلئے دعوتِ فکر	۴۲۴
قومیں خود اپنے اُوپر ظلم کرتی ہیں	۴۲۴
گناہ کا اثر	۴۲۵
جھوٹے معبودوں کا انجام	۴۲۵
نیک وبد کے فیصلہ کا دن	۴۲۵
نیکیوں کا انعام	۴۲۵
تکبیر کا معنی ومطلب	۴۲۵
جنت میں خوش کلامی	۴۲۵
گانا سننے کی سزا	۴۲۶
مسئلہ سماع	۴۲۶
یادِ الٰہی اور پانچ نمازیں	۴۲۷
پانچ نمازوں کا ذکر قرآن میں	۴۲۷
تمام گناہ معاف	۴۲۷
سب سے بڑا عمل	۴۲۷
زبان پر ہلکے اور ترازو میں بھارے کلمے	۴۲۸
سبحان اللہ کیا ہے؟	۴۲۸
چار وزنی اور بڑھیا کلمے	۴۲۸
سب سے اعلیٰ کلام	۴۲۸
حضرت ابراہیمؑ کو خلیل کا نام کیسے ملا؟	۴۲۸
رات کے نقصان کا ازالہ	۴۲۸
نیند نہ آنے کا علاج	۴۲۸
قدرتِ الٰہی کی کارسازیاں	۴۲۹
مٹی سے تخلیقِ انسان	۴۲۹
پہلی آیتِ قدرت	۴۲۹
توالد وتناسل کا نظام	۴۲۹
دوسری آیت قدرت	۴۲۹
سامانِ راحت	۴۲۹
شکل وصورت اور بولیوں کا اختلاف	۴۳۰
تیسری آیت قدرت	۴۳۰
انسان کی دو حالتیں	۴۳۰
چوتھی آیت قدرت	۴۳۱
سونا اور تلاش معاش زہد وتوکل کے منافی نہیں	۴۳۱
بارش کا انتظام	۴۳۱
آسمان وزمین کا بقاء	۴۳۱
آسمان وزمین میں حکم صرف اللہ ہی کا ہے	۴۳۲
اوّل وآخر پیدا کرنا برابر ہے	۴۳۲
اونچی شان اللہ کی ہے	۴۳۲
شرک کی برائی کیلئے عام فہم مثال	۴۳۳
خواہش پرستی کا نقصان	۴۳۳
آپ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہیں	۴۳۴
فطرتِ انسانی	۴۳۴
ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے	۴۳۴
مشرکوں کے بچے	۴۳۵
فطرت کو مسخ نہ کرو	۴۳۵
آخر کار فطری سعادت وبدبختی غالب آتی ہے	۴۳۵
طبیعت نہیں بدل سکتی	۴۳۵
قبولِ حق کی استعداد	۴۳۶
فرقہ پرستی دینِ فطرت کے خلاف ہے	۴۳۶
اہلِ بدعت	۴۳۶
اہلسنت والجماعت	۴۳۶
شیطان کا حربہ	۴۳۶
مشرکین کی گروہ بندی	۴۳۶
مصیبت کے وقت اللہ یاد آتا ہے	۴۳۷
بندوں کی حالت	۴۳۷
مؤمن کی حالت	۴۳۷
شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے	۴۳۷
مشرک اور مؤمن کا فرق	۴۳۸
ہر حال میں راضی رہنا چاہیے	۴۳۸
ضرورت مندوں کی خبر گیری	۴۳۸
مال کے مستحقین	۴۳۸
زکوٰۃ اور سود کا فرق	۴۳۹
اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی	۴۳۹
عدل وانصاف کی برکت	۴۳۹
خاندانوں کی ایک باہمی رسم کی اصلاح	۴۴۰
مارنا، جلانا اللہ ہی کا کام ہے	۴۴۰
بحر وبرّ کا فساد	۴۴۰
بحر وبرّ کا مطلب	۴۴۰
ہابیل کے قتل کا اثر	۴۴۱
فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض ہیں	۴۴۱

Marfat.com

گناہوں پر تنبیہ	۴۴۱
آفتیں اور مصائب گناہوں کے سبب سے آتے ہیں	۴۴۱
مصائب کے وقت ابتلاء وامتحان	۴۴۱
یا سزاء وعذاب میں فرق	۴۴۱
شرک کی شامت	۴۴۱
فساد کا علاج	۴۴۱
قیامت کا دن	۴۴۲
نیک وبد کا امتیاز	۴۴۲
نیک عمل کا ثواب	۴۴۲
اعمال پر مغرور نہ ہو جاؤ	۴۴۲
نعمتوں کے مقابلہ میں اعمال کچھ نہیں	۴۴۲
اللہ کی رحمت جنت میں لے جائیگی	۴۴۳
مسلمان کی آبرو کی حفاظت	۴۴۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء سے بارش	۴۴۳
بحری راستے	۴۴۴
دنیا میں بھی حق وباطل کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے	۴۴۴
مؤمنین کی مدد اور اس کی شرط	۴۴۴
بارش کے نظام سے عبرت	۴۴۵
رحمتِ الٰہی کے کرشمے	۴۴۵
مردہ روحوں اور مردہ جسموں کی زندگی	۴۴۵
کوئی نہ مانے تو پیغمبر پر کوئی عذر نہیں	۴۴۶
سماع موتیٰ کا مسئلہ	۴۴۶
انسانی زندگی کے اُتار چڑھاؤ	۴۴۷
قیامت آئے گی تو دنیا کی زندگی کی	۴۴۷
حقیقت کھلے گی	۴۴۷
برزخی زندگی	۴۴۷
مشرکین کی غلط سوچ	۴۴۷
مشرکین کے خیال کی تردید	۴۴۸
قبر میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا	۴۴۸
کوئی عذر ومعذرت بھی نہ ہو سکے گی	۴۴۸
تفہیم قرآن	۴۴۸
ضد وعناد کا انجام	۴۴۹
دعوت کیلئے صبر وتحمل ضروری ہے	۴۴۹
کامل وضوء نہ کرنے کا اثر	۴۴۹
سورۃ اللقمان	۴۵۰
سرمایہ ہدایت ورحمت	۴۵۰
حکم زکوٰۃ	۴۵۰
فضولیات کے خریدار	۴۵۰
قریش کا سردار نضر بن حارث	۴۵۱
گانا سکھانے کا پیشہ	۴۵۱
گانا گانے کی سزا	۴۵۱
حضرت مکحولؒ کا تقویٰ	۴۵۱
اطلاعی ڈھول	۴۵۲
مسئلہ سماع	۴۵۲
غیر واقعی کلام ممنوع ہے	۴۵۳
شادی کے موقع کی خوشی	۴۵۳
عید کی خوشی	۴۵۳
گانا اور اس سے متعلقہ چیزیں حرام ہیں	۴۵۴
لہو ولعب اور اس کے سامان کے شرعی احکام	۴۵۴
جائز کھیل	۴۵۴
شراب، جوا اور طبلہ سارنگی	۴۵۵
خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر	۴۵۵
کے مفید اشعار کا پڑھنا ممنوع نہیں	۴۵۵
قرآن سے اعراض	۴۵۵
زمین کی مضبوطی	۴۵۶
زمین کا حسن	۴۵۶
مشرکین کے معبود جھوٹے معبود ہیں	۴۵۶
حضرت لقمان کی باتیں	۴۵۶
حضرت لقمان علیہ السلام کی خوش گفتاری	۴۵۶
خاموش رہنا حکمت ہے	۴۵۷
تین کالے بزرگ	۴۵۷
حکمت تک پہنچانے والے اعمال	۴۵۷
نعمتوں کی شکر گذاری	۴۵۷
حکمت اور شکر	۴۵۸
شکر کے حکم کی نوعیت	۴۵۸
شکر کا معنی اور اقسام	۴۵۸
زبان وعمل سے شکر	۴۵۸
جسم کے دو بہترین اور بدترین اعضاء	۴۵۹
حضرت لقمان علیہ السلام کی بھلی عادتیں	۴۵۹
حضرت لقمان علیہ السلام کا بیٹا	۴۵۹
حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحتیں	۴۵۹
امام خلیل بن احمد کی دُعاء	۴۵۹
شرک سب سے بڑی ناانصافی ہے	۴۶۱
ظلم کیا ہے	۴۶۱
والدین کے ساتھ حسنِ سلوک	۴۶۱
بچہ کا دودھ چھڑانے کی مدت	۴۶۲
اللہ تعالیٰ اور والدین کا شکر	۴۶۲
یمن میں حضرت معاذؓ کا پہلا خطبہ	۴۶۲
شرک وگناہ میں والدین کی نافرمانبرداری جائز ہے	۴۶۲
حضرت سعد بن مالک اور انکی والدہ کا قصہ	۴۶۳
والدین سے حسن سلوک کی حدود	۴۶۳
حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے والد کا واقعہ	۴۶۳
والدین کی خدمت اور ادب ضروری ہے	۴۶۴
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اتباع کرو	۴۶۴
چھوٹے سے چھوٹا اور خفیہ سے	۴۶۴
خفیہ عمل بھی حاضر کیا جائے گا	۴۶۴
حضرت لقمان کے بیٹے کا خیال	۴۶۴
دانے اور پتھر سے مراد	۴۶۵
امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۴۶۵
دعوتِ حق کی مشکلات کو برداشت کرو	۴۶۵
صبر واستقامت کی اہمیت	۴۶۵
تکبر وبدخلقی نہ کرو	۴۶۵
حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان	۴۶۵
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ	۴۶۶
حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقولہ	۴۶۶
تکبر عقل کا دشمن	۴۶۶
تکبر ونفاق کا علاج	۴۶۶
حضرت طاؤسؒ کا حضرت عمر بن عبدالعزیز کو عار دلانا	۴۶۶

Marfat.com

متکبر کو اللہ نہیں دیکھے گا	۴۶۶
حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا رونا	۴۶۶
تصنع سے بچو	۴۶۶
حضرت لقمان علیہ السلام کی کچھ اور نصیحتیں	۴۶۷
میانہ روی اختیار کرو	۴۶۷
اُونچی آواز سے پرہیز	۴۶۷
آدابِ معاشرت	۴۶۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واوصاف	۴۶۷
یہود ونصاریٰ کی بے راہ روی	۴۶۸
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رفتار	۴۶۸
گدھے کی آواز کی قباحتیں	۴۶۸
حضرت لقمان علیہ السلام پر ہیبتِ خداوندی کا غلبہ	۴۶۸
تسخیر کائنات	۴۶۸
سورج کا سجدہ	۴۶۸
ظاہر وباطنی نعمتیں	۴۶۹
بے سند جھگڑے	۴۶۹
اندھی تقلید	۴۷۰
اتباع کی قسمیں	۴۷۰
مضبوط حلقہ	۴۷۰
کسی کی تکذیب کی پرواہ نہ کرو	۴۷۱
تھوڑے دن کی مہلت ہے	۴۷۱
اللہ تعالیٰ تمام صفات وقدرت کا مالک ہے	۴۷۱
ہر چیز کا خالق ومالک اللہ ہے	۴۷۱
اللہ کی صفات ختم ہونے والی نہیں ہیں	۴۷۱
اللہ کی نعمتوں اور تصرفات کی ایک مثال	۴۷۲
اللہ تعالیٰ کیلئے تخلیق کی آسانی	۴۷۲
بے مثال صفاتِ الٰہی	۴۷۳
پابندی وقت	۴۷۳
اللہ تعالیٰ کا علم محیط	۴۷۳
اللہ کی صفات کے ذکر کا مقصد	۴۷۳
بحری جہاز	۴۷۳
صبر وشکر کا موقع	۴۷۳
صبر وشکر والے لوگ	۴۷۴
سمندر کی موجوں میں مشرک بھی	۴۷۴
اللہ کو پکارتا ہے	۴۷۴
مشکل کشائی کے بعد کی حالت	۴۷۴
جھوٹے عہد	۴۷۴
قیامت کی وحشت سے بچاؤ کا سامان کرو	۴۷۵
کوئی لب نہ ہلا سکے گا	۴۷۵
دھوکے میں نہ پڑو قیامت آکر رہے گی	۴۷۵
پانچ چیزیں جن کا یقینی علم اللہ کے پاس ہے	۴۷۶
غیب کے پانچ خزانے	۴۷۷
حضرت سلیمان کے درباری کی	۴۷۷
موت کا عجیب واقعہ	۴۷۷
خلیفہ منصور کا خواب	۴۷۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم	۴۷۸
منتہائے حیات اور منتہائے معاد کا علم	۴۷۸
سورۃ السجدہ	۴۷۹
شک وشبہ سے پاک کتاب	۴۷۹
سورۃ کی فضیلت	۴۷۹
ربط	۴۷۹
کافروں کی بیہودہ باتوں کا تجزیہ	۴۷۹
ایمان وتوحید کی دعوت ہر دور میں رہی ہے	۴۷۹
عمرو بن نفیل	۴۸۰
ورقہ بن نوفل	۴۸۰
کہاں بھاگ سکتے ہو؟	۴۸۰
احکام الٰہیہ کی تنفیذ اور نظام کائنات کی ترتیب	۴۸۱
زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور	۴۸۱
آسمانوں کے درمیان کی مسافت	۴۸۱
زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا	۴۸۱
مؤمن پر قیامت کی آسانی	۴۸۲
اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت	۴۸۲
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حسین بنائی ہے	۴۸۲
حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تقریر	۴۸۲
قدرت کاملہ کا ثبوت	۴۸۲
مخلوق کی عزت افزائی	۴۸۳
نعمتوں کا شکریہ	۴۸۳
کافروں کے شبہات	۴۸۳
موت کا فرشتہ	۴۸۳
موت کے قاصد	۴۸۳
حضرت ابراہیمؑ سے ملک الموت کی ملاقات	۴۸۴
جانوروں کی موت کس طرح ہوتی ہے	۴۸۴
موت کے چار فرشتے	۴۸۴
سمندر کے شہیدوں کی روح افزائی	۴۸۴
موت کے بعد روحوں کا مقام	۴۸۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک الموت سے ملاقات	۴۸۵
عزرائیل علیہ السلام کی الزام سے براءت	۴۸۵
مجرموں کی رُسوائی	۴۸۵
بے کار حسرت	۴۸۵
حکمتِ الٰہی کے تقاضے	۴۸۶
ہر ایک کے دو ٹھکانے	۴۸۶
جنتیوں اور دوزخیوں کی فہرست	۴۸۶
اہل ایمان کا خوف	۴۸۷
مؤمنوں کی نمازیں	۴۸۷
مخصوص حضرات کیلئے اعلان	۴۸۷
جنت میں لے جانے والا عمل	۴۸۷
امر کا سر، ستون، کوہان اور جڑ	۴۸۷
افضل نفلی نماز اور روزے	۴۸۸
اللہ کے دو محبوب بندے	۴۸۸
حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نعتیہ اشعار	۴۸۸
صحابہ کی شان	۴۸۸
عشاء وفجر کی جماعت کی فضیلت	۴۸۹
اللہ سے لالچ اور اللہ سے ڈر	۴۸۹
راتوں کی عبادت کا انعام	۴۸۹
جنتیوں کی حوریں	۴۹۹
اَن دیکھی واَن سنی نعمتیں	۴۹۰
جہنمیوں کی سزا	۴۹۰
دُنیا کا عذاب	۴۹۰
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی	۴۹۰

Marfat.com

تین گناہوں کی نقد سزا	۴۹۱
شب معراج کے نظارے	۴۹۱
حضرت موسیٰ وحضرت یونس علیہما السلام سے ملاقات	۴۹۱
صبر امامت دلاتا ہے	۴۹۱
کسی قوم کا مقتداء وامام بننے کیلئے دو شرطیں	۴۹۲
مسلمانوں کو تنبیہ	۴۹۲
حق وباطل کا فیصلہ	۴۹۲
بنجر زمین مصر کی آبادی کا انتظام	۴۹۲
دریائے نیل کی بھینٹ کی رسم	۴۹۳
دریاء کے نام حضرت عمر فاروقؓ کا خط	۴۹۳
دعوت غور وفکر	۴۹۳
منکرین کی جلد بازی	۴۹۳
ابھی موقع ہے فائدہ اٹھالو	۴۹۳
آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں	۴۹۴
سورۃ کی فضیلت	۴۹۴
گناہگار کی بخشش	۴۹۴
سورۂ کی وکالت	۴۹۴
تمام سورتوں پر فضیلت	۴۹۴
شبِ قدر کی عبادت کا ثواب	۴۹۴
سورۃ الاحزاب	۴۹۵
کافروں کیلئے کبھی لچک دکھانے کی ضرورت نہیں	۴۹۵
سورۂ احزاب کی آیات	۴۹۵
تقویٰ کی اہمیت	۴۹۵
سورۃ کے مضامین	۴۹۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز	۴۹۶
صرف وحی کی اتباع کریں	۴۹۶
بھروسہ فقط اللہ پر رکھیں	۴۹۶
پچھلی سورۃ سے ربط	۴۹۶
سورۃ احزاب کی منسوخ شدہ آیات	۴۹۶
رسوم جاہلیت کی تردید	۴۹۷
ایک آدمی کے دو دِل نہیں ہوسکتے	۴۹۷
ابو معمر فہری	۴۹۷
منافقوں کی قیاس آرائی کی تردید	۴۹۸
ظہار کا حکم	۴۹۸
لے پالک بیٹے	۴۹۸
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	۴۹۹
بھول چوک معاف ہے	۴۹۹
دوسرے کی طرف غلط نسبت کی سزا	۴۹۹
مجتہد کی خطاء	۴۹۹
مؤمن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق	۴۹۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے	۵۰۰
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنی مرضی پر مقدم ہے	۵۰۰
مومن دنیا وآخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہے	۵۰۰
ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین ہیں	۵۰۰
امہات المؤمنین کی دیگر رشتہ دار	۵۰۱
ازواجِ مطرات سے امتی کا نکاح حرام ہے	۵۰۱
نسبی رشتہ داری	۵۰۱
دینی اخوۃ وموالات کی بنیاد پر وراثت منسوخ	۵۰۱
انبیاء سے میثاق	۵۰۱
عہد کس وقت لیا گیا	۵۰۲
میثاق تمام انبیاء سے لیا گیا	۵۰۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت	۵۰۲
میثاق کا مقصد	۵۰۲
غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی غیبی مدد	۵۰۳
غزوۂ خندق کا مختصر حال	۵۰۳
امداد کی ہوا اور ہلاکت کی ہوا	۵۰۴
غزوۂ خندق کب پیش آیا	۵۰۴
مشہور پہلوان کا قتل	۵۰۴
یہودیوں کو تعصب نے جاہل کردیا	۵۰۴
یہودیوں اور مشرکوں کا پختہ معاہدہ	۵۰۵
یہودیوں کا بنی غطفان سے معاہدہ	۵۰۵
لشکروں کی روانگی	۵۰۵
مسلمانوں کے انتظامات	۵۰۵
خندق کے کام کی تقسیم	۵۰۶
ایک سخت چٹان	۵۰۶
چٹان سے روشنی	۵۰۶
فتوحات کی پیشن گوئی	۵۰۶
منافقوں کے دل کا کھوٹ	۵۰۶
حالات کی سختی	۵۰۷
حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو نظر لگنا	۵۰۷
حضرت عبداللہ کی طرف سے دعوت کا انتظام	۵۰۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ	۵۰۷
کافروں کی چڑھائی	۵۰۸
کعب بن اسد کی عہد شکنی	۵۰۸
اطلاعی رسالہ	۵۱۰
صورت حال کی شدت	۵۱۰
منافقوں کا خوف	۵۱۰
کعب بن اسد کی بے وقت پشیمانی	۵۱۰
حضرت زبیر کا بنو قریظہ کی طرف جانا	۵۱۰
صلح کی تدبیر اور مسلمانوں کے بلند جذبے	۵۱۰
بنی غطفان کے سرداروں کی ناکام واپسی	۵۱۰
حضرت علیؓ اور عمرو بن عبدود کا مقابلہ	۵۱۱
نوفل بن عبداللہ کا انجام	۵۱۱
حضرت سعد بن معاذ کا جذبہ	۵۱۱
حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی بہادری	۵۱۱
یہودیوں کے شب خون کا انسداد	۵۱۲
حضرت سعد کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق	۵۱۲
سخت سردی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود نگرانی کرنا	۵۱۲
ایک تنگ مقام پر مشرکوں کی شکست	۵۱۲
صحابہ کے نعرے	۵۱۳
مشرکوں کی شرارت کا خاتمہ	۵۱۳
غزوۂ خندق کی شدت	۵۱۳
نمازوں میں تاخیر	۵۱۳
نماز میں تاخیر پر مشرکین کو بددعائیں	۵۱۳
کافروں کی شکست کیلئے دُعاء	۵۱۴
ایک خفیہ مسلمان کی خفیہ تدبیر	۵۱۴
کافروں میں پھوٹ	۵۱۵
سردی کی شدت میں حضرت حذیفہؓ کا	۵۱۵
جاسوسی کیلئے جانا	۵۱۵

Marfat.com

حضرت حذیفہؓ کا مشرکین میں گھس جانا	۵۱۶
مشرکین کی پسپائی	۵۱۶
حضرت حذیفہؓ کا خوشخبری لے کر لوٹنا	۵۱۶
فرشتوں کا اثر	۵۱۶
رحمۃ للعالمین کا اثر	۵۱۷
حضرت حذیفہ سے فرشتوں کی بات چیت	۵۱۷
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت	۵۱۷
کافروں کی دائمی پسپائی	۵۱۷
واپس شہر لوٹنے کی دُعاء	۵۱۷
انتظامی، معاشرتی امتیاز اسلامی وحدت	۵۱۷
اور اسلامی قومیت کے منافی نہیں	۵۱۷
خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی	۵۱۸
غزوۂ خندق کا موسم اور فرشتوں کا رُعب	۵۱۸
غیر یقینی حالات	۵۱۸
منافقوں کی بزدلی	۵۱۸
یثرب	۵۱۸
منافقوں کا مشورہ اور بہانے	۵۱۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگی تدبیر	۵۱۹
حضرت سعدؓ کی غیرت ایمانی اور عزم شدید	۵۱۹
منافقوں کی اندرونی کیفیت	۵۲۰
منافقوں کی عہد شکنی	۵۲۰
موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا	۵۲۰
اللہ کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا	۵۲۰
منافقوں کی بداندیشی اللہ کو معلوم ہے	۵۲۱
منافقوں کی موقع پرستی	۵۲۱
منافقوں کے عمل بے جان ہیں	۵۲۲
منافقوں کی بزدلی کا عالم	۵۲۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب تقلید استقلال	۵۲۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مکمل نمونہ ہے	۵۲۲
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اتباعِ سنت	۵۲۳
مخلص مسلمانوں کی شان	۵۲۳
مؤمنوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا	۵۲۳
حضرت انس بن النضر کا ایفائے عہد	۵۲۴
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	۵۲۴
حضرت طلحہ بن عبید اللہ	۵۲۴
عمل کا بدلہ	۵۲۵
کفار کی ذلت و ناکامی	۵۲۵
لڑائی کے بغیر فتح	۵۲۵
یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی کی سزا	۵۲۵
بنو قریظہ کے مقتولین	۵۲۶
یہودیوں کی زمینیں	۵۲۶
غزوۂ بنی قریظہ کا واقعہ	۵۲۶
خندق سے واپسی	۵۲۶
فرشتے کی آواز	۵۲۷
فقط حملہ کی دیر ہے	۵۲۷
فرشتوں سے اٹھتا ہوا غبار	۵۲۷
حملے کا اعلان	۵۲۷
جھنڈا	۵۲۸
غزوہ بنو قریظہ کب ہوا	۵۲۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری	۵۲۸
جبریل کی سواری اور بنی نجار کو حکم	۵۲۸
بنی قریظہ کی گالیاں	۵۲۸
یہود کی کہہ مکرنیاں	۵۲۹
چھواروں کا کھانا	۵۲۹
محاصرہ کا آغاز	۵۲۹
یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین	۵۲۹
کعب بن اسد کی حق پرستانہ تجویز	۵۲۹
قوم یہود کا انکار	۵۳۰
کعب کی دوسری تجویز	۵۳۰
ثعلبہ اور اسید کی تقریر اور اسلام	۵۳۰
عمرو بن مسعود نے عہد پورا کیا	۵۳۰
حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۵۳۱
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت	۵۳۱
حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا خواب	۵۳۱
یہودیوں کی شکست	۵۳۲
قبیلہ اوس کی سفارش	۵۳۲
حضرت سعد کا بطورِ جج تقرر	۵۳۲
حضرت سعد کا فیصلہ	۵۳۳
حضرت سعدؓ کی دُعاء	۵۳۳
یہودی مَردوں کا قتل	۵۳۳
یہودیوں کا سردار حیی	۵۳۴
قیدیوں کو پانی پلانے کا حکم	۵۳۴
کعب بن اسد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو	۵۳۴
قتل کا اصول	۵۳۴
رفاعہ کی جان بخشی	۵۳۴
ایک یہودی عورت کا قتل	۵۳۵
زبیر بن باطا کی عجیب داستان	۵۳۵
مال کی تقسیم	۵۳۶
کچھ قیدیوں کی فروخت	۵۳۶
حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن کی تجارت	۵۳۶
ماں بچے میں جدائی کی ممانعت	۵۳۶
شاہی تحفہ میں آئی ہوئی باندیاں	۵۳۷
مناقب سعد بن معاذ	۵۳۸
مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب گناہ یا منکر نہیں ہوتی جس پر ملامت کی جائے	۵۳۸
ازواجِ مطہرات کا معاملہ	۵۳۸
ازواجِ مطہرات کو اختیار	۵۳۹
اختیار دینے کا سبب	۵۳۹
ازواجِ مطہرات کا اجر	۵۴۰
ازواجِ مطہرات کی تعداد	۵۴۰
حضرت عائشہ اور تمام ازواج نے	۵۴۰
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا	۵۴۰
ازواجِ مطہرات کی قدر افزائی	۵۴۰
اس واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل	۵۴۰
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دانائی	۵۴۱
عورت کو اختیارِ طلاق کا مسئلہ	۵۴۱
ازواجِ مطہرات کے مطالبہ کے محرکات	۵۴۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی	۵۴۲
امہات المؤمنین کا عظیم درجہ	۵۴۲

Marfat.com

عظیم مرتبہ کے لوازمات	۵۴۳
عمدہ روزی اور حسن معاشرت	۵۴۳
امہات المؤمنین کا عمل دوگنا ہے	۵۴۳
امہات المؤمنین پر انعامات	۵۴۳
مقام عظمت کا تقاضا	۵۴۳
فضیلت والی خواتین	۵۴۴
چار فضیلت والی خواتین	۵۴۴
تمام خواتین سے افضل	۵۴۴
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	۵۴۴
تمام ازواج مطہرات منقیہ تھیں	۵۴۴
غیر مرد سے بات کرنے کا طریقہ	۵۴۵
اجنبی خاتون سے نرم گفتگو کرنیوالے کی سزا	۵۴۵
بغیر شوہر اجنبی سے بات منع ہے	۵۴۵
غیر عورت کے سامنے انگڑائی ممنوع	۵۴۵
منافقت کی بیماری	۵۴۵
عورتوں کیلئے گھروں سے باہر زینت کی	۵۴۶
نمائش ممنوع ہے	۵۴۶
ضرورت کے تحت نکلنا	۵۴۶
شیعوں کی غلط فہمی	۵۴۶
''تبرج'' کا معنیٰ	۵۴۶
جاہلیت کی بدفعلی کی ابتداء	۵۴۷
حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور حالات کا انتشار	۵۴۷
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سفر بصرہ	۵۴۸
اور اس کے مقاصد	۵۴۸
شیعوں کا طوفان	۵۴۸
فتنہ بازوں کی کارروائی	۵۴۸
واقعہ جمل پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۵۴۹
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا افسوس	۵۴۹
تحفظ عصمت کیلئے شرعی قوانین	۵۴۹
انگلستانی خاتون کا بے پردگی ماتم	۵۵۰
بے پردگی کے نقصانات	۵۵۰
ارکانِ اسلام کی پابندی	۵۵۱
ازواجِ مطہرات کیلئے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ	۵۵۱
اہلِ بیت میں ازواج یقیناً داخل ہیں	۵۵۱
سابقہ احکام کا مقصد	۵۵۲
حدیث نساء ایک شبہہ اور اس کا ازالہ	۵۵۲
خلاصہ کلام	۵۵۲
حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسنین رضی اللہ عنہم	۵۵۳
بھی اہل بیت میں داخل ہیں	۵۵۳
ازواجِ واولاد سب اہل بیت ہیں	۵۵۳
گناہ گندگی ہے	۵۵۴
مستعمل پانی	۵۵۴
شیعوں کا غلط استدلال	۵۵۴
عورتوں کیلئے جہاد کا ثواب	۵۵۴
عورت کیلئے قربِ الٰہی	۵۵۵
عورت کی افضل نماز	۵۵۵
دورِ جاہلیت کے کرتوت	۵۵۵
حضرات حسنین کی فضیلت	۵۵۵
ازواج کو خصوصی خطاب کی حکمت	۵۵۵
رِجس کا معنیٰ	۵۵۵
حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا چیلنج	۵۵۵
مختلف اقوال میں تطبیق	۵۵۵
اسلوبِ قرآن کی دلالت	۵۵۶
تطہیر کا مطلب	۵۵۶
صحابہ کرامؓ کی فضیلت شیعوں کی کتاب میں	۵۵۶
شیعوں کی تاویل	۵۵۶
تعلیم قرآن وسنت کا حکم	۵۵۶
قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت	۵۵۶
اسرارِ الٰہی	۵۵۷
ایمان دار خواتین کا ذکر	۵۵۷
خواتین کی دلجمعی	۵۵۸
سب سے بڑا مجاہد	۵۵۸
عذابِ الٰہی سے نجات	۵۵۸
افضل واعلیٰ آدمی	۵۵۸
غافل وذاکر کی مثال	۵۵۸
مؤمن ومسلم، قانت، صادق، صابر،	۵۵۹
خاشع، متصدق، صائم اور حافظ	۵۵۹
حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینبؓ کا واقعہ	۵۵۹
حضرت زیدؓ کی شادی	۵۶۰
اپنی مرضی کو اللہ ورسول کے تابع بناؤ	۵۶۰
پیغمبر کی نافرمانی یا کفر ہے یا فسق	۵۶۰
نکاح اولیاء کے ذریعہ کفو میں ہونا چاہئے	۵۶۱
دینی مصلحت کفو سے افضل ہے	۵۶۱
حضرت زیدؓ اور حضرت زینب میں ناموافقت	۵۶۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو طلاق سے منع فرمایا	۵۶۲
حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دی	۵۶۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلانِ طبع	۵۶۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید کو مشورہ	۵۶۳
موجب اجر ہے	۵۶۳
انبیاء اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے	۵۶۳
حیاء کی اہمیت	۵۶۴
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینبؓ کو پیغام	۵۶۴
دعوتِ ولیمہ	۵۶۴
حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا امتیاز	۵۶۵
حضرت زینب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم	۵۶۵
کے نکاح میں حکمت	۵۶۵
آسمان پر نکاح	۵۶۵
اعلانِ نکاح	۵۶۵
حضرت زید کی طلاق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم	۵۶۶
کے نکاح کے اسباب واغراض	۵۶۶
منہ بولے بیٹے کی بیوی	۵۶۶
حضرت جُلیبیب رضی اللہ عنہ کا نکاح	۵۶۶
منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں اس کی	۵۶۷
مطلقہ سے نکاح جائز ہے	۵۶۷
پیغمبروں کیلئے کثرت نکاح	۵۶۷
ختم نبوت	۵۶۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہ رہنے کی حکمت	۵۶۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ پر ہونگے	۵۶۸
سلسلہ نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال	۵۶۸

Marfat.com

تخلیق آدم سے بھی قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم تھے	۵۶۸
اعلیٰ صفت	۵۶۹
آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی ہیں خاتم الرسل بھی	۵۶۹
قادیانیوں کی تحریفات اور ان کا ردّ	۵۷۰
ایک بلیغ تمثیل	۵۷۰
آنے والی امت کے ہدایت کا انتظام	۵۷۱
نبوت کی تمام قسمیں ختم ہوگئیں	۵۷۱
قادیانی کے من گھڑت عنوانات	۵۷۱
اجماعِ امت	۵۷۱
منکرِ ختم نبوت کافر ہے	۵۷۲
ختم نبوت کی احادیث کی راوی صحابہ رضی اللہ عنہم	۵۷۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ سے خاتم الانبیاء ہیں	۵۷۲
مسیلمۂ قادیان کا ہذیان	۵۷۳
بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت	۵۷۳
اللہ کا علم کافی ہے	۵۷۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی	۵۷۴
عظیم الشان نعمت کا شکر	۵۷۴
ہمہ وقتی عبادت	۵۷۴
صبح شام کی خصوصیت	۵۷۴
نماز میں توجہ کی اہمیت	۵۷۴
ذکر کی کثرت	۵۷۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء	۵۷۵
جامع عبادت	۵۷۵
قابلِ حسرت مجلس	۵۷۵
ذکر اللہ کی کثرت کا نتیجہ	۵۷۵
''صلوٰۃ'' کا معنیٰ	۵۷۵
مؤمنوں پر مہربانی	۵۷۶
مؤمنوں کیلئے سلام کے تحفے	۵۷۶
امّت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی	۵۷۶
انبیاء کیلئے گواہی	۵۷۷
امت کیلئے گواہی کا مقصد اور گواہی کی بنیاد	۵۷۷
نورِ اعظم	۵۷۷
دعوتِ حق کی دشواریاں	۵۷۷
داعی اور قوم کی مثال	۵۷۷
روشن چراغ	۵۷۷
نورِ نبوت اور اس کے خوشہ چین	۵۷۸
تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف	۵۷۸
حضرت شعیاء علیہ السلام کی تقریر	۵۷۸
خوشخبریاں سناؤ، آسانی کرو	۵۷۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور دِل مبارک	۵۷۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور چراغ کی روشنی	۵۷۹
تورات کی عبارت	۵۸۰
کافروں منافقوں کی پرواہ نہ کریں	۵۸۰
کافروں کی ایذاء کو اہمیت نہ دیں	۵۸۰
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور ذمہ داریاں	۵۸۰
ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کا مسئلہ	۵۸۱
نکاح سے پہلے طلاق معتبر نہیں ہے	۵۸۱
عدّت مردوں کا حق ہے	۵۸۲
حربی عورت	۵۸۲
خلوت سے قبل طلاق کے دو حکم	۵۸۲
طلاق کے وقت مُتعہ یعنی لباس کی تفصیل	۵۸۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج کا مہر نقد ادا کیا	۵۸۳
غیر مسلم بادشاہ کے ہدیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم	۵۸۳
کی خصوصیت	۵۸۳
باندیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت	۵۸۳
ازواج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت	۵۸۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باعفت حیاتِ مبارکہ	۵۸۴
اور تعددِ ازواج کی حکمت	۵۸۴
بغیر ولی اور بغیر مہر کے نکاح	۵۸۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات	۵۸۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی	۵۸۵
قدردانی کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم فرمادیا	۵۸۵
ازواجِ میں باری کے متعلق	۵۸۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار	۵۸۶
مذکورہ احکام کا عمومی پہلو	۵۸۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی عظمت	۵۸۶
اختیار کے مختلف پہلو	۵۸۷
دَورِ جاہلیت کا ایک غلط رواج	۵۸۷
تعدد ازواج کا مسئلہ	۵۸۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختیارات سے کام نہیں لیا	۵۸۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دینے کی حکمت	۵۸۸
ازواجِ مطرات کیلئے آسانی	۵۸۸
حضرت جعفر کی بیوہ	۵۸۹
احمق سردار	۵۸۹
حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہما	۵۸۹
نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا	۵۸۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کیلئے آداب	۵۹۰
پردے کا حکم	۵۹۰
حضرت عمر فاروقؓ کی رائے	۵۹۰
حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت	۵۹۱
مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرو	۵۹۱
کسی کے ہاں دعوت پر جانے کے آداب	۵۹۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مروت	۵۹۱
اعلیٰ معاشرت کیلئے احکام	۵۹۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات	۵۹۲
کے بعد ازواج مطہرات میں سے	۵۹۲
کسی کا غیر سے نکاح جائز نہیں ہے	۵۹۲
ایک مستثنیٰ صورت	۵۹۳
تحریم ازواج کی وجہ	۵۹۳
انسدادِ فواحش کا اسلامی نظام	۵۹۴
ضروری تنبیہ	۵۹۴
پردہ کا حکم اسباب، اہمیت اور احکام	۵۹۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے کا خیال بھی اللہ دیکھ رہا ہے	۵۹۷
امہات المؤمنین سے نکاح پر وعید	۵۹۷
محرم مردوں سے پردہ نہیں ہے	۵۹۷
رضاعی رشتوں کے محرم	۵۹۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور اسکا مفہوم	۵۹۸
حضرت علیؓ کی بتلائی ہوئی دُعاء	۵۹۹

Marfat.com

درود بھیجنا واجب ہے یا مستحب	۵۹۹
آخری قعدہ میں درود پڑھنا	۵۹۹
ہر دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود	۶۰۰
کے واجب ہونے کے دلائل	۶۰۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی فضیلت وکیفیت	۶۰۱
ایک دفعہ درود پر دس رحمتیں	۶۰۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب کا حصول	۶۰۱
سلام پہنچانے والے فرشتے	۶۰۱
سلام کا جواب	۶۰۱
دس رحمتوں اور دس سلامتیوں کا حصول	۶۰۲
تمام فکر دُور ہو جائیں گے	۶۰۲
بھرپور بدلہ	۶۰۲
ستر رحمتیں	۶۰۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت	۶۰۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی	۶۰۲
دُعاء کی قبولیت	۶۰۲
جتنا درود اتنی رحمتیں	۶۰۲
احد پہاڑ جتنا ثواب	۶۰۲
صبح شام دس مرتبہ درود	۶۰۳
روئے زمین کے تمام باشندوں کے برابر عمل	۶۰۳
گناہوں کی صفائی	۶۰۳
جمعہ کو درود کی کثرت	۶۰۳
کتاب میں درود لکھنے کا ثواب	۶۰۳
انبیاء کے علاوہ کیلئے صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ	۶۰۳
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت	۶۰۴
نماز کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دُعاء	۶۰۴
صلوٰۃ وسلام کا طریقہ	۶۰۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی سزا	۶۰۵
یہودی اور عیسائیوں کی ایذاء رسانی	۶۰۶
ابن آدم کی نالائقی	۶۰۶
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء کی صورتیں	۶۰۶
اللہ کو ایذاء دینے کا مطلب	۶۰۶
حضرت صفیہؓ بنت حیی کی فضیلت	۶۰۶
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	۶۰۶
اللہ تعالیٰ کی اپنے ولیوں سے محبت	۶۰۶
توہین رسالت کے مجرم کی سزا	۶۰۷
کامل مسلمان	۶۰۷
عبداللہ بن اُبی منافق	۶۰۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت	۶۰۸
آوارہ گرد منافق	۶۰۸
بہتان تراش منافق	۶۰۸
پردہ کا حکم	۶۰۸
عورت پردہ کر کے ضروری کام کیلئے	۶۰۹
گھر سے باہر جا سکتی ہے	۶۰۹
پردہ کا طریقہ	۶۰۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں	۶۰۹
چادر اوڑھنے کی صورت	۶۰۹
باہر نکلنے کیلئے پردہ کے علاوہ شرطیں	۶۰۹
جوان عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کی	۶۰۹
طرف دیکھنا ممنوع ہے	۶۰۹
پردہ کے دو درجے	۶۰۹
آزاد عورتوں کا امتیاز	۶۱۰
منافقوں فتنہ پردازوں کو تنبیہ	۶۱۰
منافقوں کی ایذائیں اور ان کا سدّ باب	۶۱۰
فسادیوں کا قلع قمع	۶۱۱
کفار کیلئے قانون	۶۱۱
منافق ومرتد کی سزا	۶۱۱
ایذاء رساں افواہیں پھیلانا حرام ہے	۶۱۲
اللہ تعالیٰ کا قانون	۶۱۲
اقوام گذشتہ کا حال دیکھ لو	۶۱۲
دستورِ الٰہی اٹل ہے	۶۱۲
قیام قیامت کا علم	۶۱۲
ملعون گروہ کا عذاب	۶۱۲
آخرت کی حسرت	۶۱۳
بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو	۶۱۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کیساتھ بنی اسرائیل کی شرارتیں	۶۱۴
حضرت موسیٰ پر زناء کی تہمت	۶۱۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قتل کی تہمت	۶۱۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گرانی	۶۱۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت	۶۱۴
سیدھی بات کہو	۶۱۵
انسان کی عظیم ذمہ داری	۶۱۵
حضرت آدمؑ پر اطاعت کی پیش کش	۶۱۶
زمین وآسمان کی حالت	۶۱۶
انسان کی خطاء	۶۱۶
ذمہ داری کی اہمیت	۶۱۶
امانت کے اٹھ جانے کا اندیشہ	۶۱۶
چار بنیادی اوصاف	۶۱۶
امانت داری دل کی صفت ہے	۶۱۷
قرب ورضائے الٰہی کا شوق	۶۱۷
عرض امانت کا وقت	۶۱۷
ادائے امانت فرض ہے	۶۱۷
آیت امانت کی شیعی تفسیر	۶۱۷
حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ارشاد	۶۱۷
حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد	۶۱۸
امانت کے متعلق علماء کے اقوال	۶۱۸
جمادات کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ	۶۱۹
حضرت آدم علیہ السلام	۶۱۹
امانت کی تشبیہ	۶۱۹
حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق	۶۱۹
علامہ بیضاویؒ کی تحقیق	۶۲۰
انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا مطلب	۶۲۰
تزکیہ ضروری ہے	۶۲۱
منافق، کافر اور مؤمن کا انجام	۶۲۱
بارِ امانت کا نتیجہ	۶۲۲
شرعی ذمہ داری کی غرض	۶۲۲

☆.....☆.....☆

Marfat.com

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن

تا

سُوْرَةُ الْاَحْزَابُ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُورۃُ المؤمنون

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کے دل میں زیادہ دیر تک عبادت میں کھڑے رہنے کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنے کی محبت ہوگی اور ایک ایسے مرض کا خوف ہے جو بڑا خطرناک ہے۔ (علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ)

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانَ عَشْرَةَ اٰيَةً سِتُّ رُكُوْعَاتٍ
سورۃ مومنون مکہ میں اُتری اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ
کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی
فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾
نماز میں جھکنے والے ہیں

خشوع کا معنی

''خشوع'' کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''خَاشِعُوْنَ'' کی تفسیر ''خائفون ساکنون'' سے کی ہے اور آیت تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ بھی دلالت کرتی ہے کہ ''خشوع'' میں ایک طرح کا سکون و تذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں ''خشوع'' کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میں قلب کی صفت بتلائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اُس کے تابع ہے۔

نماز میں خشوع

جب نماز میں قلب خاشع و خائف اور ساکن و پست ہوگا تو خیالات اِدھر اُدھر بھٹکتے نہیں پھریں گے، ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے۔ پھر خوف و ہیبت اور سکون و خضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے مثلاً بازو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا، اِدھر اُدھر نہ تاکنا، کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا، انگلیاں نہ چٹخانا، اور اسی قسم کے بہت افعال و احوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔ احادیث میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے ایک بے جان لکڑی، اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع کے صحیح و مقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوٰۃ کے لئے شرط نہیں۔ ہاں قبول صلوٰۃ کے لئے شرط ہے میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہوگا کہ حُسنِ قبول کے لئے شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ احیاء العلوم اور اس کی شرح میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔ بہرحال انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی ان ہی مؤمنین کو حاصل ہوگی جو خشوع و خضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور اُن اوصاف سے موصوف ہیں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پہلی دس آیات

مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز ہوتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے۔ ایک روز آپ کے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی تو ہم ٹھہر گئے کہ تازہ آئی ہوئی وحی سن لیں۔ جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رُخ ہو کر بیٹھ گئے اور یہ دُعا کرنے لگے اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَارْضَ عَنَّا وَاَرْضِنَا. (یعنی یا اللہ ہمیں زیادہ دے کم نہ کر اور ہماری عزت بڑھا ذلیل نہ کر اور ہم پر بخشش فرما، محروم نہ کر اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے)۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس آیتیں

Marfat.com

ایسی نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص اُن پر پورا پورا عمل کرے تو وہ (سیدھا) جنت میں جائیگا۔ (ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

اور نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن بابنوس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق کیسا اور کیا تھا، انہوں نے فرمایا آپ کا خلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے اس کے بعد یہ دس آیتیں تلاوت کر کے فرمایا کہ بس یہی خلق وعادت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ (ابن کثیر)

کامیابی کی چابی

اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مؤمنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات (۱ تا ۱۱) کے اندر آیا ہے۔

دنیا کا تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ جو اہل صلاح ان سات اوصاف کے حامل اور اُن سے متصف اور اُن پر قائم ہیں گو دُنیا میں وقتی تکلیف اُن کو بھی پیش آ جائے مگر انجام کار اُن کی تکلیف جلد دُور ہوتی ہے اور مراد حاصل ہو جاتی ہے ساری دنیا اُن کی عزت کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور دُنیا میں نیک نام انہیں کا باقی رہتا ہے۔ جتنا دنیا کے حالات کا غور و انصاف سے مطالعہ کیا جائیگا ہر دَور ہر زمانے ہر خطہ میں اسکی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی۔

نماز میں خشوع، خشوع کے لغوی معنے سکون کے ہیں اصطلاحِ شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو، یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو کہ عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے (بیان القرآن) خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منع فرمایا ہے اور فقہاء نے اُن کے مکروہات نماز کے عنوان سے جمع کر دیا ہے تفسیر مظہری میں خشوع کی یہی تعریف حضرت عمرو بن دینار سے نقل کی ہے اور دوسرے بزرگوں سے جو خشوع کی تعریف میں مختلف چیزیں نقل کی گئی ہیں وہ دراصل اسی سکونِ قلب و جوارح کی تفصیلات ہیں۔ مثلاً حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ نظر اور آواز کو پست رکھنے کا نام خشوع ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دائیں بائیں التفات یعنی گوشۂ چشم سے دیکھنے سے بچنا خشوع ہے حضرت عطاء نے فرمایا کہ بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرنا خشوع ہے۔ حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشۂ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس سے رُخ پھیر لیتے ہیں (رواہ احمد والنسائی وابوداؤد وغیرہم۔ مظہری) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اُس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور یہ کہ نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو۔ (رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ مظہری)

نماز میں داڑھی سے کھیلنا

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو فرمایا لو خشع قلب ھٰذا لخشعت جوارحہ (رواہ الحاکم والترمذی بسند ضعیف)

یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اسکے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (مظہری)

نماز میں خشوع کی ضرورت کا درجہ

امام غزالی و قرطبی اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز خشوع کے بغیر گزر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہو گی۔ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اسمیں شبہ نہیں کہ خشوع رُوحِ نماز ہے اسکے بغیر نماز بے جان ہے مگر اس کو رُکن نماز کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خشوع نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوئی اور اُسکا اعادہ فرض قرار دیا جائے۔

حضرت سیدی حکیم الامتؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ خشوع صحتِ نماز کیلئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجہ میں وہ فرض نہیں مگر قبول نماز کا موقوف علیہ اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔ حدیث میں طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس اُمت سے اُٹھ جائیگی یعنی سلب ہو جائیگی وہ خشوع ہے یہانتک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئیگا۔ کذا فی مجمع الزوائد (بیان) (معارف مفتی اعظم)

شانِ نزول

حاکم نے حسب شرط شیخین حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے میں اپنی نظر کو اوپر آسمان کی طرف اٹھا لیتے تھے اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

Marfat.com

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ بیشک ان مؤمنوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اس آیت کے نزول ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ ابن مردویہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان میں اِدھر اُدھر نظر گھما لیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نماز کے اندر آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھا لیا کرتے تھے جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو سجدہ گاہ پر نظر جمانے لگے۔

ابن ابی حاتم نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نماز کے اندر آسمان کی طرف نظریں اٹھا لیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لفظ ''قد'' کا استعمال

لفظ قَدْ کسی امر متوقع کے ثبوت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے لَمَّا کسی امر متوقع کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ قَدْ اگر ماضی ہو تو تحقق وقوع کے علاوہ قربِ حال کا مفہوم بھی اس کے اندر آ جاتا ہے۔ (قَدْ قَامَ ابھی کھڑا ہو گیا۔ قَدْ اَکَلَ ابھی ابھی وہ کھا چکا) مؤمنوں کو اللہ کے فضل سے فلاح کی توقع تھی قَدْ کے لانے سے فلاح یاب ہونے کی مسلمانوں کے لئے بشارت ہو گئی (گویا مسلمان فلاح یاب ہو چکے)۔

فلاح کیا ہے؟

صاحبِ قاموس نے لکھا ہے فلاح کامیابی اور (کسی قابلِ خوف چیز سے) نجات اور امرِ خیر میں باقی رہنا۔ فلاح دنیوی بھی ہوتی ہے اور آخرت کی بھی اس جگہ فلاحِ اُخروی مراد ہے۔ کامل فلاح اُخروی یہ ہے کہ بالکل عذاب نہ ہو، نہ قبر میں، نہ حساب کے وقت (حساب فہمی کی سختی کی شکل میں) نہ شدائد قیامت میں مبتلا ہو کر، نہ دوزخ میں داخل ہونے کی صورت میں، نہ صراط پر سے گذرنے میں (خلاصہ یہ ہے کہ عذابِ قبر سے حساب فہمی کی سختی سے شدائد قیامت سے، روز قیامت کی ظلمت سے، دوزخ کی آگ اور ہر طرح کی تکلیفوں سے اور پل صراط پر گذرنے کی دشواری سے بالکل نجات مل جائے) اور اس نجات کے بعد جنت میں داخلہ مل جائے۔ مرتبہ قرب اور دیدارِ باری تعالیٰ نصیب ہو جائے اور مولیٰ کریم کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

رہی فی الجملہ ناقص کامیابی تو اس کی خصوصیت انہی اہلِ ایمان کے ساتھ نہیں ہے جن کی صفات کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے بلکہ ہر وہ شخص جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو وہ (آخرت میں) ضرور فلاح یاب ہو گا (خواہ اس کی فلاح کامل نہ ہو) اللہ نے فرمادیا ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ جو ذرہ (یا چھوٹی سُرخ چیونٹی کے) برابر نیکی کرے گا وہ اس کی نظر کے سامنے آئے گی۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اس کی نظر کے سامنے آئے گی اور نفس ایمان و توحید تمام نیکیوں کا سرگروہ ہے (اس لئے ہر مؤمن کا فلاح یاب ہونا ضروری ہے خواہ کسی قدر گناہگار ہو) اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، توحید کی تصدیق کرنے والے سعادت یاب ہوں گے اور جنت میں (ہمیشہ) رہیں گے۔

بخیل جنت میں نہ جائے گا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنتِ عدن کو پیدا کیا اس کے درختوں میں پھل لٹکائے۔ (یعنی درختوں میں اتنی کثرت سے پھل پیدا کئے کہ ان کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھک گئیں اور پھل لٹک گئے) اور جنت کے اندر نہریں نکالیں پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اللہ نے فرمایا، قسم اپنی عزت و جلال کی کوئی بخیل تیرے اندر میرے قریب بھی نہیں آئے گا۔ (رواہ الطبرانی)

جنت کی چیزیں

میں کہتا ہوں اس حدیث میں شاید بخیل سے مراد کافر ہے کیونکہ کافر اللہ کا حقِ توحید ادا کرنے میں بخیل ہوتا ہے۔ دوسری سند سے طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس کے اندر ایسی چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی شخص کے دل میں ان کا خیال آیا، پھر فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۔

بزار اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بھی ایسی ہی مرفوع روایت نقل کی ہے بیہقی نے مجاہد اور کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے، حاکم کا بیان حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اسی طرح آیا ہے، ابن ابی الدنیا نے صفۃ الجنت میں حضرت انس سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

Marfat.com

اللہ نے جنت عدن کو ایک سفید موتی اور یاقوت سرخ اور زمرد سبز کی اینٹوں سے بنایا ہے اس کا پلاستر مشک کا ہے اس کی گھاس زعفران ہے اس کی پتھریاں موتی ہیں اور اس کی مٹی عنبر ہے، اور فرمایا بات کر۔ جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا، قسم ہے اپنی عزت کی تیرے اندر میرے قرب میں کوئی بخیل نہیں آئے گا۔

تمام مؤمن کسی نہ کسی وقت جنت میں داخل ہوں گے

حضرت مؤلف نے کہا ہوسکتا ہے کہ آیت میں فلاح سے مراد جنت کا داخلہ ہو خواہ عذاب کے بعد ہی مل جائے، اس وقت المؤمنون سے تمام مؤمن مراد ہوں گے کیونکہ کسی نہ کسی وقت سب مؤمنوں کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہے۔ اس تفسیر پر آیت میں مؤمنوں کی جو صفات بیان کی ہیں وہ قیدِ احترازی کے طور پر نہ ہوں گی۔ (کہ جن مؤمنوں میں وہ صفات نہ ہوں وہ فلاح یاب نہ ہوں) بلکہ صفاتِ مدحیہ ہوں گی۔ مؤمن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اِن صفات کا حامل ہو اگر ان صفات کو قیدِ احترازی قرار دیا جائے اور فلاح سے کامل فلاح مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ کامل فلاح پانے والے وہ مؤمن ہوں گے جو ان صفات کے حامل ہوں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو مؤمن اپنے اندر یہ صفات نہیں رکھتے ہوں گے وہ مطلقاً فلاح یاب نہ ہوں گے۔

اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ جو گناہگار مؤمن بغیر توبہ کے مرجائیں وہ جنت میں بالآخر ضرور داخل ہوں گے اللہ کو اختیار ہے کہ سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمادے یا معاف فرمادے اور بغیر عذاب دیئے جنت میں بھیج دے۔

خشوع کے متعلق مختلف اقوال

خَاشِعُوْنَ ۝ سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا، عاجزی کرنے والے، اللہ کے سامنے اظہارِ عجز کرنے والے۔ حسن نے کہا ڈرنے والے۔ مقاتل نے کہا تواضع کرنے والے اور اپنے آپ کو پست قرار دینے والے۔ مجاہد نے کہا نظریں نیچی اور آواز پست رکھنے والے۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول آیا ہے (نماز میں) اِدھر اُدھر التفات نہ کرنا خشوع ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا خشوع یہ ہے کہ یہ معلوم بھی نہ ہو کون دائیں طرف ہے اور کون بائیں طرف۔ اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالے۔

عمرو بن دینار نے کہا، خشوع سے مراد ہے سکون۔ اور حسنِ ہیئت علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ خشوع سے مراد ہے سجدہ گاہ سے نظر نہ ہٹانا۔ عطاء نے کہا اپنے بدن کے کسی حصے سے نہ کھیلنا مثلاً بے وجہ نہ کھجانا مراد ہے۔

بعض نے کہا نماز میں خشوع نام ہے توجہ کی یکسوئی کا کہ دوسری طرف خیال نہ جائے اور زبان سے جو الفاظ ادا کر رہا ہے اس پر غور کرتا جائے، نماز سے اِدھر اُدھر نہ ہٹے۔ دائیں بائیں نظر نہ گھمائے۔ کسی طرف مائل نہ ہو، انگلیاں نہ چٹکائے، کنکریوں کو (جو زمین پر پڑی ہوں) کو الٹ پلٹ نہ کرے اور نماز کے نامناسب کوئی حرکت نہ کرے۔

حضرت ابودرداء نے فرمایا خشوع سے مراد ہے قولی اخلاص (اللہ کے سامنے) تعظیم کے ساتھ کھڑا ہونا، کامل یقین اور پوری توجہ و یکسوئی۔

صاحبِ قاموس نے لکھا ہے خشوع کا معنی ہے خضوع یعنی تواضع، خشوع کا مفہوم تواضع کے قریب ہے۔ یا خشوع کا تعلق اعضائے بدن سے ہوتا ہے اور خضوع آواز کی پستی و عاجزی، اور نگاہ اور سکون اور اظہار عجز سب سے متعلق ہے۔ نہایہ میں ہے خشوع نگاہ اور آواز میں ہوتا ہے جیسے خضوع کا تعلق اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔

بندہ متوجہ ہو تو اللہ متوجہ رہتا ہے

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ نماز میں اِدھر اُدھر نظر کو متوجہ نہیں کرتا۔ جب بندہ اِدھر اُدھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔ (رواہ احمد، وابوداؤد، والنسائی، والدارمی)

شیطان کا جھپٹا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا، فرمایا یہ ایک جھپٹا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین)

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہ آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس معاملہ میں اتنا سخت تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لوگوں کو اِس حرکت سے باز آجانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ راوہ البغوی۔ مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا نماز میں دعاء

Marfat.com

کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے لوگوں کو باز آ جانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز کے اندر آسمان کی طرف نظر اٹھانے سے لوگوں کو باز آ جانا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہیں واپس نہ آئیں۔ (رواہ مسلم وابوداؤد واحمد وابن ماجہ)

نفاق والا خشوع

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم نفاق والے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے فرمایا بدن کا خشوع اور دل کا نفاق (یعنی دل کسی اور طرف مشغول ہو اور بظاہر اعضاء نماز میں ہوں)

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق کی نماز

مجاہد کا بیان ہے حضرت عبداللہ بن زبیر نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لکڑی کا تھم (اپنی جگہ) کھڑا ہے حضرت ابوبکر صدیق کی بھی یہی حالت تھی۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام رومان نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے نماز میں اِدھر اُدھر جھکتے دیکھا تو اتنا سخت ڈانٹا کہ قریب تھا میں نماز توڑ دوں، اور فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں میں سکون رہنا چاہئے، یہودیوں کی طرح اِدھر اُدھر نہ جھکے، نماز میں ہاتھ پاؤں کا ساکن رہنا نماز کا جز تکمیل ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

نماز میں پتھر نہ ہٹائے

حضرت ابوالاحوص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو جائے تو پتھریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ (اللہ کی) رحمت اس کے منہ کے سامنے ہوتی ہے (اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹائے) رواہ البغوی، امام احمد، ابن عدی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے یہ حدیث حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نصیحت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اپنی نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھا کرو۔ (رواہ البیہقی فی سننہ الکبیر)

یہ بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے سے پرہیز رکھ۔ نماز کے اندر اِدھر اُدھر نظر کرنا (نماز کی) بربادی ہے اگر مجبوری ہو تو نفل میں (ایسا کر سکتا ہے) فرض میں نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝
اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے

فضولیات سے پرہیز

یعنی فضول، بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے کوئی دوسرا شخص لغو اور نکمی بات کہے تو اُدھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اُن کو وظائف عبودیت سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں۔

چو خوش گفت بہاول فرخندہ خصال — چو گفتش نہ بود عارف جنگ
گرایں مدعی دوست شناسد نہ بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(تفسیر عثمانی)

لغو کے درجات

لغو کے معنے فضول کلام یا کام جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر نقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر، اسکا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حسن اسلام المرأ ترکہ مالا یعنیہ. یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہو سکتا ہے جبکہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی لئے آیت میں اسکو مؤمن کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

لغو کے متعلق اقوال

اور جو لغو باتوں سے (قولی ہوں یا فعلی) اعراض کرنے والے ہیں عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ لغو سے مراد شرک ہے حسن نے کہا گناہ اور نافرمانیاں مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں آخرت میں کام نہ آنے والے امور مراد لینا بہتر ہے خواہ وہ امور قول سے تعلق رکھتے ہوں یا عمل سے۔

لفظ لغو سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شرک اور معاصی اور

Marfat.com

مُعْرِضُوْنَ آخرت میں ضرر پہنچانے والے امور کے ارتکاب کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو بیکار اور غیر مفید باتوں سے بھی الگ رہتے ہیں اور پرہیز کرتے ہیں۔

بعض نے کہا لغو سے اعراض کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں وہ گالیاں نہیں دیتے اور سبّ وشتم نہیں کرتے۔

دوسری آیت میں اللہ نے خود فرمایا ہے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ مطلب یہ ہے کہ جب وہ بُری بات سنتے ہیں تو خود اس کے اندر گھس نہیں پڑتے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾
اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں

زکوٰۃ ادا کرنا

یعنی اُن کی عادت ہے کہ ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی دی کبھی نہ دی، غالباً اسی لئے يُؤْدُوْنَ الزَّكٰوةَ کی جگہ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ کی ترکیب اختیار فرمائی۔ گویا بتلا دیا کہ زکوٰۃ ادا کرنا اُن کا مستمر کام ہے۔ مترجم محقق قدس روحہٗ نے ''دیا کرتے ہیں'' کہہ کر ادھر اشارہ کر دیا۔ بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کو ''طہارت'' (پاکیزگی) یا تزکیۂ نفس کے معنی میں لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ کو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اُس کے مفہوم کو عام رکھا جائے جس میں بدن کا، دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہو۔ زکوٰۃ وصدقات بھی ایک قسم کی مالی تطہیر ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ۔ رکوع ۱۳) یہ کہنا کہ آیت مکی ہے اور مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی، ابن کثیرؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اصل زکوٰۃ کی مشروعیت مکہ میں ہو چکی تھی، ہاں مقادیر ونُصُب وغیرہ کی تشخیص مدینہ پہنچ کر ہوئی واللہ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾
اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں
اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ
مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر
فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ
سو ان پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾
سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے

شرمگاہوں کی حفاظت

یعنی اپنی منکوحہ عورت یا باندی کے سواء کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت اور استمناء بالید وغیرہ سب صورتیں آ گئیں، بلکہ بعض مفسرین نے حُرمت متعہ پر بھی اس سے استدلال کیا ہے وفیہ کلام طویل لایسعہ المقام۔ راجع روح المعانی تحت ہذہ الآیۃ الکریم۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق شہوتِ نفس پوری کرنے کے علاوہ اور کسی سے کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ یعنی شرعی قاعدے کے مطابق اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوتِ نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں اسمیں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے مقصدِ زندگی بنانا نہیں اسکا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابلِ ملامت نہیں واللہ اعلم۔

قضائے شہوت کی حرام صورتیں

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدہ سے حاصل شدہ لونڈی کیساتھ شرعی قاعدے کے مطابق قضاء شہوت کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں اسمیں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اُس پر حرام ہے اُس سے نکاح بھی بحکمِ زنا ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے حیض ونفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یعنی کسی مرد یا لڑکے سے یا کسی جانور سے شہوت پوری کرنا بھی۔ اور جمہور کے نزدیک اسْتِمنَاء بِالْيَد یعنی اپنے ہاتھ سے منی خارج کر لینا بھی اس میں داخل ہے۔ از تفسیر بیان القرآن۔ قرطبی۔ بحر محیط وغیرہ۔ (معارف مفتی اعظم)

مامملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں

حضرت مؤلف نے فرمایا کہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ سے صرف باندیاں مراد ہیں کیونکہ عورتوں کو کم عقلی کی وجہ سے بے عقل چیزوں کے

Marfat.com

حکم میں داخل سمجھا جاتا ہے اسی لئے مؤنث کی ضمیریں بے عقل چیزوں کی طرف راجع کر دی جاتی ہیں پس لفظ ما کا اس جگہ ذکر کرنا دلالت کر رہا ہے کہ اس سے باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں ہیں خلاصہ یہ کہ عورتوں کے لئے اپنے غلاموں سے قربت ناجائز ہے۔

متعہ کی حرمت

حضرت ابن عباس نے فرمایا ابتدائے اسلام میں عورتوں سے متعہ کرنا جائز تھا۔ کوئی شخص اجنبی شہر میں جاتا اور وہاں کوئی جان پہچان والا نہ ہوتا تو جس قدر قیام کا ارادہ ہوتا اتنی مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تا کہ عورت اس کے لئے کھانا تیار کر دے اور سامان کی حفاظت رکھے یہاں تک کہ جب آیت اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ نازل ہوئی تو سوائے ان دونوں قسموں کے ہر عورت حرام ہو گئی۔ رواہ الترمذی۔ جن عورتوں سے متعہ کیا جاتا ہے وہ بیویاں یقیناً نہیں ہوتیں۔ فرقۂ شیعہ کے نزدیک بھی نہ ان کو شوہر کی میراث ملتی ہے نہ شوہر کو ان کی میراث۔ (اور باندیاں بھی یقیناً نہیں ہیں اور تیسری کوئی قسم حسبِ صراحت آیت حلال نہیں ہے) اور زوجین کے درمیان توارث صراحت قرآنی کے بموجب ضروری ہے۔ متعہ کا مسئلہ سورۂ نساء کی آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کی تفسیر میں ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

جلق حرام ہے

آیت مذکورہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عمل بالید (جلق) بھی حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸	
اور جو	اپنی امانتوں سے اور اپنے قرار سے خبردار ہیں

امانتداری اور ایفائے عہد

یعنی امانت اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں، خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملہ میں نہ بندوں کے۔ (تفسیر عثمانی)

امانتوں سے مراد ہیں، وہ چیزیں جو بطور امانت مؤمنوں کے پاس رکھی جائیں انکو ان چیزوں کا امین بنا دیا جائے۔

دو قسم کے عہد

عَهْدِ (وعدہ) دو طرح کا ہوتا ہے ایک عہد وہ ہے جو اللہ نے بندوں سے لیا اور بندوں نے اللہ سے کیا ہے۔ نماز، روزہ، اور تمام عبادتیں اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ دوسرا عہد وہ ہے جو آدمی آپس میں کرتے ہیں۔ امانت، ودیعت، تجارت اور دوسرے معاہدات جن کا تعلق باہم انسانوں سے ہوتا ہے دونوں کی پابندی اور ان کو پورا کرنا، مسلمانوں پر واجب ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹	
اور جو	اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں

نمازوں کی حفاظت

نمازیں اپنے اوقات پر آداب و حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ یہاں تک مؤمنین مفلحین کی چھ صفات و خصائل بیان کیں۔

(۱) خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھنا، یعنی بدن اور دل سے اللہ کی طرف جھکنا۔ (۲) باطل لغو اور نکمی باتوں سے علیحدہ رہنا۔

(۳) زکوٰۃ یعنی مالی حقوق ادا کرنا یا اپنے بدن، نفس اور مال کو پاک رکھنا۔ (۴) شہواتِ نفسانی کو قابو میں رکھنا۔

(۵) امانت و عہد کی حفاظت کرنا گویا معاملات کو درست رکھنا۔

(۶) اور آخر میں پھر نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا کہ اپنے وقت پر آداب و شروط کی رعایت کے ساتھ ادا ہوں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے یہاں کیا درجہ ہے اور کس قدر مہتم بالشان چیز ہے کہ اُس سے شروع کر کے اُسی پر ختم فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

محبوب عمل

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا ماں باپ سے سلوک کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری و مسلم)

آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت

چنانچہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے خوشبو اور عورتیں زیادہ پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (نسائی)۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لونڈی سے کہا کہ پانی لاؤ نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں تو سننے والوں کو انکی یہ بات گراں گذری۔ آپ نے فرمایا رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے اے بلال اٹھو اور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

بہترین عمل

حدیث شریف میں ہے سیدھے سیدھے رہو اور تم ہرگز احاطہ نہ کر سکو گے جان لو کہ تمہارے تمام اعمال میں بہترین عمل نماز ہے دیکھو وضوء کی حفاظت صرف مؤمن ہی کر سکتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ
وہ ہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائینگے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾
وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے

جنت کے میراث ہونے پر پہلے کسی جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مہاجرین وانصار

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ سورۃ مؤمنون مکی ہے اور شروع سورت میں جن مؤمنین مفلحین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اولین مصداق مہاجرین اولین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز وفلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

جنت کے وارث

ان سب صفات کو بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ یہی لوگ وارث ہیں، جو جنت الفردوس کے دائمی وارث ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے خدا سے جب جنت مانگو جنت الفردوس مانگو وہ سب سے اعلیٰ اور اوسط جنت ہے۔ وہیں سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں اسی کے اوپر خدا تعالیٰ کا عرش ہے۔ (صحیحین)

ہر ایک کی دو منزلیں

فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی دو دو جگہیں ہیں ایک منزل جنت میں ایک جہنم میں۔ جب کوئی دوزخ میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی بنتے ہیں اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں جنتی تو اپنی جنت کی جگہ سنوار لیتا ہے اور جہنم کی جگہ ڈھا دیتا ہے اور دوزخی اس کے خلاف کرتا ہے۔ کفار جو عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے انہوں نے عبادت ترک کر دی تو ان کے لئے جو انعامات تھے وہ ان سے چھین کر سچے مؤمنوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ اسی لئے انہیں وارث کہا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لیکر آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا اور انہیں بخش دے گا۔ اور سند سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک ایک یہودی یا نصرانی دے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے جہنم سے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جب یہ حدیث سنی تو راوی حدیث ابو بردہؓ کو قسم دی انہوں نے تین مرتبہ قسم کھا کر حدیث کو دہرایا۔ اسی جیسی آیت یہ بھی ہے تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا الخ اور آیت میں ہے۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا

فردوس

فردوس رومی زبان میں باغ کو کہتے ہیں بعض سلف کہتے ہیں کہ اس باغ کو جس میں انگور کی بیلیں ہوں، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے۔

اُولٰٓئِكَ یعنی یہی لوگ جو اوصاف مذکورہ کے حامل ہیں۔

الْوٰرِثُوْنَ یعنی اس بات کے مستحق ہیں کہ صرف انہی کو (فردوس کا) وارث کہا جائے گا۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ یہ الوارثون کا وصف ہے اور جس چیز کے وارث ہوں گے ان کا بیان ہے پہلے بلا تعیین وراثت کا ذکر کیا گیا پھر تعیین کے ساتھ وراثت فردوس کا ذکر کیا۔ اس سے وراثت کی عظمت اور بلندیٔ شان ظاہر ہوگئی۔ (شبہ کیا جا سکتا ہے کہ وارث ہونے کا لفظ چاہتا ہے کہ پہلے فردوس کسی اور کی تھی پھر مؤمنوں کو دیدی جائے گی۔

ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ جنت کے اندر اس کا میراثی حصہ ختم کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ج
اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے

منتخب مٹی کا بنا ہوا

کیونکہ سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام منتخب مٹی سے پیدا ہوئے اور ویسے بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبد بن حمید کا قول نقل کیا ہے کہ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ سے مراد ہے

Marfat.com

بنی آدم کا نطفہ (گویا طین سے مراد ہوئے بنی آدم اور سُلٰلَةٍ سے مراد ہوا نطفہ)۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾
پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں

رِحم مادر میں

یعنی رحم مادر میں جہاں سے کہیں ہل نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
پھر بنایا اُس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ
پھر بنائیں اُس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا اُن ہڈیوں پر گوشت

مختلف مراحل

یعنی کچھ حصہ گوشت کا سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں۔ اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر پھر گوشت پوست منڈھ دیا۔ سورۂ ''حج'' میں اسی کے قریب کیفیت تخلیق انسان کی بیان ہو چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُضْغَةً گوشت کی بوٹی اتنی جو چبانے کے بقدر ہو۔ گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا دینے کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کو سخت کر دیا۔ مضغۂ کا جو حصہ ہڈی ہونے سے باقی رہا اس کا گوشت بنا کر ہم نے ہڈیوں کو اس گوشت کا لباس پہنا دیا (ہڈیوں پر چڑھا دیا)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ
پھر اُٹھا کھڑا کیا اُس کو ایک نئی صورت میں

روح حیات

یعنی روح حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ جس پر آگے چل کر بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کے بہت سے احوال و ادوار گذرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نفخِ روح کیا ہے

نفخ روح، اللہ کی ایک صفت ہے (جس کا وجود قدیم ہے) اللہ نے فرمایا جب ہڈیاں گوشت کا جامہ پہن لیتی ہیں تو اس صفت کا تعلق جسم سے ہو جاتا ہے گویا روح کا جسم سے تعلق حادث ہے اور روح بجائے خود قدیم ہے ہاں اگر آیت میں انشاء (پیدا کرنے سے مراد نفخ روح ہو پیدا کرنا نہ ہو تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں)۔

انسان پیدائش سے انجام تک

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا مادۂ تخلیق ماں کے پیٹ میں بشکل نطفہ چالیس روز تک جمع رکھا جاتا ہے پھر وہ مادہ خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اتنی ہی مدت تک رہتا ہے۔ پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے اور اتنی ہی مدت تک (بوٹی کی شکل پر) رہتا ہے پھر اللہ فرشتہ کو چار احکام دے کر بھیجتا ہے فرشتہ اس کے (اچھے بُرے) اعمال اور مدتِ زندگی اور رزق اور سعید یا شقی ہونا (مؤمن یا کافر ہونا جنتی یا دوزخی ہونا) لکھ دیتا ہے پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) جنتیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن (تخلیقی) تحریر غالب آتی ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگتے ہیں (اور انہی اعمال پر خاتمہ ہو جاتا ہے) اور بعض لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے جیسے کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتے ہیں (اور اسی پر ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے) (متفق علیہ بخاری و مسلم)

مسئلہ: اگر کسی نے کوئی انڈا غصب کیا اور غاصب کے پاس پہنچ کر انڈے سے بچہ نکل آیا اور پھر بچہ مر گیا یا حرم کے اندر سے انڈا باہر نکال کر لے آیا اور حرم سے باہر انڈے سے بچہ پیدا ہو گیا تو دونوں صورتوں میں انڈے کا ضمان (تاوان) دینا پڑے گا کیونکہ بچہ کا پیدا ہونا تخلیقِ آخر ہے اور اسی دور میں روحِ سفلی یعنی روح حیوانی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ضمان کا تعلق تخلیق اول سے ہی ہوگا۔

زندگی کے تغیرات

عوفی کی روایت حضرت ابن عباس کا تفسیری قول ہے کہ انشاء تخلیقِ آخر سے زندگی کے سارے تدریجی تغیرات اور انقلابات مراد ہیں پیدا ہونا، پھر چیخنا، پھر دودھ پینا، پھر آہستہ آہستہ بیٹھنا پھر رفتہ رفتہ کھڑا ہونا پھر چلنا اور دودھ ترک کر کے کچھ غذائی چیزیں کھانا پینا پھر بچپن سے

Marfat.com

دھیرے دھیرے جوانی کی حدود میں داخل ہونا اور ملک ملک میں گھومنا پھرنا سب ہی انشاء خلق آخر کی صورتیں ہیں۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے مراد دوسری ولادت ہو جو صوفی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ مرتبۂ فناء پر پہنچ جاتا ہے اور تمام بہیمی اور سبعی بشری صفات سے نکل کر ملکوتی صفات اختیار کر لیتا ہے اور پھر ملکوتی صفات سے ترقی کر کے رحمانی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے اور بقاء باللہ یا بقاء بصفات اللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ لفظ ثُمَّ کا استعمال کرنے کی یہ وجہ زیادہ مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

روحِ حقیقی اور روحِ حیوانی

یہاں خلقاً آخر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، شعبیؒ، عکرمہؒ، ضحاکؒ ابوالعالیہؒ وغیرہ نے نفخ روح سے فرمائی ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ غالباً مراد اس روح سے روحِ حیوانی ہے کہ وہ بھی مادی اور ایک جسم لطیف ہے جو جسمِ حیوانی کے ہر ہر جزو میں سمایا ہوا ہوتا ہے جس کو اطباء اور فلاسفہ روح کہتے ہیں۔ اُس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے اس لئے اسکو لفظ ثمّ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور روحِ حقیقی جسکا تعلق عالمِ ارواح سے ہے، وہیں سے لا کر اس روحِ حیوانی کے ساتھ اسکا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرما دیتے ہیں جسکی حقیقت کا پہچاننا انسان کے بس کا نہیں اس روحِ حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہے انہیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کر کے؟؟ فرمایا اور سب نے بَلیٰ کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ ہاں اسکا تعلق جسمِ انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے۔ اس جگہ نفخ روح سے اگر یہ مراد لی جائے کہ روحِ حیوانی کیساتھ روح حقیقی کا تعلق اسوقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے۔ اور درحقیقت حیاتِ انسان اسی روحِ حقیقی سے متعلق ہے جب اس کا تعلق روحِ حیوانی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو انسان زندہ کہلاتا ہے جب منقطع ہو جاتا ہے تو انسان مُردہ کہلاتا ہے وہ روحِ حیوانی بھی اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانیوالا ہے

متناسب صورت

خوبصورتی سے تمام اعضاء وقویٰ کو بہترین سانچے میں ڈھالا اور اُس کی ساخت عین حکمت کے موافق نہایت موزوں ومتناسب بنائی۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے، جب یہ آیت اُتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا تو بے ساختہ میری زبان سے فتبارک اللہ احسن الخالقین نکلا، اور وہی پھر اُترا۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ الٰہی

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (تخلیق کے گذشتہ احوال دلیل ہیں اس امر کی کہ) اللہ کی بہت بڑی شان ہے جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

تَبٰرَكَ اللّٰهُ یعنی اللہ کی شان اعلیٰ و برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنا کوئی شریک بنائے یا اس کے احکام کی پابندی اور تعمیل میں سستی کی جائے۔

عبداللہ بن سعد کا واقعہ

بعض روایات میں آیا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا (وحی نازل ہوتی تو آپ اس سے وحی کی کتابت بھی کرا لیا کرتے تھے) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے بغیر یہ جملہ اس نے آیت مذکورہ کے اختتام پر زبان سے کہہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسی طرح لکھ دے یہ یوں ہی نازل ہوا ہے۔ عبداللہ نے (لوگوں سے) کہا اگر محمد نبی ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے تو میں بھی نبی ہوں میرے پاس بھی وحی آتی ہے یہ کہہ کر اسلام سے پھر گیا اور مکہ چلا گیا کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو جہاں اور چند لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دیا وہاں اس کو بھی مباح الدم قرار دیدیا اور حکم دیدیا کہ جہاں ملے قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کا خواستگار ہوا حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک خاموش رہے۔ پھر دیر کے بعد فرمایا، اچھا۔ (عبداللہ کو امان مل گئی) حضرت عثمان واپس چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا (تم نے میرے اچھا کہنے سے پہلے ہی اس کو قتل کیوں نہیں کر دیا) میں تو دیر تک اسی لئے خاموش رہا تھا کہ تم اس کو قتل کر دو۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اشارہ کیوں نہ کر دیا، فرمایا، نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ نگاہ کی چوری

Marfat.com

کرے۔ عبداللہ اسی روز دوبارہ مسلمان ہو گیا اور پھر اس کا اسلام اچھا رہا۔ (فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ) (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝
پھر تم اس کے بعد مرو گے

سب کو موت آئے گی

یعنی تمہارا وجود ذاتی اور خانہ زاد نہیں، مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے۔ چنانچہ موت آ کر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ تم اس وقت اس کے زبردست پنجہ سے اپنی ہستی کو نہیں بچا سکتے۔ یقیناً کوئی اور قاہر طاقت تمہارے اوپر ہے جس نے وجود کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے جب چاہے ڈھیلی چھوڑ دے، جب چاہے کھینچ لے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝
پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے

پھر قیامت میں اٹھائے جاؤ گے

جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہ ہی دوبارہ بنا کر کھڑا کریگا۔ تاکہ پہلے وجود کی مستور قوتیں اور اعمال کے نتائج اپنی کامل ترین صورتوں میں ظاہر ہو کر ثابت کر دیں کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ کوئی بیکار اور بے نتیجہ ڈھونگ نہیں بنایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ
اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے اوپر سات رستے

سات آسمان

''طرائق'' کے معنی بعض مفسرین ولغویین کے نزدیک طبقات کے ہیں یعنی آسمان کے سات طبقے اوپر نیچے بنائے۔ فہٰذا کما قال كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح-رکوع ۱) اور بعض نے طرائق کو راستوں کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی سات آسمان بنائے جو فرشتوں کی گذرگاہیں ہیں۔ بعض معاصر مصنفین نے ''سبع طرائق'' سے سات سیاروں کے مدارات مُراد لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

طَرَآئِقَ سے مراد آسمان ہیں، کیونکہ ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان پر چڑھا ہوا ہے اگر نچلی چیز بالائی چیز کی طرح ہو تو نچلی کو بالائی چیز کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ طرائق کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں یا سیاروں کے چلنے کی گذرگاہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝
اور ہم نہیں ہے خلق سے بے خبر

پورا نظام قابو میں ہے

ہر چیز پورے انتظام واحکام اور خبرداری سے بنائی ہے اور اُس کی حفاظت و بقاء کے طریقوں سے ہم پورے باخبر ہیں۔ اجرام سماویہ اور مخلوقات سفلیہ میں کوئی چیز نہیں جو ہمارے احاطۂ علم و قدرت سے باہر ہو۔ ورنہ سارا انتظام ہی درہم و برہم ہو جائے۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا (حدید) (تفسیر عثمانی)

الْخَلْقِ سے مراد ہے 'مخلوق' کوئی ہو۔

غٰفِلِيْنَ، یعنی ان کے معاملہ سے بے خبر، ان کو یوں ہی بے کار چھوڑ دینے والے نہیں ہیں بلکہ اختلال اور نظام کی ابتری سے ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کی نگرانی رکھتے ہیں اور حسب حکمت و مصلحت ان کے مناسب حد کمال تک پہنچانے کا انتظام قائم رکھتے ہیں اور آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ
اور اُتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر

آب رسانی کا نظام

نہ اس قدر زیادہ کہ دنیا بے وقت اور بے موقع تباہ ہو جائے اور نہ اتنا کم کہ ضروریات کو کافی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں آسمان سے پانی برسانے کے ذکر کے ساتھ ایک قید بقدر کی بڑھا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ انسان ایسا ضعیف الخلقت ہے کہ جو چیزیں اس کے لئے مدارِ زندگی ہیں اگر وہ مقدارِ مقدر سے زائد ہو جاویں تو وہی اس کیلئے وبالِ جان اور عذاب بن جاتی ہیں پانی جیسی چیز جس کے بغیر کوئی انسان وحیوان زندہ نہیں رہ سکتا اگر ضرورت سے زیادہ برس جائے تو طوفان آ جاتا ہے اور انسان اور اسکے سامان کے لئے وبال وعذاب بن جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

پانی سے مراد بارش کا پانی بِقَدَرٍ یعنی مناسب مقدار کے ساتھ جتنا تقاضائے مصلحت تھا۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۚ

پھر اس کو ٹھہرا دیا زمین میں

زیرزمین پانی کا ذخیرہ

یعنی بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

زمین میں ٹھہرانے کا مطلب بعض اہلِ علم نے یہ بیان کیا کہ تالابوں اور حوضوں اور گڑھوں میں ہم نے پانی کو جمع کر دیا تا کہ بارش نہ ہو تو لوگ اس سے کام چلائیں۔ بعض اہلِ تفسیر نے کہا کہ اس سے زمین کا پانی پینا مراد ہے پانی کو زمین چوس لیتی ہے۔ زمین کے مسامات میں پانی گھس جاتا ہے پھر اس سے چشمے اور سوت پھوٹ نکلتے ہیں۔ زمین سے جتنا پانی برآمد ہوتا ہے وہ آسمان سے برسا ہوا ہی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ ﴿۱۸﴾

اور ہم اُس کو لے جائیں تو لے جا سکتے ہیں

اللہ چاہے تو پانی ختم ہو جائے

یعنی نہ اُتارنا چاہیں تو نہ اُتاریں اور اُتارنے کے بعد تم کو اس سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کر دیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکو، یا خشک کر کے ہوا میں اُڑا دیں، یا کھاری اور کڑوا کر دیں، تو ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذَهَابٍ بِهٖ اس کو لے جانا، زائل کر دینا۔ مراد یہ ہے کہ ہم اس کو خراب بھی کر سکتے ہیں کہ کسی کام نہ آئے اور بھاپ بنا کر اڑا بھی سکتے ہیں اور زمین کے اندر انتہائی گہرائی تک بھی پہنچا سکتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔

لَقٰدِرُوْنَ بلاشبہ ہم پانی کو فنا کر دینے پر بھی اسی طرح قادر ہیں جس طرح اس کو برسانے پر قادر ہیں اگر ہم پانی کو فنا کر دیں تو تم پیاسے مر جاؤ تمہارے جانور بھی مر جائیں اور تمہاری زمینیں بنجر ہو جائیں۔

جنت سے جاری شدہ دریاء

بغوی نے لکھا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے جنت سے چار دریا، نازل کیے ہیں۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات۔ یہ بھی بغوی نے لکھا ہے کہ امام حسن بن سفیان نے سند کے ساتھ بوساطتِ عکرمہ حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے جنت کے ایک چشمہ سے جو جنت کے نچلے نشیبی حصہ میں تھا پانچ دریا جبرئیل کے دونوں بازوؤں پر نازل فرمائے۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل۔ جبرئیل نے یہ دریا بطور امانت پہاڑوں کے سپرد کر دیئے اور زمین میں بہا دیئے۔ اور لوگوں کے لئے فائدہ بخش بنا دیئے۔ آیت وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ سے اسی طرف اشارہ ہے پھر جب یاجوج و ماجوج کا زمانہ آئے گا تو اللہ جبرئیل کو بھیج کر زمین سے قرآن اور تمام (دینی) علم کو اور سنگِ اسود کو اور مقامِ ابراہیم کو اور تابوتِ موسیٰ کو مع اس کی اندرونی چیزوں کے اور ان پانچوں دریاؤں کو آسمان کی طرف اٹھا لے گا۔ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ اس آیت کا یہی مطلب ہے جب یہ چیزیں زمین سے اٹھالی جائیں گی تو اہلِ ارض دنیا اور دین کی ہر بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید زمین کے سارے دریا جنت ہی سے آئے ہیں۔ حدیث میں صرف پانچ کا تذکرہ بطور تمثیل کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۫ لَكُمْ

پھر اُگا دیئے تمہارے واسطے اس سے باغ کھجور اور انگور کے تمہارے

فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ ﴿۱۹﴾

واسطے اُن میں میوے ہیں بہت اور انہی میں سے کھاتے ہو

باغات اور پھل

یعنی اُن کی بہار دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور بعض کو بطور تفکہ اور بعض کو بطور غذا استعمال کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ

اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے

بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے

زیتون کا درخت

یعنی زیتون کا درخت جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور بہت ملکوں کے لوگ سالن کی جگہ اُس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا کیونکہ اُس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے۔ اسی لئے سورۂ ''تین'' میں اس کی قسم کھائی

Marfat.com

گئی۔ جبل طور کی طرف نسبت کرنا بھی اُس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ وہاں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

علمی لطیفہ

تفسیر قرطبی میں اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شبِ قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اکابر صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شبِ قدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ کوئی تعیین بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان سب میں چھوٹے تھے اُن سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے، زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔ انسان کی غذاء سات چیزیں بنائیں اس لئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شبِ قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ عجیب استدلال سُن کر اکابر صحابہ سے فرمایا کہ آپ سے وہ بات نہ ہوسکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مُسند میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تخلیق انسانی کے سات درجات سے مراد وہی لیا ہے جو اس آیت میں ہے اور انسان کی غذا کی سات چیزیں سورۂ عبس کی آیت میں ہیں فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۙ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۙ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۙ اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں نہیں پہلی سات انسان کی غذا ہے اور آخری یعنی اَبّ یہ جانوروں کی غذا ہے۔ (قرطبی)

زیتون کے فوائد و خصوصیات

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سیناء اور سینین اُس مقام کا نام ہے جس میں کوہ طور واقع ہے۔ زیتوں کا تیل تیل کی ضروریات مثلاً بدن کی مالش اور چراغ میں جلانے کے بھی کام آتا ہے اور کھانے میں سالن کا بھی کام دیتا ہے اسی کو فرمایا تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ زیتون کے درخت کے لئے کوہ طور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ درخت سب سے پہلے کوہ طور ہی پر پیدا ہوا ہے اور بعض نے کہا کہ طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلا درخت جو زمین پر اُگا وہ زیتون تھا۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ اور ہم نے ایک (اور) درخت پیدا کیا (یعنی زیتون) جو طورِ سینا میں پیدا ہوتا ہے۔

طور سیناء

سَيْنَآءَ کے معنی مختلف بیان کئے گئے ہیں، مجاہد نے کہا سیناء کا معنی ہے برکت۔ یعنی برکت والے پہاڑ سے ہم نے زیتون کو پیدا کیا۔

قتادہ، ضحاک اور عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے اچھا اور خوبصورت۔ ضحاک نے کہا یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور عکرمہ نے اس کو حبشی زبان کا لفظ کہا ہے۔ کلبی نے کہا سیناء کا معنی ہے درختوں والا۔ بعض نے کہا سریانی زبان میں گھنے درختوں کی جھاڑی کو سیناء کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا جس پہاڑ پر بکثرت پھلدار درخت ہوں اس کو نبطی زبان میں سیناء اور سینین کہا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا سیناء۔ خاص پتھروں کی ایک قسم ہوتی ہے یہ طور میں بکثرت موجود ہیں اس لئے طور کی سیناء کی طرف اضافت کر دی گئی۔ ابن زید نے کہا طور سیناء پورا نام اس پہاڑ کا ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔ جہاں سے حضرت موسیٰ کو ندا دی گئی تھی۔ جیسے امرء القیس پورا نام ہے۔

زیتون کا سالن

تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ جو اُگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے۔ یعنی زیتون میں دونوں فائدے ہیں یعنی اس کے اندر روغن بھی جو مالش کے کام میں آتا ہے اور چراغ بھی اس سے جلائے جاتے ہیں اور یہ سالن بھی ہے کہ روٹی اس میں ڈبوئی جاتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے صبغ اور صباغ اس سالن کو کہتے ہیں جس میں روٹی ڈبوئی جاتی ہے اور روٹی پر اس کا رنگ آجاتا ہے اور ادام عام سالن کو کہتے ہیں جس کو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے خواہ اس سے روٹی رنگین ہو یا نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا
اور تمہارے لئے چوپایوں میں دھیان کرنے کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تم کو
فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ
ان کے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لئے اُن میں بہت فائدے ہیں

Marfat.com

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾
اور بعضوں کو کھاتے ہو

حیوانات کے فوائد

نباتات کے بعد یہ حیوانات کا ذکر ہوا یعنی جانوروں کا دُودھ ہم اپنی قدرت سے تم کو پلاتے ہیں۔ اور بہت کچھ فائدہ تمہارے لئے اُن کی ذات میں رکھ دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کر دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع
اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو

وسائل نقل وحمل

یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہو اور بڑے بڑے وزنی سامان بار کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ربطِ آیات

کشتی کی مناسبت سے آگے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن سے کشتی بنوائی جو طوفان عظیم کے وقت مؤمنین کی نجات کا ذریعہ بنی۔ پھر نوح علیہ السلام کی مناسبت سے بعض دوسرے انبیاء کے واقعات بھی ذکر فرما دیئے۔ شاید یہاں ان قصص کے بیان میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جس طرح اُوپر کی آیات میں تمہاری جسمانی ضروریات کا انتظام مذکور ہے اسی طرح خداوند رحمان نے تمہاری روحانی حوائج وضروریات کا سرانجام کرنے کے لئے ابتدائے دنیا سے وحی و رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرما دیا۔ یا یوں کہہ لو کہ اوپر قدرت کے نشانات بیان فرما کر توحید کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اُس کی تکمیل کے لئے یہاں سے سلسلۂ نبوت کا بیان شروع کر دیا۔ جس کے ضمن میں انبیاء اور اُن کے متبعین کی خوش انجامی اور مکذبین ومعاندین کی بدانجامی بھی ذہن نشین کر دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ
اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس تو اس نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
کیا تم ڈرتے نہیں تب بولے سردار جو کافر تھے
مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ
اُس کی قوم میں یہ کیا ہے آدمی ہے جیسے تم

یعنی اس میں اور تم میں فرق کیا ہے جو یہ رسول بن جائے۔ تم نہ بنو (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور سرداران قوم کا خطاب

پس انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، سوائے اس کے تمہارا اور کوئی معبود نہیں سو کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں۔ یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم جو اس کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہو اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہو۔ کہیں وہ تم سے یہ ساری نعمتیں چھین لے اور تم کو اس شرک کی وجہ سے (دنیا اور آخرت میں) عذاب میں مبتلا کر دے۔

الملاء سرداران قوم نے آپس میں (یا عوام سے) کہا۔ کہ یہ نوح علیہ السلام تو تم ہی جیسا آدمی ہے تمہاری طرح کھاتا اور سوتا ہے پھر یہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ قومِ نوح کا خیال تھا کہ پتھر بھی معبود ہونے میں اللہ کے شریک ہیں اور کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا اگر خدا کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو کسی فرشتے کو بھیج دیتا اسی خیال کے زیر اثر وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ نوح چونکہ رسالت کے مدعی ہیں اس لئے شاید ان کو اپنے آدمی ہونے کا انکار ہے یا فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا
لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ
تو اُتارتا فرشتے

سرداروں کا تبصرہ

یعنی بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے ورنہ خدا کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کیا یہ ہی اس کام کے لئے رہ گیا تھا۔ کوئی فرشتہ نہ بھیج سکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

یُرِیْدُ یعنی رسالت کا دعویٰ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم سب کا سردار بن جائے اور تم سب سے اعلیٰ و بالا ہو جائے۔

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یا کسی کو رسول بنا کر بھیجنا چاہتا۔

مَّاسَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾
ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں

یعنی ہم نے ایسی عجب بات کبھی نہیں سنی کہ ایک ہماری طرح کا معمولی آدمی خدا کا رسول بن جائے اور تمام دیوتاؤں کو ہٹا کر تنہا ایک خدا کی حکومت منوانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

مَاسَمِعْنَا بِهٰذَا ہم نے تو یہ بات جس کا نوح مدعی ہے کہ معبود ایک ہے اور آدمی کو پیغمبر بنا کر وہ بھیجتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اپنے پچھلے بزرگوں میں بھی کبھی نہیں سنی۔ ایسی بات کافروں نے یا تو محض عناد کی وجہ سے کہی تھی یا واقعی کسی پیغمبر کو آئے ہوئے ایک لمبی مدت گذر گئی تھی اور ان کو بزرگوں سے بھی کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا معلوم نہیں ہوا تھا۔ (معارف القرآن)

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ
اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے
فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۲۵﴾
سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک

معلوم ہوتا ہے کہ اس غریب کا دماغ چل گیا۔ بھلا ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادوں کے خلاف ایسی بات زبان سے نکالنا جو کوئی شخص باور نہ کر سکے کھلا جنون نہیں تو اور کیا ہوگا بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو، شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آ جائے اور جنون کے دَورہ سے افاقہ ہو یا یوں ہی مر مرا کر قصہ ختم ہو جائے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾
بولا اے رب تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا

بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوح علیہ السلام کی درخواست

یعنی جب نوح علیہ السلام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی اُن کو راہِ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تو خدا سے فریاد کی کہ اب اِن اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمائیے۔ کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنیوالے نہیں۔ اوروں کو بھی خراب کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا
پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے
وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ
سامنے اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور اُبلے تنور تو تو ڈال لے
فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ
کشتی میں ہر چیز کا جوڑا دو دو اور اپنے گھر کے لوگ

یہ قصہ پہلے سورۂ ''ہود'' وغیرہ میں گذر چکا ہے وہاں ان الفاظ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

تنور کا مطلب

وَفَارَ التَّنُّوْرُ تنور، اُس خاص جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو روٹی پکانے کیلئے بنائی جاتی ہے اور یہی معنے معروف و مشہور ہیں۔ دوسرے معنے میں تنور پوری زمین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ خلاصۂ تفسیر میں اسی معنے کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس سے ایک خاص تنور روٹی پکانے والا مراد لیا ہے جو کہ کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک ملک شام میں کسی جگہ تھا۔ اس تنور سے پانی اُبلنے لگا۔ (معارف مفتی اعظم)

آغازِ عذاب

حضرت مفسر کے نزدیک تنور سے مراد یہی روٹی پکانے کا تنور ہے۔ حضرت نوح کو عذاب (طوفان) آنے کی یہ نشانی بتائی گئی تھی چنانچہ تنور سے پانی پھوٹ نکلا بیوی نے آ کر اطلاع دی آپ فوراً سوار ہو گئے۔ آپ کا مکان کوفہ کی مسجد کے اندر تھا کہ باب کندہ کی طرف سے داخل ہونے والے دائیں ہاتھ کو واقع تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ملک شام کی کسی (ٹیلہ کی) چوٹی پر آپ رہتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ
مگر جس کی قسمت میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے بات

یعنی کافروں کو، خواہ تیرے کنبہ کے ہوں سوار مت کر۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور مجھ سے بات نہ کر ان ظالموں کے واسطے بیشک اُن کو ڈوبنا ہے

یعنی حکم قطعی عذاب کا ہو چکا۔ یہ فیصلہ اٹل ہے، ضرور ہو کر رہیگا۔ اب ظالموں میں سے کسی کو بچانے کے لئے ہم سے سعی سفارش نہ کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے

یعنی ہم کو اُن سے علیحدہ کر کے عذاب سے مامون رکھ۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ

اور کہہ اے رب اُتار مجھ کو برکت کا اتارنا اور تو ہے

خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

بہتر اُتارنے والا

کشتی سے برکت کا اتارنا

یعنی کشتی میں اچھی آرام کی جگہ دے اور کشتی سے جہاں اتارے جائیں وہاں بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر طرح اور ہر جگہ تیری رحمت و برکت شامل حال رہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا برکت کا اتارنا۔ کشتی میں برکت کا اتارنا یہ کہ اللہ کے دشمنوں کی صحبت سے نجات دی اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت فرمایا، اور زمین میں اترنے کے بابرکت ہونے کے یہ معنی کہ (اللہ نے ڈوبنے سے محفوظ رکھا۔ مترجم) اور نسل و رزق میں کثرت عطا فرمائی اور بے غمی کے ساتھ عبادت رب میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عظمت

دعا کرنے کا حکم صرف حضرت نوح کو دیا اپنے لئے بھی اور اپنے ساتھیوں کے لئے بھی اس میں حضرت نوح کی بزرگی کا اظہار ہے اور اس امر کی طرف ایماء ہے کہ حضرت نوح کی دعا ساتھ والوں کے لئے بھی کافی ہے ساتھیوں کو اپنے لئے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے

کہ کون ان نشانوں کو سن کر عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے کون نہیں کرتا۔ کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (قمر۔ رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر پیدا کی ہم نے ان سے پیچھے ایک جماعت اور

یہ ذکر "عاد" کا ہے یا "ثمود" کا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول اُن میں

حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت

یعنی حضرت ہود یا حضرت صالح علیہما السلام۔ (تفسیر عثمانی)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

کہ بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوائے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ

پھر کیا تم ڈرتے نہیں اور بولے سردار اُس کی قوم کے جو

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ

کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں

قوم کا عقیدہ

یعنی اس کے معتقد نہ تھے کہ مرنے کے بعد ایک دن خدا سے ملنا ہے۔ بس دنیا کی زندگی اور اُس کا عیش و آرام ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ

اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو

وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ

اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو

Marfat.com

یعنی بظاہر کوئی بات اس میں تم سے سوا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۳۴
اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بے شک خراب ہوئے

سرداروں کا فیصلہ

یعنی اس سے بڑی خرابی اور ذلت کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم و مطاع ٹھہرالیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اور بخدا اگر تم اپنے جیسے آدمی کے (کہے پر چلے اور) فرماں بردار بن گئے تو یقیناً اس وقت گھاٹے میں رہو گے۔ کہ اپنے جیسے آدمی کے فرماں بردار بنو گے اور خود اپنے کو ذلیل کرو گے۔ وہ لوگ عجیب بیوقوف اور جاہل تھے کہ اپنے جیسے آدمی کی بات ماننے کا تو انکار کرتے تھے اور بے جان پتھروں کی پوجا کر کے اپنے ذلیل ہونے کا مظاہرہ کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا
کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ اور ہو جاؤ مٹی اور ہڈیاں
اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝۳۵ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝۳۶
تو تم کو نکلنا ہے کہاں ہو سکتا ہے کہاں ہو سکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے

بعث بعد الموت کا انکار

یعنی کسی قدر بعید از عقل بات کہتا ہے کہ ہڈیوں کے ریزے مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے؟ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا
اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں
وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۳۷
اور ہم کو پھر اٹھنا نہیں

انکارِ آخرت

یعنی کہاں کی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہ ہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہ ہی ایک مرنا اور جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہو گیا آگے کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے باندھ لایا ہے اللہ پر جھوٹ

پیغمبر پر جھوٹ کی تہمت

کہ میں اُس کا پیغمبر ہوں اور وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے عذاب و ثواب دیگا۔ یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ جھگڑنے اور دردسری کرنے سے کیا فائدہ؟ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۳۸ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ
اور اس کو ہم نہیں ماننے والے بولا اے رب میری مدد کر
بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝۳۹
کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا

پیغمبر کی دُعاء

یعنی آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے نا اُمید ہو کر دعا کی (تفسیر عثمانی)

قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝۴۰
فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جائیں گے پچھتاتے

عذاب کی اطلاع

یعنی عذاب آیا چاہتا ہے جس کے بعد پچھتائیں گے، اور وہ پچھتانا نفع نہ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ
پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے تحقیق

اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ یہ قصہ "ثمود" کا ہے کہ وہ چنگھاڑ سے مرے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ
پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا

قوم کی ہلاکت

جیسے سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے، اس طرح عذاب الٰہی کے سیل میں بہہ چلے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

"ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا"۔ یعنی ہلاک کر دیا جیسے سیلاب کے اوپر کوڑا کرکٹ بہہ کر آ جاتا ہے۔ ہم نے اُس کوڑے کی طرح اُن کو

Marfat.com

کردیا۔ جو شخص ہلاک ہوجائے، عرب اس کے متعلق کہتے ہیں سال بہ الوادی۔ نالہ کا سیلاب اس کو بہالے گیا۔ (تفسیر مظہری)

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾
سو دُور ہو جائیں گنہگار لوگ

یعنی خدا کی رحمت سے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ ط			
پھر پیدا کیں ہم نے اُن سے پیچھے	جماعتیں	اور	
مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ط			
نہ آگے جائے	کوئی قوم اپنے وعدے سے	اور نہ پیچھے رہے	

قوموں کے انجام

یعنی ہر ایک قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی، جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اُس سے آگے پیچھے نہ ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا
پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار جہاں پہنچا کسی اُمت کے پاس اُن کا رسول
كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ
اس کو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے اور کر ڈالا ان کو کہانیاں

رُسولوں کو جھٹلانے کی سزا

یعنی رسولوں کا تانتا باندھ دیا یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور مکذبین میں بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلتا کرتے رہے۔ اِدھر پیغمبروں کی بعثت کا اور اُدھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگا دیا۔ چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کر دی گئیں جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ آج اُن کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ اور ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔ یعنی ان کی داستانیں اور ہلاکت کے قصے رہ گئے، جن کو لوگ بطور داستان بیان کرتے ہیں اور عبرت آموز دماغوں والے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾
سو دُور ہو جائیں جو لوگ نہیں مانتے

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا			
پھر بھیجا ہم نے موسیٰ	اور	اس کے بھائی ہارون کو	اپنی نشانیاں
وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا			
دے کر اور کھلی سند فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، پھر لگے بڑائی			
وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ ج			
کرنے اور وہ لوگ زور پر چڑھ رہے تھے			

فرعون اور اس کے سرداروں کا تکبر

اس لئے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے۔ کبر و غرور کے نشہ نے اُن کے دماغوں کو بالکل مختل کر رکھا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ کھلی دلیل، جو مقابل حریف کو لاجواب بنا دینے والی ہو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد عصا ہو، سب سے پہلا معجزہ یہی تھا، اسی لئے اس کو مستقل طور پر ذکر کیا۔ اسی سے متعدد معجزات صادر ہوئے تھے، مثلاً وہ سانپ بن جاتی تھی۔ جادوگروں نے رسیوں سے جو سانپ بنائے تھے ان کو یہ لاٹھی نگل گئی تھی۔ اسی کی ضرب سے سمندر کا پانی پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا تھا، اسی کی ضرب سے پتھر سے چشمے جاری ہوجاتے تھے، یہ پڑاؤ کرنے کے وقت چاروں طرف گھوم کر لشکر کی حفاظت کرتی تھی۔ یہی رات میں شمع کا کام دیتی تھی، یہی پھلدار درخت بن گئی تھی یہی چشموں کے اندر سے پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کا کام دیتی تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیات سے مراد دلائل ہوں اور سُلطن سے مراد معجزات ہوں، یا دونوں سے مراد معجزات ہوں۔ یہ سب نشانِ نبوت تھے اور حضرت موسیٰ کے دعوے کی دلیل تھے۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا			
سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو آدمیوں کو			
وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ ج			
اور ان کی قوم ہمارے تابعدار ہیں			

Marfat.com

ایمان سے انکار کا بہانہ

یعنی موسیٰؑ و ہارونؑ کی قوم (بنی اسرائیل) تو ہماری غلامی کر رہی ہے اُن میں کہ دو آدمیوں کو ہم اپنا سردار کس طرح بنا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿٤٨﴾ وَلَقَدْ
پھر جھٹلایا ان دونوں کو پھر ہو گئے غارت ہونے والوں میں اور ہم نے دی
آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾
موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ راہ پائیں

بنی اسرائیل کا دستور العمل

یعنی فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات شریف مرحمت کی تا لوگ اُس پر چل کر جنت اور رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً
اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشانی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

یعنی قدرت الٰہیہ کی نشانی ہے کہ تنہا ماں سے بدون باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔ جیسا کہ ''آل عمران'' اور سورۃ ''مریم'' میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾
اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

شاید یہ وہی ٹیلہ یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں۔ چنانچہ سورۂ مریم کی آیات فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ دلالت کرتی ہیں کہ وہ جگہ بلند تھی۔ نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی۔ اور کھجور کا درخت نزدیک تھا۔ (کذا فسرہ ابن کثیر رحمہ اللہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بادشاہ کی دشمنی

لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس نامی نجومیوں سے سنکر کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی، لڑکپن ہی میں اُن کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے اُن کو لے کر مصر چلی گئیں اور اُس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ ''انجیل متی'' میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رَودِ نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ''مآءٍ معین'' رود نیل ہے۔

ربوہ کا مطلب

بعض نے ''ربوۃ'' (اونچی جگہ) سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلہ پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

بعض گمراہ مصنفین کی تردید

بہر حال اہل اسلام میں کسی نے ''ربوہ'' سے مراد کشمیر نہیں لیا نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانہ کے بعض زائغین نے ''ربوہ'' سے کشمیر مراد لیا ہے اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلائی ہے جس کا کوئی ثبوت تاریخی حیثیت سے نہیں۔ محض کذب و دروغ بافی ہے۔ محلّہ ''خان یار'' شہر سری نگر میں جو قبر ''یوز آسف'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت ''تاریخ اعظمی'' کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ ''لوگ اُس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا'' اُس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتانا پرلے درجہ کی بیحیائی اور سفاہت ہے۔ ایسی اٹکل پچو قیاس آرائیوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا بجز خبط اور جنون کے کچھ نہیں اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو اور یہ کہ ''یوز آسف'' کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھو جو خاص اسی موضوع پر نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھا گیا ہے۔ اور جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ و تابعین کے اقوال

رَبوَہِ زمین میں اونچی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، یہ دمشق تھا۔ سعید بن مسیّب اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

ضحاک نے کہا غوطۂ دمشق مراد ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا رَبوَہَ سے رملہ مراد ہے۔ عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول

Marfat.com

آیا ہے کہ ربوہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول قتادہ اور کعب کا ہے۔ کعب نے کہا ربوہ کا حصہ بہ نسبت دوسری زمین کے اٹھارہ میل آسمان کے قریب تھا۔ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے (یہی قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قوی ہے)۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ
اے رسولو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا

اکل حلال اور صدق مقال

یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب خلق جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی اُمتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا، عامۂ مؤمنین کو دیا گیا۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا کھانا پینا، پہننا حرام کا ہو، اُسے اپنی دعاء کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے اُگا ہو، دوزخ کی آگ اُس کی زیادہ حقدار ہے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤد علیہ السلام کا اکل حلال اور عبادت گذاری

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کا کھایا کرتے تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ کو سب سے زیادہ پسند روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز تہجد پڑھتے تھے اور چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے تھے۔ میدانِ جنگ میں کبھی پیٹھ نہ دکھاتے۔

انبیاء حلال ہی کھاتے ہیں

ام عبداللہ بنت شداد رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ شام کے وقت بھیجا تا کہ آپ اس سے اپنا روزہ افطار کریں دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ کی تیزی تھی تو آپ نے قاصد کو واپس کر دیا کہ اگر تیری بکری کا ہوتا تو خیر اور بات تھی۔ انہوں نے کہلوایا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ دودھ اپنے مال سے خرید کیا ہے۔ پھر آپ نے پی لیا۔ دوسرے دن مائی صاحبہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ اس گرمی میں میں نے دودھ بھیجا بہت دیر سے بھیجا تھا۔ آپ نے میرے قاصد کو واپس کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے یہی فرمایا گیا ہے انبیاء صرف حلال کھاتے ہیں اور صرف نیک عمل کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

طیبات فقط حلال چیزیں ہیں

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا لفظ طیبات کے لغوی معنی ہیں پاکیزہ نفیس چیزیں۔ اور چونکہ شریعتِ اسلام میں جو چیزیں حرام کر دی گئی ہیں نہ وہ پاکیزہ ہیں نہ اہلِ عقل کے لئے نفیس و مرغوب، اس لئے طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ و نفیس ہیں۔

نکتہ

علماء نے فرمایا کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کو توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اسمیں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر اُن کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے پینا بھی، لباس بھی حرام سے تیار ہوتا ہے اور حرام ہی کی اُن کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہے جب غذا حلال نہ ہو تو عبادت اور دعا کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔ (معارف مفتی اعظم)

ایسا کھانا جو غافل نہ کرے

بعض نے کہا اس سے حلال صاف قوام والا مراد ہے حلال تو حرام کی ضد ہوتا ہے اور صاف سے یہ مراد ہے کہ اس کے کھانے سے اللہ کی یاد نہ بھولے اس کا کھانا اللہ کی یاد سے غافل نہ بنا دے اور خواہشات نفسانی میں نہ ڈال دے۔ اور قوام سے یہ مراد ہے کہ نفس کی خواہش کو روک دے عقل کی حفاظت رکھے، یعنی سیری کی مقدار سے زائد نہ ہو۔

Marfat.com

عمل صالح

نیک کام سے مراد ہے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنا جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اس میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش بھی نہ ہو، فاسد نہ ہو یعنی ایسا قول وفعل نہ ہو جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر زمانہ میں اس زمانہ کے پیغمبر کو حکم دیدیا تھا کہ حرام چیز نہ کھانا حلال کھانا اور نیک کام کرنا۔ یہ کلام حقیقت میں گذشتہ واقعات کا بیان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

حسن، مجاہد، قتادہ، سدی، کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ خطاب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ عرب کا طریقہ ہے کہ ایک کو جمع کے صیغہ سے خطاب کر لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ایک کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے جمع کے صیغہ سے خطاب کیا جاتا ہے اس قسم کے خطاب میں مخاطب کی بزرگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ ایک جماعت کے قائم مقام ہے۔ (تفسیر مظہری)

پس جمع کا صیغہ بول کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور ایماء ہے اس طرف کہ آپ کو سب لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صیغۂ جمع سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کو ہو رسول اللہ اور علمائے امت کے درمیان ایک برزخی درجہ رکھتا ہے اور علمائے امت، رسول اور دوسرے لوگوں کے درمیان برزخی درجہ رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ علماء انبیاء کے قائم مقام ہیں یا علوم انبیاء کے وارث ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خطاب

بعض اہلِ علم نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو خطاب ہے اور یہ خطاب اس وقت کیا گیا تھا جب ربوہ میں وہ پناہ گزیں ہو گئے تھے اس خطاب میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے جو انبیائے سابقین کو دیا گیا تھا تاکہ یہ دونوں بزرگ بھی سابق انبیاء کی پیروی کریں۔ بیانِ قصہ کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو ہی مخاطب قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ﴿۵۱﴾
جو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں

اللہ باخبر ہے

یعنی حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام کھلے چھپے احوال وافعال سے باخبر ہے۔ اُسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریگا۔ یہ رسولوں کو خطاب کر کے امتوں کو سنایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمۡ
اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب
فَاتَّقُوۡنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ زُبُرًا ؕ
سو مجھ سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ ڈال کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے

اختلافِ امت کے اسباب

یعنی اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور جُدی جُدی راہیں نکال لیں۔ اسی طرح اراء واہواء کا اتباع کر کے سینکڑوں فرقے اور مذہب بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھلائی۔ اُن کے یہاں ازمنہ وامکنہ وغیرہ کے اختلاف سے صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصول دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تقریر اسی طرح کی ہے۔

پیغمبر کا کام

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”ہر پیغمبر کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے جو اُس وقت کے لوگوں میں بگاڑ تھا، اُس کا سنوار فرمایا پیچھے لوگوں نے جانا انکا حکم جُدا جُدا ہے۔ آخر ہمارے پیغمبر کی معرفت سب بگاڑ کا سنوار (اور سب خرابیوں کا علاج) اکٹھا بتا دیا اب سب دین مل کر ایک دین ہو گیا“۔ اور سب قومیں ایک جھنڈے تلے جمع کر دی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سو لوگوں نے اپنے دین میں (اپنا طریق الگ الگ کر کے) اختلاف پیدا کر لیا ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین ہے وہ اسی پر اِترائے ہوئے ہیں، یعنی جن لوگوں کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے پیغمبروں کے بعد دین میں تفرقہ پیدا کر لیا اور ایک دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اصولی اختلافِ دین بنا لیا۔ اور ایک دین کے چند دین بنا لئے کوئی تو تمام پیغمبروں کی اور ان کے لائے ہوئے احکام کی تصدیق کرتا رہا یہ ہر زمانے میں اہل حق کا گروہ رہا اور کچھ لوگ کسی پیغمبر اور کسی حکم پر ایمان لائے، دوسرے انبیاء واحکام کا انکار کر دیا، جیسے

Marfat.com

یہودی، اور عیسائی اور صابی۔ بعض نے سب ہی کا انکار کر دیا جیسے مجوسی اور بُت پرست۔ مذکورہ بالا تفسیری مطلب اس صورت ہو گا جب تُقَطَّعُوْٓا کو قِطَّعُوْا کے معنی میں مانا جائے۔

آسمانی کتابوں میں تحریف

بعض علماء نے زُبرًا کا ترجمہ کیا ہے کتابیں۔ زبرت الکتاب میں جلی حروف میں کتاب لکھی، ہر جلی موٹے حروف کی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین پہلے ایک کتاب کی شکل میں تھا جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھی لیکن انہوں نے اس کی متعدد تحریف کردہ کتابیں بنا ڈالیں۔

حسن نے اس طرح مطلب بیان کیا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بگاڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہر فرقہ جو اُن کے پاس ہے اُس پر ریجھ رہے ہیں

یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے (تفسیر عثمانی)

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾

سو چھوڑ دے ان کو ان کی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک

فرقہ پرستوں کو چھوڑیئے

یعنی جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر دیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد و خیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے کسی طرح اُس سے ہٹنا نہیں چاہتا، خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ تھوڑی سی مہلت دیجئے کہ یہ اپنی غفلت و جہالت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آ پہنچے جب اُن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ یعنی موت یا عذاب الٰہی ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (یعنی) کفر و گمراہی میں (رہنے دیجئے) بعض نے کہا غَمْرَۃ سے مراد ہے غفلت اور باوجود نہ جاننے کے جاننے کا دعویٰ کرنا۔ غفلت کو اس پانی سے تشبیہ دی۔ جس میں آدمی ڈوب جاتا ہے اس کے قد سے بھی پانی اونچا ہو جاتا ہے۔

فرقہ پرستوں پر گرفت ضرور ہو گی

حَتّٰى حِيْنٍ ایک خاص وقت تک یعنی وقتِ موت تک یا اس وقت تک کہ اللہ آپ کو جہاد کا حکم دیدے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ ان کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کی گرفت ضرور کریں گے یا اپنی طرف سے براہ راست عذاب بھیج کر یا آپ کے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔ (تفسیر مظہری)

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾

کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم اُن کو دیئے جاتے ہیں مال اور اولاد

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ

سو دوڑ دوڑ کر پہنچا رہی ہیں ہم ان کو بھلائیاں

ایک پرانا وہم

یہ ہی خیال اُن کا تھا۔ چنانچہ کہتے تھے اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (سبا۔ رکوع ۴) یعنی ہم اگر خدا کے ہاں مردود و مبغوض ہوتے تو یہ مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی بہتات کیوں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

یہ بات نہیں وہ سمجھتے نہیں

عقل کے کورے

یعنی سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد کی یہ افراط انکی فضیلت و کرامت کی وجہ سے نہیں امہال و استدراج کی بناء پر ہے جتنی ڈھیل دی جا رہی ہے اُسی قدر اُن کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ (اعراف۔ رکوع ۲۳)

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾

البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں

مؤمن کی شان

یعنی باوجود ایمان و احسان کے کفار و مغرورین کی طرح مگر اللہ سے مامون نہیں ہمہ وقت خوفِ خدا سے ارزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم دنیا میں جو انعامات ہو رہے ہیں استدراج تو نہیں۔ حسن بصریؒ کا مقولہ ہے "اِنَّ الْمُؤْمِنَ جَمَعَ اِحْسَاناً وَشَفَقَةً وَاِنَّ الْمُنَافِقَ جَمَعَ اِسَاءَةً وَاَمْنًا"۔ (مؤمن نیکی کرتا اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کر کے بیفکر ہوتا ہے)۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۵۸﴾

اور جولوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین کرتے ہیں

آیات پر یقین

یعنی آیات کونیہ وشرعیہ دونوں پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اُدھر سے پیش آئے عین حکمت اور جو خبر دی جائے بالکل حق اور جو حکم ملے وبہمہ وجوہ صواب ومعقول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۵۹﴾

اور جولوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے

توحید پر ایمان

یعنی خالص ایمان وتوحید پر قائم ہیں۔ ہر ایک عمل صدق واخلاص سے ادا کرتے ہیں۔ شرک جلی یا خفی کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۵۹﴾ اور جولوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیتے یعنی اپنے رب کی عبادت میں کسی طرح کے شرک کی آمیزش نہیں کرتے نہ شرکِ جلی کرتے ہیں نہ شرکِ خفی۔ شرک نہ کرنے کا جو مطلب بیان کیا ہے اس سے مضمون کی تکرار کا شبہ جاتا رہا بظاہر اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے ساتھ شریک قرار نہ دینا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے لیکن جب شرک سے عبادت میں شرک مراد لے لیا جائے تو وحدتِ مضمون باقی نہیں رہتی کیونکہ اللہ کو ماننے کے بعد بھی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیا جا سکتا تھا (جیسے عرب کے مشرک بلکہ تمام بت پرست کرتے ہیں کہ اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اسی کے سہ دوسروں کی بھی پوجا کرتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ

اور جولوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں

اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ﴿۶۰﴾

اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے

نیک عمل کے باوجود ڈرتے رہنا

یعنی کیا جانے وہاں قبول ہوا یا نہ ہوا، آگے کام آئے یا نہ آئے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے، اپنے عمل پر مغرور نہیں ہوتے، نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَآ اٰتَوْا یعنی جو کچھ خیر، خیرات کرتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ آیت یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا پڑھتی تھیں تو فرماتی تھیں جو کچھ نیک کام کرتے ہیں (یعنی حضرت عائشہ کے نزدیک دینے سے مراد صرف مال دینا نہیں بلکہ ہر کارِ خیر کرنا مراد ہے)۔

وَجِلَةٌ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی خیر خیرات رد نہ کر دی جائے اور قبول نہ کی جائے۔ یا اس طریقے سے نہ ہو پائے جو بارگاہ کبریائی میں پیش ہونے کے مناسب ہے اور اس پر ان کی پکڑ ہو جائے یا ان کو اپنے گناہوں کی کثرت اور طاعت کی قلت کی وجہ سے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ خیر خیرات بھی ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکے۔

اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ یعنی اس بات سے ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اللہ کے پاس ان کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ان کے ہر عمل سے واقف ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ وہ اللہ کی طاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت نامقبول نہ ہو جائے۔

بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کیا یہ وہ شخص ہے جو زنا کرتا، شراب پیتا اور چوری کرتا ہے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی! (یہ وہ شخص نہیں) بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو رات کو (نماز کے لئے) اٹھتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور (پھر بھی) ڈرتا ہے کہ کہیں قبول نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ اُن پر پہنچے سب سے آگے

اصل نیکی

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کما قال تعالیٰ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ (آل عمران-رکوع ۱۵) تو درحقیقت اصلی بھلائی اعمال صالحہ، اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ میں ہوئی نہ کہ اموال واولاد میں، جیسے کفار کا گمان تھا۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی میں پیش قدمی کرنا

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تاکہ کوئی

Marfat.com

طاعت فوت نہ ہو جائے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اُخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دنیوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کے لئے وہ تیزی سے کام لیتے ہیں اور جلدی جلدی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مصیبت کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر، خیرات، حُسنِ سلوک)۔ اس تفسیر پر اس آیت کا مضمون ویسا ہی ہو گا جیسا آیت فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ کا ہے گویا ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے مخالف لوگوں کو نہیں ملے گا۔

میں کہتا ہوں جن بھلائیوں کی طرف دنیا میں مؤمن تیزی سے بڑھتے ہیں ان سے مراد شاید یہ ہو کہ مؤمن کو اللہ کی یاد میں لذت آتی ہے اس کے دل کو چین ملتا ہے۔ وہ بقدرِ کفاف رزق پر قناعت کرتا اور سیر ہو جاتا ہے اس کو دنیوی نعمتوں کے زوال کا کوئی خوف نہیں ہوتا وہ سوائے اللہ کے نہ کسی سے امید وابستہ رکھتا ہے نہ ڈرتا ہے اس کو خواب میں یا بطور الہام مبشرات پہنچتی رہتی ہے۔

وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ یعنی وہ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کی وجہ سے جنت کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ یا سابقون سے (مراد سب سے آگے بڑھنا اور سبقت کر جانا نہیں بلکہ) مراد ہے طاعتوں کی طرف یا ثواب کی طرف یا جنت کی طرف بڑھنا۔ یا یہ مراد ہے کہ آخرت سے پہلے وہ دنیوی فائدوں کی طرف بڑھنے والے ہیں کیونکہ (ثواب آخرت سے پہلے) فوری طور پر ان کے لئے دنیوی فائدے فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لَهَا سٰبِقُوْنَ میں لام بمعنی الیٰ ہے یعنی وہ بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں جیسے آیت لما نهوا عنه میں لام بمعنی الیٰ ہے اسی وجہ سے کلبی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ تمام اقوام سے بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اللہ کی طرف سے ان کے لئے سعادت پہلے ہی سے (مقدر) ہو چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ
اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی گنجائش کے موافق اور ہمارے پاس لکھا ہوا ہے

يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
جو بولتا ہے سچ اور ان پر ظلم نہ ہو گا

انسان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلّف بنایا گیا ہے

یعنی اُوپر جو اعمال و خصائل بیان کئے گئے کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ ہماری یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو تکلیف مالایطاق دیجائے۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جن کو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔ اور جو لوگ سابقین کاملین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے انہیں بھی اپنی وسعت و ہمت کے موافق پوری کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اُسی کے مکلّف ہیں۔ ہمارے یہاں صحائف اعمال میں درجہ بدرجہ ہر ایک کے اعمال لکھے ہوئے موجود ہیں جو قیامت کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھدیئے جائیں گے اور اُن ہی کے موافق جزا دی جائے گی جس میں رتی برابر ظلم نہ ہوگا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی۔ نہ اجر کم کیا جائے گا، نہ بے وجہ بے قصور دوسرے کا بوجھ اُس پر ڈالا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ
کوئی نہیں اُن کے دل بیہوش ہیں اس طرف سے اور ان کو اور کام
مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝
لگ رہے ہیں اس کے سوائے کہ وہ اُن کو کر رہے ہیں

انسان کسی اور طرف مشغول ہے

یعنی آخرت کے حساب کتاب سے یہ لوگ غافل ہیں اور دنیا کے دوسرے دھندوں میں پڑے ہیں جن سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی جو آخرت کی طرف توجہ کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اُن کے دل شک و تردد اور غفلت و جہالت کی تاریک موجوں میں غرقاب ہیں۔ بڑا گناہ تو یہ ہوا، باقی اس سے ورے اور بہت سے گناہ ہیں جن کو وہ سمیٹ رہے ہیں۔ ایک دم کو اُن سے جُدا نہیں ہوتے اور جدا بھی کیونکر ہوں، جو کام اُنکی استعداد کی بدولت مقدر ہو چکے ہیں وہ کر کے رہیں گے اور لامحالہ اُن کا خمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝
یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم ان کے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وہ لگیں گے چلانے

Marfat.com

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تُنْصَرُونَ ﴿٦٥﴾

مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ نہ سکو گے

عذاب آئے تو چلاتے ہیں

یعنی جب دنیوی یا اُخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو چلائیں گے اور شور مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ بھلا وہاں بچانے والا کون؟ حکم ہوگا کہ چلاؤ نہیں، یہ سب چیخ پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا نہ ہمارے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عذاب کا ایک نمونہ کفار مکہ کو بدر میں دکھلایا گیا جہاں اُنکے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا قید ہو گئے۔ عورتیں مہینوں تک اُن کا نوحہ کرتی رہیں، سر کے بال کٹوا کر ماتم کئے گئے۔ روئے پیٹے، چیخے چلائے، کچھ بن نہ پڑا۔ ایک مرتبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظالم سے تنگ آ کر بددُعا فرمائی تو سات سال کا قحط مسلط ہوا مُردار کی ہڈیاں اور چمڑے کھانے اور خون پینے کی نوبت آ گئی، آخر رحمۃ للعالمین سے رحم کا واسطہ دیکر دعاء کی درخواست کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب اُٹھایا۔ اُس وقت نہ ''لات ومنات'' کام آئے نہ ہُبل ونائل۔ (تفسیر عثمانی)

غزوہ بدر اور قحط کا عذاب

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مُراد وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سرداروں پر پڑا تھا۔ اور بعض حضرات نے اس عذاب سے مراد قحط کا عذاب لیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ والوں پر مسلط کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ مُردار جانور اور کتے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع میں مسلمانوں پر اُن کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددعا کی تھی۔ اللّٰھمّ اشد دوطأتک علیٰ مضرو اجعل ها علیهم سنین کسنی یوسف (رواہ البخاری ومسلم) (قرطبی ومظہری) (معارف مفتی اعظم)

قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ

تم کو سنائی جاتی تھی میری آیتیں تو تم ایڑیوں

أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ

پر اُلٹے بھاگتے تھے اُس سے تکبر کر کے

اپنی غفلت واعراض کو یاد کرو

یعنی اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب خدا کے پیغمبر آیات پڑھ کر سناتے تھے تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے، سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبروں کی بات پر کان دھرو۔ (تفسیر عثمانی)

سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾

ایک قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے

پیغمبر کی باتوں پر توجہ نہ دیتے تھے

یعنی پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت حرم میں بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام اور قرآن کریم کی نسبت باتیں بناتے اور طرح طرح کے قصے گھڑتے تھے، کوئی جادو کہتا تھا، کوئی شاعری کوئی کہانت، کوئی کچھ اور۔ اسی طرح کی بکواس اور بیہودہ ہذیان کیا کرتے تھے۔ آج اُس کا مزہ چکھو چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ

سو کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں

قرآن پر غور نہیں کیا

یعنی قرآن کی خوبیوں میں غور وفکر نہیں کرتے۔ ورنہ حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہٗ کا ہے جس میں اُن کی بیماریوں کا صحیح علاج بتلایا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾

یا آئی ہے ان کے پاس ایسی چیز جو نا آئی تھی ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس

پیغمبر اور کتاب کوئی نئی بات نہ تھی

یعنی نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے۔ آسمانی کتابیں بھی برابر اُترتی رہی ہیں۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں۔ سو یہ کوئی انوکھی بات نہیں جس کا نمونہ پیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین واشرف ترین کتاب اب آئی اس شان ومرتبہ کی پہلے نہ آئی تھی تو اس کا مقتضی یہ تھا کہ اور زیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اُس کی آواز پر لبیک کہتے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہی۔

Marfat.com

(تنبیہ) شاید یہاں ''آباء اولین'' سے آباء البعدین مراد ہوں۔ اور سورۂ ''یٰسٓ'' میں جو آیا ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ وہاں آباء اقربین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنے پیغام لانے والے کو، سو وہ اس کو اوپرا سمجھتے ہیں

پیغمبر کی صداقت و دیانت بھی سامنے ہے

یعنی کیا اس لئے اعراض و تکذیب پر تلے ہوئے ہیں کہ اُن کو پیغمبر کے احوال سے آگاہی نہیں۔ حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق و امین اور عفیف و پاکباز تھے۔ چنانچہ حضرت جعفر نے بادشاہ حبشہ کے سامنے، حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے نائب کسریٰ کے آگے اور ابوسفیان نے بحالت کفر قیصر روم کے دربار میں اسی چیز کا اظہار کیا۔ پھر ایسے مشہور و معروف راستباز بندہ کی نسبت کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ یعنی اُن کے انکار کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص دعوتِ حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا تا کہ یہ لوگ اسکے نام و نسب اور عادات و خصال اور کردار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اس کو کیسے نبی و رسول مان کر اپنا مقتدا بنالیں۔ مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن سے لیکر جوانی اور مابعد کا سارا زمانہ اُنہیں لوگوں کے سامنے گذرا، آپ کا کوئی عمل کوئی عادت ان سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار مکہ آپ کو صادق و امین کہا کرتے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ

یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے کوئی نہیں وہ تو لایا ہے ان کے پاس

بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾

سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات بُری لگتی ہے

فقط خواہش پرستی انکار کر رہی ہے

یعنی سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بھی محض زبان سے کہتے تھے، دل ان کا جانتا تھا کہ بیشک جو کچھ آپ لائے ہیں حق ہے۔ پر حق بات چونکہ انکی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی اس لئے بُری لگتی تھی اور قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ

اور اگر سچا رب چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے

ان کی ہر خواہش پرستی کیلئے شے حق نہیں بدل سکتی

یعنی سچی بات بُری لگتی ہے تو لگنے دو۔ سچائی اُن کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہو سکتی۔ اگر سچا خدا ان کی خوشی اور خواہش ہی پر چلا کرے تو وہ خدا ہی کہاں رہے۔ معاذ اللہ بندوں کے ہاتھ میں ایک کٹ پتلی بن جائے۔ ایسی صورت میں زمین و آسمان کے یہ محکم انتظامات کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے گاؤں کا انتظام محض لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جائے، وہ بھی چار دن قائم نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ زمین و آسمان کی حکومت۔ کیونکہ عام خواہشات نظام عقلی کے مزاحم اور باہم گر بھی متناقض واقع ہوئی ہیں عقل و ہوٰی کی کشمکش اور اہوائے مختلفہ کی لڑائی میں سارے انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ

کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے ان کو ان کی نصیحت

ہدایت آ پہنچی ہے

جس کی وہ تمنا کیا کرتے تھے لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۔ (صافات۔ رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ ؕ

سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے

مفاد پرست انکار کر رہے ہیں

جب آ گئی اور ایسی آئی جس سے اُن کو قومی حیثیت سے عظیم

Marfat.com

الشان فخر و شرف حاصل ہوا تو اب منہ پھیرتے ہیں اور ایسے اعلیٰ فضل و شرف کو ہاتھ سے گنوا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۚ
یا تو ان سے مانگتا ہے کچھ محصول سو محصول تیرے رب کا بہتر ہے
وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾
اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا

پیغمبر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا

یعنی دعوت و تبلیغ اور نصیحت و خیر خواہی کر کے ان سے کسی معاوضہ کے بھی طلب گار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو مرحمت فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾
اور تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر
وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو
عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾
راہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں

پیغمبر تو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتا ہے

یعنی آپ کے صدق و امانت کا حال سب کو معلوم ہے جو کلام آپ لائے اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔ معاذ اللہ آپ کو خلل دماغ نہیں، اُن سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں، جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے کوئی اینچ پینچ نہیں ٹیڑھا ترچھا نہیں۔ ہاں اس پر چلنا اُن ہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بدانجامی سے ڈرتے ہوں، جسے انجام کا ڈر اور عاقبت کی فکر ہی نہیں وہ کب سیدھے راستہ پر چلے گا، یقیناً ٹیڑھا رہے گا۔ اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے کج بنا لے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا
اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف پہنچی ان کو تو بھی برابر لگے رہینگے

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾
اپنی شرارت میں بہکے ہوئے

احسان فراموش اور ناشکرے

یعنی تکلیف سے نکال کر آرام دیں۔ تب بھی احسان نہ مانیں اور شرارت و سرکشی سے باز نہ آئیں۔ حضرت کی دعاء سے ایک مرتبہ مکہ والوں پر قحط پڑا تھا، پھر حضرت ہی کی دعاء سے کھلا۔ شاید یہ اُسی کو فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم اپنی رحمت سے اُن کے نقصان کو دور کر دیں یعنی قرآن کی سمجھ دے دیں تب بھی یہ لوگ اپنے ازلی خسران اور سوء استعداد کی وجہ سے اطاعت و انقیاد اختیار کرنے والے نہیں کما قال تعالیٰ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ (انفال۔ رکوع ۳)

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا
اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں پھر نہ عاجزی کی
لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾
اپنے رب کے آگے اور نہ گڑگڑائے

مثلاً قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں۔ تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

بیہقی نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ ابن اثال حنفی جب گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ لیکر چھوڑ دیا پھر وہ مکہ کو چلا گیا اور مسلمان ہو گیا (قریش نے اس کو گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر) مکہ اور یمامہ کے درمیان آ کر بیٹھا اور یمامہ سے جو غلے کی رسد مکہ کو آیا کرتی تھی اس کو روک دیا، قریش بھوکے مرنے لگے، یہاں تک کہ جانوروں کا اون کھانے لگے، مجبور ہو کر ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا تو (یہ کیسی رحمت ہے کہ) آپ نے آباو اجداد کو تو تلوار سے قتل کر دیا اور ان کی اولاد کو قحط سالی سے۔ اس پر یہ

Marfat.com

آیت نازل ہوئی۔اس آیت میں (گویا) شہادت ہے اس بات کی کہ اگر ہم نے دوسرا عذاب بھی ان سے دور کر دیا تو یہ اللہ کے سامنے زاری نہیں کریں گے جیسے پہلے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اللہ کی طرف انہوں نے رجوع نہیں کیا اور زاری نہیں کی۔(تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ
یہاں تک کہ جب کھول دیں ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا
اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾
تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی

اس سے یا تو آخرت کا عذاب مراد ہے یا شاید وہ دروازہ لڑائیوں کا کھلا جس میں تھک کر عاجز ہوئے۔(تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
اور اسی نے بنا دیے تمہارے کان اور آنکھیں
وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾
اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو

اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں استعمال کرو

کانوں سے اس کی آیات تنزیلیہ کو سنو اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ کو دیکھو اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اُن کے کام میں لاتے۔لیکن ایسا نہ ہوا۔اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بے جا خرچ کیا۔(تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾
اور اسی نے تم کو پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے

آخرت کی حاضری

ہاں ہر ایک کو شکر گذاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔اُس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔جس نے پھیلایا اُس کو سمیٹنا کیا مشکل ہے۔(تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ
اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلنا

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾
رات اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں

دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں

زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ یا اندھیرے سے اُجالا اور اُجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اُس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کر دے اور آنکھوں کے آگے سے ظلمت جہل کے پردے اٹھا دے۔جس کے بعد حقائق اشیاء ٹھیک ٹھیک منکشف ہو جائیں جیسا کہ قیامت میں ہوگا۔فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا
کوئی بات نہیں یہ تو وہی کہہ رہے ہیں جیسا کہا کرتے تھے پہلے لوگ کہتے ہیں کیا
مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾
جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے
لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ
وعدہ دیا جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے
اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾
اور کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں پہلوں کی

رجعت پسندی اور اندھی تقلید

یعنی عقل وفہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کئے چلے جا رہے ہیں، وہ ہی دقیانوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیشتر کیا کرتے تھے۔یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ ایسی دور از عقل باتیں جو ہم کو سنائی جا رہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کہی گئی تھیں لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہ دیکھا۔ہو نہ ہو یہ سب قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے۔اور اب اُن ہی کی نقل کی جا رہی ہے۔(تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ
تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم

Marfat.com

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

جانتے ہو اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں

سب اللہ کے قبضہ میں ہے

کہ جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے کیا تمہاری مشتِ خاک اُس کے قبضہ سے باہر ہوگی؟ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم اہل علم میں سے ہو یا اگر تم جانتے ہو تو جواب دو، بتاؤ۔ مخاطب کی اہانت اور تحقیر اس سوال سے مقصود ہے کہ ایسی بات جس کو بچے اور دیوانے بھی جانتے ہیں تم نہیں جانتے، تمہ حال اور قول تمہاری جہالت کا شاہد ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن ہی نہیں تمام لوگ اس کے قائل ہیں۔ عقل صریح اور نقل صحیح اس کی گواہ ہے اس لئے ان کو کہنا پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ

تو کہہ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا اور مالک اس بڑے

الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

تخت کا اب بتائینگے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں

خوفِ خدا کرو

اتنا بڑا شہنشاہ تمہاری ان گستاخیوں اور نافرمانیوں پر تم کو دھر گھسیٹے۔ کیا یہ انتہائی گستاخی نہیں کہ اُس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ کے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

عرش الٰہی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی شان بہت بڑی ہے۔ اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبہ کی طرح بنا کر بتلایا (ابوداؤد)۔ اور حدیث میں ہے ساتوں آسمان وزمین اور ان کی کل مخلوق کرسی کے مقابلے پر ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو۔ اور کرسی اپنی تمام چیزوں سمیت عرش کے مقابلے میں بھی ایسی ہی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی دوری پچاس ہزار سال کی مسافت کی ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے اس آیت میں عرش عظیم کہا گیا ہے اور اس سورت کے آخر میں عرش کریم کہا گیا ہے یعنی بہت بڑا اور بہت حُسن وخوبی والا پس لمبائی چوڑائی وسعت عظمت حسن وخوبی میں وہ بہت ہی اعلیٰ اور بالا ہے اسی لئے لوگوں نے اسے یاقوت سرخ کہا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تمہارے رب کے پاس رات دن کچھ نہیں اس کے عرش کا نور اس کے چہرے کے نور سے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ

تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے

وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ

اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو اب بتائیں گے اللہ کو

اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا

یعنی ہر چیز پر اُسی کا اختیار چلتا ہے جس کو چاہے وہ پناہ دے سکتا ہے لیکن کوئی دوسرا اُس کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت رنج وتکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اسکے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اُس کے عذاب وتکلیف سے بچالے یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے اسکو کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو کوئی تکلیف وعذاب دینا چاہے اُس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کریگا اُس کو کوئی بچا نہ سکے گا اور جسکو جنت اور راحت دیگا اس کو کوئی روک نہ سکے گا۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آپڑتا ہے

تم پر کیا جادو ہے

جس سے مسحور ہو کر تم ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہو کہ ایسی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے جب تمام زمین وآسمان کا مالک وہ ہی ہوا اور ہر چیز اُسی کے زیر تصرف واقتدار ہوئی، تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اُس کے قبضۂ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ اُن پر وہ قادر مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

کوئی نہیں ہم نے اُن کو پہچانا سچ اور وہ البتہ جھوٹے ہیں

دلائل کے باوجود انکارِ حق

یعنی دلائل وشواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ اُن سے کہا جا رہا ہے ہو بہو صحیح اور حق ہے اور وہ لوگ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو اور چڑھائی کرتا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ

ایک پر ایک

اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو نظام نہ چلتا

یعنی زمین وآسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک ومختار وہ ہی ہے نہ اُسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی، نہ اُس کی حکومت وفرمانروائی میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ ایسا ہوتا تو ہر ایک باختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علیحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کر کے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اور عالم کا یہ مضبوط ومحکم نظام چند روز بھی قائم نہ رہ سکتا۔ سورۂ انبیاء کی آیت " لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" کے فوائد میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

(جب کوئی اور بھی اِلٰہ ہوتا تو وہ ضرور خالق بھی ہوتا) اور ہر الٰہ (خدا) اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔ اپنی مخلوق کو لے کر جدا ہو جاتا اور دوسرے کو اپنی مخلوق پر تصرف کرنے سے روک دیتا اور ہر ایک کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے علیحدہ ہو جاتی (اور ان کے باہم لڑائی ہوتی) اور (لڑائی میں) ایک دوسرے پر غالب آ جاتا۔ جیسے دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے تعدد آلہ کے وقت باہمی جنگ وجدال ناممکن نہیں اور جنگ میں ایک دوسرے پر غلبہ ہونا ہی چاہئے نتیجہ میں ایک مغلوب ہوتا اور مغلوب خدا نہیں ہو سکتا۔ مغلوبیت کمزوری اور حدوث کی علامت ہے۔ اور اگر کوئی کسی پر غالب نہ آ سکتا تو دونوں غالب آنے سے عاجز ہوتے اور عجز علامت حدوث ہے الوہیت کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾

اللہ نرالا ہے اُن کی بتلائی باتوں سے

اللہ شراکت سے پاک ہے

یعنی جس کی قدرت عامہ وتامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر وباطن اور غیب وشہادت اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اُس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہونگی جن کی قدرت سب صفات محدود ومستعار ہیں؟ استغفر اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتلاتے ہیں

اللہ شراکت سے پاک ہے

یعنی جس کی قدرت عامہ وتامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر وباطن اور غیب وشہادت اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اُس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہونگی جن کی قدرت سب صفات محدود ومستعار ہیں؟ استغفر اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو ان سے وعدہ ہوا ہے

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہگار لوگوں میں

ہر مؤمن عذاب سے بچنے کی دُعاء کرے

یعنی حق تعالیٰ کی جناب میں ایسی گستاخی کی جاتی ہے تو یقیناً کوئی سخت آفت آ کر رہے گی۔ اس لئے ہر مؤمن کو ہدایت ہوئی کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر یہ دعا مانگے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الٰہی مجھ کو اسکے ذیل میں شامل نہ کرنا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا "وَاِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ"۔ مطلب یہ ہے کہ خداوندا ہم کو ایمان واحسان کی راہ پر مستقیم رکھ۔ کوئی ایسی تقصیر نہ ہو کہ العیاذ باللہ تیرے عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہوا وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (انفال۔ رکوع ۳) یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا ہے اور یہ قرآن کریم کی عام عادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

شیاطین سے حفاظت کی دُعاء

مسند احمد اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ خدایا جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھالے۔ (ابن کثیر)

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾
اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو ان سے وعدہ کر دیا ہے
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ
بُری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے ہم خوب
اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾
جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں

اعلیٰ اخلاقی قدریں

یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کو سزا دے دیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضی یہ ہے کہ اُن کی بُرائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو۔ اور اُن کی بیہودہ بکواس سے مشتعل نہ ہوں۔ اُس کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی۔ آپ کے اغماض اور نرم برتاؤ کا اثر یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف جھکیں گے اور دعوت و اصلاح کا مقصود حاصل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾
اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے

شیاطین سے بچنے کا طریقہ

پہلے شیاطین الانس کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ لیکن شیاطین الجن اُس طریقہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ کوئی تدبیر یا نرمی اُن کو رام نہیں کر سکتی۔ اُس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ کی پناہ میں آ جانا، تا وہ قادر مطلق اُن کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہے کہ دین کے سوال و جواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے۔ اسی پر فرمایا کہ بُرے کا جواب دے اُس سے بہتر۔ (تفسیر عثمانی)

هَمَزٰت زور سے دھکا دینا یعنی وسوسے ڈال کر گناہوں کی طرف لے جانا اَنْ يَّحْضُرُوْنِ کہ میرے پاس آئیں۔ یعنی میری نماز میں عبادت میں اور دوسرے امور میں میرے پاس بھی آئیں کیونکہ شیطان جب پاس آئے گا تو ضرور وسوسہ بھی پیدا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

شیاطین سے حفاظت کی دُعاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مَنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ پڑھا کرتے تھے، اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے کسی کام میں حائل ہو اور وہ میرے پاس پہنچ جائے۔ پس ہر ایک کام کے شروع میں خدا کا ذکر شیطان کی شمولیت کو روک دیتا ہے، کھانا پینا، جماع ذبح وغیرہ کُل کاموں کے شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ بھی تھی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْهَرَمِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْهَدَمِ وَ مِنَ الْغَرَقِ وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِي الشَّيْطٰنَ عِنْدَالْمَوْتِ. اے اللہ! میں تجھ سے بُرے بڑھاپے سے اور دب کر مر جانے سے اور ڈوب کر مر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ موت کے وقت شیطان مجھ کو بہکاوے۔

نیند آنے کیلئے دُعاء

مسند احمد میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا سکھاتے تھے کہ نیند اچاٹ ہو جانے کی مرض کو دُور کرنے کے لئے ہم سوتے وقت پڑھا کریں بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دستور تھا کہ اپنی اولاد میں سے جو ہشیار ہوتے انہیں تو یہ دعا سکھا دیا کرتے اور جو چھوٹے ناسمجھ ہوتے یاد نہ کر سکتے ان کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر لٹکا دیتے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

شیاطین اور جنات کے دوسرے آثار اور حملوں سے بچنے کے لئے بھی یہ دعا مجرب ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شب میں نیند نہ آتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ کلماتِ دعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ کر لیٹا کریں، انہوں نے پڑھا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دعا یہ ہے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَ عِقَابِهٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ. (معارف مفتی اعظم)

Marfat.com

وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں

یعنی کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا وار کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تمہارے ہر کام میں ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کو وسوسہ دل میں ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) اسی سے پناہ مانگنے کے لئے یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

یہاں تک کہ جب پہنچے اُن میں کسی کو موت کہے گا اے رب

ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

مجھ کو پھر بھیج دو شاید کچھ میں بھلا کام کرلوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا

موت آئے گی تو پچھتائیں گے

یعنی آپ ان کفار کی برائیوں کو بھلے طریقہ سے دفعہ کرتے رہئے۔ اور جو باتیں یہ بناتے ہیں اُن کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آ پہنچے اور نزع کی حالت میں مبادی عذاب کا معائنہ کر کے پچھتاوا شروع ہو۔ اُس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار! قبر کی طرف لے جانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو۔ تا گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے اُن کی تلافی کر سکیں۔ آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔ کما قال تعالیٰ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ (منافقون۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

موت کے فرشتوں سے مؤمن کی گفتگو

ابن جریج کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو (موت کے) فرشتے نظر آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹا دیں۔ مؤمن کہتا ہے کیا افکار و آلام کے گھر کی طرف (تم مجھے لوٹانا چاہتے ہو میں ایسا نہیں چاہتا) بلکہ میں تو اللہ کے پاس جانا چاہتا ہوں اور کافر (کے سامنے جب ملائکہ آتے ہیں تو وہ) کہتا ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ.

جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے

صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا بُرا سمجھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے سے نفرت کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یا کسی اور بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں (کون مرنا چاہتا ہے) فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ بات یوں ہے کہ مؤمن کے سامنے جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور عزت بخشی کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت (پیچھے رہنے والی) کوئی چیز بھی آگے آنے والی چیز سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا پسند کرتا ہے۔ لیکن جب کافر کے مرنے کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے اس وقت پیش آنے والی چیز سے زیادہ بُری کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو ناگوار سمجھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عمل صالح کرنے کا نسخہ

حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کیا ہی عمدہ بات فرماتے ہیں آپ فرماتے ہیں تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آ چکی تھی لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دیدی جائے تا کہ میں نیکیاں کرلوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مہلت دیدی ہے تو اب مجھے چاہئے کہ دل کھول کر نیکیاں کرلوں۔ قتادہؓ فرماتے ہیں کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور خود زندگی کی گھڑیاں اطاعتِ خدا میں بسر کرو۔

کافر کی درخواست رَدّ ہو جاتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے لوٹا دے میں توبہ کرلوں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا۔ جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی تو ختم کر چکا۔ پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے اور سانپ بچھو چمٹ جاتے ہیں۔

گناہگاروں کی قبریں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں گنہگاروں پر ان

Marfat.com

کی قبریں بڑی مصیبت کی جگہ ہوتی ہیں۔ان کی قبروں میں انہیں کالے ناگ ڈستے رہتے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا اس کے سرہانے ہوتا ہے اور ایک اتنا ہی بڑا پائینتوں ہوتا ہے وہ سر کی طرف سے ڈسنا اور اُوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہ پیروں کی طرف سے کاٹنا اور اُوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کی بیچ کی جگہ آ کر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔پس یہ ہے وہ برزخ جہاں یہ قیامت تک رہیں گے۔

عالم برزخ کے عذاب پر تنبیہ

مِن وَّرَآءِ هِمْ کے معنے کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان۔وہ نہ تو صحیح طور پر دنیا میں ہیں کہ کھائیں پئیں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کے پورے بدلے میں آ جائیں بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہیں۔پس اس آیت میں ظالموں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ انہیں عالمِ برزخ میں بھی بڑے بھاری عذاب ہوں گے۔(تفسیر ابن کثیر)

ناکام تمنا

رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کرلوں۔(معارف مفتی اعظم)

كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ
ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے

کافر واپس آ کر بھی نیکی نہ کریں گے

یعنی اجل آ جانے کے بعد اس کام کیلئے ہرگز واپس نہیں کیا جا سکتا اور بالفرض واپس کر دیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا۔وہ ہی شرارتیں پھر سوجھیں گی وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (انعام۔رکوع ۳) یہ محض اُس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے اور غلبۂ حسرت وندامت کی وجہ سے خاموش نہیں رہ سکتا وہ ہی اپنی طرف سے یہ بات کہتا ہے کہتا رہے، ہمارے یہاں شنوائی نہیں ہوگی۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝
اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں

عالم برزخ

یعنی ابھی کیا دیکھا ہے۔موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہیگا۔(تفسیر عثمانی)

موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی حیات اور آخرت کے درمیان حدِ فاصل ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ جب مرنے والا کافر، فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کو کہتا ہے تو یہ کلمہ تو اُس کو کہنا ہی تھا کیونکہ اب عذاب سامنے آ چکا ہے مگر اس کلمہ کا اب کوئی فائدہ اسلئے نہیں کہ وہ اب برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آتا اور قیامت اور بعث ونشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔واللہ اعلم۔(معارف مفتی اعظم)

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ
پھر جب پھونک ماریں صُور میں تو نہ قرابتیں ہیں اُن میں
يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝
اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے

کوئی کسی کو نہ پوچھے گا

یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے۔دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔اُس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا۔ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔یَوم یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یغنیه (عبس رکوع ۱) اس کے بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض قرابتوں سے کچھ نفع پہنچ جائے کما قال تعالیٰ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ (طور۔رکوع ۱)

(تنبیہ) بعض احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے)" اِلَّا نَسَبِیْ وَ صِهْرِیْ" (بجز میرے نسب اور صہر کے) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں۔اسی حدیث کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا، اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا۔

Marfat.com

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کے شامل نہیں، ہر ایک سے اُس کے عمل کا حساب ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ برقرار رہے گا

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو چیز اسے ناخوش کرے وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے۔ قیامت کے روز سب رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے لیکن میرا نسب میرا سبب میری رشتے داری نہ ٹوٹے گی۔

بدعتیں ایجاد کرنے والے

اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اسے ناراض کرنے والی اور اسے ستانے والی چیزیں مجھے ناراض کرنے والی اور مجھے تکلیف پہنچانے والی ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ کہتے ہیں رسول اللہ کا رشتہ بھی آپ کی قوم کو کوئی فائدہ نہ دیگا۔ بخدا میرا رشتہ دنیا میں اور آخرت میں ملا ہوا ہے۔ اے لوگو! میں تمہارا میرِ سامان ہوں جب تم آؤ گے ایک شخص کہے گا یا رسول اللہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ میں جواب دوں گا کہ ہاں نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتیں ایجاد کی تھیں اور ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ام کلثوم سے نکاح

مسند امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں ہم نے کئی سندوں سے یہ روایت وارد کی ہے کہ جب آپ نے اُمّ کلثوم بنتِ علی بن ابی طالبؓ سے نکاح کیا تو فرمایا کرتے تھے واللہ مجھے اس نکاح سے صرف یہ غرض تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر سبب و نسب قیامت کے دن کٹ جائے گا مگر میرا نسب اور سبب۔ (تفسیر ابن کثیر)

پہلا نفخہ اور دوسرا نفخہ

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ صور پھونکے جانے سے مراد اس جگہ پہلا نفخہ صور ہے۔ یعنی نفخۂ بیہوشی جس کے متعلق فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ جب صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے اور اس روز ان کے درمیان (دنیا والی) رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو یک دم سب (اُٹھ کے) کھڑے ہو جائیں گے اور (حیرت سے) دیکھتے ہوں گے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ اور ایک دوسرے کی جانب رُخ کر کے باہم پوچھیں گے الخ۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں نفخہ سے مراد نفخہ بعث (جس کے بعد سب لوگ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں گے) مراد ہے۔

قیامت میں حقوق کا اعتبار ہوگا انساب کا نہیں

حضرت ابن مسعود نے فرمایا، قیامت کے دن بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر علی الاعلان سب اگلوں اور پچھلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور ایک منادی نداء دے گا، یہ فلاں بن فلاں ہے اس کی طرف کسی کا حق ہو تو وہ اپنا حق لینے آ جائے اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بی بی یا بھائی پر کوئی حق ہوگا وہ خوش ہوگا اور اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے آیت فَلَآ اَنْسَابَ الخ پڑھی۔ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول بھی آیا ہے کہ اس جگہ نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔

نسب پر فخر بے کار ہے

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ یعنی دنیا میں تو شرافتِ نسب پر فخر کرتے تھے، قیامت کے دن کوئی کسی پر نسبی (اور نسلی) فخر نہ کر سکے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ رشتے ناطے اس روز فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ کیونکہ سب اتنے وحشت زدہ اور حیران ہوں گے کہ کوئی کسی سے محبت نہیں کرے گا اور آپس میں مہربانی کا جذبہ معدوم ہو جائے گا اور یہ حالت ہو جائے گی کہ آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی بھاگے گا۔

معصوم بچے والدین کو شراب پلائیں گے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قیامت کا دن ہوگا تو اس روز مسلمانوں کے لڑکے نکلیں گے (یعنی کوثر و تسنیم کے پاس سے ایسی حالت میں برآمد ہوں گے) کہ ان کے ہاتھوں میں شربت (شراب طہور) ہوگا۔ لوگ ان سے کہیں گے ہم کو پلا دو، وہ جواب دیں گے (نہیں) ہم اپنے ماں باپ کو پلائیں گے۔ اپنے ماں باپ کو پلائیں گے، یہاں تک کہ ساقط شدہ بچہ بھی جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا کہے گا جب تک میرے باپ اندر نہ جائیں گے، میں اندر داخل نہ ہوں گا۔ رواہ ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن عمر اللیثی۔ ابوزرارہ کی حدیث بھی اسی کے ہم معنی آئی ہے۔

Marfat.com

ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میرے نسبی اور سسرالی ناتے کے علاوہ نسبی اور سسرالی رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

مؤمنوں کے رشتے منقطع نہ ہوں گے

مؤمنوں کی نسبی رشتہ داریاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے باپ تھے، اور آپ کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں تھیں۔ (پس آپ کا رشتہ منقطع نہ ہوگا یعنی مؤمنوں کے رشتے ناطے منقطع نہ ہوں گے۔)

بغوی نے کہا، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی ذریعہ اور نسب سودمند نہ ہوگا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور نسبت کے، یعنی سوائے قرآن وایمان کے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء

حدیث میں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جہاں میرا نکاح ہوا ہے اور جس کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے وہ سب جنت میں بھی میرے ساتھ رہیں تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
سو جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
اور جس کی ہلکی نکلی تول سو وہی لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان
فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ
دوزخ ہی میں رہا کریں گے جھلس دے گی اُن کے منہ کو آگ اور وہ
فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾
اُس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے

ہونٹ سوج جائیں گے اور زبان کو پاؤں روندیں گے

جلتے جلتے بدن سوج جائیگا، نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپری تک پہنچ جائیگا، اور زبان باہر نکل کر زمین میں لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے۔ (اللّٰھم احفظنا منه ومن سائر انواع العذاب) (تفسیر عثمانی)

میدان حشر کے مختلف احوال

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ محشر میں مختلف موقف ہوں گے ہر موقف کا حال مختلف ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا پھر کسی موقف میں جب وہ ہیبت اور ہول کا غلبہ کم ہو جائیگا تو باہم ایک دوسرے کا حال بھی دریافت کریں گے۔ (مظہری)

مؤمنین کاملین اور کفار

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ یعنی میزان عمل میں جس شخص کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ ہی فلاح پانے والے ہیں اور جسکا پلہ نیکیوں کا ہلکا رہے گا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اور اب وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں مقابلہ صرف مؤمنین کاملین اور کفار کا ہے اور انہیں کے وزن اعمال کا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا گیا کہ مؤمنین کاملین کا پلہ بھاری ہوگا انکو فلاح حاصل ہوگی، کفار کا پلہ ہلکا رہے گا اُن کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا۔

ہر انسان کے اعمال کا وزن ہوگا

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے اعمال جو دنیا میں بے وزن بے جسم اعراض ہوتے ہیں محشر میں ان کو مجسم کر کے میزان عمل میں رکھا جائے گا وہ تولے جائیں گے۔ طبرانی وغیرہ نے یہ بروایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان سب روایات حدیث کے الفاظ اور متن تفسیر مظہری میں مکمل موجود ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

نکتہ

موازین میزان کی جمع ہے (اور میزان کا معنی ہے ترازو) یعنی جس کی ترازو میں نیکیوں کا پلڑہ نیچے کا جھکا ہوگا۔ موازین کو بصیغہ جمع اس لئے ذکر کیا کہ ہر شخص کی (وزن کشی کی) ترازو الگ ہوگی۔ یا تعددِ میزان سے مراد وزن کا تعدد ہے۔

علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا اس میں تولا جانا حق ہے۔ خوارج معتزلہ اور شیعہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر اہل بدعت (جو سلف صالحین کے خلاف عقائد رکھتے ہیں) اس کے منکر ہیں۔

Marfat.com

(۱) میزان اور ترازو پر ایمان لانا ضروری ہے
(۲) میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنیٰ ہیں

(۱) بیہقی نے البعث میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے حدیث جبرئیل علیہ السلام نقل کی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کو ماننا، اللہ کے فرشتوں اور رسولوں کو ماننا، اور جنت، دوزخ، میزان اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا یقین کرنا۔ اور اس بات کو ماننا کہ اچھی بُری تقدیر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے (یعنی دنیا میں جو اچھائی بُرائی ہوتی ہے اللہ نے اسکا علمی اندازہ پہلے سے کر لیا تھا) جبرئیل علیہ السلام نے کہا اگر میں ایسا کر لوں تو کیا میں مؤمن ہو جاؤں گا، فرمایا، ہاں، جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(۲) حاکم نے مستدرک میں برشرطِ مسلم حضرت سلمان کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی (اتنی بڑی ہوگی کہ) اگر آسمان و زمین اس میں رکھ دیئے جائیں تو اس میں سما جائیں۔ ابن مبارک نے الزہد میں اور اجری نے الشریعت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا قول موقوفاً نقل کیا ہے اور ابوالشیخ ابن جان نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول بھی یہی بیان کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

ابن ابی الدنیا نے اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہ کا قول بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن میزان والے حضرت جبرئیلؑ ہوں گے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن بعض لوگ آئیں گے جو عظیم الجثہ اور موٹے ہوں گے اور خدا کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا تلاوت فرمائی۔ (متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ)

(۴) ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میری امت کے ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے طومار کھولے جائیں گے۔ ہر طومار کا طول بقدرِ رسائی نظر ہوگا پھر (اللہ اس سے) فرمائے گا کیا اس میں سے کسی بات کا تجھے انکار ہے کیا میری طرف سے اعمال نویسوں نے تیرے اوپر کوئی ظلم کیا ہے۔ وہ شخص عرض کرے گا نہیں، اے میرے رب۔ (اعمال نویسوں نے میری کوئی حق تلفی نہیں کی) اللہ فرمائے گا، کیوں نہیں، میرے پاس تیری ایک نیکی ہے تجھ پر آج ظلم مطلقاً نہ ہوگا (اس نیکی کا بدلہ ملے گا) چنانچہ اس شخص کا ایک کارڈ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہوگا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ان طوماروں کا موجودگی میں اس کارڈ کی کیا حقیقت ہے اللہ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں کی جائے گی، چنانچہ تمام طومار ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ کارڈ دوسرے پلڑے میں طوماروں والا پلڑا اوپر کو اڑ جائے گا (یعنی اٹھ جائیگا) اور کارڈ بھاری نکلے گا۔ اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ امام احمد نے حسن، صحیح سند سے حضرت ابن عمر کی روایت سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

(۵) بعض نے کہا اعمال کو مجسم بنا کر تولا جائے گا۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آسمانوں کو اور زمین اور ان کے اندر کی اور ان دونوں کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی ساری کائنات کو لا کر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الٰہ الا اللّٰہ کی گواہی کو رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللّٰہ کی شہادت والا پلڑا جھک جائے گا (وزنی نکلے گا) (رواہ الطبرانی)

ابن عبدالرزاق نے علم کی فضیلت کے باب میں اپنی سند سے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے عمل لا کر اس کی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے تو وہ پلڑا ہلکا رہے گا پھر بادلوں کی طرح ایک چیز لا کر ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھدی جائے گی وہ وزنی نکلے گی، پھر اس شخص سے کہا جائے گا تو جانتا ہے یہ کیا ہے وہ شخص جواب دے گا نہیں (میں واقف نہیں) کہا جائے گا یہ علم کی فضیلت ہے جو تو لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔

(۶) ذہبی نے علم کی فضیلت کے بیان میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہیدوں کے خون کا موازنہ کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھاری نکلے گی۔

Marfat.com

مؤمن بندہ اور اسکے اعمال کا کافر و کافر کے اعمال سے موازنہ

میں کہتا ہوں کہ مؤمن بندہ کو مع اس کے نیک اعمالناموں یا مع مجسم اعمال کے (دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے) ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے کافر بندہ کو مع اس کے بُرے اعمالناموں کے یا مع اس کے مجسم بُرے اعمال کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو کافر کا وزن مچھر کے پر کے برابر نہ نکلے گا۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ یعنی اس کی میزان میں (اس کا) کوئی وزن ہی نہ ہوگا مؤمن کی ترازو میں ضرور (کچھ نہ کچھ) وزن ہوگا خواہ لا الٰہ الا اللّٰہ کی شہادت کے سبب ہی ہو اسی کے متعلق اللہ نے بطور کنایہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

اعمال کے درجات

مگر مؤمن کے ثقل کے درجات ہوں گے جو کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے ہوں گے اور اللہ نے ان کے گناہ ساقط کر دیئے ہوں گے تو ان کی میزانوں میں وزن سب سے زیادہ ہوگا بدیوں کا پلڑہ اڑ جائے گا۔ بالکل خالی رہے گا (اس میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا) اور جن لوگوں کے عمل مخلوط ہوں گے، اچھے عمل بھی ہوں اور بُرے عمل بھی ان میں جنت کے اندر داخل ہونے کی صلاحیت ہوگی انہیں کے متعلق حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی حساب فہمی ہوگی گناہوں کی بہ نسبت ایک نیکی بھی اگر کسی کی زائد ہوگی تو وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ دوزخ میں چلا جائے گا، یعنی گناہوں کی کثافت سے پاک صاف بنانے کے لئے اس کو آگ میں داخل کیا جائے گا جیسے لوہا آگ میں پڑ کر میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک دانگ کے وزن سے بھی میزان کا وزن ہلکا بھاری ہوگا۔

جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں

اور جن اشخاص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف ہوں گے اس وقت تک اعراف میں رہیں گے جب تک اللہ ان کے جنت میں داخلے کا حکم دیدے اس کے بعد جنت میں چلے جائیں گے۔

قرآن میں یا مؤمن صالح کا تذکرہ ہے یا کافر کا

قرآن میں صرف مؤمنین صالحین کا ذکر ہے یا کافروں کا۔ گناہگار مؤمنوں کا کوئی تذکرہ نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سارے مؤمن صالح ہی تھے۔ سب صحابہ تھے، کبائر سے پرہیز رکھنے والے تھے۔ یا گناہوں سے توبہ کرنے والے تھے اور گناہوں سے توبہ کرنے والے بے گناہ کی طرح ہو جاتے ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ اور جن لوگوں کی میزانیں ہلکی ہوں گی تو وہ ایسے ہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی جن کے اچھے اعمال ہلکے ہوں گے یا اچھے اعمال کا پلڑہ ہلکا ہوگا ایسا کہ ان کی نیکیوں کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا ایسے لوگ لامحالہ کافر ہی ہوں گے۔

ہمیشہ کی خوش نصیبی و بدنصیبی

بزار اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آدم کے بیٹے کو لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتہ کو میزان پر مقرر کیا جائے گا اب اگر اس کی میزانیں بھاری نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا، فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا اور اگر اس کی میزانیں ہلکی نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا فلاں شخص بدنصیب ہو گیا آئندہ اس کے بعد کبھی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اس حدیث میں خفت سے مراد ہے بالکل وزن نہ ہونا۔

گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبارہ تلیں گے

میں کہتا ہوں شاید گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبارہ تولے جائیں گے اگر اس کی نیکیوں میں کسی قدر ہلکا پن ہوگا تو اس کو اس وقت تک کے لئے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا کہ وہ پاک صاف ہو جائے پھر پاک صاف ہونے کے بعد اس کے اعمال کی پھر تول کی جائے گی اس وقت اس کی میزانیں بھاری نکلیں گی تو فرشتہ ندا دے گا فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہو گا۔ ہم نے سورت القارعہ میں اس مبحث کی کسی قدر تحقیق کر دی ہے۔

آیت مندرجہ بالا میں صرف کفار مراد ہیں اس کی دلیل اس سے آگے آنے والی آیت ہے فرمایا ہے فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ الخ وہ یہی لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا اور نفس کو کامل کرنے کا جو وقت تھا وہ کھو دیا۔ (مظہری)

امت محمدیہ کے چہرے کو آگ نہیں جلائے گی

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ۔ یعنی ان کے چہروں کو آگ جلا ڈالے گی۔ (کذا فی القاموس) اور مؤمن کے

Marfat.com

چہرے کو آگ نہیں جلائے گی۔ مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور آگ ان کو جلائے گی لیکن ان کے چہروں کے گھیرے کو نہیں جلائے گی پھر کچھ مدت کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

پورے جسم کا گوشت اتر جائے گا

ابن مردویہ اور ضیاء نے حضرت ابودرداء کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا، آگ کی ان کو ایک لپٹ لگے گی کہ ان کے گوشت بہہ کر ایڑیوں پر جا پڑیں گے۔ طبرانی نے الاوسط میں اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کی طرف جب دوزخیوں کو ہنکا کر لے جایا جائے گا تو آگ کی ایک لپٹ ان کو ایسی لگے گی کہ گوشت کو ہڈی پر لگا نہ چھوڑے گی سارا گوشت ایڑیوں پر (بہا کر) ڈال دے گی۔

شکلیں بگڑ جائیں گی

وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ اور آگ کے اندر ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ کلوح کا معنی ہے دونوں ہونٹوں کا دانتوں کے اوپر سے سکڑ جانا (یعنی نیچے کا ہونٹ نیچے کی طرف آ جانا اور اوپر کا ہونٹ اوپر کو اٹھ جانا) ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ کی تشریح میں فرمایا آگ اس کو بھون ڈالے گی کہ اوپر کا ہونٹ بالائی جانب کو اتنا اٹھ جائے گا کہ سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ اتنا لٹک جائے گا کہ ناف سے جا لگے گا۔

ہناد نے بیان کیا کہ حضرت ابومسعود نے آیت وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ کے متعلق فرمایا جیسے پکی ہوئی سری جس کے دانت باہر نکل آئے ہوں اور ہونٹ سکڑ گئے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
کیا تم کو سنائی نہ تھیں ہماری آیتیں پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے

منکروں کو جتلایا جائے گا

یعنی اُس وقت ان سے یوں کہیں گے گویا جن باتوں کا دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لو سچی تھیں یا جھوٹی؟ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾
بولے اے رب زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ بہکے ہوئے

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾
اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اس میں سے اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہگار

منکروں کا اعتراف

یعنی اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھکا دیا جو سیدھے راستہ سے بہک کر اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ ازراہِ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے پھر کبھی ایسا کریں تو گنہگار، جو سزا چاہے دیجئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ
فرمایا پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ایک فرقہ تھا
مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا
میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ہم یقین لائے، سو معاف
وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾
کر ہم کو اور رحم کر ہم پر، اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے

وہاں فریاد نہیں سنی جائے گی

یعنی بک بک مت کرو، جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کے بعد پھر فریاد منقطع ہو جائے گی۔ بجز زفیر و شہیق کے کچھ کلام نہ کر سکیں گے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حسن نے کہا دوزخیوں سے یہ آخری کلام ہوگا اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے۔ کتوں کی طرح بھونکیں گے نہ خود بات سمجھیں گے نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے، قرطبی نے کہا، جب اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ان سے کہہ دیا جائے گا تو ان کی ساری امیدیں کٹ جائیں گی، بالکل نراس ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے بھونکیں گے اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ
پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھول گئے اُن کے پیچھے میری یاد
وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾
اور تم ان سے ہنستے رہے

Marfat.com

دنیا میں مؤمن پر ہنستے تھے

یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے رب کے آگے دعا و استغفار کرتے تو تم کو ہنسی سوجھتی تھی۔ اس قدر ٹھٹھا کرتے اور اُن کے نیک خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے کہ انکے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت ان حرکتوں پر نوٹس لے اور ایسی سخت شرارتوں کی سزا دے سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
میں نے آج دیا ان کو بدلہ اُن کے صبر کرنے کا کہ وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے

مؤمنین کے صبر کا اجر

بیچارے مسلمانوں نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا، آج دیکھتے ہو تمہارے بالمقابل اُن کو کیا پھل ملا۔ ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا
فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں کی گنتی سے بولے
لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ ﴿۱۱۳﴾
ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم تو پوچھ لے گنتی والوں سے

دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی

یعنی فرشتوں سے جنہوں نے ہر نیکی بدی گن رکھی ہے یہ بھی گنا ہوگا ''زمین میں رہنا'' یعنی قبر میں رہنا یا دنیا کی عمر، یہ بھی وہاں تھوڑی نظر آئیگی۔ یہ پوچھنا اس واسطے کہ دنیا میں عذاب کی شتابی کیا کرتے تھے، اب جانا کہ شتاب ہی آیا۔ کذا فی موضح القرآن۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی زندگی قلیل کیوں معلوم ہوگی

(۱) دکھ اور تکلیف کے وقت کو آدمی طویل سمجھتا ہے اور اس سے پہلے گذرے ہوئے زمانے کو چھوٹا جانتا ہے۔ (۲) پچھلی مدت تو گذر چکی تھی اور جو مدت گذر چکے وہ حقیر ہی معلوم ہوتی ہے۔ (۳) آخرت کی زندگی لامحدود ہے اس کے مقابلے میں یہ دنیوی زندگی اور قبر میں رہنے کی مدت بہت ہی کم ہے۔ (۴) پچھلی زندگی خوشی میں گذری اور خوشی کے ایام چھوٹے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ آخری توجیہ اس صورت میں صحیح ہوگی جب مدت قیام سے صرف دنیا میں زندگی کی مدت مراد ہو۔ قبر کی مدت مراد نہ ہو کیونکہ نصوصِ قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ (کافروں کے لئے خصوصیت کے ساتھ) عذاب قبر حق ہے۔ (تفسیر مظہری)

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾
فرمایا تم اُس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے

کاش کہ دنیا میں سمجھ جاتے

یعنی واقعی دنیا کی عمر تھوڑی ہی تھی۔ لیکن اگر اس بات کو پیغمبروں کے کہنے سے دنیا میں سمجھ لیتے تو کبھی اس متاع فانی پر مغرور ہو کر انجام سے غافل نہ ہوتے اور وہ گستاخیاں اور شرارتیں نہ کرتے جن کا دنیا کے زائل و فانی لذتوں میں پڑ کر ارتکاب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ اَنَّكُمْ تمنائی ہے جس کے اندر توبیخ و ملامت بھی ہے، یعنی کاش تم دنیا میں جان لیتے کہ وہاں تمہاری مدت قیام تھوڑی ہے پھر اس زندگی کو کھیل کود، تکمیل خواہشات اور نفس پرستی میں نہ کھو دیتے اور آج کے دن کی پیشی کو نہ بھولتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر یا راہ گیر ہو۔ رواہ البخاری عن ابن عمر، امام، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں حدیث مذکورہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو قبروں والوں میں شمار کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آخرت میں یہ دنیا بس ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص اپنی انگلی (ذرا) سمندر میں ڈال (کر نکال) لے پھر دیکھے کہ انگلی (سمندر کے پانی سے) کیا لے کر لوٹی۔ رواہ احمد و ابن ماجہ و مسلم عن المستورد۔ (تفسیر مظہری)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ
سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے
اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾
پاس پھر کر نہ آؤ گے

تمہیں یونہی فضول نہیں بنایا

یعنی دنیا میں تو نیکی بدی کا پورا نتیجہ نہیں ملتا اگر اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو گویا یہ سب کارخانہ محض کھیل تماشہ اور بے نتیجہ تھا سو حق تعالیٰ کی جناب اس سے بہت بلند ہے کہ اُسکی نسبت ایسا رکیک خیال کیا جائے (تفسیر عثمانی)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ
سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم

Marfat.com

اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾
نہیں اسکے سوائے مالک اُس عزت کے تخت کا

اللہ تعالیٰ وفاداروں کو یونہی نہیں چھوڑے گا

جب وہ بالا و برتر، شہنشاہ، مالک علیٰ لاطلاق ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وفاداروں اور مجرموں کو یوں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دے۔ (تفسیر عثمانی)

الْمَلِكُ الْحَقُّ حقیقی بادشاہ جس کو حکومت کا حق ہے (اور جس کی حکومت واقعی ہے) دوسری مخلوق بالذات مالک نہیں مملوک ہے، (حاکم نہیں محکوم ہے) اس کی مالکیت (اور شاہیت) بالعرض ہے یعنی جب اللہ ہی بادشاہ حقیقی ہے تو اس کا فعل عبث نہیں ہوسکتا۔

الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ عرش بزرگ۔ اللہ کی پر عظمت تجلیات خصوصی طور پر عرش پر پڑتی ہیں اسی لئے اس کی صفت کریم قرار دی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ
اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں
لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ
اُس کے پاس، سو اُس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک

یعنی وہاں حساب ہو کر مقدار جرم کے موافق سزا دی جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے

پکارنے سے مراد ہے عبادت کرنا۔ یہ دوسری صفت ہے اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے اور باطل کی کوئی دلیل نہیں یہ دوسری صفت یا تو محض تاکیدی ہے یا اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ حکمِ توحید کی بنا اسی پر ہے۔ اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ کوئی ایسا دین اختیار کرنا جس کی کوئی دلیل نہ ہو ممنوع ہے چہ جائیکہ اس (عقیدہ و عمل) کے خلاف دلیل موجود ہو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا آخری خطبہ

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو تم بیکار اور عبث پیدا نہیں کئے گئے اور تم مہمل چھوڑ نہیں دیئے گئے، یاد رکھو وعدے کا ایک دن ہے جس میں خود خدائے تعالیٰ فیصلہ کرنے اور حکم فرمانے کے لئے نازل ہو گا۔ وہ نقصان میں پڑا اس نے خسارہ اٹھایا وہ بے نصیب اور بد بخت ہو گیا وہ محروم اور خالی ہاتھ رہا جو خدا کی رحمت سے دور ہو گیا اور جنت سے روک دیا گیا جس کی چوڑائی مثل کُل زمینوں اور آسمانوں کے ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل قیامت کے دن وہ عذابِ خدا سے بچ جائے گا جس کے دل میں اس دن کا خوف آج ہے اور جو اس فانی دنیا کو اس باقی آخرت پر قربان کر رہا ہے، اس تھوڑے کو اس بہت کے حاصل کرنے کے لئے بے تکان خرچ کر رہا ہے اور اپنے اس خوف کو امن سے بدلنے کے اسباب مہیا کر رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم سے اگلے ہلاک ہوئے جن کے قائم مقام اب تم ہو اسی طرح تم بھی مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہارے بدلے آئندہ آنے والے آئیں گے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا سمٹ کر اس خیر الوارثین کے دربار میں حاضری دے گی، لوگو خیال تو کرو کہ تم دن رات اپنی موت سے قریب ہو رہے ہو اور اپنے قدموں اپنی گور کی طرف جا رہے ہو تمہارے پھل پک رہے ہیں تمہاری امیدیں ختم ہو رہی ہیں تمہاری عمریں پوری ہو رہی ہیں تمہاری اجل نزدیک آ گئی ہے تم زمین کے گڑھوں میں دفن کر دیئے جاؤ گے جہاں نہ کوئی بستر ہو گا نہ تکیہ، دوست احباب چھوٹ جائیں گے حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔

اعمال سامنے آ جائیں گے جو چھوڑ آئے ہو وہ دوسروں کا ہو جائے گا جو آگے بھیج چکے اسے سامنے پاؤ گے نیکیوں کے محتاج ہو گے بدیوں کی سزائیں بھگتو گے۔ اے اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو اس کی باتیں سامنے آ جائیں۔ اس سے پہلے موت تم کو اچک لے جائے، اس سے پہلے جواب دہی کیلئے تیار ہو جاؤ۔ اتنا کہا تھا جو رونے کے غلبے نے آواز بلند کر دی منہ پر چادر کا کونہ ڈال کر رونے لگے اور حاضرین کی بھی آہ و زاری شروع ہو گئی۔

جن کا علاج

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک بیمار شخص جسے کوئی جن ستا رہا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے سے سورت کے ختم تک کی آیتیں اس کے کان میں تلاوت فرمائیں۔ وہ اچھا ہو گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا عبداللہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا تھا؟ آپ نے بتلا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھ کر اسے جلا دیا، واللہ ان آیتوں کو اگر کوئی باایمان بایقین شخص کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے۔

غرق ہونے سے تحفظ کی دُعاء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کا ڈوبنے سے بچاؤ

Marfat.com

کشتیوں میں سوار ہونے کے وقت یہ کہنا ہے، بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖيهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (ابن کثیر)

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ
بیشک بھلا نہ ہوگا منکروں کا اور تو کہہ اے رب معاف کر
وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع
اور رحم کر اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے

دُعائے مغفرت

یعنی ہماری تقصیرات سے درگذر فرما اور اپنی رحمت سے دنیا و آخرت میں سرفراز کر۔ تیری رحمت بے نہایت کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

آخری آیات کا ورد رکھنا چاہئے

اَفَحَسِبْتُمْ سے ختم سورۃ تک کی یہ آیتیں بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں، جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوا ہے اور مشائخ نے تجربہ کیا ہے۔ چاہئے کہ ان آیات کا ورد رکھا جائے، خاتمہ پر وہ دعا تبرکاً و تفاؤلاً نقل کرتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو تلقین فرمائی کیونکہ اُس کے الفاظ ان آیات کے مناسب ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا و اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

تم سورة المؤمنون بفضله ومنه و حسن توفيقه ونرجوا منه اكمال بقيه الفوائد۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اور آپ کہا کریں اے میرے رب (میری خطائیں) معاف کردے اور (میرے حال پر) رحم فرما تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اور اس کا مفعول محذوف ہے تاکہ ہر طرح کی مضرتوں کو دفع کرنے اور ہر قسم کی فائدہ مند چیزوں کے حصول میں عموم پیدا ہو جائے یعنی دعا عام ہو جائے۔ یعنی اے اللہ تو میری تمام خطاؤں کو معاف فرمادے (خطاؤں کی معافی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر تکلیف دہ ضرر رساں چیز سے حفاظت ہو جائے گی) اور مجھ پر رحم فرما (ہر طرح کے رحم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ہر فائدہ بخش چیز عنایت فرمادیگا۔ مغفرت کا لازمی نتیجہ دفع مضرت ہے اور رحمت کا لازمی نتیجہ حصول منفعت)

اختتام سورۃ و آغاز سورۃ کا ربط

شروع سورت میں اہل ایمان کے لئے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔

نبی اور امت کی دُعا

اے نبی آپ اور آپ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما۔ اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ **كما قال الله تعالىٰ** وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ.

مجاہدین کا ورد اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر ختم سورت تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سَرِیَّہ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ **اخرجه ابن السنى و ابن منده و ابو نعيم بسند حسن** — (روح المعانی ص:۶۵ ج۱۸)

پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی۔ عبداللہ بن مسعود نے اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔

(اخرجه الحكيم الترمذى وابن المنذر وابو نعيم فى الحلية و اخرون عن ابن مسعود — روح المعانى ص: ۶۵ ج ۱۸، و تفسير قرطبى ص: ۱۵۷، ج ۱۲. (معارف کاندھلویؒ)

بحمد اللہ

الحمد للہ سورۃ المؤمنون کی تفسیر ختم ہوئی

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النور

جس نے اس کی خواب میں تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں اور اللہ کیلئے کسی سے محبت کریگا اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھے گا دنیا میں اس کو کوئی مرض لاحق ہوگا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ نور مدینہ میں نازل ہوئی اور اُس کی چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ
یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اُتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں
اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝١
باتیں صاف تاکہ تم یاد رکھو

سورۂ نور کے مضامین

یہ سورۃ بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال ومواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات واصلاحات پر مشتمل ہے اس کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے جس کا تعلق قصہ ''افک'' سے ہے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اُس میں بعض سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہوگئی تھی جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ مجد وشرف تک پہنچتا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے ایسی خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی اصلاح کرے اور ہمیشہ کے لئے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر ایسی ٹھوکر نہ کھائیں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبۂ رفیع یا اُمہات المؤمنین کی پاک ومحترم حیثیت ایسی نہیں جسکے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی مسلمان کسی وقت بھی ذرا تساہل روا رکھے۔ شاید اسی لئے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا الخ تا مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ اور جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سُورت میں بیان فرمائی گئی ہیں، اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان اُن کو حرز جان بنائے اور یاد رکھے۔ ایک منٹ کے لئے اُس سے غفلت نہ کرے ورنہ دین ودنیا کی تباہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ نور میں بیان کئے گئے احکام کی اہمیت

اس سورت کی پہلی آیت تو بطور تمہید کے ہے جس سے اسکے احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے اور احکام میں سب سے پہلے زنا کی سزا کا ذکر جو مقصود سورت، عفت اور اُس کے لئے نگاہوں تک کی حفاظت، بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانے اور نظر کرنے کی ممانعت کے احکام آگے آنیوالے ہیں زنا کا ارتکاب ان تمام احتیاطوں کو توڑ کر عفت کے خلاف انتہائی حد پر پہنچنا اور احکام الٰہیہ کی کھلی بغاوت ہے۔ اسی لئے اسلام میں انسانی جرائم پر جو سزائیں (حدود) قرآن میں متعین کردی گئی ہیں زنا کی سزا بھی ان تمام جرائم کی سزا سے اشد اور زیادہ ہے زنا خود ایک بہت بڑا جرم ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ سینکڑوں جرائم لیکر آتا ہے اور اُسکے نتائج پوری انسانیت کی تباہی ہے دنیا میں جتنے قتل وغارتگری کے واقعات پیش آتے ہیں تحقیق کی جائے تو ان میں بیشتر کا سبب کوئی عورت اور اُس سے حرام تعلق ہوتا ہے اس لئے شروع سورت میں اس انتہائی جرم وبے حیائی کا قلع قمع کرنے کے لئے اس کی حدِ شرعی بتلائی گئی ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت پر ایمان لانا فرض ہے

جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت صدیق کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت اور نزاہت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے، دونوں

Marfat.com

کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے
مِائَةَ جَلْدَةٍ ص
سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ دُرّے

زانی کی سزا

یہ سزا اُس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح کرنے کے بعد ہمبستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہو اسکے پچاس دُرّے لگتے ہیں، اُس کا حکم پانچویں پارہ کے اول رکوع کے ختم پر مذکور ہے۔ اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں اور جس مسلمان میں تمام صفتیں موجود ہوں (حریت بلوغ، عقل، نکاح اور ہمبستری سے فراغ) ایسے شخص کو ''محصن'' کہتے ہیں۔ اُس کی سزا ''رجم'' (سنگسار کرنا) ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ''تورات'' کے حوالہ سے فرمایا وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ الخ اور وہ حکم اللہ رجم تھا جیسا کہ وہاں کے فوائد میں گذر چکا۔

زناء اور قتل عمد اور مرتد کی سزا میں تورات کا حکم باقی رکھا گیا

چنانچہ نبی کریم نے اس کے موافق فیصلہ کیا اور فرمایا "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَوَّلُ مَنْ اَحْيَا اَمْرَكَ اِذْ اَمَاتُوْهُ" (خدایا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ وہ اُسے مٹا چکے تھے) پھر نہ صرف اُن یہود کو بلکہ جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے اُن سب میں زانی محصن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رجم کی سزا دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا۔ بلکہ اہل سنت والجماعت میں کسی ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف کی جُرأت نہ کی۔ گویا سنت متواترہ اور اجماع اہل حق نے بتلا دیا کہ اس مسئلہ میں شریعت محمدیہ نے تورات کے حکم کو باقی رکھا ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا قتل ہونا قرآن کریم نے بحوالہ تورات بیان فرمایا تھا وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ اور مُرتدین کے قتل کا بنی اسرائیل کو حکم دینا سورۂ ''بقرہ'' میں بیان کیا گیا۔ فَتُوْبُوْا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ پھر ان ہی احکام کو اُمت محمدیہ کے حق میں بھی قائم رکھا گیا۔

ان احکام کی حفاظت فرض ہے

شاید رجم محصن اور مسئلہ قصاص کو نقل کرنے کے بعد جو بڑی شدت وتاکید سے ترک حکم بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی بُرائی بیان فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ اس سے یہ ہی غرض ہو کہ تورات کے یہ احکام اب قرآن کے زیر حفاظت ہیں جن کے قائم رکھنے میں پیغمبر کو کسی کی اہواء و آراء کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروا کی نہ آپ کے خلفاء نے۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب رجم محصن کے متعلق یہ اندیشہ ہوا بلکہ مکشوف ہو گیا کہ آگے چل کر بعض زائغین اس کا انکار کرنے لگیں گے (چنانچہ خوارج نے اور ہمارے زمانہ کے ایک ممسوخ فرقہ نے کیا) تو آپ نے منبر پر چڑھ کر صحابہ وتابعین کے مجمع میں اس حکم خداوندی کا بہت شد ومد سے اعلان فرمایا اور اس میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا جس میں رجم محصن کا صریح حکم تھا اور جس کی تلاوت گو بعد میں منسوخ ہو گئی مگر حکم برابر باقی رہا۔ (تنبیہ) کسی آیت کا محض منسوخ التلاوت ہونا اور حکم باقی رہنا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جسکی تحقیق ان مختصر فوائد میں درج نہیں ہو سکتی۔ ان شاء اللہ العزیز اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی نوبت آئی تو وہاں لکھا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وہ لوگ جو رحمت سے محروم ہیں

مسندِ احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جو جنت میں نہ جائیں گے اور جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں (۳) اور دیوث، اور تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) ہمیشہ کا نشے کا عادی (۳) اور راہِ خدا میں دے کر احسان جتانے والا۔ مسند میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے ہمیشہ کا شرابی، ماں باپ کا نافرمان اور اپنے گھر والوں میں خباثت کو برقرار رکھنے والا۔ (تفسیر ابن کثیر)

کوڑے مارنے کا طریقہ

فَاجْلِدُوْا کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ صرف جلد بدن پر مارو۔ ایسا نہ مارو جو کھال کو اُدھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے۔ اسی سے فقہاء نے مسئلہ ذیل کا استنباط کیا ہے۔

Marfat.com

مسئلہ

ایسے درمیانی سائز کے کوڑے سے مارا جائے جس کے سرے پر گھنڈی (گانٹھ) نہ ہو اور ضرب بھی درمیانی طور پر ماری جائے۔ ابن ابی شیبہ نے حنظلہ سدوسی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک فرماتے تھے، حکم دیا جاتا تھا کہ کوڑے کی گھنڈی کاٹ دی جائے، پھر اس کے سرے کو دو پتھروں میں رکھ کر خوب کوٹ دیا جائے پھر مارا جائے۔ حنظلہ کا بیان ہے، میں نے دریافت کیا حضرت کس کے زمانہ میں ایسا کیا جاتا تھا فرمایا حضرت عمر بن خطاب کے عہد (خلافت) میں۔

عبدالرزاق نے یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے ایسے جرم کا ارتکاب ہو گیا ہے جو موجب حد ہے اس لئے مجھ پر حد (شرعی) جاری فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑا طلب فرمایا، حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن جو کوڑا پیش کیا گیا وہ سخت بھی تھا اور اس میں (سرے پر) گھنڈی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے کم (سخت) لاؤ۔ حسب الحکم ایک اور کوڑا پیش کیا گیا جو شکستہ بھی تھا اور نرم بھی فرمایا اس سے اونچے درجہ کا لاؤ (یعنی اتنا نرم بھی نہ ہو اور پہلے کوڑے کی طرح سخت اور گرہ دار بھی نہ ہو) چنانچہ درمیانی حیثیت کا کوڑا لایا گیا، فرمایا، یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوڑے سے اس شخص کو پٹوایا۔ ابن ابی شیبہ نے زید بن اسلم کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور امام مالک نے موطا میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

نکتہ

زنا کی رغبت کا ظہور عموماً عورت کی طرف سے پہلے ہوتا ہے وہ اکثر مردوں کے سامنے خود نمائی کرتی ہے اس لئے آیت میں زانیہ کا لفظ زانی کے لفظ سے پہلے ذکر کیا اور چوری کا صدور عام طور پر مردوں سے ہی ہوتا ہے اس لئے آیت سرقہ میں السّارق کا ذکر السارقة سے پہلے کیا۔

مسئلہ

علمائے امتِ اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ اگر زانی اور زانیہ آزاد، عاقل، بالغ اور کنوارے ہوں تو ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی سزا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں دی جا سکتی۔

حضرت زید بن خالد کا بیان ہے میں نے خود سنا غیر شادی شدہ زانی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، سو کوڑے مارنا اور ایک سال کی جلاوطنی۔ (رواہ البخاری)

صحیحین میں حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، ایک نے کہا کتاب اللہ کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور مجھے کچھ بولنے کی اجازت دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو۔ اس شخص نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا۔ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے بیٹے کو سنگسار کی سزا دی جائے گی میں نے سزا سے بچانے کے لئے بطور معاوضہ اس شخص کو سو بکریاں اور ایک باندی دیدی، پھر علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان سننے کے بعد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کروں گا، تیری بکریاں اور باندی تو واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا) اُنس اُٹھ اور میرے پاس اس شخص کی عورت کو لوٹا کر لے آ۔ اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دے، چنانچہ اس عورت نے اقرار کر لیا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرا دیا۔

امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک

امام مالک نے شہر بدر کرنے کا حکم صرف مردوں کے لئے خاص قرار دیا ہے، اور عورتوں کے لئے شہر بدر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور امام شافعی نے محرم کے ہمراہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ جب عورتوں کے لئے تنہا سفر کرنے کی وجہ سے شہر بدر کرنے کا حکم ان کے لئے باقی نہیں رہا تو مردوں کو شہر بدر کرنے کی نفی بھی اس سے نکل آئی۔

جلاوطنی حدِّ زناء کا حصہ نہیں ہے

طحاوی نے لکھا ہے کہ حدِّ زنا میں تغریب (جلاوطنی) داخل نہیں اس کا ثبوت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم فرمارہے تھے اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے اور فعل زنا ثابت ہو جائے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں اور ڈانٹ ڈپٹ یا زجر و توبیخ نہ کرے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں کہ جس سے تغریب واجب کا وجوب اس طرح ثابت ہوتا ہو کہ ہم اس کو بطریق حد (زناء) واجب قرار دے سکیں۔ ہاں اقامتِ حد (یعنی سزائے تازیانہ کے بعد) اگر حاکم وقت کی مصلحت عامہ کا تقاضا ہو اور وہ شہر بدر بھی کر دے تو اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔

عبدالرزاق نے زہری کی روایت سے سعید بن مسیّب کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے شراب خوری کی سزا میں ربیعہ بن امیہ کو جلاوطن کر کے خیبر بھیج دیا ربیعہ ہرقل سے جا کر مل گیا اور عیسائی ہو گیا حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو فرمایا آئندہ میں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔

حدّ کے علاوہ جلاوطنی حاکم کا صوابدیدی عمل ہے

اگر حاکم وقت مصلحت سمجھے کہ سزاءِ تازیانہ کے ساتھ شہر بدر بھی کر سکتا ہے بمصلحتِ حاکمِ شہر بدر کرنا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ تغریب اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کے فیصلے جو روایت میں آتے ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے (کہ حاکم کا یہ اختیار تمیزی ہے اگر وہ چاہے تو جلاوطن بھی کر دے) شہر بدر کرنے کا جواز صرف زنا کی صورت میں ہی نہیں ہے بلکہ حاکم اگر مصلحت سمجھے تو ہر مفسد کو جلاوطن کر سکتا ہے۔

طحاوی نے حضرت عمرو بن شعیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے سو کوڑے لگوائے پھر اس کو ایک سال کیلئے شہر بدر کر دیا اور (اس کا حصہ) مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا اور ایک بردہ آزاد کرنے کا اسکو حکم دیا۔

سعید بن منصور راوی ہیں کہ ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تھی حضرت عمر نے اس کو دو سو کوڑے لگوائے اور جلاوطن کر کے شام کی طرف بھیج دیا۔ بخاری نے اس روایت کے ایک حصہ کو بطور تعلیق بیان کیا ہے۔ بغوی نے الجعدیات میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت عمر جب کسی شخص پر غضبناک ہوتے تھے تو اس کو شام کی طرف بھیج دیتے تھے بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ بصرہ کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیتے تھے۔

عبدالرزاق نے بوساطت معمر از ایوب از نافع بیان کیا کہ حضرت عمر نے فدک کی طرف (ایک شخص کو) شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

ترک معصیت اور تزکیہ کیلئے ہجرت

مشائخ کرام اسی لئے اگر کسی مرید کے اندر غلبۂ نفسانیت محسوس کرتے تو اس کو (کچھ مدت کے لئے) ترکِ وطن کا حکم دیدیتے تھے تاکہ اس کی نفسانیت کا غلبہ ٹوٹ جائے اور دل میں نرمی آجائے۔

میں کہتا ہوں اگر کسی مسلمان کو کوئی حاکم مبتلاءِ معصیت دیکھے اور اس مسلمان کو اپنے کیے پر ندامت بھی ہو اور وہ اپنے قصور پر شرمندہ بھی ہو تو اس کو سفر کرنے اور وطن کو (کچھ مدت کے لئے) چھوڑ دینے کا حکم دیدے لیکن جو مجرم اپنے قصور پر شرمندہ اور پشیمان نہ ہو اس کی سزا یہ ہے کہ جب تک توبہ نہ کرے ساری زمین سے اس کو نکال دیا جائے۔ ساری زمین سے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

سنگسار کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے

اگر زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا، صحابۂ کرام کا اس پر اتفاق ہے بعد کے علماء کا بھی اس پر اجماع ہے۔ صرف خارجی اس کے منکر ہیں کیونکہ اجماعِ صحابہ اور خبر آحاد کا وہ انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ رجم (سنگسار کرنے) کا حکم قرآن سے ثابت نہیں۔ خبر آحاد میں آیا ہے اور خبر آحاد موجب حکم نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ رجم کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ

بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا، اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ نازل کردہ آیات میں آیت رجم بھی نازل فرمائی ہم نے وہ آیت پڑھی اور یاد رکھی (آیت یہ تھی) اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْہُمَا اَلْبَتَّۃَ نَکَالاً مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو دونوں کو قطعاً اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر سنگسار کر دو اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرایا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کرایا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہنے لگیں گے عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں مصحف کے حاشیہ پر آیت رجم لکھ دیتا ابوداؤد نے حضرت عمر کا خطبہ نقل کیا ہے اس خطبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جب طویل زمانہ گذر جائے گا تو لوگ کہنے لگیں گے کہ رجم کا حکم ہم کو

Marfat.com

کتاب اللہ میں نہیں ملتا۔ ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں (حضرت عمر نے خطبہ میں فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ کہیں عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں اس کو قرآن میں لکھ دیتا۔ کیونکہ مجھے ڈر لگا ہوا ہے کہ آئندہ کچھ لوگ آئیں گے اور اس آیت کو قرآن میں نہیں پائیں گے تو اس کے منکر ہو جائیں گے (اور کہیں گے رجم کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے) حضرت عمر نے یہ خطبہ صحابہ کے سامنے دیا تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا (معلوم ہوا کہ آیت رجم کا قرآن میں ہونا اجماعی ہے) حاکم اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان کو اس لذت اندوزی کی پاداش میں سنگسار کر دو۔

صحیح ابن حبان میں آیا ہے کہ سورۃ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور اس میں آیت رجم الشیخ و الشیخة اذا زنیا الخ بھی تھی۔

تین چیزیں جو مسلمان کا خون حلال کرتی ہیں

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت دیتا ہو اس کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے (۱) جان کے بدلے جان یعنی قصاص کی وجہ سے (۲) یا شادی شدہ زانی ہو (۳) یا دین سے نکل گیا ہو جماعت (مسلمین) کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہو۔

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کا بیان ہے کہ جس روز حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا اس روز دریچہ سے باہر گردن نکال کر آپ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں کسی ایک وجہ سے (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد اس نے زنا کیا ہو (۲) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو (۳) یا ناحق کسی کو قتل کر دیا ہو۔ پس خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا نہ اسلامی دور سے پہلے نہ اسلام کی حالت میں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں اسلام سے پھرا اور نہ کسی کو ناحق قتل کیا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہو تو پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ رواہ الترمذی والنسائی و ابن ماجۃ والدارمی۔ ورواہ الشافعی فی مسندہ ورواہ البزار والحاکم۔ حاکم نے اس کو برشرط شیخین صحیح قرار دیا ہے ورواہ البیہقی وابوداؤد۔ بخاری نے حسب روایت ابوقلابہ اس حدیث کو فعلی قرار دیا ہے، حضرت ابوقلابہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے کسی کو قتل نہیں کیا مگر تین وجوہ سے (اگر) کسی نے (ناحق) قتل کیا تو اس کو (قصاص میں) قتل کیا گیا۔ یا شادی شدہ ہوتے ہوئے کسی نے زنا کیا (تو اس کو سنگسار کیا گیا) یا کوئی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا اور اسلام سے مرتد ہو گیا (تو اس کو قتل کیا)۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سنگساری

صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک کو سنگسار کرایا تھا جبکہ انہوں نے خود زنا کا اقرار کیا تھا، (رواہ مسلم والبخاری من حدیث ابن عباس ورواہ الترمذی وابن ماجۃ من حدیث ابی ہریرہ)

حضور نے غیر محصن مرد کو کوڑے لگوائے اور محصنہ عورت کو سنگسار کرایا

صحیحین میں حضرت زید بن خالد کی روایت کردہ حدیث پہلے نقل کی جا چکی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے مزدور نے اس کی بیوی سے زنا کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کے تو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا، انیس اٹھ کر جا، اگر عورت اعتراف کر لے تو اس کو سنگسار کر دے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلے اس کے کوڑے مارنا اور پھر سنگسار کرنا۔

ایک صحابی کی بیوی کی سنگساری

طحاوی نے حضرت ابو واقد لیثی اشجعی صحابی کا بیان نقل کیا ہے، حضرت ابو واقد نے فرمایا، ہم حضرت عمر کے پاس موجود تھے۔ ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا امیر المؤمنین میری بیوی نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، اور وہ اس فعل کا اعتراف کرتی ہے، حضرت عمر نے مجھ کو چند لوگوں کے ساتھ اس عورت کے پاس دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ حسب الحکم ہم نے جا کر دریافت کیا اس عورت نے وہی بیان کیا جو اس کے شوہر نے کہا تھا اور کہا میرے شوہر نے سچ کہا، ہم نے یہ اطلاع حضرت عمر کو جا کر دیدی۔ آپ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیدیا۔ سنگسار کرنے سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے اور یہ واقعہ صحابہ کی جماعت کے سامنے کا ہے (کسی نے اس کا انکار نہیں کیا)۔

Marfat.com

ایک خاتون کی دوہری سزا

میں کہتا ہوں حضرت علی نے جو ہمدانیہ عورت کو دوہری سزا دی اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ پہلے اس کا شادی شدہ ہونا آپ کو معلوم نہیں ہوا تھا اس لئے کوڑے لگوائے پھر شادی شدہ ہونا معلوم ہو گیا تو رجم کی سزا دی۔ اور حضرت علی نے جو فرمایا کہ کتاب اللہ کے موافق میں اس کے کوڑے لگواتا ہوں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق اس کو رجم کرتا ہوں اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ غیر شادی شدہ کی سزا کوڑے مارنا قرآن میں مذکور ہے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم حدیث میں ہے، پس جب تک اس کے شادی شدہ ہونے کا علم نہ تھا آپ نے قرآن کے مطابق اس کے کوڑے لگوا دیئے اور جب شادی شدہ ہونے کا علم ہو گیا تو آپ نے اس کو رجم کرا دیا، یہی تشریح ایک روایت میں بھی آئی ہے۔

ایک شخص کی دوہری سزا

طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے زنا کا ارتکاب کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس کے کوڑے مار دیئے گئے، پھر آپ کو اطلاع ملی کہ وہ شادی شدہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کرا دیا۔

احصان کا معنی اور شرائط

اَحْصِن سے مراد ہے نکاح کر لینا اور المحصنٰت سے مراد ہیں آزاد عورتیں۔

زانی اور زانیہ کو رجم کرنے کے لئے جو احصان کی شرط شرعاً ضروری ہے اس سے مراد ہے نکاحی ہونا یعنی صحیح نکاح میں ہونا، کیونکہ نکاح کے بعد عورت مرد کی حصن و حفاظت میں داخل ہو جاتی ہے، نتیجہ تزویج محصِنْ ہو جانا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محصن کو کتخدا اور غیر محصن کو نا کتخدا (ثیب اور بکر) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

علماء نے احصانِ رجم کی شرائط میں سے زانی کا آزاد، عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے اور یہ بھی لازم قرار دیا ہے کہ اس نے صحیح طریقے سے نکاح کیا ہو اور نکاح کے بعد زوجہ سے قربت صنفی بھی کر لی ہو۔ یہ پانچوں شرطیں باجماع علماء ضروری ہیں (ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو رجم کا حکم جاری نہیں کیا جا سکتا) عقل اور بلوغ تو قابل سزا ہونے کی بلکہ اللہ کی طرف سے احکام کا مکلف اور مامور ہونے کی ضروری شرط ہے احصان رجم ہی میں ان کا خصوصی ذکر مناسب نہیں اور آزاد ہونا ہر سزا کی تکمیل کی شرط ہے رجم ہی کی کوئی خصوصیت نہیں، یہاں تک کہ غلام کے سو کوڑے بھی نہیں مارے جائیں گے بلکہ آدھی سزا دی جائے گی، ہاں نکاح کا صحیح ہونا رجم کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک زانی کو سنگسار کرنے کے لئے اس کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔

یہودی زناکاروں کی سنگساری کا واقعہ

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے متعلق کیا فیصلہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجم کی بابت توریت میں تم کو کیا ملتا ہے؟ کہنے لگے (توریت کے موافق تو) زنا کرنے والوں کو ہم تعزیر کرتے ہیں (یعنی منہ کالا کر کے بازار میں گشت کراتے اور مشتہری کرتے ہیں) اور کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام بولے تم نے جھوٹ کہا توریت میں تو سنگسار کر دینے کا حکم ہے۔ توریت لاؤ۔ توریت لائی گئی اور اس کو کھول کر پڑھا گیا تو ایک یہودی نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس نے اول و آخر کی عبارت پڑھ دی، عبداللہ نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو آیت رجم سامنے آ گئی۔ اس پر یہودی کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ نے سچ کہا، توریت میں آیت رجم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سنگسار کر دینے کا حکم نافذ فرما دیا۔ حسب الحکم دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ اس حدیث سے امام احمد و امام شافعی کے قول کا ثبوت ہوتا ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے لئے اسلام کی شرط نہیں ہے۔

سابقہ شریعتوں کے احکام

میں کہتا ہوں امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ گزشتہ شریعتوں کے احکام ہمارے لئے واجب العمل ہیں تاوقتیکہ ان کا منسوخ کیا جانا ہماری شریعت میں واضح طور پر نہ آ گیا ہو خاص کر اس صورت میں تو ان کا واجب العمل ہونا ضروری قرار پا جاتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کیا ہو شریعت سابقہ کے حکم پر رسول اللہ کا عمل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حکم ہماری شریعت میں بھی باقی ہے اگر ہماری شریعت میں منسوخ کر دیا گیا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہرگز عمل نہ کرتے اور اللہ کے (آخری) نازل کردہ حکم کے خلاف کبھی

Marfat.com

حکم نہ دیتے۔ جب امام ابوحنیفہ کا خود یہ قول ہے کہ بغیر شرعی ناسخ کے شریعت سابقہ کا حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی آیت یا حدیث ایسی ہے جو حکم رجم کو منسوخ کر رہی ہو ہم کو تو ایسی نہ کوئی آیت ملتی ہے نہ حدیث۔ زانی زانیہ، شیخ، شیخہ، ثیب اور بکر کے الفاظ تو عام ہیں مؤمن کو بھی شامل ہیں۔

مسئلہ

اگر دونوں میں سے ایک پاگل اور دوسرا عاقل ہو تو امام مالکؒ و امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک دونوں میں سے جو مجنون نہ ہوگا اس پر حد شرعی قائم کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اگر مرد عاقل ہے اور عورت پاگل تو حد شرعی مرد پر جاری ہوگی اور اگر عورت عاقل ہے اور مرد پاگل تو عورت پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ فعل زنا کا فاعل تو مرد ہوتا ہے عورت تو محل زنا ہے عورت کو زانیہ مجازاً کہا جاتا ہے (حقیقت میں عورت مزنیہ ہوتی ہے) عورت کو جو زنا کی سزا دی جاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس نے مرد کو فعل زنا کی اجازت دی۔ باقی ائمہ نے کہا اگر عورت عذر شرعی رکھتی ہو اور اس کو سزا نہ دی جائے تو مرد جو غیر معذور ہے اجماعاً شرعی سزا سے نہیں بچ سکتا اسی طرح اگر مرد معذور ہو اور عورت عاقل ہو تو مرد کا معذور ہونا عورت سے حدِ شرعی کو ساقط نہیں کر سکتا۔

زناء کی تعریف

مرد کا عورت سے آگے کے مقام میں بغیر کسی استحقاق ملکیت کے (یعنی بغیر نکاح اور بغیر ملکیت شخص کے) جماع کرنا شرعاً اور لغۃً زنا کہلاتا ہے دُبر میں جماع کرنا زنا نہیں کہلاتا خواہ مفعول عورت ہو یا مرد۔ سورت نساء کی آیت وَالّٰذَانِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لواطت کی سزا کی تشریح کر دی ہے۔

ایسی صورتیں جو زنا نہیں مگر زنا کے مشابہ ہیں

پس اگر کسی نے اپنی حائضہ بی بی سے یا اپنی روزہ دار بیوی سے یا محرم (یعنی جس نے حج یا عمرہ کا احرام کر لیا ہو) بیوی سے یا استبراء کی مدت (تقریباً ایک ماہ) کے ختم کا انتظار کئے بغیر یا اس باندی سے جو اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو یا مشرک باندی سے یا دوسرے کی منکوحہ باندی سے یا اس باندی سے جو دودھ کے رشتہ سے حرام ہو گئی ہے صحبت کر لی تو اس کو زنا نہیں کہا جائے گا نہ اس فعل پر شرعی سزا جاری ہوگی کیونکہ ان تمام صورتوں میں کسی قدر ملکیت موجود ہے ہاں ایسا کرنے پر گناہگار ضرور ہوگا۔ اگر شبہ ملک ہو تو شرعاً اس کا حکم بھی ملک کی طرح ہے، چاروں ائمہ اور سوائے ظاہریہ فرقہ کے تمام علماء کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو۔ (یعنی اگر ارتکاب جرم میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس فعل کی مقررہ شرعی سزا جاری مت کرو) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بواسطۂ مقسم حضرت ابن عباس کی روایت سے مسند ابوحنیفہ میں مذکور ہے۔

شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے

ترمذی، حاکم اور بیہقی نے بطریق زہری بواسطۂ عروہ حضرت عائشہؓ کی روایت سے حدیث مذکور کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو اگر اس (مجرم) کے لئے کوئی راستہ نکل سکے تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا، غلط طور پر سزا دینے سے بہتر ہے۔ اس روایت میں یزید بن زیاد دمشقی ضعیف ہے بخاری نے اس کو منکر اور نسائی نے متروک قرار دیا ہے۔ وکیع نے اس حدیث کو موقوفاً بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ ترمذی نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ متعدد صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کے یہ الفاظ ہیں شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو اور حدود کو معطل کر دینا (جاری نہ کرنا) حاکم کے لئے جائز نہیں ہے (یعنی شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دینا چاہئے لیکن ثبوت کے بعد حاکم حدود کو معطل نہیں کر سکتا) اس کی سند میں مختار بن نافع ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری نے اس کے متعلق یہی کہا ہے۔

اس موضوع کی صحیح ترین حدیث سفیان ثوری کے سلسلہ سے آئی ہے جس کے قائل حضرت ابن مسعود ہیں کہ شبہات سے حدود کو ساقط کر دو اور جہاں تک تم سے ہو سکے مسلمانوں سے قتل (یعنی جان لینے والی سزا) کو دفع کر دو۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت معاذ سے بھی یہ حدیث موقوفاً مروی ہے رواہ ابن ابی شیبہ حضرت عمر سے بھی منقطعاً اور موقوفاً یہ حدیث آئی ہے ابن حزم نے کتاب الایصال میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر پر اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کے طریق سے حضرت عمر کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اگر شبہات کی وجہ

Marfat.com

سے میں غلطی سے حدود ساقط کردوں تو میرے نزدیک یہ فعل اس سے بہتر ہے کہ شبہات کی موجودگی میں میں حدود جاری کروں۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ شبہ کی وجہ سے سقوطِ حد کی حدیث کو ساری امت نے قبول کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جو اقوال اس سلسلہ میں مروی ہیں تو مسئلہ کا قطعی الثبوت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا تھا۔ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا۔ شاید تو نے چھولیا ہوگا شاید تو نے دبالیا ہوگا، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار زنا کے بعد حضرت ماعز کو اپنے اقرار سے لوٹ جانے کی در پردہ تلقین فرمائی تھی اور اس کا فائدہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں ہاں کہدیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیتے۔ اسی طرح جو چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے خیال میں اس نے چوری نہیں کی۔

غامدیہ عورت (جس نے زنا کا اقرار کیا تھا) سے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔ حضرت علی نے بھی اسی طرح سراحہ سے (جس نے زنا کا اقرار کیا تھا) فرمایا تھا، شاید تو سو رہی ہوگی اور وہ تیرے اوپر آپڑا ہوگا۔ شاید اس نے تجھ پر جبر کیا ہوگا شاید تیرے آقا نے تیرا نکاح اسی سے کرادیا ہوگا اور تو اس بات کو چھپا رہی ہے۔ صحابہ کے اس طرح کے اقوال تلاش کے بعد بہت مل سکتے ہیں جن کی تفصیل موجب طول ہے خلاصہ یہ کہ تمام احادیث و آثار کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ حد کو ساقط کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے۔

شبہِ اشتباہ

یعنی ایسا شبہ جو شبہ میں پڑنے والوں کے لئے تو ہوتا ہے اور جو شبہ نہ کریں ان کے لئے نہیں ہوتا، ایسا شبہ اس وقت ہوتا ہے جب حلت کی کوئی واقعی دلیل تو موجود نہیں ہوتی، لیکن مرتکب زنا اس چیز کو دلیل سمجھ لیتا ہے جو واقع میں دلیل نہیں ہوسکتی۔

مثلاً کسی نے ماں باپ یا اپنی بی بی کی باندی سے یہ سمجھتے ہوئے صحبت کرلی کہ ماں باپ کے ساتھ رشتۂ ولادت سے اور بی بی سے رشتۂ زوجیت کی وجہ سے ملکیت مشترک ہے اسی لئے ماں باپ اور بی بی کے لئے اس کی شہادت اور اس کے لئے والدین اور بی بی کی شہادت شرعاً قابلِ قبول نہیں۔ یا جس عورت کو تین طلاقیں دے چکا ہے اور وہ ابھی عدت میں ہے اس سے قربت کرلی یہ سمجھ کر کہ ابھی حقوق نکاح باقی ہیں عدت کا نفقہ میں دے رہا ہوں اور عدت میں عورت کا نکاح کسی دوسرے سے ہو بھی نہیں سکتا۔ ان تمام صورتوں میں اگر اس کو حرمتِ قربت کا علم نہیں ہے اور صحبت کرلی تو (اگرچہ یہ فعل زنا ہوگا لیکن) حد زنا جاری نہیں ہوگی اور اگر حرمتِ صحبت کا علم رکھنے کے بعد ایسا کرے گا تو حدِ زنا جاری ہوگی۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ گرامی میں گذارش کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی مگر میرا باپ میرا مال چھین لینا چاہتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اور تیرا مال (سب کچھ) تیرے باپ کا ہے، ابن القطان اور منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے الاصغر میں اور بیہقی نے دلائل میں بھی نقل کی ہے۔

حَدَّ کا مطلب

حدود تو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ دیکھو تہمتِ زنا لگانے کی سزا شرعاً اَسّی کوڑے مقرر ہے اور تہمتِ کفر تہمت زنا سے زیادہ سخت ہے مگر اس کی کوئی سزا شرعاً مقرر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کو زنا سے زیادہ سخت قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے غیبت، زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن ابی سعید و جابر۔ (اس کے باوجود غیبت کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں)

وہ عورتیں جن سے نکاح حلال نہیں

جن عورتوں سے نکاح حلال نہیں ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کی حرمت دوامی ہو کبھی ان سے نکاح حلال نہ ہو خواہ نسبی قرابت دار ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ دار ہوں (مثلاً ماں، دادی، نانی تمام اصول اور بیٹی پوتی نواسی تمام فروع اسی طرح تمام رضاعی محرمات یعنی رضاعی ماں کے تمام اصول و فروع وغیرہ اور منکوحہ موطوءہ بیوی کے تمام اصول و فروع وغیرہ) لیکن اگر صحتِ نکاح اختلافی ہو۔ جیسے بلا گواہوں کے نکاح تو ان سے نکاح حدِ زنا کو ساقط کردیتا ہے۔

مسئلہ

اگر چار مردوں نے الگ الگ (متفرق اوقات یا متعدد مجالس میں) شہادت دی تو امام شافعی کے نزدیک ثبوت زنا ہو جائے گا اور حد زنا جاری کردی جائے گی۔ دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور شاہدوں کو تہمت زنا لگانے والا قرار دیا جائے گا کیونکہ

Marfat.com

ابتداء میں ایک گواہ یا دو گواہ یا تین گواہ پیش ہوئے تھے اس وقت نصاب شہادت پورا نہ تھا اور شہادت واجب الرد ہوگئی اور جب قلت تعداد کی وجہ سے ان کی شہادت رد کر دی گئی تو دوبارہ صرف اس وجہ سے کہ چوتھا شاہد بھی آ گیا اور اس نے شہادت دیدی ردشدہ شہادتوں کو قبول نہیں کیا جا سکتا پہلی شہادتوں کا اعتبار تو ختم ہو گیا اگر گواہ آئے تو الگ الگ پھر شہادت دینے کے وقت سب جمع ہو گئے اور سب نے ساتھ شہادت دی تو امام احمد کے نزدیک ایسی شہادت قبول کر لی جائے گی لیکن امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک چاروں گواہوں کا ساتھ آنا اور ساتھ ساتھ شہادت دینا ضروری ہے اس لئے الگ الگ آنے والے لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی گو شہادت کے وقت سب کا اجتماع ہو جائے۔

مسئلہ

کیا اقرار کی صورت میں متعدد بار اقرار ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اقرار کا تعدد لازم ہے۔ عاقل بالغ شخص (ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں) اگر خود چار مرتبہ اقرار کرے گا تو ثبوتِ زنا ہو جائے گا اس تعداد سے کم اقرار کافی نہیں ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک ہی مجلس میں چار بار اقرار کرنا بھی کافی نہیں ہے ہر اقرار کی مجلس بھی الگ ہونی چاہئے ثبوتِ زنا میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوبکر کی روایت سے بیان کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ ماعز نے حاضر ہو کر ایک بار زنا کا اقرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد کر دیا، ماعز پھر آئے اور آ کر دوبارہ اقرار کیا آپ نے پھر بھی لوٹا دیا وہ پھر آئے اور تیسری بار اقرار کیا۔ میں نے ماعز سے کہا اب اگر چوتھی بار تم نے اقرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو سنگسار کر دیں گے مگر ماعز نے چوتھی بار بھی اقرار کیا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قید کر دیا، اور اس کے متعلق (قبیلہ والوں سے) دریافت کیا (کہ یہ کیسا آدمی ہے اس کو جنون تو نہیں ہے) سب نے کہا ہم کو تو (اس کے اندر) بھلائی ہی معلوم ہے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرا دیا۔

اس حدیث سے بھی صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ ماعز متعدد مرتبہ آئے تھے۔ اور تعددِ آمد بغیر غائب ہوئے ممکن نہیں اسی لئے حنفیہ قائل ہیں کہ اگر غائب ہو کر پھر لوٹ آئے تو یہ دوسری مجلس مانی جائے گی۔

مسئلہ

حاکم کے لئے مستحب ہے کہ اقرار زنا کرنے والے کو پردے پردے میں اقرار سے لوٹ جانے کی تعلیم دے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا، شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، شاید تو نے چھو لیا ہوگا۔

مسئلہ

چار مرتبہ اقرار کرنے کے بعد حد جاری ہونے سے پہلے یا حد جاری ہونے کے بعد اقرار سے لوٹ جائے تو تینوں اماموں کے نزدیک اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی۔

ابوداؤد نے حضرت یزید بن منعم کی روایت سے حضرت ماعز کے قصہ کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں راوی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ پتھر لگنے سے ماعز کو جب چوٹ کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ نکلے۔ سب مارنے والے لوگ پکڑ نہ سکے صرف عبداللہ بن انیس نے ماعز کو جا لیا اور اونٹ کے پاؤں کی ہڈی ماعز کے پھینک ماری جس سے وہ ختم ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا (اور گناہ معاف فرما دیتا) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے حضرت ماعز کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ اسی جیسا ہے۔

مریض پر حد جاری کرنا

اگر مریض زنا کر لے اور رجم کا مستحق ہو جائے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ بیماری کا عذر مانع نہ ہوگا کیونکہ رجم کا مقصد ہی ہلاک کر دینا ہے لیکن اگر زانی مریض سزائے تازیانہ کا مستحق ہو تو صحت یاب ہونے تک سزا کو ملتوی رکھا جائے گا تاکہ سزا موجب ہلاکت نہ ہو جائے۔ اگر زانی مریض ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید ہی نہ ہو مثلاً سل کے مرض میں مبتلا ہو یا پیدائشی طور پر ضعیف ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ایک ایسا گچھا جس میں سو قمچیاں ہوں لیکر ایک مرتبہ اس گچھے سے اس کو اس طرح مار دیا جائے کہ ہر قمچی اس کے بدن پر پڑ جائے۔ جیسا کہ بغوی نے شرح السنۃ میں اور ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کی وساطت سے حسب روایت سعید بن عبادہ بیان کیا ہے کہ ہماری باندیوں میں ایک مرد رہتا تھا جو

Marfat.com

پیدائشی طور پر بہت کمزور تھا ایک روز دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ایک باندی پر پڑا ہوا فعل گناہ میں مشغول ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اس کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے سو کوڑے مارو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، وہ تو بہت ہی کمزور ہے اگر ہم اس کے سو کوڑے ماریں گے تو وہ یقیناً مر جائے گا فرمایا، تو ایک گچھا جس میں سو قمچیاں ہوں ایک بار اس کے مارو اور پھر اس کو نکال دو۔ ابوداؤد نے یہ حدیث حضرت ابوامامہ بن سہل کی روایت سے ایک انصاری کے حوالہ سے بیان کی ہے اور نسائی نے بروایت ابوامامہ بن سہل عن ابیہ (یعنی سہل کی وساطت سے) اور طبرانی نے بروایت ابوامامہ بحوالۂ ابوسعید خدری بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ تمام طرقِ روایت محفوظ ہیں گویا ابوامامہ نے صحابہ کی ایک جماعت کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ابوامامہ سے مرسلاً بیان کیا ہے۔

حاملہ عورت پر حد

حاملہ عورت کو زنا کی سزا میں وضع حمل سے پہلے حدِ زنا نہیں ماری جائے گی تاکہ پیٹ کا بچہ ہلاک نہ ہو جائے اگر وہ سزائے تازیانہ کی مستحق ہو تو نفاس سے فراغت سے پہلے اس کو کوڑے نہ مارے جائیں۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا تھا لوگو اپنے باندی غلاموں پر حدِ شرعی جاری کرو۔ شادی شدہ ہو یا ناکتخدا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے جب زنا کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس کے کوڑے ماروں لیکن نفاس شروع ہوئے اس کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے کوڑے ماروں گا تو یہ مر جائے گی۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ فرمایا تم نے خوب کیا، رواہ مسلم۔ ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے اس وقت تک باندی کو رہنے دو کہ اس کا خون بند ہو جائے پھر اس پر حد جاری کرنا اور اپنے باندی غلاموں پر حدِ زنا قائم کرتے رہنا۔

اور اگر نفاس میں مبتلا عورت کی سزا رجم ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا کیونکہ بچہ پیدا ہو چکا اور وہ رجم کی مستحق ہے اس کو تو مرنا ہی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، عورت کو رجم کرنے میں اتنی مدت کی تاخیر کی جائے گی کہ بچہ کو اس کی ضرورت نہ رہے۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ سے فرمایا جا اور اس وقت تک انتظار کر کہ بچہ پیدا ہو جائے جب بچہ پیدا ہو گیا اور وہ عورت پھر آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اور بچہ کو دودھ پلاتی رہ جب دودھ چھڑا دے تو آنا جب غامدیہ نے (مدت پوری کر کے) دودھ چھڑا دیا تو بچہ کو لے کر آئی بچہ کے ہاتھ میں روٹی کی کرچ تھی، عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ اب میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا اور یہ کھانا کھانے لگا ہے حضور نے وہ بچہ ایک مسلمان کے سپرد کر دیا (تاکہ وہ پرورش کرتا رہے) اس کے بعد ایک گڑھا کھدوا کر جس کی گہرائی عورت کے سینہ تک تھی لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو۔ سب نے سنگسار کر دیا۔

مسئلہ

آیت فَاجْلِدُوْا میں حاکموں کو خطاب ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی آقا، حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے باندی غلام پر حد جاری نہیں کر سکتا، امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک باندی پر اس کا آقا اجازت حاکم کے بغیر حد جاری کر سکتا ہے ہاں اگر باندی کسی کی منکوحہ ہو تو خود حد جاری نہیں کر سکتا۔

نووی (شافعی) نے کہا صحیح تر یہ بات ہے کہ (بغیر اجازت حاکم کے) اقامتِ حدود کا حکم عام ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں اطلاق ہے (ہر حد کی اقامت کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے) تہذیب میں ہے کہ قطع دست اور قتل کرا دینے کا اختیار صرف حاکم کو ہے یہی صحیح ترین قول ہے۔

امام شافعی نے بحوالۂ امام مالک بروایت نافع بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک غلام نے چوری کی، حضرت عبداللہ نے سعید بن عاص حاکم مدینہ کے پاس ہاتھ کاٹنے کے لئے بھیج دیا۔ سعید نے غلام کا ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا اور کہا غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے چوری کی ہو۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا آپ نے کس کتاب میں پڑھا ہے، پھر آپ نے خود حکم دیدیا اور اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مسلک کے استدلال میں اصحاب السنن کی اس روایت کو پیش کیا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں موقوفاً و مرفوعاً لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر نے چار چیزوں کو حاکموں کے اختیار میں دیا ہے۔ حدود، زکوٰۃ (کی وصولی

Marfat.com

اور تقسیم) صلوٰۃ جمعہ اور مالِ فَے (یعنی مالِ غنیمت کو جمع کرنا اور تقسیم کرنا)۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم)

زناء کی تباہ کاریاں

باقی جرائم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت اور ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جس قدر سزا دینے کو انسداد جُرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ ماں بہن بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے جب یہ رشتے ہی غائب ہو گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آ سکتی ہے جو زنا سے بھی زیادہ اشد جُرم ہے۔

فعل زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بیبا کی اور بے پروائی سے ہو سکتا ہے کیونکہ قدرت نے اس کے مزاج میں فطری طور پر ایک حیاء اور اپنی عفت کی حفاظت کا جذبہ قویہ ودیعت فرمایا ہے اور اسکی حفاظت کے لئے بڑے سامان جمع فرمائے ہیں اُس کی طرف سے اس فعل کا صدور بہ نسبت مرد کے زیادہ اشد ہے۔

نکتہ

فَاجْلِدُوْا لفظ جَلْد کوڑا مارنے کے معنے میں آتا ہے وہ جِلد سے مشتق ہے کیونکہ کوڑا عموماً چمڑے سے بنایا جاتا ہے۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جَلْد سے تعبیر کرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ یہ کوڑوں یا دُرّوں کی ضرب اس حد تک رہنی چاہئے کہ اسکا اثر انسان کی کھال تک رہے۔

جس جرم کی سزا سخت ہے اسکے ثبوت کی شرائط بھی سخت ہیں

زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ اسلامی قانون میں اُس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی بہت سخت رکھی گئی ہیں جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہا جاتا ہے وہ معاف ہو جاتی ہے صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے۔ تمام معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لئے کافی ہو جاتی ہے مگر حدِ زنا جاری کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو شرطِ ضروری ہے جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت میں گزر چکا ہے۔ دوسری احتیاط اور شدت اس شہادت میں یہ ہے کہ اگر شہادتِ زنا کی کوئی شرط مفقود ہونے کی بنا پر شہادت رد کی گئی تو پھر شہادت دینے والوں کی خیر نہیں، اُن پر قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت کا جُرم قائم ہو کر حدِ قذف اَسّی کوڑے لگائے جانے کی صورت میں جاری کی جاتی ہے اس لئے ذرا سا شبہ ہونے کی صورت میں کوئی شخص اس کی شہادت پر اقدام نہیں کر سکتا۔ البتہ جس صورت میں صریح زنا کا ثبوت نہ ہو مگر شہادت سے دو مرد وعورت کا غیر مشروع حالت میں دیکھنا ثابت ہو جائے تو قاضی اُن کے جرم کی حیثیت کے مطابق تعزیری سزا کوڑے لگانے وغیرہ کی جاری کر سکتا ہے سزائے زنا اور اس کی شرائط وغیرہ کے مفصل احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ششم)

آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہو گئی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا وہ پوری آیت اس طرح ہے:

الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة نکالا من اللّٰہ واللّٰہ عزیز حکیم. (اخرجہ النسائی وصححہ الحاکم)

(ترجمہ) شادی شدہ مرد یا عورت جب (دیکھو فتح الباری ص ۱۲۷ ج ۱۲) زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کر ڈالو قطعی طور پر اور یہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے بطور عبرت ہے تا کہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آ جائیں اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ
اور نہ آوے تم کو اُن پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں
اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ
اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر

احکامِ الٰہی جاری کرنے میں کوئی چیز مانع نہ بننے دو

یعنی اگر اللہ پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام وحدود جاری کرنے میں کچھ پس وپیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اُس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم مجموعۂ عالم کے حق میں حکمت ورحمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر تم اُس کے احکام وحدود کے اجراء میں کوتاہی کرو گے تو آخرت کے دن تمہاری پکڑ ہو گی۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

اگر فاطمہ بنت محمد ہوتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے آیا ہے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قریش کے لئے اس معاملہ نے بڑی پریشان کن حیثیت اختیار کر لی انہوں نے مشورہ کیا کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کر دیتا، سب نے کہا سوائے اسامہ بن زید کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں اور کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں گذارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم اللہ کی قائم کردہ حد کے متعلق سفارش کر رہے ہو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (منبر پر) کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ کر دیئے گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حدود میں نرمی نہ کرو

اہل تفسیر نے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تم کو اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑ لے کہ ہلکی مار مارو۔ ایسا نہ کرو بلکہ دردناک مار مارو۔ سعید بن مسیب اور حسن نے یہی تفسیر کی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا، زنا کی حد تو سختی سے جاری کی جائے پھر اس سے کم سختی شراب کی حد مارنے میں کی جائے اور تہمتِ زنا کی سزا میں اور بھی خفت سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے تہمتِ زنا لگانے والا واقع میں سچا ہو (لیکن اپنے قول کو شہادت سے ثابت نہ کر سکا ہو) اور شراب پینے کی حد میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا اور زنا کا جرم شراب خوری سے بڑا ہے (اس لئے اس کی حد کو جاری کرنے میں بہت زیادہ سختی سے کام لینا چاہئے) قتادہ کا قول۔ کہ شراب خوری اور تہمتِ زنا کی سزا میں خفت برتی جائے۔ زنا کی سزا جاری کرنے میں سختی سے کام لیا جائے۔ زہری نے کہا جرم زنا اور تہمتِ زنا کی سزا دینے میں خفت اختیار کی جائے کیونکہ ان کی سزائیں کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور شراب کی سزا میں خفت اختیار کی جائے شراب کی سزا صرف حدیث میں آئی ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔

حد سے آگے بھی نہ بڑھو

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک باندی نے زنا کیا آپ نے اس کے کوڑے لگوائے اور کوڑے مارنے والے سے فرمایا، اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر کوڑے مارنا، آپ کے ایک بیٹے نے کہا لَا تَأْخُذْكَ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ (اللہ کا حکم ہے) حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹے! اللہ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں اس کو قتل کر دوں۔ میں نے (کوڑے) مار دیئے اور درد پہنچا دیا۔ (اتنا ہی کافی ہے) (تفسیر مظہری)

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان

سزا برسرِ عام ہو

یعنی سزا تنہائی میں نہیں۔ مسلمانوں کے مجمع میں دینی چاہئے کیونکہ اُس رسوائی میں سزا کی تکمیل و تشہیر اور دیکھنے سننے والوں کے لئے سامانِ عبرت ہے۔ اور شاید یہ بھی غرض ہو کہ دیکھنے والے مسلمان اُس کی حالت پر رحم کھا کر عفو و مغفرت کی دعاء کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

برسرِ عام سزا کی حکمت

فواحش اور بے حیائی کی روک تھام کیلئے اسلام نے دُور دُور تک پہرے بٹھائے ہیں عورتوں پر پردہ لازم کر دیا گیا۔ مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ زیور کی آواز یا عورت کے گانے کی آواز کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ بے حیائی کے لئے محرک ہیں اس کے ساتھ ہی جس شخص سے ان معاملات میں کوتاہی دیکھ لی جائے اس کو خلوت میں تو سمجھانے کا حکم ہے مگر اس کو رُسوا کرنے کی اجازت نہیں۔ لیکن جو شخص ان تمام شرعی احتیاطوں کو توڑ کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اس کا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہو گیا تو اب اس کی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرأت بڑھانے کا موجب ہو سکتی ہے۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۚ وَّالزَّانِيَةُ
بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا شرک والی سے اور بدکار عورت سے
لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ
نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک

زانی کی طبیعت کا تجزیہ

زنا کی سزا ذکر کرنے کے بعد اس فعل کی غایت شناعت بیان فرماتے ہیں یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے اُن کا تعلق

Marfat.com

ازدواج وہمبستری قائم کیا جائے اُن کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار وتباہ حال مرد وعورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک ومشرکہ سے اُن کا تعلق ہو۔ **کماقال تعالیٰ** اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ (سورۃ نور)

کند ہمجنس باہمجنس پرواز، کبوتر باکبوتر باز بابا ز

اُن کی حرکت کا اصلی اقتضاء تو یہ ہی تھا۔ اب یہ جُداگانہ امر ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح وحکم کی بنا پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک ومشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا۔ یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے تو بالکل باطل نہیں ٹھہرایا۔ (تنبیہ) آیت کی جو تقریر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلف ہے اس میں "لَایَنکِحُ" کے معنی وہ لئے گئے جو "السلطانُ لایَکْذِبُ" وغیرہ محاورات میں لئے جاتے ہیں یعنی نفی لیاقتِ فعل کو نفی فعل کی حیثیت دے دی گئی۔ فافہم واستقم۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی جن کا نام مرثد بن ابومرثد تھا یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھالایا کرتے تھے اور مدینے پہنچادیا کرتے تھے۔ عناق نامی ایک بدکار عورت مکہ میں رہا کرتی تھی۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا اس عورت سے تعلق تھا۔ حضرت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک قیدی کو لانے کیلئے مکہ شریف گیا۔ ایک باغ کی دیوار کے نیچے میں پہنچ گیا۔ رات کا وقت تھا چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ اتفاق سے عناق آ پہنچی اور مجھے دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا اور آواز دیکر کہا کیا مرثد ہے؟ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور مجھ سے کہنے لگی چلو رات میرے ہاں گزارنا۔ میں نے کہا عناق اللہ تعالیٰ نے زناکاری حرام کردی ہے۔ جب وہ مایوس ہوگئی تو اس نے مجھے پکڑوانے کے لئے غُل مچانا شروع کیا کہ اے خیمے والو ہوشیار ہو جاؤ دیکھو چور آ گیا ہے۔ یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چُرایا کرتا ہے۔ لوگوں میں جاگ ہوگئی اور آٹھ آدمی میرے پکڑنے کو میرے پیچھے دوڑے میں مٹھیاں بند کر کے خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا۔ یہ لوگ میرے پیچھے ہی پیچھے غار پر آ پہنچے لیکن میں انہیں نہ ملا۔ یہ وہیں پیشاب کرنے کو بیٹھے واللہ ان کا پیشاب میرے سر پر آ رہا تھا۔ لیکن اللہ نے انہیں اندھا کر دیا۔ انکی نگاہیں مجھ پر نہ پڑیں اِدھر اُدھر ڈھونڈھ بھال کر واپس چلے گئے۔ میں نے کچھ دیر گزار کر جب یہ یقین کرلیا کہ وہ پھر سو گئے ہوں گے تو یہاں سے نکلا پھر مکہ کی راہ لی اور وہیں پہنچ کر اس مسلمان قیدی کو اپنی کمر پر چڑھایا اور وہاں سے لے بھاگا۔ چونکہ وہ بھاری بدن کے تھے میں جب اذخر میں پہنچا تو تھک گیا میں نے انہیں کمر سے اتار کر ان کے بندھن کھولدیئے اور آزاد کر دیا۔ اب اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ چونکہ عناق کی محبت میرے دل میں تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور یہ آیت اُتری۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مرثد! زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے تُو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔

نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا وہ بدکار پیشہ ور عورت تھی کسی صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن اس مرد نے انکار کر دیا (معلوم ہوا کہ زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے) طبرانی اور دارقطنی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس سے نکاح کرلینا چاہے تو کیا حکم ہے، فرمایا حرام حلال کو حرام نہیں بنا دیتا۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا ہو پھر نکاح کرلینا چاہتا ہو تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا آغاز زنا ہے اور انجام نکاح۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مُراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بُری عادت پر قائم رہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے کسی پاکدامن شریف عورت سے نکاح کرلے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کرلے تو اس آیت سے اس نکاح کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ نکاح شرعاً درست ہو جائے گا۔

Marfat.com

جمہور فقہاء اُمت امام اعظم ابوحنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ رحمھم اللہ کا یہی مذہب ہے اور صحابہ کرام سے ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا ہے۔

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر

مؤمنین کیلئے زنا اور زانیہ سے نکاح حرام ہے

یعنی زنا مومنین پر حرام ہے۔ ایک مومن مومن رہتے ہوئے یہ حرکت کیسے کرے گا۔ حدیث میں ہے "لَایَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤمِنٌ" یا یہ مطلب ہو کہ زانیہ سے نکاح کرنا اُن پاکباز مردوں پر حرام کر دیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مومنین کہلانے کے مستحق ہیں یعنی تکوینی طور پر اُن کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت "حُرِّم" کے معنی وہ ہوں گے جو وَحَرَّمْنَا عَلَیْہِ الْمَرَاضِعَ میں یا "وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا" میں لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

حرام نکاح اور حرام فعل

کسی مشرک عورت سے یا جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں ان میں سے کسی سے نکاح کر لیا تو یہ گناہ عظیم بھی ہے اور ایسا نکاح شرعاً کالعدم ہے زنا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل حرام ہے یعنی گناہ موجب سزا ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات رہتے ہیں معاملہ صحیح ہو جاتا ہے جیسے کسی عورت کو دھوکہ دے کر یا اغوا کر کے لے آیا پھر شرعی قاعدے کے مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے نکاح کر لیا تو یہ فعل تو ناجائز و حرام تھا مگر نکاح صحیح ہو گیا اولاد ثابت النسب ہو گی اسی طرح زانیہ اور زانی کا نکاح جبکہ اُن کا مقصود اصلی زنا ہی ہو، نکاح محض کسی دنیوی مصلحت سے کرتے ہوں اور زنا سے توبہ نہیں کرتے ایسا نکاح حرام ہے مگر دُنیوی احکام میں باطل کالعدم نہیں۔ نکاح کے ثمرات شرعیہ نفقہ، مہر، ثبوت نسب اور میراث سب جاری ہوں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ
اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو

ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
پھر نہ لائے چار مرد شاہد

پاکدامن عورت پر زناء کی تہمت لگانا

یعنی ایسی پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں جن کا بدکار ہونا کسی دلیل یا قرینہ شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اُس کی سزا بیان فرماتے ہیں اور یہ ہی حکم پاکباز مردوں پر تہمت لگانے کا ہے۔ چونکہ یہ آیات ایک عورت کے قصہ میں نازل ہوئیں اس لئے اُن ہی کا ذکر فرمایا۔ اگر چار گواہ پیش کر دیئے اور اُن کی شہادت بقاعدہ شریعت پوری اُتری تو مقذوف یا مقذوفہ پر حدِ زنا جاری کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمتِ زنا لگاتے ہیں۔ یعنی صراحۃً لفظ زنا کی کسی پاک دامن عورت کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہتا ہے تو نے زنا کیا یا کہتا ہے اے زانیہ۔ یرمون کی یہ تفسیر تمام علمائے تفسیر و فقہ کے نزدیک مسلمہ ہے کیونکہ چار شہادتیں پیش کرنے کی شرط آیت میں صراحۃً مذکور ہے (اور یہ شرط صرف زنا ہی کے ثبوت کی ہے) اب کسی شخص نے کسی پر کسی دوسرے گناہ کی تہمت لگائی تو باجماع علماء حدِّ قذف (تہمت زنا لگانے کی سزا) اس پر لازم نہ ہو گی۔ بلکہ حاکم حسب صوابدید اس کو تعزیر کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر صراحۃً زنا کی تہمت نہیں لگائی بلکہ پردے پردے میں تعریضاً کسی کی طرف زنا کی نسبت کی (مثلاً یوں کہا، میں تو زانی نہیں۔ مطلب یہ کہ تم زانی ہو) تو امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، ابن سیرین اور حسن بن صلاح کے نزدیک حدِ قذف جاری نہیں کی جائے گی۔

محصنات کا مطلب

باجماعِ علماء احصان سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ آزاد ہو بالغ ہو عاقل ہو مسلمان ہو پاکدامن ہو اس سے پہلے متہم بالزنا نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا من اُشرک باللّٰہ فلیس بمحصن (جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں ساجھی بنایا وہ محصن نہیں ہے) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنی عمر میں کبھی جرمِ زنا کا ارتکاب کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو اور اس کی حالت درست ہو گئی ہو اور درستی پر ایک مدت گزر گئی ہو پھر اس کی طرف مجرمِ زنا ہونے کی کوئی نسبت کرے تو تہمت لگانے والے پر حد

Marfat.com

قذف جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ زنا کی نسبت کرنے والا اپنے قول میں سچا ہوتا ہے البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی کیونکہ جس شخص نے توبہ کرلی ہے اس کی طرف اس نے گذشتہ گناہ کی نسبت کی حالانکہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی باندی غلام یا بچے یا پاگل کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا بھی حدِ قذف کا مستوجب نہیں ہوتا۔ داؤد کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ ان کے نزدیک باندی غلام پر تہمت زنا لگانے والے پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے اُم المومنین! آپ خوش ہو جایئے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے پیش آتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔

مؤمنوں والا کلمہ

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے اوصافِ حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اُترا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری پاکیزگی کی شہادت قرآن کریم میں آسمان سے اُتری جب کہ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ مجھے اپنی سواری پر بٹھالائے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا یہ تو بتلاؤ جب تم اس اُونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ نے فرمایا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل اس پر وہ بول اُٹھیں کہ تم نے مؤمنوں کا کلمہ کہا تھا۔ پھر فرمایا جس جس نے پاک دامن صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو بڑا عذاب ہوگا اور جس نے اس کی ابتدا اُٹھائی ہے جو اسے اِدھر اُدھر پھیلاتا رہا ہے اس کے لئے سخت تر عذاب ہیں۔ اس سے مُراد عبداللہ بن اُبی بن سلول ملعون ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔

ثبوتِ تہمت کی شرائط

ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ پھر نہ لائے چار مرد گواہ، یعنی متہم بالزنا نے اگر زنا کا انکار کیا ہو اور تہمت زنا لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکا ہو تو تہمت لگانے والے کے کوڑے مارو اور اگر چار گواہ زنا کے پیش کر دے تو اب قذف کرنے والا سبکدوش ہو جائے گا اس کے اوپر حدِ قذف جاری نہیں کی جائے گی (بلکہ ثبوتِ زنا مکمل ہو جانے کی وجہ سے زانی کو کوڑے مارے جائیں گے) اگر چار گواہ زنا کے تو پیش کر دیئے لیکن مختلف اوقات میں متفرق طور پر پیش کیے اور سب گواہ مجتمع ہو کر نہیں آئے تو زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس پر حدِ زنا جاری نہ ہوگی، امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن تہمت لگانے والا بھی مستحقِ سزا نہیں رہے گا وہ بھی حدِ قذف سے محفوظ ہو جائے گا۔ کیونکہ زنا کی شہادت کی تعداد تو بہرحال موجود ہے۔ گواہوں کے ساتھ ساتھ آنے کی شرط محض احتیاطاً لگائی گئی ہے تاکہ زنا کی حد ساقط ہو جائے۔ قاذف (تہمت زنا لگانے والے) پر حدِ قذف لازم کرنے کے لئے یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے (کہ اگر گواہ اجتماعی شکل میں شہادت نہ دیں یا ساتھ ساتھ نہ آئیں تو قاذف پر حد جاری کر دی جائے) اسی طرح اگر متہم بالزنا نے ایک بار اقرار کر لیا تو اس پر حد زنا جاری نہ ہوگی اور نہ قاذف پر حدِ قذف جاری ہوگی۔

آیت میں شہداء سے مراد وہ شاہد ہیں جو شرعاً شہادت کے اہل ہوں، اسی لئے اگر اندھوں نے شہادت دی یا ایسے لوگوں نے شہادت دی جو جرمِ قذف کے سزا یافتہ ہوں یا شاہدوں میں کوئی غلام ہو، ان سب صورتوں میں زنا کا ثبوت نہ ہوگا، بلکہ ان گواہوں پر حدِ قذف جاری کی جائے گی، ایسے لوگ شرعاً شہادت کے قابل نہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے غلام تو نہ شاہد بننے کا اہل ہے نہ شہادت دینے کا اس کی شہادت سے تو زنا کے شبہ کا ثبوت بھی نہ ہوگا زنا کا ثبوت تو ادائے شہادت سے ہوتا ہے۔

لیکن اگر گواہ فاسق ہوں تو ان پر حدِ قذف تو جاری نہ ہوگی لیکن ان کی شہادت سے زنا کا ثبوت بھی نہ ہو سکے گا۔ اس لئے متہم بالزنا پر حدِ زنا بھی جاری نہ ہوگی، کیونکہ فاسق شہادت ادا کرنے اور شاہد بننے کا اہل تو ہے لیکن فسق کی وجہ سے اس کی شہادت میں کسی قدر ضعف ہے اس لئے فاسقوں کی شہادت سے شبہِ زنا تو پیدا ہو جائے گا اور وہ حدِ قذف سے محفوظ رہیں گے اور ثبوتِ زنا نہ ہوگا اس لئے زانی پر حدِ زنا جاری نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق گواہوں پر حدِ قذف جاری کی جائے گی کیونکہ شافعی کے نزدیک فاسق غلام کی طرح شہادت کا اہل ہی نہیں ہے۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو ان پر حدِ قذف جاری کی جائے گی (اللہ کی قائم کی ہوئی حد معطل نہ

Marfat.com

ہو اور مجرم آزادی کے ساتھ جرم نہ کریں) اس نیتِ خیر کے لئے زنا کی (اور ہر جرم کی) شہادت کی ضرورت تھی اور چار سے کم گواہ ہوں تو یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی (پھر گواہوں کی گواہی صرف بدنام کرنے اور مسلمانوں کی آبروریزی کے جذبہ کے زیر اثر مانی جائے گی بلکہ واقع میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

شریعتِ اسلام نے بغیر ثبوت شرعی کے جس کا نصاب چار مرد گواہ عادل ہونا ہے اگر کوئی کسی پر تہمت صریح زنا کی لگائے تو اس تہمت لگانے کو بھی شدید جُرم قرار دیا اور اس جُرم پر بھی حدِ شرعی اسی کوڑے مقرر کی جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی شخص پر زنا کا الزام کوئی شخص اُسی وقت لگانے کی جرأت کرے گا جبکہ اس کے اس فعل خبیث کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا بھی اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرے ساتھ اور تین مردوں نے دیکھا ہے اور وہ گواہی دیں گے۔ کیونکہ اگر دوسرے گواہ ہیں ہی نہیں یا چار سے کم ہیں یا اُن کے گواہی دینے میں شبہ ہے تو اکیلا یہ شخص گواہی دے کر تہمت زنا کی سزا کا مستحق بننا کسی حال گوارا نہ کرے گا۔

ایک شبہ اور جواب

رہا یہ معاملہ کہ جب زنا کی شہادت کے لئے ایسی کڑی شرطیں لگا دی گئیں تو مجرموں کو کھلی چھٹی مل گئی نہ کسی کو شہادت کی جرأت ہوگی نہ کبھی ثبوت شرعی بہم پہنچے گا نہ ایسے مجرم کبھی سزایاب ہو سکیں گے مگر یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ زنا کی حد شرعی یعنی سو کوڑے یا رجم و سنگساری کی سزا دینے کے لئے تو یہ شرطیں ہیں لیکن دو غیر محرم مرد و عورت کو یکجا قابلِ اعتراض حالت میں یا بے حیائی کی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی شہادت دینے پر کوئی پابندی نہیں اور ایسے تمام اُمور جو زنا کے مقدمات ہوتے ہیں یہ بھی شرعاً قابل سزا جرم ہیں لیکن حدِ شرعی کی سزا نہیں بلکہ تعزیری سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید کے مطابق کوڑے لگانے کی دی جاتی ہے اس لئے جس شخص نے دو مرد و عورت کو زنا میں مبتلا دیکھا مگر دوسرے گواہ نہیں ہیں تو صریح زنا کے الفاظ سے تو شہادت نہ دے مگر بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے اور حاکم قاضی اس پر تعزیری سزا بعد ثبوت جُرم جاری کر سکتا ہے۔

محصنٰت کون ہیں

یہ "لفظ" احصان سے مشتق ہے اصطلاحِ شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا حدِ زنا میں اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ کہ جس پر زنا کا ثبوت ہو جاوے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور کسی عورت کے ساتھ نکاح صحیح کر چکا ہو اور اُس سے مباشرت بھی ہو چکی ہو تو اس پر سزائے رجم و سنگساری جاری ہوگی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا
تو مارو اُن کو اسی دُرّے اور نہ مانو
لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ
اُن کی کوئی گواہی کبھی

زنا کی تہمت لگانے کی سزا

یہ سزا قاذف (تہمت لگانے والے) کی ہوئی کہ (مقذوف کے مطالبہ پر) اسّی دُرے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لئے (معاملات) میں مردود الشہادت قرار دیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اُس کی شہادت معاملاتِ میں قبول نہیں کی جا سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً اسّی کوڑے۔ بشرطیکہ گواہی دینے والے آزاد ہوں (غلام نہ ہوں) اگر گواہ غلام ہوں تو باجماعِ فقہاء ہر ایک کی سزا آدھی ہو جائے گی، یعنی ہر غلام گواہ کے چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ فقہاء نے حدِ قذف کو حدِ زنا پر قیاس کیا ہے (زانی غلام یا باندی ہو تو پچاس کوڑے مارے جانے کا حکم آیتِ قرآنی اور حدیث میں آیا ہے۔ اس لئے قاذف اگر غلام ہو تو اس کی سزا بھی آدھی ہوگی)۔ اللہ نے زانی باندیوں کے متعلق فرمایا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (تفسیر مظہری)

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ
اور وہ ہی لوگ ہیں نافرمان

تہمت لگانے والا فاسق ہوا

اگر واقع میں جان بوجھ کر جھوٹی تہمت لگائی تھی تب تو اُن کا فاسق و نافرمان ہونا ظاہر ہے اور اگر واقعی سچ بیان کیا تھا لیکن جانتے تھے کہ چار گواہوں سے ہم اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکیں گے تو ایسی بات کا اظہار کرنے سے بجز ایک مسلمان کی آبروریزی اور پردہ دری کے کیا مقصود ہوا جو بجائے خود ایک مستقل گناہ ہے اور علماء نے اُس کو کبائر میں شمار کیا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ
مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس کے پیچھے اور

Marfat.com

اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵
سنور گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

توبہ سے فسق کا ازالہ ہو جاتا ہے

یعنی توبہ اور اصلاح حال کے بعد اللہ کے نافرمان بندوں میں اُس کا شمار نہ رہے گا۔ گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادت پھر بھی رہے۔ یہ ہی مذہب سلف میں سے قاضی شریح۔ ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول، عبدالرحمن بن زید بن جابر حسن بصری محمد بن سیرین اور سعید بن المسیّب رحمہم اللہ کا ہے۔ کمافی الدر المنثور وابن کثیر۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی

امام ابوحنیفہ نے فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ کا استثناء گذشتہ آخری جملہ کی طرف راجع ہے (یعنی جو لوگ توبہ کرلیں گے اور اپنے احوال کو درست کرلیں گے وہ فاسق نہیں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ توبہ سے قذف کی سزا معاف نہیں ہوگی صرف فاسق ہونے کا حکم جاتا رہے گا) اصول فقہ میں امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے۔ توبہ سے فسق ختم ہو جاتا ہے، حدود ساقط نہیں ہوتیں جمہور علماء کے نزدیک توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ
اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی جوروؤں کو

یعنی زنا کی تہمت لگائے یا اپنے بچہ کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحما سے زنا کرنے کی تہمت لگائی (واقعہ یقیناً سچا تھا لیکن شرعی شہادت موجود نہیں تھی اس لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا شرعی ثبوت پیش کرو) ورنہ تمہاری پشت پر کوڑے مارے جائیں گے ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو کیا گواہوں کو تلاش کرنے جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا گواہ یا تمہاری پشت پر کوڑے۔ ہلال نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں بلاشک وشبہ سچا ہوں اللہ ضرور (کوئی حکم ایسا) نازل فرمائے گا جس سے میری پشت کوڑوں سے بچ جائے گی، اس وقت جبرئیل آیاتِ ذیل لے کر نازل ہوئے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اور جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں۔ کیفیت وحی دور ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ تک تلاوت فرمائی حسب الحکم ہلال آئے اور انہوں نے شہادت دی یعنی لِعان کیا اور حضور برابر فرماتے رہے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے قول سے رجوع کرے گا۔ ہلال کی شہادت کے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی یعنی لِعان کیا جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا یہ شہادت فیصلہ کر دینے والی ہے (اگر تو نے جرم کیا ہے تو شہادت سے اب بھی لوٹ سکتی ہے) عورت ذرا جھجکی اور مڑی یہاں تک کہ ہمارا خیال ہوا کہ یہ (شہادت سے) لوٹ جائے گی پھر کہنے لگی میں اپنے خاندان کو آئندہ ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کروں گی چنانچہ اس نے شہادت جاری رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس عورت کو دیکھتے رہنا (اگر اس کے بچہ پیدا ہو اور آنکھیں سرگیں ہوں سرین بھاری ہوں اور پنڈلیاں گداز ہوں تو (خیال کر لینا کہ) وہ شریک بن سحما کا ہے، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کتاب اللہ کا فیصلہ نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس عورت سے سمجھتا۔

ابن عویمر کی بیوی کا واقعہ

صحیح میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے آیا ہے کہ ابن عویمر عجلانی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو (مشغول) دیکھ لے تو کیا کرے اگر وہ قتل کر دے گا تو لوگ (قصاص میں) اس کو قتل کر دیں گے (گواہ لینے جائے گا تو مرد فارغ ہو کر جا چکے گا) بتایئے وہ کیا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملہ میں حکم نازل ہو گیا ہے۔ جاؤ اپنی بیوی کو لے آؤ حضرت سہل کا بیان ہے پھر دونوں نے مسجد کے اندر لِعان کیا میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا لِعان سے دونوں فارغ ہو گئے تو عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اب اس کے بعد میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں گا تو (گویا) میں نے اس پر تہمت تراشی کی (کیونکہ غیرت مند آدمی زنا کار عورت کو اپنے نکاح میں نہیں رکھتا ہے) چنانچہ انہوں نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرا دیکھتے رہنا اگر اس عورت

Marfat.com

کے بچہ پیدا ہوا اور وہ سانولا، سیاہ چشم بھاری سرینوں اور گداز پنڈلیوں والا ہو تو میرا خیال ہو جائے گا کہ عویمر (یعنی ابن عویمر) نے سچ کہا تھا اور اگر اسی کی طرح سرخ رنگ کا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اس عورت پر دروغ بندی کی چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق عویمر کی سچائی ظاہر ہوتی تھی چنانچہ آئندہ اس بچہ کا نسب ماں سے ملایا جاتا (اور ولد عویمر نہیں کہا جاتا تھا)

حضرت سعید بن معاذ کی گفتگو، حضرت ہلال کا واقعہ

امام احمد نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا نازل ہوئی تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا (کیا) اسی طرح آیت نازل ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے گروہِ انصار سن رہے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے (اس کو نزول آیت میں شبہ ہے) انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کو آپ بُرا نہ کہیں یہ بڑے غیرت مند آدمی ہیں بخدا انہوں نے (کبھی کسی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں کیا) ہمیشہ ناکتخدا سے ہی نکاح کیا اور نہ اپنی کسی بیوی کو طلاق دی (یعنی جس عورت کا پردہ کسی مرد نے اُٹھا لیا ہو اس کو انہوں نے کبھی ساتھ رکھنا پسند نہیں کیا اور انتہائی غیرت یہ کہ کسی عورت کو طلاق نہیں دی۔ کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے) ان کی اسی شدت غیرت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ (اگر ان کی چھوڑی ہوئی کوئی عورت ہو تو) اس سے نکاح کر لے۔ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ قربان بخدا یہ تو میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت حق ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ اگر میں بدکار عورت کو اس حالت میں دیکھوں کہ کوئی شخص اس کو اپنی رانوں میں دبائے ہوئے ہے تو مجھے یہ بھی اجازت نہیں کہ میں اس کو اس کی جگہ سے ہلا سکوں جب تک کہ چار گواہ لا کر ان کو آنکھوں سے دکھا نہ دوں خدا کی قسم جب تک میں گواہ لاؤں گا وہ شخص اپنا کام کر کے چل دے گا۔ اس واقعہ کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ہلال بن امیہ کا قصہ ہو گیا حضرت ہلال ان تینوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آیت میں آئی تھی۔ (غزوۂ تبوک کو تین شخص باوجود قدرت کے نہیں گئے تھے اور واپسی کے وقت حاضر خدمت ہو کر انہوں نے سچ سچ عرض کر دیا تھا اور اپنے قصور کا اعتراف کر لیا تھا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سخت عتاب کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے بائی کاٹ کا حکم دے دیا تھا انہوں نے چالیس پچاس دن برابر اللہ سے زاری کی اور روتے رہے آخر ان کی توبہ قبول ہوئی اور قبول توبہ کی آیت اللہ نے نازل فرما دی، واقعہ یوں ہوا کہ حضرت ہلال رات کو اندھیرا پڑے اپنی زمین سے واپس آئے آ کر دیکھا کوئی شخص ان کی بیوی کے پاس موجود ہے (اور کام میں مشغول ہے) آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھی اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں لیکن اس شخص کو متنبہ نہیں کیا صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں اندھیرا پڑے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے (ان کی باتیں) سنیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ناگوار ہوئی اور بار گذری، دوسری طرف انصار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا سعد بن عبادہ کے قول نے ہم کو آزمائش میں ڈال دیا، اب ہلال بن امیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کوڑے) لگوائیں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لئے اس سے رہائی کا کوئی راستہ ضرور نکال دے گا (راوی کا بیان ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے لگوانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ جب وحی نازل ہو گئی (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دی) لوگ ہلال کو کوڑے مارنے سے رک گئے۔ آیت نازلہ یہ تھی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ ابو یعلیٰ نے ایسا ہی بیان حضرت انس کا نقل کیا ہے بغوی نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس کے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہلال تم کو خوش خبری ہو اللہ نے تمہارے لئے کشائش پیدا کر دی ہلال نے کہا مجھے اللہ سے اس کی امید تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو بلواؤ حسب الحکم عورت حاضر ہوئی جب دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکٹھے ہوئے تو عورت سے (ہلال کا قول) کہا گیا عورت نے ہلال کے قول کو جھوٹا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی (اپنے بیان سے

Marfat.com

)رجوع کرنے والا ہے۔ ہلال نے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ قربان میں سچ کہہ چکا اور میں نے حق بات کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان دونوں کے درمیان لعان کرا دو۔ حسب الحکم ہلال سے کہا گیا، شہادت دو ہلال نے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں یقیناً سچا ہوں، پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا، ہلال اللہ سے ڈر دنیوی عذاب، آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت واجب کر دینے والی ہے (اگر تو جھوٹا ہے تو) عذاب کو تجھ پر واجب کر دے گی۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم اللہ اس شہادت پر مجھے عذاب نہیں دے گا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر میرے کوڑے نہیں ماریں گے۔ اس کے بعد پانچویں شہادت میں ہلال نے کہا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں، پھر پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو روکا اور فرمایا اللہ سے ڈر پانچویں شہادت یقیناً واجب کرنے دینے والی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے زیادہ سخت ہے، یہ سن کر عورت تھوڑی دیر کے لئے کچھ جھجکی اور اقرار کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر کہنے لگی، خدا کی قسم میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کروں گی، چنانچہ اس نے پانچویں شہادت دے دی اور کہا اللہ کا مجھ پر غضب ہو اگر وہ (ہلال) سچا ہو، آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بچہ (اگر ہوگا تو) عورت کا ہوگا باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی۔ لیکن بچہ کو ولدِ حرام نہیں کہا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچہ ایسا ایسا ہو تو شوہر کا ہوگا اور اگر ایسا ایسا ہو تو وہ اس شخص کا ہوگا جس کا نام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو خاکستری رنگ کے اونٹ کی طرح بدشکل تھا جو آئندہ زندگی میں مصر کا حاکم بنا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون تھا۔

عکرمہ نے کہا وہ بچہ مصر کا گورنر ہوا اور کسی باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جاتی تھی۔ اکثر طرق روایت میں آیا ہے کہ لعان کرنے کے وقت ہلال کی بیوی حاملہ تھی۔

عویمر کے واقعہ کی تفصیل

بغوی نے لکھا ہے کہ تمام روایات میں حضرت ابن عباس کا بیان مندرجہ ذیل آیا ہے اور یہی مقاتل نے بیان کیا کہ جب آیت وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ نازل ہوئی۔ اور منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنائی تو عاصم بن عدی انصاری نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے (یہ فرمایئے) اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو (مشغول) دیکھ لے اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو بیان کر دے تو اس کے اسی کوڑے مارے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور آئندہ اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہم گواہ اس وقت تک کہاں سے لا سکتے ہیں گواہوں کی تلاش میں جائیں گے تو اتنے وقت میں وہ شخص اپنے کام سے فارغ ہو کر جا چکا ہوگا۔ انہی عاصم کے ایک چچازاد بھائی تھے جن کا نام عویمر تھا اور عویمر کی بیوی خولہ بنت قیس بن محصن تھیں (چند روز بعد کا ذکر ہے کہ) عویمر عاصم کے پاس پہنچے اور کہا (بھائی) میں نے اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر سوار خود شریک بن سحما کو دیکھ پایا (اب کیا کروں) عاصم نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور آئندہ جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! گذشتہ جمعہ کو جو بات میں نے عرض کی تھی اس میں مبتلا میرے ہی خاندان کا ایک شخص ہو گیا۔ عویمر خولہ، اور شریک، سب عاصم کے بنی عم (یعنی ایک ہی دادا کی اولاد) تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلب فرمایا اور عویمر سے ارشاد فرمایا وہ تیری بیوی اور تیرے چچا کی بیٹی ہے، اللہ سے ڈر اس کو بہتان تراشی کا نشانہ نہ بنا۔ عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے شریک کو اس کے پیٹ پر دیکھا اور چار مہینے سے میں خولہ کے قریب بھی نہیں گیا۔ اس کو اگر حمل ہے تو کسی اور کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا، اللہ سے ڈر اور جو کچھ تو نے کیا مجھ سے بیان کر دے۔ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! عویمر بڑا غیرت مند آدمی ہے اس نے دیکھا کہ میں اور شریک دیر تک بیدار رہتے اور باہم باتیں کرتے رہتے، اس کو غیرت آئی اور غیرت نے اس سے وہ بات کہلوائی (جو اس نے آپ سے کہی تھی)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک سے فرمایا تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے کہا جو عورت کہہ رہی ہے وہی میں کہتا ہوں، اس پر اللہ نے آیت وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ نازل فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کا حکم دیا کہ الصلوٰۃ جامعۃ کی ندا کر دے، منادی نے ندا کر دی لوگ جمع ہو گئے، آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر عویمر سے فرمایا

Marfat.com

اٹھ اور کھڑا ہو کر اللہ کو گواہ کر کے کہہ کہ خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً بلاشبہ سچا ہوں۔ عویمر نے کھڑے ہو کر یہی شہادت دی، پھر دوسری شہادت میں عویمر نے کہا، میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ پر دیکھا اور میں بلاشبہ سچا ہوں، پھر تیسری شہادت میں عویمر نے کہا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اس عورت کو جو حمل ہے وہ میرا نہیں کسی اور کا ہے اور میں سچا ہوں پھر چوتھی شہادت میں عویمر نے کہا میں اللہ کو شاہد جان کر کہتا ہوں کہ میں نے چار مہینے سے اس سے قربت نہیں کی اور بلاشک میں سچا ہوں، پھر پانچویں مرتبہ عویمر نے کہا اگر عویمر اس بات میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو (اس کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا، کھڑی ہو (اور قسم کھا کر بیان کر) خولہ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زانیہ نہیں ہوں اور عویمر جھوٹا ہے، پھر دوسری شہادت میں خولہ نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عویمر نے شریک کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا اور عویمر جھوٹا ہے، پھر تیسری شہادت میں عورت نے کہا میں عویمر سے حاملہ ہوں اور یہ جھوٹا ہے، پھر چوتھی شہادت میں عورت نے کہا عویمر نے کبھی مجھے زناء کی حالت میں مبتلا نہیں دیکھا اور یہ جھوٹا ہے، پھر پانچویں شہادت میں اس نے کہا اگر عویمر اس قول میں سچا ہو تو خولہ پر اللہ کا عذاب ٹوٹے، تکمیل شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ کرا دیا اور فرمایا اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو اس وقت اس عورت کے معاملے میں کچھ رائے ہوتی، پھر لوگوں سے فرمایا بچے کی پیدائش کے وقت کو دیکھتے رہو اگر بچے کے دونوں ابرو کشادہ ہوں دونوں میں فاصلہ ہو بال بھورے ہوں رنگ مائل بہ سیاہی ہو تو (سمجھو کہ) وہ شریک بن سحما کا ہے اور اگر رنگ خاکستری ہو بال گھنگھریالے ہوں، اعضاء کے جوڑ اونٹ کی طرح ہوں تو سمجھو کہ وہ اس شخص کا نہیں ہے جس کی طرف زناء کی نسبت کی گئی ہے (بلکہ وہ عویمر کا ہوگا) حضرت ابن عباس نے فرمایا خولہ کے بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

لعان کیلئے دو شرطیں

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، جب تک دو شرطیں نہ ہوں گی لعان جائز نہ ہوگا ایک شرط یہ ہے کہ مرد اہلِ شہادت ہو یعنی مسلمان آزاد عاقل بالغ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف (تہمت زنا لگانے والے) کو حد لگائی جا سکتی ہو یعنی مسلمان ہو آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو اور (اس سے پہلے) اس کی طرف زنا کی نسبت نہ کی گئی ہو امام صاحب کے اس قول پر اگر عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف کو حدِ زنا لگائی جا سکتی ہو اور مرد غلام ہو یا کافر ہو یا تہمتِ زنا کا پہلے سزا یافتہ ہو (اور ایسا مرد تہمت زنا لگائے) تو لعان کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ حاکم اگر مناسب سمجھے گا تو تعزیری سزا مرد کو دے گا۔

امام صاحب نے شوہر کے لئے شہادت کا اہل ہونے کی شرط لگائی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ عورت ایسی ہو جس کے قاذف پر حدِ قذف جاری کی جا سکتی ہو ان دونوں باتوں کا ثبوت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت کردہ حدیث سے ملتا ہے اس حدیث کو ابن ماجہ اور دار قطنی نے چند طرق سے نقل کیا ہے۔

دار قطنی نے بروایت عثمان بن عبدالرحمٰن زہری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار (صورتیں) ہیں جن میں لعان نہیں ہے۔ آزاد مرد اور باندی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے غلام مرد اور آزاد بی بی کے درمیان لعان نہیں ہے مسلم مرد اور یہودیہ عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ مسلم مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ یحییٰ، بخاری، ابوحاتم رازی اور ابوداؤد نے کہا عثمان بن عبدالرحمٰن کچھ نہیں ہے (ہیچ ہے نا قابلِ اعتبار ہے) یحییٰ نے ایک بار کہا وہ جھوٹ کہتا تھا ابن حبان نے کہا موضوع احادیث کی روایت کا سلسلہ قابل اعتماد راویوں سے ملاتا تھا اس کی روایت کردہ حدیث کو حجت میں پیش کرنا جائز نہیں۔ نسائی اور دار قطنی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دار قطنی اور ابن ماجہ نے عثمان بن عطاء خُراسانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار عورتوں سے لعان نہیں۔ عیسائی عورت مسلمان مرد، یہودی عورت مسلمان مرد، باندی عورت آزاد مرد، آزاد عورت غلام مرد۔ یحییٰ اور دار قطنی نے عثمان بن عطاء کو ضعیف کہا ہے ابوحاتم اور ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں۔ علی بن جنید نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دار قطنی نے کہا عثمان کی متابعت یزید بن زریع نے بھی کی ہے اس نے بھی بروایت عطاء یہ حدیث بیان کی ہے لیکن یزید بن زریع بھی ضعیف ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ضعیف حدیث اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو (اور ہر سند میں ضعف ہو) تو وہ حجت (قابلِ استدلال) ہو جاتی

Marfat.com

ہے۔ یہ حدیث اسی قسم کی ہے اس کی تائید اوزاعی اور ابن جریج کی روایت سے ہورہی ہے کہ دونوں اماموں نے اس کو عمرو بن شعیب کے دادا کا قول قرار دیا ہے (اگرچہ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی اور مرفوعاً نہیں بیان کیا پھر بھی موقوفاً ضرور کہا ہے)

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے انکار کرنا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار ہے لیکن اس میں کسی قدر شبہ ہے (کیونکہ صراحۃً اس نے اقرارِ کذب نہیں کیا ہے) اور شبہ کی صورت میں حد جاری نہیں کی جا سکتی مجبوراً اس کو قید کیا جائے گا تا کہ وہ یا لعان پر تیار ہو جائے اور لعان کرے یا صراحۃً اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تا کہ اس پر حدِ قذف جاری کی جا سکے۔

اگر شوہر لعان کرلے تو عورت پر بھی لعان کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہو جاتا ہے اگر وہ انکار کرے تو حاکم اس کو قید کر دے اور اتنی مدت قید رکھے کہ وہ لعان کے لئے تیار ہو جائے یا زنا کا اقرار کرلے اور شوہر کی تصدیق کر دے۔ ہم کہتے ہیں لِعان اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک عورت بھی لعان نہ کرلے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ
اور شاہد نہ ہوں اُن کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی
اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝
کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ مقررہ شخص سچا ہے
وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝
اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اُس شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا
وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ
اور عورت سے ٹل جائے گی مار یوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی
بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ
اللہ کی قسم کھا کر کہ مقررہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب
اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝
آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے

لعان کا طریقہ

یعنی جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے اگر پیش کر دے تو عورت پر حدِ زنا جاری کر دی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لا سکا تو اس کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے (یعنی جو تہمت اپنی بیوی پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا) گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ ''اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار'' اگر الفاظ مذکورہ بالا کہنے سے انکار کرے تو حبس کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے، تو حدِ قذف لگے گی جو اوپر گزری۔ اور یا پانچ مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر کہہ لئے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ ''یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے'' اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ ''اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو'' تاوقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اُس کو قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے کہ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا اس پر جاری ہوگی اور یا بالفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے۔ اگر اُس نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور ''لِعان'' سے فراغت ہوئی تو اس عورت سے صحبت اور دواعی صحبت سب حرام ہو گئے۔ پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دے دی فبہا ورنہ قاضی اُن میں تفریق کر دے۔ گو دونوں رضامند نہ ہوں یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی۔ اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔ (تنبیہ) زوجین سے اس طرح الفاظ کہلوانے کو شریعت میں ''لِعان'' کہتے ہیں اور لعان صرف قذف ازواج کے ساتھ مخصوص ہے عام محصنات کے قذف کا وہ ہی حکم ہے جو اوپر کی آیات میں مذکور ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اگر عورت نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ بچہ شوہر کا نہیں ہے انکارِ ولد میں یہ سچا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں نہ لعان کا حکم باقی رہے گا نہ حدِ زناء ثابت ہوگی، اور بچہ دونوں کا مانا جائے گا کیونکہ لعان ہو جاتا تو بچے کی نسبت پھر شوہر سے نہ ہوتی لیکن لعان نہ ہوا اور زوجین سے نسبی الحاق بچے کا حق ہے اس لئے زوجین کے کہنے سے اس حق کا ابطال نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

لعان کے بعد تفریق واجب ہے

فریقین کے لعان کر چکنے کے بعد دونوں میں تفریق کر دینا حاکم پر واجب ہو جاتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لعان کرنے والوں (یعنی مرد اور عورت) سے فرمایا۔ تمہارا حساب اللہ کے ذمے ہے یقینی بات ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے (مرد کو مخاطب کر کے فرمایا) اب تیری اُس پر کوئی راہ نہیں (یعنی اس سے ملنے کا اب تیرے لئے کوئی راستہ نہیں رہا دوامی انقطاع ہو گیا) اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا مال (یعنی جو مہر میں نے دیا اس کا کیا ہو گا) فرمایا اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو مال (مہر) اس حلت کا معاوضہ ہو گیا جو تجھے اس سے جماع کرنے کی حاصل تھی (یعنی تو اس سے قربت کر چکا مہر اس کا معاوضہ ہو جائے گا) اور اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو یہ مال بہت دور چلا گیا اس لئے تیرے لئے اب کوئی مال نہیں ہو سکتا۔ ابوداؤد نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے لعان کرنے والے مرد و عورت کے مقدمہ میں جو حدیث بیان کی ہے وہ اوپر گزر چکی ہے کہ دونوں میں (دوامی) تفریق کرا دی جائے کہ آئندہ کبھی دونوں نہ مل سکیں۔ دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

لعان سے فسخ نکاح از خود نہیں ہو جاتا

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، ثبوتِ حرمت فسخِ نکاح کا تقاضا نہیں کرتا۔ دیکھو ظہار سے حرمت ہو جاتی ہے اور نکاح فسخ نہیں ہوتا (بلکہ کفارۂ ظہار ادا کرنے کے بعد پھر حلت ہو جاتی ہے) ہاں ثبوت حرمت کے بعد شوہر بیوی کو دستورِ شرعی کے مطابق اپنے پاس رکھنے سے جب قاصر ہے تو اچھی طرح بحسن و خوبی عورت کو آزاد کر دینا اس پر لازم ہے اور جب اس نے ایسا نہیں کیا تو حاکم نے قائم مقام کی حیثیت سے عورت کو اس سے الگ کر دیا تا کہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ اس کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت سہل بن سعد ہیں کہ دونوں کے لعان کر چکنے کے بعد عویمر نے کہا یا رسول اللہ! اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس روکے رکھا (یعنی اپنے نکاح میں رکھا) تو (گویا) میں نے اس پر جھوٹی تہمت تراشی کی چنانچہ لعان کے بعد عویمر نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کے سلسلے میں اس کے خلاف کچھ نہیں فرمایا۔

میں کہتا ہوں لعان کے بعد حرمت ہو جانا باجماعِ علماء ثابت ہے۔ امام شافعی امام زفر اور دوسرے ائمہ کے نزدیک تو حرمت کا ثبوت ظاہری ہے (کہ یہ حضرات لعان کو فسخِ نکاح قرار دیتے ہیں اور لعان کے بعد بغیر حکم حاکم کے فرقت واقع ہو جاتی ہے) اور امام ابوحنیفہؒ کے قول پر بھی حرمت کا ثبوت یقینی ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد دونوں میں تفریق نہ کراتے امام صاحب خود قائل ہیں کہ لعان کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کرا دے۔

امام صاحب کا یہ قول کہ چونکہ شوہر لعان کے بعد بیوی کو دستورِ شرعی کے مطابق اپنے پاس روک نہیں سکتا اس لئے حاکم عورت کو آزاد کرا دینے کا فیصلہ کر دے تسریح بالاحسان کے لئے قاضی شوہر کا قائم مقام ہے۔ یہ قول چاہتا ہے کہ لعان کے بعد قاضی شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے۔

مسئلہ

اگر مرد نے عورت سے کہا تیرا (یہ) حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام ابو حنیفہ، امام زفر اور امام احمد کے نزدیک لعان کا حکم نہیں دیا جائے (نہ مرد پر حدِ قذف جاری ہو گی نہ عورت کو زانیہ قرار دیا جائے گا) گا کیونکہ بچہ ہونا یقینی نہیں ہے (ممکن ہے حمل ہی نہ ہو)

نسائی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، بیوی اس وقت حاملہ تھی۔ عبدالرزاق نے بھی یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شوہر نے کہا میں عفار النخل سے ہی اس (عورت) کے قریب نہیں گیا ہوں (اس لئے یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے) عفار النخل کا یہ معنی ہے کہ شاخ تراشی کے بعد دو مہینہ تک درخت کو سینچا نہ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ ظاہر کر دے چنانچہ پیدا ہوا تو بڑی بری شکل کا تھا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکارِ حمل کی صورت میں لعان جائز ہے۔

عویمر کو اس کے خاندان والے بہت ملامت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ہم تو اس عورت کو نیک ہی جانتے ہیں لیکن جب بچہ شریک کا ہم شکل پیدا ہوا تو پھر لوگوں نے عویمر کو معذور سمجھا (یعنی ملامت کرنا

Marfat.com

چھوڑ دیا) بچہ دو سال زندہ رہ کر مر گیا اس کی ماں بھی اس کے کچھ دنوں بعد مر گئی اور شریک اس واقعہ کے بعد لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو گیا۔ قصہ کی یہ تفصیل دلالت کر رہی ہے کہ عویمر نے عورت کے زنا کرنے کا بھی دعویٰ کیا تھا اور حمل کا بھی انکار کیا تھا۔

زنا کار خاتون اور تہمت تراش مرد کی اخروی سزا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس عورت نے کسی دوسری قوم کے آدمی کو اپنی قوم میں شامل کیا (یعنی کسی دوسرے شخص سے زنا کر کے بچہ کو اپنے شوہر کا بتایا) وہ اللہ کی رحمت سے خارج ہو گئی اور اللہ قیامت کے دن اس کو جنت میں داخل نہیں فرمائے گا اور جس مرد نے دیدہ دانستہ اپنے بچہ کا باپ ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ قیامت کے دن اس سے پردہ کرے گا (اللہ کا دیدار اسے میسر نہ ہوگا) اور اگلے پچھلوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والشافعی وابن حبان والحاکم۔ دار قطنی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غیر باپ کو اپنا باپ بنانا حرام ہے

صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو بکرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام (کے دور) میں کسی نے غیر باپ کو اپنا باپ قرار دیا اور وہ واقف بھی ہے کہ جس شخص کی طرف وہ اپنے باپ ہونے کی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔

مسئلہ: اگر بچے کی پیدائش کے وقت مرد کہیں غائب تھا تو واپس آنے کے بعد کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اتنی مدت غور کرنے کیلئے دی جائے گی جتنی مدت نفاس کی ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک مدت مبارکباد کی برابر مدت تامل کیلئے کافی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کا یقین ہو گیا یا زید سے زنا کرنے کی خبر مشہور ہونے کی بناء پر پختہ گمان ہو گیا اور تائیدی قرینہ بھی موجود ہے (مثلاً) شوہر نے زید کو اس عورت کے ساتھ تنہائی میں دیکھ لیا تو اس صورت میں وہ عورت پر زنا کا الزام قائم کر سکتا ہے یا اگر عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے بیوی سے قربت ہی نہیں کی اس لئے اس کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو انکارِ ولدیت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر جماع کیا یا عزل کیا یا عورت کے زنا کرنے کا اس کو (یقینی) علم ہو گیا اور اس بات کا احتمال ہے کہ بچہ اس کا ہو یا زانی کا ہو تو اپنا بچہ ہونے کا انکار حرام ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اُوپر اور اس کی رحمت
وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾
اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا

قانونِ الٰہی رحمت و فضل ہے

یعنی اگر یہ حکم لِعان مشروع نہ ہوتا تو قذف کے عام قاعدہ کے موافق زوج پر حدِ قذف آتی اور یا ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو۔ بخلاف غیر شوہر کے کہ وہ اظہار میں مضطر نہیں، اس لئے اس کے قانون میں اِن امور کی رعایت ضرور نہیں۔ دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہو جایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی، حالانکہ ممکن ہے وہ ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد پر حد قذف واجب ہو جاتی باوجود یہ کہ اس کے صادق ہونے کا بھی مساوی احتمال موجود ہے پس ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ سب کی رعایت رہے یہ اثر ہے حق تعالیٰ کے فضل و رحمت کا، کیونکہ فریقین میں سے جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کر لے۔ پھر اس کی توبہ کا قبول کر لینا یہ اثر صفت توابیت کا ہوا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ
جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا واقعہ

یہاں سے اُس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اٹھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں، اُن کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ حمال ہودے کو اُونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ

Marfat.com

رضی اللہ عنہا کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں۔ وہاں اتفاق سے اُن کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اُس کی تلاش میں دیر لگ گئی، یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔ حمال حسب عادت اُونٹ پر ہودہ باندھنے آئے۔ اور اُس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اُٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ اُن کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔ غرض حمالوں نے ہودہ باندھ کر اُونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں (کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے اُنہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ جس سے اُن کی آنکھ کھُل گئی فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اُونٹ اُن کے قریب لا کر بٹھلا دیا۔ یہ اُس پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اُونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملایا۔ عبداللہ بن اُبی بڑا خبیث، بد باطن، اور دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اُسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بد بخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسان، حضرت مسطح، اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوسناک تذکرے کرنے لگے۔ عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی چرچا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے، مگر دل میں خفا رہتے۔ ایک ماہ بعد اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی شدت غم سے بیتاب ہو گئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و روز روتی تھیں۔ ایک منٹ کے لئے آنسو نہ تھمتے تھے۔

اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگوئیں ہوئیں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخر حضرت صدیقہ کی براءت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۂ نور کی یہ آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ الخ سے دُور تک نازل فرمائیں جس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فخر کیا کرتی تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کریں تھوڑا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مفصل واقعہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی

زہری نے کہا مجھ سے متعدد اہلِ حدیث نے یہ قصہ بیان کیا، بعض نے کم بعض نے زیادہ لیکن ہر ایک کا بیان دوسرے کے بیان کی تائید کرتا ہے۔

سفر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

عروہ کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان حسب ذیل آیا ہے۔ اُم المومنین نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی بیبیوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے، جس بی بی کا نام نکل آتا اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں میری رفاقت

چنانچہ ایک جہاد پر آپ تشریف لے جانے لگے تو حسب معمول قرعہ اندازی کی، میرا نام نکل آیا، مجھے آپ نے ساتھ لے لیا، یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں سوار ہوئی میرا ہودج ہی اٹھا کر (اونٹ پر) رکھا جاتا تھا اور نیچے اتارا جاتا تھا (مجھے باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی) اس طرح ہم مدینے سے چل دیئے۔

میرا پیچھے رہ جانا

جب جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور مدینے کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اترے، رات کو کوچ کرنے کا اعلان ہوا۔ میں (رفع ضرورت کو جانے کے لئے) اٹھی اور چل کر لشکر سے آگے نکل گئی۔ ضرورت سے فارغ ہو کر جب اپنے مقام پر پہنچی اور سینہ کو ٹٹولا تو عقیق یمنی کا جو ہار میں پہنے تھی وہ ٹوٹ کر کہیں گر گیا، میں ہار کو ڈھونڈنے کے لئے فوراً لوٹ پڑی، ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی، میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والے لوگ آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں خالی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں بھاری نہیں ہوتی تھیں ان پر گوشت نہیں چڑھا ہوتا تھا، کھانا تھوڑا کھاتی تھیں، اس لئے لوگوں نے ہودج کی خفت محسوس نہ

Marfat.com

کی، پھر میں تو کم سن لڑکی ہی تھی انہوں نے ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور اونٹ کو کھڑا کر کے چل دیئے لشکر کے روانہ ہونے کے بعد مجھے ہار مل گیا۔ پڑاؤ پر واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا پڑاؤ بالکل خالی تھا، مجبوراً میں اپنی فرودگاہ پر ہی رُک گئی اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہ پائیں گے تو لوٹ کر ضرور آئیں گے۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی اور میں سو گئی۔

حضرت صفوان بن معطلؓ کے ساتھ قافلہ کے ساتھ شمولیت

صفوان بن معطل سلمٰی ذکوانی نے لشکر سے پیچھے بہت دور قیام کیا تھا (کیونکہ لشکر کی کوئی گری پڑی چیز تلاش کرنے اور نگرانی رکھنے پر ان کو مامور کیا گیا تھا) وہ رات کے آخری حصہ میں اپنی فرودگاہ سے (حسب الحکم) روانہ ہوئے اور صبح کو میری فرودگاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا، کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ میں ان کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہو گئی اور اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا، خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی اور سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سُنا، اپنی اونٹنی انہوں نے میرے پاس لا کر بٹھا دی اور اس کا ڈھنگنا باندھ دیا، میں اُٹھ کر اونٹنی پر سوار ہو گئی وہ مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چلتے رہے ہمارا لشکر ٹھیک دوپہر کے وقت ایک جگہ ٹھہر گیا تھا، میں اس طرح لشکر تک پہنچ گئی۔

واپسی پر میری علالت

میرے معاملہ میں جس (تہمت تراش) کو ہلاک ہونا تھا وہ (غلط افواہیں پھیلا کر) مارا گیا۔ اس تہمت تراشی کا سب سے بڑا ذمہ دار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، میں مدینے پہنچ کر بیمار ہو گئی اور ایک مہینہ بیمار رہی لوگ الزام تراشوں کی باتوں میں مشغول تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات میں کمی

بیماری کے زمانے میں مجھے پتہ نہیں تھا صرف یہ بات میرے لئے ضرور پریشان کن اور شبہ پیدا کرنے والی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ التفات میری طرف نہ تھا جو میری بیماری میں پہلے ہوا کرتا تھا، بس اتنی بات ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسبِ معمول) آتے اور سلام علیک کرتے اور فرماتے تھے تم لوگ کیسے ہو پھر واپس چلے جاتے اس سے مجھے شبہ ہوتا پریشانی ہوتی، لیکن راز کا پتہ نہ تھا۔

تہمت تراشی کی خبر

جب میں اچھی ہو گئی مگر کمزور تھی تو ایک رات کو ام مسطح کو ساتھ لے کر میں مناصع کی طرف جانے کے لئے نکلی پہلے ہمارے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے، رفع ضرورت کے لئے رات کو ہم جنگل کی طرف عربوں کے پہلے رواج کے مطابق جایا کرتے تھے ہم کو گھروں کے قریب ٹٹیاں بنانے سے (بدبو سے) ایذا ہوتی تھی۔ (مسطح کی ماں ابو دہم بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور مسطح کی نانی صخر بن عامر کی بیٹی تھی صخر کی بیٹی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خالہ تھی اور اس کا بیٹا مسطح بن اثاثہ تھا) غرض میں اور ام مسطح دونوں ساتھ ساتھ ضرورت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف کو لوٹے، ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھ گیا اور اس نے ٹھوکر کھائی گرتے ہی اس کے منہ سے نکلا مسطح مرے، میں نے کہا تم نے یہ بہت بُری بات کہی، کیا تم ایسے شخص کو کوس رہی ہو جو بدر میں شریک تھا۔ ام مسطح نے کہا بیٹی کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے کہا اس نے کیا کہا۔ اس پر ام مسطح نے مجھے تہمت تراشوں کی کہی ہوئی بات بتائی، اس کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔

والدین کے گھر جا کر رات بھر روتے رہنا

جب گھر لَوٹ کر آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) تشریف لائے اور دریافت کیا آپ لوگ کیسے ہیں تو میں نے کہا کیا آپ کی اجازت ہے میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مجھے یقینی خبر ماں باپ سے مل جائے گی، آپ نے اجازت دے دی میں والدین کے گھر پہنچی اور اپنی والدہ سے پوچھا اماں لوگ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں والدہ نے کہا بیٹا تم اس کا رنج نہ کرو جب کوئی عورت کسی شوہر کی نظر میں چہیتی ہوتی ہے اور شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوتی ہیں تو سوکنیں اس کے خلاف بڑی بڑی باتیں بناتی ہیں میں نے کہا سبحان اللہ لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں، میں اس خبر کو سن کر رات بھر روتی رہی صبح تک نہ میرا آنسو تھما نہ نیند آئی، پھر صبح کو بھی روتی رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا متعلقین سے تحقیق کرنا

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو مشورہ کے لئے بلایا کیونکہ وحی آنے میں دیر ہو گئی تھی (مدت سے وحی نہیں آئی تھی) اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی پاک

Marfat.com

دامنی سے واقف تھے انہوں نے پاک دامن ہونے کا ہی مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اسامہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی محبت تھی اسی کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا یارسول اللہ! وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم تو ان کو اچھا ہی جانتے ہیں لیکن علی نے کہا آپ کے لئے اللہ نے کوئی تنگی نہیں رکھی ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔ آپ خادمہ سے دریافت کریں وہ سچ سچ کہہ دے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو نے عائشہ کی کوئی ایسی حرکت دیکھی ہے جس سے تیرے دل میں کچھ شک گزرا ہو بریرہ نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے عائشہؓ کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی کہ میں نکتہ چینی کرسکوں ہاں بس اتنی بات ضرور ہے کہ وہ چونکہ کم سن لڑکی ہے سو جاتی ہے آٹا گوندھا ہوا رکھا رہتا ہے بکری آتی ہے اس کو کھا جاتی ہے۔

برسر منبر بہتان تراشوں کی تردید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

اس تحقیقات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور عبداللہ بن ابی کی طرف سے معذرت پیش کرنے کے خواستگار ہوئے اور فرمایا اے گروہ اہلِ اسلام میرے گھر والوں کے معاملہ میں عبداللہ بن ابی کی ذات سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے کیا کوئی اس کی طرف سے میرے سامنے کوئی عذر پیش کرسکتا ہے خدا کی قسم مجھے اپنی بیوی کے متعلق (کوئی بُری بات معلوم نہیں ہوئی) اچھائی ہی معلوم ہوئی لوگ ایک ایسے آدمی کا نام لے رہے ہیں جس کے اندر مجھے کوئی بُرائی معلوم نہیں ہے (وہ اچھا ہی ہے) اور وہ میرے گھر کے اندر میرے ساتھ ہی جاتا ہے، (تنہا نہیں جاتا) یہ سن کر سعد بن معاذ اشہلی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! (اگر آپ کی طرف سے تہمت تراش کو کچھ دکھ پہنچ جائے تو) میں آپ کو معذور جانتا ہوں اگر وہ اوس کے قبیلہ میں ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بات سن کر قبیلۂ خزرج کا ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ حسان کی ماں اس شخص کے چچا کی بیٹی تھی، یعنی سعد بن عبادہ سردار خزرج کھڑے ہوئے پہلے یہ نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر سوار ہوگئی اور سعد بن معاذ سے کہنے لگے خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا تم نہ اس کو قتل کرو گے نہ اس کو قتل کرنے کی تم میں ہمت ہے اور اگر تمہارے قبیلہ والوں میں سے وہ ہوتا تو میرے خیال میں تم اس کو قتل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرتے اس پر سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ سے کہا تم نے خدا کی قسم جھوٹ کہا ہم اس کو ضرور بالضرور قتل کردیں گے تم یقیناً منافق ہو منافقوں کی طرف سے لڑتے ہو اس کے بعد اَوس اور خزرج دونوں قبیلے جوش میں آ گئے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر موجود تھے آپ سب کو ٹھنڈا کر رہے تھے آخر سب خاموش ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔

میرا رات دن روتے رہنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اس روز بھی دن بھر روتی رہی اور رات بھر بھی میرا آنسو نہ تھما نہ نیند آئی والدین کو اندیشہ ہوگیا کہ روتے روتے میرا جگر پھٹ جائے گا۔ دونوں حضرات میرے پاس بیٹھے ہی ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، میں نے اجازت دے دی وہ آ کر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی

کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے اس سے پہلے جب سے میرے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، اور ایک مہینہ کا وقفہ گزر چکا تھا اس عرصہ میں میرے معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی نہیں آئی تھی بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول کلمۂ شہادت پڑھا، پھر فرمایا، عائشہ مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبریں پہنچی ہیں اگر تو ان سے پاک ہے تو اللہ تیری پاکی ظاہر فرمادے گا اور اگر تو اتفاقاً کسی گناہ میں مبتلا ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ واستغفار کر، بندہ جب گناہ کا اقرار کرلیتا ہے اور معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرا بیان

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات پوری کرچکے تو میرے آنسو تھم گئے کہ ایک قطرہ بھی نکلتا مجھے محسوس نہ ہوا پھر میں نے اپنے والد سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے، والد نے کہا خدا کی قسم مجھے کوئی جواب معلوم نہیں کیا جواب دوں۔ پھر میں نے

Marfat.com

اپنی والدہ سے یہی بات کہی کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی والد کی طرح یہ ہی کہا کہ میں کیا کہوں مجھے کوئی جواب معلوم نہیں، آخر میں نے خود کہا (اس وقت میں نوعمر لڑکی تھی زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا) خدا کی قسم میں جان گئی کہ تم لوگوں نے یہ بات سن کر اپنے دلوں میں جمالی ہے اور اس کو سچ ماننے لگے ہو، اب اگر میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا نہ جانو گے اور اگر میں تمہارے سامنے اقرار کرلوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس فعل سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا سمجھو گے (اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی) مجھے اپنی اور تمہاری حالت کی سوائے اس کے اور کوئی مثال نہیں ملتی جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ۝ (پس میں بھی یہی کہتی ہوں) یہ کہنے کے بعد میں نے منہ موڑ لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

مجھے اپنی براءت کا یقین تھا

میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں، اللہ ضرور میری پاکی کا اظہار فرمادے گا۔ لیکن میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں اللہ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے گا جو (ہمیشہ قرآن میں) پڑھی جائے گی۔ میرے دل میں میری حالت اس قابل نہ تھی کہ اللہ اس کے سلسلہ میں اپنا کلام نازل فرماتا جو (ہمیشہ) پڑھا جائے گا۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے میری پاک دامنی کا کوئی خواب دکھادیا جائے گا۔

وحی اُترنا

خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ کوئی گھر والا باہر نکلا تھا کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمادی اور نزولِ وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکلیف ہوئی تھی وہ ہونے لگی، سخت سردی کے زمانے میں نزولِ وحی کے وقت چاندی کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے (آپ کی پیشانی سے) ٹپکنے لگتے تھے۔

خوشخبری

کچھ دیر کے بعد وحی کی وہ حالت دور ہوئی اور ہنستے ہوئے جو لفظ آپ نے سب سے پہلے اپنے منہ سے نکالا وہ یہ تھا، عائشہؓ خوش ہوجا، اللہ نے تیری پاک دامنی کا اظہار کردیا، میری ماں نے کہا اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤں گی نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر کروں گی، اللہ نے میری پاکی ظاہر فرمائی ہے۔ (تفسیر مظہری)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے ابھی نہیں اُٹھے تھے اور گھر والوں میں بھی کوئی نہیں اُٹھا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے اُٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا ابشری یا عائشة اما اللّٰه فقد ابرأک یعنی اے عائشہؓ خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بَری کردیا۔ میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہوجاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو میں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوں گی میں اپنے رب کی شکرگزار ہوں کہ اُسی نے مجھے بَری فرمایا۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات

امام بغویؒ نے انہیں آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی (بطور تحدیث بالنعمۃ) ان چیزوں کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔

پہلی خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے جبرئیل امین ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ تمہاری زوجہ ہے (رواہ الترمذی عن عائشہ رضی اللہ عنہا) اور بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل امین اپنی ہتھیلی میں یہ صورت لے کر تشریف لائے تھے۔

دوسری خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

تیسری خصوصیت

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کی گود میں ہوئی۔

Marfat.com

چوتھی خصوصیت

بیتِ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی میں آپ مدفون ہوئے۔

پانچویں خصوصیت

آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی جبکہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

چھٹی خصوصیت

آسمان سے اُن کی براءت نازل ہوئی۔

ساتویں خصوصیت

وہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور ان میں سے ہیں جن سے دُنیا ہی میں مغفرت کا اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے۔ (مظہری)

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فقیہانہ اور عالمانہ تحقیقات اور فاضلانہ تقریر کو دیکھ کر حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ (رواہ الترمذی) (معارف مفتی اعظم)

اِفک کا معنی اور مطلب

اِفک، انتہائی درجہ کا جھوٹ، اِفک کا لغوی معنی ہے موڑ دینا، اُلٹ دینا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کو افک اس وجہ سے فرمایا کہ آپ اپنی پاک دامنی اور شرافتِ نفس کی وجہ سے تعریف اور دعا کی مستحق تھیں، صدیقِ اکبرؓ کی بیٹی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ مسلمانوں کی ماں تھیں ہر طرح کی تعظیم و تکریم آپ کی واجب تھی، پس اس کے برعکس جس نے آپ کے اوپر تہمت لگائی اس نے (گویا) حقیقت کو ہی اُلٹ دیا۔ یہ قلبِ حقیقت ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ
تمہیں میں ایک جماعت ہیں

طوفان اٹھانے والے

یعنی طوفان اُٹھانے والے خیر سے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ یا سچ اسلام کا نام لیتے اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ اُن میں سے چند آدمیوں نے مِل کر یہ سازش کی اور کچھ لوگ نادانستہ اُن کی عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے۔ تاہم خدا کا احسان ہے کہ جمہور مسلمان اُن کے جال میں نہیں پھنسے۔ (تفسیر عثمانی)

عُصْبَةٌ دس سے چالیس تک کے آدمیوں کی جماعت۔ اس کا کوئی واحد نہیں۔ کذافی النهاية مِنكُمْ یعنی مسلمانوں میں سے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں (ام المومنین) زینب بنت جحش کو ان کی دینداری کی وجہ سے اللہ نے (اس تہمت تراشی سے) بچائے رکھا، انہوں نے سوائے کلمۂ خیر کے اور کچھ نہیں کیا، لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئی (یعنی تہمت تراشی کرنے والوں کی ہمنوا بن گئی) یہ باتیں کرنے والے مسطح حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے۔ عبداللہ بن ابی ہی ایسی باتیں نکال کر لاتا اور جمع کرتا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے عروہ نے اہلِ اِفک میں صرف حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش کے نام دوسرے لوگوں کے ساتھ ذکر کیے، مجھے باقی لوگوں کے نام معلوم نہیں، اتنا ضرور معلوم ہے کہ ایک جماعت تھی جیسا کہ اللہ نے عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ فرمایا ہے (اور عصبہ دس سے کم کو نہیں کہتے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حسنِ خلق و مُروت

عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ کو پسند نہ تھا کہ آپ کے سامنے حضرت حسان کو بُرا کہا جائے آپ فرماتی تھیں حسان کا ہی تو یہ شعر ہے۔

فَاِنَّ اَبِیْ وَوَالِدَتِیْ وَعِرْضِیْ
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

(ترجمہ) میرے ماں باپ اور میری آبرو تم سے محمد کی آبرو کو بچانے والے ہیں۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر میرے والدین اور آبرو قربان۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ
تم اس کو نہ سمجھو بُرا اپنے حق میں بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں

الزام سے متاثرہ شخصیات کیلئے تسلی

یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لئے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُن کا گھرانا کہ ظاہر ہے وہ سخت غمزدہ اور پریشان تھے یعنی گو بظاہر یہ چرچا بہت مکروہ،

Marfat.com

رنجیدہ اور ناخوشگوار تھا۔ لیکن فی الحقیقت تمہارے لئے اس کی تہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔ آخر اتنی مُدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا خالی جا سکتا ہے۔ کیا یہ شرف تھوڑا ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تمہاری نزاہت و براءت اُتاری۔ اور دشمنوں کو رسوا کیا اور قیامت تک کے لئے تمہارا ذکر خیر قرآن پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کر دیا۔ اور مسلمانوں کو پیغمبر علیہ السلام کی ازواج واہل بیت کا حق پہچاننے کے لئے ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہو سکے۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلک. (تفسیر عثمانی)

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ
ہر آدمی کے لئے اُس میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا
وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ
اور جس نے اُٹھایا ہے اُس کا بڑا بوجھ اُس کے واسطے بڑا عذاب ہے

الزام تراشی کے فتنہ کے حصہ داروں کا گناہ

یعنی جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اُسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا۔ مثلاً بعض خوش ہو کر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بعض اظہارِ افسوس کے طرز میں بعض چھیڑ کر مجلس میں چرچا اُٹھا دیتے اور آپ خود چپکے سُنا کرتے۔ بعض سن کر تردد میں پڑ جاتے، بہت سے خاموش رہتے اور بہت سے سُن کر جھٹلا دیتے ان پچھلوں کو پسند فرمایا اور سب کو درجہ بدرجہ کم وبیش الزام دیا۔ اور بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے۔ یہ ہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور اُبھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب تو ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل ورسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت وخواری سے یاد کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کوڑوں کی سزا

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک (پر حدِ قذف جاری کی ہر ایک) کو اسی اسی کوڑے لگوائے میں کہتا ہوں سزائے تازیانہ اور دنیا میں رسوائی تو ان کی دنیوی سزا تھی اور آخرت میں جتنی سزا اللہ کو منظور ہو گی مل جائے گی۔

عبداللہ بن اُبی کی بکواس بازی

ابن ابی ملیکہ نے بروایت عروہ قصہ اِفک کے ذیل میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا، پھر میں سوار ہو گئی صفوان نے اونٹ کی مہار پکڑ لی (اور مہار پکڑے آگے آگے چلنے لگے) چلتے چلتے منافقوں کی ایک جماعت کی طرف سے ہمارا گذر ہوا منافقوں کا قاعدہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے عام) لشکر سے الگ اپنا پڑاؤ کرتے تھے (ان کی فرودگاہ عام مسلمانوں کی فرودگاہ سے الگ ہوتی تھی) منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی کہنے لگا یہ عورت کون ہے۔ ساتھیوں نے جواب دیا عائشہ ہے، عبداللہ بولا خدا کی قسم یہ اس سے نہیں بچی اور نہ وہ اس سے بچا، تمہارے نبی کی بیوی رات بھر ایک مرد کے ساتھ رہی۔ پھر صبح ہوئی تو وہ شخص آگے آگے چلنے لگا۔

آیت کی تفسیر میں ایک کمزور قول

بعض کا قول ہے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ سے چار شخص مراد ہیں، عبداللہ بن ابی بن سلول، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔ یہ قول کمزور ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کے بجائے وَالَّذِیْنَ تَوَلَّوْا (بصیغۂ جمع) ہوتا، اس کے علاوہ مسطح اور حسان تو بدری تھے، بدر میں شریک تھے اور شرکاء بدر کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف فرما دیئے ہیں (اس لئے ان پر آخرت میں عذابِ عظیم نہیں ہو سکتا)

اہل بدر کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بدر سے فرما دیا تھا جو چاہو کرو اللہ نے تم کو بخش دیا ہے۔ اللہ نے تمام (مخلص) صحابیوں کے متعلق فرمایا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی اور ہر ایک کے لئے اللہ نے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔ (اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ عذاب نہ ہو گا ممکن ہے عذاب کے بعد جنت میں داخلہ ہو) مسروق نے کہا، میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا حسان بن ثابت اُس وقت ام المومنین کے پاس موجود تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

حَصَانٌ وَّزَانٌ مَّاتُزَنُّ بِرِیْبَةٍ
وَتُصْبِحُ غُرْثٰی مِنْ لُّحُوْمِ الْغَوَافِلِ

(ترجمہ) وہ بڑی پاک دامن اور بڑی باوقار ہیں، کسی شبہ کی بات

Marfat.com

سے متہم نہیں کی جاسکتیں ان کا پیٹ بے خبر بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتیں)۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
کیونکہ نہ جب تم نے اُس کو سنا تھا خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں
بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾
نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا ہوتا یہ صریح طوفان ہے

ایک مسلمان کا طرز معاشرت

مسلمان کو چاہئے کہ اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے ساتھ حسن ظن رکھے اور جب سُنے کہ لوگ ایک نیک شخص پر یوں ہی رجما بالغیب بُری تہمتیں لگاتے ہیں تو اپنے میں ایسے خیالات کو راہ نہ دے بلکہ اُن کو جھٹلائے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی پیٹھ پیچھے بھائی مسلمان کی مدد کرے اللہ پیٹھ پیچھے اُس کی مدد کرے گا۔ بے تحقیق تہمتیں تراشنا ایمان سے بعید ہے۔ چاہئے کہ آدمی خود اپنی آبرو پر دوسروں کی آبرو کو قیاس کرلے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا کمال

جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قصہ "افک" میں کیا۔ ایک روز اُن کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ایسا کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں۔ کیا ایسا کام تو کرسکتی ہے؟ بولی ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (صدیقؓ کی بیٹی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی) عائشہ صدیقہؓ تجھ سے کہیں بڑھ کر پاک وصاف اور طاہر ومطہر ہیں، اُن کی نسبت بے وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کے آخری جملے وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تقاضا ایمان کا یہ تھا کہ مسلمان اس خبر کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کے بارے میں جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم کسی دلیلِ شرعی سے نہ ہوجائے اُس وقت تک اُس کے ساتھ نیک گمان رکھنا اور بلا کسی دلیل کے عیب وگناہ کی بات اُس کی طرف منسوب کرنے کو جھوٹ قرار دینا عین تقاضائے ایمان ہے۔

بلا دلیل مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں ہے

اس سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان مرد وعورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیلِ شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہوجائے۔ اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اُس پر الزام لگاتا ہے اُس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلا وجہ رُسوا کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم اور ضروری تنبیہ

مذکورہ دونوں آیتوں میں ہر مسلمان کو دوسرے مسلمانوں سے حُسنِ ظن رکھنے کی ہدایت اور اس کے خلاف بے دلیل باتوں کی تردید کو واجب قرار دیا ہے اس پر کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس خبر کے غلط ہونے پر یقین کیوں نہ فرمایا اور اس خبر کی تردید کیوں نہ کردی اور ایک مہینہ تک تردد کی حالت میں کیوں رہے یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہو تو توبہ کرلینا چاہئے۔ (کما رواہ البخاری)

وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر حُسنِ ظن رکھنے کا جو حکم ہے وہ اس تردد کے منافی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا۔ کیونکہ آپ نے اس خبر کی نہ تصدیق فرمائی اور نہ اس کے مقتضیٰ پر کوئی عمل فرمایا نہ اس کا چرچا کرنا پسند فرمایا بلکہ صحابہؓ کرام کے مجمع میں یہی فرمایا کہ ماعلمت علیٰ اھلی الاخیرا. رواہ البخاری۔ یعنی میں اپنی اہلیہ کے بارہ میں بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ یہ سب انہیں آیات مذکورہ کے مقتضیٰ پر عمل اور حُسنِ ظن رکھنے کے شواہد ہیں۔ البتہ قطعی اور یقینی علم جس سے طبعی تردد (بھی رفع ہو جاوے وہ اس وقت ہوا جب آیات براءت نازل ہوگئیں۔

ہر مسلمان کو گناہوں سے پاک صاف سمجھنا اصل شرعی ہے جو دلیل سے ثابت ہے اسکے خلاف جو بات بغیر دلیل کے کہی جائے اس کو جھوٹا سمجھنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ ایک مؤمن مسلمان پر بغیر کسی دلیل شرعی کے الزام لگایا گیا ہے لہٰذا یہ بہتان ہے۔

انسدادِ فواحش کا قرآنی نظام

قرآن حکیم نے فواحش کے انسداد کا یہ خاص نظام بنایا ہے کہ اول تو اس قسم کی خبر کہیں مشہور نہ ہونے پاوے اور شہرت ہو تو ثبوتِ شرعی کے ساتھ ہوتا کہ اس شہرت کے ساتھ ہی مجمع عام میں حدِ زنا اُس پر جاری کرکے اُس شہرت ہی کو سبب انسداد بنا دیا جائے۔ اور جہاں ثبوتِ شرعی نہ ہو وہاں اس طرح کی بے حیائی کی خبروں کو چلتا کردینا اور شہرت دینا جبکہ اس کے ساتھ کوئی سزا نہیں طبعی طور پر لوگوں کے دلوں سے بے

Marfat.com

حیائی اور فواحش کی نفرت کم کر دینے اور جرائم پر اقدام کرنے کا موجب ہوتی ہے جس کا مشاہدہ آج کل کے اخبارات میں روزانہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی خبریں ہر روز ہر اخبار میں نشر ہوتی رہتی ہیں، نوجوان مرد اور عورتیں اُن کو دیکھتے رہتے ہیں روزانہ ایسی خبروں کے سامنے آنے اور اُس پر کسی خاص سزا کے مرتب نہ ہونے کا لازمی اور طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ دیکھتے دیکھتے وہ فعلِ خبیث نظروں میں ہلکا نظر آنے لگتا ہے اور پھر نفس میں ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے اسی لئے قرآنِ حکیم نے ایسی خبروں کی تشہیر کی اجازت صرف اُس صورت میں دی ہے جبکہ وہ ثبوت شرعی کے ساتھ ہو اُس کے نتیجہ میں خبر کے ساتھ ہی اس بے حیائی کی ہولناک پاداش بھی دیکھنے سُننے والوں کے سامنے آجائے۔ اور جہاں ثبوت اور سزا نہ ہو تو ایسی خبروں کی اشاعت کو قرآن نے مسلمانوں میں فواحش پھیلانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ کاش مسلمان اس پر غور کریں۔ (مفتی اعظم)

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا

کیونکہ نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے

بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

شاہد تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے

بغیر ثبوت الزام اٹھانا غلط ہے

یعنی اللہ کے حکم اور اُس کی شریعت کے موافق وہ لوگ جھوٹے قرار دیئے گئے ہیں۔ جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کر سکیں۔ اور بدون کافی ثبوت کے ایسی سنگین بات زبان سے بکتے پھریں۔ (تفسیر عثمانی)

اگر کوئی کسی پر زنا کا الزام قائم کرے اور اتنے گواہ بھی پیش کر دے جو زنا کی سزا جاری کرنے کے لئے کافی ہوں تو ممکن ہو اس کی نیت بخیر ہو وہ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہو لیکن ضروری شہادت پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں کسی پر زنا کا الزام لگانے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ایک مسلمان کو بدنام کرنا چاہتا ہے حدِ شرعی قائم کرانا نہیں چاہتا اس حالت میں اگر وہ شرعی سزا قائم کرانے کی نیت کا دعویٰ کرتا ہے تو عنداللہ جھوٹا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا

وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اور آخرت میں تو تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی

اللہ کے فضل نے بچالیا

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو پیغمبر کے طفیل دنیا کے عذابوں سے بچایا ہے۔ نہیں تو یہ بات قابل تھی عذاب کے۔ (موضح القرآن) نیز تم میں سے مخلصین کو توبہ کی توفیق دے کر خطا معاف کر دی ورنہ منافقین کی طرح وہ بھی قیامت کے دن عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

یعنی اے مسلمانو! اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا اور دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں وہ اپنی رحمت سے نہ دیتا (منجملہ دوسری نعمتوں کے ایک اسلام کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر آجانا بھی ہے جس کی وجہ سے عذاب کے نزول میں رکاوٹ ہوئی اور توبہ کا وقت مل گیا) اور آخرت میں اللہ کی رحمت تم پر نہ ہوتی (کہ اس نے عفو و درگزر اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرما لیا ہے) تو جس نازیبا اور پُر معصیت مشغلہ میں تم گھس گئے تھے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں تم پر بڑا عذاب آجاتا۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ

جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو

لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اُس کو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی ہے

جرم کی سنگینی

یعنی عذاب عظیم کے مستحق کیوں نہ ہوتے جبکہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کر رہے تھے۔ اور زبان سے وہ اٹکل پچو باتیں نکالتے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی پھر اصل یہ ہے کہ ایسی سخت بات کو (یعنی کسی محصنہ خصوصاً پیغمبر علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی والدہ کو متہم کرنا) جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا، یہ اصل جرم سے بھی بڑا جرم تھا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام نیکیوں کا مدار

حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ

Marfat.com

!مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا تم نے بڑی بات دریافت کی لیکن جن کے لئے اللہ آسان کر دے اس کے لئے آسان بھی ہے اللہ کی عبادت کرو۔ کسی چیز کو اس کے ساتھ (الوہیت وربوبیت میں) ساجھی نہ بناؤ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، کعبے کا حج کرو۔ آخر میں فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتا دوں، (یاد رکھو) روزہ (عذاب سے بچنے کی) سپر ہے، خیرات گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کے جوف (وسط) میں نماز پڑھنا (بھی گناہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے) پھر آپ نے آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ـــــ يَعْمَلُوْنَ ۝ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں (دینی) امور کا سر اور ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں، اسلام اس کا سر ہے، نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کے کوہان کی چوٹی ہے، پھر فرمایا، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جس پر ان سب کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا ضرور فرمایئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو روکے رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، فرمایا، معاذ! تجھ پر تیری ماں روئے زبانوں کے نتائج ہی تو لوگوں کو اُوندھے منہ دوزخ میں گرائیں گے (یعنی باتوں کی کھیتی دوزخ کی شکل میں کٹ کر سامنے آئے گی) رواہ احمد، والترمذی وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ
اور کیوں نہ جب تم نے اُس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں
نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝
یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان۔

تہمت کی بات سنتے ہی انکار کیوں نہ کیا

یعنی اول تو حُسنِ ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گزرنے پائے۔ جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی کے دل میں کوئی بُرا وسوسہ گزرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔ چاہئے کہ اُس وقت مومن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور صاف کہہ دے کہ ایسی بے سر و پا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا اے اللہ تو پاک ہے۔ کس طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں۔ بھلا جس پاکباز خاتون کو تو نے سید الانبیاء اور راس المتقین کی زوجیت کے لئے چُنا کیا وہ (معاذ اللہ) خود بے آبرو ہو کر پیغمبر کی آبرو کو بٹہ لگائے گی (حاشا ہاثم حاشا) ہو نہ ہو دشمنوں نے ایک بے قصور پر بہتان باندھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ بات کہنی بھی جائز نہیں اے اللہ تو پاک ہے (تیرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی پاک ہے) یہ بڑا بہتان ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کیلئے ایسی بات کیوں کہی گئی

مَا يَكُوْنُ لَنَآ یعنی ہمارے لئے جائز نہیں، سزاوار نہیں کہ یہ بات یا اس قسم کی باتیں کہیں، صدیق اکبر کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کے متعلق ایسی بات کہنی تو سچے مسلمانوں کے لئے بہت ہی شاق تھی ویسے بھی کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانی فاسق بنا دیتی ہے آئندہ ایسے شخص کی شہادت قابلِ پذیرائی نہیں رہتی اور تہمت تراش مستحق سزا ہو جاتا ہے۔

سُبْحٰنَكَ یعنی اے اللہ تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے نبی کی بیوی زانیہ ہو، کیونکہ بیوی کی زنا کاری تو شوہر کی آبرو کو تباہ کر دیتی ہے۔ نبی لوگوں کو دعوتِ اصلاح دیتا ہے۔

یہ بہت بڑا بہتان تھا

هٰذَا بُهْتَانٌ یعنی یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ سننے والا اس کو سُن کر حیران رہ جاتا ہے جس پر دروغ بندی کی جا رہی ہے اس کی عظمتِ شان اور پھر اس کی طرف ایسی ذلیل حرکت کی نسبت سننے والے کو متحیر بنا دیتی ہے جس پر دروغ تراشی کی جاتی ہے اس کے مرتبے کے موافق تہمت (کے ہلکے بھاری ہونے) کا اندازہ قائم کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر تم ایمان رکھتے ہو

خبردار! آئندہ ایسا نہ ہو

یعنی مومنین کو پوری طرح چوکس اور ہشیار رہنا چاہیے۔ بد باطن منافقین کے چکموں میں کبھی نہ آئیں۔ ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کی عظمتِ شان کو ملحوظ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ کہ ایسی حرکت دوبارہ پھر کبھی نہ کرنا۔ وعظ کا معنی ہے ایسی باز داشت جس میں خوف بھی دلایا گیا ہو۔ خلیل نے کہا وعظ کا معنی ہے اس طور پر خیر کی یاد دہانی کرنا کہ دلوں میں رقت پیدا ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اپنا عذاب یاد دلاتا اور سزا سے ڈراتا ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو تنبیہ کرتا ہے اور ڈراتا ہے کیونکہ اس کو تمہارا پھر ایسا کرنا پسند نہیں ہے۔

مجاہد نے یَعِظُکُم کا ترجمہ کیا تم کو منع کرتا ہے دوبارہ ایسی حرکت کرنے سے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم مومن ہو تو نصیحت مانو، ایسی حرکت پھر کبھی نہ کرنا یہ حرکت تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔

جو شیعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو متہم کرتے ہیں وہ مومن نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾
اور کھولتا ہے اللہ تمہارے واسطے پتے کی باتیں اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا ہے

اللہ کی طرف سے راہنمائی

یعنی پتہ اس کا کہ یہ طوفان اُٹھایا کس نے معلوم ہوا کہ منافقین نے جو ہمیشہ چھپے دشمن تھے۔ اگلی آیت میں پتہ بتلا دیا۔ (کذا فی الموضح) عموماً مفسرین نے آیات سے مراد احکام، نصائح، حدود اور قبول توبہ وغیرہ کے مضامین لئے ہیں۔ اس وقت صفات علم و حکمت کے ذکر سے یہ غرض ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کی ندامت قلبی کا حال خوب جانتا ہے۔ اس لئے توبہ قبول کی اور چونکہ حکیم مطلق ہے اس لئے نہایت حکمت و دانائی کے ساتھ تمہاری سیاست کی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ایمان والوں میں

بدکاری کی خبروں کا چرچا کرنے والے

یعنی بدکاری پھیلے یا بدکاری کی خبریں پھیلیں۔ یہ چاہنے والے منافقین تھے لیکن اُن کا تذکرہ کر کے مومنین کو بھی متنبہ فرما دیا کہ اگر فرض کرو کسی کے دل میں ایک بُری بات کا خطرہ گزرا اور بے پروائی سے کوئی لفظ زبان سے بھی کہہ گزرا تو چاہیے کہ اب ایسی مہمل بات کا چرچا کرتا نہ پھرے۔ اگر خواہی نہ خواہی کسی مومن کی آبروریزی کرے گا تو خوب سمجھ لے کہ اُس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔ حق تعالیٰ اُسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔ کما فی حدیث احمد رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
اُن کے لئے عذاب ہے دردناک دنیا اور آخرت میں

دنیا میں حد قذف، رسوائی اور قسم قسم کی سزائیں اور آخرت میں دوزخ کی سزا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾
اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

اللہ جانتا ہے کس کا کتنا جرم ہے

یعنی ایسے فتنہ پردازوں کو خدا خوب جانتا ہے گو تم نہ جانتے ہو۔ اور یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ کس کا جُرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔

(تنبیہ) حُب شیوع فاحشہ، حسد و کینہ وغیرہ کی طرح اعمال قلبیہ میں سے ہے۔ مراتب قصد میں سے نہیں۔ اس لئے اس پر ماخوذ ہونے میں اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ فتنبہ لہٗ۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ اور (اے لوگو!) تم نہیں جانتے۔ اس لئے تم کو تو ظاہری امور کا اتباع کرنا چاہیے تھا، اگر الزامِ زنا کے ریزی اس کا مقصد نہیں وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم کرانا اور زمین سے بگاڑ کو دور کرنا چاہتا ہے، لیکن اگر شرعی گواہ نہ ہوں تو الزامِ زنا لگانے والا اچھی نیت نہیں رکھتا۔ حدودِ الٰہیہ کو قائم نہیں کرا سکتا۔ مسلمانوں کی آبروریزی کرنا اس کا مقصد ہے اس لئے حد قذف اس پر جاری کرو۔ خواہ واقع میں سچا ہو حقیقت خدا جانے۔ اللہ کے حکم کے بموجب وہ جھوٹا ہے تم ظاہری احکام کے پابند ہو اللہ نے ایسے لوگوں کو بہتان تراش کہا، اور تہمت تراشی کی سزا مقرر کر دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت
وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع
اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا ہے مہربان تو کیا کچھ نہ ہوتا

Marfat.com

اللہ کی مہربانی سے فتنہ ختم ہوا

یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نذر ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت اور شفقت و مہربانی سے تم میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حدِ شرعی جاری کر کے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے اُن کو ایک گونہ مہلت دی۔ (تفسیر عثمانی)

یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے حضرت عائشہ کے قصہ میں کچھ دخل اندازی کی تھی۔ شرط کی جزاء محذوف ہے، یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو دنیا میں ایسا عذاب تم پر نازل کرتا کہ تمہاری بیخ و بُن اُکھڑ جاتی اور آخرت میں تم کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیتا۔

اللہ نے اس آیت میں دوبارہ عذاب سے ڈرایا ہے اور اپنی رحمت کا تذکرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ بڑا اہم اور جرم بہت سنگین تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ الخ میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مراد ہیں اور لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ سے مراد ہے دنیا میں حدِ قذف اور آخرت میں دوامی دوزخ اور وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ میں مراد ہیں حسان، اور مسطح اور حمنہ۔ (تفسیر مظہری)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ
اے ایمان والو نہ چلو قدموں پر شیطان کے
وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّہٗ
اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے سو وہ تو
یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ
یہی بتلائے گا بے حیائی اور بُری بات

شیطانی چالوں سے ہوشیار رہو

یعنی شیطان کی چالوں سے ہشیار رہا کرو۔ مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ اُن ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور بُرائی کی طرف لے جائیں تم جان بوجھ کر کیوں اُن کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھ لو شیطان نے ذرا سا چرکہ لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اُس کے قدم پر چل پڑے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَا زَکٰی
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ سنورتا
مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ
تم میں ایک شخص بھی کبھی اور لیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے
وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾
اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

اللہ نے شیطان کو ناکام کر دیا

یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا۔ یہ تو خدا کا فضل اور اُس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اُسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہ ہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ
اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے
اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ
اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۖ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ
اللہ کی راہ میں اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے
اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲﴾
کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان

احسان و مروت کی تعلیم ..... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا معاملہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طوفان اُٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے۔ اُن میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں قصہ ''افک'' سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ اُن کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہؓ کی براءت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں اُن کا ظرف بہت بڑا اور اُن کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ بڑی جوانمردی تو یہ ہی ہے کہ بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دست کش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اُس کا کفارہ ادا کر دو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے در گزر کرے گا۔ کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگزر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہ ہی خُو اختیار کرنی چاہئے۔ گویا اس میں ''تخلق باخلاقِ اللّٰہ'' کی تعلیم ہوئی۔

احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب سُنا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے تو فوراً بول اُٹھے۔ بَلٰی یَارَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ (بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرما دی، بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی۔ رضی اللہ عنہ (تفسیر عثمانی)

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (اے فضیلت اور دولت والو) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ (تمہارے درگزر کرنے اور حسن سلوک کرنے اور معاف کر دینے کے بدلے میں) تمہارے قصور معاف کر دے۔ یعنی تم سے بھی تو اللہ کے حقوق ادا نہیں ہوتے تو کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری کوتاہیوں کو معاف کر دے تم پر اللہ کی نعمتیں اور حقوق بہت زیادہ ہیں اور وہ بدلہ لینے پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے اس کے باوجود وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے اندر اللہ کی یہ پسندیدہ صفت پیدا کرو۔

شیخین وغیرہ کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں تو دل سے خواستگار ہوں کہ اللہ میرے قصور بخش دے۔ اس کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت مسطح کے مصارف جاری کر دیئے اور فرمایا واللہ! آئندہ کبھی میں یہ مصارف نہیں روکوں گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلۂ رحم جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو برابر کا بدلہ لے لے بلکہ واصل رحم وہ شخص ہے کہ اگر کوئی تم سے اپنا رشتہ توڑے تو تم اس کو جوڑے رکھو۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس اور ضحاک کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر اور دوسرے چند صحابیوں نے قسم کھائی تھی کہ جن لوگوں نے اس بُہتان تراشی میں حصہ لیا ہے ان کو کچھ نہیں دیں گے اس پر آیت مذکور کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم تنبیہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے قضیہ میں جو بعض مسلمان بھی شریک ہو گئے تھے یہ قضیہ اس وقت کا تھا جب تک آیات براءت قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھیں۔ آیات براءت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے وہ بلاشبہ کافر منکر قرآن ہے جیسا کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں اُن کے کافر ہونے میں کوئی شک و شبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں وہ باجماعِ اُمت کافر ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ
جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں بے خبر ایمان والیوں کو
لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝
ان کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے ہے بڑا عذاب

پاکدامن خواتین پر تہمت گناہِ کبیرہ ہے

صحیحین کی حدیث میں ہے۔ '' اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الموبقات الشِرکَ بِاللّٰہِ وَقَتْلَ النَّفْسِ الَّتِی حَرَّمَ اللّٰہِ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَکْلَ الرِّبٰوا وَاَکْلَ مَالِ الْیَتِیم وَالتَّولیّ یَومَ الزَّحْف وَقَذْف الْمُحصَنَات المومِنَاتِ الغَافِلاَتِ '' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قذف محصنات مطلقاً مہلکات میں سے ہے۔

ازواج مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگانا کفر ہے

پھر ان میں سے بھی ازواج مطہرات بالخصوص اُم المومنین حضرت

Marfat.com

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قذف تو کس درجہ کا گناہ ہوگا، علماء نے تصریح کی ہے کہ اِن آیات کے نزول کے بعد جو شخص عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر، مکذب قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور طبرانی کی ایک حدیث میں ہے۔ "قَذْفُ الْمُحصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مَائَةِ سَنَةٍ" (محصنہ پر تہمت لگانا سَو برس کے عمل کو ڈھا دیتا ہے)۔ العیاذ باللّٰہ. (تفسیر عثمانی)

عوام بن حوشب نے قبیلہ بنی کاہل کے ایک شیخ کے حوالہ سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت مذکورہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری امہات المومنین کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی اس میں توبہ کا ذکر نہیں ہے اور اگر کوئی کسی دوسری مومن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اس کے لئے اللہ نے توبہ کی گنجائش رکھی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ـــــ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا الخ تلاوت کی اور فرمایا ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر کیا گیا اور (آیت مذکورہ بالا میں) اُن لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح طبرانی نے ضحاک بن مزاحم کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول صرف امہات المومنین کے حق میں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ
جس دن کہ ظاہر کر دیں گی اُن کی زبانیں اور ہاتھ
وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾
اور پاؤں جو کچھ وہ کرتے تھے

قیامت کے دن مجرم کی رسوائی

یعنی مجرم منہ سے بولنا اور ظاہر کرنا نہ چاہے گا۔ مگر خود زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور اُن میں سے ہر عضو اُس عمل کو ظاہر کرے گا جو اُس کے ذریعہ سے کیا گیا تھا (لطیفہ) قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی اور چار گواہوں کا اس سے مطالبہ تھا جو پورا نہ کر سکا۔ اُس کے بالمقابل یہاں یہی پانچ چیزیں ذکر ہوئیں۔ ایک زبان جو قذف کا اصلی آلہ ہے اور چار ہاتھ پاؤں جو اس کی شرارت کے گواہ ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمن کی پردہ پوشی اور کافر کی رسوائی

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کے لئے مومن کو طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے کئے ہوئے وہ اعمال اسکے سامنے لائے گا جو بندے اور رب کے درمیان تھے، یعنی حقوق اللہ سے تعلق رکھنے والے اعمال جن سے بندہ واقف ہوگا اور اس کا رب بندے کے سامنے لائے جائیں گے مؤمن ان کا اقرار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے یہ کئے تھے میں نے یہ کئے تھے، اقرار کرانے کے بعد اللہ ان پر پردہ ڈال دے گا اور معاف فرما دے گا، وہ گناہ اس طرح چھپا دیئے جائیں گے کہ روئے زمین پر کوئی مخلوق اس کو نہ دیکھ سکے گی ہاں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں نمایاں ہوں گی سارے لوگ اس کی نیکیاں دیکھیں گے اور باہم بیان کریں گے۔ منافق کو جب حساب کے لئے طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے عمل اس کے سامنے لائے گا تو وہ انکار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں نے یہ کام نہیں کئے وہ کئے کام فرشتے نے مجھ پر لکھ دیئے ہیں۔ فرشتہ کہے گا کیا تو نے فلاں دن فلاں جگہ یہ کام نہیں کیا تھا۔ منافق کہے گا قسم ہے عزت رب کی میں نے نہیں کئے اس وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اعضاء شہادت دیں گے) حضرت ابو موسیٰ نے کہا میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی، پھر ابو موسیٰ نے آیت اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ الخ تلاوت کی۔

ابو یعلی اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے)

زبان پر مہر اور مختلف اعضاء کی گواہی

احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس روز منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس روز انسان کی سب سے پہلی ہڈی جو کلام کرے گی وہ اس کی بائیں ران کی ہوگی۔ احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی حضرت معاویہ بن جیدہ کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (منافق) لوگ اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے مُونہوں پر دہانے چڑھے ہوں گے (کہ منہ بند ہوں گے بول نہ سکیں گے) سب سے پہلے آدمی کی ران اور ہتھیلی کلام کرے گی۔ مسلم نے رؤیت باری تعالیٰ کے باب میں

Marfat.com

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ آدمی کے عمل (کی شہادت دینے کے لئے) اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈی بولے گی اور یہ شخص منافق ہوگا جس پر اللہ کا غضب ہوگا۔

منہ پر مہر لگانے کا یہ مطلب ہے کہ خود اپنے ارادے سے وہ منہ سے بول نہ سکیں گے (اپنی مرضی کے مطابق زبانوں سے کلام نہ کرسکیں گے) یہ مطلب نہیں کہ ان کے ارادے کے خلاف بھی ان کی زبانوں سے کوئی لفظ نکل نہ سکے گا (اور گویائی کی قوت سلب ہو جائے گی)

قرطبی نے لکھا ہے جسمانی اعضاء ان لوگوں کے خلاف شہادت دیں گے جو اعمال ناموں کی تحریر کے منکر ہوں گے (اور اعمال نامہ کے اندراج کو غلط بتائیں گے، اور جھگڑا کریں گے۔ ایسے لوگوں کے خلاف اعضائے جسم شہادت دیں گے۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر گذشتہ آیات کا نزول عبداللہ بن ابی کے لئے مانا جائے گا جیسا کہ قتادہ کا خیال ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ
اُس دن پوری دے گا ان کو اللہ اُن کی سزا جو چاہئے اور جان لیں گے
اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾
کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا

رتی رتی عمل سامنے آئے گا

جو رتی رتی عمل کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جس کا حساب بالکل صاف ہے اس کے ہاں کسی طرح کا ظلم و تعدی نہیں۔ یہ مضمون قیامت کے دن سب کو مکشوف و مشہود ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ
گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے
وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ
اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے

بروں کیلئے برے اچھوں کیلئے اچھے

یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں۔ اسی طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو۔ پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک بدکاروں سے کیا مطلب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوتی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتا ہے نقلہ فی موضح القرآن۔ (تنبیہ) آیت کا یہ مطلب تو ترجمہ کے موافق ہوا۔ مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ "اَلْخَبِيْثٰتُ" اور "اَلطَّيِّبَاتُ" سے یہاں عورتیں مراد نہیں بلکہ اقوال و کلمات مراد ہیں یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق ہیں۔ اور ستھری باتیں ستھرے آدمیوں کے۔ پاکباز اور ستھرے مرد و عورت ایسی گندی تہمتوں سے بَری ہوتے ہیں جیسا کہ آگے "اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ" سے ظاہر ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ گندی باتیں گندوں کی زبان سے نکلا کرتی ہیں۔ تو جنہوں نے کسی پاکباز کی نسبت گندی بات کہی، سمجھ لو کہ وہ خود گندے ہیں (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت

ابن زید نے کہا، خبیثات سے گندی عورتیں اور خبیثین سے گندے مرد مراد ہیں یعنی اکثر گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہوتے ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا پاک ہیں، اس لئے اللہ نے ان کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان جیسے لوگ ان افتراء پردازوں کی الزام تراشی سے پاک ہیں۔ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا پاک نہ ہوتیں تو پاک رسول کی بیوی بننے کی اہل نہ ہوتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جنتی ہیں

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کو ناپسند ہے کہ میں سوائے جنتی (عورت) کے کسی اور سے نکاح کروں۔ رواہ ابن عساکر۔

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ
وہ لوگ بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں

یعنی ستھرے آدمی اُن باتوں سے بَری ہیں جو یہ گندے لوگ بکتے پھرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾
اُن کے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی

Marfat.com

یعنی بُرا کہنے سے وہ بُرے نہیں ہو جاتے، بلکہ جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو یہ چیز اُن کی خطاؤں یا لغزشوں کا کفارہ بنتی ہے۔ اور یہاں مفسد لوگ جس قدر اُن کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں وہاں اُس کے بدلہ میں عزت کی روزی ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن مجید کی ان آیات سے جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عنداللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی وہ روزِ روشن سے زیادہ واضح ہے حق جل شانہٗ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بد باطن عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائے تو با تفاق علماء امت وہ کافر ہے اور عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو مریم صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا ہے۔ حضرت مسروق (جو کبار علماء تابعین میں سے ہیں) ان کی یہ عادت تھی جب وہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے تو یوں کہتے کہ مجھ سے صدیقہ بنت صدیق، حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُبَرَّأۃٌ من السماء نے اس طرح بیان کیا۔

(نکتہ) خاتمہ پر اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ بصیغۂ جمع ذکر فرمایا سو اس عموم میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ حکم فقط عائشہ صدیقہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہی حکم تمام ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) (معارف القرآن کاندھلوی)

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ان کے (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان جیسے لوگوں کے) لئے (گناہوں کی) مغفرت ہے اور عزت والا رزق یعنی جنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مایۂ ناز خصوصیتیں

بغوی نے لکھا ہے کہ روایت میں آیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چند باتوں پر ناز کرتی تھیں جو آپ ہی کو عطا کی گئی تھیں، کسی اور عورت کو نہیں دی گئیں۔

(۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ایک ریشمی کپڑے میں (لپیٹ کر) لائے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔

میں کہتا ہوں ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر اپنے ہاتھ میں لائے تھے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی اور ناکتخدا (دوشیزہ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی نہیں کی۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضورِ والا کا سر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مبارک دفن کیا گیا۔

(۵) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک چادر میں ہوتے تو (کبھی اسی حالت میں) وحی آ جاتی (اور کسی بیوی کو یہ شرف حاصل نہیں تھا)

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کی صراحت آسمان سے نازل ہوئی۔

(۷) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (اول) خلیفہ کی صاحبزادی ہیں۔

(۸) آپ صدیقہ طاہرہ تھی۔

(۹) آپ سے مغفرت اور رزق کریم عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔

صدیق کی بیٹی صدیقہ

مسروق اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یہ الفاظ کہتے، مجھ سے بیان کیا صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی تھیں اور جن کی پاک دامنی آسمان سے نازل کی گئی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص عظمت

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر پورے قرآن میں تلاش کیا جائے تو کسی کے لئے کوئی وعید اتنی سخت نہیں نازل ہوئی۔ جتنی حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تجھے (یعنی تیری صورت کو) تین رات برابر خواب میں میری نظر کے سامنے لایا گیا، فرشتہ ایک ریشمی کپڑے میں تجھے لاتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے، میں نے تیرے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو وہ تیری ہی صورت تھی، میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا کر دے گا۔

جبریل علیہ السلام کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں

Marfat.com

تم کو سلام کر رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ نظر آتا تھا جو میں نہیں دیکھتی تھی۔

تمام ازواج مطہرات پر فضیلت

یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ لوگ قصداً عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ہدیے بھیجتے تھے (باری کی اس تعیین سے) ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے دو گروہ (جدا جدا) ہو گئے تھے۔ ایک گروہ عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ کا تھا اور دوسرا گروہ ام سلمہ اور باقی بیویوں کا تھا۔ ایک روز ام سلمہ کی ساتھ والی بیویوں نے ام سلمہ سے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ آپ لوگوں سے فرما دیں کہ اگر کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجنا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بیوی کے گھر ہوں وہیں بھیج دیں (عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری ہی کی تخصیص نہ رکھیں) چنانچہ ام سلمہ نے (بیویوں کا قول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں مت ستاؤ۔ سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور کسی عورت کی چادر میں (اگر میں موجود ہوتا ہوں تو) میرے پاس وحی نہیں آتی۔ ام سلمہ نے کہا میں اللہ کے رسول کو ایذا دینے سے اللہ سے توبہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد بیویوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اسی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور (سیدہ) فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کے سلسلے میں گذارش کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹا! کیا تجھے وہ بات ناپسند ہے جو مجھے پسند ہے۔ سیدہ نے کہا کیوں نہیں (پسند ہے)۔ فرمایا تو تو بھی اس سے محبت کر۔ (متفق علیہ)

تمام عورتوں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (ایک خاص قسم کا کھانا) کی فضیلت اور کھانوں پر۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا۔ صحابہ کو جب کسی حدیث (کے سمجھنے) میں کوئی دشواری ہوتی تو ہم جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے تو اس کا علم ہم کو ان کے پاس ملتا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بلاغت وسلاست

حضرت موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ سلیس بیان والا کسی کو نہیں پایا۔ (رواہ الترمذی)

چار شخصیتوں کی براءت

بیضاوی نے لکھا ہے، اللہ نے چار شخصوں کو چار کے ذریعہ سے پاک (یعنی تہمت سے براءت) عنایت کر دی۔

(۱) یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے ایک گھر والے (بچہ) کی شہادت کی وجہ سے۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی تہمت سے اس پتھر کے ذریعہ جو آپ کے کپڑے لے بھاگا تھا۔

(۳) مریم علیہا السلام کو انہی کے بچے (عیسیٰؑ) کی شہادت کی وجہ سے

(۴) عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان مذکورہ آیات کے ذریعے سے اور مختلف پرزور طریقوں سے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا اظہار اتنی موکد عبارتوں میں محض منصب رسول کی عظمت کو بیان کرنے اور آپ کے مرتبے کو بالا اور اعلیٰ بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمتِ وشان کا اظہار بھی مقصود ہے (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ
اے ایمان والو مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوائے
حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ
جب تک بول چال نہ کر لو، اور سلام کر لو اُن گھر والوں پر یہ
خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷
بہتر ہے تمہارے حق میں تاکہ تم یاد رکھو

کسی کے ہاں جانے کے آداب

یعنی خاص اپنے ہی رہنے کا جو گھر ہو اس کے سوا کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یوں ہی بے خبر نہ گھس جائے کیا جانے وہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہذا اندر جانے سے

Marfat.com

پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور سب سے بہتر آواز سلام کی، حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے ۔اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ مگر افسوس آج مسلمان اُن مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں اُن ہی سے سیکھ کر ترقی کر رہی ہیں (ربط) شروع سورت سے احکام زنا وقذف وغیرہ کے بیان ہوئے تھے۔ چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی کے گھر میں چلا جانا ان امور کی طرف مفضی ہو جاتا ہے اس لئے ان آیات میں مسائل استئذان کو بیان فرما دیا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

ابنِ جریر نے حضرت عدی بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری عورت نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ! میں اپنے گھر کے اندر (بعض وقت) ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس حالت میں کوئی مجھے دیکھے، لیکن گھر کے آدمیوں سے کوئی (نہ کوئی) آدمی (بے روک ٹوک) اندر آ جاتا ہے اور اس حالت میں مجھے دیکھ لیتا ہے، میں کیا کروں۔ اس سوال پر آیتِ ذیل کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

استیناس کا مطلب

ابن ابی حاتم نے کہا کہ حضرت ابو ایوب کے بھتیجے حضرت ابو سودہ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس (طلب انس) کا کیا مطلب ہے، فرمایا (استیناس یہ ہے کہ) آدمی (باہر ہی رہ کر) سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور الحمد للہ کہے اور کھنکھارے (تا کہ گھر والے کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے) پھر اہلِ خانہ اجازت دے دے۔ (تو اندر داخل ہو جائے)

قاموس میں ہے اُنس، ضد وحشت (کو کہتے ہیں) آنَسَ الشَّیْءَ کسی چیز کو دیکھا جانا، احساس کیا آنسَ الصوت آواز کو سُنا، خلیل نے کہا استیناس کا معنی دیکھنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

تُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا یعنی گھر والوں کو السلام علیکم کہو۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹے ! جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو انہیں سلام کر تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت حاصل ہوگی۔ (رواہ الترمذی)

سلام کے بغیر داخلہ کی اجازت نہ دو

حضرت کلدہ بن حنبل کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچا، نہ اجازتِ داخلہ مانگی نہ سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور واپس جا کر کہو السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں (رواہ ابوداود والترمذی)

حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پہلے سلام نہ کیا ہو اس کو (داخلے کی) اجازت نہ دو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

بغوی نے لکھا ہے ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے داخلہ کی اجازت طلب کی اور کہا کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا، نہیں ایک شخص نے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اجازتِ داخلہ طلب کر۔ حسبِ مشورہ اس نے سلام کیا پھر اجازت طلب کی حضرت ابن عمر نے اجازتِ داخلہ دے دی۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو (کیونکہ اُس نے مسنون طریقہ کو چھوڑ دیا) (روح المعانی) اور ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح استیذان کیا کہ باہر سے کہا اَاَلِج کیا میں گھُس جاؤں۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا باہر جا کر اس کو طریقہ سکھلاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم اَاَدخل یعنی کیا میں داخل ہو سکتا ہوں۔ ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اُس نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات سُن لئے اور اس طرح کہا السلام علیکم اَاَ دخل تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی (ابن کثیر) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتاذنوا لمن لم یبدأ بالسلام یعنی جو شخص پہلے سلام نہ کرے اس کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔ (مظہری)

ترمذی میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حاجت سے فارغ ہو کر آ رہے تھے لیکن دھوپ کی تاب نہ لا سکے تو ایک قریشی عورت کی جھونپڑی

Marfat.com

کے پاس پہنچ کر فرمایا السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟ اس نے کہا سلامتی سے آ جاؤ۔ آپ نے پھر یہی کہا اس نے پھر یہی جواب دیا۔ آپ کے پاؤں جل رہے تھے کبھی اس قدم پر سہارا لیتے کبھی اُس قدم پر فرمایا یوں کہو کہ آ جاؤ۔ اس نے کہا کہ آ جاؤ۔ اب آپ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چار عورتیں گئیں اجازت چاہی کیا ہم آ جائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں تم میں جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو اسے کہو کہ وہ اجازت لے تو ایک عورت نے پہلے سلام کیا پھر اجازت مانگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب میرے پاس گھر میں آتے تو کھنکھار کر آتے۔ کبھی بلند آواز سے دروازے کے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تا کہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے چنانچہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے تَسْتَانِسُوْا کے معنی بھی یہی کئے ہیں کہ کھنکھار دینا، تھوک دینا وغیرہ۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں مستحب ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جانا چاہے باہر سے ہی کھنکھار دے یا جوتیوں کی آہٹ سنا دے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سفر سے رات کے وقت بے اطلاع گھر آ جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے گویا گھر والوں کی خیانت کو پوشیدہ طور پر ٹٹولنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک سفر سے صبح کے وقت آئے تو حکم دیا کہ بستی کے پاس لوگ اُتریں تا کہ مدینہ میں خبر مشہور ہو جائے شام کو اپنے گھروں میں جانا اس لئے کہ اس اثناء میں عورتیں اپنی صفائی ستھرائی کر لیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا طریقہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سُبحان اللّٰہ یا الحمد للّٰہ یا اللّٰہ اکبر بلند آواز سے کہہ دینا یا کھنکھار دینا جس سے گھر والے معلوم کر لیں کہ فلاں آ رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسئلہ

اگر قاصد بھیج کر کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو مزید اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو یہی اس کے لئے اجازت ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

دوسری روایت میں آیا ہے کسی کو بلوانے کے لئے قاصد بھیجنا ہی اجازت ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ یعنی اچانک اندر گھس پڑنے سے یا رسمِ جاہلیت سے یہ طریقہ بہتر ہے۔

جاہلیت کا طریقہ

حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے ہم جاہلیت کے زمانے میں (بجائے سلام علیک کے) کہتے تھے اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا. اللہ تم کو خنک چشم رکھے۔ اِنْعَمْ صَبَاحًا صبح بخیر، جب اِسلام آیا تو اس نے ہم کو ایسا کرنے کی ممانعت کر دی۔ رواہ ابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ

ان آیات میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا گیا جو مردوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں جیسا کہ عام احکام قرآنیہ اسی طرح مردوں کو مخاطب کر کے آتے ہیں عورتیں بھی اُس میں شامل ہوتی ہیں بجز مخصوص مسائل کے جن کی خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ نِسَاءِ صحابہ کا بھی یہی معمول تھا کہ کسی کے گھر جائیں تو پہلے اُن سے استیذان کریں۔ حضرت اُمِ ایاس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے اُن سے استیذان کرتی تھیں جب وہ اجازت دیتی تو اندر جاتی تھیں۔ (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)

مسئلہ

اسی آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں جانے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے مرد عورت محرم غیر محرم سب کو شامل ہے۔ عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد مرد کے پاس، سب کو استیذان کرنا واجب ہے، اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ماں اور بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی استیذان کرنا چاہئے۔

اپنے گھر میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا

حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ اپنی محرم عورتوں کے پاس (گھر کے اندر) آنا چاہتے تو ان سے بھی اجازتِ داخلہ کے طلب گار ہوتے تھے۔

امام مالکؒ نے مؤطا میں مرسلاً عطاء بن یسارؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی

Marfat.com

والدہ کے پاس جاتے وقت بھی استیذان کروں آپ نے فرمایا ہاں استیذان کرو۔ اُس شخص نے کہا یارسول اللہ! میں تو اپنی والدہ ہی کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو ہر وقت اُن کی خدمت میں رہتا ہوں آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا اسی لئے استیذان کرنا چاہئے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہوں۔ (مظہری)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آیتِ قرآن میں غیر بیوتکم آیا ہے اس میں بیوتکم سے مراد وہ بیوت اور گھر ہیں جن میں انسان تنہا خود ہی رہتا ہو۔ والدین، بہن بھائی وغیرہ اُس میں نہ ہوں۔

مسئلہ: جب گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اُس میں داخل ہونے کے لئے اگرچہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور طریقِ سنت یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکھار سے کسی طرح پہلے باخبر کردے پھر داخل ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر میں آتے تھے تو دروازہ میں کھنکھار کر پہلے اپنے آنے سے باخبر کردیتے تھے تاکہ وہ ہمیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو پسند نہ ہو (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر وقال اسنادہ صحیح) (مظہری)

اجازت لیتے وقت اپنا نام بتائے

پہلے سلام اور پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کا جو بیان اوپر احادیث سے ثابت ہوا اس میں بہتر یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لے کر اجازت طلب کرے جیسا کہ حضرت فاروق اعظم کا عمل تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آ کر یہ الفاظ کہے۔ **السلام علیٰ رسول اللّٰہ السلام علیکم أیدخل عمر** یعنی سلام کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہوسکتا ہے (رواہ قاسم بن اصبغ وابن عبدالبر فی التمہید عن ابن عباس عن عمرؓ (ابن کثیر) اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو استیذان کے لئے یہ الفاظ فرمائے **السلام علیکم ھٰذا الاشعری** (قرطبی)

اس میں بھی پہلے اپنا نام ابوموسیٰ بتلایا پھر مزید وضاحت کے لئے اشعری کا ذکر کیا۔ اور یہ اس لئے کہ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو پہچانے نہیں تو جواب دینے میں تشویش ہوگی۔ اس تشویش سے بھی مخاطب کو بچانا چاہئے۔

خطیب بغدادی نے اپنے جامع میں علی بن عاصم واسطی سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو حاضر ہوئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اندر سے پوچھا کون ہے تو جواب دیا اَنَا (یعنی مَیں ہوں) تو حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جس کا نام اَنا ہو پھر باہر تشریف لائے اور اُن کو حدیث سُنائی کہ ایک روز حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت لینے کے لئے دروازہ پر دستک دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے پوچھا کون صاحب ہیں، تو جابر رضی اللہ عنہ نے یہی لفظ کہہ دیا اَنَا یعنی میں ہوں۔ آپ نے بطور زجر و تنبیہ کے فرمایا انا انا یعنی انا انا کہنے سے کیا حاصل ہے اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔

ایک برا طریقہ

اس سے بھی زیادہ برا یہ طریقہ ہے جو آج کل بہت سے لکھے پڑھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں کہ دروازہ پر دستک دی جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں تو خاموش کھڑے ہیں کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذا پہنچانے کا بدترین طریقہ ہے جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہوجاتی ہے۔

جو لوگ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تھے تو ان کی عادت یہ تھی کہ ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو (رواہ الخطیب فی جامعہ۔ قرطبی) جو شخص استیذان کے مقصد کو سمجھ لے کہ اصل اُس سے استیناس ہے یعنی مخاطب کو مانوس کرکے اجازت حاصل کرنا وہ خود بخود ان سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہو اُس سے بچائے گا۔ اپنا نام ظاہر کرے اور دستک دے تو متوسط انداز سے دے یہ سب چیزیں اُس میں شامل ہیں۔

مسئلہ: کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادۃً اُس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو بلاضرورتِ شدیدہ جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی وہی ایذا رسانی

Marfat.com

ہے جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اُس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ: جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اُس سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ: ٹیلیفون پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ذرا سی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور اس ضرورت سے وہ کسی بھی حال میں اور اپنے ضروری کام میں ہو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اُٹھاتا ہے۔ کوئی بے رحم آدمی اس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور کوئی پروا نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے کیا کہنا چاہتا ہے یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے جیسے حدیث میں آیا ہے ان لزورک علیک حقا یعنی جو شخص آپ کی ملاقات کو آئے اُس کا تم پر حق ہے کہ اس سے بات کرو اور بلا ضرورت ملاقات سے انکار نہ کرو اسی طرح جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا
پھر اگر نہ پاؤ اُس میں کس کو تو اس میں نہ جاؤ
حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ
جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو

بہر حال دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں

اگر یہ معلوم ہوا ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں تب بھی دوسرے کے گھر میں بدون مالک ومختار کی اجازت کے مت جاؤ۔ کیونکہ ملک غیر میں بدون اجازت تصرف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اجازت چلے جانے سے کیا جھگڑا پیش آجائے ہاں صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب تک گھر والا آکر تم کو اجازت نہ دے دے اندر نہ جاؤ۔

بات یہ ہے کہ بغیر اجازت اندر داخل ہو جانے کی ممانعت کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ بغیر جازت داخلے سے ننگا کھلا آدمی سامنے آجاتا ہے اور بے پردگی ہو جاتی ہے، بلکہ ایک وجہ ممانعت کی یہ بھی ہے کہ اس سے بعض ان باتوں یا چیزوں کا اظہار ہو جاتا ہے جس کو آدمی لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے پھر ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا یوں بھی ممنوع ہے ہاں اس مکان میں بدون اجازت داخلہ کی ممانعت نہیں جس میں اچانک داخلہ کی کوئی معقول وجہ ہو مثلاً مکان میں آگ لگ گئی ہو یا ڈھے رہا ہو۔ یا اس میں کوئی ممنوع فعل ہو رہا ہو۔ (مثلاً چوری ہو رہی ہو یا قتل ہو رہا ہو یا شراب فروخت ہو رہی ہو) (تفسیر مظہری)

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا
اور اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ
هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ
اُس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لئے

اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ

یعنی ایسا کہنے سے برا نہ مانو بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں کرتا تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اُس پر بوجھ ڈالو۔ اس طرح بار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے۔ (تفسیر عثمانی)

تین مرتبہ مانگنے سے اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے میرے پاس ابو موسیٰ اشعری آئے اور کہا، مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر بلوایا (آدمی کہہ کر واپس چلا گیا) حسب الطلب میں حضرت عمر کے دروازے پر پہنچا اور تین بار (باہر سے) سلام کیا لیکن (اندر سے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب نہیں دیا، میں لوٹ آیا۔ اب جو ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں نہیں آئے۔ میں نے جواب دیا، میں تو آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی جب سلام کا جواب آپ کی طرف سے نہیں ملا تو لوٹ گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرما دیا تھا، اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ (داخلہ کی) اجازت طلب کرے اور اس کو

Marfat.com

اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس ارشاد پر شہادت پیش کرو۔ (اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اس فرمان کا شاہد ہو تو میرے ساتھ چل کر شہادت دے دے) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں اُٹھ کھڑا ہوا، اور ان کے ساتھ جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے شہادت دے دی۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ تسلیم (جس کا حکم آیت میں دیا گیا ہے) یہ ہے کہ تین مرتبہ کہے السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ اگر اجازت مل جائے تو اندر چلا جائے ورنہ لوٹ جائے۔ (رواہ ابن ماجہ)

حسن نے کہا، پہلی مرتبہ (اجازت طلبی اور سلام) اطلاع آمد ہے اور دوسری مرتبہ سلام و اجازت طلبی ایک قسم کا مشورہ اور طلب امر ہے اور تیسری مرتبہ الفاظ مذکور کہنا واپسی کیلئے اجازت کی طلب ہے۔ حضرت انس راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے پاس (ملاقات کے لئے) تشریف لے گئے اور (باہر سے) داخلے کی اجازت طلب کی اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حضرت سعد نے چپکے سے جواب دے دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سُنا۔ یہاں تک کہ آپ نے تین بار سلام علیک کی اور سعد نے ایسی آواز سے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سن سکے۔ بالآخر آپ لوٹ آئے۔ اب سعد پیچھے دوڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار آپ نے جتنی بار سلام علیک کی میں نے اپنے کانوں سے اس کو سنا اور جواب بھی برابر دیا، لیکن اپنا جواب آپ کو نہیں سنایا (اتنی پست آواز سے جواب دیا کہ آپ نہ سن سکیں (مجھے دل سے خواہش تھی کہ آپ کی طرف سے سلامتی اور برکت زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے۔ (آپ برابر مجھے برکت و سلامتی کی دعا دیتے رہیں) اس کے بعد سب لوگ سعد کے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ سعد نے کشمش پیش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمائی اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا، تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور ملائکہ نے تمہارے لئے نزولِ رحمت کی دعا کی اور روزہ داروں نے تمہارے پاس روزہ کھولا۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

مسئلہ: اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازتِ داخلہ طلب نہ کرے بلکہ صاحبِ خانہ کے باہر نکلنے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جائے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عباس ایک انصاری کے دروازے پر طلب حدیث کے لئے جاتے اور انصاری کے برآمد ہونے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جاتے۔ داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرتے۔ انصاری فرماتے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہم کو اسی طرح طلب علم کا حکم دیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ یہ آیت بھی مضمون مذکور پر دلالت کر رہی ہے۔

کسی کے گھر جھانکنا منع ہے

اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت طلب کرے اور دروازے پر پردہ نہ ہو تو دروازے کے سامنے منہ کر کے نہ کھڑا ہو اور نہ دروازے کی جھریوں سے اندر جھانکے حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے منہ کر کے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں بازو کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے السلام علیکم، السلام علیکم اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں گھروں (کے دروازوں) پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت سہل بن سعد ساعدی راوی ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حجرے کے پردے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جھانک کر دیکھا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کوئی نوک دار لوہے کی چیز تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں اس کی آنکھ میں اس کو چبھو دیتا۔ طلبِ اجازت کا حکم تو فقط نہ دیکھنے کے لئے ہی دیا گیا ہے (جب دیکھ لیا تو طلب اجازت بیکار ہے) (رواہ البغوی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تم کو جھانک کر دیکھے اور تم کوئی کنکری اس کے پھینک مارو اور کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تمہارا کوئی جرم نہیں۔ (رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے

Marfat.com

جو کچھ کرتے ہو اللہ جانتا ہے

وہ تمہارے تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ سے باخبر ہے جیسا کچھ کرو گے اور جس نیت سے کرو گے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔ اور اس نے اپنے علم محیط سے تمام امور کی رعایت کر کے یہ احکام دیئے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا
نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ اُن گھروں میں
غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ
جہاں کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو تمہاری

غیر رہائشی مکانات کا مسئلہ

یعنی جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا، نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد، مدرسہ، خانقاہ، سرائے وغیرہ۔ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو چندے اُس کے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں جا سکتے ہو اس کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کے مسائل کی تفصیل فقہ میں دیکھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ جن بیوت میں بلا اجازت داخلے کا حکم آیتِ مذکور میں دیا گیا ہے ان سے مراد کون سے مکان ہیں علماء کے اقوال اس میں مختلف آئے ہیں، قتادہ نے کہا ان سے مراد وہ دوکانیں، کوٹھڑیاں اور مکان ہیں جو قافلوں کے لئے بنا دیئے جاتے تھے، قافلے آتے جاتے وہاں ٹھہرتے تھے اور اپنا سامان رکھتے تھے۔ ان مکانون میں بغیر اجازت طلبی کے داخلے کو جائز کر دیا گیا۔ اس صورت میں متاع (بمعنی منفعت) یہ ہو گی کہ وہاں لوگ اُترتے ہیں اور سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا، ان سے مراد وہ تجارتی کوٹھیاں اور دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں خرید و فروخت کے لئے لوگ داخل ہوتے ہیں یہی منفعت ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا بازار کی دوکانوں میں داخل ہونے کی اجازت لینی ضروری نہیں۔ ابن سیرینؒ جب بازار کی کسی دوکان پر جاتے تو فرماتے السلام علیکم، میں داخل ہو جاؤں، پھر (جواب کا انتظار کئے بغیر داخل ہو جاتے) (تفسیر مظہری)

شانِ نزول

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب استیذان کی آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں جنہیں بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے کی ممانعت ہے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام تک اُن کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں جا بجا ان کے مسافر خانے بنے ہوتے ہیں جن میں دوران سفر وہ لوگ قیام کرتے ہیں۔ ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا تو وہاں استیذان کی کیا صورت ہو گی اجازت کس سے حاصل کی جائے گی۔ اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ (رواہ ابن ابی حاتم۔ مظہری)

مسئلہ: رفاہِ عام کے اداروں میں جس مقام پر اُس کے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کے لئے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں اس کی پابندی شرعاً واجب ہے مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر بغیر پلیٹ فارم کے جانے کی اجازت نہیں ہے تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے ایرڈروم (ہوائی اڈے) کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو وہاں بغیر اجازت کے جانا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی طرح مساجد۔ مدارس۔ خانقاہوں۔ ہسپتالوں وغیرہ میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کے لئے مخصوص ہوں جیسے مساجد مدارس اور خانقاہوں کے خاص حجرے یا ریلوے۔ ایرڈروم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریضوں یا دوسرے لوگوں کی رہائش گاہ ہیں وہ بیوت غیر مسکونہ کے حکم میں نہیں۔ بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں ان میں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾
اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو

اُس نے تمہارے تمام کھلے چھپے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کئے ہیں جن سے مقصود فتنہ و فساد کے مداخل کو بند کرنا ہے۔ مومن کو چاہئے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر عمل کرے۔ (تفسیر عثمانی)

تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ یہ وعید اُن لوگوں کے

Marfat.com

لئے ہے جو کسی فساد کی غرض سے یا لوگوں کو برہنہ دیکھنے کے لئے گھروں میں بلا اجازت داخل ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں

بدنظری حرام ہے

بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ یعنی مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ بد نظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اُس طرف نظر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اُس کے اختیار سے ہوگا جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار و ارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے چونکہ پہلی مرتبہ دفعۃً جو بے ساختہ نظر پڑتی ہے۔ از راہ شہوت و نفسانیت نہیں ہوتی۔ اس لئے حدیث میں اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ شاید یہاں بھی مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِنْ کو تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حسن کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے (نامحرم کو) دیکھنے والے پر اور جس عورت کو دیکھا جائے اس پر رواہ البیہقی فی شعب الایمان یَغُضُّوْا امر کا صیغہ ہے۔

مومنوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کس کو نہ دیکھیں سب کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں، بلکہ جس کو دیکھنے کی اجازت نہیں اس کی طرف نظر اٹھانے کی ممانعت ہے بلکہ نامحرم کی طرف بالارادہ دوسری بار دیکھنے کی بندش ہے۔ پہلی مرتبہ جو بلا ارادہ نظر پڑ جائے اس کا گناہ نہیں۔

حضرت بریدہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا، علی یہ پہلی (بے ساختہ) نظر کے پیچھے (دوسری بالارادہ) نظر نہ کرنا پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے دوسری نظر مباح نہیں۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی)

اچانک نظر پڑنا

حضرت جریر بن عبداللہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کرو۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مسلمان کسی (اجنبی) عورت کی خوبصورتی پہلی مرتبہ (اچانک) دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے عبادت میں احساسِ حلاوت پیدا کر دیتا ہے رواہ احمد۔ (تفسیر مظہری)

نابینا سے بھی پردہ ضروری ہے

ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت اُم سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن بیٹھی تھیں جو ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ پردے کی آیتیں اُترنے کے بعد کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردہ کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھیں گے نہ پہچانیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو کہ اسے نہ دیکھو۔

دیور موت ہے

صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! دیور جیٹھ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو موت ہے۔

عورت کا خوشبو لگا کر مسجد آنا

ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی ملی۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا کیا تم نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے حبیب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے اس کی نماز نامقبول ہے جب تک کہ وہ لَوٹ کر جنابت کی طرح غسل نہ کرے۔

غیر جگہ زینت ظاہر کرنا

ترمذی میں ہے کہ اپنی زینت کو غیر جگہ ظاہر کرنے والی عورت کی مثال قیامت کے اس اندھیرے جیسی ہے جس میں نور نہ ہو۔

عورتیں راستہ کے ایک طرف ہو کر چلیں

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں عورتوں کو راستے میں ملے جُلے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا عورتو! تم اِدھر

Marfat.com

اُدھر ہو جاؤ۔ تمہیں بیچ راہ میں نہ چلنا چاہئے۔ یہ سُن کر عورتیں دیواروں سے لگی لگی چلنے لگیں یہاں تک کہ اُن کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ

اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو

یعنی حرامکاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں۔ اِلَّا عِنْدَ مَنْ اَبَاحَهُ الشارعُ مِنَ الازواجِ وَمَا ملكت ايما نهُمْ.

انسدادِ فواحش اور حفاظتِ عصمت

عورتوں کے لئے حجاب اور پردہ کے احکام کی پہلی آیات وہ ہیں جو سورۂ احزاب میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آنے کے وقت نازل ہوئیں، جس کی تاریخ بعض حضرات نے ۳ ہجری اور بعض نے ۵ ہجری بتائی ہے تفسیر ابن کثیر اور نیل الاوطار میں ۵ ہجری کو ترجیح دی ہے اور روح المعانی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ذی قعدہ ۵ ہجری میں یہ عقد ہوا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی آیتِ حجاب اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اور سورۂ نور کی یہ آیات قصہ افک کے ساتھ نازل ہوئی ہیں جو غزوہ بنی المصطلق یا مریسیع سے واپسی میں پیش آیا یہ غزوہ ۶ ہجری میں ہوا۔

غیر محرم عورت کی طرف بُری نیت سے دیکھنا تحریماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہتہً داخل ہے اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے (مواضع ضرورت جیسے علاج معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) کسی کا راز معلوم کرنے کے لئے اُس کے گھر میں جھانکنا اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں اُن سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہو جائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز وحرام چیزیں داخل ہیں۔ مراد اس آیت کی ناجائز وحرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتدا اور انتہا کو تصریحاً بیان فرما دیا باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنۂ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے ان دونوں کو صراحۃً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا اُن کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً باتیں سُننا۔ ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمناً آ گئے۔

ابنِ کثیر نے حضرت عبیدہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ کل ماعصی اللّٰہ به فهو كبيرة وقد ذكر الطرفين۔ یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو سب کبیرہ ہی ہیں لیکن آیت میں اُن کے دو طرف ابتدا و انتہا کو ذکر کر دیا گیا ابتداء نظر اُٹھا کر دیکھنا اور انتہا زنا ہے۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

النظر سهم من سهام ابليس مسموم من تركها مخافتی ابدلته ايمانا يجد حلاوته فی قلبه۔ (از ابن کثیر)

(ترجمہ) نظر ایک زہریلا تیر شیطان کے تیروں سے ہے جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ (ابن کثیر)

برہنہ ہونے سے بچو

بہز بن حکیم کے دادا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی شرمگاہ کو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے اوروں سے محفوظ رکھ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آدمی تنہائی میں ہو تو کیا حکم ہے فرمایا اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے۔ رواہ (الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، برہنہ ہونے سے بچو تمہارے ساتھ (ہر وقت) ایسی ہستیاں رہتی ہیں جو تم سے کسی وقت الگ نہیں ہوتیں سوائے رفعِ حاجت کے وقت کے یا اس وقت کے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے قربت کرتا ہے۔ لہٰذا تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰

اس میں خوب ستھرائی ہے اُن کے لئے بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں

آنکھ کی چوری اور دل کا بھید اللہ کو معلوم ہے

یعنی آنکھ کی چوری اور دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال اس کو سب معلوم ہے لہٰذا اس کا خیال کر کے بدنگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو۔ ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ

Marfat.com

الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (مومن -رکوع ۲) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے "مَايَصْنَعُوْن" سے مراد غالباً جاہلیت کی بے اعتدالیاں لی ہیں یعنی جو بے اعتدالیاں پہلے سے کرتے آرہے ہیں وہ اللہ کو سب معلوم ہے اسی لئے اب اُس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے یہ احکام جاری کئے تاتمہارا تزکیہ ہوسکے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ
اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں
وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
مگر جو کھلی چیز ہے اُس میں سے

زینت کو ظاہر نہ کرنا

سنگھار عرف میں خارجی اور کسبی آرائش کو کہتے ہیں جو مثلاً لباس یا زیور وغیرہ سے حاصل ہو۔ احقر کے نزدیک یہاں "زینت" کا ترجمہ "سنگار" کے بجائے "زیبائش" کیا جاتا تو زیادہ جامع اور مناسب ہوتا۔ زیبائش کا لفظ ہر قسم کی خلقی اور کسبی زینت کو شامل ہے، خواہ وہ جسم کی پیدائشی ساخت سے متعلق ہو یا پوشاک وغیرہ خارجی ٹیپ ٹاپ سے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو کسی قسم کی خلقی یا کسبی زیبائش کا اظہار بجز محارم کے جن کا ذکر آگے آتا ہے کسی کے سامنے جائز نہیں۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اس کے ظہور کو بسبب عدم قدرت یا ضرورت کے روک نہیں سکتی، اس کے مجبوری یا بضرورت کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو) حدیث وآثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کفین ہتھیلیاں "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" میں داخل ہیں کیونکہ بہت سی ضروریات دینی ودنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔

آگے فقہاء نے قدمین کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے اور جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات مثلاً انگوٹھی، چھلا یا مہندی کاجل وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا لیکن واضح ہے کہ "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" سے صرف عورتوں کو بضرورت ان کے کھلا رکھنے کی اجازت ہوئی۔ نامحرم مردوں کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ آنکھیں لڑایا کریں اور ان اعضاء کا نظارہ کیا کریں۔ شاید اسی لئے اس اجازت سے پیشتر ہی حق تعالیٰ نے غض بصر کا حکم مومنین کو سنا دیا ہے معلوم ہوا کہ ایک طرف سے کسی عضو کے کھولنے کی اجازت اس کو مستلزم نہیں کہ دوسری طرف سے اس کو دیکھنا بھی جائز ہو آخر مرد جن کے لئے پردہ کا حکم نہیں اسی آیت بالا میں عورتوں کو ان کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا۔ نیز یاد رکھنا چاہئے کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر عورت کو کس حصہ بدن کا کس کے سامنے کن حالات میں کھلا رکھنا جائز ہے۔ باقی مسئلہ "حجاب" یعنی شریعت نے اس کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے اور سیر وسیاحت کرنے کی اجازت دی، یہاں مذکور نہیں۔ اس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ سورۂ احزاب میں آئے گی۔ اور ہم نے فتنہ کا خوف نہ ہونے کی جو شرط بڑھائی وہ دوسرے دلائل اور قواعد شرعیہ سے ماخوذ ہے جو ادنیٰ تامل اور مراجعت نصوص سے دریافت ہوسکتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

ابن ابی حاتم نے بحوالہ مقاتل بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا، (ایک بار) حضرت اسماء بنت مرثد اپنے نخلستان میں تھیں کچھ عورتیں ان کے پاس آئیں جو ازار پہنے ہوئے نہ تھیں اس لئے جو کچھ وہ پاؤں میں پہنے ہوئی تھیں (یعنی پازیب وغیرہ) وہ کھلا نظر آرہا تھا ان کے سینے اور گیسو بھی کھلے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے فرمایا یہ کیسی بُری ہیئت ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ایک بار حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں۔ حضرت ابن ام مکتوم بھی آگئے (یہ واقعہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم دونوں پردے میں ہوجاؤ (حضرت ام سلمہ کا بیان ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں۔ فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی)

مسئلہ: ناف سے زانو تک عورت کو عورت نہیں دیکھ سکتی اور نہ مرد مرد کو۔ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت، عورت کے ستر کو، مرد،

Marfat.com

مرد کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت، عورت کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے۔ (رواہ مسلم)

وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے۔ زینت سے مراد ہیں۔ زیور کپڑے، سنگھار یعنی سج دھج اور سنگھار کو بھی ظاہر نہ کریں زینت کے اعضاء کا ظاہر نہ کرنا تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہے، بیضاوی نے لکھا ہے، زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں جس ستر کا حکم ہے، اس کا تعلق صرف نماز سے ہے پردہ سے نہیں ہے کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے سوائے شوہر اور محرم کے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مجبوری ہو تو الگ بات ہے جیسے بیماری کا علاج یا ادائے شہادت وغیرہ۔

عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے

حُسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے چہرے کو دیکھنے سے ہی فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت (سرتاپا) عورت ہے (یعنی قابل ستر ہے) جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے (رواہ ترمذی عن ابن مسعود) یہ حدیث بتا رہی ہے کہ عورت (از سرتاپا) واجب الستر ہے۔

ضرورت و مجبوری کا حکم

ضرورتیں اس حکم سے باجماع امت مستثنیٰ ہیں۔ عورت کو بازار سے ضروری سودا سلف لانے والا نہ ملے تو یہ بھی ایک طرح کی ضرورت ہے، برقعہ پہن کر وہ نکل سکتی ہے۔ راستہ دیکھنے کے لئے وہ ایک آنکھ کھلی رکھے، سر سے پاؤں تک چھپانے والا کپڑا نہ ملے تو جہاں تک ممکن ہو اور جو کپڑے میسر ہوں وہی کپڑے پہن کر اور بدن کو چھپا کر باہر آ سکتی ہے۔ کبھی علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی گواہوں کے پاس اور کبھی عدالت میں حاکم کے سامنے جانے کی مجبوری ہوتی ہے ان سب صورتوں میں بقدرِ ضرورت پردے کا انکشاف درست ہے۔ ہم نے زینت کا مرادی معنیٰ دو طرح سے بیان کیا ہے (۱) کپڑے، زیور اور بناؤ سنگھار کی چیزیں۔ بیضاوی کے نزدیک زینت سے یہی مراد ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی زینت سے مراد کپڑے لئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اوپر کے کپڑے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ماظھر منھا میں جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اوپر کے کپڑے ہیں جیسے بُرقع یا لمبی چادر جو برقع کے قائم مقام ہوتی ہے۔ یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو مراد آیت کی یہ ہوگی کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں بجز اُن اوپر کے کپڑوں کے جن کا چھپانا بضرورت باہر نکلنے کے وقت ممکن نہیں جیسے برقع وغیرہ۔

چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھولنا بھی جائز نہیں صرف اوپر کے کپڑے برقع وغیرہ کا اظہار بضرورت مستثنیٰ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ و فساد اور غلبۂ ہوئی اور غفلت کا ہے اس لئے بجز مخصوص ضرورتوں کے مثلاً علاج معالجہ یا کوئی خطرہ شدیدہ وغیرہ عورت کو غیر محارم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا بھی ممنوع ہے اور مردوں کو اس کی طرف قصداً نظر کرنا بھی بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ
اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر

سینہ چھپانے کی تاکید

بدن کی خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا اُبھار ہے اُس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلا دی۔ جاہلیت میں عورتیں خمار اوڑھنی سر پر ڈال کر اُس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں۔ اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی۔ یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے بتلا دیا کہ اوڑھنی کو سر پر سے لا کر گریبان پر ڈالنا چاہئے تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور رہے۔ (تفسیر عثمانی)

زینتِ ظاہرہ کے استثناء کے بعد ارشاد ہے ۔ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ یعنی آنچل مار لیا کریں اپنے دوپٹوں کا اپنے سینوں پر، خُمر، خمار کی جمع ہے اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اُس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے۔ جیوب جیب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گریبان، چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے کا معمول ہے۔

Marfat.com

زمانۂ جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ دیتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے اس لئے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ دوپٹے کے دونوں پلے ایک دوسرے پر اُلٹ لیں تا کہ یہ سب اعضاء چھپ جائیں۔ (رواہ ابن ابی حاتم عن ابن جبیرؒ۔ روح) آگے دوسرا استثناء اُن مردوں کا بیان کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں جس کے دو سبب ہیں اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اُن سے کسی فتنہ کا خطرہ نہیں وہ محارم ہیں جن کی طبائع کو حق تعالیٰ نے خِلقۃً ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت کے محافظ ہوتے ہیں اُن سے خود کوئی فتنہ کا احتمال نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ
اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے

محرم رشتہ داروں کا حکم

چچا اور ماموں کا بھی یہ ہی حکم ہے اور ان محارم میں پھر فرق مراتب ہے مثلاً جو زینت خاوند کے آگے ظاہر کر سکتی ہے دوسرے محارم کے سامنے نہیں کر سکتی۔ ابدائے زینت کے درجات ہیں جن کی تفصیل تفاسیر اور کتب فقہ میں دیکھنی چاہیے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ جس قدر تستر کا اہتمام اجنبیوں سے تھا، اُتنا محارم سے نہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک عضو کو اِن میں سے ہر ایک کے آگے کھول سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خاوند کا حکم

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ مگر اپنے شوہروں کے لئے، زینت کا مرکزی نقطہ تو شوہر ہی ہیں اپنی بیویوں کے سارے بدن کو دیکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ شرمگاہوں کو بھی۔ مگر شرمگاہوں کو دیکھنا مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جو شخص اپنی بیوی سے قربت کرے تو پردہ کر لے۔ دونوں گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں۔ (رواہ الشافعی والطبرانی والبیہقی عن ابن مسعود عن عتبہ بن عنبر والنسائی عن عبداللہ بن سرجس والطبرانی ایضاً عن ابی امامۃ)

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔ (تفسیر مظہری)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اذا جامع احد کم زوجه اوجاریته فلاینظر الی فرجها فان ذلک یورث العمی." قال ابن الصلاح جید الاسناد کذافی شرح الجامع الصغیر.

جب کوئی اپنی بیوی اور باندی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے یہ دیکھنا نابینائی پیدا کرتا ہے۔

ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ ہے۔

مسئلہ: کسی بیگم صاحب کا تنہا موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانا جبکہ ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں موجود ہو تو یہ خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے۔

محرم کے سامنے زینت کا اظہار مقصود نہ ہو

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لئے اپنی زینت کو ان محارم کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف و اظہار سے اپنے حُسن و جمال کا اظہار مقصود نہ ہو۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۴ ج ۳)

جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ اس بارہ میں نص صریح ہے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے جانے اور چلنے کا علم ہو جائے اور ان کے پازیب کی آواز مردوں کی شہوت کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنے۔

خوشبو لگا کر لوگوں پر گذرنا

اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نہ نکلے اگرچہ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور بدکار ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

آواز سنانا

پس جب عورت کے لئے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہے۔ تو عورت کا خود اپنی آواز کا نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے باتیں کرنا یا گانا بجانا وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان اور

Marfat.com

اقامت بھی بالاجماع ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کی تقریر بدرجہ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ عورت کا کھلے منہ جلسوں میں آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور اس کا اخباروں میں چھپوانا بالاشبہ حرام ہوگا۔ جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے اور اس کا اظہار ناجائز ہے تو خود عورت کی تصویر اور اس کی آواز کیسے فتنہ نہ ہوگی اور اس کا اظہار اور اشتہار کیوں حرام نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ عورت کی تقریر اور عورت کی تصویر یہ سب زنا کے دروازے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ ان کو بند کرنا چاہتی ہے مگر یہ دلدادگانِ مغربیت اس فکر میں ہیں کہ بے پردگی اس درجہ بامِ عروج پر پہنچ جائے کہ نفس پرستوں کو نکاح ہی کی ضرورت نہ ہو۔

نیز احادیث میں عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کی ممانعت ہے۔

اور عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

اور عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں جانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس ممانعت کی علت صرف یہی فتنۂ شہوت ونفسانیت ہے جس کا شریعت مطہرہ سدِ باب کرنا چاہتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے
اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ
یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے
اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ
یا اپنی عورتوں کے

یعنی جو عورتیں اُس کے پاس اُٹھنے بیٹھنے والی ہیں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں۔ بدراہ عورتوں کے سامنے نہیں اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔ کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھانجوں کے لئے۔ بہنوں کے پوتے نواسے بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ مذکورۂ بالا سب لوگ عام طور پر اپنی بزرگ یا خورد عورتوں کے گھروں میں ہر وقت آمد ورفت رکھتے ہیں اور عموماً کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا، اصول وفروع سے صنفی تعلقات کو طبعاً لوگ بُرا سمجھتے ہیں پھر حیاء اور شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورۂ بالا مردوں کے سامنے مذکورہ عورتوں کا آنا اور اپنی زینت کو ظاہر کرنا اللہ نے جائز قرار دیا اور مردوں کے لئے مباح کر دیا کہ خدمت کے وقت جو حصۂ بدن کھلا رہتا ہے یا کھل جاتا ہے اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی سر، پنڈلیاں، بازو اور سینہ۔ پیٹ اور پشت کو دیکھنا روا نہیں، نہ ناف سے زانو تک کوئی حصہ دیکھنا جائز ہے عام طور پر یہ حصے کام کے وقت بھی چھپے رہتے ہیں اور ان کو چھپا رکھنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ یہ حکم ان مردوں اور عورتوں کے لئے ہے جو باہم محرم ہیں جن کے درمیان سلسلۂ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے، خواہ حرمت نسبی ہو یا دودھ کی شرکت کی وجہ سے۔ آیت میں باپ کے بھائیوں اور ماں کے بھائیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا کیونکہ دلالت النص سے ان کا حکم وہی معلوم ہو جاتا ہے جو بھتیجوں اور بھانجوں کا ہے اس پر اجماعِ اہلِ علم ہے کیونکہ جب پھوپھی اپنی زینت کا اظہار اپنے بھتیجے کے سامنے کر سکتی ہے تو بھتیجی کے لئے بھی اپنے چچا کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہوگا۔ دونوں رشتے برابر کے ہیں اسی طرح خالہ بھانجے کے سامنے جب اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے تو بھانجی ماموں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کر سکتی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اعمام واخوال کو صراحت کے ساتھ ذکر نہ کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ چچا اور ماموں کے سامنے اظہارِ زینت نہ کرنا تقاضاءِ احتیاط ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کی زینت کو دیکھ کر اپنے بیٹوں کے سامنے ان عورتوں کی زینت کو بیان کر دیں۔

آنکھوں اور ہاتھوں کا زنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں آنکھوں کا زنا (بُری نیت سے) دیکھنا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (بُری نیت سے) پکڑنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرمگاہ زنا کرتی ہے۔ (رواہ احمد والطبرانی عن ابن مسعود۔ مرفوعاً)

اگر خطرہ ہو تو محرم سے بھی پرہیز کرے

محرم عورتوں سے زنا کرنے کا جرم بہت ہی سخت ہے۔ اس لئے اگر ان کو دیکھنے یا چھونے سے نفسانیت کے بیدار ہو جانے کا کسی ایک طرف

Marfat.com

بھی خطرہ ہو تو دیکھنے سے پرہیز رکھے اور چھونے سے بھی۔

عورت کا عورت کی زینت کو دیکھنا

اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی عورتوں کے لئے یعنی ایک عورت دوسری عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا غیر مومنہ آزاد ہو یا باندی کیونکہ ہر عورت دوسری عورت کی ہم جنس ہے اور نفسانی خواہشات کی بیداری کا عام طور پر خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں ناف سے زانو تک کا انکشاف ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بھی (باستثناء ضرورتِ خاص) نہیں کر سکتی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایک قول منقول ہے کہ عورت کا عورت کی طرف دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے مرد کا اپنی محرم عورتوں کی طرف دیکھنا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ قسم کے محارم

تنبیہ: یاد رہے کہ اس جگہ لفظ محرم عام معنے میں استعمال ہوا ہے جو شوہر پر بھی مشتمل ہے فقہاء کی اصطلاح میں محرم کی جو خاص تفسیر ہے کہ جس سے کبھی نکاح جائز نہ ہو وہ یہاں مراد نہیں تفصیل ان بارہ مستثنیات کی جو سورہ نور کی مذکورہ آیت میں ہے یہ ہے سب سے پہلے شوہر ہے جس سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں اگرچہ اعضاء مخصوصہ کو بلا ضرورت دیکھنا خلافِ اولیٰ ہے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مارأی منی ولاَ رأیت منه یعنی نہ آپ نے میری خاص عضو کو دیکھا نہ میں نے آپ کے۔

دوسرے اپنے باپ ہیں۔ جس میں دادا، پردادا سب داخل ہیں۔ تیسرے شوہر کا باپ ہے اس میں بھی دادا، پردادا سب داخل ہیں چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں۔ چھٹے اپنے بھائی، اس میں حقیقی بھی داخل ہیں اور باپ شریک یعنی علاتی اور ماں شریک یعنی اخیافی بھی۔ لیکن ماموں، خالہ یا چچا، تایا اور پھوپی کے لڑکے جن کو عام عرف میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں۔ ساتویں بھائیوں کے لڑکے یہاں بھی صرف حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائی کے لڑکے مراد ہیں دوسرے عُرفی بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں۔ آٹھویں بہنوں کے لڑکے۔ اس میں بھی بہنوں سے حقیقی اور علاتی اخیافی بہنیں مراد ہیں۔ پہلے لفظ نسائھن میں داخل ہیں ان کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی اس کا جواب جصاصؒ نے یہ دیا ہے کہ لفظ نسائھن اپنے ظاہر کے اعتبار سے صرف مسلمان عورتوں کیلئے ہے اور مملوکہ باندیوں میں اگر کافر بھی ہوں تو ان کو مستثنیٰ کرنے کے لئے یہ لفظ علیحدہ لایا گیا ہے۔

گیارھویں قسم اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت و دلچسپی ہی نہ ہو (ابن کثیر) اور یہی مضمون ابنِ جریر نے ابوعبداللہ، ابن جُبیر ابن عطیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے اس لئے اس سے مراد وہ مرد ہیں جو عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت و شہوت رکھتے ہیں، نہ اُن کے اوصاف حُسن اور حالات سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگوں سے بیان کر دیں بخلاف مخنث قسم کے لوگوں کے جو عورتوں کے اوصافِ خاص سے تعلق رکھتے ہوں اُن سے بھی پردہ واجب ہے جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ایک مخنث ازواج مطہرات کے پاس آیا کرتا تھا اور اُمہات المومنین اس کو غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ جو اس آیت میں مذکور ہے داخل سمجھ کر اُس کے سامنے آ جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُس کو دیکھا اور اُس کی باتیں سنیں تو گھروں میں داخل ہونے سے، اس کو روک دیا (روح المعانی)

اسی لئے ابنِ حجر مکیؒ نے شرح منہاج میں فرمایا ہے کہ مرد اگرچہ عنین (نامرد) یا مجبوب (مقطوع العضو) یا بہت بوڑھا ہو وہ اس غیر اولی الاربة کے لفظ میں داخل نہیں ان سب سے پردہ واجب ہے۔ اس میں غیر اولی الاربة کے لفظ کے ساتھ جو التابعین کا لفظ مذکور ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے کہ ایسے مغفل بدحواس لوگ جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں چلے جائیں وہ مستثنیٰ ہیں۔ اس کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا کہ اس وقت ایسے مغفل قسم کے کچھ مرد ایسے ہی تھے جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں جاتے تھے اصل مدار حکم کا ان کے مغفل بدحواس ہونے پر ہے تابع اور طفیلی ہونے پر نہیں۔ واللہ اعلم۔

بارھویں قسم اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ ہے۔ اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اُس سے پردہ واجب ہے (ابن کثیر) امام جصاصؒ نے فرمایا کہ یہاں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو مخصوص معاملات کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہ کرتے ہوں

Marfat.com

(ذکرہ عن المجاہد) پردہ سے مستثنیات کا بیان ختم ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
یا اپنے ہاتھ کے مال کے

غلام اور باندی

یعنی اپنی لونڈیاں (باندیاں) اور بعض سلف کے نزدیک مملوک غلام بھی اس میں داخل ہے اور ظاہر قرآن سے اسی کی تائید ہوتی ہے لیکن جمہورِ ائمہ اور سلف کا یہ مذہب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام سیدہ فاطمہ کو عطا فرمایا اور غلام کو ساتھ لے کر حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت سیدہ کے پاس صرف اتنا کپڑا تھا کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہتے تھے اور ٹانگیں چھپاتی تھیں تو سر تک کپڑا نہیں پہنچتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں (کوئی غیر نہیں ہے) صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔ رواہ ابوداؤد۔ اس حدیث کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے وہ غلام چھوٹی عمر کا ہو۔ حدیث میں جو لفظ غلام آیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے (غلام کا معنی ہے لڑکا) (تفسیر مظہری)

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ
یا کار بار کرنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے

یعنی کمیرے خدمتگار جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے میں غرق ہوں، شوخی نہ رکھتے ہوں یا فاتر العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ بھی ٹھکانے نہ ہوں، محض کھانے پینے میں گھر والوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مخنث وغیرہ

صحیح یہ ہے کہ خصی اور ذکر بریدہ نامحرم عورت کے معاملہ میں نر کا حکم رکھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے خصی نر قابلِ جماع ہوتا ہے اور ذکر بریدہ کی بھی یہی حالت ہوتی ہے مَس کر سکتا ہے، رگڑ سکتا ہے اس کو انزال ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ زنانہ جو بدفعلیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زنانہ بن گیا ہو وہ بھی بدچلن نہ ہوتا ہے یہ سب لوگ آیت قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے حکم میں داخل ہیں، آیت کا حکم ذکر بریدہ خصی اور مخنث کو بھی شامل ہے اور یہ شمول قطعی ہے۔ اور آیت التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ میں ان ذکر بریدہ خصی وغیرہ کا شامل ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے اول آیت میں جو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ان پر لاگو ہوگا۔

میں کہتا ہوں اصلی فطری خنثیٰ جس کے پاس آلۂ مردانگی بھی ہوتا ہے اور شرمگاہِ نسوانی بھی۔ اگر اس میں نسوانی علامات نمایاں ہوں، مثلاً عورتوں کی طرح پستان ہوں یا عورتوں کی مثل پستانوں میں دودھ اتر آئے، یا حیض آتا ہو یا حمل ہو، یا شرمگاہِ نسوانی سے اس سے جماع کیا جا سکتا ہو تو ایسا خنثیٰ عورت کے حکم میں ہے۔ ورنہ مرد کا حکم اس پر لاگو ہوگا، عورتوں کے لئے اس کے سامنے اظہار زینت جائز نہ ہوگا۔ اور اگر خنثیٰ مشکل ہے تو محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا نہ وہ مردوں کے سامنے اپنا کشف کر سکے گا نہ عورتیں اس کے سامنے اپنی زینت کو نمایاں کر سکیں گی۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ام سلمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے پاس موجود تھے اور گھر میں ایک مخنث بھی موجود تھا، مخنث نے حضرت ام سلمہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن امیہ سے کہا عبداللہ! اگر کل کو اللہ تم کو طائف کی فتح عنایت فرما دے تو میں تم کو غیلان کی بیٹی کا پتہ بتاؤں گا، وہ چار کے ساتھ سامنے آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پیٹھ موڑ کر جاتی ہے (یعنی اس کے حسن کا یہ عالم ہے کہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو پیٹ پر چار شکنیں پڑتی دکھائی دیتی ہیں اور پشت پھیر کر واپس جاتی ہے تو آٹھ شکنیں نمودار ہوتی ہیں، چار دائیں پہلو کی طرف اور چار بائیں پہلو کی طرف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ لوگ تمہارے پاس اندر نہ آئیں۔ (تفسیر مظہری)

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ
یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو

یا جن لڑکوں کو ابھی تک نسوانی سرائر کی کوئی تمیز نہیں، نہ نفسانی جذبات رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ
اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے
مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ
جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار

یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو اُدھر میلان اور توجہ ہو۔ بسا اوقات اس قسم کی آواز صورت

Marfat.com

دیکھنے سے بھی زیادہ نفسانی جذبات کے لئے محرک ہو جاتی ہے۔

عورت عورت سے قرآن سیکھے

بیضاوی نے النوازل میں صراحت کی ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ عورت کا عورت سے قرآن سیکھنا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے۔ (متفق علیہ)

ابن ہمام نے لکھا ہے اسی وجہ سے اگر کہا جائے۔ کہ عورت نماز میں اگر جہری قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو اس کی بنیاد معقول ہے امام کو نماز میں اگر سہو ہو جائے تو اس کو متنبہ کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ عورت آواز سے سبحان اللہ کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تالی بجا دینے کا حکم دیا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا قدم بھی عورت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں۔ زیور کے اندر خود کوئی چیز ایسی ڈالی جائے جس سے وہ بجنے لگے یا ایک زیور دوسرے زیور سے ٹکرا کر بجے یا پاؤں زمین پر اس طرح مارے جس سے زیور کی آواز نکلے اور غیر محرم مرد سنیں یہ سب چیزیں اس آیت کی رو سے ناجائز ہیں۔ اور اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز غیر محرموں کو سنانا اس آیت سے ناجائز ثابت ہوا تو خود عورت کی آواز کا سنانا اس سے بھی زیادہ سخت اور بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا اس لئے عورت کی آواز کو بھی ان حضرات نے ستر میں داخل قرار دیا ہے اور اسی بنا پر نوازل میں فرمایا کہ عورتوں کو جہاں تک ممکن ہو قرآن کی تعلیم بھی عورتوں ہی سے لینا چاہیے۔ مردوں سے تعلیم لینا بدرجہ مجبوری جائز ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نماز میں اگر کوئی سامنے سے گزرنے لگے تو مرد کو چاہئے کہ بلند آواز سے سبحان اللہ کہہ کر گزرنے والے کو متنبہ کر دے مگر عورت آواز نہ نکالے بلکہ اپنی ایک ہتھیلی کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر اس کو متنبہ کرے۔

حنفیہ کے نزدیک عورت کی اذان مکروہ ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نزولِ حجاب کے بعد بھی پس پردہ غیر محارم سے بات کرتی تھیں اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع اور جس محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے جہاں یہ نہ ہو جائز ہے (بصاص) اور احتیاط اسی میں ہے کہ بلا ضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

خوشبو لگا کر باہر نکلنا

اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ عورت جب بضرورت گھر سے باہر نکلے تو خوشبو لگا کر نہ نکلے کیونکہ وہ بھی اس کی مخفی زینت ہے غیر محرم تک یہ خوشبو پہنچے تو ناجائز ہے۔ ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں خوشبو لگا کر باہر جانے والی عورت کو بُرا کہا گیا ہے۔

مزین برقع پہن کر نکلنا بھی ناجائز ہے۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾
تا کہ تم بھلائی پاؤ

آئندہ کیلئے توبہ کر لو

یعنی پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں اُن سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات و سکنات اور چال چلن میں اِنابت اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں کوتاہی ہر شخص سے ہوتی ہے اس لئے سب کو توبہ کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام بنی آدم خطاوار ہیں اور خطاواروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

بعض اہلِ تفسیر نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سورۂ نور میں اللہ نے جن اخلاق و آداب کو اختیار کرنے یا نہ کرنے کی تم کو ہدایت کی ہے اس کی تعمیل کی طرف رجوع کرو۔ بعض نے کہا جاہلیت کے زمانہ میں تم جو کچھ کرتے تھے اس سے توبہ کرو، اسلام کی وجہ سے اگرچہ پچھلے دورِ کفر کے اعمال قابلِ مواخذہ نہیں رہے، لیکن جب بھی ان بداعمالیوں کی یاد آ جائے ان پر ندامت تو بہرحال واجب ہی ہے اور ان کو دوبارہ اختیار نہ کرنے کا پکا ارادہ لازم ہی ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

فلاحِ دارین توبہ ہی سے وابستہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شخص کے لئے خوشی ہے جو اپنے اعمالنامے میں

Marfat.com

بکثرت استغفار پائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ واستغفار

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے لوگو اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ میں ہر روز سو بار اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں دن میں ستر بار سے زیادہ اپنے رب سے معافی مانگتا اور توبہ کرتا ہوں۔ (رواہ البخاری)

اعرابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ میرے دل پر کثافت آ جاتی ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں سو بار فرماتے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ

۔رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ
اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے اندر

بیوہ، رنڈوں اور غیر شادی شدہ کا نکاح کرو

اوپر استیذان، غضِ بصر اور تستر وغیرہ کے احکام بیان ہوئے تھے، تاکہ بے حیائی اور بدکاری کی روک تھام کی جائے۔ اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیوہ اور رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر اُن کا نکاح کر دیا کرو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کر، نماز فرض کا جب وقت آ جائے، جنازہ جب موجود ہو اور رانڈ عورت جب اس کا کفو مل جائے۔'' جو قومیں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ اُن کا ایمان سلامت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بقاءِ نسل کا عقلی اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ حدود کے اندر رہ کر مرد وعورت کے اختلاط کی کوئی صورت تجویز کی جائے۔ اسی کا نام قرآن وسنت کی اصطلاح میں نکاح ہے۔ آیت مذکورہ میں اس کے متعلق حرہ عورتوں کے اولیاء اور کنیزوں غلاموں کے آقاؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ اُن کا نکاح کر دیا کریں۔

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ الایة ،ایامیٰ ایم کی جمع ہے جو ہر اُس مرد و عورت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو۔ خواہ اول ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے یا طلاق سے نکاح ختم ہو چکا ہو۔ ایسے مردوں وعورتوں کے نکاح کے لئے اُن کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُن کے نکاح کا انتظام کریں۔

نکاح کرنے کا مسنون طریقہ

آیت مذکورہ کے طرزِ خطاب سے اتنی بات تو باتفاق ائمہ فقہاء ثابت ہے کہ نکاح کا مسنون اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لئے کوئی مرد یا عورت بلا واسطہ اقدام کے بجائے اپنے اولیاء کے واسطے سے یہ کام انجام دے اس میں دین ودنیا کے بہت سے مصالح اور فوائد ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کے معاملہ میں کہ لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کریں، یہ ایک قسم کی بے حیائی بھی ہے اور اس میں فواحش کے راستے کھل جانے کا خطرہ بھی، اسی لئے بعض روایاتِ حدیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلا واسطہ ولی کرنے سے روکا بھی گیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حکم ایک خاص سنت اور شرعی ہدایت کی حیثیت میں ہے اگر کوئی بالغ لڑکی اپنا نکاح بغیر اجازت ولی کے اپنے کفو میں کرے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اگرچہ خلاف سنت کرنے کی وجہ سے وہ موجب ملامت ہو گی جبکہ اس نے کسی مجبوری سے اس پر اقدام نہ کیا ہو۔

لفظ ایَامیَ میں بالغان مرد وعورت دونوں داخل ہیں اور بالغ لڑکوں کا نکاح بلا واسطہ ولی سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے اس کو کوئی باطل نہیں کہتا۔ اسی طرح ظاہر یہ ہے کہ لڑکی بالغ اگر اپنا نکاح خود کرے تو وہ بھی صحیح اور منعقد ہو جائے ہاں خلافِ سنت کام کرنے پر ملامت دونوں کو کی جائے گی۔

نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف حالات میں حکم مختلف ہے

اس پر ائمہ مجتہدین تقریباً سبھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ حدودِ شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا گناہ میں مبتلا ہو جائے گا اور نکاح کرنے پر اس کو قدرت بھی ہو کہ اس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب

Marfat.com

ہے جب تک نکاح نہ کرے گا گنہگار رہے گا۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عکاف رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے انہوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر پوچھا کوئی شرعی لونڈی ہے کہا کہ نہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تم صاحبِ وسعت ہو یا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ صاحبِ وسعت ہوں، مراد یہ تھی کہ کیا تم نکاح کے لئے ضروری نفقات کا انتظام کر سکتے ہو جس کے جواب میں انہوں نے اقرار کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو اور فرمایا کہ ہماری سُنت نکاح کرنا ہے۔ تم میں بدترین آدمی وہ ہیں جو بے نکاح ہوں اور تمہارے مُردوں میں سب سے رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مر گئے۔ (مظہری)

اس روایت کو بھی جمہور فقہاء نے اسی حالت پر محمول فرمایا ہے جبکہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ کا خطرہ غالب ہو۔ عکافؓ کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ وہ صبر نہیں کر سکتے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح میں عبادت کا پہلو بہ نسبت دوسرے مباحات کے غالب ہے احادیث صحیحہ میں اُس کو سنت المرسلین اور اپنی سنت قرار دے کر تاکیدات بکثرت آئی ہیں، اُن روایاتِ حدیث کے مجموعہ سے اتنا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نکاح عام مباحات کی طرح مُباح نہیں بلکہ سنتِ انبیاء ہے جس کی تاکیدات بھی حدیث میں آئی ہیں۔ صرف نیت کی وجہ سے عبادت کی حیثیت اس میں نہیں بلکہ سنتِ انبیاء ہونے کی حیثیت سے بھی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو کھانا پینا سونا بھی سنتِ انبیاء ہے کہ سب نے ایسا کیا ہے مگر جواب واضح ہے کہ ان چیزوں پر سب انبیاء کا عمل ہونے کے باوجود یہ کسی نے نہیں کہا نہ کسی حدیث میں آیا کہ کھانا پینا اور سونا سنتِ انبیاء ہے بلکہ اس کو عام انسانی عادت کے تابع انبیاء کا عمل قرار دیا ہے بخلاف نکاح کے کہ اس کو صراحۃً سنت المرسلین اور اپنی سُنت فرمایا ہے۔

تفسیر مظہری میں اس موقع پر ایک معتدل بات یہ کہی ہے کہ جو شخص حالتِ اعتدال میں ہو کہ نہ غلبۂ شہوت سے مجبور و مغلوب ہو اور نہ نکاح کرنے سے کسی گناہ میں پڑنے کا اندیشہ رکھتا ہو یہ شخص اگر یہ محسوس کرے کہ نکاح کرنے کے باوجود نکاح اور اہلِ وعیال کی مشغولیت میرے لئے کثرت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوگی تو اس کے لئے نکاح افضل ہے اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء اُمت کا عام حال یہی تھا۔ اور اگر اس کا اندازہ یہ ہے کہ نکاح اور اہل وعیال کے مشاغل اس کو دینی ترقی، کثرت ذکر وغیرہ سے روک دیں گے تو بحالتِ اعتدال اس کے لئے عبادت کے لئے خلوت گزینی اور ترکِ نکاح افضل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تم نکاح کے بارے میں خدا کا حکم مانو وہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امیری کو نکاح میں طلب کرو۔

تین آدمی جن کی مدد ضرور ہوتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگوں کی مدد کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ حق ہے نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے، وہ لکھت لکھ دینے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو، وہ غازی جو خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلا ہو (ترمذی وغیرہ)

ایک بے سروسامان آدمی کا نکاح

اسی کی تائید میں وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا نکاح ایک عورت سے کرا دیا جس کے پاس بجز تہمد کے اور کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہیں نکلی تھی۔ باوجود اس فقیری اور مفلسی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح کرا دیا اور مہر یہ ٹھہرایا کہ جو قرآن اسے یاد ہے اپنی بیوی کو یاد کرا دے۔

اسلام میں سب سے پہلی قسطیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ابوامیہ رضی اللہ عنہ نے مکاتبہ کیا تھا۔ جب وہ اپنی رقم کی پہلی قسط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اپنی اس رقم میں دوسروں سے بھی مدد طلب کرو۔ اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین! آپ آخری قسط تک تو مجھے ہی محنت کرنے دیجئے۔ فرمایا نہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو ہم چھوڑ نہ بیٹھیں کہ انہیں کا وہ مال دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے پس یہ پہلی قسطیں تھیں جو اسلام میں ادا کی گئیں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ شروع شروع میں آپ نہ کچھ دیتے تھے نہ معاف فرماتے تھے۔ کیونکہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو آخر میں یہ رقم پوری نہ کر سکے تو میرا دیا ہوا مجھے ہی واپس آ جائے۔ ہاں آخری قسطیں ہوتیں تو جو چاہتے اپنی طرف سے معاف کر دیتے۔

حفاظتِ عصمت کا نسخہ

عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جو مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں

Marfat.com

خواہش پیدا ہو اسے چاہیے کہ اگر اس کی بیوی موجود ہو تو اس کے پاس چلا جائے ورنہ خدا تعالیٰ کی خدائی میں نظریں ڈالے اور صبر کرے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے غنی کر دے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ
اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں

لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح

یعنی لونڈی غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ حقوق زوجیت ادا کر سکیں گے اور نکاح ہو جانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو اُن کا بھی نکاح کر دو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ صالحین سے مراد ہیں وہ لوگ جن میں نکاح کرنے اور حقوق نکاح ادا کرنے کی صلاحیت و اہلیت ہو۔

مسئلہ: اگر جوشِ صنفی غالب ہو، اور حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نکاح واجب ہے صاحب نہایہ نے لکھا ہے اگر زنا میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہو اور بچنے پر قدرت نہ ہو تو ایسی حالت میں نکاح فرض ہے۔ ابنِ ہمام نے لکھا ہے اگر ایسا قوی اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرے گا تو اپنے پر قابو نہ پا سکے گا۔ یقیناً حرام میں مبتلا ہو جائے گا تو نکاح فرض ہے اور اگر مغلوبیت اس حد تک نہ ہو بلکہ جوش کی وجہ سے مبتلاء معصیت ہو جانے کا خطرہ ہو تو نکاح واجب ہے لیکن یہ وجوب اس وقت ہے جب حقوقِ نکاح ادا کرنے کا یقین ہو نکاح کے بعد حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو، اگر لوازمِ نکاح ادا نہ کر سکنے کا خوف ہو تو نکاح مکروہ ہے۔ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ حق تلفی کا خوف بھی تفصیل طلب ہے اگر فریضۂ نکاح کے تلف ہونے کا یقین ہو تو نکاح حرام ہے اگر حق تلفی کا خطرہ ہو یقین نہ ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

بدائع میں ذکر کیا گیا ہے جوشِ شہوانی (کے وقت) جو نکاح فرض ہو جاتا ہے اس کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ بقدر مہر معجّل ادا کرنے اور نفقہ برداشت کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر جوشِ شہوانی کے ساتھ یہ شرطیں بھی موجود ہوں اور نکاح نہ کرے تو گناہگار ہوگا۔

بغیر نکاح رہنے کی ممانعت

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مجرد رہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف سے فرمایا کیا تیری بیوی ہے عکاف نے کہا نہیں فرمایا اور کوئی باندی بھی نہیں ہے۔ عکاف نے کہا نہیں۔ فرمایا تو خوش حال (مالدار) بھی ہے عکاف نے کہا میں فراخ حال ہوں (مالدار ہوں) فرمایا، تب تو تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہماری سنت (طریقہ) نکاح ہے تم میں جو لوگ مجرد ہیں وہ بُرے لوگ ہیں اور جو مجرد ہونے کی حالت میں مر گئے وہ بہت رذیل مردے ہیں۔ (رواہ احمد)

حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور مجرد رہنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے اس عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بکثرت بچے پیدا کرنے والی ہو۔ میں قیامت کے دن متقی لوگوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

خطاب سرپرستوں کو ہے کہ اگر ایامیٰ نکاح کرنا چاہیں تو وہ نکاح نہ روکیں نکاح فرض عین نہیں ہے اس پر اجماع امت ہے۔ بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے بعض کے نزدیک مستحب لیکن سنت یا مستحب ہونا صرف اس شرط کے ساتھ ہے کہ جماع پر قدرت رکھتا ہو بیوی کا خرچ اٹھا سکتا ہے اور حق تلفی کا اس کو خطرہ نہ ہو ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح مکروہ ہے یا حرام۔

جوانوں کو حکم

عملی سنت ہونے کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی عمل سے ملتا ہے اور قولی سنت کے ثبوت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے گروہ جواناں تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے اور جس میں (مالی) استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے، روزہ اس کے لئے شہوت شکن ہے۔ (خصی بننے کی ضرورت نہیں، روزہ خود ایسا ہی شہوت شکن ہے جیسے خصی ہونا۔ (متفق علیہ من حدیث ابن مسعود)

نکاح میری سنت ہے

ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔ (یعنی میری تعلیم

Marfat.com

سے اس کا تعلق نہیں) نکاح کرو۔ دوسری اُمتوں کے مقابلہ میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ جو استطاعت رکھتا ہو اس کو نکاح کرنا چاہیے جو استطاعت نہ رکھتا ہو اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن میمون ہے اور یہ راوی ضعیف ہے۔

پیغمبروں کی چار سنتیں

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی وہ میرا نہیں مجھ سے اس کا تعلق نہیں ہے)

ترمذی نے ایوب کی روایت سے لکھا ہے کہ پیغمبروں کی چار سنتیں ہیں۔ حیاء، خوشبو کا استعمال، مسواک اور نکاح۔

ابنِ ماجہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طاہر اور مُطہر ہونے کی حالت میں اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو اس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہیئے۔

بعض صحابہ کے جذبات کی اصلاح

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ چند صحابہ نے امہات المومنین سے (اندرون خانہ) پوشیدگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے متعلق دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ گھر کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اوقات غیر معمولی عبادت میں نہیں گزرتے تھے، آپ سوتے بھی تھے عبادت بھی کرتے تھے تو کہنے لگے ہم میں سے کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی طرح ہوسکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فروگذاشتیں تو اللہ نے پہلے ہی سے معاف فرمادی ہیں۔ ایک صاحب بولے، میں تو عورتوں سے قربت ہی چھوڑ دوں گا، دوسرے نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا، تیسرے کہنے لگے میں بستر پر نہیں سوؤں گا، اس گفتگو کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر کی اور خطبہ میں حمد وثناء کے بعد فرمایا کیا وجہ کہ کچھ لوگوں نے ایسی باتیں کیں، میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔

اس امت کے سب سے افضل آدمی

بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، نکاح کرو۔ اس امت کے سب سے افضل آدمی کی بیبیاں بہت تھیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے افضل تھے آپ کی بیبیاں بھی بہت تھیں اور بیبیوں کی کثرت نے آپ کے مرتبہ کی عظمت کم نہیں کی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ مجرد رہنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق

میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے نکاح کرنے اور اہل وعیال سے تعلق رکھنے کو تعلق باللہ رکھنے میں رکاوٹ نہیں سمجھتا اس کو اپنے اوپر اتنا قابو ہے کہ باوجود ان مشاغل کے عبادت اور ذکر اللہ کی کثرت اور تعمیر اوقات میں اس کے کوئی فرق نہیں آسکتا تو اس کے لئے نکاح افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انبیاء، صحابہ کرام اور بیشتر علمائے صالحین اسی درجہ پر فائز تھے، باوجود کثرت موانع کے ان بزرگوں کے مجاہدے میں کوئی فرق نہیں آسکتا تھا ان کا مرتبہ یقیناً بہت اونچا تھا اور ان کا ثباتِ فکر ونظر نہایت پختہ تھا اور ان کا عملی جہاد نفس سب عوائق وموانع پر غالب تھا۔ لیکن جو شخص اپنے آپ کو اتنا راسخ القدم نہیں سمجھتا وہ ڈرتا ہے کہ نکاح کرنے اور اہل وعیال کی پرورش میں مشغول ہونے سے اس کے تعمیری اوقات میں فرق آجائے گا، اس کے دل کی دنیا اجاڑ ہوجائے گی وہ پراگندہ خاطر ہوکر ذکر اللہ کی کثرت نہ کر سکے گا اور انقطاعِ کلی میں رخنہ پیدا ہوجائے گا۔ اس کے لئے ترکِ نکاح افضل ہے لیکن یہ ترک کی افضلیت اس وقت ہے جب اس کو زنا میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اللہ نے ذکر خدا اور تعلق باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ پر زور دیتے ہوئے تمام پرکشش اسبابِ دنیا اور پرفریب جذباتِ قرابت سے مغلوب نہ ہونے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے۔

مسلم نے حضرت عمرو بن العاص کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا متاع (فائدہ اندوزی کی چیز) ہے اور دنیا کے متاع میں صالحہ عورت سب سے اچھی متاع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح دنیاوی امور میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ کے) فرض کے بعد حلال کی طلب بھی فرض ہے (رواہ الطبرانی والبیہقی عن ابن مسعودؓ)

طبرانی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بھی بیان کی ہے کہ حلال کی طلب ہر مسلمان پر واجب

Marfat.com

ہے۔ بقائے نسل کے لئے نکاح جس طرح فرض کفایہ ہے (تاکہ مسلمانوں کی نسل دنیا میں ختم نہ ہو) اسی طرح بقدر بقائے زندگی کھانا پینا ہر شخص پر فرض عین ہے اور تجارت زراعت وغیرہ دوسرے معاملات اور پیشے فرضِ کفایہ ہیں۔ اگر سب لوگ ان کو چھوڑ دیں گے تو معاشی انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور دینی نظم بھی بگڑ جائے گا (اور سب گناہگار ہوں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امانت دار سچا تاجر (قیامت کے دن) انبیاء اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، رواہ الترمذی عن ابی سعید الخذری وحسّنہ وابن ماجہ من حدیث ابن عمر۔

بغوی نے شرح السنۃ میں حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ لیکن (نکاح ہو یا تجارت یا زراعت یا کھانا پینا) ان تمام امور کی خوبی (یعنی عبادت ہو جانا) بالغیر ہے (حسنِ نیت کی وجہ سے یہ امور عبادت بن جاتے ہیں) اور ذکر خداوندی اور سب سے کٹ کر اللہ سے لَو لگانا فی نفسہ عبادت ہیں ان کی خوبی ذاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کی وجہ سے برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، الحدیث رواہ البخاری۔ اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ میرا بندہ نکاح یا کھانے پینے سے برابر میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس وحی نہیں آئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ یہ وحی آئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ رواہ البغوی فی تفسیر سورۃ الحجر۔

تمام پیغمبروں کی شریعتوں میں نکاح کرنا مجرد رہنے سے افضل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کو سنن انبیاء میں شمار کیا ہے ان چار چیزوں میں ایک نکاح کو بھی شامل کیا ہے۔ آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسف موسیٰ علیہما السلام، ہارون علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، زکریا علیہ السلام وغیرہم سب ہی نے نکاح کئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مسلمانوں کا بہترین مال وہ بکریاں ہیں جن کو ہنکا کر وہ پہاڑ کی چوٹی پر لے جائے (اور سب سے الگ ہو جائے) تاکہ فتنوں سے اپنے دین کو بچا کر بھاگ جائے۔ رہبانیت سے مراد ہے ان جائز امور کو ترک کر دینا جن کو ترک کرنے کا کوئی ثواب نہیں، جیسے نکاح کا ترک کر دینا بستر پر سونا ترک کر دینا، گوشت ترک کر دینا، ہمیشہ چپ رہنا اور کلام کو ترک کر دینا، جیسے نصاریٰ کے راہب کیا کرتے تھے، اللہ نے فرمایا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ شریعت میں ممانعت اسی اختراعی خودساختہ رہبانیت کی ہے۔ جائز شرعی رہبانیت کی ممانعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف میں حدیث میں آیا ہے وہ رات میں راہب اور دن میں شیر تھے۔

گویا آیت یہ تعلیم دے رہی ہے کہ اگر غلام آقا سے یا بالغ عورت سرپرست سے اپنا نکاح کرانے کی درخواست کرے تو آقا اور ولی پر ان کا نکاح کرا دینا واجب ہے یہ مطلب امام شافعی کے مسلک پر ہوگا اور ان لوگوں کے نزدیک بھی آیت کا یہی مفہوم ہوگا جو عورتوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو آیت کا مقصد صرف یہ ہے کہ سرپرست لوگ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں یہی مفہوم آیت فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ کا ہے

مناسب رشتہ آئے تو نکاح کر دو

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیامِ نکاح بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے (اپنی بہن، بیٹی یا عزیزہ کا) نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا بگاڑ پیدا ہو جائے گا (رسوائی ذلت اور زناکاری کا بُرا نتیجہ پیدا ہوگا) (رواہ الترمذی)

اولاد کا نکاح نہ کرنے کا نقصان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، توریت میں لکھا ہوا تھا کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اس حالت میں اگر لڑکی کسی گناہ کا ارتکاب کر لے تو گناہ نکاح نہ کرنے والے پر پڑے گا۔

حضرت ابو سعید اور حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے لڑکا ہو وہ لڑکے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تہذیب سکھائے، جوان ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہو

Marfat.com

جانے کے بعد اس کا نکاح نہیں کرے گا اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھے گا تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا، دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

غلام اور باندیاں نکاح کے قابل ہوں تو ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالو

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ یعنی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صالح ہوں، اُن کے نکاح کرادیا کرو۔ یہ خطاب اُن کے آقاؤں اور مالکوں کو ہے اس جگہ صالحین کا لفظ اپنے لُغوی معنے میں آیا ہے یعنی ان میں جو شخص نکاح کی صلاحیت واستطاعت رکھتا ہو اس کا نکاح کرادینے کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے مراد اس صلاحیت سے وہی ہے کہ بیوی کے حقوقِ زوجیت اور نفقہ ومہر معجّل ادا کرنے کے قابل ہوں۔ اور اگر صالحین کو معروف یعنی نیک لوگوں کے معنے میں لیا جائے تو پھر ان کی تخصیص بالذکر اس وجہ سے ہوگی کہ نکاح کا اصل مقصد حرام سے بچنے کا وہ صالحین ہی میں ہوسکتا ہے۔

بہرحال اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صلاحیت نکاح کی رکھنے والے ہوں ان کے نکاح کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے اور مُراد اس سے یہ ہے کہ اگر وہ اپنی نکاح کی ضرورت ظاہر کریں اور خواہش کریں کہ اُن کا نکاح کردیا جائے تو آقاؤں پر بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہوگا کہ ان کے نکاح کردیں اور جمہور فقہاء کے نزدیک اُن پر لازم ہے کہ ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالیں بلکہ اجازت دے دیں کیونکہ مملوک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح بغیر مالکوں کی اجازت کے نہیں ہوسکتا۔ تو یہ حکم ایسا ہی ہوگا جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ یعنی عورتوں کے اولیاء پر لازم ہے کہ اپنی زیر ولایت عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص منگنی لے کر آئے اور اخلاق آپ کو پسند ہوں تو ضرور نکاح کردو اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور وسیع پیمانے کا فساد پیدا ہوجائے گا۔ (رواہ الترمذی)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم آقاؤں کو اس لئے دیا گیا کہ وہ اجازت نکاح دینے میں کوتاہی نہ کریں خود نکاح کرانا ان کے ذمہ واجب ہو یہ ضروری نہیں۔ واللہ اعلم۔

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

اگر وہ ہوں گے مُفلس اللہ اُن کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے

رزق کے خوف سے نکاح ترک نہ کرو

بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس وپیش کیا کرتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اُٹھے گا۔ انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات پر نکاح سے مت رُکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے کیا معلوم ہے کہ خدا چاہے تو ان ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کردے۔ نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر وافلاس کو مستلزم ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ (توبہ - رکوع ۴) اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی یہ چیز معقول ہے کہ نکاح کر لینے یا ایسا ارادہ کرنے سے آدمی پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ پہلے سے بڑھ کر کمائی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اُدھر بیوی اور اولاد ہو جائے تو وہ بلکہ بعض اوقات بیوی کے کنبہ والے بھی کسب معاش میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ بہر حال روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں۔ پھر یہ خیال نکاح سے مانع کیوں ہو۔ (تفسیر عثمانی)

نکاح کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا، نکاح کے سلسلہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرو، اللہ نے جو تم سے غنی بنادینے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کرے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ حضرت قتادہ کا بیان ہے، حضرت عمر بن خطاب کا فرمان ہم سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے اس شخص کی طرح (عجیب آدمی) نہیں دیکھا جو نکاح کے ذریعہ غنا کا طلبگار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں اللہ نے وعدہ فرمایا ہے وہ فرماتا ہے نکاح کے ذریعہ سے غنا طلب کرو۔ نکاح کر کے ہی اللہ کے فضل کے خواستگار بنو۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیۃ تلاوت فرمائی۔

بزار خطیب اور دار قطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں سے نکاح کرو۔ وہ خود مال لے کر آئیں گی (یعنی نکاح کے بعد اللہ تمہارے لئے فراخ دستی کے دروازے کھول دے گا) رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ مرسلا عن عروۃ۔

ثعلبی اور دیلمی مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباس کا قول

Marfat.com

نقل کیا ہے نکاح کے ذریعہ سے رزق کی تلاش کرو۔

میں کہتا ہوں شاید یہ وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نکاح کے ذریعہ سے پاک دامن رہنے کے خواستگار ہوتے ہیں اور رزق کا بھروسہ اللہ پر رکھتے ہیں۔ ذیل کی آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾
اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے

جس کے حق میں مناسب جانتا ہے کشائش کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى
اور اپنے آپکو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا سامان نکاح کا جب تک
يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ
کہ مقدور دے اُن کو اللہ اپنے فضل سے

جب تک نکاح کی ہمت نہیں عفت محفوظ رکھو

یعنی جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لا سکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں۔ اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبط نفس اور عفت کی برکت سے حق تعالیٰ اُن کو غنی کر دے اور نکاح کے بہترین مواقع مہیا فرما دے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
اور جو لوگ چاہیں لکھت آزادی کی مال دے کر اُن میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ
فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ
کے مال ہیں تو ان کو لکھ کر دے دو اگر سمجھو اُن میں کچھ نیکی

غلام اور لونڈی کی آزادی

یعنی کسی کا غلام یا لونڈی کہے یا مزید توثیق کے لئے لکھوانا چاہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر مال تجھ کو کما دوں تو مجھے آزاد کر دے، تو مالک کو چاہئے کہ قبول کر لے اور لکھ دے (اس معاملہ کو مکاتبہ کہتے ہیں (اور یہ غلاموں کے آزاد کرانے کی ایک خاص صورت ہے) لیکن یہ مالک کو اُس وقت قبول کرنا چاہئے جبکہ وہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہوگی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا۔ اگر یہ اطمینان ہو تو بیشک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہئے۔ تا وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدانوں میں خوب ترقی کر سکے اور کہیں نکاح کرنا چاہے تو باختیارِ خود نکاح کر لے۔ غلامی کی وجہ سے میدان تنگ نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اپنے غلام کو سو دینار ادا کرنے کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور بیس دینار (تجارت وغیرہ کے لئے) اس کو خود دے دیئے، چنانچہ غلام نے (کمائی کر کے) سو دینار ادا کر دیئے (اور آزاد ہو گیا) یہ غلام جنگ حنین میں شہید ہو گیا۔

آیت مذکور میں، جمہور علماء کے نزدیک امر استحبابی ہے وجوبی نہیں مکاتب بنانا واجب نہیں)

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کی آزادی

بغوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے۔ حضرت انس نے کچھ توقف کیا۔ ابن سیرین نے حضرت عمر سے جا کر شکایت کی۔ حضرت عمر دُرہ لے کر حضرت انس پر چڑھ دوڑے۔ اور مکاتب بنانے کا حکم دیا۔ حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

اگر آزادی میں ان کی بہتری ہو تو آزاد کرو

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا یعنی مکاتب بنانا جب درست ہوگا جبکہ تم ان میں بہتری کے آثار دیکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اکثر حضرات ائمہ نے اس بہتری سے مراد قوت کسب بتلائی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتب بنا دیا تو کما کر معینہ رقم جمع کر لے گا اُس کو مکاتب بناؤ ورنہ جو اس قابل نہ ہو اُس کو مکاتب بنا دینے سے غلام کی محنت بھی ضائع ہوگی آقا کا نقصان بھی ہوگا۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ خیر اور بہتری سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اُس کے آزاد ہونے سے مسلمانوں کو کسی نقصان کے پہنچنے کا خطرہ نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ کافر ہو اور اپنے کافر بھائیوں کی مدد کرتا ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ لفظ خیر اس جگہ دونوں چیزوں پر حاوی ہے کہ غلام میں قوتِ کسب بھی ہو اور اُس کی آزادی سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔ (مظہری)

جدید مادہ پرستانہ نظریات اور قرآن کا نظریۂ ملکیت

آج کل دنیا میں مادہ پرستی کا دور دورہ ہے۔ ساری دنیا معاد و آخرت کو بھول کر صرف معاش کے جال میں پھنس گئی ہے اُن کی علمی تحقیقات اور

Marfat.com

غور وفکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں بحث وتحقیق کے زور نے ایک ایک معمولی مسئلہ کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے ۔ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔

اس معاملہ میں آج کل عقلاء دنیا کے دو نظریئے زیادہ معروف و مشہور ہیں اور دونوں ہی باہم متصادم ہیں اُن کے تصادم نے اقوامِ دنیا میں تصادم اور جنگ وجدال کے ایسے دروازے کھول دیئے ہیں کہ ساری دنیا امن واطمینان سے محروم ہوگئی۔

قرآن کریم نے اُصول یہ بنایا کہ کائنات کی ہر چیز دراصل اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ان کا خالق ہے پھر اس نے اپنے فضل وکرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے جن چیزوں کا اس قانون کی رو سے وہ مالک بنا دیا گیا ہے اس میں دوسروں کے تصرف کو بغیر اس کی اجازت کے حرام قرار دیا مگر مالک بننے کے بعد بھی اس کو آزاد ملکیت نہیں دی کہ جس طرح چاہے کمائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے بلکہ دونوں طرف ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریقہ کمانے کا حلال ہے فلاں حرام اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام۔ اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اُس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق بھی لگا دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔(مفتی اعظم)

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ
اور دو اُن کو اللہ کے مال سے جو اُس نے تم کو دیا ہے

غلاموں کی آزادی میں مالی امداد کرو

یہ دولتمند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسی لونڈی غلام کی مالی امداد کرو خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات وخیرات وغیرہ سے، تاکہ وہ جلد آزادی حاصل کرسکیں اور اگر مالک بدل کتابت کا کوئی حصہ معاف کردے، یہ بھی بڑی امداد ہے (تنبیہ) مصارف زکوٰۃ میں جو وَفِی الرِّقَاب کا ایک مد رکھا ہے وہ ان ہی غلاموں کے آزاد کرانے کا فنڈ ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی امداد ہوتی تھی۔(تفسیر عثمانی)

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا
اور نہ زبردستی کرواپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا
لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

کہ تم کمانا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا

لونڈیوں کو غلط کاری نہ کراؤ

جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کراتے تھے عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا۔ اُن میں بعض مسلمان ہوگئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کیا۔ اس پر وہ ملعون زدوکوب کرتا تھا، یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ اور اسی شان نزول کی رعایت سے مزید تقبیح کے لئے اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا اور لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی قیود بڑھاتی ہیں ورنہ لونڈیوں سے بدکاری کرانا بہرحال حرام ہے اور اس طرح جو کمائی کریں سب ناپاک ہے۔ خواہ لونڈیاں یہ کام رضاء ورغبت سے کریں یا زبردستی اور ناخوشی سے۔ ہاں اگر لونڈیاں نہ چاہیں اور یہ محض دنیا کے حقیر فائدے کے لئے زبردستی مجبور کرے تو اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت اور بے شرمی کی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ
اور جو کوئی اُن پر زبردستی کرے گا تو اللہ اُن کی بے بسی کے پیچھے
اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾
بخشنے والا مہربان ہے

مجبور ومحکوم قابل رحم ہے

یعنی زنا ایسی بُری چیز ہے جو جبر واکراہ کے بعد بھی بُری رہتی ہے لیکن حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکرَہہ کی بے بسی اور بیچارگی کو دیکھ کر درگذر فرماتا ہے۔ اس صورت میں مکرہ (زبردستی کرنے والے) پر سخت عذاب ہوگا اور مکرہ پر (جس پر زبردستی کی گئی) رحم کیا جائے گا۔(تفسیر عثمانی)

گناہ اس وقت قرار نہ دیا جائے گا جب جبر کرنے والا اضطرار کی حد تک مجبور کر کے وہ گناہ کرائے یعنی مجبور کو یہ اندیشہ ہو جائے اگر میں جابر کے قول پر عمل نہیں کروں گا تو مارا جاؤں گا یا میرا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا۔ اگر اس حد تک اندیشہ نہ ہو تو گناہ قائم رہتا ہے۔ اور چونکہ عبداللہ نے باندیوں کو اس حد تک مجبور نہیں کیا تھا کہ اگر وہ زنا نہ کریں گی تو ان کو قتل کر دیا جائے گا یا جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا یا توڑ پھوڑ دیا جائے گا اس لئے گناہ قائم رہا وہ عورتیں زنا کرنے کے بعد بے

Marfat.com

گناہ نہیں ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ
اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ حال اُن کا جو
خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع
ہو چکے تم سے پہلے اور نصیحت ڈرنے والوں کو

قرآن کا بیان نصیحت وعبرت کا کامل سامان ہے

یعنی قرآن میں سب کچھ نصیحتیں احکام اور گذشتہ اقوام کے عبرتناک واقعات بیان کردیئے گئے ہیں۔ تاخدا کا ڈر رکھنے والے سن کر نصیحت و عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا اس کی مراد یہ ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کئے گئے تھے جو اس سورت میں مذکور ہوئے۔ اور بعض قصے بھی اس قصہ افک کے مشابہ پیش آئے جو سورت ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے براءۃ ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ بنت الصدیقؓ کی براءۃ اور بزرگی بھی تا قیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کردی۔ اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی بعض حکایات یعنی جس طرح یوسفؑ، مریمؑ وغیرہما کے ہم نے عجیب تاریخی واقعات بیان کئے انہی کی طرح عجیب واقعہ ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی بیان کردیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو حالات اور نتائج گذشتہ قوموں کے ہم نے بیان کئے انہی کی طرح اے دروغ بندی، تہمت تراشی کرنے والو تمہارا حال بھی بیان کردیا جو نتیجہ ان کا ہوا وہی تمہارا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی

اللہ کے نور سے جہان آباد ہے

یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین اور آسمان کی، اُس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (موضح القرآن) سب مخلوق کو نور وجود اُسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور انبیاء و اولیاء میں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اِسی منبع النور سے مستفاد ہے۔ ہدایت و معرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اُسی بارگاہِ رفیع سے پہنچتا ہے تمام علویات و سفلیات اُس کی آیات تکوینیہ وتنزیلیہ سے منور ہیں حسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اُسی کے وجہ منور اور ذات مبارک کے جمال و کمال کا ایک پرتو ہے۔

طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء

سیرۃ ابن اسحٰق میں ہے کہ طائف میں جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تو یہ دُعا زبان پر تھی۔ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ يَحِلَّ بِیْ غَضَبُكَ اَوْيَنْزِلَ بِیْ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو "اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْارْضِ" کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان، آنکھ، دل، ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اُس سے نور طلب فرماتے تھے اور اخیر میں بطور خلاصہ فرماتے "وَاجْعَلْ لِیْ نُوْراً یا وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یا "وَاجْعَلْنِیْ نُوْراً" یعنی میرے نور کو بڑھا بلکہ مجھے نور ہی نور بنادے۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خلقه فِیْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ اَلْقٰی عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ نُوْرِهٖ يَوْمَئِذٍ اهتدیٰ وَمَنْ اَخْطَاَهٗ ضَلَّ (فتح الباری ص ۴۳۰) یعنی جس کو اُس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ ہدایت پر آیا اور جو اُس سے چوکا گمراہ رہا۔ واضح رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع۔ بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ ایسے ہی صفت نور بھی ہے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔ تفصیل کے لئے امام غزالیؒ کا رسالہ "مشکوٰۃ الانوار" دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

نور کا مطلب

اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے۔ نور اس کیفیت کا نام ہے جس کو آنکھ سب سے پہلے ادراک کرتی ہے پھر اس کے ذریعے سے دوسری قابل دید چیزوں کا انکشاف کرتی ہے۔ جیسے چاند سورج کی روشنی کہ (پہلے چاند سورج اس سے روشن ہوتے ہیں پھر) ان چیزوں کا اس سے انجلاء ہو جاتا ہے جو سورج و چاند کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے لفظِ نور کا ذاتِ باری تعالیٰ پر حقیقی اطلاق ممکن نہیں (کیونکہ یہ نور مادی ہے اور عوارضِ مادیات میں سے ہے) لامحالہ تاویل کی جائے گی۔ تاویل کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) مضاف کو محذوف مانا جائے یعنی اللہ

Marfat.com

زمین و آسمان کو نور عطا کرنے والا ہے (۲) بطور مبالغہ مصدر کو اللہ پر محمول کیا جائے (اللہ میں اتنی زیادہ نور بخشی ہے کہ گویا خدا خود نور ہو گیا) جیسے زید کا اگر بہت زیادہ منصف ہونا ظاہر کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہے زیدٌ عدلٌ یا اعلیٰ ترین کریم کو کرم کہہ لیتے ہیں۔

کبھی لفظ نور کا اطلاق بطور مدح بھی کیا جاتا ہے جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔ جب کسی رات کو عبداللہ مرد سے چلا جاتا ہے تو مرد کا نور اور حُسن چلا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور سے مراد ہے مدبر جو سردار قوم بڑا مدبر اور منتظم ہو اس کو نور القوم کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور وہ کیفیت ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہو اور اصلِ ظہور وجود و ہستی ہے جس طرح اصلِ خفاء عدم و نیستی ہے، پس نور السمٰوٰت سے مراد ہے آسمانوں کا موجود ہونا۔ اللہ بذاتِ خود موجود ہے اور دوسری چیزوں کو موجود کرنے والا ہے۔

باصرہ، (قوتِ بینائی) پر بھی اس کا اطلاق اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ ادراک اشیاء اس پر موقوف ہے اور بصیرت تو، بہر حال اعلیٰ ترین مدرک ہے آنکھ اپنا ادراک نہیں کرتی بصیرت اپنا بھی ادراک ہے اور اپنی ذات کے علاوہ تمام کلیات و جزئیات کا ادراک بھی اسی پر موقوف ہے۔ یہی حقائق پر غور کرتی اور ان کی تحلیل و ترکیب کرتی ہے اس لئے اس کو نور کہنا تو بدرجۂ اولیٰ لازم ہے۔ اور چونکہ بصیرت بذاتِ خود اور باختیار کامل نہ اپنی ذات کا ادراک کر سکتی ہے نہ دوسری چیزوں کا بلکہ اللہ کی طرف سے اس پر فیضانِ ادراک ہوتا ہے کبھی بلاواسطہ اور کبھی ملائکہ و انبیاء کے توسط سے اس لئے ان سب کو انوار کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ مثال کا حاصل

اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغنِ زیتون فطری نورِ ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود بھی قبولِ حق کا ہے پھر جس طرح روغنِ زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مؤمن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علمِ الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے اور حضرات صحابہ و تابعین نے جو اس مثال کو قلب مؤمن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مؤمن ہی اُٹھاتا ہے ورنہ وہ فطری نورِ ہدایت جو ابتداء تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جاتا ہے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم ہر خطہ ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کو اور اُس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفسِ وجود کا ہر انسان فطرۃً قائل ہوتا ہے بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ خدا ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کُل مولودٍ یولد علی الفطرۃ، یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ
مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو
فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ
ایک شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا تیل جلتا ہے
مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا
اُس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ
غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ
مغرب کی طرف قریب ہے اُس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ
نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
روشنی پر روشنی اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے
وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ
اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝
چیز کو جانتا ہے

Marfat.com

مؤمن نورِ الٰہی سے کس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے

یعنی یوں تو اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے لیکن مومنین مہتدین کو نورِ الٰہی سے ہدایت وعرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مومن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ (قندیل) رکھا ہو یہ شیشہ اُس کا قلب ہوا جس کا تعلق عام بالا سے ہے۔ اُس شیشہ (قندیل) میں معرفت وہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسے صاف وشفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو کسی حجاب سے نہ مشرق میں ہو نہ مغرب میں یعنی کسی طرف دھوپ کی روک نہیں کھلے میدان میں کھڑا ہے جس پر صبح وشام دونوں وقت کی دھوپ پڑتی ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایسے زیتون کا تیل اور بھی زیادہ لطیف وصاف ہوتا ہے غرض اُس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدون آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائے گا۔ یہ تیل میرے نزدیک اُسی حُسن استعداد اور نورِ توفیق کا ہوا جو نورِ مبارک کے القاء سے بدءِ فطرت میں مومن کو حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ اُوپر کے فائدہ میں گذر چکا اور جس طرح شجرۂ مبارکہ کو لَاشَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ فرمایا تھا وہ نورِ ربانی بھی جہت کی قید سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مومن کا شیشۂ دل نہایت صاف ہوتا ہے اور خدا کی توفیق سے اُس میں قبول حق کی ایسی زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اُٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی وقرآن کی تیز روشنی نے اس کو مَس کیا فوراً اُس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ اسی کو "نُوْرٌ عَلٰی نُوْر" فرمایا۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، جس کو چاہے اپنی روشنی عنایت فرمائے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہیے کس کو نہیں ان عجیب وغریب مثالوں کا بیان فرمانا بھی اسی غرض سے ہے کہ استعداد رکھنے والوں کو بصیرت کی ایک روشنی حاصل ہو۔ حق تعالیٰ ہی تمثیل کے مناسب موقع ومحل کو پوری طرح جانتا ہے کسی دوسرے کو قدرت کہاں کہ ایسی موزوں وجامع مثال پیش کر سکے۔ آگے فرمایا کہ وہ روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ صبح وشام بندگی کرتے ہیں وہاں دھیان لگا رہے۔

(تنبیہ) مفسرین نے تشبیہ کی تقریر بہت طرح کی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی موضح القرآن میں نہایت لطیف وعمیق تقریر فرمائی ہے مگر بندہ کے خیال میں جو توجیہ آئی وہ درج کر دی۔ وَلِلنَّاسِ فیما یعشقون مذاہب واضح رہے کہ "یُوْقَدُ اور وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ" میں جس نار کی طرف اشارہ ہے میں نے مشبہ میں اُس کی جگہ وحی وقرآن کو رکھا ہے۔ اس کا ماخذ وہ فائدہ ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے "مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَاراً" پر لکھا ہے اور جس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ "اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ النَّاسِ كَرَجُلِ اسْتَوْقَدَ نَاراً فَلَمَّا اَضَاءَ تْ مَاحَوْلَهٗ جَعَلَ الْفَرَاش وَهٰذِهِ الدَّوَابّ الَّتِیْ یَقَعْنَ فِیْهَا الخ" (تفسیر عثمانی)

دلوں کی چار قسمیں

مسند کی ایک حدیث میں ہے دلوں کی چار قسمیں ہیں ایک تو صاف اور روشن، ایک غلاف دار بندھا ہوا ایک اُلٹا اور اوندھا، ایک پھرا ہوا اُلٹا سیدھا، پہلا دل تو مومن کا دل ہے جو نورانی ہوتا ہے اور دوسرا دل کافر کا دل ہے اور تیسرا دل منافق کا دل ہے کہ اس نے جانا پھر انجان ہو گیا، پہچان لیا پھر منکر ہو گیا۔ چوتھا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے نفاق بھی ہے۔ ایمان کی مثال تو اس میں مثل ترکاری کے درخت کے ہے کہ اچھا پانی اسے بڑھا دیتا ہے اور نفاق کی مثال اس میں مثل پھوڑے کے ہے کہ خُون پیپ اسے اُبھار دیتا ہے اب جو غالب آ گیا وہ اس دل پر چھا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور امام بغویؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب احبار سے پوچھا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ کیا کہتے ہیں مثل نورہ کمشکوٰۃ الآیۃ کعب احبار جو تورات وانجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے اُنہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مشکوۃ آپ کا سینہ اور زجاجۃ (قندیل) آپ کا قلب مبارک اور مصباح (چراغ) نبوت ہے۔ اور اس نورِ نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار واعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کیلئے روشنی کا سامان ہے پھر وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

Marfat.com

بہت سے واقعات عجیبہ صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا ایک کافی حصہ اس جگہ تفسیر مظہری میں بھی نقل کر دیا ہے۔

روغن زیتون کی برکات

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ اس سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک اور نافع ومفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روغنِ زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرۂ مبارکہ ہے (رواہ البغوی والترمذی عن عمرؓ مرفوعاً۔ مظہری) (معارف مفتی اعظم)

مؤمن کے دل کا نور

مَثَلُ نُوْرِهٖ اللہ کے نور کی صفت۔ یعنی وہ نور جو مومن کے دل میں جگمگاتا ہے جس کی پرتو انداز کی وجہ سے مومن کا دل اللہ کی ذات وصفات کی طرف راستہ پاتا ہے عقلِ انسانی جس کو پا نہیں سکتی تھی۔ اس نور کی ضیاء پاشی کی وجہ سے وہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جس کے ذریعہ یہ عقلِ بشری حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیتی ہے، اللہ نے فرمایا، فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعود پڑھتے تھے مَثَلُ نُوْرِهٖ فِيْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ بقول سعید بن جبیر حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس نور کی حالت وصفت جو اللہ نے مومن کو عطا فرمایا ہے۔

بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ نورہٖ کی ضمیر مومن کی طرف راجع ہے۔ حضرت اُبی نے فرمایا، مومن کے دل کے نور کی صفت۔ یہ مومن وہ بندہ ہے، جس کے دل کے اندر اللہ نے ایمان اور سینہ کے اندر قرآن جما دیا ہے۔ حسن اور زید بن اسلم نے کہا نور سے مراد قرآن ہے، سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا نور سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک۔ بعض کے نزدیک نور سے اللہ کی طاعت مراد ہے۔ بندے کی طاعت کو اللہ نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ جیسے ایک طاقچہ جس میں ایک چراغ ہو۔ مِشکوٰۃ طاقچہ جس میں آر پار سوراخ نہ ہو اگر آر پار سوراخ ہو تو اس کو کوّۃ (روشن دان) کہتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مشکوٰۃ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ مجاہد نے مشکوٰۃ کا ترجمہ قندیل کیا ہے اس وقت مضاف محذوف ہوگا، یعنی نور قندیل کی طرح ہے جس میں چراغ موجود ہو۔

مصباح چراغ۔ یہ اسم آلہ بروزن مفعال ہے، صبح کا معنی ہے روشنی مصباح روشنی کا آلہ۔

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ چراغ شیشہ (کے فانوس) میں ہو۔ زجاج نے کہا شیشے کے اندر نور اور آگ کی روشنی بہت زیادہ جھلکتی ہے، اسی لئے لفظ زجاجۃ ذکر کیا۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ شیشے کا فانوس ایسا معلوم ہوتا ہو۔ دُرِّیٌ میں یا نسبتی ہے۔ دُر موتی۔ (یعنی موتی جیسا تارا) صفائی اور حسن میں موتی کی طرح۔

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ وہ چراغ جو برکت والے درخت یعنی زیتون (کے تیل) سے روشن ہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے زیتون کے تیل سے ناسور اچھا ہوتا ہے۔ چوٹی سے جڑ تک اس کے درخت میں تیل ہی تیل ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت اسید بن ثابت یا حضرت اسید انصاری کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ مبارک درخت ہے۔ رواہ الترمذی عن عمرؓ۔ واحمد الترمذی والحاکم عن ابی اسید و رواہ ابن ماجۃ والحاکم عن ابی ہریرۃؓ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ نفیس اور برکت والا ہوتا ہے۔

ابونعیم نے الطب میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ یہ ستر بیماریوں کے لئے شفاء ہے جن میں سے ایک کوڑھ کی بیماری بھی ہے۔

لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔

بعض نے کہا وہ درخت نہ زمین کے مشرقی حصہ میں واقع ہے نہ مغربی حصہ میں بلکہ درمیان میں یعنی ملکِ شام میں واقع ہے، شام کا زیتون بہت عمدہ ہوتا ہے۔

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نور بالائے نور ہے۔ ایک تو تیل کی بجائے خود چمک پھر آگ کی وجہ سے اس کی اشتعالی روشنی۔ یہ دوہرا نور ہے۔ بلکہ چند در چند نور ہے تیل کے صاف ہونے کی وجہ سے اس کی ذاتی چمک شیشہ کے اشتعال کی چمک اور ایسے طاقچہ کی جگمگاہٹ جس میں اِدھر اُدھر سوراخ اور آر پار راستہ نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا بیان ہے میں نے بحالت حمل خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے اندر سے نکلا جس کی وجہ سے شہر بُصریٰ علاقہ شام کے محلات میری نظر کے سامنے چمک اُٹھے پھر پیدا ہوتے ہی آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھایا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ملک شام کے محل ان کی نظر کے سامنے چمک اُٹھے، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

مہرِ نبوت

ابونعیم نے دلائل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے بیان کیا جب آپ پیدا ہوئے تو فرشتہ نے آپ کو تین بار پانی میں غوطہ دیا۔ پھر ایک ریشمی بٹوے کے اندر سے ایک مہر نکال کر آپ کے شانہ پر لگائی جس کی وجہ سے ایک سفید انڈے کی طرح چیز پیدا ہوگئی جو زہرہ کی طرح چمکنے لگی۔

عالم کفر میں زلزلہ

بیہقی، ابن ابی الدنیا اور ابن السکن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو کسریٰ کے محل میں لرزہ آ گیا اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور کسریٰ خوف زدہ ہو گیا۔ اور فارس کی جو آگ ہزار برس سے نہیں بجھی تھی وہ بجھ گئی اور ساوت جھیل خشک ہوگئی۔

یہودی تاجر کی خبر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آیا ہے کہ ایک یہودی مکہ میں رہتا اور تجارت کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو اس نے قریش سے کہا اے گروہِ قریش آج رات اس امت کا نبی پیدا ہو گیا جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہے اور نشان میں گھوڑے کے بال کی طرح چند بالوں کی ایک قطار ہے لوگ یہودی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس پہنچے اور نو مولود بچے کی پشت کھول کر دیکھی یہودی کی نظر جب مسہ پر پڑی فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے پوچھا ارے ارے تجھے کیا ہو گیا، یہودی کہنے لگا واللہ بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ (رواہ الحاکم)

راہب کی پیش گوئی

مواہب لدنیہ میں عمیصا راہب کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، عمیصا مکہ والوں سے کہتا تھا اے اہلِ مکہ عنقریب تم میں ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے۔ سارا عرب جس کا تابع ہو جائے گا اور عجم پر بھی اس کا اقتدار ہوگا یہ زمانہ اس کی پیدائش کا ہے۔

حضرت عباس کے مسلمان ہونے کا خاص سبب

حضرت عباس بن عبدالمطلب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے دین میں میرے داخل ہونے کا ایک خاص باعث ہوا آپ کے نبی ہونے کی نشانی میں نے اسی وقت دیکھ لی تھی جب آپ جھولنے میں پڑے ہوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب آپ اس کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ (کنارہ) جھک جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس سے باتیں کر رہا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے سربسجود ہوتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

فرشتے جھولا جھلاتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کی گئی ہے کہ آپ کے جھولنے کو فرشتے جھلاتے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے کلام کیا تھا۔

حضرت حلیمہ کی گود میں برکتیں

ابو یعلیٰ اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انا حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا تو فوراً میری چھاتیاں بقدر ضرورت دودھ سے بھر آئیں پہلے میرا بچہ یعنی ضمرہ بھوکا رہنے کی وجہ سے سوتا نہ تھا، اب دونوں نے سیر ہو کر پی لیا اور دونوں سو گئے پہلے میری پستان میں اتنا دودھ ہی نہ تھا جو بچہ کے لئے کافی ہوتا نہ ہماری اونٹنی کے پاس دودھ تھا جو بچہ کو پلایا جا سکتا اب جو میرا شوہر اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھتا کیا ہے کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں میرے شوہر نے اس کو دوہا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور شوہر نے بھی خوب پیا اور وہ رات بڑے چین سے گزری، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جب میں واپس آئی اور گدھی پر سوار ہوئی تو خدا کی قسم وہ تو اتنی تیز چلنے لگی کہ ساتھیوں کا کوئی گدھا اس کا مقابلہ نہ کر سکا ساتھ والیاں کہنے لگیں اری ابی ذویب کی بیٹی! ذرا ٹھہر تو،

Marfat.com

کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تو آئی تھی، میں نے کہا ہاں۔ بات یہ تھی کہ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے میری گدھی ساتھ والے قافلہ کے لئے بار ہوگئی تھی بار بار ان کو رکنا پڑتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کلام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو آپ نے کہا ،اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلاً . یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا۔الحدیث۔

بادل کا سایہ

حضرت ابن عباس کا بیان ہے حلیمہ آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں تا کہ آپ کی طرف سے ان کو بے خبری نہ رہے ایک روز آپ اپنی (رضاعی) بہن شیماء کے ساتھ باہر چلے گئے اور جہاں (جنگل میں) اونٹ تھے وہاں جا پہنچے حلیمہ تلاش میں نکلیں آپ اپنی بہن کے ساتھ (کہیں) مل گئے حلیمہ نے کہا اس گرمی میں تم کہاں پھر رہے ہو شیماء نے کہا اماں! مجھے اپنے بھائی کے ساتھ تو گرمی محسوس ہی نہیں ہوئی، برابر ان کے اوپر ایک بدلی سایہ کئے رہی جب یہ کہیں ٹھہر جاتے تھے بدلی بھی (ان کے اوپر) ٹھہر جاتی تھی یہ چل دیتے تھے تو بدلی بھی ان کے اوپر چل دیتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں چراغ کی ضرورت نہیں تھی

شمائل مجدیہ میں مذکور ہے کہ حلیمہ نے کہا جس روز سے ہم نے آپ کو لیا کبھی ہم کو چراغ کی ضرورت نہیں رہی آپ کے چہرہ کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہم کو کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ کو وہاں لے جاتے آپ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔

بت اور حجر اسود تعظیم سے جھک گئے

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حلیمہ جب آپ کو لے کر بتوں کی طرف گئیں تو ہبل اور دوسرے بت آپ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے اور سنگِ اسود کے پاس لے کر گئیں تو سنگِ اسود خود اپنی جگہ سے نکل کر آپ کے منہ کو چمٹ گیا۔

خشک وادیاں سرسبز ہو گئیں

یہ بھی مروی ہے کہ حلیمہ جب آپ کو دودھ پلانے لگیں تو پستانوں سے اتنا دودھ بہنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ جب حلیمہ آپ کو لے کر کسی خشک وادی سے گزرتیں تو وہ فوراً سر سبز ہو جاتی، حضرت حلیمہ خود سنتی اور دیکھتی تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے تھے اور درختوں کی شاخیں آپ کی طرف جھک جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ میرا رضاعی بھائی جب کسی وادی پر جا کر کھڑا ہوتا تھا تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی تھی۔ اور بکریوں کو پانی پلانے کے لئے ہم کنویں پر آتے تھے تو کنویں کا پانی ابل کر کنویں کے منہ تک آ جاتا تھا، جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو بدلی آ کر سایہ کر لیتی تھی اور جنگلی جانور آپ کے پاس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے تھے۔

شقِ صدر

خلاصۃ السیر میں ہے کہ آپ کی انا نے بیان کیا ایک بار آپ ہمارے اونٹوں کے مقام پر تھے اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے میرے قریشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر پیٹ پھاڑ دیا، حضرت حلیمہ کا بیان ہے ہم یہ بات سن کر فوراً اُن کی طرف نکل کھڑے ہوئے جا کر دیکھا تو آپ منہ لپیٹے کھڑے ہوئے تھے ہم نے آپ کو چمٹا لیا اور دریافت کیا، کیا واقعہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی سفید پوش آئے اور انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ بھاڑا پھر اس کے اندر کسی چیز کو ٹٹولا، مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا چیز نکالی۔ حضرت شداد بن اوس کی روایت سے ابو یعلی، ابو نعیم اور ابن ابی عساکر نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ آیا ان کے پاس سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا ان میں سے ایک نے مجھے زمین پر لٹایا (اور پیٹ پھاڑ کر) پھر پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں۔ پھر ان کو برف سے دھویا اور خوب دھویا پھر ان کو ان کی جگہ دوبارہ رکھ دیا پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے میرا دل نکال کر پھاڑا اور اس کو صاف کیا یہ سب باتیں میں دیکھ رہا تھا، پھر ایک سیاہ بوٹی اس کے اندر سے نکال کر پھینک دی پھر دائیں بائیں طرف ہاتھ گھمانے لگا معلوم ہوتا تھا کوئی چیز تلاش کر رہا ہے پھر مجھے نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی ہے جو مجسم نور ہے اس کو دیکھنے سے نگاہ میں چکا چوند ہو رہی تھی اس انگوٹھی سے اس نے

Marfat.com

میرے دل پر مہر لگا دی مُہر لگاتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا یہ نبوت ودانش کا نور تھا پھر دل کو لوٹا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا میں اس مہر کی خنکی اپنے دل میں مدت تک محسوس کرتا رہا پھر تیسرے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا تم ہٹ جاؤ (وہ ہٹ گیا) تیسرے شخص نے سینے کی وسطی لکیر (خط ابیض) کے آغاز سے زیر ناف کے آخری حصہ تک ہاتھ پھیرا فوراً شگاف جُڑ گیا۔

حضرت اُنس کا بیان ہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قحط دُور ہو گیا

ابن عساکر کی روایت میں آیا ہے کہ ایک سال کال پڑا، ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر بارش کی دعا کرنے کعبے کے پاس پہنچے کعبہ کی دیوار سے اپنی پشت لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پکڑی اس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا بھی نہ تھا، فوراً اِدھر اُدھر سے بادل آ گیا اور موسلا دھار خوب بارش ہوئی اتنی کہ ساری وادی بہ نکلی۔ اس واقعہ کی طرف ابو طالب نے ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے ''ان کا رنگ گورا ہے ان کے طفیل میں بارش کی دعا کی جاتی ہے وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور رانڈوں کی عصمت بچانے والے ہیں۔''

راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا

خلاصۃ السیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملکِ شام کی طرف گئے۔ مقام بصریٰ میں پہنچے تو بحیرا راہب نے آپ کا حلیہ دیکھ کر پہچان لیا اور دستِ مبارک کو پکڑ کر کہا۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں اللہ ان کو انسانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ راہب سے دریافت کیا گیا تم کو اس کا کیسے علم ہوا، راہب نے کہا جب تم لوگ گھاٹی سے نکل کر آ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کی طرف کو جھک رہا تھا اور ایسا صرف نبی کے لئے ہی ہوتا ہے ہم نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات پڑھے ہیں۔ پھر ابو طالب سے بحیرا نے کہا اگر تم ان کو لے کر شام کو گئے تو یہودی ان کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ راہب کے مشورے سے ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصریٰ سے ہی واپس کر دیا (یا ساتھ لے کر واپس لوٹ آئے) دوبارہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام کو ساتھ لے کر تجارت کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملکِ شام کو گئے اس وقت سنِ مبارک پچیس ۲۵ سال کا تھا اور حضرت خدیجہ سے نکاح نہیں ہو پایا تھا، شام میں پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس اترے راہب نے اوپر سے میسرہ کی طرف جھانک کر دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے میسرہ نے کہا باشندگان حرم میں سے ایک قرشی شخص ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کبھی کوئی اور نہیں اترا۔

راہب مسلمان ہو گیا

بعض روایات میں آیا ہے کہ راہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میں ایمان لے آیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ وہی (نبی) ہیں جن کا ذکر اللہ نے توریت میں کیا ہے، پھر مہر نبوت کو دیکھ کر چوما اور کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول نبی امی ہاشمی عربی ہیں آپ ہی صاحب حوض ہیں آپ ہی شفاعت کرنے والے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔

فرشتے سایہ کرنے لگے

بعض روایات میں آیا ہے کہ میسرہ نے بیان کیا دوپہر کا وقت ہوا اور گرمی سخت ہو گئی تو دو فرشتے اتر کر آپ پر سایہ کرنے لگے تا کہ گرمی (اور سورج کی تیزی) سے آپ کو تکلیف نہ ہو آپ اس وقت اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے حضرت خدیجہ نے میسرہ کا جب بیان سنا تو آپ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

علامہ سہیلی کی توجیہ

سُہیلی نے راہب مذکور کے قول کا مطلب اس طرح بیان کیا۔ راہب کی مراد یہ تھی کہ اس وقت اس درخت کے نیچے پیغمبر ہی فروکش ہوا ہے۔ سُہیلی کو اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انبیاء کے دور کو گزرے ایک طویل مدت (تقریباً پانچسو سال) گزر چکے تھے اتنی طویل مدت کسی ایک درخت کا باقی رہنا بعید از عقل تھا پھر درخت بھی سرِ راہ تھا آنے جانے والے ضرور اس کے نیچے آرام لیتے رہے ہوں گے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لب راہ درخت کے نیچے کوئی مسافر سوائے نبی کے کبھی نہ اترا ہو۔ سہیلی کی توجیہ ٹھیک ہے لیکن یہ توجیہ لفظ قَطُّ کے خلاف ہے قَطُّ کا تو یہ معنی ہے کہ کبھی اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی قدرت ہمہ گیر معمولی حالات اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی کبھی نہ اترا ہو۔ اللہ کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں۔ (سُہیلی کی توجیہ کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ یہ

Marfat.com

درخت جس کی عمر دس بیس یا پچاس برس ہے اس مدت میں کوئی شخص کبھی اس کے نیچے نہیں نازل ہوا اس وقت صرف پیغمبر ہی فروکش ہوا اور حسب صراحت توریت اس کے نیچے پیغمبر ہی اتر سکتا تھا) واللہ اعلم۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول

سالم کی روایت میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا "مشکوٰۃ" سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سینہ اور "زجاجہ" سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح وہ نور تھا جو آپ کے دل میں روشن تھا اور "شجرۃ مبارکہ" سے مراد ہیں حضرتِ ابراہیم اور "شرقی غربی" نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور "نور علیٰ نور" کا یہ مطلب ہے کہ ایک نور تو حضرتِ ابراہیم کے دل کا نور تھا اور دوسرا نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا نور۔

محمد بن کعب کا قول

محمد بن کعب قرظی نے کہا "مشکوٰۃ" حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور "زجاجہ" حضرت اسمٰعیلؑ اور "مصباح" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے آیت سراجاً منیرا میں سراج فرمایا ہے۔ یہ چراغ ایک برکت والے درخت کے تیل یعنی حضرت ابراہیمؑ کی ذات سے روشن تھا، حضرت ابراہیم یقیناً بہت ہی بابرکت تھے اکثر انبیاء آپ ہی کے نسل سے ہوئے پھر آپ ایسے درخت کی طرح تھے جو نہ شرقی ہو نہ غربی یعنی آپ نہ یہودی تھے نہ عیسائی یہودی مغرب کو منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اس لئے یہودیوں کو غربی قرار دیا اور عیسائی شرقی قرار پائے۔

وحی سے قبل ہی کمالات ظاہر ہونے لگے

یَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور محاسن ظہور پذیر ہونے والے تھے (آگ کے چھونے یعنی وحی آنے کے بعد تو ان کا ظہور ہو ہی گیا وحی سے پہلے ہی وہ قریب الظہور تھے)

نور اصل اور نور نسل

نور بالائے نورٍ کا یہ مطلب ہے کہ نور اصل نور نسل کے ساتھ شامل ہو گیا ایک تو نور ابراہیمی تھا پھر نور محمدیؐ اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پس نورِ محمدی نور بالائے نور ہو گیا۔

حضرت ابی بن کعب کی تفسیر

ابوالعالیہ نے حسب ذیل تفسیر کی حضرت ابی بن کعب کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے مؤمن کی ذات ایک مشکوٰۃ ہے زجاجہ مومن کا سینہ ہے مصباح اس کا دل ہے نورِ مصباح ایمان اور قرآن کی روشنی ہے جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ شجرۂ مبارکہ سے یہ روشنی اخلاص اللہ کے مبارک درخت سے حاصل ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سرسبز شاداب درخت جو گھنے باغ میں دوسرے درختوں سے گھرا ہوا ہو کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت دھوپ سے محفوظ ہو مومن بھی ہر طرح کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے، چار اوصاف اس کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے اس کو کچھ ملتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے فیصلہ کرتا ہے تو انصاف کا کرتا ہے بات کہتا ہے تو سچی کہتا ہے اس کا دل ایسا چراغ ہوتا ہے جو آگ چھو جانے کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشن ہو جانے کے قریب ہے یعنی ظہور حق سے پہلے ہی اس کو معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا دل فطری طور پر حق پرست ہے، وہ نور بالائے نور ہوتا ہے اس کا قول ایک نور ہوتا ہے اس کا علم ایک نور ہوتا ہے اس کا آنا نور اور جانا نور ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ نور ہی کی طرف جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

حضرت ابنِ عباس نے فرمایا یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے مومن کا دل فطرتاً ہدایت پر عمل کرتا ہے جب اس کو (شریعت کے ذریعہ سے) علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے نور بالائے نور ہو جاتا ہے۔

صوفی کا دِل

میں کہتا ہوں صوفی کا دل حق بات، حق عمل اور حق اعتقاد کی وجہ سے کھل جاتا ہے حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، باطل سے اس میں انقباض ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے دل سے (مشتبہ امور میں) فتویٰ طلب کرو۔ اگرچہ مفتیوں نے تم کو فتویٰ دے دیا رواہ البخاری فی التاریخ بسند حسن۔ جب مومن کے دل میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم آ جاتا ہے تو اس کے اندر یقین و ہدایت کا نور اور بڑھ جاتا ہے۔ "نور علیٰ نور" کی تشریح میں کلبی نے کہا یعنی

Marfat.com

مومن کا ایمان اور اس کا عمل، سدی نے کہا نور ایمان اور نورِ قرآن۔

حسن اور ابن زید کا قول

حسن اور ابن زید نے کہا یہ قرآن کی مثال ہے مصباح قرآن ہے جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجہ مومن کا دل ہے مشکوٰۃ اس کا منہ اور زبان ہے، مبارک درخت وحی کا درخت ہے، زیت سے مراد ہے قرآنی دلائل، تیل کے روشن ہو جانے سے مراد ہے حجتِ قرآن کا واضح ہو جانا خواہ اس کو پڑھا نہ گیا ہو، یعنی نزولِ قرآن سے پہلے اللہ نے مخلوق کی ہدایت کی نشانیاں اور دلائل قائم فرما دی تھیں پھر جب قرآن نازل ہوا تو نور بالائے نور ہو گیا، نورِ فطرت میں نورِ قرآن کا اضافہ ہو گیا۔

بعض علماء کا قول

بعض علماء نے کہا یہ حقیقت میں اس ہدایت کی تمثیل ہے جو واضح آیات کے مفہوم کے اندر موجود ہے اور اس ہدایت کا ظہور مشکوٰۃ ہے یا یوں کہا جائے کہ لوگوں کے اوہام و خیالات کی تاریکیاں ہدایت کو گھیرے رہتی ہیں پس یہ ہدایت چراغ کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے ظلمت محیط ہوتی ہے (اور وہ بیچ میں جگمگاتا رہتا ہے)

انسان کی پانچ علمی ادراکی قوتیں

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے انسان کو پانچ علمی ادراکی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن سے انسانی معاش و معاد وابستہ ہے۔

(۱) حسی قوت (یعنی حسِ مشترک) جس کے ذریعہ سے دماغ ان چیزوں کو جان لیتا ہے جو ظاہری پانچوں حواس کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہیں۔

(۲) خیال کی قوت یہ طاقت احساسی قوت کے معلومات کا خزانہ ہے محسوسات کی جو صورتیں حسی قوت میں آتی ہیں ان کو یہ اپنے اندر جمع رکھتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت قوتِ عقلیہ کے سامنے لا سکے۔

(۳) قوتِ عاقلہ جو صرف کلی حقائق کا ادراک کرتی ہے (جزئی صورتوں سے حقائق کلیہ کا تجرد اور استنباط کر لیتی ہے)

(۴) فکری قوت یعنی قوتِ متفکرہ جو معلومات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے اس کا کام دلائل کو جوڑنا اور معلومات کو ترتیب دینا ہے۔

(۵) قوتِ قدسیہ یہ قوت انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے اسرارِ ملکوت اور انوارِ غیب کا اس کے ذریعہ سے انکشاف ہوتا ہے آیت وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا میں یہی قوت مراد ہے۔ آیتِ زیرِ تفسیر میں یہی پانچوں قوتیں مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے مراد ہیں۔

حسی قوت، مشکوٰۃ کی طرح ہے گویا یہ ایک کھڑکی یا روشندان ہے جس کا رُخ باہر کی طرف کو ہے اور صرف محسوساتِ خارجیہ کو جانتی ہے اپنے پیچھے کا اس کو کچھ ادراک نہیں، اس کا معقولات کے ذریعہ سے روشن ہو جانا بالذات نہیں۔

قوتِ خیالیہ، اس قارورے یا شیشے کی طرح ہے جو ہر جہتی معقولات کی صورتوں کا ادراک کرتی ہے اور انوارِ عقلیہ کو اپنے اندر محفوظ رکھتی اور قوتِ عاقلہ کی ضیاء پاشی سے روشن رہتی ہے۔

قوتِ عاقلہ ایک چراغ ہے جو علوم کلیہ اور معارفِ ربانیہ کے نور سے جگمگا رہا ہے، قوتِ متفکرہ ایک مبارک درخت ہے جس کے پھل لامحدود ہیں یہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن پیدا ہوتا ہے اور اسی روغن سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ یہ درخت نہ غربی ہے نہ شرقی، کیونکہ تمام جسمانی عوارض سے پاک ہے یا یوں کہو کہ یہ درخت فکر یہ صورتوں اور معانی کے درمیان واقع ہے، دونوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے اور دونوں میں تصرف کرتا ہے۔

قوتِ قدسیہ روغن زیتون کی طرح صاف و شفاف ہے، بغیر سوچ، بچار اور کسی سے سیکھنے کے خود ہی معارف و علوم کی نورانیت سے جگمگا جانے کے قریب ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیتِ مذکورہ میں قوتِ عقلیہ کی تمثیل ہو، ہر شخص کی قوت عقلیہ و عملیہ ہر قسم کی صورتوں سے خالی ہوتی ہے لیکن قبولِ علم کی اس میں صلاحیت و استعداد ہوتی ہے اس درجہ کو آیت میں مشکوٰۃ قرار دیا ہے (قدماء فلاسفہ حسب صراحت بہروی و شیخ ابن سیناء قوتِ عقلیہ کے اس مرتبہ کو عقل ہیولانی کہتے ہیں)

حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ کی تشریح

حضرت مجدد الف ثانی کے کشفِ الہامی پر مبنی آیت زیر تفسیر کی دو تاویلیں اور بھی ہیں جن کو ہم اس جگہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان و زمین کو موجود کرنے والا اور پردہ عدم سے میدان خارجی میں لانے والا ہے اور یہ وجود خارجی مثل ظل اور سایہ کے ہے۔

Marfat.com

مَثَلُ نورِہٖ. نور سے مراد ہے وجود عظمت نور کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی ذات کی طرف نور کی نسبت کی جیسے بیت اللہ (خانۂ خدا) اور ناقۃُ اللہ (اللہ کی براہِ راست پیدا کی ہوئی متبرک اونٹنی) کہا جاتا ہے یا یوں کہا جائے کہ ماہیاتِ ممکنات پر وجودِ خداوندی کا پرتو انداز اور سایہ افگن ہے جیسے چاند اور سورج کے مقابل جو خطۂ زمین آجاتا ہے اس پر چاند اور سورج کا نورِ عکس ریز ہوتا ہے۔

کَمِشْکٰوۃٍ یعنی جیسے مشکوٰۃ (طاقچہ، چراغ دان) کی روشنی، مضافِ محذوف ہے۔

فِیْھَا مِصْبَاحٌ یعنی مشکوٰۃ کے اندر چراغ روشن ہے اور چراغ کی روشنی سے مشکوٰۃ پرنور ہو رہا ہے اسی طرح اللہ کی صفات واسماء کے چراغ سے تمام ممکنات کی حقیقتیں نورِ وجود حاصل کر رہی ہیں۔

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ یعنی چراغ کی نور پاشی بدرجہ کمال ہے، حضرت مجدد نے فرمایا انبیاء اور اولیاء کو چھوڑ کر باقی تمام ممکنات کے مبادیِ تعین اللہ کی صفات نہیں بلکہ صفات کا پرتو اور ظل مبدءِ تعین ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ اپنی صفاتِ کمال کو بھی جانتا ہے اور ان صفات کے نقائص کو بھی یعنی وہ اپنی صفاتِ ثبوتیہ کا بھی علم رکھتا ہے اور صفاتِ سلبیہ تنزیہیہ کا بھی۔ جیسے موت نقیضِ حیات ہے جہالت نقیض علم ہے کمزوری اور عجز قدرت کی نقیض ہے۔ بہرا ہونا سننے کی نقیض ہے نابینا ہونا بینا ہونے کی نقیض گونگا ہونا کلام کی نقیض ہے، مجبور ہونا بااختیار ہونے کی نقیض ہے اور تعطل تکوین کی نقیض ہے۔

جب اللہ کی صفاتِ ثبوتیہ اور سلبیہ مرتبہ علم میں جمع ہو جاتی ہیں تو نقائص کی تصویریں صفاتِ سلبیہ کے ساتھ آمیختہ ہو جاتی ہیں ان مخلوطات کی حقیقت عدم ہوتی ہے اور سلبِ صفات ان کے عوارض ہوتے ہیں یعنی یہ صفاتِ سلبیہ اور تنزیہیہ ہوتی ہیں۔ صوفیا کی اصطلاح میں انہی مخلوطات کو ظلِ صفات کہتے ہیں انہی کو اعیانِ ثابتہ کہا جاتا ہے یہی ممکنات اور حقائق ممکنات کے مبادیٔ تعین ہوتے ہیں یہی حقائق امکانیہ کی مُربی (تعین کرنے والی) ہوتی ہیں، صفات کی تشبیہ روشن چراغ سے دی جاسکتی ہے اور ظلالِ صفات کو شیشہ کہہ سکتے ہیں اور ماہیاتِ امکانیہ کے وجود و ظہور کو مشکوٰۃ قرار دیا جاسکتا ہے، چراغ کی روشنی سے شیشہ اور قاروہ روشن ہو جاتا ہے، مصباح کے نور سے شیشہ جگمگا جاتا ہے۔

مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نور اللہ (کے چہرہ) کا نقاب ہے اگر وہ اس نقاب کو کھول دے تو اس چہرے کے چمکارے (شعاعیں) وہاں تک ساری مخلوق کو جلا کر سوختہ کر دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچے۔ شاید اس حدیث میں نور سے مراد مرتبہ ظلال ہے اور انوارِ وجہ سے مراد ہیں صفات۔

بات یہ ہے کہ عام ممکنات کی ماہیات اپنی استعداد کی کمزوری سے براہِ راست ظلال کی وساطت کے بغیر صفات سے نورِ وجود کو حاصل نہیں کر سکتیں۔ اگر ظلالِ صفات کا توسط نہ ہو تو عام ممکنات معدوم ہو جائیں البتہ انبیاء و اولیاء اپنی استعداد و صلاحیت کی قوت کی وجہ سے براہِ راست صفات سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یعنی نورِ مصباح سے شیشہ روشن اور چمکیلا ہو جاتا ہے شیشہ کو دیکھ کر دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہی مصباح ہے دیکھنے والے شیشہ (یعنی فانوس) اور چراغ میں امتیاز نہیں کر پاتے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمْرُ فتشابَھَا وَتَشَاکَلَ الْاَمْرُ

(ترجمہ) شیشہ بھی شفاف ہے اور شراب بھی شفاف ہے، دونوں ہم شکل ہیں۔

فَکَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا زُجَاجٌ وَکَاَنَّمَا زُجَاجٌ وَلَا خَمْرٌ

(ترجمہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے شیشہ نہیں ہے اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ صرف شیشہ ہے شراب نہیں ہے۔

ظلال و صفات میں چونکہ اتنا اشتباہ ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے عارفوں کا ایک گروہ یعنی وہ صوفی جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں نظری فریب میں مبتلا ہو گئے۔ ظلال کو صفات سمجھ بیٹھے دونوں مرتبوں کا فرق نہ سمجھ سکے اور صفات کو عین ذات کہنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ ممکنات کی ماہیات میں جو حقیقت جلوہ انداز ہے وہ ان ممکنات کی عین ہے نور پذیر اور نور افگن ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اسی غلط فہمی کی بنیاد پر وہ پکار اُٹھے، لیس فی الکون الا اللّٰہُ عالم وجود میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں۔ ایک عارف نے کہا۔ لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ میرے جبہ کے اندر سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں، ایک وجودی شاعر کا قول ہے۔

لا مُلکَ سُلَیْمَانَ وَلاَ بلقیسُ وَلاَ اٰدَمَ فی الکون ولاابلیسُ

Marfat.com

(ترجمہ) عالم وجود میں نہ ملک سلیمان ہے نہ بلقیس نہ آدمی نہ ابلیس۔

وَالکل صُوَرٌ وَاَنْتَ الْمعنیٰ یَامَنْ هُوَ لِلْقُلُوبِ مقنَاطِیسُ

(ترجمہ) اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے مقناطیس ہے حقیقت تو ہی ہے اور باقی سارا جہان محض صورتیں، مورتیں ہیں۔

یہ ساری خرافات سکر اور فریفتگیِ عشق کا نتیجہ ہیں یہ لوگ جلوہ آفریں اور جلوہ پذیر میں فرق نہ کر سکے۔

ذات اور صفات

شیخ مجدد نے فرمایا صفات ضرور ذات سے زائد ہیں اور خارج (یعنی نفس الامر) میں ان کا وجود ہے نصوصِ قرآنی اور صراحتِ احادیث سے یہی ثابت ہے لیکن ذات فی نفسہا ترتب آثار میں صفات کی محتاج نہیں ہے (یعنی تنہا ذات بغیر صفات کے اظہار آثار کے لئے کافی ہے) اگر ہم ساری صفات کا عدم فرض کر لیں تب بھی آثار کا ظہور ذات سے ضرور ہو گا۔ مثلاً اگر سننے اور دیکھنے کی صفت ذات میں نہ مانی جائے تب بھی تنہا ذات ان آثار کے اظہار کے لئے کافی ہے جو شنوائی اور بینائی کی صفات پر مرتب ہوتے ہیں۔ شنوائی کے آثار اگر (بغیر صفتِ سمع کے) تنہا ذات سے ظاہر ہوں تو اس وقت اس کو شان سمع کہا جائے گا اسی طرح بصارت کے آثار بغیر صفتِ بصارت کے ذات سے ظاہر ہو سکتے ہیں اس لئے اس کو شانِ بصارت کہا جائے گا۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی ایک تو چراغ کا نور ہے جو شیشے اور مشکوٰۃ کو روشن کر رہا ہے دوسرا درخت زیتون کے روغن کا نور ہے جیسے ایک نور صفات ہے جس سے آثار کا ظہور ماہیات کی نور اندوزی اور ممکنات کی ایجاد وابستہ ہے دوسرا نور شیونِ ذات کا ہے اس طرح نور بالائے نور ہے۔

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ یعنی جس شخص کو چاہتا ہے اللہ اپنا نورِ معرفت عطا فرماتا ہے اس کی معرفت کا نور خاص خاص عارف ہی حاصل کرتے ہیں۔

ایجادِ اشیاء

اس توجیہ پر اس آیت میں ایجادِ اشیاء کی طرف اشارہ ہو گا وجودِ خارجی وظلی کے میدان میں پردۂ عدم سے نکل کر آنا مراد ہو گا اور اس بات کا ثبوت ہو گا کہ تمام موجودات سے ذاتِ خداوندی انتہائی قریب ہے۔

سورۂ قاف کی آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ کی تفسیر میں ہم نے اقربیتِ ذات کی مفصل تشریح کر دی ہے۔

(۲) دوسری تاویل جو سلف سے مروی ہے حسب ذیل ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان و زمین کے رہنے والوں کو اللہ اپنی معرفت کا راستہ بتانے والا ہے پس تمام اہلِ ارض وسماء اسی کے نور کے ذریعہ سے ذات وصفات کی معرفت کا راستہ پاتے اور مراتب قرب تک ترقی کرتے جاتے ہیں آیت قریبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ اور آیت اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ میں در پردہ اسی نور کو بیان کیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے، بالآخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث۔ اسی قرب کا نام ولایتِ خاصہ ہے۔

مؤمن کے دل میں نور کی مثال

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ یعنی مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے مشکوٰۃ کا نور جس کے اندر چراغ روشن ہو۔ پس مومن کا دل ایک مشکوٰۃ ہے جس کے اندر صفاتِ الٰہی کی جلوہ پاشی ہو رہی ہے اور صفاتِ خداوندی مثل روشن چراغ کے ہیں۔ اور یہ چراغ زیتون کے ایک بابرکت درخت (کے تیل) سے روشن ہے اور درخت بھی وہ ہے جو شرقی ہے نہ غربی، یعنی صفاتِ الٰہیہ ذاتِ الٰہی سے پھوٹ رہی ہیں اور ذات کے اندر شیون ذاتیہ اور اعتبارات ان صفات کے لئے سرچشمہ ہیں۔

اولیاء کی نور چینی

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اولیاء عموماً براہ راست صفاتِ الٰہیہ سے پرتو اندوز نہیں ہو سکتے، ان کی نور چینی ظلال کی وساطت پر موقوف ہے ظلال کے پردے کے پیچھے صفات ہیں جو ظلال پر پرتو افگن ہیں اور ظلال کی نور پاشی اولیاء پر ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

(۱) ظہور (۲) بطون۔ ظہوری حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی کے ساتھ قائم ہیں۔ یہی ظہورِ صفات ولایتِ کبریٰ یعنی ولایتِ انبیاء ہے اور بطون کی حیثیت کا نام ولایتِ عُلیا یعنی ولایتِ ملائکہ ہے۔

انبیاء کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے صدیقین صحابہ کے متعلق فرمایا ہے، ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ اور صحابہ کے بعد دوسرے صدیقوں کے متعلق فرمایا، وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ صدیق مرتبہ صفات وشیون

Marfat.com

سے ترقی کر کے مرتبۂ ذات تک پہنچتے ہیں۔ صفات وشیون کے حجاب کے بغیر خالص ذات ان پر جلوہ پاش ہو جاتی ہے آیت میں آخری دونوں فریقوں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے البتہ نور علیٰ نور سے اولیاء کے مراتب وصول کے اختلاف کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر ایک نور دوسرے نور سے اوپر ہے درجۂ نورانیت میں بڑا تفاوت ہے۔

تاریکی کے بعد نور

یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ اپنے نور کے ذریعہ سے جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے میں نے خود سُنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنے نور کا کچھ حصہ (پرتو) ڈالا، پس جس شخص نے اس نور کا کچھ حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس نے نور کا حصہ نہ پایا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو گیا۔ (رواہ احمد والترمذی)

نور پڑنے اور پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ جس ذاتِ گرامی کو اللہ نے رحمتِ عالم بنا کر بھیجا اور اس کے سینے کو کھول دیا اور اس کے دل کے اندر نورِ حکمت اور ایمان کو بھر دیا، اس کی پیروی کی جائے اس کے چمکتے ہوئے نور کا کوئی چمکارا چن لیا جائے اپنے دل کو اس رحمتِ عالم کے دل کا آئینہ بنا دیا جائے تا کہ اپنا دل بھی بقدرِ نور چینی روشن ہو جائے۔ آدمی تین طرح کے ہیں ایک وہ گروہ ہے جس نے صورتِ ایمان حاصل کر لی، دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے نجات پالی، دوسرا وہ گروہ ہے جس نے حقیقت پالی حقیقتِ ایمان پانے والوں کے درجات مختلف ہیں۔ تیسرا وہ طبقہ ہے جس نے نورِ ایمان قطعاً حاصل نہیں کیا، صحیح راستہ سے محروم رہا، اور اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ یہ گروہ اہلِ ضلالت کا ہے۔

نور کے برتن

حضرت ابوعنبسہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین والوں میں اللہ (کے نور) کے کچھ ظروف ہیں، یعنی اللہ کے نیک بندوں کے دل، جو دل سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پسیجنے والے ہیں، اللہ کو وہ سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ (رواہ الطبرانی)

قرآنی تمثیلات

وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے فائدے کے لئے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے، یعنی وہ عقلی معانی جن کو آدمی حواس کے ذریعہ سے نہیں سمجھتا ان کو سمجھانے کے لئے اللہ محسوس مثالیں دیتا ہے تا کہ غیر محسوس امور کا انسان کو علم ہو جائے، آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ اپنے اولیاء کو عالمِ مثال میں ان چیزوں کی تصویریں دِکھا دیتا ہے جن کی (عالم محسوسات و معقولات میں) کوئی تصویر نہیں اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حق بالکل نمایاں ہو کر ان کے سامنے آ جائے اور وہ حقیقت کی صورت دیکھ لیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ سے بندے کا قریب ہونا تو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے، نوافل کے ذریعہ سے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے لیکن یہ قرب جسمانی نہیں، مادی نہیں، بے کیف ہے اس کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ نہ حواس ظاہری و باطنی سے اس کا احساس کیا جاسکتا ہے نہ عقلِ نارسا کی علمی رسائی وہاں تک ہے۔ نہ علم حصولی کا اس سے تعلق ہے نہ اس کا علم حضوری ہوسکتا ہے بلکہ عقلی اور حسی علم کے علاوہ براہ راست اللہ کی طرف اس کا فیضان ہوتا ہے اسی علم کو بطور کنایہ بیان کیا گیا ہے اس حدیثِ قدسی میں جس میں اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے حتی کنت سمعه الذی یسمع بِهٖ (میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے) علمِ وجدانی کے حصول کا براہِ راست فیضان کے علاوہ ایک اور ذریعہ بھی ہوتا ہے، عالمِ مثال میں ان تمام حقائق و معانی کی صورتیں اور جسمانی شکلیں موجود ہیں جن کی اس عالم جسمانی میں کوئی شکل نہیں (مثلاً عداوت، محبت، صداقت، علم، ایمان، جہالت وغیرہ ایسے معانی ہیں جن کی کوئی شکل اس عالم میں موجود نہیں، ہاں ان معانی کے مظاہر موجود ہیں) صوفی عالم مثال میں ظلال کا دائرہ دیکھتا ہے اور صفات کا دائرہ بھی اس کو نظر آتا ہے اور جتنا نوافل کو انابت اور رجوع اِلی اللہ کے زینے پر آگے بڑھاتا ہے اس کو اپنی ذات دائرۂ ظلال کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آخر دائرۂ ظلال میں اس کی ذات مخلوط ہو کر گم ہو جاتی ہے۔ اور دائرے کے رنگ میں ڈوب جاتی ہے اس کے آگے دائرہ صفات کی طرف اس کی سیر شروع ہوتی ہے اور جب حدودِ صفات تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ اپنی انفرادی ہستی کھو دیتا ہے اور صفات کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

حقیقت میں وہاں کوئی رنگ نہیں ہوتا (رنگ تو عرض کی قسم ہے اور مقولہ کیف سے ہے وہاں تو کوئی کیفیت نہیں) لیکن سمجھانے کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ زبان اس حالت کو بیان کرنے سے قاصر ہے اس

Marfat.com

لئے رنگ کا لفظ استعمال کیا گیا ، اللہ نے فرمایا ہے سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ہم ان کو انفسی اور آفاقی نشانیاں دکھاتے ہیں تا کہ ان کو کامل انکشاف ہو جائے کہ اللہ ہی حق ہے (اور اللہ کے سوا ہر چیز باطل اور بے حقیقت) وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْدٌ اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے (یعنی ایسا نہیں کہ بغیر علم کے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ بخوبی کامل علم کی حالت میں اللہ بیان فرماتا ہے) (تفسیر مظہری)

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ

اُن گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا اُن کو بلند کرنے کا

مسجدوں کی تعمیر و تعظیم

اُن کی تعظیم و تطہیر کا حکم دیا یعنی اُن کی خبر گیری کی جائے اور ہر قسم کی گندگی اور لغو افعال و اقوال سے پاک رکھا جائے۔ مساجد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ (تفسیر عثمانی)

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ ان گھروں میں جن کو بنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے بیوت سے مراد ہیں مسجدیں۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی چمکیلی دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کے لئے ستارے۔ مسجدیں بلند کرنے سے مراد ہے مسجدوں کا بنایا جانا، کذا قال مجاہد۔ رفع بمعنی تعمیر آیت وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ میں بھی آیا ہے (جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے، یعنی بنا رہے تھے) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے (ذکر) کیلئے مسجد بنائے گا اللہ جنت کے اندر اس کیلئے گھر بنا دیگا۔ (متفق علیہ من حدیث عثمان)

حسن نے کہا آیت اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھر کی تعظیم کی جائے، یعنی اس میں بیہودہ بُری باتیں نہ کی جائیں، آیت اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ میں پاک رکھنے سے مراد بھی یہی ہے کہ اس میں بُری باتیں نہ کی جائیں۔

پیغمبروں کی بنائی ہوئی مسجدیں

بغوی نے بروایتِ صالح بن حبان بریدہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ صرف چار مسجدیں ہیں جن کو پیغمبروں نے بنایا تھا کعبہ کو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل نے بنایا، بیت المقدس کو حضرت داؤد و حضرت سلیمان نے بنایا، مسجد مدینہ اور مسجد قبا کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا، مسجد قبا وہی مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

میں کہتا ہوں یہ مسجدیں گو بڑی فضیلت رکھتی ہیں لیکن انہی کو خاص طور پر مراد قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ فی بیوتٍ کو یَهدی اللّٰه لِنورِهٖ سے وابستہ قرار دیا جائے اکثر ہدایتِ الٰہیہ مسجدوں کے اندر اعتکاف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز مومن کی معراج ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا، بندہ اپنے رب سے بہت زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا تم (سجدہ میں) دعا بہت کیا کرو۔ رواہ مسلم و ابوداؤد و النسائی عن ابی ہریرۃؓ۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی محبت کا راستہ

جمہور مفسرین کے نزدیک ان بیُوت سے مراد مساجد ہیں۔

مساجد اللہ کے گھر ہیں ان کی تعظیم واجب ہے

قرطبی نے اسی کو ترجیح دی اور استدلال میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ مجھ سے محبت کرے۔ اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ میرے صحابہ سے محبت کرے۔ اور جو صحابہ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ قرآن سے محبت کرے۔ اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ مسجدوں سے محبت کرے کیونکہ وہ اللہ کے گھر ہیں، اللہ نے اُن کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی ہے وہ بھی بابرکت اور ان کے رہنے والے بھی بابرکت وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں اور ان کے رہنے والے بھی حفاظت میں۔ وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے کام بناتے اور حاجتیں پوری کرتے ہیں وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن کے پیچھے اُن کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (قرطبی)

بدبو کے ساتھ مسجد میں نہ آئے

صحیح مسلم میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کے منہ سے لہسن یا پیاز کی بدبو محسوس فرماتے تھے اس کو مسجد سے نکال کر بقیع

Marfat.com

میں بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس کو لہسن پیاز کھانا ہی ہو تو اس کو خوب اچھی طرح پکا کر کھائے کہ اُن کی بدبو ماری جائے۔

مسجدوں کی شان وشوکت اور زینت

رفع مساجد کا مفہوم جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک یہی ہے کہ مسجدیں بنائی جائیں اور ان کو ہر بُری چیز سے پاک صاف رکھا جائے۔ بعض حضرات نے اس میں مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت اور تعمیری بُلندی کو بھی داخل قرار دیا ہے اور استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی تعمیر اصل کی لکڑی سے شاندار بنائی تھی اور حضرت عمر ؒبن عبدالعزیز نے مسجدِ نبوی میں نقش ونگار اور تعمیری خوبصورتی کا کافی اہتمام فرمایا تھا اور یہ زمانہ اجلۂ صحابہ کا تھا کسی نے اُن کے اس فعل پر انکار نہیں کیا اور بعد کے بادشاہوں نے تو مسجدوں کی تعمیرات میں بڑے اموال خرچ کئے ہیں۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانۂ خلافت میں دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر وتزیین پر پورے ملک شام کی سالانہ آمدنی سے تین گنا زیادہ مال خرچ کیا تھا اُن کی بنائی ہوئی یہ مسجد آج تک قائم ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر نام ونمود اور شہرت کے لئے نہ ہو اللہ کے نام اور اللہ کے گھر کی تعظیم کی نیت سے کوئی شخص مسجد کی تعمیر شاندار بلند ومستحکم خوبصورت بنائے تو کوئی ممانعت نہیں بلکہ اُمید ثواب کی ہے۔

فضائل مساجد

ابوداؤد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے مسجد کی طرف نکلا اُس کا ثواب اُس شخص جیسا ہے جو احرام باندھ کر گھر سے حج کے لئے نکلا ہو اور جو شخص نماز اشراق کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے جیسا ہے۔ اور ایک نماز کے بعد دوسری بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان کوئی کام یا کلام نہ کرے، علیین میں لکھی جاتی ہے۔ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مساجد کو جاتے ہیں اُن کو قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت سنا دیجئے۔ (رواہ مسلم)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا، گھر میں یا دُکان میں نماز پڑھنے کی نسبت بیس سے زائد درجہ افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جب کوئی شخص وضو کر کے اور اچھی طرح (سنت کے مطابق) وضو کرے پھر مسجد کو صرف نماز کی نیت سے چلے اور کوئی غرض نہ ہو تو ہر قدم پر اس کا مرتبہ ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں پہنچ جائے۔ پھر جب تک جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے گا اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا رہے گا اور فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے رہیں گے کہ یا اللہ، اس پر رحمت نازل فرما اور اس کی مغفرت فرما، جب تک کہ وہ کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور اس کا وضو نہ ٹوٹے۔ اور حضرت حکم بن عُمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مہمانوں کی طرح رہو اور مسجدوں کو اپنا گھر بناؤ۔ (معارف القرآن)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو مسجدوں میں آ کر جگہ جگہ حلقے بنا کر بیٹھ جائیں گے اور وہاں دنیا ہی کی اور اس کی محبت کی باتیں کریں گے تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے مسجد میں آنے والوں کی ضرورت نہیں۔ اور حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں بیٹھا گویا وہ اپنے رب کی مجلس میں بیٹھا ہے اس لئے اُس کے ذمہ ہے کہ زبان سے سوائے کلمۂ خیر کے اور کوئی کلمہ نہ نکالے۔ (قرطبی)

مساجد کے پندرہ آداب

علماء نے آداب مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو اُن کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا وعلیٰ عباد اللّٰہ الصالحین کہے (لیکن یہ اُس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت وتسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ اس کو سلام کرنا درست نہیں۔) دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے (یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو، مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء نصف النہار کا وقت نہ ہو۔ ۱۲ اش) تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید وفروخت نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ وہاں تیر تلوار نہ نکالے۔ پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔ چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔ ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے

Marfat.com

جھگڑا نہ کرے۔ نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں پر تنگی پیدا نہ کرے۔ دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے۔ گیارھویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔ بارھویں اپنی انگلیاں نہ چٹخائے تیرھویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔ چودھویں نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے پندرھویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

قرطبی نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے اُس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لئے حرز وامان کی جگہ بن گئی۔

احقر نے مساجد کے آداب واحکام ایک مستقل رسالہ بنام ''آداب المساجد'' میں جمع کر دیئے ہیں جن کو ضرورت ہو اس کا مطالعہ فرمائیں۔

وہ مکانات جو مساجد کے حکم میں ہیں

تفسیر بحرِ محیط میں ابو حیان نے فرمایا کہ فی بیوت کا لفظ قرآن میں عام ہے جس طرح مساجد اس میں داخل ہیں اسی طرح وہ مکانات جو خاص تعلیمِ قرآن تعلیم دین یا وعظ ونصیحت یا ذکر وشغل کے لئے بنائے گئے ہوں جیسے مدارس اور خانقاہیں، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں اُن کا بھی ادب واحترام لازم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ
اور وہاں اُس کا نام پڑھنے کا

تسبیح وتہلیل اور تلاوت قرآن وغیرہ سب اذکار اس میں شامل ہیں (تفسیر عثمانی)

وہ کام جو مساجد میں ناجائز ہیں

فرمان ہے کہ جسے مسجد میں خرید وفروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تو تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو گم شدہ جانور مسجد میں تلاش کرتا ہوا پاؤ تو کہو کہ اللہ تعالیٰ کرے نہ ملے (ترمذی) ارشاد ہے کہ بہت سی باتیں مسجد کے لائق نہیں، مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے۔ مسجد میں ہتھیار نہ نکالے جائیں، مسجد میں تیر کمان پر نہ لگایا جائے نہ تیر پھیلائے جائیں، نہ کچا گوشت لایا جائے نہ یہاں حد ماری جائے، نہ یہاں باتیں اور قصے کہے جائیں نہ اسے بازار بنایا جائے (ابن ماجہ) فرمان ہے کہ ہماری مسجدوں سے اپنے بچوں کو اور دیوانوں کو اور خرید وفروخت کو اور لڑائی جھگڑے کو اور بلند آواز سے بولنے کو اور حدوں کے جاری کرنے کو اور تلواروں کے ننگی کرنے کو روکو، ان کے دروازوں پر وضو وغیرہ کی جگہ بناؤ اور جمعہ کے دن انہیں خوشبو سے مہکا دو (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔

سائب بن یزید کندیؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھ پر کسی نے کنکر پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے مجھ سے فرمانے لگے جاؤ اُن دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ جب میں آپ کے پاس انہیں لایا تو آپ نے دریافت فرمایا تم کون ہو؟ یا پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہا ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم یہاں کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، تم مسجد نبوی میں اونچی اونچی آوازوں سے بول رہے ہو؟ (بخاری)

مسجد میں جانے کی دُعاء

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے پھر اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج کر اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے

عورتوں کا مسجد میں آنا

صحیحین میں ہے کہ مسلمان عورتیں صبح کی نماز میں آتی تھیں پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور بوجہ رات کے قدرے اندھیرے کے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں نے یہ جو نئی نئی باتیں نکالی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو پالیتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں (بخاری ومسلم) (تفسیر ابن کثیر)

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ
یاد کرتے ہیں اُس کی وہاں صبح اور شام

نمازوں کی تاکید

یعنی تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ ''غُدُوّ'' سے صبح کی نماز مراد ہے اور ''آصال'' میں باقی چاروں نمازیں داخل ہیں۔ کیونکہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے

Marfat.com

اوقات پر بولا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے ایک روایت میں حضرت ابنِ عباس کا قول آیا ہے کہ صبح کی تسبیح سے چاشت کی نماز مراد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص باوضو فرض نماز کے لئے چل کر جاتا ہے اس کا ثواب مُحرم حاجی کی طرح ہوتا ہے اور جو چاشت کی نماز کی غرض سے چل کر جاتا ہے اور صرف چاشت کی نماز کا ارادہ ہی اس کو کھڑا کرتا ہے اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے اور (ایک) نماز کے پیچھے (دوسری) نماز علیین میں لکھ دی جاتی ہے۔

بغوی اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جو شخص فرض نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو (اس کا یہ عمل) ایسا ہے جیسے ایک حج (کرنا) اور جو شخص نفل نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو یہ نماز نفل عمرہ کی طرح ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ
وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے
وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ ۙ
اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے

اللہ کے بندے

یعنی معاش کے دھندے اُن کو اللہ کی یاد اور احکام الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے۔ بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید و فروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہلِ علم نے کہا کہ تجارت سے مفید لین دین مراد ہے اور اس کے بعد بیع کا خصوصی ذکر بیع کی اہمیت دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔

ذکر اللہ سے مراد ہے نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں آنا۔ بغوی نے بروایت سالم حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا، اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی۔ لوگ اُٹھ کر دُکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے انہیں کے متعلق آیت لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ الخ نازل ہوئی۔

یا ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی عمومی یاد اور مالک سے لو لگانا اور وقت ذکر اللہ کا لفظ عام ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ نماز قائم کرنے سے مراد ہے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنا، مقررہ وقت سے نماز کو مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ اور (فرض) زکوٰۃ ادا کرنے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب ادائے زکوٰۃ کا وقت آ جاتا ہے تو وہ زکوٰۃ کو روکتے نہیں فوراً ادا کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بازار والوں کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اُن کے صاحبزادے حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار سے گزرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دُکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا کہ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ۔

عہدِ رسالت کے دُکاندار

اور عہد رسالت میں دو صحابی تھے ایک تجارت کرتے تھے دوسرے صنعت و حرفت یعنی لوہار کا کام کرتے اور تلواریں بنا کر بیچتے تھے۔ پہلے صحابی کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہیں ترازو کو پٹک کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں آواز اذان کی آ گئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اُٹھائے ہوئے ہیں تو وہیں مونڈھے کے پیچھے ہتھوڑا ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے اُٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی ضرب سے کام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ اُن کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

عورتوں کی نماز گھروں میں بہتر ہے

لفظ رجال کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں کیلئے ہے عورتوں کی نماز اُن کے گھروں میں افضل ہے۔

مسند احمد اور بیہقی میں حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر مساجد النساء قعر بیوتھن یعنی عورتوں کی بہترین مساجد اُن کے گھروں کے تنگ و تاریک گوشے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝
ڈرتے رہتے ہیں اُس دن سے جس میں اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں

Marfat.com

قیامت کا دن

یعنی اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی۔ کبھی ہلاکت کا خوف۔ اور آنکھیں کبھی داہنے کبھی بائیں دیکھیں گی کہ دیکھئے کس طرف سے پکڑے جائیں، یا کس جانب سے اعمالنامہ ہاتھ میں دیا جائے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ

تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ اُن کے بہتر سے بہتر کاموں کا اور زیادتی دے اُن کو اپنے فضل سے

یعنی اچھے کاموں کا جو صلہ مقرر ہے وہ ملے گا۔ اور حق تعالیٰ فضل سے اور زیادہ دیا جائے گا جس کی تفصیل و تعیین ابھی نہیں کی جا سکتی

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار

یعنی اس کے ہاں کیا کمی ہے اگر جنتیوں کو بے حد و حساب عنایت فرمائے تو کچھ مشکل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ

اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اُس کو

الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا

پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اُس پر اُس کو کچھ نہ پایا

وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اُس کا لکھا اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب

فریب خوردہ لوگ

کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عنداللہ مقبول و معتبر نہیں۔ ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا، چنانچہ اسی اضطراب و حسرت کے وقت اللہ نے اُس کا سب حساب ایکدم میں چکا دیا۔ کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا گیا۔ دوسرے وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل و کفر، ظلم و عصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں اُن کی مثال آگے بیان فرمائی۔ اُن کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والے کو نظر آتی تھی۔ یہ لوگ خالص اندھیریوں اور تہ بر تہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ منہا۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ

یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اُس پر ایک لہر اُس پر ایک لہر

مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ

اُس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک

تاریکی میں ڈوبے ہوئے (کافر)

یعنی سمندر کی تہ میں خود دریا کا اندھیرا، اُس پر طوفانی لہریں جو ایک پر ایک چڑھی آتی ہے۔ پھر سب کے اُوپر گھٹا بادل کا اندھیرا، اور رات کا وقت فرض کیا جائے تو ان اندھیریوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ

جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اُس کو وہ سُوجھے

یعنی اپنا ہاتھ اُٹھا کر آنکھوں سے قریب کرے دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے جس کو ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں پہچانتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اُس کے واسطے کہیں نہیں روشنی

اُوپر مومنین کے ذکر میں جو يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فرمایا تھا یہ جملہ اس کے مقابل ہوا یعنی جس کو خدا تعالیٰ نور توفیق نہ دے اُسے اور کون روشنی پہنچا سکتا ہے۔ ان کی استعداد خراب تھی توفیق نہ ملی۔ اور دریا کی تہ میں گر کر انہوں نے سب دروازے روشنی کے اپنے اوپر بند کر لئے۔ پھر نور آئے تو کدھر سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي
کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ
آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے

پرندے قدرت کی نشانی ہیں

شاید اُڑتے جانوروں کا علیحدہ ذکر اس لئے کیا کہ وہ اُس وقت آسمان اور زمین کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں۔ اور ان کا اس طرح ہوا میں اُڑتے رہنا قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ
ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد

ہر مخلوق اپنا وظیفہ پورا کر رہی ہے

یعنی حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اُس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت و بندگی اور تسبیح خوانی کا الہام فرمایا اُس کو سمجھ کر وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے لیکن افسوس و تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غرور و غفلت اور ظلمتِ جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور ادائے وظیفہ عبودیت سے بے بہرہ ہیں۔

(تنبیہ) مخلوقات کی تسبیح کے متعلق پندرھویں پارہ میں ربع کے قریب کچھ مضمون گزر چکا۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو تسبیح کی وصیت کی اور فرمایا۔ "وَاِنَّهَا لَصَلٰوةُ الخلق"۔ (یہ ہی باقی مخلوق کی نماز ہے) (تفسیر عثمانی)

زمخشری اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ ان کو کسی خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت اُن کو سکھا دی ہو جس میں وہ مشغول رہتے ہوں آخری جملے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ میں اس مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں جمادات کسی اور طریق سے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾
اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں

یعنی اُن کی بندگی اور تسبیح کو خواہ تم نہ سمجھو لیکن حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾
اور اللہ کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے

اللہ کی حکومت سب پر محیط ہے

یعنی جیسے اُس کا علم سب کو محیط ہے، اس کی حکومت بھی تمام علویات و سفلیات پر حاوی ہے اور سب کو آخر کار اُسی کے پاس لَوٹ کر جانا ہے۔ آگے اپنے حاکمانہ اور قادرانہ تصرفات کو بیان فرماتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ
تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک لاتا ہے بادل کو پھر اُن کو ملا دیتا ہے
ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ
پھر اُن کو رکھتا ہے تہ برتہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اُس کے بیچ سے

نظامِ بادوباراں

یعنی ابتداء میں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اُٹھتے ہیں پھر مل کر بڑا بادل بن جاتا ہے پھر بادلوں کی تہ پر تہ جما دی جاتی ہے۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ
اور اُتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے
فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ
پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے

یعنی جیسے زمین میں پتھروں کے پہاڑ ہیں بعض سلف نے کہا کہ اسی

Marfat.com

طرح آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے اُسی کے موافق ترجمہ کیا ہے لیکن زیادہ راجح اور قوی یہ ہے کہ سماء سے بادل مراد ہو مطلب یہ ہے کہ بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں مشہور ہے کہ اولے کی چھال بیل کے ایک سینگ پر پڑتی ہے اور دوسرا سینگ خشک رہ جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ نے اس آیت میں اطلاع دی ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ دوسرے ترجمہ کی بناء پر مِنْ جِبَالٍ مِنْ بَرَدٍ مفعول ہوگا یعنی اولوں کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں، اللہ اوپر سے اتارتا ہے۔

فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ پھر اس کو جس (کی جان و مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے ہٹانا چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔ یعنی جس کی کھیتیاں اور مال اولوں سے تباہ کرنا چاہتا ہے تباہ کر دیتا ہے اور جس سے (اولوں کے رخ کو) پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اس کو ژالہ باری سے نقصان نہیں پہنچتا۔ (تفسیر مظہری)

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۭ

ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جائے آنکھوں کو

یعنی بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے۔ (تفسیر عثمانی)

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ

اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو

رات و دن کا نظام

یعنی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اُسی کی قدرت سے آتا ہے اور وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور اُن کی گرمی کو سردی سے، سردی کو گرمی سے تبدیل کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے فرمایا مجھے ابن آدم دکھ پہنچاتا ہے زمانے کو گالیاں دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ (کو الٹنے پلٹنے والا) ہوں میرے ہی ہاتھ میں حکم ہے، میں ہی رات دن کا ادل بدل کرتا ہوں۔ (رواہ البخاری و مسلم فی صحیحیھما)۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ والوں کو

آنکھ والو عبرت حاصل کرلو

یعنی چاہیے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر آدمی بصیرت و عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہ حقیقی کی طرف سچے دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات و تقلبات کی باگ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبرت سے مراد یہ ہے کہ یہ واقعات ایک خالقِ قدیم کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں جس کی قدرت ہمہ گیر علم محیطِ کل اور مشیت نافذ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں (بلکہ دنیا کا ہر واقعہ اسی کا مرہونِ قدرت و مشیت ہے) اُلْاَبْصَارِ سے مراد ہے بصیرت اور صحیح فہم۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ

اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے کو ایک پانی سے

اس کے لئے سترھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ کا فائدہ دیکھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

مخلوقات کا جوہرِ وجود

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ. اور اللہ ہی نے پیدا کیا ہر رینگنے پھرنے والے جانور کو پانی سے۔

پانی سے مراد ہے وہ پانی جو ہر جانور کے خمیری مادے میں داخل ہے یا نطفہ مراد ہے اس صورت میں کل جانور مراد نہ ہوں گے، کیونکہ بعض جانور بغیر نطفہ کے پیدا ہوں گے لیکن اکثریت انہی جانداروں کی ہے جن کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے۔

بعض علماء نے کہا تمام (عنصری) مخلوق کی اصل پانی ہی ہے ارسطو اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ ہر جانور کی تخلیق کے اصل ارکان و عناصر چار ہیں پانی ہوا مٹی آگ ارسطو اور شیخ ابن سینا نے انہی کو اُسطقسات بھی کہا ہے بعض یونانیوں کا خیال ہے کہ اجزاء تخلیقی دو ہیں۔ بعض نے کہا صرف گیس ہر تخلیق کی بنیاد ہے پانی مٹی وغیرہ اسی کے روپ ہیں۔

لیکن بعض علمائے اسلام قائل ہیں کہ سنگِ بنیاد پانی ہے پانی جم کر پتھر بنا۔ پانی تحلیل و تبخیر کے ذریعہ ہوا بن گیا۔ پھر ہوا آگ ہوگئی سب حیوانوں کا اصل خمیر پانی ہی ہے اور پانی ہی بنیاد ہے۔

Marfat.com

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول پانی کو پیدا کیا پھر اس کے کچھ حصہ کو بنا دیا، جس سے فرشتے بنے اور کچھ حصہ کو آگ میں تبدیل کر دیا جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور کچھ حصہ کو مٹی بنا دیا گیا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی ساخت ہوئی اور مٹی سے ہی تمام جانور بنائے گئے۔ (تفسیر مظہری)

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ
پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر

مخلوقات کی مختلف ہیئتیں

جیسے سانپ اور مچھلی فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ سو کچھ جانور تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ جیسے سانپ گنڈار وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ
اور کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر

جیسے آدمی اور طیور۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ط
اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر

جیسے گائے بھینس وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾
بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

یعنی کسی جانور کو چار سے زائد پاؤں دیئے ہوں تو بعید نہیں۔ اس کی لامحدود قدرت و مشیت کو کوئی محصور نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ
ہم نے اتاریں آیتیں کھول کھول کر بتلانے والی اور اللہ چلائے
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾
جس کو چاہے سیدھی راہ پر

واضح نشانیاں موجود ہیں

یعنی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ تو اس قدر واضح ہیں کہ انہیں دیکھ کر اور سن کر چاہیے کوئی آدمی نہ بہکے لیکن سیدھی راہ پر چلتا وہ ہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں آدمی یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں پر نتیجہ کے اعتبار سے اُن کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى
اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آ گئے پھر پھر جاتا ہے
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾
ایک فرقہ اُن میں سے اس کے پیچھے اور وہ لوگ نہیں ماننے والے

منافقین کا وطیرہ

یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ زبان سے دعویٰ ایمان و اطاعت کا کیا کرتے تھے اور جب عمل کا وقت آتا تو پھر جاتے حقیقت یہ ہے کہ اُن کے دلوں میں شروع سے ایمان و انقیاد موجود ہی نہ تھا جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا امتحان و ابتلاء کے وقت اُس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی (تفسیر عثمانی)

آئندہ آیت کا شانِ نزول

ابن ابی حاتم نے حسن بصری کی مرسل روایت بیان کی ہے کہ بعض (منافق) لوگوں کا اگر کسی سے کچھ نزاع ہوتا تھا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ اگر حق پر ہوتا اور اس کو بجائے خود یہ یقین ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال حق فیصلہ کریں گے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے اور مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو جاتا تھا لیکن اگر وہ حق پر نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاملہ لے جانے کی اس کو دعوت دی جاتی تو کترا جاتا اور کہتا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں) فلاں شخص سے چل کر فیصلہ کراؤ۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
اور جب ان کو بلایئے اللہ اور رسول کی طرف کہ اُن میں قضیہ چکائے
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ
تبھی ایک فرقہ کے لوگ اُن میں منہ موڑتے ہیں اور اگر اُن کو
الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ط
کچھ پہنچتا ہو تو چلے آئیں اُس کی طرف قبول کر کر

یعنی اگر ان کا جھگڑا کسی سے ہو گیا اور سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں اُس وقت اگر دوسرا فریق کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کرا لو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے

Marfat.com

، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بلا رورعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو اُن کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہم اللہ ورسول پر ایمان لانے اور اُن کا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ کہاں گیا۔ ہاں فرض کیجئے اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہو تو اُس وقت بہت جلدی سے گردن جُھکا کر بارِگاہ نبوت میں حاضر ہو جائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کر دیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں عدالت سے ہمارے موافق فیصلہ ہوگا۔ تو یہ ایمان واسلام کیا ہوا۔ محض ہوا پرستی ہوئی۔

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
کیا اُن کے دلوں میں روگ ہے

دِل بیمار ہیں

روگ یہ کہ خدا ورسول کو سچ مانا لیکن حرص نہیں چھوڑتی کہ کہے پر چلیں جیسے بیمار چاہتا ہے چلے اور پاؤں نہیں اُٹھتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ
یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا اُن پر اللہ
وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾
اور اُس کا رسول کچھ نہیں وہ ہی لوگ بے انصاف ہیں

منافق غلط شک میں مبتلا ہیں

یعنی خدا اور رسول کی بابت کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یا اللہ کے وعدووعید میں کوئی شک وشبہ ہے؟ یا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اُن کے معاملات کا خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لئے اُن کی عدالت میں مقدمہ لے جانے سے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم و بے انصافی کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چاہتے ہیں کہ اپنا حق پورا وصول کر لیں اور دوسروں کا ایک پیسہ نہ دیں۔ اسی لئے اُن معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں جن میں سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا۔ یہ تو منافقین کا ذکر تھا۔ آگے ان کے بالمقابل مخلصین کی اطاعت و فرمانبرداری کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ
ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلایئے اُن کو اللہ
وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ
اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو اُن میں تو کہیں ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾
اور وہ لوگ کہ انہی کا بھلا ہے

سچے مسلمان کا کام

یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی معاملہ میں اُن کو خدا اور رسول کی طرف بُلایا جائے خواہ اس میں بظاہر اُن کا نفع ہو یا نقصان۔ ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ فی الفور "سمعنا و اطعنا" کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسی میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ
اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾
اُس سے سو وہ ہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے

کامیاب کون ہوگا؟

یعنی جو فی الحال فرمانبردار ہو، گزشتہ تقصیرات پر نادم ہو کر اور خدا سے ڈر کر توبہ کرے اور آئندہ برے راستہ سے بچ کر چلے۔ اُسی کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رومی کسان کا عجیب واقعہ

تفسیر قرطبی میں اس جگہ ایک واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نقل کیا جس سے ان چاروں چیزوں کے مفہوم کا فرق اور وضاحت ہو جاتی ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک روز مسجد نبوی میں کھڑے تھے اچانک ایک رومی دہقانی آدمی بالکل آپ کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا انا اشهد ان لا اله الا الله واشهدان محمدا رسول الله، حضرت فاروق اعظم رضی

Marfat.com

اللہ عنہ نے پوچھا کیا بات ہے تو کہا میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا اس کا کوئی سبب ہے اس نے کہا ہاں۔ بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور اور انبیاء سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمو لیا ہے تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے تو اس رومی دہقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی اور اُس کے ساتھ اس کی تفسیر بھی عجیب وغریب اس طرح بیان کی کہ من یطع اللہ فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے ورسولہ سنتِ نبوی کے متعلق ہے۔ ویخش اللہ گزشتہ عمر کے متعلق ہے ویتقہ آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے۔ جب انسان چار چیزوں کا عامل ہو جائے تو اس کو اولٰئک ھم الفآئزون کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اُس کو ٹھکانا ملے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے کلام میں اس کی تصدیق موجود ہے آپ) نے فرمایا ہے اوتیت جوامع الکلم۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ
اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو
لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ
سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ حکمبرداری چاہیئے جو دستور ہے
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
البتہ اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو

منافقوں کی جھوٹی قسمیں

یعنی منافقین بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم کو آپ حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل جانے کے لئے تیار ہیں ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستہ میں لٹا کر الگ ہو جائیں۔ اُس پر فرمایا کہ اس قدر منہ بھر کر لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت سب معلوم ہو چکی کہ زبان سے دعوے بہت کیا کرتے ہو۔ اور عمل کا وقت آئے تو آہستہ سے کھسک جاتے ہو۔ چاہیئے کہ سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکمبرداری کر کے دکھلاؤ زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ فرض کرو تم قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین دلا دو لیکن اللہ کے آگے کسی کی چالاکی اور فریب نہیں چل سکتا۔ وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ آگے چل کر تمہاری مکاری اور نفاق کا پردہ فاش کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا
تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے
فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ
تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اُس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اور اگر
تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝
اُس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر

اطاعت وتصدیق کی ذمہ داری پوری کرو

یعنی پیغمبر پر خدا کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے، سو اُس نے پوری طرح ادا کر دیا۔ اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا وہ تصدیق وقبول حق کا ہے اور یہ کہ اُس کے ارشاد کے موافق چلو۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اُس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو کامیابی دارین کی راہ پاؤ گے اور دنیا وآخرت میں خوش رہو گے ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں، تمہاری شرارت وسرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ آگے اطاعت رسول کے بعض ثمرات بیان فرماتے ہیں جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا اُن کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے

Marfat.com

مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى
اگلوں کو اور جما دے گا اُن کے لئے دین اُن کا جو پسند کر دیا اُن کے واسطے
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ
اور دے گا اُن کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے
لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ
شریک نہ کریں گے میرا کسی کو

اطاعتِ رسول کے ثمرات

یہ خطاب فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے لوگوں کو یعنی جو اُن میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں رسول کے بعد اُن کو زمین کی حکومت دے گا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے اُن کے ہاتھوں سے دنیا میں اُس کو قائم کرے گا۔ گویا جیسا کہ لفظ استخلاف میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دینِ حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی و تری میں اُس کا سکہ بٹھلا دیں گے۔ اُس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن و امان کا دَور دَورہ ہوگا۔ ان مقبول و معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہو گی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی۔ شرک جلی کا تو وہاں ذکر کیا ہے شرک خفی کی ہوا بھی اُن کو نہ پہنچے گی۔ صرف ایک ذات کے غلام ہوں گے، اُسی سے ڈریں گے اُسی سے اُمید رکھیں گے۔ اُسی پر بھروسہ کریں گے اسی کی رضا میں اُن کا جینا اور مرنا ہوگا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف و ہراس اُن کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ الحمدللہ کہ یہ وعدہ الٰہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفائے اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اُس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے متعلق عجیب و غریب بشارات سنی گئیں ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اسلام کا کلمہ بلند کریں گے۔ اَللّٰھُمَّ احْشُرْ نَافِیْ زُمْرَتِہٖ وارْزُقْنَا شَھَادَۃً فِی سَبِیْلِکَ اِنَّکَ واسِعُ المَغْفِرۃ وَذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم"

(تنبیہ) اس آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی بڑی بھاری فضیلت و منقبت نکلتی ہے۔ ابن کثیر نے اس کے تحت میں عہد نبوت سے لے کر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ وَجُبِیُ الْخراجُ مِنَ المشارِقِ وَ الْمَغَارِبِ اِلیٰ حَضْرۃِ اَمِیرِ الْمؤمِنِیْنَ عُثْمَانَ بِن عَفَّان رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ وَذٰلِکَ بِبَرَکَۃِ تِلاوَتِہٖ وَدِرَاسَتِہٖ وَجَمْعِہِ الْاُمَّۃَ عَلیٰ حِفْظِ الْقُراٰن وَ لِھٰذَا ثَبَتَ فِی الصَّحِیحِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قَال اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِی الارض فرأیت مَشارقھَا وَمَغَارِبھَا وَسَیَبْلُغُ مُلک اُمَتِی مَازُوِیَ لِی مِنْھَا فَھَا نَحْنُ نَتَقَلَّبُ فِیْمَا وَعَدَنَااللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہ وَ رَسُوْلُہٗ فَنَسالُ اللّٰہ الایْمَانَ بِہٖ وَبِرَسُولِہٖ وَالْقِیَامَ بِشُکْرِہٖ عَلیَ الْوَجہ الَّذِی یُرْضِیْہِ عَنَّا." (تفسیر عثمانی)

دَورِ خلافت کی فتوحات

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا الہام فرمایا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نظامِ خلافت ایسا سنبھالا کہ آسمان نے انبیاء علیہم السلام کے بعد ایسا نظام کہیں نہ دیکھا تھا۔ اُن کے زمانے میں ملک شام پورا فتح ہو گیا اسی طرح پورا مُلک مصر اور ملک فارس کا اکثر حصہ۔ اُنہیں کے زمانے میں قیصر و کسریٰ کی قیصری اور کسروی کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد خلافتِ عثمانی کا وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق و مغارب تک وسیع ہو گیا۔ بلاد مغرب، اندلس اور قبرص تک اور مشرق اقصیٰ میں بلاد چین تک اور عراق، خراسان، اہواز سب آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ اور صحیح حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں اور میری اُمت کی حکومت اُن تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ خلافتِ عثمانیہ کے دَور ہی میں پُورا فرما

Marfat.com

دیا (یہ سب مضمون تفسیر ابنِ کثیر سے لیا گیا ہے)

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس کی مراد خلافتِ راشدہ ہے جو بالکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر قائم رہی اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ تک چلی کیونکہ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک پوری ہوئی۔

بارہ خلفاء

ابن کثیرؒ نے اس جگہ صحیح مُسلم کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ خلیفہ رہیں گے۔ ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس اُمت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل سے ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے جو خلفاء راشدین تھے پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز ہوئے اُن کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تا قیامت رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدی ہوں گے۔ روافض نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا خلافت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن وسکون دنیا کا یکساں ہو۔ بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان وعمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اس کے درجات کے اختلاف سے حکومت کی نوعیت وقوت میں بھی فرق واختلاف لازمی ہے، اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح بادشاہ ہوا ہے اس کو اپنے عمل وصلاح کے پیمانے پر اس وعدہ الٰہیہ کا حصہ مِلا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے ان حزب اللہ ھم الغالبون یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

خلفائے راشدین کے حق ہونے کی دلیل

یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق وصحیح اور مقبول عنداللہ ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے رسول اور اس کی اُمت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہیں حضرات کے زمانے میں ہوا۔ اگر ان حضرات کی خلافت کو حق وصحیح نہ مانا جائے جیسے روافض کا خیال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ ہی کہیں پورا نہیں ہوا۔ اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانے میں پورا ہو گا ایک مضحکہ خیز چیز ہے اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس تو پوری اُمت ذلت وخواری میں رہے گی اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لئے اُن کو حکومت ملے گی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے معاذ اللہ۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا خطاب

بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہنگامہ کے وقت دیا تھا۔ خطبہ کے الفاظ یہ ہیں ''اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول تھے جب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری تھا۔ خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ لَوٹیں گے۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کر دے گا وہ اللہ کے سامنے دست بُریدہ حاضر ہوگا اُس کے ہاتھ نہ ہوں گے۔ اور سمجھ لو کہ اللہ کی تلوار اب تک میان میں تھی، خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی میان میں نہ جائے گی۔ کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے میں ستر ہزار آدمی مارے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں۔ (مظہری)

چنانچہ قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا اُمت میں چلتا ہی رہا ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمت استخلاف اور استحکامِ دین کی مخالفت اور ناشکری قاتلانِ عثمان نے کی تھی اُن کے بعد روافضِ اور خوارج کی جماعتوں نے خلفاء راشدین کی مخالفت میں گروہ بنا لئے۔ اسی سلسلے میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کا عظیم حادثہ پیش آیا نسئل اللہ الھدایۃ وشکر نعمتہ (معارف مفتی اعظم)

حضرت شعیا علیہ السلام کا خطاب

وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ شعیا نبی کی طرف وحی خدا تعالیٰ آئی کہ تو بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑا ہو جا میں تیری زبان سے جو چاہوں گا نکلواؤں گا۔ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے تو آپ کی زبان سے بحکم خدا تعالیٰ یہ خطبہ بیان ہوا، اے آسمان سُن اے زمین خاموش رہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ ایک شان پوری کرنا اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ پورا کرنے والا ہے، وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دے، ویرانے کو بسا دے، صحراؤں کو سرسبز بنا دے، فقیروں کو غنی کر دے، چرواہوں کو سلطان بنا دے، اَن پڑھوں میں سے ایک اُمی کو نبی بنا کر بھیجے جو نہ بدگو ہو، نہ بداخلاق ہو، نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا ہو، اتنا مسکین صفت اور متواضع ہو کہ اس کے دامن کی ہوا سے وہ چراغ بھی نہ بجھے جس کے پاس سے وہ گزرا ہو، اگر وہ سوکھے بانسوں پر پَیر رکھ کر چلے تو بھی چرچڑاہٹ کسی کے کان میں نہ پہنچے میں اسے بشیر ونذیر بنا کر بھیجوں گا وہ زبان کا پاک ہوگا، اندھی آنکھیں اس کی وجہ سے روشن ہو جائیں گی، بہرے کان اس کے باعث سننے لگیں گے، غلاف والے دل اس کی برکت سے کھل جائیں گے، ہر ہر بھلے کام سے میں اسے سنواروں گا، ہر ہر خلقِ کریم سے میں اسے سرفراز فرماؤں گا، سکینت اس کا لباس ہوگی، نیکی اس کا وطیرہ ہوگی، تقویٰ اس کی ضمیر ہوگا، حکمت اس کی باتیں ہوں گی، صدق ووفا اس کی طبیعت ہوگی، عفوودرگذر کرنا اور عمدگی وبھلائی چاہنا اس کی خصلت ہوگی، حق اس کی شریعت ہوگی، عدل اس کی سیرت ہوگی، ہدایت اس کی امام ہوگی، اسلام اس کی ملت ہوگی، احمد اس کا نام ہوگا، (صلی اللہ علیہ وسلم) گمراہی کے بعد اس کے ذریعہ سے میں ہدایت پھیلا دوں گا، جہالت کے بعد علم چمک اُٹھے گا، پستی کے بعد اس کی وجہ سے ترقی ہوگی، انجان پنا اس کی ذات سے پہچاننے سے بدل جائے گا کمی زیادتی سے بدل جائے گی، فقیری کو اس کے ذریعہ میں امیری سے بدل دوں گا، اس کی ذات سے جُدا جُدا لوگوں کو میں مِلا دوں گا، فرقت کے بعد اُلفت ہوگی، پھُوٹ کے بعد ایکا ہوگا، اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا، مختلف دل جداگانہ خواہشیں ایک ہو جائیں گی، بے شمار بندگانِ خدا ہلاکت سے بچ جائیں گے اس کی امت کو میں تمام امتوں سے بہتر کر دوں گا جو لوگوں کے نفع کے لئے ہوگی، بھلائیوں کا حکم کرنے والی بُرائیوں سے روکنے والی ہوگی، موحد مومن مخلص ہوں گے، خدا تعالیٰ کے جتنے رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں یہ سب کو مانیں گے کسی کے انکاری نہ ہوں گے۔ (تفسیر ابنِ کثیر)

دورِ خلافت میں وعدۂ الٰہی پورا ہوا

حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنی حنیفہ (یعنی مسیلمہ کے لشکر) سے اور عرب مرتدوں سے جہاد کیا اور غلبۂ روم سے نو سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اللہ نے فتح شام مرحمت فرمائی۔ حدیبیہ کے سال ۶ھ میں رومی غالب آئے تھے اس کے نو سال بعد مسلمانوں نے ملکِ شام ان سے چھین لیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے عراق پر لشکر کشی کرنے کا مشورہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کو ثبوت میں پیش کرتے ہوئے جہاد کا مشورہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ اہلِ سنت کی متعدد کتابوں میں منقول ہے اور شیعی کتب میں سے نہج البلاغۃ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسی آیت سے یہ استنباط مذکور ہے بروایت نہج البلاغۃ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کام (دین) کی کامیابی یا ناکامی تعداد کی قلت وکثرت پر موقوف نہیں ہے یہ تو اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب بنایا ہے اور (یہ) اللہ کا لشکر ہے جس کو اس نے غلبہ عنایت کیا ہے اور مدد فرمائی ہے یہاں تک کہ جہاں سے نکلا نکلا اور جہاں پہنچا پہنچا، اللہ نے خود فرما دیا، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الخ پس اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور اپنے لشکر کو ضرور فتحیاب بنائے گا۔

وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ اور جس دن کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ضرور ضرور جماؤ عطا فرمائے گا۔ حضرت ابنِ عباس نے اس کی تشریح میں فرمایا ان کو ملکی وسعت عطا کرے گا دوسرے ممالک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اپنے دین کو تمام مذاہب پر غالب کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

خلفائے راشدین کا فتویٰ شرعی حجت ہے

فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہلِ سنت وجماعت میں سے نہیں، نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس کا مفاد یہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لئے بادشاہ کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے احکام ماننا رعایا پر واجب ہے کیونکہ جب شروع آیت میں وعدہ کی اسناد اللہ کی طرف ہے اور بعد میں یستخلفنھم میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا

Marfat.com

تعالیٰ خلیفہ مقرر کرے اس کی اطاعت بلاشبہ واجب ہے۔

قاضی شوستری کی تحریر

قاضی شوستری نوراللہ مرقدہ احقاق الحق میں لکھتے ہیں حاصل یہ کہ حضرت امیر کی خلافت برائے نام تھی خلافت کا نام تھا معنی اور حقیقت نہ تھی زمانہ خلافت کے لوگ ان سے معارضہ اور مناقشہ کرتے تھے اور وہ مبغوض تھے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے پیش رو خلفاء کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب ان کے دشمنوں کے گروہ تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء ثلثہ نہایت عدل و انصاف اور افضل حالت میں گزرے اور ان کے بعد آنے والے خلیفہ کی انتہائی معراج یہ ہے کہ قدم بقدم انہیں کے راستہ پر چلے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریر

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ وہ پورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان کے اخیر زمانہ تک امن قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس نعمت کا کفران کیا اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور موجودہ حالت کو تبدیل کر دیا اور خوف کو پھر ان پر مسلط کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء)

مثالی دَورِ حکومت

خلفاء راشدین کے دَور خلافت میں جو فتوحات بلاد عجم و شام حاصل ہوئیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سعادت سے لے کر اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھیں اور وہ تالیف قلوب اور تمکین و توسیع دین متین علیٰ وجہ الکمال والتمام جس کا عشر عشیر کسی دین وملت کو نصیب نہیں ہوا۔ انہیں حاصل ہوئی پس اگر ان بزرگانِ دین کی خلافت۔ وعدہ الٰہی کا مصداق نہ تھی تو بتلایا جائے تو پھر اور کس کی خلافت وعدہ الٰہی کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں اہلِ اسلام دینی اور دنیوی ترقیات کے لحاظ سے اوجِ کمال کو پہنچے۔ احکامِ شریعت جاری ہوئے۔ اسلام سربلند ہوا اور کفر سرنگوں ہوا۔ اور کفار ذلیل خوار ہوئے اور اہلِ اسلام کے باج گزار بنے اور جہاد کا بازار گرم ہوا اور ملک کے ملک مسلمانوں کے زیر نگین آئے اور وعدہ استخلاف سے جو غرض تھی کہ دین اسلام سربلند ہو اور دنیا پر حکمران ہو یہ غرض خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں خوب حاصل ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے پیشرو خلفاء کو حق پر سمجھتے تھے

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ واہلِ سنت ثابت ہے۔

نیز فریقین کی کتابوں سے یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں ان تمام احکام اور سنن کو جاری اور باقی رکھا کہ جو خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری تھیں۔ پس اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافتیں اور ان کے احکام بدعت تھے تو حضرت علی پر ان کی تائید قطعاً حرام تھی کیونکہ بدعت کی تائید باتفاق فریقین موجب لعنت ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کے ڈھانے کی سعی اور کوشش ہے اہل سنت والجماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو ان تمام خرافات سے پاک اور منزہ سمجھتے اہلِ سنت کا یقین ہے کہ حضرت علی بلاشبہ شیرِ خدا تھے۔

بغرض محال وہ اگر خلفاء ثلاثہ کافر اور منافق سمجھتے تو مدینہ سے ہجرت کر جاتے مگر کافروں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ نہ بنتے معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایتیں دشمنان اہلِ بیت کی ساختہ اور پرداختہ ہیں۔ (معارف القرآن)

شیعوں کی کتاب سے ثبوت

چنانچہ نہج البلاغہ میں (جو شیعوں کی اعلیٰ ترین کتاب ہے) مذکور ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے اہلِ فارس کی لڑائی میں جانے کے لئے حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو حضرت امیر نے جواب میں یہ عبارت ارشاد فرمائی۔

ان هذاالامر لم يكن نصرته وخذلانه بكثرة ولاقلة وهودين الله الذى اظهره وجنده الذى اعزه وايده حتى بلغ مابلغ وطلع حيث طلع ونحن على موعود من الله تعالىٰ منكم و عملوا الصالحات الى اخر الآية فالله منجز وعده وناصر جنده الخ. (تحفہ ص ۳۷۱ باب ہفتم در امامت وازالۃ الخفاء ص ۴۰)

بے شک اس دین کو فتح لشکر کی کثرت سے نہیں ملی اور نہ لشکر کی قلت سے اس کو شکست ہوئی۔ بلکہ یہ دین خدا کا دین ہے جس نے اس کو غلبہ عطا کیا اور لشکر اسلام اللہ کا لشکر اور اس کی فوج ہے کہ خدا نے اس کو عزت اور قوت دی یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا اور ظاہر اور روشن ہوا جیسا کہ ظاہر اور روشن ہوا اور ہم خدا کے وعدہ پر ہیں جیسا کہ اس نے

Marfat.com

قرآن عزیز میں اہلِ ایمان سے خلافت اور تمکین دین اور امن کا وعدہ کیا ہے جو اس آیت یعنی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں مذکور ہے پس اللہ اپنے وعدہ کو پورا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا یعنی ان کو غلبہ اور فتح دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خلافت فاروقی خلافت موعودہ فی القرآن کا مصداق ہے اور نہج البلاغہ کے تمام شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کا مقصود آیت استخلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے نبی امی فداہ نفسی وابی سے جو وعدے کئے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤد اور سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ ہائے خداوندی ابوبکر و عمر و عثمان کے ہاتھوں پورے ہو گئے۔ (دیکھو قرۃ العینین ص ۲۲۲)

مصطفٰے را وعدہ کرد الطاف حق — گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
چاکرانت شہر ہا گیرند و جاہ — دین تو گیرد زماہی تا بماہ

کسریٰ کا خاتمہ

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہلِ اسلام کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ اور نواحی عرب میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ خیبر جو یہودیوں کا اڈہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور حجر کے مجوسی اور نواحی شام کے کچھ عیسائی جزیہ گزار ہو گئے تھے۔ صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے بُصریٰ اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت (اقبال کچھ نہ ملا اور قیصرِ روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بے خوف و خطر توحید حق پھیل گئی اور کفر و شرک دُور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض جگہوں سے بالکل خاتمہ ہو گیا اور بعض جگہ مقہور و مغلوب ہو گئی اور عثمان غنی کے دَور خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اور اندلس اور قیروان اور بحرِ محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہو گیا۔

اور ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنی کے دورِ خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ آنے لگا۔ (معارف کاندھلوی)

امن و چین کا دَور

ابوالعالیہ نے کہا اللہ نے اپنے نبی کو جزیرۃ العرب پر اقتدار عطا فرما دیا، سب عربوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور مسلمان ہو گئے، وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلمان اسی چین سے رہے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں بھی امن و چین کی یہی حالت قائم رہی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت بھی اسی طرح گزر گیا آخر جس (خانہ جنگی کی مصیبت) میں پھنسنا تھا پھنس گئے اور اللہ کی نعمت کے شکر گزار نہ رہے۔

آیت مذکورہ کا شانِ نزول

ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ نزولِ وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں صحابہ کے ساتھ رہے صحابہ کو حکم تھا کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر رکھیں، پھر مدینے کو ہجرت کر جانے کا حکم ہو گیا لڑنے کا بھی حکم مل گیا، لیکن (ہر طرف سے خوف کی یہ حالت تھی کہ) کوئی ہتھیار اپنے بدن سے الگ نہ کرتا تھا آخر ایک شخص نے کہا کیا ہمارے لئے کوئی دن بھی ایسا نہ آئے گا کہ ہم امن سے رہیں اور ہتھیار کھول دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حضرت براء نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی تھی ہم سخت خوف کی حالت میں تھے پھر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور خوف کی بجائے امن عطا کیا اور زمین پر امن کو پھیلا دیا یعنی ملکی فتوحات عطا فرما دیں)

اہلسنت کی تصدیق اور روافض کی تردید

اس آیت میں آئندہ واقعہ کے متعلق پیشین گوئی ہے (جو صحیح ثابت ہوئی) اس لئے یہ صداقتِ نبوت کی دلیل ہے۔ اور خلفائے راشدین کی حالت کی حجت پر بھی آیت دلالت کر رہی ہے اگر خلفائے راشدین کی خلافت مراد نہ ہو تو وعدہ الٰہی میں کذب لازم آئے گا کیونکہ سوائے خلافتِ راشدہ کے زمانہ کے موعود (فتوحات ملکیہ) اور موعود لہم (مومنین صالحین) یکجا جمع نہ ہوئے اس سے اہلسنت کے

Marfat.com



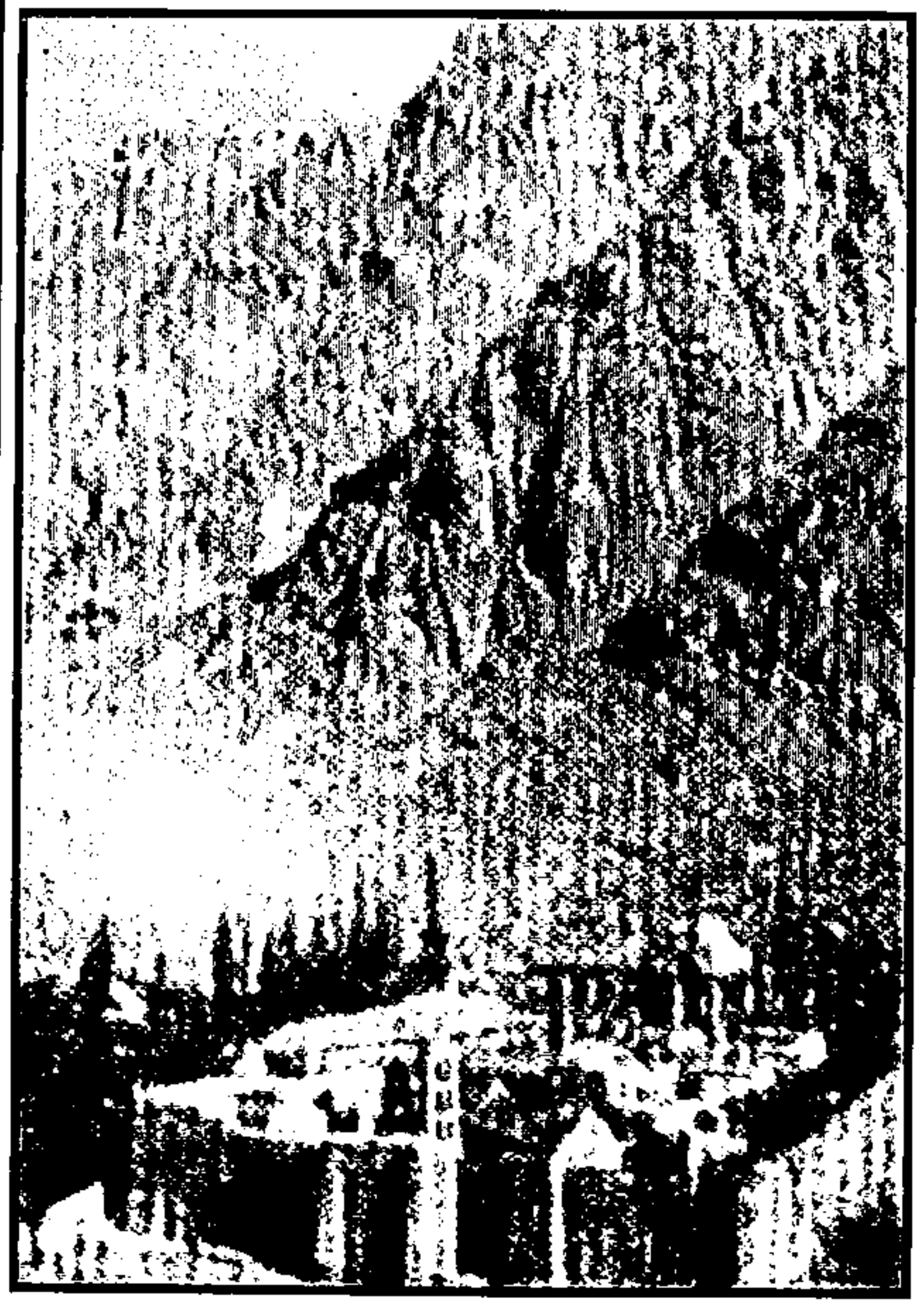
حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا مدفن

تذکرہ سورۃ الانبیاء



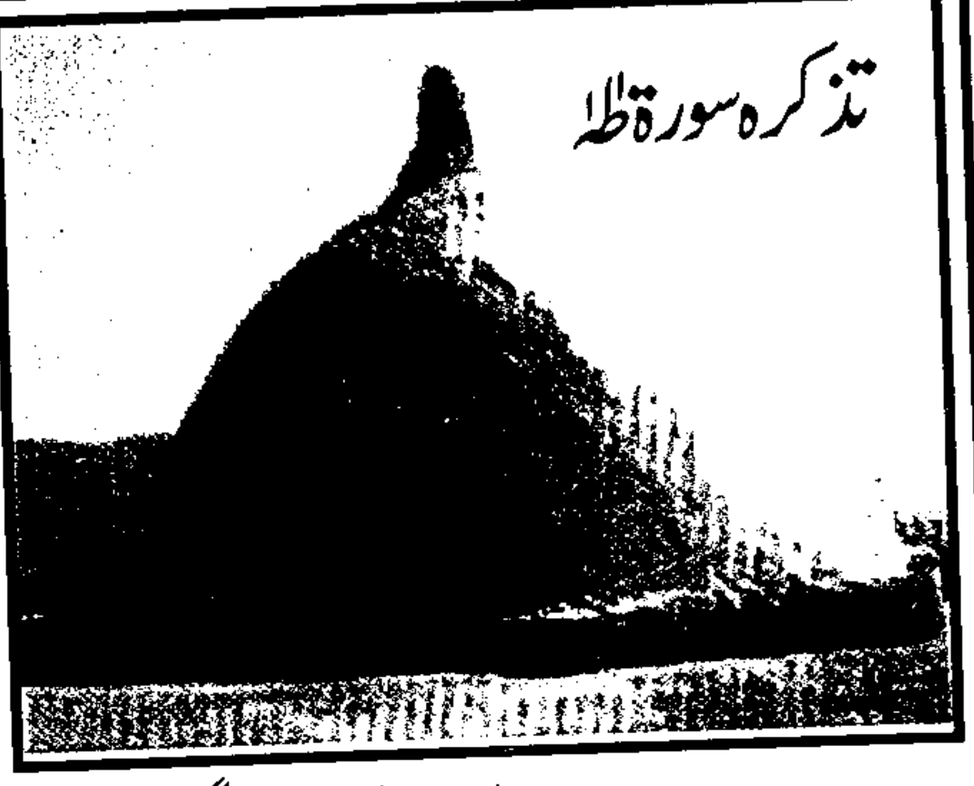
تذکرہ سورۃ طٰہٰ

فرعون کے محل کا وہ حصہ جہاں سے وہ صندوق نکالا گیا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے



کوہ طور کے دامن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آثار

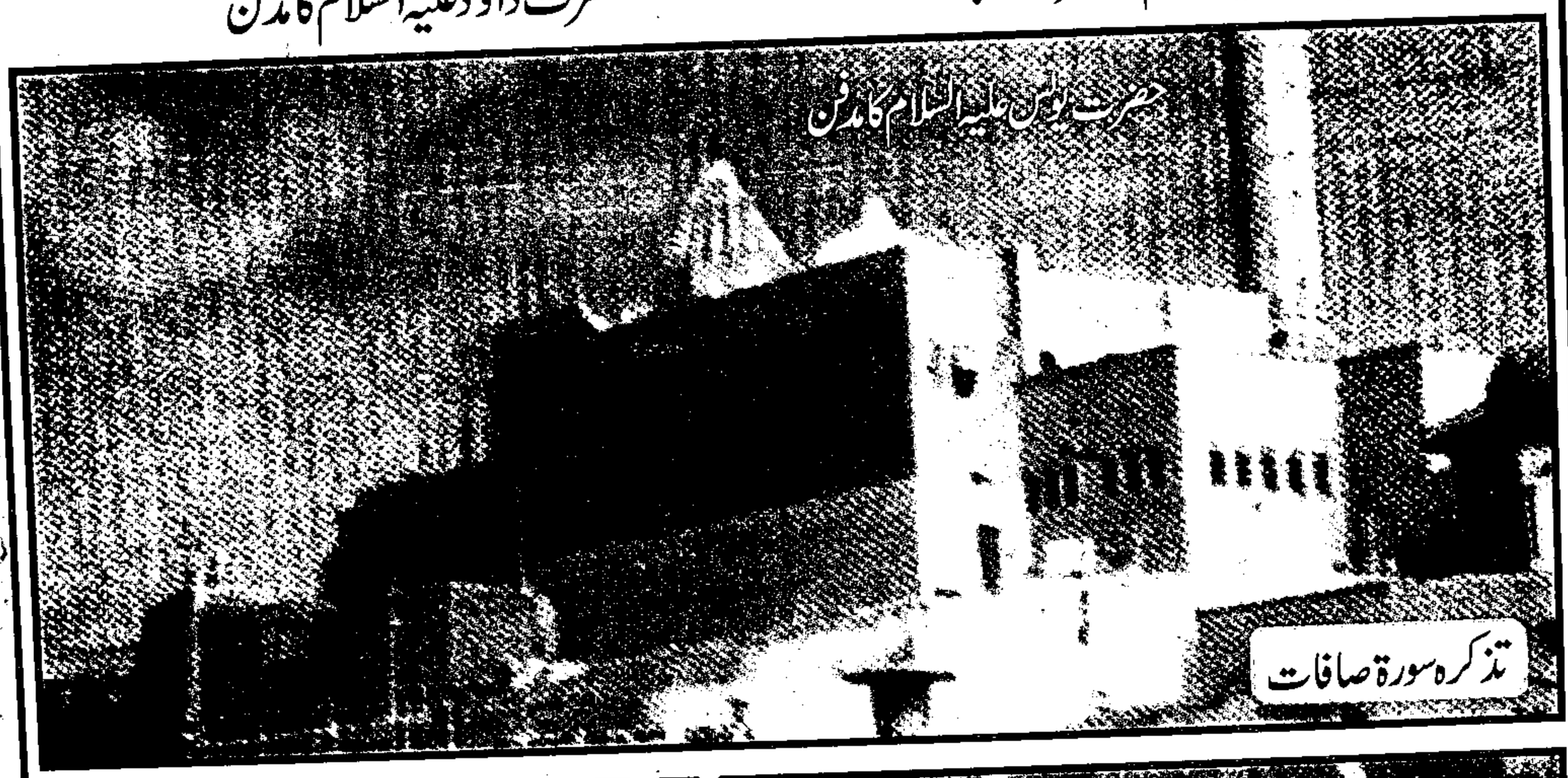
Marfat.com

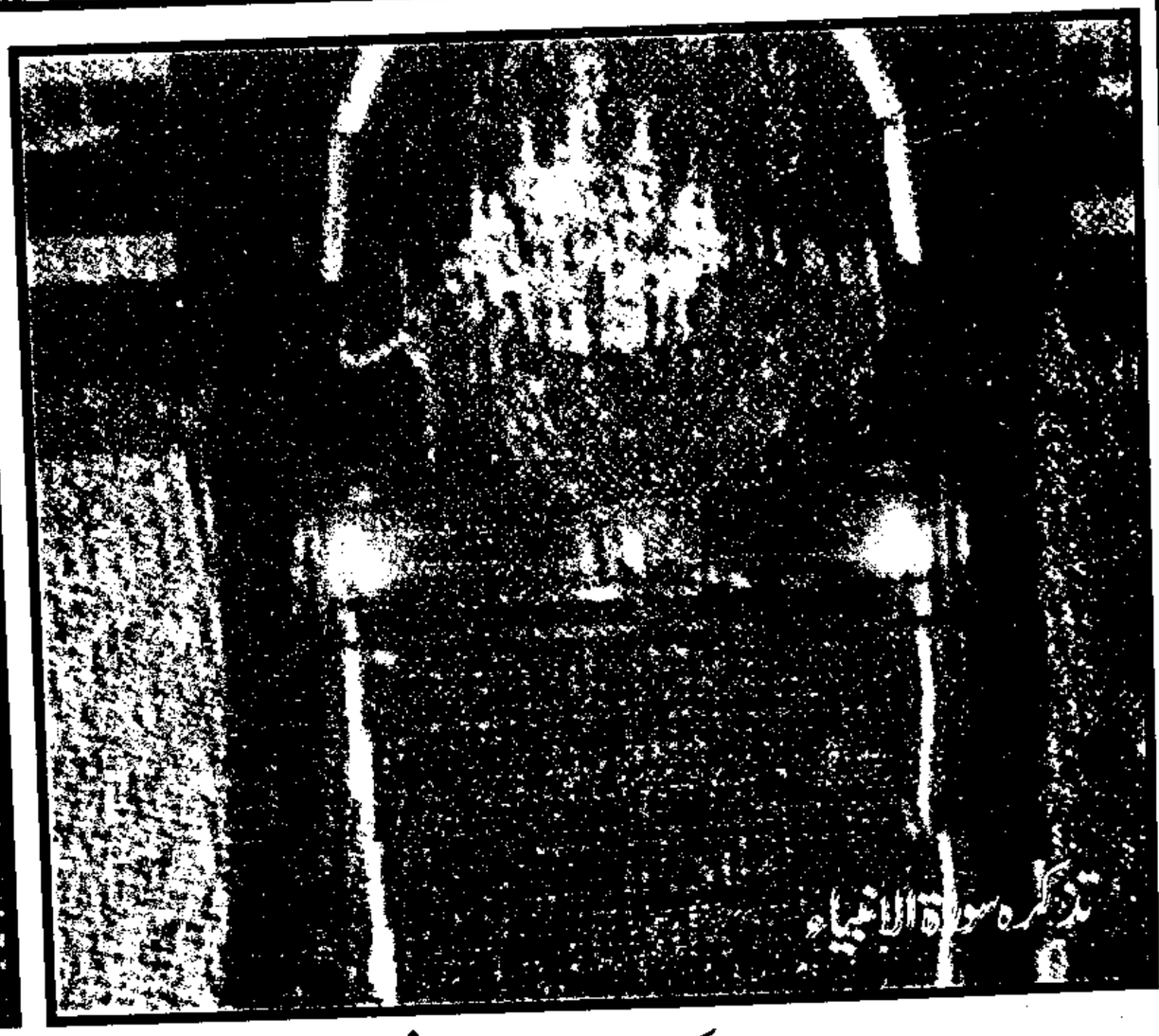


حضرت ہارون علیہ السلام کے مزار کا گنبد



حضرت داؤد علیہ السلام کا مدفن



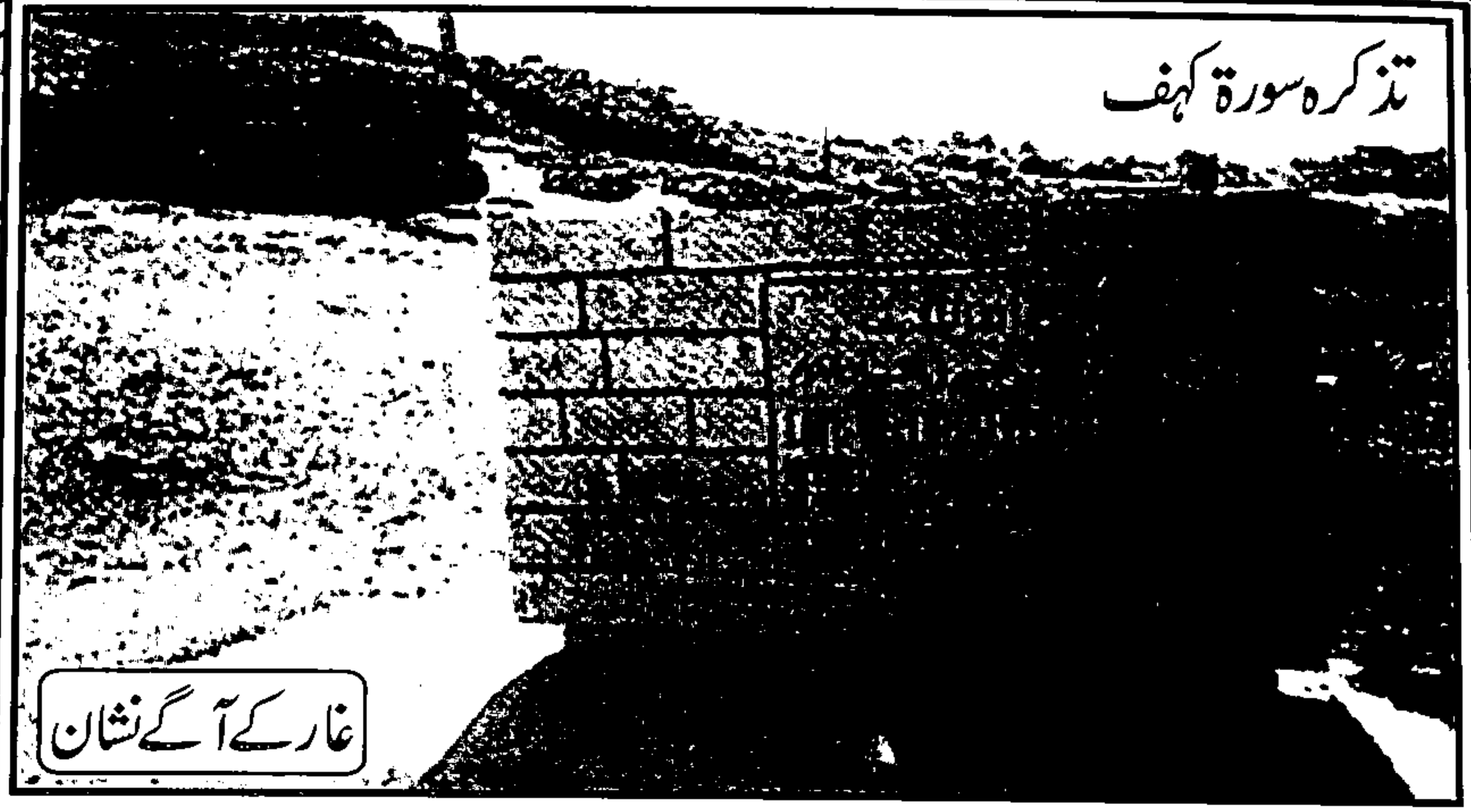


حضرت زکریا علیہ السلام کا مدفن



دمشق میں جامع مسجد بنی امیہ یہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر دفن ہے

Marfat.com


تذکرہ سورۃ کہف
غار کے آگے نشان


تذکرہ سورۃ کہف
اصحاب کہف کی تین قبریں

اصحاب کہف کی ہڈیاں

Marfat.com

تذکرہ سورۃ الانبیاء


وزارۃ الحج والاوقاف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش

Marfat.com

مسلک کی صداقت واضح ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور رافضیوں کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ ائمہ آج تک خوف کی حالت میں رہے ہیں یہاں تک کہ دشمنوں کے خوف سے امام مہدی بھی پوشیدہ ہیں۔

لفظ منکم (میں خطاب صحابہ کو ہے اس لئے اس لفظ) سے یہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا ابھی تک اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا) دین کا ظہور کب اور کیسے ہوگا جب کہ کچھ اوپر گیارہ سو برس تک نہیں ہوا۔ ایسا خیال کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

خلافت کے تیس سال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہے پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ حضرت سفینہ نے کہا دو سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلافت کو تھامے رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال رہی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال رہی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ چھ سال خلیفہ رہے۔

فتوحات اور قیام امن کی نبوی پیش گوئی

حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے آدمی نے آ کر راستہ میں لوٹا جانے کا شکوہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے خود نہیں دیکھا البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے فرمایا اگر تمہاری عمر (کچھ) لمبی ہوئی تو دیکھ لو گے کہ (تنہا) عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے خدا کے کسی سے خوف نہ ہوگا میں نے اپنے دل میں کہا اس وقت بنی طے کے غارت گر کہاں ہوں گے جنہوں نے ملک میں آگ لگا دی ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اگر تیری عمر (کچھ) دراز ہوئی تو کسریٰ کے خزانے تم لوگ فتح کر لو گے، میں نے کہا کیا کسریٰ بن ہرمز کے فرمایا، کسریٰ بن ہرمز کے (پھر فرمایا) اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو دیکھ لو گے کہ آدمی مٹھی بھر چاندی یا سونا قبول کرنے والے کو تلاش میں لئے پھرے گا اور کوئی لینے والا نہ ملے گا اور جس روز آدمی اپنے رب کے سامنے جائے گا اور بندے کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا کہ اللہ کا مطلب بندے کو سمجھائے (بلکہ اللہ براہِ راست بندہ سے خطاب کرے گا) اور فرمائے گا کیا اپنے احکام پہنچانے کے لئے میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ کہے گا کیوں نہیں (یقیناً بھیجا تھا) اللہ فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی مہربانی نہیں کی تھی بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں (یہ سب کچھ ہوا تھا) اس وقت آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کچھ نہیں دکھائی دے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی جہنم ہی دکھائی دے گا (غرض جہنم میں پھینک دیا جائے گا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ سے بچو، خواہ چھوارے کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کر کے (یعنی چھوارے کا ایک ٹکڑا غریب کو دینا دوزخ سے بچنے کا سبب بن جائے گا) اگر چھوارے کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو (سائل سے) میٹھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے اپنی حفاظت کرو) حضرت عدی نے (اپنے شاگرد سے) فرمایا میں نے تو یہ دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لئے چلتی یہاں تک کہ طواف کر لیتی ہے اور (راستہ میں اس کو کسی لٹیرے بدمعاش کا اندیشہ نہیں ہوتا) اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے میں تو میں خود شریک تھا۔ آئندہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی صحیح پالو گے کہ مٹھی بھر (سونا چاندی) آدمی لے کر قبول کرنے والے کی تلاش میں نکلے گا اور قبول کرنے والا اس کو نہیں ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ خلفاء قریشی ہوں گے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگوں کا کام بھلائی سے جاری رہے گا یہاں تک کہ ان میں بارہ خلیفے ہوں۔ پھر آپ نے ایک جملہ آہستہ بولا جو راوی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سن نہ سکے تو انہوں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟

انہوں نے بیان کیا کہ یہ فرمایا ہے یہ سب کے سب قریشی ہوں گے (مسلم) آپ نے یہ بات اس شام کو بیان فرمائی تھی جس دن حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا تھا پس معلوم ہوا کہ ان بارہ خلیفوں کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ وہ خلیفے نہیں جو شیعوں نے سمجھ رکھے ہیں کیونکہ شیعوں کے اماموں میں تو بہت سے وہ بھی ہیں جنہیں خلافت وسلطنت کا کوئی حصہ بھی پوری عمر میں نہیں ملا

Marfat.com

تھا۔اور یہ بارہ خُلفاء ہوں گے سب کے سب قریشی ہوں گے حکم میں عدل کرنے والے ہوں گے ان کی بشارت اگلی کتابوں میں بھی ہے اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوں گے بلکہ ان کا ہونا یقینی ہے خواہ پے در پے کچھ ہوں خواہ متفرق زمانوں میں کچھ ہوں چنانچہ چاروں خلیفے تو بالترتیب ہوئے اول ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے بعد پھر سلسلہ ٹوٹ گیا پھر بھی ایسے خلیفہ ہوئے اور ممکن ہے۔آگے چل کر بھی ہوں ان کے صحیح زمانوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ہاں اتنا یقینی ہے کہ حضرت امام مہدیؒ بھی انہی بارہ میں سے ہوں گے جن کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جن کی کنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے مطابق ہوگی تمام زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم وناانصافی سے بھر گئی ہوگی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی، پھر کاٹ کھانے والا ملک ہو جائے گا۔(تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہ ہی لوگ ہیں نافرمان

ناشکری کرنے والے

یعنی ایسے انعامات عظیمہ کے بعد ناشکری کرنا بہت ہی بڑے نافرمان اور اصل مجرم کا کام ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی خلفائے اربعہ کی خلافت اور ان کے فضل وشرف سے منکر ہوا۔ان الفاظ سے اُس کا حال سمجھا گیا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

(تفسیر عثمانی)

قاتلین عثمان

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ سو یہی لوگ (ایمان یا دائرہ اطاعت سے) خارج ہوں گے بغوی نے لکھا ہے اہلِ تفسیر کا بیان ہے کہ سب سے پہلے خدا داد نعمت کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انہوں نے شہید کر دیا تو اللہ نے وہ نعمت بھی بدل ڈالی جو ان کو عطا فرمائی تھی، چنانچہ خوف ان پر طاری ہوگیا اور (دینی) بھائی بھائی ہونے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگا۔

بغوی نے حمید بن ہلال کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت فرمایا۔جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس وقت سے آج تک (اللہ کے حفاظتی) فرشتے تمہارے اس شہر کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اب اگر تم عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دو گے تو خدا کی قسم فرشتے چلے جائیں گے اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔جو شخص عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرے گا خدا کی قسم جب وہ اللہ کے سامنے جائے گا تو کوڑھی ہو کر جائے گا اللہ کی تلوار نیام کے اندر ہے اگر اللہ نے نیام سے اس کو نکال دیا تو خدا کی قسم پھر تم سے (ہٹا کر) وہ (کبھی یا روز قیامت تک) نیام میں داخل نہیں کرے گا کیونکہ جب بھی کوئی نبی شہید کیا گیا (اس کے انتقام میں) ستر ہزار آدمی مارے گئے اور جب بھی کوئی خلیفہ شہید کیا گیا (اس کے بدلہ میں) پینتیس ہزار آدمی قتل کئے گئے۔

رافضی وخارجی

میں کہتا ہوں اللہ نے جو مسلمانوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور خلافت عطا فرمائی، رافضیوں اور خارجیوں کے مختلف گروہوں نے اس کی ناشکری کی۔

یزید بن معاویہ

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ میں یزید بن معاویہ کی طرف اشارہ ہو یزید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کیا یہ ساتھی خاندان نبوت کے ارکان تھے عزتِ رسول کی بے عزتی کی اور اس پر فخر کیا اور کہنے لگا آج بدر کے دن کا انتقام ہوگیا اسی نے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لشکر کشی کی اور حرہ کے واقعہ میں مدینہ کو غارت کیا اور وہ مسجد جس کی بناء تقویٰ پر قائم کی گئی تھی اور جس کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کہا گیا ہے اس کی بے حرمتی کی اسی نے بیت اللہ پر سنگباری کے لئے منجنیقیں نصب کرائیں اور اسی نے اول خلیفۂ رسول اللہ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کرایا اور ایسی ایسی نازیبا حرکتیں کیں کہ آخر اللہ کے دین کا منکر ہوگیا اور (اللہ کی

Marfat.com

حرام کی ہوئی) شراب کو حلال کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا
اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو
الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾
رسول کے تاکہ تم پر رحم ہو

مقبول بندوں کا طریقہ

یعنی خدا کی رحمت سے حصہ لینا چاہتے ہو تو تم بھی اُن ہی مقبول بندوں کی روش اختیار کرو۔ وہ روش یہ ہی ہے نمازیں قائم کرنا، زکوٰۃ دیتے رہنا اور تمام شعب زندگی میں رسول کے احکام پر چلنا۔ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مُتَابَعَةَ رَسُوْلِكَ صلى الله عليه وسلم وَتَوَفَّنَا عَلَيْهَا وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ . آمین۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ
نہ خیال کر کہ یہ جو کافر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں
وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾
اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ بُری جگہ ہے پھر جانے کی

مردود لوگوں کی شکست

یہ نیک بندوں کے بالمقابل مردود و مغضوب لوگوں کا انجام بتلایا۔ یعنی جبکہ نیکوں کو ملک کی حکومت اور زمین کی خلافت عطا کی جاتی ہے، کافروں اور بدکاروں کی ساری مکاریاں اور تدبیریں شکست ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا اگر تمام خدائی میں اِدھر اُدھر بھاگتے پھریں تب بھی وہ خدائی سزا سے اپنے کو نہیں بچا سکتے یقیناً اُن کو جہنم کے جیلخانہ میں جانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
اے ایمان والو اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں

مسئلہ استیذ ان کا تتمہ

یعنی لونڈی غلام، چار رکوع پہلے مسئلہ استیذ ان (اجازت لینے) کا ذکر تھا۔ یہ اُسی کا تتمہ ہے۔ درمیان میں خاص خاص مناسبتوں سے دوسرے مضامین آ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ناگواری پر آیت کا نزول

ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت مرثد کا ایک غلام تھا جو اکثر حضرت اسماء کے پاس ایسے وقت میں (بلا اجازت) آ جاتا تھا کہ اس وقت غلام کا آنا حضرت اسماء کو ناگوار گزرتا تھا، حضرت اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے خادم اور غلام ایسے وقت ہمارے پاس آ جاتے ہیں کہ اس وقت ان کا آنا ہم کو ناگوار ہوتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ
اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار فجر کی
مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ
نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں
الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ۭ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ
اور عشا کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت بدن کھلنے کے ہیں تمہارے

غلاموں اور نابالغوں کے گھر میں آنے کا ادب

ان تین وقتوں میں عموماً زائد کپڑے اُتار دیئے جاتے ہیں یا سونے جاگنے کا لباس تبدیل کیا جاتا ہے اور بیوی کے ساتھ مخالطت بھی بیشتر اِن ہی اوقات میں ہوتی ہے کبھی فجر سے قبل یا دوپہر کے وقت آدمی غسل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی مطلع نہ ہو۔ اس لئے حکم دیا کہ ان تین وقتوں میں نابالغ لڑکوں اور لونڈی غلام کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیئے۔ باقی وقتوں میں ان کو اجانب کی طرح اجازت طلب کرنے کی حاجت نہیں۔ اِلّا یہ کہ کوئی شخص اپنی مصلحت سے دوسرے اوقات میں بھی استیذ ان کی پابندی عائد کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

بغوی نے حضرت ابنِ عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام کو دوپہر کے وقت حضرت عمر کو بلانے کے لئے بھیجا، غلام حضرت عمر کے پاس (گھر کے اندر) پہنچا تو ایسی حالت میں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا جانا ناگوار گزرا۔ اس پر آیت وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ نازل ہوئی۔

Marfat.com

جوانی کو نہ پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ جوانی کے قریب بھی نہ پہنچے ہوں (مراہق بھی نہ ہوں) جو لڑکے بالغ ہونے کے قریب پہنچ گئے ہوں وہ بالغ کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ: آیت مذکور کا اقتضاء ہے کہ مذکورہ تینوں اوقات میں غلام کا اپنے آقا کے پاس بلا اجازت (تنہائی میں) جا پہنچنا ممنوع ہے خواہ غلام چھوٹی عمر کا ہی ہو لیکن ہو باشعور۔ اور باندی (اوقات مذکورہ میں بلا اجازت) اپنی مالکہ کے پاس نہیں جا سکتی ہاں باندی اپنے آقا اور مالک کے پاس ہر وقت بلا اجازت داخل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو بیوی کی طرح ہے (جو ننگے کھلے سے واقف ہوتی ہے) بالغ یا قریب البلوغ غلام اپنی مالکہ کے پاس کسی وقت داخل نہیں ہو سکتا (شرعاً مالکہ کو اس سے پردہ کرنا چاہیے) اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الخ اس آیت میں جن مملوک لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد باندیاں ہیں غلام نہیں ہیں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

جو لڑکا باشعور ہے وہ بغیر اجازت لئے ہر سہ اوقات مذکورہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور ان تین اوقات کے علاوہ ہر وقت بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ؕ
کچھ تنگی نہیں تم پر اور نہ اُن پر ان وقتوں کے پیچھے
طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے کے پاس

یعنی اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادۃً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں اُن میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ
حکمت والا ہے اور جب پہنچیں لڑکے تم میں سے عقل کی حد کو
فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے

نابالغ لڑکا

یعنی لڑکا جب تک نابالغ ہے تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بلا اجازت لئے آ جا سکتا ہے۔ جس وقت حدِ بلوغ کو پہنچا پھر اس کا حکم اُن ہی مردوں جیسا ہو گیا جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور جن کا حکم پیشتر آیت "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا" میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
یوں کھول کر سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا
حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ
حکمت والا ہے اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو
نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ
توقع نہیں رہی نکاح کی اُن پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے
غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ
یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کے لئے

بوڑھی خواتین کا مسئلہ

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو درست ہے اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر" اور گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار دیں تو کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ اُس زینت کا اظہار نہ ہو جس کے چھپانے کا حکم آیت "وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ" میں دیا جا چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جوان عورتوں کے ستر کے متعلق قرآن کریم کا منشا کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا یعنی وہ عورتیں جو بڑی بوڑھی ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ رہی ہوں کہ نکاح کی کوئی توقع کر سکیں۔ ربیعہ نے کہا اس

Marfat.com

سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن سے مرد نفرت کرتے ہیں بڑھاپے کی وجہ سے کوئی اس کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ جو عمر رسیدہ عورت ایسی ہو کہ اس کے اندر کچھ رعنائی باقی ہو وہ اس آیت سے خارج ہے۔

کپڑے اتار دینے سے مراد ہے کچھ کپڑے اتار دینا لہٰذا کسی (آزاد) بوڑھی عورت کے لئے بھی اجنبی مردوں کے سامنے پشت یا پیٹ اور ناف سے نیچے کا بدن کھولنا جائز نہیں۔ سر، چہرہ اور دونوں ہاتھ نہیں کھول سکتی ہے۔

عورتوں کیلئے اظہارِ زینت ممنوع ہے

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ برج کا لغوی مفہوم ہے ظہور قلعہ، مضبوط عمارت، آسمانی ستاروں کا جھمگھٹ۔

لفظ تبرج کا خصوصی استعمال عورتوں کے بے پردہ بن ٹھن کر مردوں کے سامنے آنے کے لئے ہوتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس باتوں کو بُرا سمجھتے تھے ان میں سے ایک بات یہ (حضور کو پسند نہ) تھی کہ عورت سنگھار کر کے غیر مقام میں نمودار ہو۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تبرج کا معنی ہے غیر مردوں کے سامنے عورتوں کا اظہارِ زینت۔ ایسا اظہارِ زینت شرعاً مذموم ہے ہاں شوہر کے سامنے اظہارِ زینت مذموم نہیں ہے حدیث میں لِغَيْرِ مَحَلِّهَا سے یہ ہی مذموم اظہارِ زینت ہے۔

اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ کے بعد غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ کی قید کا اضافہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کچھ کپڑے اتار کر غیر مردوں کے سامنے بوڑھی عورتوں کا آنا اس وقت قابلِ گناہ نہیں قرار دیا جائے گا جب کچھ کپڑے اتارنے سے ان عورتوں کا مقصد اظہارِ زینت نہ ہو اگر کپڑے اتارنے کا مقصد اندرونی زینت اور لباس کی نمائش ہو تو بہر حال گناہ اور حرام ہے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾
اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے

خفیہ فتنہ بازی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں

یعنی یہ تو فتنہ کی روک تھام کے ظاہری انتظامات ہیں باقی پردہ کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں اور فتنے اُٹھائے جاتے ہیں، یاد رہے کہ خدا تعالیٰ اُن سب کو سنتا اور جانتا ہے۔ اُسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ
نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر
حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ
تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف

معذوروں کیلئے عذر پذیری اور ان سے معاملات کا طریقہ

یعنی جو کام تکلیف کے ہیں وہ اُن کو معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت اور ایسی چیزیں۔ (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ جاہلیت میں اس قسم کے محتاج و معذور آدمی اغنیاء اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے رُکتے تھے انہیں خیال گزرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات و اوضاع سے ایذا پہنچتی ہو، اور واقعی بعضوں کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی۔ نیز بعض مومنین کو غایتِ اِتقاء سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے۔ اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے۔ بیمار کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس بناء پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے کہ اُن کی حق تلفی نہ ہو۔ دوسری ایک اور صورت پیش آتی تھی کہ یہ معذور و محتاج لوگ کسی کے پاس گئے، وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا، ازراہ بے تکلفی ان کو اپنے باپ، بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ کسی عزیز و قریب کے گھر لے گیا۔ اس پر ان حاجتمندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے کہ اس کے پاس، یہ دوسرے کے ہاں لے گیا، کیا معلوم وہ ہمارے کھلانے سے کارہ اور ناخوش تو نہیں۔ ان تمام خیالات کی اصلاح آیت حاضرہ میں کر دی گئی کہ خواہی نہ خواہی اس طرح کے اوہام و وساوس میں مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں وسعت رکھی ہے پھر تم خود اپنے اُوپر تنگی کیوں کرتے ہو۔

وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر
اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے

Marfat.com

اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے
اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ
یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے
مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ
تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے

یعنی تمہارے زیر تصرف دے دیا گیا ہو۔ مثلاً کسی نے اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنا دیا اور بقدر معروف اُس میں سے کھانے پینے کی اجازت دے دی۔ (تفسیر عثمانی)

اولاد کا گھر اپنا گھر ہوتا ہے

اپنے گھروں سے مراد ہیں وہ گھر جن میں بیوی بچے ہوں اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں، اپنی اولاد کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اخرجہ اصحاب الستۃ وابن ماجہ والحاکم عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔

پاکیزہ ترین مال

ابن ماجہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاکیزہ ترین مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کمائے اور آدمی کی اولاد بھی اسی کی کمائی سے ہے مطلب یہ ہے کہ بیویوں کا اور اپنی اولاد کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (کذا قال ابن قتیبۃ)

اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

وہ گھر جن سے بلا اجازت کھانا جائز ہے

بغوی نے لکھا ہے حسن اور قتادہ اسی آیت کی بنا پر قائل تھے کہ دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھا لینا جائز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مذکورۂ بالا اشخاص (یعنی اقرباء اور اعزاء) کے گھروں میں جا کر ان کی موجودگی کے بغیر کچھ کھا لینا جائز ہے۔ کھا سکتے ہو لیکن بطور توشہ ذخیرہ کرنا اور اٹھا کر لے آنا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے یہ حکم شروع اسلام میں تھا پھر منسوخ کر دیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے لیکن اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ گھر والے نے صریح اجازت دے دی ہو یا قرینہ سے اس کی اجازت معلوم ہو گئی ہو یہی وجہ ہے کہ آیت میں ذکر ایسے ہی لوگوں کا کیا گیا جن سے عام طور پر بے تکلفی ہوتی ہے۔ (اور آپس میں کھانے پینے کا کوئی پرہیز یا تکلف نہیں ہوتا) ان لوگوں کا آیت میں تذکرہ صرف عادت و رواج کے پیش نظر ہے (حصہ کے لئے نہیں ہے) اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بالکل اجنبی اور غیر آدمی کے گھر پہنچ کر اس کی صریحی یا غیر صریحی اجازت کے بغیر کچھ کھا لینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ گھر والے کی رضامندی کا کسی طور پر علم ہو گیا ہو۔

مسئلہ: یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ عام طور پر قریبی محرم رشتہ داروں میں چونکہ بے تکلفی اور (کھانے پینے سے) انبساط خاطر ہوتا ہے اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ محرم قرابت دار کے مکان کے اندر سے اگر کوئی شخص اس قرابت دار کا یا کسی غیر کا مال چرا لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اگر کسی غیر کے مکان سے کچھ مال چُرایا خواہ چرانے والے کے قریبی محرم ہی کا ہو تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اول صورت میں مال محرز نہ تھا اور دوسری صورت میں محرز تھا (محرز بمعنی محفوظ یعنی اول صورت میں مال ایسی جگہ نہیں رکھا ہوا تھا جو چرانے والے کے لئے محفوظ مقام سمجھا جائے۔ اور دوسری صورت میں اس چور کے لئے غیر کا گھر ممنوع ہے۔ اور محفوظ مقام ہے)۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ
نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ آپس میں مل کر یا جدا ہو کر
فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً
پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری یوں کھولتا ہے اللہ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع
تمہارے آگے اپنی باتیں تاکہ تم سمجھ لو

یعنی اپنایت کے علاقوں میں کھانے کی چیز کو ہر وقت پوچھنا ضروری نہیں۔ نہ کھانے والا حجاب کرے نہ گھر والا دریغ کرے۔ مگر

Marfat.com

عورت کا گھر اگر اُس کے خاوند کا ہو۔ اُس کی مرضی حاصل کرنی چاہیے اور مل کر کھاؤ یا جُدا یعنی اس کی تکرار دل میں نہ رکھے کہ کس نے کم کھایا کس نے زیادہ۔ سب نے مل کر کھایا۔ اور اگر ایک شخص کی مرضی نہ ہو تو پھر کسی کی چیز کھانی ہرگز درست نہیں اور تقید فرمایا سلام کا آپس کی ملاقات میں۔ کیونکہ اس سے بہتر دعاء نہیں۔ جو لوگ اس کو چھوڑ کر اور الفاظ گھڑتے ہیں اللہ کی تجویز سے ان کی تجویز بہتر نہیں ہو سکتی۔

(تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا۔ بعض حضرات کو لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ غلو ہے۔ البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بنی لیث بن بکر کنانی کے متعلق ہوا اس قبیلہ کا ایک شخص تنہا بغیر مہمان کے نہیں کھاتا تھا مہمان ساتھ کھانے کے لئے مل جاتا تو کھانا کھالیتا ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صبح سے بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی اور کھانا سامنے رکھا رہا مگر اس شخص نے نہیں کھایا، اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ بھرا رہتا مگر وہ تنہا نہ پیتا (اس لئے دودھ دوہتا ہی نہ تھا) جب کوئی مہمان ہم مشرب ہونے کے لئے آجاتا تو پی لیتا۔ دن بھر مہمان کے نہ ملنے اور تنہا نہ کھانے کی وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا، آخر جب شام ہو جاتی تو کچھ کھالیتا۔ یہ بیان قتادہ ضحاک اور ابن جریج کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک ساتھ کھانے سے برکت ہوتی ہے

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے آکر کہا یا رسول اللہ ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے جمع ہو کر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔

غلام اپنے آقا کے گھر سے کھا سکتا ہے

امام ابوحنیفہؒ کا اور امام احمدؒ کے مذہب کا مشہور مقولہ ہے جس کی کُنجیاں تمہاری ملکیت میں ہیں اس سے مراد غلام اور داروغے ہیں کہ وہ اپنے آقا کے مال سے حسبِ ضرورت و دستور کھا پی سکتے ہیں (تفسیر ابن کثیر)

سلام کا طریقہ

تحِیَّۃ بطور دعا۔ تحیۃ کے معنی ہی سلام کرنا ہیں۔ اس لئے لفظ تحیۃ . سَلِّمُوْا کا مفعول مطلق ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے آدم کو اپنی (قائم کردہ) صورت میں پیدا کیا۔ آدم علیہ السلام کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ بنا چکنے (اور روح پھونکنے) کے بعد فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی جماعت جو بیٹھی ہوئی ہے اس کو سلام کرو۔ اور سنو وہ تم کو کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ جو جواب دیں گے وہی تمہارا اور تمہاری نسل کا جوابِ (سلام) ہو گا آدم علیہ السلام نے جا کر السلام علیکم کہا، فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ الخ۔

حضرت ابو امامہ کی مرفوع روایت ہے کہ سب سے زیادہ اللہ سے قرب رکھنے والا وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے جو شخص کسی جلسہ میں پہنچے تو سلام کرے، پھر اس کا دل بیٹھنے کو چاہے تو بیٹھ جائے۔ پھر (واپسی کے وقت) جب اٹھے تو سلام کرے۔ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ مستحق (ثواب) نہیں ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت ابن عباس نے فرمایا مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً سے مراد ہے اچھی خوبصورت، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میرے کسی اُمتی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ اس سے تمہاری عمر لمبی ہو گی اور جب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے گھر کی خیر بڑھے گی اور چاشت کی نماز پڑھا کرو۔ یہ صلوٰۃ اوابین (اللہ کی طرف لوٹنے والوں کی نماز) ہے۔ اخرجہ البیہقی، فی شعب الایمان والثعلبی وحمزۃ بن یوسف الجرجانی فی تاریخ جرجان، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اسلام (میں) کون سا (عمل) سب سے اچھا ہے۔ فرمایا، یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر شخص کو) سلام کرو۔ خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو، (متفق علیہ)

قتادہ نے کہا اگر تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو۔ وہ تمہارے سلام کے زیادہ مستحق ہیں اور اگر خالی گھر میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تب (بھی سلام کرو اور) یوں کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ سلام

Marfat.com

کا جواب دیتے ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں قتادہ کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم باہر جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔

ترمذی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا، بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس (گھر کے اندر) داخل ہو تو ان کو سلام کیا کر تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

خالی گھر پر سلام کا طریقہ

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو تو یوں کہے "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ السَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو، گھر والوں پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

اس آیت کی توضیح میں عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو یوں کہہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ."

مسلمان کے حقوق

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں یہ حاضر ہو۔ اگر وہ دعوت کرے تو یہ دعوت کو قبول کرے۔ ملاقات ہو تو سلام کرے۔ اس کو چھینک آئے تو یہ یرحمک اللہ کہے اور وہ سامنے موجود ہو یا نہ ہو بہرحال اس کی خیر خواہی کرے۔ رواہ النسائی والترمذی۔ اور بزار نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

محبت کا نسخہ: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم جب تک مومن نہ ہو گے جنت میں نہ جاؤ گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے مومن نہ ہو گے، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے۔ سلام (کے رواج) کو پھیلاؤ۔ (رواہ مسلم)

سوار پیدل کو سلام کرے

حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے (آدمی) بہت (آدمیوں) کو متفق علیہ

ایک کا سلام جماعت کا سلام ہے

حضرت علی نے فرمایا، اگر جماعت گزرے تو ان میں سے ایک کا سلام کرنا (سب کی طرف سے) کافی ہے اور بیٹھنے والوں میں سے بھی ایک کا جواب دے دینا کافی ہے۔ بغوی نے مصابیح میں اس کو حضرت علی کا قول قرار دیا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہا ہے۔

رخصت ہونے کی اجازت

اُوپر کی آیتوں میں آنے کے وقت استیذان (اجازت طلب کرنے) کا ذکر تھا۔ یہاں جانے کے وقت استیذان کی ضرورت بتلائی ہے یعنی پورے ایمان والے وہ ہیں جو رسول کے بُلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ، عیدین، جہاد اور مجلس مشاورت وغیرہ میں تو بدون اجازت کے اُٹھ کر نہیں جاتے۔ یہ ہی لوگ ہیں جو کامل اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کو مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

دلائل میں بیہقی نے اور ابن اسحاق نے عروہ اور محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جنگ احزاب کے سال (جب قریش اور غطفان کے قبائل وغیرہ مدینہ پر چڑھ کر آئے تو) قریش نے مدینہ میں چاہ رومہ کے مجمع الاسیال کے مقام پر اپنا پڑاؤ کیا ان کا کمانڈر ابوسفیان تھا اور غطفان (کے قبائل) نے آ کر احد کے ایک طرف نقبین میں قیام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع مل چکی تھی آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوا دی تھی خود بھی حضور خندق کھودنے میں مصروف عمل تھے اور مسلمان بھی کام میں لگے ہوئے تھے، لیکن منافقوں میں سے کچھ لوگ سستی کر رہے تھے۔ جھوٹ موٹ کام میں شریک تھے اور موقع پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و اجازت کے بغیر گھروں کو چپکے سے سرک لیتے تھے پھر کسی مسلمان کو کوئی حادثہ درپیش ہو جاتا جس سے وہ مجبور ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کر دیتا۔ اور اجازت لے کر جاتا تھا۔ اجازت ملنے پر ضرورت پوری کر کے فوراً واپس آ جاتا تھا اس پر یہ آیات ذیل آخر سورۃ تک نازل ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ

Marfat.com

پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دے جس کو

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ان میں سے تو چاہے اور معافی مانگ اُن کے واسطے اللہ سے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں اجازت دیں

یعنی غور وفکر کے بعد جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیں۔ اور چونکہ اس اجازت پر عمل کرنا بھی فی الجملہ صحبت نبوی سے حرمان اور صور تقدیم الدنیا علی الدین کا شائبہ اپنے اندر رکھتا ہے اس لئے اُن مخلصین کے حق میں استغفار فرمائیں تا آپ کے استغفار کی برکت سے اس نقص کا تدارک ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَنْ شِئْتَ یعنی ہر طلب گار اِذن کو اجازت دے دینا رسول پر لازم نہیں ورنہ اجازت طلب کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے، اجازت کی درخواست تو ہر ایک کر سکتا تھا۔ لِمَنْ شِئْتَ کی قید سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ بعض احکام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر موقوف ہیں اور اسی طرح خلیفۂ وقت (کے امتیازی اختیار) کو ان میں دخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اجتماعی کاموں سے رخصت کا طریقہ

مجاہد نے کہا جمعہ کے دن (خطبہ کے وقت) امام کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کر دینا ہی اذن ہے اہلِ علم کہتے ہیں، مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام کا یہی حکم ہے۔ جب امام کے ساتھ لوگ کسی اجتماعی کام کے لئے جمع ہوں تو بغیر اجازت امام کے اجتماع کو چھوڑ کر نہ جائیں اور امام کو اختیار ہے کہ جب کوئی جانے کے لئے اجازت مانگے تو جس کو چاہے اجازت دے دے نہ چاہے نہ دے۔ اجازت طلب کرنے اور اجازت دینے نہ دینے کی تفصیل اس وقت ہے جب ٹھہرے رہنے سے کوئی اضطراری سبب مانع نہ ہو۔ اگر اضطراری سبب پیدا ہو گیا تو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً مسجد میں کسی عورت کو حیض شروع ہو گیا یا کوئی جنبی ہو گیا یا کسی کو کوئی (شدید) مرض لاحق ہو گیا۔ ایسے حالات میں اجازت طلب کرنا لازم نہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابوداؤد وغیرہ میں ہے جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں جائے تو اہلِ مجلس کو سلام کر لیا کرے اور جب وہاں سے آنا چاہے تو بھی سلام کر لیا کرے۔ آخر دفعہ کا سلام پہلی مرتبہ کے سلام سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام صاحب نے اسے حَسَن فرمایا ہے۔

مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں، جمعہ کے دن خطبے میں بیٹھا رہنا منافقوں پر بہت بھاری پڑتا تھا اور مسجد میں آ جانے اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے نہیں جا سکتا تھا جب کسی کو کوئی ایسی ہی ضرورت ہوتی تو اشارے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیتے اس لئے کہ خطبے کی حالت میں بولنے سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے تو یہ منافق آڑ ہی آڑ میں نظریں بچا کر سرک جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ

مت کرلو بُلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب فرمانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے

یعنی حضرت کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ کا بُلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اُس پر لبیک کہے یا نہ کہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بددعاء سے ڈرنا چاہیے کیونکہ آپ کی دعاء معمولی انسانوں جیسی نہیں۔ نیز مخاطبات میں حضور کے ادب وعظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ عام لوگوں کی طرح ''یا محمد'' وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''حضرت کے بُلانے سے فرض ہوتا تھا حاضر ہونا جس کام کو بلائیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ وہاں سے بے اجازت اُٹھ کر چلے نہ جائیں۔ اب بھی سب مسلمانوں کو اپنے سرداروں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

دیہاتیوں کی اصلاح

ابو نعیم نے الدلائل میں ضحاک کی سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ (دیہاتی اعرابی لوگ) یا محمد یا ابا القاسم کہتے تھے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس حکم کے بعد وہ لوگ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرنے لگے۔

فائدہ یہ تشریح آیت کے سیاق وسباق کے مناسب نہیں ہے کیونکہ پچھلا کلام تو اجازت طلب کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں تھا (اور یہاں رسول کو پکارنے اور بلانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دونوں کلاموں میں کوئی ربط نہیں) اس کے علاوہ نفسِ عبارت بھی اس مطلب سے انکار کرتی ہے کیونکہ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا مشبہ بہ ہے اور اس میں لفظ بعض (اول) فاعل ہے دُعاء کی اس کی طرف اضافت ہے۔ کیونکہ بعضا منصوب ہے اس لئے یقینی طور پر مفعول

Marfat.com

ہے پس عبارت کا تقاضا ہے کہ دعاء الرسول (مشبہ) میں بھی دعا کی اضافت فاعل کی طرف ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء سے ڈرتے رہو

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کا (تشریحی) معنی اس طرح بیان کیا (تم اللہ کے رسول کو ناراض نہ کرو) تم کو ان کی بددعاء سے ڈرتے رہنا چاہئے، ان کی بددعاء موجب (عذاب) ہے دوسروں کی بددعا کی طرح نہیں ہے۔

یہودیوں کی گستاخیاں

بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ یہودی خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے اور کہا السام علیک (تم پر ہلاکت ہو، تم کو موت آجائے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، السام علیکم و لعنة اللّٰه وغَضِبَ علیکم (تم کو موت آئے تم پر اللہ کی لعنت ہو اور غضب ٹوٹے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ! نرمی کرو۔ نرم کلام اختیار کرو، سخت کلامی اور بیہودہ بات کہنے سے پرہیز رکھو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، کیا آپ نے نہیں سُنا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کو کیا جواب (لوٹا کر) دیا تھا۔ میری دعا ان کے بارے میں قبول ہو جائے گی۔ اور ان کی دعا میرے بارے میں قبول نہ ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے خصوصاً اور عام معاشرت کے بعض آداب واحکام

آیات مذکور میں دو حکم دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی دینی جہاد وغیرہ کے لئے جمع کریں تو مقتضائے ایمان یہ ہے کہ سب جمع ہو جائیں اور پھر آپ کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت کے نہ جائیں۔ کوئی ضرورت پیش آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کرلیں اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ کوئی خاص حرج اور ضرورت نہ ہو تو اجازت دے دیا کریں اسی ضمن میں اُن منافقین کی مذمت ہے جو اس تقاضائے ایمان کے خلاف بدنامی سے بچنے کے لئے حاضر تو ہو جاتے ہیں مگر پھر کسی کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب وہ روشن ہوئی تو پتنگوں پروانوں کا اجتماع ہو گیا اور وہ دھڑا دھڑ اس میں گرنے لگے اب یہ انہیں ہر چند روک رہا ہے لیکن وہ ہیں کہ شوق سے اس میں گرے جاتے ہیں اور اس شخص کے روکنے سے نہیں رُکتے۔ یہی حالت میری اور تمہاری ہے کہ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کولیاں بھر بھر کر تمہیں اس سے روک رہا ہوں کہ آگ میں نہ گھسو آگ سے بچو لیکن تم میری نہیں مانتے اور اس آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا
اللہ جانتا ہے اُن لوگوں کو تم میں سے جو سِٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر

منافقین کی گستاخیاں

یہ منافقین تھے جن کو مجلس نبوی میں بیٹھنا اور پند و نصیحت سُننا شاق گزرتا تھا۔ وہ اکثر موقع پا کر اور آنکھ بچا کر مجلس سے بلا اجازت لے کر اُٹھا، یہ بھی اُس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ چل دیئے اُس کو فرمایا کہ تم پیغمبر سے کیا چھپاتے ہو، خدا تعالیٰ کو تمہارا سب کا حال معلوم ہے (تفسیر عثمانی)

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ
سو ڈرتے ہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اُس کے حکم کا اس سے کہ آ پڑے
فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾
اُن پر کچھ خرابی یا پہنچے اُن کو عذاب درد ناک

نافرمانوں کو عذاب سے ڈرنا چاہئے

یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں اُن کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ نہ پکڑ جائے۔ اور اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ العیاذ باللہ

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ
سنتے ہو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اُس کو معلوم ہے

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃ الفُرْقَان

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل اس کو ناگوار ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ
سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ
بڑی برکت ہے اس کی جس نے اُتاری فیصلہ کی کتاب

حق و باطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب

''فرقان'' (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق و باطل کا آخری فیصلہ اور حرام و حلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جُدا کرتا ہے یہ ہی کتاب ہے جس نے اپنے اتارنے والے کی عظمت شان، علو صفات اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و رافت کو انتہائی شکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت و اصلاح کا تکفل اور اُن کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔ (تفسیر عثمانی)

تَبَارَکَ بڑی خیر والا ہے۔

قرآن کی قرأتیں

امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا اور کان لگا کر سنا تو محسوس کیا کہ ہشام ان کثیر الفاظ پر سورۂ فرقان پڑھ رہے ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا تھا (کثیر الفاظ سے غالباً مراد الفاظ کے ادا کرنے کی کیفیت ہے جیسے امالہ اشمام وغیرہ قریب تھا کہ نماز ہی میں میں ان پر جا کر دوں لیکن میں رکا رہا، جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو فوراً جا کر ان کا گریبان پکڑ لیا اور دریافت کیا، یہ سورت جو تم پڑھ رہے تھے تم کو کس نے پڑھائی تھی۔ ہشام نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرائت کے خلاف پڑھائی تھی جو تم نے پڑھی۔ غرض میں ہشام کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا میں نے ان کو سورۂ فرقان ان طریقوں سے پڑھتے نہیں سنا جن کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورۃ پڑھائی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام سے فرمایا، ہشام پڑھو، ہشام نے جس طریقے سے پہلے پڑھا تھا اسی طریقے سے پڑھ کر سنا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح ہے یونہی نازل کی گئی، پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو۔ حسب الحکم میں نے اس طریقے سے یہ سورت پڑھی جس طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی تھی، فرمایا، یہ اسی طرح نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں (لہجوں یا طرق ادا وغیرہ) پر نازل ہوا ہے تم کو جو طریقہ سہل معلوم ہو اس طریقہ سے پڑھو۔ (مؤلف) (تفسیر مظہری)

تبارک کا استعمال صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے یہ لفظ برکت سے بنایا گیا ہے، برکت کا معنی ہے کثرت خیر یعنی اس کی خیر کثیر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، یعنی ہر خیر اسی کی طرف سے آئی ہے۔

برکت کا مطلب

تَبَارَک، برکت سے مشتق ہے۔ برکت کے معنے خیر کی کثرت کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہر خیر و برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

قرآن کو فرقان کیوں فرمایا

فرقان، قرآن کریم کا لقب ہے لغوی معنے اس کے تمیز اور فرق کرنے کے ہیں۔ قرآن چونکہ اپنے واضح ارشادات کے ذریعہ حق و باطل میں تمیز اور فرق بتلاتا ہے اور معجزہ کے ذریعہ اہلِ حق و اہلِ باطل میں امتیاز کر دیتا ہے اس لئے اس کو فرقان کہا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلٰی عَبْدِہٖ
اپنے بندہ پر

Marfat.com

کامل واکمل بندہ

یعنی اپنے اس کاملِ واکمل بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر جن کا ممتاز لقب ہی کمال عبودیت کی وجہ سے ''عبداللہ'' ہو گیا۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ①
تا کہ رہے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا

قرآن کا پیغام عالمگیر ہے

یعنی قرآن کریم سارے جہان کو کفر وعصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے۔ چونکہ سورت ہذا میں مکذبین ومعاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے، شاید اسی لئے یہاں صفت ''نذیر'' کو بیان فرمایا۔ ''بشیر'' کا ذکر نہیں کیا۔ اور ''للعالمین'' کے لفظ سے بتلا دیا کہ یہ قرآن صرف عرب کے اُمیوں کے لئے نہیں اُترا بلکہ تمام جن وانس کی ہدایت واصلاح کے واسطے آیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

للعٰلمین، اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت سارے عالم کے لئے ہے بخلاف پچھلے انبیاء کے کہ اُن کی نبوت ورسالت کسی مخصوص جماعت یا مخصوص مقام کے لئے ہوتی تھی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے چھ خصوصی فضائل کا ذکر فرمایا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت سارے جہان کے لئے عام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وہ کہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین میں
وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ
اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساجھی
فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝②
سلطنت میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر

تخلیق ربانی کا اعجاز

یعنی ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اُس سے وہی خواص و افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کیلئے پیدا کی گئی ہے اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی نہ اپنی حدود میں عمل وتصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

غرض ہر چیز کو ایسا ماپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنس داں حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار اُن کو یہ ہی کہنا پڑتا ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۔ (تفسیر عثمانی)

حکومت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں ہے

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا اور اس نے (اپنے لئے) کوئی بیٹا نہیں اختیار کیا (جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا تھا)

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ اور اسی نے ہر چیز پیدا کی۔ یعنی ایک خاص اندازے کے ماتحت ہر چیز کو نیستی سے ہستی میں لایا۔ مثلاً، انسان کو خاص مادہ سے مخصوص معین شکل دے کر پیدا کیا۔

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

یعنی اس کو ٹھیک بنایا، جو خواص وافعال اس میں پیدا کرنا مقصود تھا اس کے مطابق اس چیز میں تخلیقی صلاحیت پیدا کر دی۔ جیسے انسان میں فہم ادراک غور وفکر تدبیر، نوع در نوع صنعتوں کے اختراع اور گوناگوں افعال واعمال پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔

بعض علماء نے قَدَّرَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کے لئے مدتِ زندگی، عمل اور رزق پہلے سے ہی مقدر کر دیا۔ اب (اس دنیا میں آ کر) یہ تینوں چیزیں تخلیق کے مطابق ہوتی ہیں۔ (اللہ کے اندازۂ تخلیقی کے خلاف نہیں ہو سکتیں۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ تخلیق کے بعد تقدیر کا ذکر فرمایا گیا۔ تخلیق کے معنی تو اتنے ہیں کہ بغیر کسی سابق مادہ وغیرہ کے ایک چیز کو عدم سے وجود میں لایا جائے وہ کیسی بھی ہو۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ اور نہ حکومت میں کوئی اس کا ساجھی ہے جیسا کہ مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے کہتے ہیں (مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے دو خالق مانتے ہیں۔ ایک خیر اور بھلائی کا خالق، دوسرا شر اور بُرائی کا خالق۔ مجوسی اول خالق کو یزداں اور دوسرے کو (اہرمن کہتے ہیں)۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے لئے اقتدار مطلق ہونے کا اظہار فرمایا اور اس کی دلیل پر آئندہ آیت میں تنبیہ فرمائی۔

مخلوقات میں سے ہر ایک چیز میں خاص خاص حکمتیں

اور تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس کے اجزاء کی ساخت اور شکل وصورت اور آثار وخواص بڑی حکمت کے ساتھ اُس

Marfat.com

کام کے مناسب پیدا کئے جس کام کے لئے اس چیز کو پیدا کیا گیا ہے آسمان کی ساخت اس کے اجزاء ترکیبی اور ہیئت اُس کام کے مناسب ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا ہے۔ سیاروں اور ستاروں کی تخلیق میں وہ چیزیں رکھی گئیں جو اُن کے منشاء وجود کے مناسب ہیں۔ زمین اور اس کے پیٹ میں پیدا ہونے والی ہر چیز جس پر نظر ڈالو ہر ایک کی ساخت، شکل وصورت، نرمی، سختی اُس کام کے مناسب بنائی گئی ہے جس کام کے لئے قدرت نے اس کو پیدا کیا ہے۔ زمین کو نہ اتنا رقیق مادہ پانی کی طرح بنایا کہ جو کچھ اُس پر رکھا جائے وہ اس کے اندر ڈوب جائے، نہ اتنا سخت پتھر اور لوہے کی طرح بنایا کہ اس کو کھود نہ سکیں کیونکہ اس سے یہی ضرورتیں متعلق تھیں کہ اس کو کھود کر پانی بھی نکالا جا سکے۔ اس میں بنیادیں کھود کر بڑی اُونچی عمارتیں اس پر کھڑی کی جا سکیں۔ پانی کو سیال بنایا جس میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ ہوا بھی سیال ہی ہے مگر پانی سے مختلف، پانی ہر جگہ خود بخود نہیں پہنچتا اُس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنا پڑتی ہے ہوا کو قدرت نے اپنا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت وعمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے بچنا چاہے تو اس کو اس کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ جگہ مخلوقات الٰہیہ کی حکمتوں کی تفصیل بیان کرنے کی نہیں۔ ایک ایک مخلوق کو دیکھو ان میں سے ہر ایک قدرت وحکمت کا شاہکار ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنی ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی ہے بنام الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا
اور لوگوں نے پکڑ رکھے ہیں اُس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز
وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ
اور وہ خود بنائے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے حق میں
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝
بُرے کے اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ جی اُٹھنے کے

ظلم وحماقت کی انتہاء

یعنی کس قدر ظلم اور تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق، مالک الکل حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے۔ جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالانکہ اُن بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جلانا اُن کے قبضہ میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز ومجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔ (ربط) یہ تو قرآن نازل کرنے والے کی صفات وشئون کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزی کر رہے تھے اُس کی تردید تھی۔ آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے معبودوں کی عاجزی

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا جو نہ کسی جوہر کو پیدا کرتے نہ عرض کو نہ عمل وفعل کو نہ حالت کو۔ جو ممکن خود مستقل بالذات ہو اپنے وجود خارجی میں دوسرے کا محتاج نہ ہو اس کو جوہر کہتے ہیں جیسے تمام اجسام اور وجود خارجی میں اگر دوسرے کا محتاج ہو تو اس کو عرض کہتے ہیں جیسے سیاہی سرخی جسم کی محتاج ہے۔

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں، وہ مخلوق ہیں۔ اللہ سب کا خالق ہے۔ عبارت کے الفاظ و معانی میں عموم ہے تمام باطل معبودوں کو یہ لفظ شامل ہے لیکن مراد صرف بُت ہیں۔

نفع ونقصان پر قادر نہ ہونا صرف بتوں ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ عالی مرتبہ پیغمبر جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عُزیر اور تمام فرشتے سبھی عاجز ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ

وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ اور نہ وہ قابو رکھتے ہیں موت پر نہ زندگی پر نہ (دوبارہ) اُٹھنے پر یعنی ان میں قدرت نہیں کہ کسی پر موت کو مسلط کر سکیں یا کسی کو (ابتداء) زندگی دے سکیں یا (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکیں۔ اور یہ تمام امور الوہیت کے لوازم ہیں جس کے اندر یہ لوازم نہیں وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سزا وجزا دے سکے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ
اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں ہے یہ مگر طوفان باندھ لایا ہے

Marfat.com

وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ

اور ساتھ دیا ہے اُس کا اُس میں اور لوگوں نے

کافروں کی بے سروپا باتیں

یعنی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کرلیا اور اُس کو جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کردیا۔ پھر اُن کے ساتھی لگے اُس کی اشاعت کرنے بس کل حقیقت اتنی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انکارِ نبوت کفر ہے

صراحت کے ساتھ کفروا کہنے میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انکار توحید کی طرح انکار نبوت بھی کفر ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے قبیلۂ عبدالقیس کے وفد کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ کے ماننے کے معنی کیا ہیں؟ اہلِ وفد نے کہا، اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بخوبی واقف ہے۔ فرمایا (اللہ کی توحید کو) ماننا یہ ہے کہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دو۔

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ مجاہد نے کہا قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ سے ان کی مراد تھی یہودیوں کی ایک جماعت۔ حسن نے کہا ایک حبشی (غلام) مراد تھا جس کا نام عبید بن الحصر تھا۔ یہ کاہن تھا۔ بعض نے کہا مکہ میں کچھ غلام تھے جن کے نام تھے، جبر، یسار عداس۔ یہ لوگ کتابی تھے، قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ سے یہی لوگ مراد تھے۔

مشرکوں کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہی قرآن سیکھ لیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ ۴

سو آ گئے بے انصافی اور جھوٹ پر

قرآن کی صداقت کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے

یعنی اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلامِ معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت وصداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب وافتراء کہا جائے۔ کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جاسکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح وبلیغ عالم وحکیم بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں۔ اور جس کے علوم ومعارف کی تھوڑی سی جھلک بڑے بڑے عالی دماغ عقلاء وحکماء کی آنکھوں کو خیرہ کردے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا

اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جن کو اس نے لکھ رکھا ہے

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۵

سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اُس کے پاس صبح اور شام

کافروں کی کوڑھ مغزی

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سن کر نوٹ کرلی ہیں یا کسی سے نوٹ کرالی ہیں۔ وہ ہی شب وروز اُن کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ نئے نئے اسلوب سے اُن ہی کا اُلٹ پھیر رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اول نماز کے دو وقت مقرر تھے صبح اور شام۔ مسلمان حضرت کے پاس جمع ہوتے جو نیا قرآن اُترا ہوتا لکھ لیتے یاد کرنے کو۔ اُس کو کافر یوں کہنے لگے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

تو کہہ اس کو اتارا ہے اُس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں میں اور زمین میں

قرآن تو علیم وخبیر کا اتارا ہوا ہے

یعنی کتاب خود بتلا رہی ہے کہ وہ کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ اُس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطہ علمی سے زمین وآسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہوسکتی۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت وبلاغت، علوم ومعارف، اخبار غیبیہ احکام وقوانین اور وہ اسرار مکنونہ جن کی تہ تک بدوں توفیق الٰہی کے عقول وافہام کی رسائی نہیں ہوسکتی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۶

بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

اللہ کی بخشش ومہربانی

یعنی اپنی بخشش اور مہربانی سے ہی یہ قرآن اتارا، موضح القرآن، پھر جو لوگ ایسی روشن حقیقت کے منکر ہیں باوجود اُن کے جرائم کا تفصیلی علم رکھنے کے فوراً سزا نہیں دیتا۔ یہ بھی اُس کی بخشش اور مہربانی ہی کا پرتو ہے۔

Marfat.com

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ

اور کہنے لگے یہ کیسا رسُول ہے کھاتا ہے کھانا

وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ

اور پھرتا ہے بازاروں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں کی چہ میگوئیاں

یعنی جب ہماری طرح کھانا کھائے اور ہماری طرح خرید وفروخت کے لئے بازاروں میں جائے تو ہم میں اُس میں فرق کیا رہا۔ اگر واقعی رسُول تھا تو چاہیے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے، کافر کہتے تھے تم فرشتہ نہیں ہو۔ فرشتہ کھاتا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو۔ اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو۔ بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتا پھرتا اور تم گھومتے پھرتے ہو۔

کافروں کی باتیں بے بنیاد ہیں

میں کہتا ہوں یہ بات غلط ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہ کبھی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور نہ بادشاہ ہونے کا (پھر کافر اس کی تردید ہی کیوں کرتے) بلکہ آپ نے تو فرمایا تھا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر) میرے پاس وحی آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نبوت کا دعویٰ کھانا کھانے اور بازاروں میں چلنے پھرنے کے منافی نہیں ہے۔ یہ چیزیں تو مقتضائے بشریت ہیں اور بشریت نبوت کے لئے لازم ہے، افادہ اور استفادہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ اللہ نے فرمایا اگر زمین پر ملائکہ (آباد) ہوتے، اطمینان کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول اتارتے (انسانوں کے لئے انسان ہی پیغمبر ہونا چاہیے)۔ (تفسیر مظہری)

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾

کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اُس کے ساتھ ڈرانے کو

اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ

یا آپڑتا اُس کے پاس خزانہ یا ہو جاتا اس کے لئے ایک باغ کہ کھایا کرتا اُس میں سے

کافروں کا ایک بیوقوفانہ خیال

یعنی اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم خدا کا ایک آدھ فرشتہ ان کو سچا ثابت کرنے اور رُعب جمانے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کو جھکنا پڑتا۔ یہ کیا کہ کسمپرسی کی حالت میں اکیلے دعوے کرتے پھر رہے ہیں۔ یا اگر فرشتے بھی ہمراہ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بے دریغ مال خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے۔ اور خیر یہ بھی نہ سہی معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی مِلک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہدۂ جلیلہ پر معاذ اللہ ایسی معمولی حیثیت کے آدمی کو مامور کیا ہے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

اور کہنے لگے بے انصاف تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی

یعنی میاں کی یہ پوزیشن اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ عقل کھوئی گئی ہے یا کسی نے جادو کے زور سے دماغ مختل کر دیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا

دیکھ کیسی بٹھلاتے ہیں تجھ پر مثالیں سو بہک گئے

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ ع

اب پا نہیں سکتے راستہ

دیکھو! کافروں کی گمراہیاں

یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں کبھی دعوے کرتے ہیں کہ نہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنوں، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لئے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کا کوئی راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیاء کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں اُن کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا

بڑی برکت ہے اُس کی جو چاہے تو کر دے تیرے واسطے اس سے بہتر

Marfat.com

مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ
باغ کہ نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں
وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾
اور کردے تیرے واسطے محل

اللہ سب کچھ پر قادر ہے مگر منکر ازلی محروم ہیں

یعنی اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے، وہ چاہے تو ایک باغ کیا، بہت سے باغ اُس سے بہتر عنایت فرمادے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ اور نہریں اور حور وقصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کردے لیکن حکمت الٰہی بالفعل اس کو مقتضی نہیں۔ اور معاندین کے سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی اگر پوری کردی جائیں تب بھی یہ حق وصداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ باقی پیغمبر علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و معجزات پیش کئے جاچکے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نیز ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت خیثمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور خزانوں کی کنجیاں عطا کردیں اور اس سے آپ کے اس اجر میں کمی نہ ہوگی جو قیامت کے دن ہمارے پاس سے آپ کو ملے گا اور اگر آپ چاہیں تو اس (نعمت) کو بھی ہم آخرت (کی نعمتوں) کے ساتھ جمع کردیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں (میں یہاں لینا نہیں چاہتا) میرے لئے آخرت میں دونوں (نعمتوں) کو جمع کرلیا جائے اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس طرح نقل کیا ہے اگر وہ چاہے تو اس سے یعنی بازاروں میں گھومنے اور معاش کی تلاش میں پھرنے سے بہتر عنایت کردے۔

قصوراً مضبوط مکان۔ عرب ہر پختہ مکان کو قصر کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے وادیٔ مکہ کو میرے لئے سونا بنادینے کی مجھ سے پیش کش کی۔ میں نے عرض کیا نہیں میرے رب۔ میں تو ایک دن سیر شکم ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں (یہی مجھے پسند ہے) جب میں بھوکا ہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور سیر شکم ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے، ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی (اور) بندہ (غلام) رہیں اور اگر چاہیں تو نبی (اور) بادشاہ ہو جائیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو۔ میں نے کہہ دیا میں نبی اور بندہ (غلام) رہنا چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ
کچھ نہیں وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اُس کے واسطے کہ
بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ ۚ
جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ

کافروں کا اصل مقصد شرارت ہے

یعنی یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کررہے ہیں، فی الحقیقت طلب حق کی نیت نہیں۔ محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزاء پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ اُن کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا، قیامت آکر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا ﴿۱۲﴾
جب وہ دیکھے گی اُن کو دور کی جگہ سے سنیں گے اُس کا جھنجھلانا اور چلانا

شرارت پسندوں کا عذاب

یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دُور سے دیکھ کر جوش میں

Marfat.com

بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرا نام لے کر میرے ذمے وہ بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو اور جو شخص اپنے ماں باپ کے سوا دوسروں کو اپنا ماں باپ کہے اور جو غلام اپنے آقا کے سوا اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے وہ جہنم کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنا لے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کیا تم نے خدا کے کلام کی یہ آیت نہیں سنی اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ الخ۔

حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کا خوفِ آخرت

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ وغیرہ کو ساتھ لئے ہوئے کہیں جا رہے تھے راستے میں لوہار کی دوکان آئی آپ وہاں ٹھہر گئے اور لوہا جو آگ میں تپایا جا رہا تھا اسے دیکھنے لگے۔ حضرت ربیعؒ کا تو بُرا حال ہو گیا عذاب خدا کا نقشہ آنکھوں تلے پھر گیا قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ اس کے بعد آپ فُرات کے کنارے گئے وہاں آپ نے تنور کو دیکھا کہ اس کے بیچ میں آگ شعلے مار رہی ہے، بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت نکل گئی اسے سُنتے ہی حضرت ربیع بے ہوش ہو کر گر پڑے چارپائی پر ڈال کر آپ کو گھر پہنچایا گیا، صبح سے لے کر دوپہر تک حضرت عبداللہؓ ان کے پاس بیٹھے رہے اور چارہ جوئی کرتے رہے لیکن حضرت ربیعؒ کو ہوش نہ آیا۔

دوزخ کی دہشت

حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جہنم مارے غصے کے تھرتھرائے گی اور شور وغُل اور چیخ و پکار اور جوش خروش شروع کرے گی اس وقت تمام مقرب فرشتے اور ذی رتبہ انبیاء کانپنے لگیں گے یہاں تک کہ خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور کہنے لگیں گے کہ خُدایا! میں آج تجھ سے صرف اپنی جان کا بچاؤ چاہتا ہوں اور کچھ نہیں مانگتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

اور جب ڈالے جائیں گے اس کے اندر ایک جگہ تنگ میں ایک زنجیر

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝

میں کئی کئی بندھے ہوئے پکاریں گے اُس جگہ موت کو

دوزخ میں مجرموں کی جگہیں

یعنی دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہو گی جہاں سے ہل نہ سکے گا۔ اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ اُس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آ کر ہماری ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کی تنگی

اور جب ان کو دوزخ کے تنگ مقام میں باندھ کر جکڑ کر ڈالا جائے گا تو وہاں وہ ہلاکت (یعنی موت) کو پکاریں گے۔

تنگ مقام میں ڈالے جانے کی غرض ہو گی عذاب کی شدت تنگی میں بے چینی اور وسعت مکان میں کچھ راحت ہوتی ہی ہے۔ ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن اسید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کو دوزخ میں اس طرح ٹھونسا جائے گا جیسے دیوار میں میخ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے جیسے برچھے بوری میں۔

ابن مبارک نے بطریق قتادہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ (بن عمرؓ) فرماتے تھے کافروں پر دوزخ کی ایسی تنگی ہو گی جیسے نیزے بوری میں۔

لوہے کے صندوقوں میں بند ہوں گے

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے دوزخ میں ڈالا جائے گا (یعنی ڈالے جانے کا حکم ہو گا) تو اول ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا۔ پھر جہنم کی تہ میں ان کو پھینک دیا جائے گا، پس کوئی بھی سوا اپنے کسی دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ نہ سکے گا۔

سوید بن غفلہ کی روایت سے بھی ابو نعیم اور بیہقی نے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ مُقَرَّنِيْنَ یعنی گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے، بعض نے کہا شیطانوں کے ساتھ باندھے گئے۔ شیطانوں کی جٹ میں بندھے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

یہ لوگ جہنم کے ایسے تنگ و تاریک مکان میں ٹھونس دیئے جائیں گے جیسے بھالا کسی سوراخ میں اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی بابت سوال ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مروی ہے کہ جیسے کیل دیوار میں بمشکل گاڑی جاتی ہے اس طرح ان دوزخیوں کو ٹھونسا جائے گا یہ اُس وقت خوب جکڑے ہوئے ہوں گے بال بال بندھا ہوا ہوگا۔ وہاں وہ موت کو فوت کو ہلاکت کو حسرت کو پکارنے لگیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سب سے پہلے ابلیس جہنم رسید ہوگا

احمد بزار، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوؤں پر رکھ کر کھینچے گا اور یا ثبور پکارے گا (ہائے میری ہلاکت) اس کی ذریات اس کے پیچھے (اسی طرح کا لباس پہنے) یا ثبور پکارتی ہوگی، آخر سب دوزخ پر جا کر ٹھہریں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَّاحِدًا وَّادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿۱۴﴾

مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکا رو بہت سے مرنے کو

یعنی ایک بار مریں تو چھوٹ جائیں۔ دن میں ہزار بار مرنے سے بدتر حال ہوتا ہے۔ (موضح القرآن)

قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ

تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ہو چکا پرہیزگاروں سے

یعنی مکذبین کا انجام سن لیا۔ اب خود فیصلہ کر لو کہ یہ پسند ہے یا وہ جس کا وعدہ مومنین متقین سے کیا گیا۔

كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ

وہ ہوگا اُن کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ اُن کے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں

اور چاہیں گے وہی جو اُن کے مرتبہ کے مناسب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمنوں کا انعام

جو کچھ وہ چاہیں گے جنت میں ان کو ملے گا (یا ان کے لئے موجود ہے) ہمیشہ (وہاں) رہیں گے۔

یعنی اپنے مرتبے کے لائق مؤمن جنت کے اندر جو کچھ چاہے گا وہ اس کو ملے گا۔ ظاہر ہے کہ ناقص کو وہ نعمت نہیں ملے گی جو کامل کو ملے گی۔ آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ تمام ارمان تو صرف جنت میں ہی پورے ہوں گے (دنیا میں پورے نہیں ہو سکتے) (تفسیر مظہری)

خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُولًا ﴿۱۶﴾

رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ مانگا ملتا

اللہ نے اپنی مہربانی سے لازم کر لیا

وَعْدًا مَّسْئُولًا سے مراد حتمی وعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض فضل وعنایت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا۔ یا یہ مطلب کہ اس وعدہ کے ایفاء کا متقین سوال کریں گے۔ جو یقیناً پورا کیا جائے گا۔ جیسا کہ دعا میں ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ. (تفسیر عثمانی)

عَلٰى رَبِّكَ یعنی آپ کے رب پر لازم ہے اور واجب ہے کیونکہ اس نے وعدہ کر لیا ہے اور وعدہ خداوندی کے خلاف ہونا ممکن نہیں (یعنی اللہ پر کوئی بات فی نفسہ واجب نہیں وجوب مجبور، عاجز پر ہوتا ہے اور خدا ہر عجز سے پاک ہے لیکن اس نے اپنے ارادے اور اختیار سے وعدہ فرما لیا ہے اس لئے وعدے کو پورا کرنا اس پر لازم ہے، پس یہ وجوب اضافی ہے خود اسی کا اختیار کردہ ہے پہلے ارادے کے ساتھ اس نے وعدہ کیا پھر وعدے کے مطابق ایفاء کو اس نے اپنے اوپر واجب کیا (اس لئے اگر ایفاء وعدہ اس پر واجب ہوا تو اس کے اختیار کے ماتحت ہوا) (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ

اور جس دن جمع کر بلائے گا اُن کو اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے

فَيَقُولُ أَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ

پھر ان سے کہے گا کیا تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو

أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿۱۷﴾

یا وہ آپ بہکے راہ سے

میدان حشر میں جھوٹے معبودوں سے سوال

یعنی عابدین کو سُنا کر معبودوں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان کو شرک کی اور اپنی پرستش کرانے کی ترغیب دی تھی یا یہ خود اپنی حماقت و جہالت اور غفلت و بے توجہی سے گمراہ ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

مَایَعْبُدُوْنَ سے مراد ہیں تمام باطل معبود عقل والے ہوں یا عقل سے محروم کیونکہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ لفظ ما دونوں کو شامل ہوتا ہے اہلِ عقل کو اور بے عقل چیزوں کو مجاہد نے سوال وجواب کے قرینہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہا کہ اس جگہ ملائکہ جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام مراد ہیں۔ عکرمہ ضحاک اور کلبی کے نزدیک صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ اہل نحو کا مشہور قول یہ ہے کہ ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ ان بتوں کو زندہ کردے گا اور بولنے پر قدرت عطا کردے گا جس طرح انسان کے ہاتھ پاؤں اور مقاماتِ گناہ گویا بنادیئے جائیں گے۔

اَضْلَلْتُمْ کیا تم نے گمراہ کیا تھا، یعنی کیا تم نے ان کو اپنی پوجا کی دعوت.....دی تھی۔

اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ وہ خود معرفتِ حق کا راستہ کھو بیٹھے تھے۔ انہوں نے خود صحیح غور وفکر نہیں کیا، اور ہادی برحق کی نصیحت سے گریز کیا۔ اس سوال کی غرض معبودانِ باطل کے پرستاروں کو سرزنش اور زجر ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ
بولیں گے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑ لیں
مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ
کسی کو تیرے بغیر رفیق

معبودوں کا عابدوں سے اظہارِ براءت

یعنی ہماری کیا مجال تھی کہ تجھ سے ہٹ کر کسی دوسرے کو اپنا رفیق و مددگار سمجھتے۔ پھر جب ہم اپنے نفس کے لئے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رکھتے تھے تو دوسروں کو کیسے حکم دیتے کہ ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں۔ (تفسیر عثمانی)

نقلی معبودوں کو سوال پر تعجب ہوگا

سُبْحٰنَكَ، یعنی بطورِ تعجب وہ یہ لفظ کہیں گے کیونکہ معبودانِ باطل اگر ملائکہ یا انبیاء ہوں گے تو اس سوال پر ان کا تعجب ظاہر ہی ہے۔ اللہ نے ان کو معصوم بنایا تھا ان سے ایسا جرم کیسے سرزد ہوسکتا تھا اور اگر مخاطب جمادات اور پتھروں وغیرہ کو مانا جائے تب بھی ان کا تعجب صحیح ہے ان کو اللہ کی طرف سے تخلیقاً قدرت ہی نہیں دی گئی پھر وہ کیسے گمراہ کرسکتے تھے ان سے ایسا سوال تعجب انگیز تھا۔

یا ان کو اس بات پر تعجب اس وجہ سے ہوا کہ ہمارے متعلق تو فرمادیا گیا کہ ہم اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمادیا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ پھر ہم کس طرح گمراہ کرسکتے ہیں اور کیونکر شرک کی تعلیم دے سکتے ہیں۔

مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ ہمارے لئے تو یہ بھی جائز نہیں، یعنی اللہ نے ہم کو معصوم بنایا ہے یا قدرت ہی نہیں دی، اس لئے کسی دوسرے کو اللہ کے سوا ہم اپنا کارساز قرار دیں یہ ہمارے لئے درست ہی نہیں ہے دوسروں کو بہکانے یا گمراہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

جو معبودیت کا دعویٰ کرتے تھے ان کا جواب

یہ جواب انبیاء ملائکہ اور جمادات کی طرف سے ہوگا۔ لیکن جو لوگ خود معبود اور رب بن بیٹھے ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا جنات، ان کی طرف سے یہ جواب نہ ہوگا بلکہ وہ اس طرح کے جواب دیں گے۔

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ قسم اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے شیطان کہے گا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اللہ نے وہ پورا کیا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا میرا تم پر کوئی جبر نہ تھا۔ الآیۃ۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا
لیکن تو ان کو فائدہ پہنچاتا رہا اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ
الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾
بھلا بیٹھے تیری یاد اور یہ تھے لوگ تباہ ہونے والے

حقیقتِ حال

یعنی اصل یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنی سوء استعداد سے خود ہی تباہ ہونے کو پھر رہے تھے ہلاکت ان کے لئے مقدر ہوچکی تھی، ظاہری سبب اس کا یہ ہوا کہ عیش وآرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چُور ہو کر آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے، کسی نصیحت پر کان نہ دھرا پیغمبروں کی ہدایت وارشاد کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کرلیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے، یہ اسی قدر غفلت ونسیان میں ترقی کرتے گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ انعامات الٰہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر

Marfat.com

گزاری اختیار کرتے، اُلٹے مغرور مفتون ہو کر کفر وعصیان پر تُل گئے۔ گویا جو امرت تھا، بدبختی سے ان کے حق میں زہر بن گیا۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ لَا
سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں

مشرکوں کے سب سہارے ٹوٹ جائیں گے

یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ لو! جن کی اعانت پر تم کو بڑا بھروسہ تھا وہ خود تمہارے دعاوی کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے اعلانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ ہم قیامت کے دن مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے معبود ہی تم کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ بِمَا تَقُولُونَ لا یعنی یہ بات جو تم کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود ہیں یا کہتے ہو کہ ہمارے ان معبودوں نے ہم کو گمراہ کیا، اس بات کی تکذیب تمہارے معبودوں نے ہی کر دی۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ج
اب نہ تم لوٹا سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو

یعنی اب نہ عذاب الٰہی کو پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو جس کو جو سزا ملنے والی ہے اُس کا پڑے مزہ چکھتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾
اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اُس کو ہم چکھائیں گے بڑا عذاب

شاید ظلم سے مراد یہاں شرک ہو، اور ممکن ہے ہر قسم کا ظلم و گناہ مُراد لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ
اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب
لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ط
کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں

کافروں کے اعتراض کی تردید

یہ جواب ہوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ الخ کا یعنی آپ سے پہلے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب آدمی تھے۔ آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے اور معاشی ضروریات کے لئے بازار بھی جاتے تھے۔ اُن کو فرشتہ بنا کر نہیں بھیجا جو کھانے پینے اور حوائج بشریہ سے مستغنی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے بازاروں میں پھرنا شانِ تقدس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اگر بازار نہ جانے کا منشاء کبر و خود بینی ہو تو یہ بزرگی کے خلاف ہے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ط أَتَصْبِرُونَ ج
اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت بھی رہتے ہو

کشمکش دنیا امتحان ہے

یعنی پیغمبر ہیں کافروں کا ایمان جانچنے کو۔ اور کافر ہیں پیغمبروں کا صبر جانچنے کو۔ اب دیکھیں کافروں کے سفیہانہ طعن و تشنیع اور لغو اعتراضات سُن کر تم کس حد تک صبر و استقلال دکھاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا، قریش مومنوں کا مذاق بناتے تھے اور کہتے تھے ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو تو دیکھو، جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے وہ تو ہمارے غلام ہیں، کمینے ہیں ذلیل طبقے کے ہیں، اللہ نے ان مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا اَتَصْبِرُوْن کیا اس فقر و مصیبت اور کافروں کی طرف سے اذیت پہنچنے پر تم صبر رکھو گے۔ یا صبر نہ رکھو گے، صبر رکھو گے تو اجر پاؤ گے۔ صبر نہ رکھو گے تو غم و الم میں مزید مبتلا ہو گے مطلب یہ کہ صبر رکھو۔ (تفسیر مظہری)

شکر کی توفیق کا نسخہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو اپنے سے نیچے کو بھی دیکھے (یعنی) اپنے سے اونچے کو مت دیکھو کہ حسرت ہو نیچے کو دیکھو کہ تسلی ہو اور شکر کی توفیق ہو۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد۔ (تفسیر مظہری)

پیغمبروں کا فقر

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود تجھے اور تیرے ذریعہ سے اور لوگوں کو آزمانے والا ہوں۔ مسند میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ

Marfat.com

چلتے رہتے۔ اور صحیح حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور بادشاہ بننے میں اور نبی اور بندہ بننے میں اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ اور نبی بننا پسند فرمایا، فَصَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ. (تفسیر ابن کثیر)

مسند احمد، ترمذی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحاء مکہ اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنا دیتا ہوں، تو میں نے عرض کیا نہیں، اے میرے پروردگار مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھرائی کھانا ملے (جس پر اللہ کا شکر ادا کروں) اور ایک روز بھوکا رہوں (اُس پر صبر کروں) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ پھرا کرتے۔ (مظہری)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا عام طور پر فقر وفاقہ میں رہنا اللہ تعالیٰ کی ہزاروں حکمتوں اور عام انسانوں کی مصالح کی بناء پر ہے اور اس میں بھی وہ اس حالت پر مجبور نہیں ہوتے اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو بڑا مالدار صاحب جائیداد بنا سکتے ہیں مگر اُن کی ذات کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ مال و دولت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے، فقر وفاقہ ہی کو پسند کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع
اور تیرا رب سب کچھ دیکھتا ہے

یعنی کافروں کا کفر وایذاء دہی اور صابروں کا صبر وتحمل سب اُس کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اُس کے کئے کا پھل دے کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ
اور بولے وہ لوگ جو اُمید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ
اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ
اُترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو

منکرین آخرت کی بیہودہ گوئی

یعنی جن کو یہ اُمید نہیں کہ ایک روز ہمارے رُوبرو حاضر ہو کر حساب وکتاب دینا ہے وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اُترے۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہم کلام کیوں نہ ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لئے آ جاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید وتصدیق کر رہا ہے کافی موضع آخر قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ (انعام رکوع ۱۵) و فی سورۃ الاسرا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا رکوع ۱۰۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾
تحقیق بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سرچڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں

منکر تکبر کے مریض ہیں

یعنی انہوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں شرارت وسرکشی کی حد ہو گئی کہ باوجود ایسی سیاہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کریں۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ
جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو کچھ خوشخبری نہیں اُس دن
لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾
گنہگاروں کو اور کہیں گے کہیں روکدی جائے کوئی آڑ

گھبراؤ نہیں وقت آ رہا ہے

یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے لیکن اُن کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہو گی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہو گا۔ حتی کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اُس وقت حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کہہ کر پناہ طلب کریں گے، اور چاہیں گے کہ اُن کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ اُن تک نہ پہنچ سکیں لیکن خدا کا فیصلہ کب رُک سکتا ہے فرشتے بھی حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کہہ کر بتلا دیں گے کہ آج مسرت وکامیابی ہمیشہ کے لئے تم سے روک دی گئی ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (انفال۔ رکوع ۷) وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

Marfat.com

بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ (انعام رکوع ۱۱)

گویا یہ کیفیت اُس کے بالمقابل ہوگی۔ جو دوسری جگہ مومنین کی بیان ہوئی ہے ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حم السجدہ۔رکوع ۴) اور ممکن ہے یہاں قیامت کے دن کا ذکر ہو۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بحوالہ ابن جریج لکھا ہے کہ عربوں پر جب کوئی مصیبت آتی ہے اور کسی ناخوشگوار امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو حجرا محجورا کہتے ہیں چنانچہ مجرم فرشتوں کو دیکھنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔ (تفسیر مظہری)

مؤمن کی روح کا اعزاز

صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتے مؤمن کی رُوح سے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی تو اللہ تعالیٰ کے رحم اور رحمت کی طرف جو تجھ سے ناراض نہیں ہے۔ شہر بن حوشبؒ کہتے ہیں کہ ان میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوگی. سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَکَ الْحَمْد عَلٰی حِلْمِکَ بَعْدَ عِلْمِکَ خُدایا تو پاک ہے تو قابل ستائش و تعریف ہے باوجود علم کے پھر بھی بُردباری برتنا تیرا وصف ہے جس پر ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں اور چار کی تسبیح یہ ہوگی۔ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی عَفْوِکَ بَعْدَ قُدْرَتِکَ خدایا تو پاک ہے اور اپنی تعریفوں کے ساتھ ہے تیرے ہی لئے سب تعریف ہے کہ تو باوجود قدرت کے معاف فرماتا رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

اور ہم پہنچے اُن کے کاموں پر جو انہوں نے کئے تھے پھر ہم نے کر ڈالا اس کو خاک اُڑتی ہوئی

غرور خاک ہو جائے گا

یعنی وہ ہم کو بلاتے تھے تو ہم بھی آ پہنچے، مگر اُن کی عزت بڑھانے کو نہیں، بلکہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے زعمِ باطل کے موافق جو بھلے کام کئے تھے جن پر بڑا بھروسہ تھا انہیں ہم قطعاً ملیامیٹ کر دیں اور اس طرح بے حقیقت کر کے اُڑا دیں جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں اِدھر اُدھر اُڑ جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعمال روح اخلاص و ایمان سے یکسر خالی یا طریق حق کے بالکل متضاد واقع ہوئے ہیں۔ قال تعالیٰ مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم۔رکوع ۳) وغیر ذالک من الآیات۔ (تفسیر عثمانی)

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا یعنی بے کار، رائیگاں جس کا آخرت میں کوئی ثواب نہ ہوگا، کیونکہ ثواب کی شرط ہے ایمان اور محض اللہ کے لئے نیکی کرنا اور یہ دونوں شرطیں کافروں کے اعمال میں مفقود ہیں۔

ہباء کا معنی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہباء ان ذروں کو کہتے ہیں جو روشندانوں (اور کواڑوں) کے شگافوں سے سورج کی روشنی پر غبار کی طرح نظر آتے ہیں، مگر ہاتھ سے ان کو چھوا نہیں جا سکتا اور نہ وہ سایہ میں نظر آتے ہیں حسن، مجاہد اور عکرمہ نے بھی اس لفظ کی یہی تشریح کی۔ منثور کا معنی ہے پراگندہ۔ (تفسیر مظہری)

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾

بہشت کے لوگوں کا اُس دن خوب ہے ٹھکانا اور خوب ہے جگہ دوپہر کے آرام کی

اہل جنت کے مزے

یعنی یہ لوگ تو اس روز اس مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے وہ جنت میں خوب عیش و آرام کے مزے لوٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت و دوزخ میں داخلہ کا وقت

بغوی کی روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔ قیامت کا دن آدھا نہ ہونے پائے گا کہ اہل جنت، جنت میں اور اہلِ نارُ دوزخ میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَی الْجَحِیْمِ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ آیت اسی طرح آئی ہے۔ ابن جریر ابن المنذر اور ابونعیم نے الحلیہ میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ قیامت کے دن آدھے دن میں لوگوں کا حساب ختم ہو جائے گا پھر جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں قیلولہ کریں گے (دوپہر بسر کریں گے) بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اس روز حساب شروع دن میں ہی ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ کس وقت جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں، یہ وہ وقت ہوگا جو یہاں

Marfat.com

دنیا میں دوپہر کا وقت ہوتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں کو دو گھڑی آرام حاصل کرنے کی غرض سے لوٹتے ہیں۔ جنتیوں کا یہ قیلولہ جنت میں ہو گا۔ مچھلی کی کلیجی انہیں پیٹ بھر کر کھلائی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝

اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے اور اُتارے جائیں فرشتے تار لگا کر

اللہ تعالیٰ کا نزول اجلال

قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح کی ایک چیز اُترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہو گی۔ اُسے ہم چتر شاہی سے تعبیر کئے لیتے ہیں۔ شاید یہ وہی چیز ہو جسے ابو رزین کی حدیث میں عَمَآء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غیابَہ سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ اعلم اس کے ساتھ بیشمار فرشتوں کا ہجوم ہو گا اور آسمانوں کے فرشتے اُس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ دوسرے پارہ کے نصف کے قریب آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ الخ میں بھی اسی طرح کا مضمون گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ کے حکم سے آسمان اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا اس حکم کے وقت ملائکہ آسمان کے کناروں پر ہوں گے اور نیچے اتر کر ساری زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے، پھر دوسرے تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان کا بھی یہی حال ہو گا۔ پھر سب فرشتے صف بستہ ہو جائیں گے ایک قطار کے بعد دوسری قطار (ترتیب وار) ہو جائے گی پھر ایک فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہو گا۔ زمین والے جہنم کو دیکھ کر اِدھر اُدھر بھاگ پڑیں گے مگر زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات صفیں گھیرے ہوئے ملیں گی مجبوراً اسی جگہ جہاں سے بھاگے تھے لوٹ آئیں گے۔ آیات ذیل میں اسی کا بیان ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے ۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۚ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُدْهَامَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سنائی دے گی اور لوگ حساب (فہمی) کے لئے چل دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کا نزول اجلال

ابو بکر بن عبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرش کو اُترتا دیکھ کر اہلِ محشر کی آنکھیں پھٹ جائیں گی جسم کانپ اُٹھیں گے دل ہل جائیں گے۔ عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ عزوجل مخلوق کی طرف اُترے گا تو درمیان میں ستر ہزار پردے ہوں گے بعض نور کے بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایک ایسی آواز نکلے گی کہ جس سے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ ای عن الغمام ۔ قرطبی ۔ معنے یہ ہیں کہ آسمان شق ہو کر اُس میں سے ایک رقیق بادل اُترے گا جس میں فرشتے ہوں گے۔ یہ اَبر بشکل سائبان آسمان سے آوے گا اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہو گی اور اس کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے۔ یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہو گا اور اُس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہو گا یہ وہ پھٹنا نہیں ہو گا جو پہلی مرتبہ نفخۂ صور کے وقت آسمان زمین کو فنا کرنے کے لئے ہو گا کیونکہ یہ نزولِ غمام جس کا ذکر آیت میں ہے نفخۂ ثانیہ کے بعد ہے جبکہ سب زمین و آسمان دوبارہ درست ہو چکے ہوں گے۔ (بیان القرآن) (معارف مفتی اعظمؒ)

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا

بادشاہی اُس دن سچی ہے رحمٰن کی اور ہے وہ دن

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝

منکروں پر مشکل

فقط اللہ کی بادشاہی ہو گی

یعنی ظاہراً و باطناً صورۃً و معنیً من کل الوجوہ اکیلے رحمان کی بادشاہت ہو گی اور صرف اُسی کا حکم چلے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن ۔ رکوع ۲) پھر جب رحمان کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں اُن کیلئے رحمت کی کیا کمی، بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کیلئے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہو گا۔

کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر تہیدست راول پر اگندہ تر

(تفسیر عثمانی)

Marfat.com

قیامت کے دن کی سختی

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا۝ اور وہ دن کافروں کے لئے سخت دشوار دن ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی (اور عرض کیا گیا) کیسا لمبا دن ہوگا (اور اتنا لمبا وقت کیسے کٹے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مؤمن کیلئے وہ بہت ہلکا ہوگا یہاں تک کہ فرض نماز کے (ایک) وقت سے بھی اس کے لئے زیادہ آسان (اور چھوٹا) ہوگا۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول

بغویؒ نے لکھا ہے، عقبہ بن ابی معیط کا دستور تھا کہ جب سفر واپس آتا تھا تو کھانا تیار کراتا اور اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا، یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ بیٹھتا تھا ایک روز سفر سے واپس آ کر کھانا تیار کرایا اور لوگوں کی دعوت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کھانے کے لئے بلایا (آپ تشریف لے گئے) جب عقبہ نے کھانا لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم لاالٰہ الا اللّٰہ اور محمد رسول اللّٰہ کی شہادت نہ دو گے عقبہ نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھانا کھا لیا عقبہ اُبی بن خلف کا دوست تھا (اور اُبی سخت کافر تھا) اُبی کو عقبہ کے کلمۂ شہادت پڑھنے کی اطلاع ملی تو اس نے عقبہ سے کہا عقبہ تم بے دین ہو گئے عقبہ نے کہا نہیں تو خدا کی قسم میں تو بے دین نہیں ہوا۔ بات صرف یہ تھی کہ میرے گھر ایک آدمی آیا اور بغیر کلمۂ شہادت پڑھوائے میرا کھانا کھانے سے اس نے انکار کر دیا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ میرے گھر سے بغیر کھانا کھائے چلا جائے اس لئے میں نے شہادت دے دی اور اس نے کھانا کھا لیا ابی نے کہا میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک تم جا کر اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، عقبہ نے جا کر ایسا کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اگر مکہ کے باہر تجھے پا لیا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا (یعنی تجھے قتل کر دوں گا۔ چنانچہ عقبہ کو بدر کے دن بندھوا کر قتل کر دیا گیا۔ رہا اُبی تو اس کو احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ ابن جریر نے یہ روایت مرسل بھی نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ اُبی نے عقبہ سے کہا میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک تم اس کی گردن کو پاؤں سے روند نہ دو گے، اور اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، چنانچہ عقبہ نے جب دارالندوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں پایا تو وہ ایسا کر گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں مکہ کے باہر تجھ کو پاؤں گا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا بدر کے دن عقبہ قید کر لیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عقبہ کے قتل کر دینے کا حکم دیا اور مقابلہ کے وقت اُبی کے بھالا مارا پھر اُبی مکہ کو لوٹ گیا اور مر گیا۔ عقبہ اور اُبی کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي
اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا گنہگار اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش
اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا۝۲۷
کہ میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ رستہ

کافروں کی بے انتہاء حسرت

یعنی مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں رسول خدا کا راستہ اختیار نہ کیا اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آ گیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلظَّالِمَ سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ اُبی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، عقبہ بن ابی معیط نے اس کو سرزنش کی اس پر یہ آیت خَذُوْلًا تک نازل ہوئی، شعبی اور مقسم سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے دانتوں سے ہاتھ کاٹنا۔ انگلیوں کے پورے کھانا، دانت پیسنا یہ سب کنائی الفاظ ہیں ان سے مراد ہوتا ہے انتہائی غصہ اور حسرت۔

عقبہ کا انجام بد

ضحاک نے کہا، جب عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تھوک پھینکا تو اس کا تھوک لوٹ کر اسی کے رخساروں پر آ پڑا۔ جس سے دونوں رخسارے جل گئے۔ اور مرتے دم تک جلنے کا نشان نہیں گیا شعبی کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اُمیہ بن خلف کا

Marfat.com

دوست تھا۔ عقبہ مسلمان ہوگیا امیہ نے کہا چونکہ تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی ہے اس لئے میرا چہرہ تیرے لئے اور تیرا چہرہ میرے لئے دیکھنا حرام ہے عقبہ نے اسلام کا انکار کر دیا اور مرتد ہوگیا اس پر اللہ نے اس کے بارے میں آیت وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ نازل فرمائی الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد ہے ندامت وافسوس کہ وہ دوست جس نے اس کو اللہ کے راستہ سے روکا اس نے اس کا کہا مان لیا اور گناہ وکفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو خود تباہ کر دیا۔ عطاء نے کہا وہ (قیامت کے دن) اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کھا جائے گا پھر ہاتھ اُگ آئیں گے وہ حسرت وافسوس کرتے ہوئے ان کو پھر کھا جائے گا اور یوں ہی ہاتھ اُگتے رہیں گے اور وہ حسرت کے ساتھ کھاتا رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾
اے خرابی میری کاش کہ نہ پکڑا ہوتا میں نے فلانے کو دوست

گمراہوں کی دوستی کا انجام

یعنی جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اُس وقت پچھتائے گا کہ افسوس ایسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی۔

(تنبیہ) مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا جو واقعہ نقل کیا ہے، کچھ ضرورت نہیں کہ آیت کے مدلول کو اُس پر مقصور کیا جائے۔ ہاں جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں وہ بھی داخل ہے۔

صرف مؤمن کو اپنا ساتھی بناؤ

مسند احمد ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **لاتصاحب الامؤمنا ولایاکل مالک الاتقی** (مظہری) کسی غیر مسلم کو اپنا ساتھی نہ بناؤ، اور تمہارا مال (بطور دوستی کے) صرف متقی آدمی کھائے، یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

المرء علیٰ دین خلیله فلینظر من یخالل (رواہ البخاری)

(ترجمہ) ہر انسان (عادۃ) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا۔

من ذکرکم باللّٰه رویته وزاد فی علمکم منطقه وذکر کم بالاخرة عملهٗ رواه البزار (قرطبی)

(ترجمہ) وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔

لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ
اُس نے تو بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے پیچھے
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾
اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا

یعنی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی۔ جو ہدایت کے لئے کافی تھی اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کر لے۔ مگر اس کمبخت کی دوستی نے تباہ کیا اور دل کو اُدھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغا باز ہے آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور بُری طرح رُسوا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نیک وبد ساتھی کی مثال

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے پاس تو مشک ہے اور دوسرا لوہار کی بھٹی دھونک رہا ہے۔ مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو تم کو (کچھ مشک مفت) دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا (کم از کم) عمدہ خوشبو ہی تم کو (اس کی طرف سے) مل جائے گی۔ اور بھٹی دھونکنے والا، یا تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا (کم از کم) بدبو تم کو اس کی طرف سے پہنچے گی (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ (رواہ البغوی)

امام احمد اور اصحابِ سنن نے اور شیخین نے صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے نیز صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی اسی کے ساتھ ہوگا (یا ہوتا ہے) جس سے اس کو محبت ہوگی۔ (یا محبت ہے) (تفسیر مظہری)

Marfat.com

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا
اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے
هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾
اس قرآن کو جھک جھک

بد بخت قوم

یعنی ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب پیغمبر نے بارگاہِ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوند! میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تاکوئی شخص سُن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشقیاء نے قرآن جیسی قابل قدر کتاب کو بالکل متروک ومہجور کر چھوڑا ہے۔

(تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اُس پر عمل نہ کرنا۔

قرآن کے ترک کی صورتیں

اُس کی تلاوت نہ کرنا، اُس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اُس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہوسکتی ہیں۔

"فنسأل اللّٰه الكريم المنان القادر على مايشاء ان يخلصنا مما يسخطهٗ ويستعملنا فيما يرضيه من حفظ كتابه وفهمه والقيام بمقتضاه آناء الليل واطراف النهار على الوجه الذى يحبه ويرضاه انه كريم وهاب"۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اسکے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ
اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے

ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں

جو نبی کی بات ماننے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو قبول حق سے روکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾
اور کافی ہے تیرا رب راہ دکھلانے کو اور مدد کرنے کو

اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے گا

یعنی کافر پڑے بہکایا کریں، جس کو اللہ چاہے گا راہ پر لے آئے گا یا یہ مطلب ہے کہ اللہ جس کو چاہے گا ہدایت کر دے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی اُن سب کے مقابلہ میں تیری مدد کرے گا۔ یا یہ کہ حق تعالیٰ تیری مدد کر کے مقام مطلوب تک پہنچا دے گا۔ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہوسکے گی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ
اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اُترا
عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ
اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر

دشمنوں کا اعتراض

یعنی نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ایسے ایسے اعتراض چھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا گیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا، اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوچ سوچ کر بناتے ہیں پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سُناتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن پاک کی فضیلت

لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں۔ یہ ایک ساتھ لوحِ محفوظ سے ملاِ اعلےٰ میں اُترا لوح محفوظ سے پورا کا پورا آسمان دنیا تک پہنچا۔ پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سارا قرآن ایک دفعہ ہی لیلۃ القدر میں آسمانِ دنیا پر نازل ہوا۔ پھر بیس سال تک زمین پر اترتا رہا۔ پھر اس کے ثبوت میں آپ نے وَلَا یَاْتُوْنَکَ الخ اور آیت وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ الخ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾
اس طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر

Marfat.com

قرآن تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں

یعنی یہ کیا ضرور ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارنا اس سبب سے ہو جو تم نے سمجھا۔ اگر غور کرو گے تو اس طرح نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعۃً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت رہی، کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا اور جن مصالح وحکم کی رعایت اُس میں کی گئی تھی، لوگ موقع بہ موقع اُن کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت کی جُداگانہ شان نزول کو دیکھ کر اُس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔ ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے سے پیغمبر اور مسلمانوں کے قلوب تسکین پاتے رہے۔ اور ہر آیت کے نزول پر گویا دعویٰ اعجاز کی تجدید ہوتی رہی۔ اس سلسلہ میں جبریل علیہ السلام کا بار بار آنا جانا ہوا جو ایک مستقل برکت تھی، وغیر ذلک من الفوائد۔ ان ہی میں سے بعض فوائد کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ
اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو
بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا
ٹھیک بات اور اُس سے بہتر کھول کر

قرآن شافی جواب دیتا ہے

یعنی کفار جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو قرآن اُس کے جواب میں ٹھیک ٹھیک بات بتلا دیتا ہے جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف واضح معتدل اور بے غِل وغش بات ہوتی ہے ہاں جن کی عقل اوندھی ہوگئی ہو وہ سیدھی اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھیں یہ الگ چیز ہے ایسوں کا انجام اگلی آیت میں بیان فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ
جو لوگ کہ گھسیٹ کر لائے جائیں گے اوندھے پڑے ہوئے اپنے منہ پر دوزخ کی طرف
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾
اُنہی کا بُرا درجہ ہے اور بہت بہکے ہوئے ہیں راہ سے

گمراہی پسندوں کا انجام

یہ وہی لوگ ہیں جن کی عقل اوندھی ہوگئی اور علویات کو چھوڑ کر سفلی خواہشات پر جھک پڑے۔ آگے ایسی چند اقوام کا جو حشر ہوا عبرت کے لئے اُس کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تین طرح لوگوں کو چلایا جائے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین طور پر لوگوں کو چلایا جائے گا کچھ سوار، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل چلنے والے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا منہ کے بل چلیں گے فرمایا جس نے پاؤں سے چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اوندھے منہ کے بل چلائے جائیں گے اور اپنے منہ سے راستہ کے کانٹے کو ہٹائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اس کو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ یعنی سر کے بل چلانا اور پیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں اندھے ہو گئے اور زمین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور بلندی سے اعراض کیا اس لئے ان کا حشر اسی ہیئت کے ساتھ ہوگا۔ ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اوندھے۔ باعتبار مکان کے یا باعتبار مرتبہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لئے ان کا حشر منہ کے بل ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ
اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اس کے ساتھ اُس کا بھائی
هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
ہارون کام بٹانے والا پھر کہا ہم نے تم دونوں جاؤ اُن لوگوں کے پاس
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
جنہوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو

قوم فرعون کا حق سے انکار

یعنی آیات تکوینیہ کو جو اللہ کی توحید وغیرہ پر دال ہیں اور انبیائے

Marfat.com

سابقین کے متفقہ بیانات کو جن کا تھوڑا بہت چرچا پہلے سے چلا آتا تھا، جھٹلا کر خدائی کے دعوے کرنے لگے تھے۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ
پھر دے مارا ہم نے اُن کو اکھاڑ کر اور نوح کی قوم کو
لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ
جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو

قوم نوح علیہ السلام کا کرتوت

ایک پیغمبر کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے کیونکہ اصول دین میں سب انبیاء متحد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تکذیب رسل سے مراد ہے حضرت نوح کی اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب یا یوں کہا جائے کہ صرف حضرت نوحؑ کی تکذیب ہی مراد ہے لیکن ایک پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں سب پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ ہر پیغمبر دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے اس ایک کو جھوٹا جاننا حقیقت میں تمام پیغمبروں کو دروغ گو قرار دینا ہوتا ہے اس لئے تکذیب نوح کو تکذیب رسل قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ
ہم نے ان کو ڈبا دیا اور کیا اُن کو لوگوں کے حق میں نشانی، اور تیار کر رکھا ہے ہم نے گنہگاروں
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ
کے واسطے عذاب درد ناک اور عاد کو اور ثمودؑ کو اور رکنوئیں والوں کو

کنوئیں والی قوم

اصحاب الرس (کنوئیں والے) کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے "روح المعانی" میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے۔ "وملخص الاقوال انھم قوم اَھلکھُمُ اللّٰہ بتکذِیبَ مَنْ اُرسِل اِلیھِمْ" یعنی خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ایک اُمت نے اپنے رسول کو کنوئیں میں بند کیا پھر اُن پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا۔" (تفسیر عثمانی)

اس جگہ اصحاب الرس سے مراد ہے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، جس نے ایک کنویں پر اپنی آبادی کر لی تھی۔ یہ لوگ جانور پالتے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے ایک وقت جب وہ سب کنویں کے گرداگرد اپنے گھروں میں موجود تھے وہاں کی زمین دھنس گئی، وہ کنواں اور آبادی اور ساری زمین اندر گھس گئی اور سب مر گئے اُن کے یکدم ہلاک ہو جانے کی اصلی علت یہ تھی کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب پیغمبر کو مبعوث فرمایا، حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی سرکشی اور بڑھتی گئی اور حضرت شعیبؑ کو طرح طرح سے ایذا پہنچانے لگے۔ آخر ہلاک کر دیئے گئے۔ زمین سب کو کھا گئی، کنویں کو بھی، ان کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی۔ یہ تفصیل وہب بن منبہ نے بیان کی۔ ابن جریر اور ابن عساکر نے قتادہ کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ اصحاب الرس کا ایک پیغمبر تھا جس کا نام حنظلہ بن صفوان تھا، رس والوں نے اپنے پیغمبر کو شہید کر دیا، اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دراز گردن، عظیم الجثہ پرندہ کوہ فتح پر رہتا تھا، پرندہ کو لمبی گردن ہونے کی وجہ سے عنقاء کہا جاتا تھا۔ عنقاء اس قوم کے بچوں پر آ پڑتا تھا اور اُچک کر لے جاتا تھا۔ حنظلہ نے عنقاء کو بددعا دی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بجلی اس پر ٹوٹ پڑی۔ لیکن کچھ مدت کے بعد قوم والوں نے حنظلہ کو شہید کر دیا اور (اس جرم کی سزا میں) ان کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

حبیبِ نجار

بغوی نے لکھا ہے، سدی کا بیان ہے رس نطاکیہ میں ایک کنواں تھا، لوگوں نے حبیب بن نجار کو قتل کر کے اس کنویں میں ڈال دیا، حبیب بن نجار اور ان کی قوم کا تذکرہ سورہ یٰسین میں آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ اعراف وغیرہ میں اَصْحَابُ الرَّسِ کی بابت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ ثمودیوں کی ایک بستی والے تھے۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فلج والے تھے جن کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ آذربیجان کے ایک کنویں کے پاس ان کی بستی تھی۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں انہیں کنویں والے اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔

اوّل جنت میں جانے والا غلام

ابنِ اسحاقؒ محمد بن کعبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سیاہ فام غلام سب سے اول جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا تھا لیکن اس بستی

Marfat.com

والوں میں سے بجز اس کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے اللہ کے نبیؑ کو ایک غیر آباد کنویں میں اوجڑ میدان میں ڈال دیا، اور اس کے منہ پر ایک بڑی ساری چٹان رکھ دی کہ یہ وہیں مرجائیں۔ یہ غلام جنگل میں جاتا لکڑیاں کاٹ کر لاتا انہیں بازار میں فروخت کرتا اور روٹی وغیرہ خرید کر کنویں پر آتا۔ اس پتھر کو سَرکا دیتا جو کئی آدمیوں سے کھسک نہ سکتا تھا۔ لیکن خدائے تعالیٰ اس کے ہاتھوں اسے سرکا دیتا۔ یہ ایک رسی میں لٹکا کر روٹی اور پانی اس پیغمبر علیہ السلام کے پاس پہنچا دیتا جسے وہ کھا پی لیتے مدتوں تک یوں ہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ گیا لکڑیاں کاٹیں، چٹیں جمع کیں، گٹھڑی باندھی، اتنے میں نیند کا غلبہ ہوا سو گیا۔ اللہ نے اس پر نیند ڈال دی سات سال تک وہ سوتا رہا۔ سات سال بعد آنکھ کھلی انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو رہا۔ سات سال کے بعد پھر آنکھ کھلی تو اس نے اپنی لکڑیوں کی گٹھڑی اُٹھائی اور شہر کی طرف چلا اسے یہی خیال تھا کہ ذرا سی دیر کے لئے سو گیا تھا۔ شہر میں آ کر لکڑیاں فروخت کیں حسب عادت کھانا خریدا اور وہیں پہنچا دیکھتا ہے کہ کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں۔ بہت ڈھونڈا، لیکن نہ ملا۔ یہاں یہ ہوا تھا کہ قوم کے دل ایمان کی طرف راغب ہوئے انہوں نے جا کر اپنے نبی علیہ السلام کو کنویں سے نکالا سب کے سب ایمان لائے پھر نبی اپنی وفات فوت ہو گئے نبی علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں اس حبشی غلام کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر اس نبی علیہ السلام کے انتقال کے بعد یہ شخص اپنی نیند سے جگایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس یہ حبشی غلام ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ روایت مُرسل ہے اور اس میں غرابت و نکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ
اور اُس کے بیچ میں بہت سی جماعتوں کو اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے
الْاَمْثَالَ ۚ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾
مثالیں اور سب کو کھو دیا ہم نے غارت کر کر

یعنی پہلے سب کو اچھی طرح سمجھایا جب کسی طرح نہ مانا تو تختہ اُلٹ دیا۔ (تفسیر عثمانی)

بہتر قرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، خیرا لقرون قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلونھم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن تو صحابہ تھے، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور دوسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے اکثر صحابہ کو یا کسی ایک صحابی ہی کو دیکھا تھا۔ اور تیسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے تابعین ہی میں سے کسی ایک کو دیکھا تھا۔

قرن کا مطلب

سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو دعا دی تھی اور فرمایا تھا ایک قرن جیو چنانچہ اس کی عمر سو سال ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ
اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اُس بستی کے پاس جن پر برسا برا برساؤ

قوم لوط کی بستیاں

یعنی قوم لُوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر سے مکہ والے شام کے سفر میں گزرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے قوم لوط کی بستیاں پانچ ہیں اللہ نے ان میں سے چار کو تباہ کر دیا اور ایک بستی جو چھوٹی سی تھی بچ گئی اس بستی کے رہنے والے خبیث حرکات میں مبتلا نہ تھے۔ ملک شام کو جاتے ہوئے یہ بستیاں سر راہ پڑتی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ
کیا دیکھتے نہ تھے اُس کو

یعنی کیا اُن کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾
نہیں پر اُمید نہیں رکھتے جی اُٹھنے کی

عبرت آموزی میں رکاوٹ

یعنی عبرت کہاں سے ہوتی جب اُن کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر جی اُٹھنا اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ عبرت تو وہ ہی حاصل کرتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ
اور جہاں تجھ کو دیکھیں کچھ کام نہیں اُن کو تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے کیا یہی ہے جس کو

Marfat.com

بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ
بھیجا اللہ نے پیغام دے کر یہ تو ہم کو بچلا ہی دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم نہ
اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ
جمے رہتے اُن پر

استہزاء بازی

یعنی بجائے عبرت حاصل کرنے کے اُن کا مشغلہ تو یہ ہے کہ پیغمبر سے ٹھٹھا کیا کریں۔ چنانچہ آپ کو دیکھ کر استہزاءً کہتے ہیں کہ کیا یہ ہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسُول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں سے یہ ہی اکیلے رسُول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ آخر کوئی بات تو ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ قوت فصاحت اور زورِ تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں۔ وہ تو ہم پکے ہی ایسے تھے کہ برابر جمے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ)

وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ
اور آگے جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب
مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾
کہ کون بہت بچلا ہوا ہے راہ سے

عذاب آنکھیں کھول دے گا

یعنی عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو پتہ لگے گا کہ واقع میں کون گمراہی پر تھا۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ
بھلا دیکھ تو اُس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کا کہیں
تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ ۙ
تو لے سکتا ہے اُس کا ذمہ

خواہش نفس کے بندے

یعنی آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی اُدھر ہی جھک پڑے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی، جو مخالف ہوئی رَد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اُسے پوجنے لگے کل دوسرا اُس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اُس کے آگے سر جھکا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی، جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے، یعنی اپنی خواہشات کا تابع ہو گیا۔ خواہشات پر ہی اس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی (خواہشاتِ نفس کا پرستار ہو گیا) نہ کسی دلیل کو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا، کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں جس نے اس اللہ کی عبادت تو ترک کر دی جو اس کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا، ان کی پوجا کرنے لگا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی سفید گول مول پتھر کو دیکھا اس کی ڈنڈوت کرنے لگے۔ اس سے اچھا کوئی نظر پڑ گیا اس کے سامنے جھک گئے۔ اور اول کو چھوڑ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ
یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت سے اُن میں سنتے یا سمجھتے ہیں
اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ ۚ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع
اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بہکے ہوئے ہیں راہ سے

چوپایوں سے بدتر انسان

یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنایئے، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ چوپائے تو بہرحال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا نہ اُس کے احسانات کو سمجھا نہ بھلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمۂ ہدایت کی طرف قدم اُٹھایا۔ بلکہ اُس سے کوسوں دُور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں اُن کو معطل کئے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔

Marfat.com

اگر ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید وتنزیہ اور اصول دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جانور اپنے خالق کو جانتے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے اور تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اگرچہ ان کی قوتِ فہم کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔

چوپایوں کا بولنا

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص ایک بیل کو ہنکا کر لے جا رہا تھا (چلتے چلتے جب) تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا۔ بیل نے کہا ہم کو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے، لوگوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر) کہا سبحان اللہ! بیل بھی (کہیں) بولتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا تو اس پر ایمان ہے اور ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کا بھی۔ اس وقت یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنی بکریوں کے ساتھ تھا اچانک ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا اور پکڑ لیا، بکریوں کا مالک جا پہنچا اور بکری کو چھڑایا، بھیڑیئے نے کہا، قیامت کے دن اس کی حمایت کون کرے گا جب کہ سوائے میرے اور کوئی اس کی نگرانی کرنے والا نہیں ہوگا لوگوں نے کہا سبحان اللہ (کیا) بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا، میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی۔ یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

فائدہ: ملائکہ میں روح اور عقل ہوتی ہے۔ اور چوپایوں میں نفس وخواہشات۔ آدمی سب کا مجموعہ ہے پس اگر آدمی کی نفسانیت اور خواہشات کا روحانیت (عقل پر غلبہ ہو جاتا ہے تو آدمی چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتا ہے اور اگر روحانیت کا نفس وخواہشات پر تسلط ہو جاتا ہے تو آدمی ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ
تو نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے دراز کیا سایہ کو اور اگر چاہتا تو اس
سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ
کو ٹھہرا رکھتا پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو اس کا راہ بتلانے والا پھر کھینچ لیا ہم
اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝
نے اس کو اپنی طرف سمیٹ کر

دھوپ اور سائے کا نظام

صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہی سایہ قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ اگر دھوپ نہ آتی تو سایہ کو ہم سمجھ بھی نہ سکتے۔ کیونکہ ایک ضد کے آنے سے ہی دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ الخ (قصص ۔ رکوع ۷) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اول ہر چیز کا سایہ لمبا پڑتا ہے۔ پھر جس طرف سورج چلتا ہے اس کے مقابل سایہ ہٹتا جاتا ہے جب تک کہ جڑ میں آ لگے۔ اپنی طرف کھینچ لیا کا یہ مطلب ہے کہ اپنی اصل کو جا لگتا ہے سب کی اصل اللہ ہے۔ (موضح القرآن)

پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر نہار میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ یہ ہی مثال دنیا کی ہستی کی سمجھو۔ اول عدم تھا، پھر نور وجود میں آیا، پھر آخر کار کتم عدم میں چلی جائے گی۔ اور اسی جسمانی نور وظل کے سلسلہ پر روحانی نور وظلمت کو قیاس کر لو۔ اگر کفر وعصیان اور جہل وطغیان کی ظلمات میں آفتاب نبوۃ کی روشنی اللہ تعالیٰ نہ بھیجتا تو کسی کو معرفت صحیحہ کا راستہ ہاتھ نہ آتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ کی تحقیق

میرے نزدیک ان آیات کی تاویل دوسرے رنگ سے بھی کی جا سکتی ہے ظل سے مراد عالمِ مکان ہے عالمِ مکان کا وجود، خارجی ظلی ہے امکان مرتبہ وجوب کا ظل ہے شمس سے مراد ہیں اللہ کی صفات واسماء کے مراتب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح عالم امکان کو ایجاد کیا اور اس کے وجود کو جو وجودِ واجب کا ظل ہے کس طرح ماہیات ممکنہ کی مختلف صورتوں پر پھیلا دیا اگر

Marfat.com

اللہ چاہتا تو سارے عالمِ امکان کے وجود کو ساکن مستقر اور ایک ہی حالت پر کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا۔ بلکہ اس کو محلِ حوادث اور تغیرات وفناء کی آماجگاہ بنادیا تا کہ وہ ذاتِ واجب الوجودِ حقیقی کا محتاج رہے اور اس کی امکانی احتیاج نمودار ہو پھر ہم نے آفتاب کو اس کے لئے راہنما بنایا، یعنی جب اللہ کی صفات واسماء کا جلوہ صوفی کے دل پر پڑتا ہے اور قلبی بصیرت کے ذریعہ اس کو وجودِ حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس وقت اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام عالم امکانِ وجودِ حق تعالیٰ کا ظل ہے تجلیات ومشاہدات سے پہلے وہ خیال کرتا ہے کہ عالمِ امکان کا بجائے خود کوئی وجود ہے لیکن صفاتی اور اسمائی نور پاشی کے بعد اس کا یہ خیال دور ہو جاتا ہے۔

پھر ہم اس کو دھیرے دھیرے سمیٹ لیتے ہیں یعنی صوفی کو رفتہ رفتہ اپنا مقرب بنا لیتے ہیں اور ہماری صفات وذات کی بے کیف قربت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا فرمان نقل کیا تھا ۔اللہ فرماتا ہے کہ نوافل کے ذریعہ میرا بندہ برابر میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث

صوفیاء کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر (ایک جیسے) ہوں وہ گھاٹے میں رہتا ہے (یعنی جو دوسرے دن پہلے دن سے زیادہ عروج حاصل نہ کرے وہ خسارے میں ہے) (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ
اور وہی ہے جس نے بنادیا تمہارے واسطے رات کو اوڑھنا اور نیند کو
سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾
آرام اور دن کو بنادیا اُٹھ نکلنے کے لئے

رات اور دن کا خالق

یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اُجالا ہوتا ہے تو نیند سے اُٹھ کر ادھر اُدھر چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جب سارا جہان دوبارہ اُٹھ کھڑا ہوگا اور یہ ہی حالت اُس وقت آتی ہے جب انبیاء علیہم السلام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اُجالا کرتے ہیں، تو جہل وغفلت کی نیند سے سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں مل کر اُٹھ بیٹھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن تخلیق

یہاں کئی چیزیں قابلِ غور ہیں اول یہ کہ نیند کا راحت ہونا بلکہ راحت کی جان ہونا تو ہر شخص جانتا ہے مگر انسانی فطرت یہ ہے کہ روشنی میں نیند آنا مشکل ہوتا ہے اور آ بھی جائے تو جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے نیند کے مناسب رات کو تاریک بھی بنایا اور ٹھنڈا بھی۔ اسی طرح رات خود ایک نعمت ہے اور نیند دوسری نعمت، اور تیسری نعمت یہ ہے کہ سارے جہان کے انسانوں جانوروں کی نیند ایک ہی وقت رات میں جبری کر دی، ورنہ اگر ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے انسان سے مختلف ہوتے تو جس وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مصروف اور شور شغب کا سبب بنے رہتے۔ اسی طرح جب دوسروں کے سونے کی باری آتی تو اس وقت کام کرنے والے چلنے پھرنے والے ان کی نیند میں خلل انداز ہوتے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کی ہزاروں حاجتیں دوسرے انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں باہمی تعاون وتناصر اور کاموں میں بھی شدید حرج ہوتا کہ جس شخص سے آپ کو کام ہے اس کے سونے کا وقت ہے اور جب اُس کے جاگنے کا وقت آئے گا تو آپ کا سونے کا وقت ہوگا۔

اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کسی بین الاقوامی معاہدہ سے کام لیا جاتا کہ سب لوگ اپنے سونے کا وقت ایک ہی مقرر کر لیں، اول تو ایسا معاہدہ اربوں کروڑوں انسانوں میں ہونا آسان نہ تھا پھر اُس پر کاربند رکھنے کے لئے ہزاروں محکمے کھولنے پڑتے اس کے باوجود عام قانونی اور معاہداتی طریقوں سے طے ہونے والی چیزوں میں جو خلل ہر جگہ رشوت، رعایت وغیرہ کے سبب پایا جاتا ہے وہ پھر بھی باقی رہتا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے نیند کا ایک وقت جبری طور پر مقرر کر دیا ہے کہ ہر انسان اور ہر جانور کو اُسی وقت نیند آتی ہے کبھی کسی ضرورت سے جاگنا بھی چاہے تو اُس کے لئے مشکل سے انتظام کر پاتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ
اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اُس کی رحمت سے آگے

Marfat.com

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا کہ زندہ کر دیں اُس سے

مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

مرے ہوئے دیس کو اور پلائیں اُس کو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو

مردہ زمینوں کی زندگی کا نظام

یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مُردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جہاں خاک اُڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے۔ اور کتنے جانور اور آدمی بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن ایک غیبی بارش کے ذریعہ مردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے تھے زندہ کر دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اسی طرح جو دل جہل وعصیان کی موت سے مر چکے تھے وحی الٰہی کی آسمانی بارش ان کو زندہ کر دیتی ہے جو روحیں پلیدی میں پھنس گئی تھیں روحانی بارش کے پانی سے دُھل کر پاک وصاف ہو جاتی ہیں اور معرفت و وصول الی اللہ کی پیاس رکھنے والے اسی کو پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طہور کا معنی

طہور وہ چیز جس سے پاکی حاصل ہوتی ہے جیسے سحور سحری کا کھانا۔ فطور افطار کی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاک مٹی مسلمان کو طاہر بنانے کی چیز ہے، جب تک پانی نہ پائے خواہ دس سال گزر جائیں رواہ احمد وابوداؤد والترمذی عن ابی ذر۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ساری زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی ہے اور زمین کی مٹی کو طہور (پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ) بنا دیا گیا ہے۔

یا طہور قبول کی طرح مصدر ہے، مسلم وابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں اگر کتا منہ ڈال دے تو اس برتن کی پاکی یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھو ڈالے جن میں پہلی مرتبہ مٹی سے (مانجھے) اس صورت میں پانی کو طہور کہنا بطور مبالغہ کے ہوگا۔

نیند سے بیدار ہو کر پہلے ہاتھ دھوئے

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ابوداؤد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے تو بغیر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے برتن میں ہرگز نہ ڈالے کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ رات کو (سوتے میں) کہاں رہا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی آئی ہے۔

کثیر پانی

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا، جو شخص آبِ کثیر استعمال کر رہا ہے اگر اس کے غالب خیال میں پانی اتنا ہے کہ ایک طرف کی نجاست (کا اثر) دوسرے کنارے تک پہنچنے سے قاصر ہے تو ایسا پانی کثیر ہے ورنہ قلیل ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد گرامی ہے کہ پانچوں نمازیں (درمیانی اوقات کے گناہوں کے لئے) اور جمعہ کی نماز آئندہ جمعہ تک (کے گناہوں) کے لئے اور رمضان (آئندہ) رمضان تک (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہیں درمیانی (اوقات و ایام کے) گناہوں کو اتار دینے والے ہیں بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار کر دیا، اس پر آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الی آخرہ نازل ہوئی۔ (متفق علیہ)

استعمال شدہ پانی

آبِ مستعمل کو جو لوگ پاک کہتے ہیں ان کے قول کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے میں بیمار تھا، بیہوش پڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے آ کر وضو کیا اور وضو کا پانی میرے اوپر ڈالا، مجھے فوراً ہوش آ گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے وارث نہ میرے ماں باپ ہیں نہ اولاد، اس پر آیتِ فرائض نازل ہوئی۔ (متفق علیہ)

Marfat.com

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے مجھے میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا یہ میری بہن کا لڑکا دُکھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دُعاء کی، پھر وضو کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی میں نے پیا، (متفق علیہ)

حضرت مسور بن مخرمہ کی حدیث صلح حدیبیہ کے تذکرے کے ذیل میں آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی تھوک تھوکا تو خدا کی قسم وہ (زمین پر گرنے کے بجائے) کسی آدمی کے ہاتھ پر لگا اور اس نے اس لعاب کو اپنے بدن اور چہرے پر مل لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تھے (لوگ وضو کے پانی کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وضو کے پانی پر لڑ پڑیں گے۔ (رواہ البخاری)

رُکا ہوا پانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ رُکے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پیشاب کر کے پھر اسی سے وضو کرے۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی رُکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ اس حدیث میں رُکے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی اور اس ممانعت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا یہ وجہ ہے کہ وہ مطہر نہیں رہتا استعمال کے بعد پانی کا نجس ہو جانا تو نا قابل تصور ہے صرف دوسری ہی شق باقی رہی یعنی وہ طاہر تو ہے مطہر نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں ممانعت تحریمی نہیں تنزیہی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا، اس سے وضو جائز ہے ہاں اگر کوئی جامد چیز آمیختہ ہو جائے جس سے پانی میں گاڑھا پن آ گیا یا پانی کے بیشتر اوصاف بدل گئے جیسے نبیذ کی حالت ہوتی ہے نبیذ خیساندہ پانی میں کوئی چیز بھگوئی ہوئی یا حد خاص تک پکائی ہوئی یا کوئی سیال چیز ہی زیادہ مقدار میں پانی میں مل گئی ہو کہ اس کی مقدار کے مقابلے میں پانی کے اجزاء کم ہوں یا پانی کے اکثر اوصاف بدل گئے ہوں یا اس کو پانی میں پکایا گیا ہو جس کی وجہ سے پانی کی طبیعت ہی بدل گئی ہو جیسے شوربہ یا آب باقلیٰ تو اس سے وضو جائز نہیں لیکن اگر آمیزش سے پانی میں تھوڑا سا تغیر آ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن خزیمہ اور نسائی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک بڑے لگن سے غسل کیا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے آثار موجود تھے۔

میت کا غسل

بخاری نے حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا اس کو تین بار یا پانچ بار اس سے زیادہ بار جتنا مناسب سمجھو پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پتوں کے ساتھ گرم کئے ہوئے پانی سے غسل دینا اور آخری بار کچھ کافور شامل کر دینا یا فرمایا، کافور شامل کر دینا۔

بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کر لیں قیس بن عاصم کی حدیث میں بھی یہی آیا ہے کہ وہ مسلمان ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

ناپاک زمین کو پاک کرنا

دار قطنی نے عبدالجبار کے طریق سے بروایت ابن حنیفہ از یحییٰ بن سعید بیان کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس جگہ کو کھود دو (اور مٹی نکال کر) پھر اس جگہ ایک ڈول پانی بہا دو حافظ ابن حجر نے کہا، اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۚ
اور طرح طرح سے تقسیم کیا ہم نے اُس کو ان کے بیچ میں تا دھیان رکھیں
فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝
پھر بھی نہیں رہتے بہت لوگ بدون ناشکری کیے

آب پاشی کا نظام

یعنی بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ کہیں جلد کہیں بدیر جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا رہتا ہے۔ تا کہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار و حکیم کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بہت لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اُلٹے کفر اور ناشکری پر اتر آتے

Marfat.com

ہیں۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا ہے کہ جس کو اپنی استعداد اور ظرف کے موافق جتنا حصہ ملنا تھا مل گیا اور بہت سے اس نعمت عظمیٰ کا کفران ہی کرتے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ اور ہم نے پانی کو انسانوں میں گھمایا پھرایا کبھی ایک شہر میں کبھی دوسری بستی میں بارش کی۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے سال سے اس میں بارش زیادہ ہو بلکہ اللہ بارش کو زمین پر گھماتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی نہ رات میں نہ دن میں کہ ابر سے بارش نہ ہوتی ہو، اللہ بارش کا رُخ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے ابن اسحاق ابن جریج اور مقاتل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک اس قول کو پہنچایا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہے کہ کسی ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش نہیں ہوتی لیکن اللہ نے رزق کی تقسیم کر دی ہے نچلے آسمان (یعنی بادل) میں مینہ (کا خزانہ) رکھ دیا ہے اور مخصوص ناپ تول کے ساتھ نیچے اتارتا ہے جب کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ اس کی طرف سے بارش کا رُخ موڑ کر دوسروں کی طرف کر دیتا ہے۔ اور جب سب نافرمان ہو جاتے ہیں تو پھر بیابانوں اور دریاؤں کی طرف بارش کو موڑ دیا جاتا ہے۔

ناشکرے لوگ

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا لیکن اکثر لوگ بے ناشکری کئے نہیں رہے۔ یعنی جب اللہ نے بارش کی تو اکثر لوگوں نے ناشکری کی اور کہنے لگے یہ بارش تو فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوئی ہے، حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہوئے کچھ کافر (ہوئے) جن لوگوں نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہوگئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور ستاروں کے منکر اور جن لوگوں نے کہا فلاں ستارہ (کی تاثیر) سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر ہو گئے اور ستاروں (کی تاثیر) پر یقین رکھنے والے۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

بادل کے فرشتے

ایک مُرسل حدیث ابنِ ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو چاہیں دریافت فرمالیں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے پاس تو خدا تعالیٰ کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں شہر میں اتنے اتنے قطرے برساؤ، ہم تعمیل ارشاد کر دیتے ہیں۔ بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کُفر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسائے گئے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ بارش برس چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسُول خوب جاننے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سُنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ مؤمن ہو گئے اور بہت سے کافر ہو گئے۔

جنہوں نے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ بارش ہم پر برسی ہے وہ تو میرے ساتھ ایمان رکھنے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں تارے کے اثر سے پانی برسایا گیا وہ میرے ساتھ کافر ہوئے اور تاروں کے ساتھ مؤمن ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بارش ہر سال یکساں برستی ہے

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ مطلب آیت کا یہ ہے کہ بارش کو ہم بدلتے اور پھیرتے رہتے ہیں کبھی ایک شہر میں کبھی دوسرے میں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگوں میں شہرت ہوتی ہے کہ اس سال بارش زیادہ ہے اس سال کم ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ بارش کا پانی تو ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں نازل ہوتا ہے البتہ بحکم الٰہی یہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کی مقدار کسی شہر بستی میں زیادہ کر دی کسی میں کم کر دی۔ بعض اوقات کمی کر کے کسی بستی کے لوگوں کو سزا دینا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات زیادتی بھی عذاب بن جاتی ہے تو یہی پانی جو خالص رحمت ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے اسی کو عذاب اور سزا بنا دیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

Marfat.com

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا

اور اگر ہم چاہتے تو اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا سو تو

تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

کہنا مت مان منکروں کا اور مقابلہ کر اُن کا اس کے ساتھ بڑے زور سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زور وشور سے منکرین کا مقابلہ کرتے رہیں

یعنی نبی کا آنا تعجب کی چیز نہیں اللہ چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کردے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو۔ مگر اُس کو منظور ہی یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے۔ سو آپ کافروں کے احمقانہ طعن وتشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ فرمائیں۔ اپنا کام پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن ہاتھ میں لے کر ان منکرین کا مقابلہ زور وشور کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ختم نبوت کی حکمت

یعنی اس طرح آپ کے اوپر سے تبلیغ کا بار ہلکا ہو جاتا لیکن آپ کو عظمت عطا کرنے اور آپ کی شان بلند کرنے کے لئے ہم نے سب لوگوں کے لئے تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور تمام پیغمبروں پر آپ کو فضیلت عطا کی۔

نذیر سے مراد ہے پیغمبر جو بستی والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔

کافروں کی طرف نہ جھکیں

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا سو اس نعمت کے شکریہ میں آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے بڑے زور شور سے ان کا مقابلہ کیجئے۔

یعنی کافر جس طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے ہیں آپ ان کا کہنا نہ مانیں ان کی موافقت نہ کریں نہ اس چیز میں ان سے رواداری کا سلوک کریں بلکہ ہماری نعمت کا شکر ادا کریں کہ ہم نے سب لوگوں کے لئے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپ اپنی دعوت اور اظہار حق پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی مدد توفیق یا قرآن کے ذریعہ سے یا کافروں کی مخالفت کر کے۔ ان سے جہاد عظیم کریں دل سے بھی اور زبان سے بھی اور تلوار سے بھی (جیسا موقع ہو ویسا جہاد کیجئے) مراد یہ ہے کہ کافر ابطالِ حق کی کوشش کرتے ہیں آپ ان کے مقابلہ میں ہر طرح اظہارِ حق اور حمایتِ حق کی کوشش کریں۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا

وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

اور یہ کھاری کڑوا اور رکھا اُن دونوں کے بیچ پردہ

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور آڑ روکی ہوئی

میٹھا و کڑوا پانی ایک ساتھ

بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اُس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقیٰ ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے ڈابھیل سملک ضلع سورت سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مدو جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اُتر جاتا اور میٹھا جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجریٰ میں چلائے اور دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے، پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اُسی کے لئے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری یا کھاری میٹھا بن جائے

Marfat.com

۔گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔وقیل غیر ذلک والراجح عندی ہوالاول۔واللہ اعلم۔(تفسیر عثمانی)

میٹھا اور کھاری پانی اللہ کی عظیم نعمت

بعض ٹھہرے ہوئے سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے۔ اللہ کی اس نعمت پر بھی شکر کرنا چاہئیے کہ اس نے میٹھے پانی کی چوطرف ریل پیل کردی کہ لوگوں کو نہانے دھونے اور اپنے کھیت اور باغات کو پانی دینے میں آسانی رہے۔مشرقوں اور مغربوں میں محیط سمندر کھاری پانی کے اس نے بہا دیئے جو ٹھہرے ہوئے ہیں اِدھر اُدھر بہتے نہیں۔ لیکن موجیں مار رہے ہیں تلاطم کر رہے ہیں۔بعض میں مدوجزر ہے۔ ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں تو ان میں زیادتی اور بہاؤ ہوتا ہے پھر چاند کے گھٹنے کے ساتھ وہ گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اپنی حالت پر آجاتا ہے پھر جہاں چاند چڑھا یہ بھی چڑھنے لگا چودہ تاریخ تک برابر چاند کے ساتھ چڑھتا رہا پھر اُترنا شروع ہوا۔ان تمام سمندروں کو اسی خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ پوری اور زبردست قدرت والا ہے۔کھاری اور گرم پانی گو پینے کے کام نہیں آتا لیکن ہواؤں کو صاف کردیتا ہے جس سے انسانی زندگی ہلاکت میں نہ پڑے اس میں جو جانور مرجاتے ہیں ان کی بدبو دنیا والوں کو ستا نہیں سکتی اور کھاری پانی کے سبب سے اس کی ہوا صحت بخش اور اس کا مزہ پاک طیب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سمندر کے پانی کی نسبت سوال ہوا کہ کیا ہم اس سے وضو کرلیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا پر وہ سخت روک کہ کوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا، اور نمکین سمندر، میٹھے سمندر کو بگاڑ نہیں سکتا۔ بیضاوی نے لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کسی چیز نے داخل ہوکر سمندر کو بیچ سے پھاڑ دیا ہے اور اس طرح یہ دخیل (دھارا) میلوں تک گھستا چلا جاتا ہے اور اس کے مزے میں فرق نہیں۔(تفسیر مظہری)

اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ

مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے سمندر میں آکر گری ہیں وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کا سطح ایک معلوم ہوتا ہے لیکن قدرتِ الٰہیہ سے ان میں ایک ایسی حدِ فاصل ہے کہ ملتقیٰ کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں اور دوسری جانب سے جو کہ جانبِ اول سے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ۔دُنیا میں جہاں جس جگہ شیریں پانی کی نہریں چشمے سمندر کے پانی میں گرتے ہیں وہاں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دُور تک میٹھا اور کھاری پانی الگ الگ چلتے ہیں، دائیں طرف میٹھا بائیں طرف تلخ کھاری یا اوپر نیچے شیریں اور تلخ پانی الگ الگ پائے جاتے ہیں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے اور ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقیٰ ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔اھ، اور مجھ سے باریسال کے بعض طلباء نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر وہاں سے تقریبا دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ادھر کی ندیوں میں برابر مدوجزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا جزر کے وقت اوپر سے کھاری اُتر جاتا ہے اور میٹھا جُوں کا توں میٹھا باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم، ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔(معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ
اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اُس کے لئے جد اور سُسرال
وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور تیرا رب سب کچھ کرسکتا ہے اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر

Marfat.com

مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ
وہ چیز جو نہ بھلا کرے اُن کا نہ بُرا اور ہے کافر
عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾
اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا

ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش

دیکھ لو! کس طرح اپنی قدرت کاملہ سے ایک قطرۂ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اُس سے نسلیں چلائیں اور دامادی اور سُسرال کے تعلقات قائم کئے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ حضرت تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصل کو بھول گئے اور اس رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو خدا کہنے لگے۔ اپنے پروردگار کا حق تو کیا پہچانتے اُس سے منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے۔ تاکہ اغواء و اضلال کے مشن میں اس کی مدد کریں اور مخلوق کو گمراہ کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا. (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ
اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کے لئے تو کہہ میں نہیں مانگتا
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ
تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑ لے
اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾
اپنے رب کی طرف راہ

پیغمبر کا کام

یعنی آپ کا کام خدا تعالیٰ کی وفاداری پر بشارات سنانا اور غداروں کو خراب نتائج و عواقب سے آگاہ کر دینا ہے۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے آپ کو کچھ نقصان نہیں۔ آپ ان سے کچھ فیس یا مزدوری تھوڑی طلب کر رہے تھے کہ ان کے نہ ماننے سے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ آپ تو ان سے صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ جو کوئی چاہے خدا کی توفیق پا کر اپنے رب کا راستہ پکڑے۔ اسی کو چاہو فیس کہہ لو یا مزدوری۔ (تفسیر عثمانی)

رسالت کا اجر

اللہ کے امر و نواہی کی تعمیل کے لئے اللہ کے رسول کی اطاعت کو اجرِ رسالت قرار دیا کیونکہ رسالت کا اصل مقصد ہی یہ ہے اس کے علاوہ ہر اجرِ تبلیغ کی نفی کر دی تاکہ کسی کو شبہ کرنے کا موقع ہی باقی نہ رہے۔ شاید کوئی سر پھرا یہ خیال کرنے لگتا کہ اللہ کی طرف احکام کو منسوب کر کے یہ اپنی اطاعت تحصیلِ زر و مال کے لئے کرانا چاہتے ہیں اور ہم سے معاوضہ مالی کے طلب گار ہیں، ہر قسم کے معاوضہ مالی کی طلب کی ممانعت کر کے اس وہم کی بیخ کنی کر دی، پھر اس طرز ادا میں انتہائی شفقت کا اظہار بھی ہے کافروں کے لئے جو بات فائدہ رساں تھی اس کو اپنے لئے سود مند ظاہر کیا اور بتا دیا کہ تم لوگوں کا اس راستہ پر چلنا ہی میری خدمت رسالت کا پورا معاوضہ ہے اس طریق بیان سے اس امر پر تنبیہ بھی ہو گئی کہ امت کی اطاعت کا فائدہ مآل کے اعتبار سے رسول کی طرف لوٹے گا چونکہ رسول کی راہنمائی سے امت ہدایت یاب ہوئی ہے اس لئے (راہنمائی کا اور) ہدایت یاب ہونے کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا راستہ بتانے والا بھی نیکی کرنیوالے کی طرح ہے یہ حدیث بزار نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام احمد نیز صحاحِ ستہ کے مؤلفین نے اور ضیاء نے کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ضیاء نے اتنا ٹکڑا حدیث کا اور نقل کیا ہے کہ اللہ مصیبت زدہ کی فریاد رسی کو پسند فرماتا ہے۔ مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے ایک طویل حدیث کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اس کو اس طریقے پر چلنے کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا جو اس طریقہ پر چلیں گے مگر اس سے ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ
اور بھروسہ کر اوپر اُس زندہ کے جو نہیں مرتا

اللہ کے سوا کسی کے بھروسہ کی ضرورت نہیں

یعنی آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض (تبلیغ و دعوت وغیرہ) ادا

Marfat.com

کئے جایئے۔ کسی کی مخالفت یا موافقت کی پروانہ کریں۔ فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے کبھی نہ مرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ۝۵۸
اور یاد کر اُس کی خوبیاں اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار

یعنی اسی پر توکل رکھیے اور اسی کی عبادت اور حمد وثنا کرتے رہیے۔

ان مجرموں سے وہ خود نمٹ لے گا

اور جب تیرا پروردگار حی لایموت ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی جس پر کبھی موت نہیں آئے گی جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا مگر خداوند ذوالجلال حي لايموت ہے آپ کے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کر سکے اور آپ ان کی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہیے اور سبحانک اللھم وبحمدک یا سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم پڑھتے رہیے اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے لہٰذا آپ تبلیغ بھی کرتے رہیے اور تسبیح بھی پڑھتے رہیے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پرواہ نہ کیجئے۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے
فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ
چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر

اس کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝۵۹
وہ بڑی رحمت والا سو پوچھ اُس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو

اللہ کی قدر جاننے والے

یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یہ جاہل مشرک اُسے کیا جانیں وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اپنی شئون وکمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے اَنْتَ كَمَا اثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین وآخرین کے تمام علوم جمع کر دیے، خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی اُن سے پوچھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا
اور جب کہیے اُن سے سجدہ کرو رحمٰن کو کہیں
وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝۶۰
رحمٰن کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرمائے اور بڑھ جاتا ہے اُن کا بدکنا

بے قدرے لوگ

یعنی یہ جاہل مشرک رحمان کی عظمتِ شان کو کیا سمجھ سکتے ہیں جن کو اس نام سے بھی چڑ ہے۔ جب یہ نام سنتے ہیں تو انتہائی جہل یا بیحیائی اور تعنت سے ناواقف بن کر کہتے ہیں کہ رحمان کون ہے جس کو ہم سے سجدہ کراتا ہے کیا محض تیرے کہہ دینے سے ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑے غرض جس قدر انہیں رحمان کی اطاعت وانقیاد کی طرف توجہ دلایئے اُسی قدر زیادہ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔

سجدہ فقط اللہ کو ہے

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ کی کسی گلی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کر سجدے کے لائق وہ ہے جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے جس پر کبھی موت نہیں (ابنِ ابی حاتم) اور اس کی تسبیح وحمد بیان کرتا رہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا
بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں بُرج

آسمان کے بُرج

یعنی بڑے بڑے ستارے، یا آسمانی قلعے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ یا ممکن ہے سورج کی بارہ منزلیں مُراد ہوں جو اہلِ ہیئت نے بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آسمان کے بارہ حصے، اُن کا نام بُرج، ہر ایک پر ستاروں کا پتہ، یہ حدیں رکھی ہیں حساب کو۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

حضرت علی اور ابنِ عباس اور محمد بن کعب اور ابراہیم نخعی اور

Marfat.com

سلیمان بن مہران اعمش سے منقول ہے کہ یہ پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمان کی وہ بارہ منزلیں مراد ہیں جو اہلِ ہیئت بیان کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد جس کو لیث بھی کہتے ہیں۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں۔ کہیں شیر کی اور کہیں ترازو کی اور کہیں بچھو کی کہیں مچھلی کی۔ اور آفتاب جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے یہ بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لئے وہ ان ناموں سے موسوم ہوئے، حکماء نے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں اور اس نام کے ساتھ اس کو نامزد کیا کہ جو صورت اس میں نمودار ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

موسموں کی تبدیلی کا نظام

ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس و قمر اور دوسرے ستاروں کے کبھی سامنے آنے اور کبھی غائب ہوجانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب سے پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے عجیب وغریب نظام سے جس میں ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان سب اُمور سے ایک ادنیٰ عقل وبصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یوں ہی خود بخود نہیں چل رہا کوئی اس کو بنانے چلانے والا اور باقی رکھنے والا ہے اور اتنا سمجھنے کے لئے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق اور آلات رصدیہ وغیرہ کی حاجت پڑتی ہے نہ قرآن نے اس کی طرف دعوت دی۔ قرآن کی دعوت صرف اُسی حد تک ان چیزوں میں غور وفکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ اکتشافات اس کی واضح دلیل ہیں کہ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جاسکتا۔ انسانی ضرورت سے متعلقہ تمام فنون، فلکیات، کائنات فضاء ابروباراں، خلا، طبقات الارض، پھر زمین پر پیدا ہونے والی مخلوقات، جمادات نباتات حیوانات سے اور عالم انسان اور انسانی علوم وفنون، تجارت، زراعت صنعت وغیرہ ان سب میں سے قرآن حکیم صرف اُن کی روح اور مشاہداتی حصہ کو اسقدر لیتا ہے جس سے انسان کی دینی یا دُنیوی ضرورت متعلق ہے، دوراز کار تحقیقات کی دلدل میں انسان کو نہیں پھنساتا البتہ کہیں کہیں کسی خاص مسئلے کی طرف اشارہ یا صراحت بھی پائی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن میں سائنسی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار

علماءِ اہلِ حق قدیم وجدید اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآنِ کریم سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اُس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں، اس نظریہ ہی کو مغالطہ قرار دیا جائے گا، البتہ جن مسائل میں قرآنِ کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنے کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہوجائے تو آیتِ قرآن کو بھی اسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے اسی آیت جعل فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا میں ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ ستارے آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضائے آسمانی میں ہیں۔

فیثاغورس کی تحقیق کی تائید

آج کل جبکہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کردیا کہ ان سیارات تک پہنچا جاسکتا ہے تو اس سے فیثاغورسی نظریہ کی تائید ہوگئی کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآنِ کریم اور احادیث صریحہ کی تصریحات کی رُو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے اُن میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس مشاہدے اور تجربے کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائے گا کہ کواکب کو فضائے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوم میں سے ایک کی تعیین ہے۔

غلط دعویٰ

لیکن اگر کوئی سرے سے آسمانوں کے وجود کا انکار کرے جیسے بعض ہیئت جدید والے کہتے ہیں یا کوئی یہ دعویٰ کرے کہ راکٹوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمانوں کے اندر داخلہ ہوسکتا ہے تو ازروئے قرآن اُس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا کیونکہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں یہ بات واضح طور پر بتلائی ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں اور وہ دروازے خاص خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں ان

Marfat.com

دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے۔ آسمانوں میں داخلہ ہر شخص کا جب چاہے نہیں ہوسکتا، اس دعوے کی وجہ سے اُن آیات میں کوئی تاویل نہیں کی جائے گی اور اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح جبکہ قرآن کریم کی آیت كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا تجزیہ

زمانۂ حال کے سب سے بڑے مفسر قرآن سید محمود آلوسی بغدادی جن کی تفسیر روح المعانی علماءِ سلف کی تفاسیر کا بہترین خلاصہ اور عرب و عجم مشرق و مغرب میں مقبول و مستند تفسیر ہے۔

اُن کے پوتے علامہ سید محمود شکری آلوسی نے ان مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے مادل علیه القرآن هما يعضد الهيئة الجَد يدة القويمة البرهَانْ جس میں ہیئت جدیدہ کے نظریات کی تائید قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے مگر دوسرے تجدد پسند علماء کی طرح قرآنی آیات میں کسی قسم کی تاویل کو روا نہیں رکھا۔ اُن کے چند جملے اس جگہ نقل کر دینا کافی ہیں جو ہیئتِ جدیدہ کی تائید میں لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

میں نے ہیئتِ جدیدہ کے بہت سے قواعد کو دیکھا ہے وہ قرآن و سنت کی نصوص کے خلاف نہیں۔ اور اس کے باوجود اگر وہ قرآن وسنت کی کسی نص کے خلاف ہو تو ہم اس کی طرف رُخ نہ کریں گے اور قرآن وسنت کی نصوص میں اس کی وجہ سے تاویل نہ کریں گے کیونکہ ایسی تاویل سلف صالحین کے مذہب مقبول میں نہیں ہے بلکہ ہم اُس وقت یہ کہیں گے کہ جو نظریہ قرآن وسنت کے خلاف ہے اس میں ہی کوئی خلل ہے کیونکہ عقلِ سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

علمِ فلکیات کی تاریخ

فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات اور ہیئات کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں، ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مصر، شام، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کا چرچا قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانچ سو سال پہلے اس فن کا بڑا معلم فیثا غورس گزرا ہے جو اطالیہ کے مدرسہ کروتونا میں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا تھا، اس کے بعد میلاد مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایک سو چالیس سال پہلے اس فن کا دوسرا محقق بطلیموس رومی آیا اور اسی زمانے میں ایک دوسرے فلاسفر ہپیر خوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویئے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔

فیثا غورس اور بطلیموس کے نظریات ہیئتِ افلاک کے متعلق بالکل ایک دوسرے سے متضاد تھے۔ بطلیموس کو اپنے زمانے کی حکومت اور عوام کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کا نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثا غورس کا نظریہ گوشۂ گمنامی میں جا پڑا، اور جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو یہی بطلیموس کا نظریہ ان کتابوں میں منتقل ہوا اور اہلِ علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا پہچانا گیا۔ بہت سے مفسرین نے آیات قرآنیہ کی تفسیر میں بھی یہ نظریہ سامنے رکھ کر کلام کیا۔ گیارہویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی جس میں اقوام یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا اور یورپین محققین نے ان مسائل پر کام کرنا شروع کیا جن میں سب سے پہلے کوپرنک پھر جرمنی مین کیلر اور اطالیہ میں گلیلیو وغیرہ کے نام آتے ہیں انہوں نے ازسرنو ان مباحث کا جائزہ لیا، یہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ ہیئت افلاک کے متعلق بطلیموسی نظریہ غلط اور فیثا غورس کا نظریہ صحیح ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی اور تیرہویں صدی ہجری میں اسحٰق نیوٹن کی شہرت ہوئی، اس کی تحقیقات و ایجادات نے اس کو مزید تقویت پہنچائی، اس نے یہ تحقیق کی کہ وزنی چیزیں اگر ہوا میں چھوڑی جائیں تو ان کے زمین پر آگرنے کا سبب وہ نہیں جو بطلیموسی نظریہ میں بتلایا گیا ہے کہ زمین کے وسط میں مرکزِ عالم ہے اور تمام وزنی چیزیں مرکز کی طرف فطرۃً رجوع کرتی ہیں بلکہ اُس نے بتلایا کہ جتنے ستارے اور سیارات ہیں سب میں ایک جذب و کشش کا مادہ ہے زمین بھی اسی طرح کا ایک سیارہ ہے اس میں بھی کشش ہے۔ جس حد تک زمین کی کشش کا اثر رہتا ہے وہاں سے ہر وزنی چیز زمین پر آئے گی لیکن اگر کوئی چیز اس کی کشش کے دائرہ سے باہر نکل جائے تو وہ پھر نیچے نہیں آئے گی۔

ابوریحان البیرونی کی تحقیقات پر راکٹ کی ایجاد

حال میں روسی اور امریکی ماہرین نے قدیم اسلامی فلاسفر ابو ریحان محمد البیرونی کی تحقیقات کی امداد سے راکٹ وغیرہ ایجاد کر کے اس کا عملی تجربہ اور مشاہدہ کر لیا کہ راکٹ جب اپنی شدید قوت اور تیز رفتاری کے سبب زمین کی کشش کو توڑ کر اس کے دائرہ سے باہر نکل گیا تو پھر یہ نیچے نہیں آتا بلکہ ایک مصنوعی سیارے کی صورت اختیار کر لیتا اور اپنے مدار پر چکر لگاتا ہے۔ پھر ان مصنوعی سیاروں کا تجربہ کرتے کرتے

Marfat.com

اس کے ماہرین نے سیارات تک پہنچنے کی تدبیریں شروع کیں اور بالآخر چاند پر پہنچ گئے جس کی تصدیق اس زمانے کے تمام ماہرین فن موافق ومخالف نے کی اوراب تک چاند پر بار بار جانے وہاں کے پتھر، خاک وغیرہ لانے اور اس کے فوٹو مہیا کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ دوسرے سیارات تک پہنچنے کی بھی کوششیں ہورہی ہیں اور خلانوردی خلا پیمائی کی مشقیں جاری ہیں۔

خلائی سفر

ان میں سے امریکن خلانورد جان گلین جو کامیابی کے ساتھ خلا کا سفر کرکے واپس آیا اوراس کی کامیابی پراس کے موافق ومخالف سبھی نے اعتماد کیا، اس کا ایک بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ میں اوراس کا اُردو ترجمہ امریکہ کے اُردو ماہنامہ سیربین میں مفصل شائع ہوا ہے یہاں اس کے اہم اقتباسات ماہنامہ سیربین سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے ہمارے زیر بحث مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے جان گلین نے اپنے طویل مقالہ میں خلاء کے عجائب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''یہی وہ ایک واحد شئ ہے جو خلاء میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز ومحور سے وابستہ رکھتی ہے۔'' آگے لکھا ہے کہ:

''اُس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اُس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔ سائنسی اصطلاحات و پیمانوں میں خلائی پیمائش ناممکن ہے۔''

قطب نما کے پس پردہ قوت

آگے ہوائی جہاز کی مشینی قوت کا تذکرہ کرکے لکھا ہے کہ:

''لیکن ایک یقینی اور غیر محسوس قوت کے بغیر اس کا استعمال بھی محدود اور بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے اس لئے کہ جہاز کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تعین رُخ کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کام قطب نما سے لیا جاتا ہے۔ وہ قوت جو قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ہمارے تمام حواس خمسہ کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کا ظہور اس پر واضح دلالت کررہا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔''

آگے سب سیر وسفر کے نتیجہ کے طور پر لکھتا ہے:

''عیسائیت کے اُصول ونظریات کی حقیقت بھی ٹھیک یہی کچھ ہے۔ اگر ہم ان کو اپنا رہنما بنائیں تو باوجود یہ کہ ہمارے حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں لیکن اس رہنما قوت کے نتائج وتاثرات اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی زندگیوں میں کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جانتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔''

یہ ہیں خلاء کے مسافروں اور سیارات پر کمند پھینکنے والوں کی کمائی کے حاصلات۔

نظامِ کائنات کا پیغام

بس حاصل اتنی بات ہوئی کہ یہ سب نظامِ کائنات اور نجوم و سیارات خود بخود نہیں، بلکہ کسی عظیم اور غیر محسوس طاقت کے زیرِ فرمان چل رہے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پہلے قدم پر عام انسانوں کو بتلا دیا تھا اور قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اسی چیز کا یقین دلانے کے لئے آسمان وزمین، نجوم وسیارات وغیرہ کے حالات پر غور وفکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ جس طرح زمین میں بیٹھ کر آسمانی فضاؤں اور نجوم وسیارات کی تحقیقات وہیات پر فلسفیانہ بحثیں کرنے والے ان چیزوں کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور بالآخر اپنے عجز وبے بسی کا اعتراف کیا، اسی طرح یہ زمین سے لاکھوں میل اُوپر کا سفر کرنے والے اور چاند کے پتھر اور مٹی اور وہاں کے فوٹو لانے والے بھی حقیقت شناسی کے میدان میں کچھ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

بزرگانِ سلف نے یہ نصیحت فرمائی ؎

زباں تازہ کردن باقرارِ تو — نینگیختن علت ازکارِ تو
مہندس بسے جویدازِ راز شاں — نداند کہ چُوں کردی آغازِ شاں

صوفیائے کرام جو نظر کشفی سے ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کا فیصلہ بھی انجام کار وہی ہے جو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

چہ شبہا یشستم دریں سیر گم — کہ حیرت گرفت آستینم کہ تُم

حافظ شیرازی نے اپنی لے میں فرمایا۔

سخن از مطرب ومی گوئی وراز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمارا

اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات افلاک وفضاء اور کائنات ارضی میں غور وفکر اس حیثیت سے کہ اُن سے پیدا کرنے والے کے وجود

Marfat.com

اور توحید اور اس کی بے مثال علم وقدرت پر استدلال کیا جاسکے عین مقصود قرآنی ہے اور قرآن جابجا اس کی دعوت دے رہا ہے۔

تجربات ومشاہدات سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کو قرآن کے منافی کہنا بھی صحیح نہیں۔ چاند کے اوپر پہنچنا، رہنا بسنا اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اُٹھانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں ان میں سے کوئی چیز مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو جائے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ مخواہ اس کے تصورات باندھنا اور اس میں عمر عزیز کے اوقات صرف کرنا بھی کوئی دانشمندی نہیں۔ واللہ سُبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا
اور رکھا اس میں چراغ

آسمان کا چراغ

یعنی سورج، شاید نور وحرارت کے جمع ہونے اور صفت احراق رکھنے کی وجہ سے اس کو چراغ فرمایا۔ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح-رکوع۱)

وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً
اور چاند اُجالا کرنے والا اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے سدلتے

رات ودن کا نظام

گھٹنے بڑھنے یا آنے جانے کو بدلنا سدلنا فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے مثلاً دن کا کام رہ گیا، رات کو کر لیا اور رات کا وظیفہ رہ گیا، دن میں پورا کر دیا۔ کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

خِلْفَةً یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی لئے اگر کسی سے دن یا رات کا کوئی عمل فوت ہو گیا ہو تو دن کے عمل کو رات میں اور رات کے عمل کو دن میں ادا کر سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا آج میری رات کی نماز فوت ہو گئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رات کو جو نماز فوت ہو گئی اس کو دن میں (پورا) کر لو۔ اللہ نے فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ

حسن راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی کسی نے دریافت کیا آج آپ نے وہ بات کی جو اس سے پہلے آپ نہیں کرتے تھے فرمایا میرا رات کا کچھ وظیفہ آج رہ گیا تھا میں اس کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ یا فرمایا۔ میں نے اس کو ادا کرنا چاہا، اس کے بعد آپ نے آیت وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾
اس شخص کے واسطے کہ چاہے دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا

بدلتے حالات کا سبق

یعنی چاند، سورج وغیرہ کا اُلٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لئے ہے اُس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سُراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات وتقلبات عظیمہ اُسی کے دستِ قدرت کی کارسازیاں ہیں۔ اور رات دن کے فوائد وانعامات کو دیکھ کر اُس کی شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رحمٰن کے مخلص بندے جن کا ذکر آگے آتا ہے، ایسا ہی کرتے ہیں۔

صحیح حدیث شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کر لے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گنہگار توبہ کر لے۔

خِلْفَة کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف یعنی دن روشن رات تاریک اس میں اُجالا اس میں اندھیرا یہ نورانی وہ ظلماتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا
اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں

اللہ کے سچے بندے

یعنی مشرکین کی طرح رحمان کا نام سن کر ناک بھوں نہیں چڑھاتے بلکہ ہر فعل وقول سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کی چال ڈھال سے تواضع، متانت، خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریاء وتصنع سے بیماروں کی طرح قدم اُٹھاتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رفتار احادیث میں منقول ہے، اس کی تائید نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مقصود ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو رحمٰن کی عبادت میں ڈوبے ہوئے ہیں (گویا حقیقت میں یہ ہی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں) اس صورت

Marfat.com

میں عباد عابد کی جمع ہے جیسے تجار تاجر کی جمع ہے۔ اللہ کے دوسرے نام اس جگہ ذکر نہیں کئے صرف الرحمٰن کا ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے ان سے اپنی رحمتِ کاملہ کا وعدہ کرلیا ہے اور یہ بھی مخلوقِ خدا پر کامل طور پر مہربان ہیں (جب رحمان کے پرستار ہیں تو خود بھی ان کا رحیم ہونا ضروری ہے)

یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی تواضع اور فروتنی کے ساتھ پروقار پر سکون چال سے چلتے ہیں ان کی چال میں نہ غرور ہے نہ اترانا۔ لغت میں ہَون کا معنی ہے نرمی، صاحب قاموس نے ہَون کا معنی لکھا ہے وقار (سنجیدگی) یہی معنی مراد ہیں اس قولِ رسول میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، مؤمن نرم رفتار اور پروقار ہوتا ہے اتنا کہ انتہائی نرمی کی وجہ سے تم اس کو احمق خیال کرنے لگتے ہو۔ رواہ البیہقی بسند ضعیف عن ابی ہریرہؓ۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو اکڑ کر چلتے دیکھا فرمایا جس چال میں غرور ہو وہ بُری ہے سوائے جہاد کے (جب دشمنوں کا مقابلہ ہو) اللہ نے کچھ لوگوں کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ ـــــ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا تک۔ پس تو اپنی چال میں درمیانی صورت اختیار کر۔ (نہ زیادہ جھک کر چل نہ اکڑ کر)

یہاں ان مخصوص بندوں کو اپنا بندہ فرما کر ان کو اعزازی لقب دینا تھا مگر اپنی طرف نسبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سب اسماء حسنیٰ اور صفات کمال میں سے اس جگہ لفظ رحمٰن کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ مقبولین کی عادات وصفات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی ترجمان اور مظہر ہونا چاہئیں اس کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے۔

مقبول بندوں کی مخصوص صفات وعلامات

آیات مذکورہ میں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات و علامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ ورسول کے احکام اور مرضی کی پابندی۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت، رات دن کی عبادت گزاری کے ساتھ خوفِ خدا۔ تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اپنی اولاد و ازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

ان کا سب سے پہلا وصف عباد ہونا ہے عباد عبد کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات واعمال آقا کے حکم ومرضی پر دائر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہوسکتا ہے جو اپنے عقائد وخیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت وسکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجالاؤں۔

دوسری صفت یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی چلتے ہیں وہ زمین پر تواضع کے ساتھ لفظ ہَون کا مفہوم اس جگہ سکینت ووقار اور تواضع ہے کہ اکڑ کر نہ چلے، قدم متکبرانہ انداز سے نہ رکھے بہت آہستہ چلنا مراد نہیں، کیونکہ وہ بلا ضرورت ہو تو خلافِ سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی جو صفت شمائلِ نبویہ میں منقول ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا۔ حدیث میں ہے کانما الارض تطوی لہٗ یعنی آپ ایسا چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سمٹتی ہے (ابن کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے بتکلف مریضوں کی طرح آہستہ چلنے کو علامتِ تکبر وتصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے، پوچھا، کیا تم بیمار ہو۔ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے اس پر دُرہ اُٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو (ابن کثیر)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا کی تفسیر میں فرمایا کہ مؤمنین مخلصین کے تمام اعضاء و جوارح آنکھ، کان، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے سامنے ذلیل وعاجز ہوتے ہیں ناواقف اُن کو دیکھ کر معذور عاجز سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ بیمار ہیں نہ معذور بلکہ تندرست قوی ہیں مگر اُن پر حق تعالیٰ کا خوف ایسا طاری ہے جو دوسروں پر نہیں ہے۔ اُن کو دنیا کے دھندوں سے آخرت کی فکر نے روکا ہوا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کی ساری فکر دُنیا ہی کے کاموں میں لگی رہتی ہے تو وہ ہمیشہ حسرت ہی حسرت میں رہتا ہے (کہ دنیا تو ساری ملتی نہیں اور آخرت میں اُس نے حصہ نہیں لیا) اور جس شخص نے اللہ کی نعمت صرف کھانے پینے کی ہی چیزوں کو سمجھا ہے اور اعلیٰ اخلاق کی طرف دھیان نہیں دیا، اُس کا علم بہت تھوڑا ہے اور عذاب اُس کے لئے تیار ہے۔ (از ابن کثیر ملخصاً)

بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو اکبر الکبائر فرمایا ہے۔

Marfat.com

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

اور جب بات کرنے لگیں اُن سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت

جاہلوں سے سلوک

یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو وصلح سے دیتے ہیں۔ جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ اُن میں شامل ہوں نہ اُن سے لڑیں۔ اُن کا شیوہ وہ نہیں جو جاہلیت میں کسی نے کہا تھا

اَلَا لَا یَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِیْنَا

یہ تو رحمان کے ان مخلص بندوں کا دن تھا، آگے رات کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مروی ہے کہ حسن بصری نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا یہ تو ان کی دن کی حالت ہوتی ہے (اور رات میں حالت وہ ہوتی ہے جو آئندہ آیت میں بیان کی گئی ہے) (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾

اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے

رات کی عبادت گذاری

یعنی رات کو جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں۔ رکوع چونکہ قیام وسجود کے درمیان واقع ہے، شاید اسی لئے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا۔ گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾ اور وہ لوگ جو رات کو اپنے رب کے سامنے سجدے کرتے اور کھڑے رہتے ہیں۔

حسن نے فرمایا، یہ حالت ان کی رات کو ہوتی ہے، عبادت کے لئے رات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ رات کی عبادت زیادہ دشوار ہوتی ہے ریاکاری کا بھی اس میں شائبہ نہیں ہوتا خضوع قلب اور زبان سے دل کی موافقت خوب ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دن دوسری قسم کی عبادتوں کے لئے مخصوص ہے (جو عام طور پر رات کو ادا نہیں کی جاسکتیں) مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کرنا تعلیم وتعلم اور ہدایت کرنے اور ہدایت پانے کے لئے نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت (وغیرہ)

رات کی نماز کی فضیلت

سُجَّدًا ساجد کی جمع ہے اور قیام قائم کی یا قیام مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، نماز شب (کی فضیلت) کے متعلق حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے سردار حاملین قرآن اور نماز شب ادا کرنے والے ہیں۔ (رواہ البیہقی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیام شب کا التزام کرو یہ گزشتہ صلحاء کی عادتِ جاریہ ہے رب سے قربت حاصل کرنے گناہوں کو ساقط کرنے اور (آئندہ) گناہ سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں ہیں جن کی طرف دیکھ کر اللہ ہنستا (یعنی اظہار پسندیدگی فرماتا) ہے۔ (۱) اس آدمی کو دیکھ کر جو رات میں اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ (۲) ان لوگوں کو دیکھ کر جو نماز میں صف بند ہوتے ہیں۔ (۳) ان لوگوں کو دیکھ کر جو دشمن کے مقابلے میں لڑنے کے لئے صفیں قائم رکھتے ہیں۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے عشاء (کی نماز) کے بعد دو رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھ لیں (تو گویا) اس نے رات بھر اللہ کے سامنے سجدہ اور قیام میں گزاری، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا۔ (رواہ مسلم واحمد) (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ

اور وہ لوگ کہ کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب

جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ

بیشک اُس کا عذاب چمٹنے والا ہے وہ بُری جگہ ہے

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾

ٹھہرنے کی اور بُری جگہ رہنے کی

Marfat.com

خوفِ آخرت

یعنی اتنی عبادت پر اتنا خوف بھی ہے۔ یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھ کر خدا کے عذاب وقہر سے بے فکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے عملوں پر بھروسہ نہ کر بیٹھو

حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی (یعنی حضرت داؤد) کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے اطاعت گزار بندوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں کیونکہ قیامت کے دن حساب فہمی کے وقت میں جس بندے کو کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (بتقاضاء عدل) اس کو عذاب دوں گا اور میرے نافرمان بندوں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی مغفرت سے ناامید نہ ہوں) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ (اگر چاہوں گا تو اپنی رحمت سے) بخش دوں گا اور مجھے پروا نہیں ہے (نہ کسی کو عذاب دینے نہ بخش دینے کی) رواہ ابونعیم (تفسیر مظہری)

جہنم کے گڑھے

حضرت عُبید ابن عمیر فرماتے ہیں کہ جہنم میں گڑھے ہیں کنوؤں جیسے ان میں سانپ ہیں جیسے بختی اُونٹ اور بچھو ہیں جیسے خچر جب کسی جہنمی کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے تو وہاں سے نکل کر آتے اور انہیں لپٹ جاتے ہیں ہونٹوں پر سروں پر جسم کے اور حصوں پر ڈستے اور ڈنک مارتے ہیں جس سے ان کے سارے بدن میں زہر پھیل جاتا ہے اور پھٹکنے لگتے ہیں۔ سارے سر کی کھال جھلس کر گر پڑتی ہے پھر وہ سانپ چلے جاتے ہیں۔

جہنمیوں کی آہ وزاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنمی ایک ہزار سال تک جہنم میں چلاتا رہے گا۔ یاحَنَّان یَامَنَّان تب اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل سے فرمائے گا جاؤ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ آ کر دیکھیں گے کہ سب جہنمی بُرے حال سر جھکائے آہ وزاری کر رہے ہیں جا کر جنابِ باری تعالیٰ میں خبر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر جاؤ فلاں فلاں جگہ یہ شخص ہے جاؤ اور اسے لے آؤ۔ آپ بحکمِ خدا تعالیٰ جائیں گے اور اسے لا کر خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ تو کیسی جگہ ہے؟ یہ جواب دے گا کہ خُدایا ٹھہرنے کی بھی بُری جگہ اور سونے بیٹھنے کی بھی بدترین جگہ ہے۔

خدا تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب اسے اس کی جگہ واپس کر آؤ۔ تو یہ گڑ گڑائے گا عرض کرے گا کہ اے میرے ارحم الراحمین خدا! جب کہ تو نے مجھے اس سے باہر نکالا تو تیری ذات ایسی نہیں کہ پھر مجھے اس میں داخل کر دے مجھے تو تجھ سے رحم وکرم کی ہی اُمید ہے۔ خدایا بس اب مجھ پر کرم فرما۔ جب تو نے مجھے جہنم سے نکالا تو میں خوش ہو گیا تھا کہ اب تو اس میں نہ ڈالے گا۔ اس مالک ورحمٰن ورحیم خدا کو بھی رحم آ جائے گا اور فرمائے گا اچھا میرے بندے کو چھوڑ دو۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا
اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی کریں
وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾
اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران

خرچ میں میانہ روی

یعنی موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ نہ مال کی محبت نہ اُس کی اضاعت۔ کما قال تعالیٰ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اپنی گزران میں میانہ روی کرنا انسان کی سمجھداری کی دلیل ہے اور حدیث میں ہے جو افراط تفریط سے بچتا ہے وہ کبھی فقیر ومحتاج نہیں ہوتا۔ بزار کی حدیث میں ہے کہ امیری میں فقیری میں عبادت میں درمیانہ روی بڑی ہی بہتر اور احسن چیز ہے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ راہِ خدا میں کتنا ہی چاہو دو اس کا نام اسراف نہیں ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہؒ فرماتے ہیں جہاں کہیں تو حکمِ خدا تعالیٰ سے آگے بڑھ جائے وہی اسراف ہے اور بزرگوں کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ اسراف ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کھانے پینے کا مقصد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مزے اور لذت کے لئے کھانا نہیں کھاتے تھے نہ آرائش وزیبائش کے لئے لباس پہنتے تھے بلکہ کھانا کھانے سے ان کا مقصد تھا بھوک کو دور کرنا اور عبادت رب کے لئے قوت حاصل کرنا اسی طرح لباس سے ان کی غرض تھی قابل ستر حصہ بدن کو چھپانا اور سردی گرمی سے جسم کی حفاظت کرنی۔ حضرت عمر بن

Marfat.com

خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی کو جو چیز پسند آئے وہ خریدے۔ (از مفسر رحمہ اللہ) (تفسیر مظہری)

محتاجی سے تحفظ

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَاعال من اقتصد، یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ وہ کبھی فقیر و محتاج نہیں ہوتا۔ (رواہ الامام احمد۔ ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو
وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ
اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے مگر جہاں چاہیے

مثلاً قتل عمد کے بدلہ قتل کرنا، یا بدکاری کی سزا میں زانی محصن کو سنگسار کرنا، یا جو شخص دین چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے اس کو مار ڈالنا، یہ سب صورتیں اِلَّا بِالْحَقِّ میں شامل ہیں۔ (کما ورد فی الحدیث)

وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾
اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں ☆

اثام

یعنی بڑا سخت گناہ کیا جس کی سزا مل کر رہے گی بعض روایات میں آیا کہ "آثام" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں بہت ہی ہولناک عذاب بیان کئے گئے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا گناہ

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب سے بڑا کون سا گناہ ہے فرمایا، اللہ کی مثل دوسرے کو قرار دینا حالانکہ اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے، فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے فرمایا، اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔

ابن جریر، طبرانی اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی پتھر جس کا وزن دس اوقیہ ہو جہنم کے کنارہ سے (اندر کی طرف) پھینکا جائے تو ستر برس میں غی و اثام تک پہنچے گا۔ راوی کا بیان ہے میں نے عرض کیا غی اور اثام کیا ہیں فرمایا، جہنم کی تلی میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ، لہو بہہ کر جاتا ہے انہی دونوں کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور فرمایا ہے؟ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ... وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (تفسیر مظہری)

فنائے قلب کا مقام

میں کہتا ہوں آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے شاید فناء قلب کی طرف اشارہ ہے، فناء قلب کے بعد آدمی سوائے خدا کے کسی چیز کا قصد نہیں کرتا، اللہ کے سوا اس کو نہ کسی سے کوئی امید رہتی ہے نہ خوف، اللہ ہی اس کا مقصود ہو جاتا ہے اور جو مقصود ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے بلکہ اس کو اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں دکھائی دیتی کیونکہ حقیقی وجود اللہ کا ہے دوسری چیزوں کا حقیقی وجود نہیں (بلکہ وجود حقیقی کا ایک پرتو اور سایہ ہے) صرف اللہ ہی کا اصل وجود ہے، ذات الٰہی کا تقاضا ہے وجود۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾
دونا ہوگا اُس کا عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اُس میں خوار ہو کر

یعنی اور گناہوں سے یہ گناہ بڑے ہیں۔ عذاب بھی ان پر بڑا ہوگا اور دم بدم بڑھتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ
مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو اُن کو
يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾
بدل دے گا اللہ بُرائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

توبہ کا فائدہ

یعنی گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق دے گا اور کفر کے گناہ معاف کرے گا۔ یا یہ کہ بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے اُن کی تعداد کے مناسب نیکیاں ثبت فرمائے گا۔ کما یظهر من بعض الاحادیث۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے اسلام میں کئے ہوئے بُرے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یہی قول سعید بن مسیب مکحول ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت

Marfat.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مروی ہے اس کی تائید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک آدمی کو (حساب کے لئے) لایا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے اور اس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے وہ چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں (کی پیشی) کا اندیشہ کرتا رہے گا حکم ہوگا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے دو وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے یہاں دکھائی نہیں دیتے۔ راوی کا بیان ہے یہ فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنس پڑے کہ کچلیاں نظر آنے لگیں رواہ مسلم۔

ابن ابی حاتم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک شخص کو اس کا اعمالنامہ دیا جائے گا جونہی وہ اعمالنامہ کا بالائی حصہ پڑھے گا تو اس کے خیالات برے ہونے لگیں گے (لیکن) وہ یکدم اعمالنامہ کے نیچے کے اندراجات کو دیکھے گا تو اس میں اس کو اپنی نیکیاں دکھائی دیں گی پھر جو بالائی حصہ کو دیکھے گا تو اس میں مندرجہ برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو چکی ہوں گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگوں کو بھی اللہ (موقف میں) لائے گا جو دل سے خواہشمند ہوں گے کہ انہوں نے (کاش) گناہ بہت کئے ہوتے دریافت کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا جن کی بُرائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئی ہوں گی۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ آئے کہ گناہ جیسی ناپسندیدہ چیز نیکی میں کیسے بدل سکتی ہے تو اس کا دو طرح سے ازالہ ہو سکتا ہے۔

گناہ پر نیک بندوں کی ندامت

اللہ کے نیک بندوں سے اگر بتقدیر الٰہی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ان کو انتہائی پشیمانی ہوتی ہے اتنی کہ خود ان کو اپنی جان ذلیل معلوم ہونے لگتی ہے، فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں زاری کرتے ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، معافی کے طلبگار ہوتے ہیں آخر رحمتِ الٰہی کی ان پر اتنی اور ایسی بارش ہونے لگتی ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تو اس رحمت کا نزول ان پر نہ ہوتا اور اس مرتبے پر نہ پہنچتے حاصل یہ کہ گناہ جو موجب عذاب تھا، ندامت و استغفار کے بعد سبب ثواب بن جاتا ہے اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اگر تم نے گناہ نہ کئے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ سے معافی کے طلبگار ہوں گے اور اللہ ان کو معاف کر دے گا۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ماعز بن مالک کیلئے دعائے مغفرت کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک گروہ کو تقسیم کر دی جائے تو سب کو اپنے اندر سما لے (سب کی مغفرت کے لئے کافی ہو جائے)

ایک خاتون کی توبہ

ایک عورت قبیلہ غامد میں کی تھی اس سے فعلِ زنا سرزد ہو گیا اس نے بھی حاضر ہو کر سزائے زنا جاری کرنے کی درخواست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند ٹالنا چاہا مگر وہ نہ مانی آخر اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرا دیا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس غامدیہ عورت کے متعلق کچھ ناشائستہ الفاظ کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالد زبان روک قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ٹیکس والا بھی کرے تو اس کی بھی مغفرت ہو جائے (ٹیکس وہ ٹیکس جو عُشر کے بہانہ سے سرکاری آدمی سوداگروں سے وصول کر لیتے تھے یہ ٹیکس بیرونی سوداگروں سے دھوکہ دے کر لیا جاتا تھا۔ (مجمع البحار۔ رواہ مسلم فی قصۃ ماعز والغامدیۃ عن بریدۃ)

یہی روح ہے اس قول کی کہ جس گناہ کا آغاز غفلت اور انجام ندامت (و توبہ) ہو وہ اس طاعت سے بہتر ہے جس کا آغاز فخر اور انجام ریاکاری ہو۔

اہل محبت کے بعض اعمال و اقوال

بحر محبت میں ڈوبنے والوں سے کبھی کبھی کوئی ایسا عمل یا قول سرزد ہو جاتا ہے جو معیارِ شریعت سے گرا ہوا ہوتا ہے جیسے رہبانیت (ترک لذائذ، ترک تعلقات ترکِ کل) سماع، وجد اور شطحیات (غیر شرعی کلمات) چونکہ ان امور کا ان سے صدور خالص محبت و عشق کے زیر اثر ہوتا ہے اس لئے ان کی ان ظاہری لغزشوں کو اللہ نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔

عارف رومی نے فرمایا ہے۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود — کفر گیرد کاملے ملت شود
کار پاکان را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

Marfat.com

اوبدل گشت و بدل شد کاراو لطف گشت و نور شد ہر ناراو

شاید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ (قیامت کے دن بعض لوگوں کے متعلق حکم ہوگا کہ) اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائے جائیں گے اور پوشیدہ گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے گا۔ اس سے اشارہ ہمارے مذکورۂ بالا قول کی طرف ہے کیونکہ کاملوں سے جو ان امور کا صدور ہوتا ہے وہ غلبۂ محبت کے زیر اثر ہوتا ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے ان کو چھوٹے گناہ کہا جا سکتا ہے کبیرہ گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا چونکہ ان صغیرہ گناہوں کا اصل سر چشمہ (ارادۂ معصیت نہیں بلکہ) غلبۂ محبت ہوتا ہے اس لئے اللہ ان کو نیکیاں بنا دے گا رہے کبیرہ گناہ جو بقضاء خداوندی کبھی کبھی ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کو پوشیدہ رکھا جائے گا اور معاف کر دیا جائے گا ذکر بھی نہیں کیا جائے گا جیسا کہ آئندہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے چھوٹے بڑے سب گناہوں کو بخشدے گا توبہ کے بعد بھی اور بغیر توبہ کے بھی۔

سونے کا وظیفہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب انسان سوتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے مجھے اپنا صحیفہ جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہیں دے وہ دے دیتا ہے تو ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس گناہ وہ اس کے صحیفے سے مٹا دیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ دیتا ہے پس تم میں سے جو بھی سونے کا ارادہ کرے وہ تینتیس دفعہ اللہ اکبر اور چونتیس دفعہ الحمدللہ کہے اور تینتیس دفعہ سُبحان اللہ کہے یہ مل کر سو ۱۰۰ مرتبہ ہو گئے۔

برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کو قیامت کے دن نامۂ اعمال دیا جائے گا وہ پڑھنا شروع کرے گا تو اوپر اس کی بُرائیاں درج ہوں گی جنہیں پڑھ کر یہ کچھ ناامید سا ہونے لگے گا۔ اسی وقت اس کی نظر نیچے کی طرف پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا جس سے کچھ ڈھارس بندھے گی۔ اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا تو وہاں کی بُرائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلا ہوا پائے گا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے آئیں گے جن کے پاس بہت کچھ گناہ ہوں گے پوچھا گیا کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جن کی بُرائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔

چار قسم کے جنتی

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جنتی جنت میں چار قسم کے جائیں گے۔ متقین یعنی پرہیزگاری کرنے والے پھر شاکرین یعنی شکر خدا کرنے والے پھر خائفین یعنی خوف خدا رکھنے والے پھر اصحابِ یمین جن کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملے ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب دیا اس لئے کہ انہوں نے نیکیاں بدیاں سب کچھ کی تھیں ان کے عمل نامے ان کے داہنے ہاتھ میں ملے اپنی بدیوں کا ایک ایک حرف پڑھ کر یہ کہنے لگا کہ خدایا ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ یہاں تو سب بدیاں لکھی ہوتی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدیوں کو مٹا دے گا اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دے گا انہیں پڑھ کر خوش ہو کر اب تو یہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ہمارے عمل نامے دیکھو۔ جنتیوں کے اکثر یہی ہوں گے۔ علی بن حسین زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنا آخرت میں ہوگا مکحولؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشے گا اور انہیں نیکیاں کر دے گا۔

ایک بوڑھے گناہ گار کا واقعہ

حضرت مکحول رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی کہ ایک بہت بوڑھے ضعیف آدمی جن کی بھویں آنکھوں پر آ گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی غداری کوئی گناہ کوئی بدکاری باقی نہیں چھوڑی میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں تو سب کے سب غضب خدا میں گرفتار ہو جائیں۔ کیا میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہے؟ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اللہ تعالیٰ تیری تمام بُرائیاں گناہ بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری بُرائیاں بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں سب کے سب۔ پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر و تہلیل، پکارتا ہوا لوٹ گیا، رضی اللہ عنہ۔ (ابن جریر)

Marfat.com

ایک خاتون کا واقعہ

ایک عورت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور دریافت فرمایا کہ مجھ سے بدکاری ہوگئی اس سے بچہ ہوگیا میں نے اسے مارڈالا اب کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوسکتی ہیں نہ خدا تعالیٰ کے ہاں تیری بزرگی ہوسکتی ہے تیرے لئے توبہ ہرگز نہیں، وہ روتی پیٹتی واپس چلی گئی۔ صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس سے بہت ہی بُری بات کہی کیا تو ان آیتوں کو قرآن میں نہیں پڑھتا وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ سے اِلَّا مَنْ تَابَ تک۔ مجھے بڑا ہی رنج ہوا اور میں لوٹ کر اس عورت کے پاس پہنچا۔ اور اسے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں وہ خوش ہوگئی اور اسی وقت سجدے میں گر پڑی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے چھٹکارے کی صورت پیدا کردی (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا پہلا فتویٰ سن کر وہ حسرت وافسوس کے ساتھ یہ کہتی ہوئی واپس چلی کہ ہائے ہائے یہ اچھی صورت کیا جہنم کے لئے بنائی گئی تھی؟ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس عورت کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے۔ تمام مدینہ اور ایک ایک گلی چھان ماری لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ اتفاق سے رات کو وہ عورت پھر آئی تب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں صحیح مسئلہ بتلایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے کی صورت بنائی اور میری توبہ کی قبولیت رکھی۔ یہ کہہ کر اس کے ساتھ جو لونڈی تھی اسے آزاد کردیا اس لونڈی کے ایک لڑکی بھی تھی اور سچے دل سے توبہ کرلی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ

مسلمان گناہ گار کی توبہ

پہلے ذکر تھا کافر کے گناہوں کا جو پیچھے ایمان لے آیا۔ یہ ذکر ہے اسلام میں گناہ کرنے کا۔ وہ بھی جب توبہ کرے یعنی پھرے بُرے کام سے تو اللہ کے یہاں جگہ پائے۔ معلوم ہوا کہ سورۂ نساء میں جو فرمایا وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء رکوع ۱۳) وہ غیر تائب کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمَنْ تَابَ اور جس نے توبہ کی۔ یعنی شرک ومعاصی سے توبہ کی۔ شرک اور گناہ کو چھوڑ دیا اور ندامت کے ساتھ معافی کا طلبگار رہا۔

مَتَابًا کی تنوین بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک تعظیم کے لئے اور توبہ کی ترغیب کے لئے ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ کی طرف ایسا عظیم الشان رجوع کرتے ہیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہے عذاب کو مٹا دینے والا اور حصولِ ثواب کا ذریعہ ہے بعض علماء نے کہا اللہ کی طرف لوٹنے سے مراد ہے اللہ کے ثواب کی طرف لوٹنا اور یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ جن گناہوں سے اجتناب کرنے کی سابق آیت میں صراحت کی گئی ہے اس آیت میں ان گناہوں سے توبہ مقصود نہیں ہے دوسری قسم کی توبہ اور رجوع مقصود ہے۔ یعنی جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور فرائض کو ادا کیا اور قتل و زناء کا ارتکاب نہیں کیا اس کا رجوع مرنے کے بعد اللہ کی طرف بحسن و خوبی ہوگا۔ قتل وزناء کا ارتکاب کرنے والوں سے قتل وزنا نہ کرنے والوں کا رجوع بہتر حالت میں ہوگا، اس صورت میں پہلی توبہ جس کا ذکر وَمَنْ تَابَ میں کیا گیا ہے جزا ہوگی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت تمام گناہوں سے توبہ کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص توبہ کرنے کا ارادہ کرے اور عزم کرچکا ہو تو اس کو لوجہ اللہ توبہ کرنا چاہیئے فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اگرچہ خبر ہے لیکن بمعنی امر ہے۔ بعض نے کہا (یتوب میں توبہ بمعنی رجوع ہے) مطلب یہ ہے کہ آخر اللہ کی طرف لوٹنا اور منتقل ہونا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی صوفیانہ توجیہ

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ میں وہ تائب مراد ہوں جن سے غلبۂ حال اور سکر ومحبت کے زیر اثر کچھ ایسی لغزشیں ہوگئی ہوں جو غیر شرعی ہوں معیار شرع پر پوری نہ اترتی ہوں پھر اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ ان کی لغزشوں کو نیکیوں میں تبدیل کردے تو اس آیت میں وہ نیک بندے مراد ہوسکتے ہیں جن سے کوئی غیر شرعی حرکت سرزد نہیں ہوئی نہ سکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے نہ حالت صحو میں بلکہ ان بندوں نے تمام مکروہات وممنوعات شرعیہ سے رجوع کرلیا اور کبھی کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، ان اصحاب صحو کا رجوع اللہ کی طرف اصحاب سکر

Marfat.com

سے بہتر ہوگا جیسے نقشبندیہ ہیں جو بالکل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نمونہ ہیں اور صحابہ کی طرح سنت کے پیرو ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ
اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں

جھوٹ سے پرہیز

یعنی نہ جھوٹ بولیں نہ جھوٹی شہادت دیں۔ نہ باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے گواہ کی سزا

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جھوٹے گواہ کے چالیس تسمے (کوڑے) مارے جائیں اور منہ کالا کر کے بازار میں گھمایا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انہی احکام کی روشنی میں امام مالک، امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جھوٹے گواہ کو (کوڑے) مارنے کی تعزیری سزا دی جائے اور اس کی قوم کے سامنے لے جا کر اس کو کھڑا کیا جائے تا کہ وہ بھی پہچان جائیں کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔ امام مالک نے اتنا زائد فرمایا کہ مسجدوں اور بازاروں میں اس کو حاضر کیا جائے۔

گناہ کبیرہ

مذکورۂ بالا ائمہ نے فرمایا کہ جھوٹی شہادت گناہ کبیرہ ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت انس کی روایت سے شیخین نے صحیحین میں نقل کیا ہے بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے بڑے کبیرہ گناہ کون سے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور فرمایئے، فرمایا اللہ کا ساجھی قرار دینا، ماں باپ سے سرکشی کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے فوراً اُٹھ بیٹھے اور فرمایا سنو، اور جھوٹی بات کہنی، جھوٹی شہادت دینی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو بار بار اتنی مرتبہ فرمایا کہ ہم نے (اپنے دل میں) کہا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے تو بہتر تھا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تعزیری سزا کے لئے صرف تشہیر کافی ہے۔ مارنا اور قید کرنا جائز نہیں کیونکہ تعزیز کا مقصد ہے (مجرم کو) باز داشت اور یہ باز داشت تشہیر سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مارنے اور قید کرنے میں زجر و باز داشت کی شدت ہے لیکن ایسی سخت سزا کا تصور مجرم کو اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار اور شہادت سے لوٹ جانے سے روکتا ہے اور شہادت کا جھوٹ ہونا بغیر اس کے ثابت نہیں ہوتا کہ مجرم خود ہی اپنی شہادت کے کاذب ہونے کا اقرار کرے اور دی ہوئی شہادت سے لوٹ جائے لہٰذا جھوٹی شہادت کی سزا میں تخفیف ہونی چاہیے (تا کہ مجرم اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار کی جراءت کر سکے) رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر تو وہ محض سیاسی تھا (آئینی نہ تھا آرڈیننس تھا جس کا امیر وقت کو اختیار ہے)

قاضی شُریح رحمہ اللہ کا عمل

امام ابو حنیفہؒ کے قول کی طرح قاضی شریح کا قول بھی روایت میں آیا ہے امام محمد نے کتاب الآثار میں بیان کیا ہے کہ شریح جب کسی جھوٹے گواہ کو پکڑ لیتے تھے اور مجرم بازاری شخص ہوتا تو شریح اپنے قاصد کو حکم دیتے کہ جا کر بازار والوں سے کہہ دو کہ شریح تم کو سلام کہتا ہے اور سلام کے بعد اس نے کہا ہے کہ ہم نے اس شخص کو جھوٹا شاہد پایا تم لوگ اس سے پرہیز رکھو اور اگر مجرم (بازاری نہ ہوتا بلکہ) عرب کے قبیلہ میں سے ہوتا تو اس قبیلہ کی مسجد میں قاصد کو بھیج کر مذکورہ بالا پیام کہلا بھیجتے ابن ابی شیبہ نے بھی شریح کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے ابن جریج کے نزدیک شہادت زور سے ہر جھوٹ مراد ہے صرف شرک ہی مراد نہیں ہے۔

جھوٹ کی مجلسوں سے پرہیز

بعض علماء نے لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ جھوٹ کی محفلوں میں شرکت نہیں کرتے (یعنی الزور سے پہلے مضاف محذوف ہے) کیونکہ بیہودہ جلسوں میں موجود ہونا بھی شرکت کا حکم رکھتا ہے۔ اس تفسیر پر بیہودہ قصوں یا شاعری کی مجلسوں میں شرکت کرنا ناجائز قرار پائے گا مجاہد کا یہی قول ہے۔ مراد یہ ہے کہ مشرکوں کے تہواروں اور میلوں میں وہ شریک نہیں ہوتے۔ بعض نے الزور سے نوحہ کی مجلس مراد لی ہے۔ قتادہ نے عدم شہادت زور کا یہ مطلب بیان کیا کہ بیہودہ، باطل باتوں کی تائید اور اعانت نہیں کرتے۔

محمد بن حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا، لغو اور گانے کے موقع پر حاضر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا گانا دلوں میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں بھی ہے کہ سچے مؤمن کو چاہیے کہ اُس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر دَورِ شراب چل رہا ہو اور یہ بھی مطلب ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب

Marfat.com

سے بڑا گناہ بتادوں؟ تین دفعہ یہی فرمایا صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے اب اس سے الگ ہوکر فرمانے لگے سنو اور جھوٹی بات کہنا سنو اور جھوٹی گواہی دینا اسے بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب خاموش ہو جاتے۔ زیادہ ظاہر لفظوں سے تو یہ ہے کہ وہ جھوٹ کے پاس نہیں جاتے؟ اسی لئے آگے بیان ہوا کہ اگر اتفاقاً گزر ہو جائے تو وہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے، منہ پھیرے مُڑ جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کسی کھیل کے پاس سے گزرے تو منہ پھیرے ہوئے بغیر رُکے چلے گئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کریم ہو گئے۔

رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں، مگر تین چیزیں، نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرے یا علم جس سے اس کے بعد نفع اُٹھایا جائے یا صدقہ جاریہ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾
اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی گناہ میں شامل نہیں اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ اُن سے لڑیں (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے گناہوں کی مجلسوں میں نہیں جاتے لیکن اتفاقاً اگر کسی گناہ کی محفل کی طرف سے ان کا گذر ہو جاتا ہے تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ عربی محاورہ ہے كَرُمَ فُلَانٌ عَمَّا يشينه فلاں شخص ایسی باتوں سے پاک ہے جو اس کو عیب دار بناتی ہیں اَكرَم نَفْسَه عَنْه اس نے اپنے نفس کو عیب دار بنانے والی باتوں سے پاک رکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا
اور وہ لوگ کہ جب اُن کو سمجھایئے اُن کے رب کی باتیں نہ پڑیں
عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾
اُن پر بہرے اندھے ہوکر

غور وفکر کی عادت

بلکہ نہایت فکر وتدبر اور دھیان سے سنیں اور سن کر متاثر ہوں مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی بغیر گوشِ ہوش سے سننے اور بغیر چشم حقیقت بین سے دیکھنے کے اندھوں بہروں کی طرح نہیں اُٹھ کھڑے ہوتے بلکہ گوشِ قبول سے سنتے اور سمجھتے ہیں اور چشم بصیرت سے حق کو دیکھتے اور اس پر چلتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا
اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے
وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ
اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک

صالح اہل وعیال

یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو۔ اور ظاہر ہے مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہوگا جب اپنے اہل وعیال کو طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول پائے۔ دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں (تفسیر عثمانی)

قرطبی نے لکھا ہے مومن کی آنکھ کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کا فرمان بردار دیکھے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾
اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا

نیکی کی امامت

یعنی ایسا بنا دے کہ لوگ ہماری اقتداء کر کے متقی بن جایا کریں۔ حاصل یہ کہ ہم نہ صرف بذاتِ خود مہتدی، بلکہ دوسروں کیلئے ہادی ہوں۔ اور ہمارا خاندان تقویٰ وطہارت میں ہماری پیروی کرے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مکحول شامی نے فرمایا کہ دُعا کا مقصود اپنے لئے تقوی کا ایسا اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے کہ دنیا کے متقی لوگوں کو بھی ہمارے عمل سے فائدہ پہنچے۔ قرطبی نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست وامامت کی طلب جو دین کے لئے اور آخرت کے فائدہ کے لئے ہو وہ مذموم نہیں بلکہ جائز ہے۔ اور آیت لایریدون علواً میں اس ریاست واقتداء کی خواہش کی مذمت ہے جو دُنیوی عزت وجاہ کے لئے ہو، واللہ اعلم۔ یہاں تک عباد الرحمٰن، یعنی مؤمنین کاملین کی اہم صفات کا بیان پورا ہو گیا، آگے

Marfat.com

اُن کی جزاء اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ
اُن کو بدلہ ملے گا کوٹھوں کے جھروکے اس لئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور لینے آئیں گے
فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾
ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے ہوئے

مؤمنین کا انعام

یعنی جنت میں اُوپر کے درجے ملیں گے اور فرشتے دعاء وسلام کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے اور آپس کی ملاقاتوں میں یہ ہی کلمات سلام ودعاء اُن کی تکریم وعزت افزائی کے لئے استعمال ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے درجات

شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت اپنے سے اوپر بالائی منزلوں والوں کو آپس کے تفاوت مراتب کی وجہ سے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ ابر آلود آسمان میں مشرقی یا مغربی افق سے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ تو انبیاء کے مکان ہوں گے دوسرا کوئی وہاں نہیں پہنچے گا۔ فرمایا، کیوں نہیں، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کو سچا جانا (وہ انسان ان مراتب تک پہنچ سکتے ہیں) حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

جنت کے بالا خانے

احمد حاکم، اور بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور ترمذی بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت کے اندر کچھ بالا خانے ایسے ہیں جن کے اندر کی حالت باہر سے اور باہر کی حالت اندر سے دکھائی دے گی۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ بالا خانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے، فرمایا ان لوگوں کے لئے جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں (غریبوں کو) کھانا کھلاتے ہیں اور جب دوسرے لوگ سوتے ہوتے ہیں تو وہ رات کو (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے لحاظ سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، ان لوگوں کے لئے ہیں جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں سلام پھیلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھتے ہیں کہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو مالک کی روایت کے یہ الفاظ ہیں، اُن لوگوں کے لئے ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں، نرم کلام کرتے ہیں، متواتر روزے رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو جنت کے بالا خانوں کے متعلق نہ بتاؤں، صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فرمایئے) ارشاد فرمایا، جنت کے اندر یقیناً کچھ بالا خانے قسم قسم کے جواہرات کے ایسے (شفاف) ہیں کہ ان کے باہر سے اندر کی نعمتیں لذتیں اور عزت بخشیاں دکھائی دیں گی اور اندر سے باہر کی راحت لذت اور عزت دکھائی دے گی یہ نعمت لذت اور عزت ایسی ہو گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ بالا خانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے سلام کو پھیلایا کھانا کھلایا ہمیشہ روزے رکھے اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے کی کس میں طاقت ہے فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے میں اس کی تفصیل تم کو بتاتا ہوں جو اپنے بھائی (مسلمان) سے ملا اور اس کو سلام کیا اور سلام کا جواب دیا۔ اس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے اہل وعیال کو پیٹ بھر کھانا کھلایا تو اس نے (ضروری) کھانا کھلا دیا اور جس نے رمضان کے اور ہر مہینے تین دن کے (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے) روزے رکھے اس نے (گویا) ہمیشہ روزے رکھے اور جس نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو بیشک اس نے رات ایسے وقت نماز پڑھی کہ یہودی عیسائی اور مجوسی اس وقت خواب میں ہوتے ہیں۔ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ابن عدی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شک نہیں کہ جنت کے اندر کچھ بالا خانے ایسے ہیں کہ ان کے اندر رہنے والا اگر ان کے اندر ہو

Marfat.com

گا تو بالا خانہ سے پیچھے والی چیزیں اس سے پوشیدہ نہ ہوں گی اور اگر بالا خانوں سے پیچھے (باہر) ہوگا تو اندر کی چیزیں اس سے مخفی نہ ہوں گی۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول یہ بالا خانے کن کے لئے ہوں گے فرمایا ان کے لئے جنہوں نے پاکیزہ کلام کیا، مسلسل روزے رکھے سلام کو پھیلایا اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی کہ لوگ سوتے ہوں عرض کیا گیا کلام کی پاکیزگی سے کیا مراد ہے، فرمایا، سُبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا اِلٰہَ اِلا اللّٰہ واللّٰہ اکبر قیامت کے دن جب ان کا قائل (محشر کے میدان میں) آئے گا تو یہ کلمات آگے پیچھے ہوں گے اور نجات دلانے والے ہوں گے عرض کیا گیا، مسلسل روزے رکھنے کا کیا مطلب ہے فرمایا، جس نے رمضان کے روزے رکھے اس نے بلاشبہ (ہمیشہ کے) مسلسل روزے رکھے عرض کیا گیا کھلانے سے کیا مراد ہے فرمایا جس نے اپنے عیال کو کھانا دیا۔ عرض کیا گیا سلام کو پھیلانے سے کیا مراد ہے فرمایا اپنے (مسلمان) بھائی کی مصاحبت اور اس کو سلام کرنا عرض کیا گیا لوگوں کے سونے کی حالت میں نماز کا کیا مطلب، فرمایا عشاء کی نماز۔

حکیم، ترمذی نے حضرت سہل بن سعد کی مرفوع روایت سے اس آیت کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ بالا خانہ سرخ یاقوت، سبز زبرجد اور سفید موتی کا ہوگا جس میں نہ کوئی شگاف ہوگا نہ کوئی عیب۔

سلامتی کے تحفے

وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ اور ان کو اس بہشت میں (فرشوں کی طرف سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا۔

یعنی بالا خانوں کے اندر فرشتے تحیۃ وسلام کے ساتھ استقبال کریں گے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ سے سلامتی وعافیت کی دعا کریں گے یا یہ مراد ہے کہ ان کو ہر آفت سے سالم رہنے اور ہمیشہ باقی رہنے کی بشارت دیں گے۔ کلبی نے کہا مراد یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کو سلام بھیجا جائے گا۔ احمدؒ، بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی مخلوق میں سے جنت کے اندر وہ فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے (مسلمانوں کا) بچاؤ ہوتا ہے (لیکن ان کی خود یہ حالت ہوتی ہے کہ) وہ اپنی ضروریات کو اپنے سینے میں لے کر مرجاتے ہیں اور زندگی بھر ان کو پورا نہیں کر سکتے۔ اللہ اپنے فرشتوں میں سے جن کو چاہے گا حکم دے گا کہ جاؤ ان کو سلام کرو۔ (ان کا استقبال کرو) ملائکہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں اور تیری مخلوق میں سے تیرے برگزیدہ بنائے ہوئے ہیں۔

پھر تو ہی ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور ان کو سلام کریں، اللہ فرمائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو میری (ہی) عبادت کرتے تھے میرا ساجھی کسی کو نہیں بناتے تھے انہی کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے بچاؤ ہوتا تھا لیکن وہ ایسی حالت میں مر جاتے تھے کہ ان کی ضروریات ان کے سینوں کے اندر ہوتی تھیں اور وہ ضروریات کو پورا نہ کر سکے تھے۔ حسب الحکم ملائکہ ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ بعض لوگوں نے کہا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کو تحیت یعنی بقائے دوامی اور سلام یعنی ہر آفت سے سلامتی کی پیش کش کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝
سدا رہا کریں اُن میں خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ رہنے کی

یعنی ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے اُن کا تو وہ گھر ہوگا۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ
تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری اگر تم اُس کو نہ پکارا کرو

اللہ بے نیاز ہے ہم محتاج ہیں یعنی تمہارے نفع نقصان کی باتیں سمجھا دیں۔ بندہ کو چاہیے مغرور اور بیباک نہ ہو، خدا کو اس کی کیا پروا، ہاں اس کی التجاء پر رحم کرتا ہے نہ التجا کرو گے اور بڑے بنے رہو گے تو مڈ بھیڑ کے لئے تیار ہو جاؤ جو عنقریب ہونے والی ہے۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝
سو تم تو جھٹلا چکے اب آگے کو ہونی ہے مڈ بھیڑ

تکذیب حق کی سزا ملنے والی ہے

یعنی کافر جو حق کو جھٹلا چکے۔ یہ تکذیب عنقریب اُن کے گلے کا ہار بنے گی اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا۔ آخرت کی ابدی ہلاکت تو ہے ہی دنیا میں بھی اب جلد مڈ بھیڑ ہونے والی ہے یعنی لڑائی جہاد۔ چنانچہ غزوہ بدر میں اُس مڈ بھیڑ کا نتیجہ دیکھ لیا۔ تم سورۃ الفرقان وللہ الحمد والمنہ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے سورت فرقان کی تفسیر ۶ صفر ۱۲۰۵ھ کو ختم ہوئی۔ (مظہری)

Marfat.com

سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کا خلاصہ

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مذہب کی بنیاد تین چیزیں ہیں ایک مبداء، ایک معاد، ایک میعاد، مبداء کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء کہاں سے ہوئی، معاد کا مطلب یہ کہ لوٹ کر کہاں جانا ہے، میعاد کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کس طرح زندگی گزاری جائے تو اس رکوع میں مبداء کا بھی ذکر ہے کہ وہ کون ذات ہے جو تمہاری اصل ہے معاد کا بھی ذکر ہے کہ تمہارا انجام کیا ہونا ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ درمیان کی زندگی کس طرح گزارنی ہے۔

انسان کا مبداء کیا ہے؟

ابتداء یہاں سے کی گئی ہے کہ:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ۝

برکت والی وہ ذات ہے جس نے آسمان میں بُرج قائم کئے، منزلیں قائم کیں اور ان منزلوں میں سے سورج اور چاند کو گزارا، جس سے رات اور دن پیدا ہونے لگے، موسم بننے لگے، سردی گرمی اور برسات آنے لگی۔

یہ گویا مبداء کا ذکر ہے کہ اصل ابتداء جس ذات سے ہے، اس کی قدرۃ آسمانوں زمین میں بھی کام کر رہی ہے۔ آسمان بنا دیئے، چاند، سورج پیدا کر دیئے اور اُن میں حرکت پیدا کر دی۔

انسان کا میعاد رحمٰن کے بندوں کی چال

اس کے بعد دس احکام شروع کیے کہ اس کی رضا کے لئے کس طرح زندگی گزاری جائے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا رحمٰن کے بندوں کا دنیا میں کیا ڈھنگ ہونا چاہئے؟

رحمٰن لغت میں اور شریعت میں بھی اس ذات کو کہتے ہیں جو ساری نعمتوں کا مالک ہو، ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں دینے پر قادر ہو، ہر نعمت اس کے قبضے میں ہو، ساری نعمتوں کا والی، وارث اور مالک ہو، تو اس رحمٰن کے بندے کس طرح سے دنیا میں زندگی بسر کریں فرمایا، رحمٰن کے بندوں کا ڈھنگ یہ ہونا چاہئے کہ جب وہ زمین میں چلیں تو نرم چال چلیں اس میں ہدایت دی گئی کہ زندگی کی بنیاد تواضع اور خاکساری پر رکھی جائے کبر و نخوت پر نہ رکھی جائے، تکبر اور اپنے کو بڑا بنانا یہ نہیں بلکہ چال سے واضح ہو کہ کوئی خدا کا بندہ جا رہا ہے، یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی جبار قہار جا رہا ہے یہ انسان کی شان نہیں ہے۔ اور انسان کی شان یہ کیوں نہیں ہے؟

اس کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ کلکم بنو اٰدم و اٰدم من تراب تم سب آدم کی اولاد ہو۔ آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا ہے مٹی کا یہ کام نہیں ہے کہ اچھل اچھل کر اوپر جائے، یہ جب تک پست اور پامال رہے گی جب ہی تک اس کی قدر ہوگی مٹی جوتوں میں روندی جاتی ہے مگر چوں نہیں کرتی جب ہی تک اس کی قدر ہے کہ جس طرح ہم تصرف کریں بلا چون و چرا اس تصرف کو قبول کرنے اگر مٹی اُوپر اڑی، کسی کی آنکھ میں پڑی وہ لعنت کرے گا کسی کے کپڑے پر گرے گی وہ کپڑے کو جھٹک دے گا کہے گا کمبخت گرد کہاں سے آ گئی تو مٹی نے ذرا اُبھرنے کا نام لیا تو اس پر لعنتیں برسنا شروع ہو گئیں۔

تو جس مٹی سے انسان پیدا کیا گیا، اگر وہ اینٹھنے لگے، غرور کرنے لگے، کبر و نخوت اختیار کرنے لگے ہر شخص اس انسان کو برا کہے گا اور جو تواضع و خاکساری اختیار کر لے اور مٹی بن کر رہے، سب اس کو سر پر بٹھائیں گے کہ یہ بڑی کیمیا معلوم ہوتی ہے کسی بھی مجلس میں جو بڑا بول بولتا ہے ہاتھ کے ہاتھ وہیں اس کو سزا ملی جاتی ہے اور جو تواضع کا کلمہ بولتا ہے، سب اس کی قدر کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی عادت کریمہ بھی یہ ہے چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی بندہ عبادت کر کے یوں کہے کہ اے اللہ! میرے سے کچھ نہیں بن پایا، میرے بس میں کچھ نہیں، تیرا فضل ہے کہ یہ کام تو نے مجھ سے کرا دیا میرے اندر یہ طاقت نہیں تھی حق تعالیٰ شانہٗ فوراً فرماتے ہیں کہ نہیں، عمل تو نے ہی کیا تھا مسجد کی طرف چل کر تو ہی گیا تھا حج کیلئے بیت اللہ کی طرف تو نے ہی سفر کیا تھا تو نے سب کچھ کیا اور اگر کوئی کبر و نخوت سے یوں کہے کہ اے اللہ میں نے نماز پڑھی، میں نے عبادت کی، میں نے یہ کام کیا، فرماتے ہیں کہ نالائق! تو نے کیا کیا؟ ارادہ ہم نے تیرے اندر پیدا کیا بدن، رُوح اور طاقت ہم نے دی، تو نے کیا کیا؟ جو خود دعویٰ کرتا ہے اسے پست کر دیتے ہیں اور جو دعویٰ چھوڑ کر کہتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا، اُسے فرماتے ہیں کہ تو نے سب کچھ کیا، اس لیے سنت اللہ یہ ہے کہ جو آدمی خاکساری برتے، عجز و نیاز برتے، بندگی کی شان سے آئے، اُسے اونچا اٹھاتے ہیں، اسے عزت دیتے ہیں اور جو خود اُبھرنے لگے اسے زمین پر پٹخ دیتے ہیں کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ ؎

پستی سے ہو سربلند اور سرکشی سے پست
اِس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

Marfat.com

تو انسان کی فطرت یہی بنائی گئی کہ تیرے سامنے مٹی ہے اگر وہ اُبھرتی ہے تو تو لعنت بھیجتا ہے یہ جوتیوں کے نیچے رہتی ہے تو تو عزت کرتا ہے تو جس چیز سے تو بنا ہے تیرا مزاج بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ جتنی تو خاکساری برتے گا تیری عزت ہوگی جتنا تو غرور کرے گا، اتنا ہی تجھے پست کر دیا جائے گا تو پہلی بات تو یہ فرمائی گئی کہ رحمٰن کے بندوں کی زندگی کا ڈھنگ کیا ہونا چاہئے جب گھر سے باہر نکلیں اور چلیں تو زمین پر ہلکی چال چلیں، نخوت وکبر کی چال نہ چلیں اس کو دوسرے موقع پر قرآن کریم نے فرمایا:

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ.

اپنی چال میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو اور زیادہ زور سے چلا کر مت بولو حسبِ ضرورت آواز بلند کرو بہت زیادہ شور مچا کے بولنا کبر ونخوت کی علامت ہوتی ہے۔

ایک تو یہ کہ کسی کی آواز ہی خلقۃً بلند ہو، وہ دوسری بات ہے لیکن ارادہ کر کے آدمی چلائے یہ سمجھ کر کہ دوسرے کے اُوپر میری آواز کا دباؤ پڑے یہ ممنوع ہے بس ضرورت کے وقت اعتدال کے ساتھ آواز بلند کرے تو بولنے اور چلنے دونوں میں اعتدال ہونا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال مبارک کا جو نقشہ حدیث میں آتا ہے کہ **یمشی کانما ینقلع** آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سے چلتے تھے کہ عجیب شان تھی، اس طرح کہ گردن تو جھکی ہوئی جس کو خاکساری کی چال کہتے ہیں مگر ساتھ میں قوت اتنی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا زمین کو کھود کر اندر گھس جائیں گے اتنی قوت سے قدم پڑتا تھا تو قوت بھی ہو، شجاعت بھی ہو اور خاکساروں کی طرح نیاز مندی بھی ہو وقار بھی اور تواضع بھی ہو، نہ بیماروں کی چال چلے جیسے کوئی مریض جا رہا ہے کہ ذرا کوئی تھپڑ مار دے تو گر پڑے، یہ بھی نہیں اور نہ اُبھر کر چلے جیسے کوئی متکبر جا رہا ہے بیچ کی چال ہو کہ اس سے خودداری اور خاکساری بھی ٹپکے **یمشون ھوناً** کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آہستہ آہستہ چلے، بلکہ یہ کہ تواضع سے چلے چاہے تیز چلے گویا یہ پہلا نقشہ بتلایا گیا کہ جب گھر سے نکلو تو ایسی چال چلو، اس لیے کہ مسلمان بے فکرا نہیں پیدا کیا گیا کہ جس طرح اس کا جی چاہے چل پڑے، قدموں پر نگاہ ہونی چاہئے کہ یہ کس طرح سے چلیں اس لیے کہ مؤمن کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ حاضر وناظر ہے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا۔

تم تین آدمی تنہائی میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ سرگوشی کرو گے تو چوتھا خدا وہاں موجود ہوگا، یہ نہیں ہے کہ تمہاری باتوں کا سننے والا کوئی نہیں تم چار ہو گے پانچواں خدا ہوگا تم زیادہ ہو گے تب خدا موجود، کم ہو گے تب خدا موجود، جب اللہ ہر جگہ حاضر وناظر اور موجود ہے تو آدمی کو ہر جگہ ادب سے چلنا پڑے گا۔ بے ادبی وہ کرے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ مسجد میں خدا ہے اس لیے میں ادب کرتا ہوں اور سڑک پر گویا خدا نہیں تو میرا جی جس طرح چاہے چلوں یہاں بھی ہے وہاں بھی ہے، ہر جگہ کے مناسب ادب ہوگا اور عجز ونیاز مندی اختیار کی جائے گی تو زندگی گزارنے کی پہلی بات یہ ہے کہ ہم زندگی میں قدم قدم پر نگاہ رکھیں کہ ہماری چال ڈھال کیا ہے۔

رحمٰن کے بندوں کا حال

اس کے بعد آگے فرمایا چلتے چلتے لوگوں سے ملاقات ہوئی، تو اس میں اچھے بھی ملتے ہیں اور بُرے بھی۔ بعضے تو ایسے ملتے ہیں جو بڑے مہذب اور شائستہ ہیں آپ نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، انہوں نے آپ کا شکریہ ادا کیا آپ نے اُن کا شکریہ ادا کیا محبت بڑھ گئی اور بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ وہ جھگڑے اور فساد کی بات اٹھاتے ہیں کہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ لیا یا کسی پر پھبتی کس دی، ایسے موقع پر ہماری رفتار کیا ہونی چاہئے اس پر فرمایا:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا، اگر جاہل ملیں اور جاہلانہ حرکتیں کریں تو تم ان کے ساتھ جاہل مت بنو تم سلام کہو یعنی جب وہ جاہلانہ بات کریں بس اُن سے کہہ دو کہ بھئی! ہمارا سلام ہم یہ باتیں نہیں جانتے، تمہارے لیے بھی زیبا نہیں ہمارے لیے بھی اور اگر آپ بھی جھگڑے میں لگ گئے تو وہاں اچھی خاصی لاٹھی چل جائے گی جھگڑا اٹھ جائے گا اور جھگڑا اُٹھانا بہت آسان ہے مگر اس کا مٹانا بہت مشکل ہے اس لیے صبر وتحمل کرنا پڑتا ہے تو فرمایا گیا جب چلو تو چال میں نرمی پیدا کرو نرم چال رکھو کہ ہر ایک آدمی محبت کی نگاہ سے دیکھے گا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں کرے گا جھگڑا جب کرے گا جب آپ متکبرانہ انداز سے جائیں اور جب تواضع سے گئے تو اوّل تو سب عزت کریں گے لیکن پھر بھی اگر کوئی بے وقوف آدمی مل جائے اور جاہلانہ باتیں کرے تو آپ کہیں گے۔ قالوا سلمًا بھئی! ہم یہ بات نہیں جانتے، ہمارا سلام ہے یہ مناسب نہیں ہے ہمارا کام یہ نہیں ہے تم جانو تمہارا کام جانے۔

Marfat.com

سلام کی برکات اور آداب

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام ایک ایسی عظیم چیز ہے جو جھگڑوں کو ختم کر دیتی ہے سلام آدمی نہ کرے تو بُرا سمجھا جاتا ہے اور اگر سلام کر لے تو جاہل بھی ہوں گے وہ بھی جھک جائیں گے کہ یہ بڑا اچھا آدمی ہے سلام کر رہا ہے۔

اس واسطے فرمایا گیا اگر باہم دشمنیاں بھی ہوں، عداوتیں بھی ہوں، اگر دشمن کو آپ سلام کریں گے دشمنیاں ڈھیلی پڑ جائیں گی وہ وعلیکم السلام کہنے پر مجبور ہوگا جس کا مطلب ہے کہ تمہارے لئے بھی سلامتی ہو جب سلامتی کی دُعا دے گا تو جھگڑا اُٹھائے گا کیوں؟ خود کہہ رہا ہے کہ اللہ تمہیں صحیح سلامت رکھے، تو دعا بھی دے اور اُوپر سے جھگڑا بھی اُٹھائے؟ اس سلام نے ساری دشمنی ختم کر دی۔

اس واسطے حدیث میں فرمایا گیا کہ

افشوا السلام علیٰ من عرفت ومن لم تعرف.

جب چلو سلام کرنے کی عادت ڈالو، خواہ تعارف ہو یا نہ ہو۔

آج کے زمانہ کا تمدن یہ ہے کہ جب تک تیسرا آدمی تعارف نہ کرائے نہ بول، نہ چال، نہ سلام، نہ کلام، یہ متکبرانہ تمدن ہے یہ اسلام کا تمدن نہیں ہے اسلام کا تمدن یہ ہے کہ جب ہم میں اور تم میں اسلام کا رشتہ مشترک ہے، اسلامی اخوت اور بھائی بندی پھیلی ہوئی ہے تو کیا ضرورت ہے کہ کوئی تیسرا تعارف کرائے، پہلے سے ہی تعارف حاصل ہے یہ ہمارا بھائی مسلمان ہے اس میں اسلام بھرا ہوا ہے۔

ہمارا تعارف بھی اسے حاصل ہے یہ بھی جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں جب دونوں کے اندر ایک رشتہ مشترک ہے، پھر تیسرے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ تعارف کرائے، اگر گھر میں دو حقیقی بھائی موجود ہوں وہ دونوں یوں کہیں کہ کوئی تیسرا محلے والا آ کر تعارف کرائے کہ یہ آپ کے حقیقی بھائی ہیں اور یہ آپ کے حقیقی بھتیجے ہیں تب آپ کلام کریں گے آپ کہیں گے کہ میری رشتہ داری ہے مجھے کیا مصیبت ہے کہ میں تیسرے آدمی کو بلاؤں کہ بھئی! میرا تعارف کرا دو، یہ تکلف اور بناوٹ ہے تو نسبتی رشتے سے زیادہ قوی رشتہ اسلام کا ہے دو حقیقی بھائی اتنے قریب نہیں ہوتے جتنے دینی رشتہ کی وجہ سے دو مسلمان قریب ہوتے ہیں اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ کوئی چوتھا آدمی تعارف کرائے۔

ہاں اس میں البتہ اس زمانے میں ایک مصیبت پڑ گئی، کہ ہم صورت سے یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان ہے بھی یا نہیں؟ بعض اوقات سلام کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن سوچتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے یا عیسائی ہے یا یہودی ہے یہ مصیبت آ کے پڑ گئی اس سے معلوم ہوا کہ ہیئت اور وضع بھی ایسی ہو جس سے دُور سے سمجھ لیا جائے کہ مسلمان آ رہا ہے تا کہ سلام وکلام کی نوبت آ جائے۔

بہر حال اس حدیث میں ہدایت کی گئی کہ پہچان پہچان کر سلام نہ کرو، اس واسطے کہ تعارف کرانے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی ہوا، اس کا تو تعارف ہو گیا اور اگر کوئی چھوٹا موٹا آدمی آئے تو اس کا کوئی تعارف نہیں کراتا گویا آپ کا سلام بڑے آدمی کو تو ہوگا چھوٹے کو نہیں ہوگا، یہ خود ایک تکبر ہے کہ چھوٹوں کو منہ نہ لگایا جائے اور بڑوں کے سامنے جھکے۔

اسی واسطے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سواری پر سوار جا رہا ہو اور لوگ سڑک پر سامنے بیٹھے ہوں تو سوار ہونے والے کا فرض ہے کہ وہ بیٹھنے والوں کو سلام کرے، اپنے اندر خاکساری پیدا کرے ایسی صورت نہ پیدا ہونے دے جس میں یہ انتظار ہو کہ یہ مجھے سلام کریں کیونکہ یہ میرے سے چھوٹے ہیں یہ چھوٹائی بڑائی کہاں کی؟ آدمی خود ہی چھوٹا ہے بڑا اللہ ہے سب سے بڑی ذات وہ ہے اس کے سامنے سب چھوٹے ہیں اس لیے ہر شخص یہ سمجھے کہ میں چھوٹا ہوں وہ بڑا ہے جب یہ سمجھے گا تو سلام کی ابتداء کرنے کی کوشش کرے گا اس لیے سلام کے آداب میں سے یہ ہے کہ جب دو آدمی ملیں تو یہ انتظار نہ کریں کہ دوسرا مجھے سلام کہے اسی کو فرمایا گیا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

رحمٰن کے بندے جب چلیں تو خاکساری کی چال چلیں اور جب لوگوں سے ملیں تو سلام کی عادت ڈالیں اگر نیک لوگ ہیں تو سلامتی کی دُعاء ہوگی اگر برے اور جھگڑالو لوگ ہیں تو یہ سلام رخصت کا ہوگا کہ بھئی! ہمارا سلام ہم جاتے ہیں ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے تو سلام ہر صورت میں انسان کے لیے رہا۔

پھر یہ اتنی پاکیزہ چیز ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا:

تحية اليهود بالاصابع و تحية النصارى بالاكت وتحية المسلمين السلام عليكم. یہودیوں کا سلام انگلیوں سے ہے، نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے ہے اور مسلمانوں کا سلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ہے تو یہود و نصاریٰ کا سلام اشارہ محض ہیں اور مسلمانوں کا سلام ایک مستقل وعام ہے کہ تم پر سلامتی ہو اللہ کی رحمتیں تم پر نازل ہوں،

Marfat.com

برکتیں تم پر نازل ہوں ہر مسلمان جو دوسرے کو دُعاء دے اس سے اس کی خیر خواہی اور محبت ظاہر ہوگی تعلق بھی مضبوط ہو جائے گا۔

وہ مثل مشہور ہے کہ کسی آدمی کے سامنے کوئی جن آ گیا تو اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ یہ تو کھا جائے گا اس نے آگے بڑھ کر کہا ماموں جان! سلام اس نے کہا بھانجے وعلیکم السلام اور کہا کہ میرا ارادہ تجھے کھانے کا تھا لیکن تو نے ماموں کہا اور سلام کیا میرے دل میں رحم آ گیا میں نے چھوڑ دیا اب تو آزاد ہے جہاں چاہے جا چلا جا۔ تو سلام نے جان بچائی یہی صورت دشمن کی بھی ہے اگر کسی سے پکی دشمنی ہے آپ کہیں السلام علیکم وہ پسیج جائے گا دشمنی ڈھیلی پڑ جائے گی تو یہ بہت بڑی نعمت اور عظیم دُعاء ہے۔

تو زندگی گزارنے کے طریقے میں پہلی چیز چال ہے دوسری چیز قال ہے کہ قال میں دعاء ہو، چال میں تواضع ہو اور جھگڑالوؤں سے بھی جب کلام کرو، سلام کے ساتھ کرو، کہ **سلامٌ علیکم لا نبتغی الجاھلین** ہمارا اسلام ہو ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

گویا اسلامی شریعت نے رہن سہن کیلئے ابتدائی دو چیزیں بتلائیں ایک زبان کو قابو میں رکھو، دوسرے قدم کو قابو میں رکھو بے ڈھنگا چلو بھی مت اور کلام بھی مت کرو۔

رحمٰن کے بندوں کی تنہائی

یہ تو لوگوں کے ساتھ معاملہ ہے اب آگے اور چلے تو آ گئی مسجد یا تنہائی آ گئی یا رات کا وقت آ گیا جس میں لوگوں کے ساتھ اختلاط نہیں پھر کیا کرے آگے کی ہدایت دی ۔ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّہِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ رات گزارتے ہیں تو سجود اور قیام کے ساتھ گزارتے ہیں کہ سو بھی جاتے ہیں کبھی سجدے میں ہیں کبھی قیام و رکوع میں ہیں، اللہ کی یاد کرتے ہیں، اُس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں گویا مخلوق کے آگے مہذب بن کر آتے ہیں اور خدا کے سامنے عابد بن کر آتے ہیں یہاں عبادت کی ضرورت ہے، وہاں شفقت کی ضرورت ہے، شفقت کا تو یہ ہے کہ سلام کرے اور عبادت کا اثر یہ ہے کہ سجدہ و رکوع کرے، ناک اور پیشانی کو اللہ کے سامنے سجدے میں رگڑے۔

یہ گویا جانی عبادت بتلائی گئی جب تم اپنے گھر میں آؤ یعنی مسجد میں تو سبھی عبادت کرتے ہیں، اس کو تو ساری دنیا جانتی ہی ہے لیکن اگر گھر میں مبیت کے لئے آؤ مبیت کہتے ہیں رات گزارنے کو رات گزارنے میں ہر انسان تنہا ہوتا ہے جب یہ کیا تو وہ تن تنہا ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، جاگتا ہوا ہوگا، مجلس کرے گا دوستوں میں بیٹھے گا، باتیں بھی کرے گا اور جب سو گیا تو ایک لاکھ آدمی اگر ایک جگہ سوئے ہوئے ہیں، ہر ایک ان میں سے تن تنہا ہے اس وقت ہر ایک کا سابقہ اللہ کے ساتھ ہے بندوں کے ساتھ نہیں اس واسطے اس موقع کا ادب بتلایا کہ جب تم تن تنہا ہو اور اللہ کے سوا کوئی نہ ہو اس وقت سجود و قیام اور طاعت و عبادت کو اپنا شیوہ بنا لو تا کہ تمہاری بندگی نمایاں ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں کہ ثلث درجات تین چیزیں ہیں جن سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں عند اللہ بھی اس کا رتبہ اُونچا ہے اور خلقت کے نزدیک بھی اس کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔

افشاء السلام، و اطعام الطعام، و الصلوٰۃ باللیل و الناس نیام

سب سے پہلی چیز افشاء السلام ہے یعنی مخلوق کو سلام کرنا ہے اس سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اتنی بلندی کہ اللہ کے ہاں جو مرتبہ ہوگا اُسے اللہ جانے یا یہ بندہ آخرت میں جانے گا دُنیا میں یہ ہے کہ کثرتِ سلام سے لوگوں کے دلوں میں عزت و وقار پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز فرمائی، **اطعام الطعام**، حاجت مندوں کو کھانا کھلانا، اس میں مسکین، غریب، سائل، مسافر، مہمان سبھی آتے ہیں کھانا کھلانا سب کے لئے عام ہے یعنی حقوق قائم کر دیئے گویا یہ فرمایا گیا کہ اس سے درجات بلند ہوتے ہیں خواہ کوئی سائل بن کر آئے، مہمان بن کر آئے یا ان میں سے کوئی نہ ہو آپ کو معلوم ہے کہ فلاں حاجت مند ہے ۔ از خود آپ اس کو کھانا کھلائیں اس سے بھی درجات بلند ہوتے ہیں۔

تیسری چیز رات کو نماز پڑھنا، جب کہ دنیا پڑی سو رہی ہو اس لیے کہ یہ نماز انتہائی خلوص کی ہوگی، نہ اس میں نام و نمود کا جذبہ ہوگا نہ ریاء و شہرت پسندی کا ہوگا، نہ لوگوں کو دکھلاوے کے لیے ہوگی دکھلاوے بھی کس کو؟ سب تو سو رہے ہیں، لوگوں کو کچھ خبر نہیں اس وقت جو نماز پڑھتا ہے تو بجز اس کے کہ اللہ ہی کی محبت اس کو اٹھا کر جگائے اور کچھ نہیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ جس کو بھی جو کچھ ملا ہے وہ رات کی نماز سے ملا ہے دنیا بھی ملی ہے وہ بھی رات کی نماز سے، آخرت بنی ہے وہ بھی رات کی نماز سے۔

اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا سکون و آرام کا وقت رات ہی کا وقت ہوتا ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تہجد آداب صالحین میں سے ہے کیونکہ دن میں ریاء کاری اور دکھلاوے کا وہم ہو سکتا ہے رات کی نماز میں دکھلاوے اور ریاء کاری کا کوئی دخل نہیں غرض جس کو جو ملا وہ رات کی نماز سے ملا۔

Marfat.com

حدیث میں ہے کہ چند باتیں ایسی ہیں کہ اُن سے اللہ کو ہنسی آتی ہے جیسی ہنسی اس کی شان کے مناسب ہے یہ ایسی ہنسی نہیں جیسے ہم اور آپ ہنستے ہیں اس لیے کہ وہ جسم سے پاک ہے مگر ہماری جسمانی ہنسی کی حقیقت یہ ہے کہ جب دل میں کوئی خوشی پیدا ہو جب ہنسی آتی ہے غم دل میں بھرا ہوا ہو تو کون ہنسا کرتا ہے تو رونا غم کی اور ہنسنا خوشی کی علامت ہے۔ غرض خوشی ایک کیفیت ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے اللہ نے ہنسی رکھ دی چونکہ ہمارے پاس بدن ہے تو جب اندر خوشی ہے تو باہر بدن پر ہنسی آتی ہے حق تعالیٰ چونکہ بدن وصورت سے پاک ہیں اس لیے جب اس کو بیان کریں گے تو کہیں گے ہنسی درست ہے مگر ہنسی کا وہ مطلب نہیں ہوگا جو ہمارے ہاں ہوا ہے۔

تو حدیث میں ہے کہ تین موقعوں پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے ایک میدان حج میں جب ننگے سر، ننگے پاؤں، گرد پڑا ہوا، بال بکھرے ہوئے، ناخن بڑھے ہوئے، نہ خوشبو اور نہ زینت اور لبیک لبیک کہتے ہوئے بندے پھر رہے ہیں حق تعالیٰ کو اس موقع پر ہنسی آتی ہے کہ کیا چیز اُن کو ان کے گھروں سے نکال کر لائی ہے، بیوی بچے چھوڑے، وطن چھوڑا، آخر یہ کیوں فقیروں کی طرح سے بے وطن ہوئے ہیں؟ میری محبت میں ہی تو پھر رہے ہیں حق تعالیٰ ہنستے ہیں اور ملائکہ سے کہتے ہیں کہ تمہیں گواہ کرتا ہوں میں نے ان سب کی مغفرت کی، یہ میری محبت میں گھر بار، بیوی بچوں کو چھوڑ کر آئے ہیں میں کریم ہوں یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ گھر بار چھوڑیں اور میں توجہ نہ کروں میں نے ان سب کی مغفرت کی تو خوش ہو کر مغفرت فرماتے ہیں اس خوشی کو ہنسی سے تعبیر کیا گیا۔

دوسری ہنسی کب آتی ہے؟ جب مکبر تکبیر کہے اور لوگ دوڑ دوڑ کے آ رہے ہیں کہ صف اولیٰ میں جگہ ملے، ہر ایک کہتا ہے مجھے ملے گویا ایک قسم کا جھگڑا ہے اور آگے پیچھے ہونے کی دوڑ ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ جو اپنا گھر چھوڑ کر میرے گھر میں آئے ہیں ان میں سے ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے یہاں کوئی مٹھائی روٹی نہیں مل رہی؟ یہ آخر کیوں دوڑ رہے ہیں؟ یہ میری محبت میں دوڑ رہے ہیں، یہ میرا دربار جان کر آئے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے جتنا بھی قریب ہو جائینگے اتنے ہی ہمارے درجات بلند ہوں گے اس سے خوش ہو کر حق تعالیٰ کو ہنستی آتی ہے۔

اور تیسرا موقع کون سا ہے؟ فرمایا گیا کہ خاوند اور بیوی پڑے ہوئے سو رہے ہیں اچانک خاوند کی آنکھ کھلی اور اس کا جی چاہا کہ تہجد پڑھوں اس نے بیوی کے منہ کے اوپر پانی کا چھینٹا مارا وہ بڑبڑا کے اٹھی اس نے کہا کیا مصیبت آئی ہے خاوند نے کہا دو رکعت نفل پڑھ لے تہجد کا وقت ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ ایک محبوبہ ہے اس کے پاس لیٹی ہوئی ہے آرام سے میٹھی نیند سو رہی تھی ایک دم گھبرا کے اٹھی کہ بارش تو نہیں آ گئی، خاوند نے کہا، بارش تو نہیں مگر دو رکعت پڑھ لے تو یہ آگے سے کہتی ہے کہ میں شکریہ ادا کرتی ہوں کہ مجھے دو رکعت پڑھنے کی توفیق ہوگئی اس نے بھی کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں یا بیوی نے خاوند کے منہ پر چھینٹا مار دیا اور وہ بڑبڑا کر اٹھا تو یہ موقع بھی حق تعالیٰ کی ہنسی کا ہوتا ہے چونکہ یہ تینوں چیزیں درجات کے بلند ہونے کا باعث ہیں اور اللہ کی انتہائی رضاء کا وقت ہے اس واسطے اس کو ہنسی سے تعبیر کیا گیا تو یہ جو فرمایا گیا ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا کہ جب رات تنہائی میں گزارتے ہیں تو کبھی سجدہ و رکوع میں اور کبھی تلاوت میں ہیں اس پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ کوئی دیکھنے والا نہیں کسی کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ دیکھو میں بڑا عابد زاہد ہوں کسی کو دکھلانے کے لئے یہ نہیں اٹھا یہ صرف مجھے دکھلانے اور میری رضا کے لئے اٹھا ہے میں کریم ہوں میں بخشتا ہوں اور مغفرت کرتا ہوں۔

اب گویا تین باتیں ہوئیں گھر سے نکلو تو تواضع کی چال چلو، قال ہو تو سلامتی کا کلمہ ہو، بُرے کلمات نہ ہوں، جاہلانہ باتیں نہ ہوں اور رات گزارو تنہائی میں جب کسی انسان سے سابقہ نہیں تو سجود و قیام اور اللہ کے ذکر و طاعت کرو۔

رحمٰن کے بندوں کی زبان سے عبادت

اور یہ تو عمل ہے کہ قیام کر لیا، سجدہ کر لیا اور قلب کے جذبات کیا ہونے چاہئیں؟ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ دل میں خوف بھرا ہوا ہو، زبان پر اس کو ادا کرے اور یہ دُعاء کرے اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب ہٹا دے، اس کو ہمارے سے دُور دُور رکھ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اس لیے کہ یہ عذاب گلے کا ہار ہے جب لٹک جائے گا تو اس کا جُدا ہونا مشکل ہوگا کسی کے بس میں نہیں ہو گا کہ اس عذاب کو دُور کرے اللہ کی طرف سے جب عذاب آتا ہے تو کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے آخرت تو آخرت دنیا میں بھی حق تعالیٰ اگر کسی کو عیاذاً باللہ مبتلا کر دیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں ملتی جب تک اللہ ہی پناہ نہ دے کسی قوم کو گھیرے تو چار طرف سے راستے بند ہو جاتے ہیں

Marfat.com

بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا، بجز اس کے اللہ ہی پناہ دے اور مخرج پیدا کردے اور آخرت میں تو اسباب کا ذکر ہی نہیں، وہاں تو سارا کارخانہ مسبب الاسباب کا ہے اس لیے بڑا ڈر وہاں کا ہے۔

اس لیے کہ یہاں اگر آدمی مبتلا ہو جائے تو کم سے کم خیال تو باندھ لے گا کہ شاید کل کو چھٹکارا ہو جائے شاید پرسوں کو، وہاں تو خیال پر بھی پابندی ہوگی کہ راحت کا آدمی سوچ بھی نہیں سکتا تو انتہائی قید و بند ہے کہ دل بھی گرفتار، زبان بھی گرفتار، ہاتھ پیر بھی گرفتار کوئی پناہ کی جگہ نہیں یہ ہے عذاب جہنم اس لیے فرمایا گیا کہ تم ایک تو بدن سے عمل کرو یعنی سجود اور قیام کرو اور ایک زبان سے یہ دُعاء پڑھو۔ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا .

غرض پہلے قدموں کو لیا کہ انہیں ٹھیک ڈالو کہ چال درست ہو، پھر بدن کو لیا کہ سجدے اور قیام میں لگو پھر زبان کو لیا کہ سلامتی کی بات کرو اللہ سے دُعائیں کرو إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا۔ اس لیے کہ جہنم جسے کہتے ہیں وہ بدترین ٹھکانا ہے اللہ اس سے پناہ دے اور نجات عطا فرما دے، اب گویا قول، بدن اور قدم کی سب عبادتیں آگئیں۔

مالیات کے سلسلہ میں رحمٰن کے بندوں کی شان

اب اس سے آگے انسان کے وسائل اور اسباب ہیں جن کو مالیات کہتے ہیں نقد، سامان، گھربار یہ سب اموال کہلاتے ہیں جب ہم اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، تو ہمارا سامان بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جان اور بدن سے عبادت کریں مال سے نہ کریں، مال اسی کی چیز ہے اس نے ہمیں دے دیا یہ اس کا فضل ہے مگر اصل مالک وہ ہے تو فرمایا جب بدن سے فارغ ہو گئے بدن کا، قدموں کا، زبان ہاتھ، پیر اور سونے جاگنے کا ڈھنگ معلوم ہو گیا اب ایک چیز رہ جاتی ہے جو مالیات ہیں اس کے بارے میں فرمایا:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا . رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب اللہ ان کو مال و دولت دے تو وہ اعتدال کے ساتھ چلیں نہ تو بخیل بنیں کہ ایک پائی بھی ان کے ہاتھ سے نہ نکلے نہ فضول خرچ بے جا اپنی دولت خرچ کر کے محض اپنے نفس کی راحتوں میں گنوا دیں اعتدال کے ساتھ چلیں نہ اسراف کریں نہ تقصیر کریں اسراف فضول خرچی کو کہتے ہیں تقتیر امساک اور بخل کو کہتے ہیں جس طرح اور جگہ فرمایا گیا ۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا .

نہ تو اپنے ہاتھ کو اتنا سکیڑو کہ تمہارا ہاتھ مونڈھے کو لگ جائے کہ دینے کے لیے کچھ نہیں اور نہ اتنا پھیلاؤ کہ جو کچھ ہے سب دے ڈالو، کل کو بھیک مانگنے لگو، دونوں چیزیں ممنوع ہیں درمیانی چال یہ ہے کہ دو بھی اور نہ بھی دو، یعنی یہ پہچان کر کہاں دینا جائز ہے کہاں ناجائز ہے کہاں موزوں ہے کہاں ناموزوں ہے کہاں دینا حق ہے، کہاں دینا ناحق ہے، لہو ولعب، کھیل تماشے میں مت دو، وہاں بخیل بن جاؤ یہی بہتر ہے اور اگر عمل خیر ہو، یہاں دینا بہتر ہے جب آدمی اعتدال کے ساتھ خرچ کرے گا تو حدود معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی، کہ کہاں خرچ کروں کہاں نہ کروں؟

اسلام کا اصول ہی اعتدال ہے، عمل میں بھی اعتدال ہو، چنانچہ یہ اسراف ہے کہ آدمی نفل پڑھنے پر آئے تو ساری رات پڑھتا رہے اور جب چھوڑ کے بھاگے تو فرضوں کی بھی خیر نہیں یہ اچھی چیز نہیں، عبادت کرے، نفل پڑھے، مگر اس طرح کہ پھر عمر بھر اس کو نبھاوے فرائض تو ادا کرے مگر نوافل پڑھے تو ان کو پھر عمر بھر نبھائے۔

اسی کو فرمایا گیا۔ خیر ا لا مورما دیم علیه۔ آدمی کا بہترین عمل وہ ہے جس پر وہ ہمیشگی کر سکے مثل مشہور ہے کہ ''نہ دوڑ کے چلے نہ اُکھڑ کے گرے'' چلے تو آدمیوں کی طرح چلے نہ دوڑے نہ بالکل ضعیف بن جائے، بیچ کی چال چلے اسی کو فرمایا گیا کہ نفل، تلاوت، ذکر کرنے میں اعتدال ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ ایک قرآن روز ختم کیا کروں گا؟

فرمایا ہرگز نہیں، یہ نبھ نہیں سکے گا، کم کرو۔

عرض کیا، یا رسول اللہ! دو دن میں ایک ختم کر لیا کروں گا؟

فرمایا، نہیں، یہ نبھ نہیں سکے گا۔

پھر عرض کیا یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ دس پارے روز پڑھوں اور ہر تیسرے دن ختم کروں؟

فرمایا۔ نہیں نبھ سکے گا۔

پھر عرض کیا، یا رسول اللہ! ایک منزل روزانہ پڑھ لیا کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خوشی سے اس کی بھی اجازت نہیں دی مگر جب اصرار دیکھا تو فرمایا اچھا۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرا بڑھاپے کا زمانہ

Marfat.com

آیا اب مجھے قدر ہوئی کہ پانچ پارے روز بھی نہیں پڑھ سکتا تھا تو میں کہتا تھا کہ اگر میں روز کا ایک قرآن شریف شروع کر دیتا تو چھوڑ کے بن پڑتی اور محرومی اختیار کرتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی سچی بات فرمائی تھی کیسی پاک نصیحت فرمائی تھی، یہ بھی منشاء نہیں تھا کہ پانچ پارے روزانہ پڑھوں، مقصد نبھانا تھا۔ اب ان پانچ کا نبھانا بھی مشکل ہو رہا ہے، اس لیے آدمی کام اتنا کرے جو نبھ سکے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، یہ مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے دیکھا کہ چھت میں ایک رسی لٹک رہی ہے فرمایا یہ رسی کیسی ہے؟

عرض کیا گیا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا عبادت کرتی ہیں جب بیٹھے بیٹھے تھک جاتی ہیں، اُونگھ آنے لگتی ہے تو رسی کا سہارا لے کر بیٹھتی ہیں پھر عبادت کرنے لگتی ہیں۔

فرمایا: اس کی کیا ضرورت ہے جب نیند آئے پڑ کے سو جاؤ جب سو کر اٹھو بشاشت ہو پھر اللہ کو یاد کرو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ نیند آ رہی ہے، اُونگھ آ رہی ہے کہیں رسی کی آڑ، کہیں دیوار کی آڑ اس تصنع اور بناوٹ کی ضرورت نہیں اتنا کام کرو جتنا نبھ جائے، تو اقتصاد یعنی عمل میں میانہ روی یہ معتبر ہے خواہ جان کے خرچ کرنے کا عمل ہو یا مال کے خرچ کرنے کا اعتدال ہونا چاہئے۔

رحمٰن کے بندوں کی قلبی عبادت

یہاں تک گویا اعمال آ گئے، چال ایسی ہو سلام کرنا ایسا ہو وغیرہ یہ گویا ہاتھ، پیر اور زبان کی عبادت آ گئی آگے قلب کی عبادت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس مبداء اور معاد کے درمیان میں جو زندگی گزارو تو دل کیسا ہونا چاہئے، دل کی عبادت کیا ہو؟ تو فرمایا:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ. رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ اللہ کو پکاریں تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، کسی کو ساجھی نہ ٹھہرائیں نہ اس کی ذات میں، نہ صفات میں اور نہ ہی افعال میں، ذات بھی اس کی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، صفات و کمالات بھی اس کے یکتا ہیں کہ کوئی اس جیسا نہیں، افعال میں بھی وہ یکتا ہے کہ کوئی اس جیسا نہیں۔

ذات لامحدود ہے پس اس کی حد نہیں، اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ایک حد ہے سب سے بڑی مخلوق انسان ہے مگر اس کی ایک حد ہے، ڈیڑھ گز کے اندر ہے اس سے باہر نہیں ہے ہم ایک حد میں ہیں اس سے آگے نہیں ہیں، آپ اپنی حد میں ہیں اس سے باہر نہیں میں اپنی حد میں ہوں اس سے باہر نہیں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ جہاں جاؤ وہ موجود کہیں پہنچ جاؤ وہ موجود ہے، آسمانوں، زمینوں اور ان کی تہوں میں گھس جاؤ تب اللہ موجود ہے اس کے وجود کی کوئی حد نہیں ہے، تو اللہ کے سوا کون ہے کہ اس کے وجود کی حد نہ ہو جسے دیکھو اس کی ایک حد ہے پہاڑ ہیں گو کتنے بڑے ہیں مگر ایک حد میں ہیں سمندر ہیں ان کی ایک حد ہے جہاں کنارہ آ گیا سمندر ختم ہو گیا آگے زمین شروع ہو گئی، یہ نہیں کہ سمندر ہر جگہ موجود، آسمانوں، زمینوں، فضا میں بھی ہے ایسا نہیں ہے اپنے دائرے کے اندر ہے زمین اپنے دائرے میں ایک حد میں ہے حد سے آگے کچھ نہیں ہے اور اللہ کی ذات اس کی کہیں حد ہی نہیں ہے، کسی عالم میں پہنچو اللہ کی ذات موجود ہے اس جیسی دوسری ذات نہیں وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

اسی طرح اس کی صفات بھی یکتا ہیں، مثلاً اس کی صفت علم ہے آپ کا علم ہوگا کہ سو مسئلے معلوم ہوں گے، ہزار ہوں گے، دس ہزار معلوم ہوں گے اس کے بعد پھر جہالت آگے کچھ معلوم نہیں، لیکن اللہ کی ذات کا علم لامحدود ہے کوئی ذرہ نہیں ہلتا کہ اسے علم نہ ہو، کوئی پتہ نہیں حرکت کرے گا کہ اس کے علم میں نہ ہو، آپ کی اور ہماری قدرت ایک حد میں ہے ہم یہ لاؤڈ اسپیکر اٹھا لیں گے، جائے نماز تہہ کر کے اٹھا لیں گے لیکن اگر کوئی کہے کہ مسجد کو اُٹھا لو آپ ہم کہہ دیں گے کہ یہ ہماری قدرت میں نہیں ہے ہمارے بس میں نہیں ہے، ایک جن مسجد کو اٹھا لے گا لیکن اس کو اگر کہا جائے کہ ساری زمین کو اٹھا لے وہ کہے گا میرے قبضے میں نہیں، ملائکہ علیہم السلام زمین کا ایک ٹکڑا اٹھا کر پھینک دیں جبریل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں الٹ دیں لیکن ان سے کہا جائے کہ آسمانوں کو پلٹ دو، وہ کہیں گے میری قدرت ہی نہیں غرض بڑے سے بڑے طاقت والے کی طاقت کی ایک حد ہے، مگر اللہ کی طاقت کی کوئی حد نہیں ہے، قدرت علم، سماعت، بصارت ساری صفات اس کی ایسی ہیں۔

ایسے ہی وہ اپنے افعال میں بھی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی بھی فعل نہیں کر سکتا وہ ماں کے پیٹ میں بچے کو بنا دیتا ہے، کوئی اور دوسرا نہیں کر سکتا، اس نے چاند سورج بنائے، ہمارے آپ کے بس میں نہیں ہے ساری زمین کے حکماء ملیں چاند تو بڑا اونچا ہے زمین کا ایک ذرہ بنا دیں جس میں وہ خاصیتیں ہوں جو اللہ کی زمین میں ہیں زمین کے ٹکڑوں کو

Marfat.com

جوڑتوڑ کر کچھ بنالیں گے لیکن خود زمین کی ایجاد کریں ایک ذرہ بھی نہیں کر سکتے ساری دنیا کے فلاسفر جمع ہو جائیں سورج کی ایک کرن بھی نہیں بنا سکتے اور اللہ نے بنایا، معلوم ہوا اس جیسا فعل کوئی نہیں کر سکتا۔

تو ذات، صفات اور افعال سب کچھ یکتا اور بے مثل ہے اس لیے جب جھکیں گے تو اس کے آگے جھکیں گے اگر اس کا کوئی شریک اور ساجھی ٹھہرالیں تو یہ کیسے درست ہوگا؟

کیوں کہ جب اس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں تو عبادت میں کون شریک ہوسکتا ہے؟

سب عبادتیں اسی کے لئے ہوں گی سجدہ رکوع اور فریاد اسی کے سامنے کریں گے، رزق، اولاد اسی سے مانگیں گے، اس کی ذات کے سوا دینے والا کوئی نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام اتنے مقدس بندے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ساری کائنات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتر ہیں لیکن عبدیت کا یہ حال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ تم خود اپنی زبان سے کہو۔

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا.

اے پیغمبر! اعلان کرو کہ میں نہ تمہارے نفع کا مالک ہوں نہ نقصان کا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کر کے فرمایا

یا فاطمة بنت محمد لا اغنی عنک من اللّٰه شیئا.

اے فاطمہ رضی اللہ عنہا بیٹی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے قبضے میں کچھ نہیں ہے، تیرے اندر ایمان اور عمل ہوگا تو نجات پا جائے گی میں نجات نہیں دلا سکوں گا، نہ دنیا میرے قبضے میں ہے نہ آخرت، جب سید الاولین و الآخرین یہ فرمائیں کہ میرے بس میں کچھ نہیں تو میں اور آپ کیا چیز ہیں؟ پوری مخلوق کیا چیز ہے؟ جو اس سے نمٹ لے، بالکل کسی کے بس میں کچھ نہیں، تو اسی کو مانو، جس کے بس میں سب کچھ ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔

ہارون رشید کی بادشاہت کا زمانہ تھا اس وقت قحط پڑا، ایک دیہاتی آیا کہ میں بھی جا کر بادشاہ سے کچھ مانگوں، تا کہ میری اصلاح حال ہو بچے بھوکے مر رہے ہیں میں جا کر بادشاہ سے کہوں کہ اپنے خزانے سے مجھے کچھ دے جب آیا تو دیکھا کہ ہارون رشید نماز میں مصروف ہیں تو چوب دار نے کہا کہ ذرا ٹھہر جا یہ دیہاتی بے چارہ ٹھہر گیا ہارون رشید جب سلام پھیر چکے اور دُعاء مانگ چکے تو ہارون رشید نے پوچھا کہ چودھری صاحب کیوں آئے؟

چودھری صاحب نے کہا کہ یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا کہ کیوں آیا پہلے یہ بتا کہ تو کر کیا رہا تھا یہ کیا بات تھی اس نے کہا میں اپنے اللہ کے آگے جھک رہا تھا اُس نے کہا اچھا تیرے سے بھی کوئی بڑا ہے؟ اس نے کہا میرے سے بڑے اللہ میاں ہیں، میں ان سے مانگتا ہوں۔

بس دیہاتی وہیں سے لوٹا کہ مجھے اس سے مانگنے کی ضرورت نہیں میں اس سے کیوں نہ مانگوں، جس سے تو مانگ رہا ہے جب تو بھی اس کا محتاج ہے تو میں محتاج کا محتاج کیوں بنوں؟ حقیقت یہی ہے کہ سب اس کے سامنے بے بس ہیں وہی سب کے کام کرتے ہیں نہ کوئی کسی کو دے سکتا ہے نہ چھین سکتا ہے وہی دیتا ہے اسی کو چھیننے کی قدرت ہے۔

آدمی کو اگر کچھ لینا ہے تو اپنے معاملے کو اللہ میاں سے درست کرے سب کچھ مل جائے گا ان سے بگاڑ لی تو ملا ملایا بھی چھن جائے گا۔

ہارون رشید ایک دفعہ دربار میں بیٹھے ہوئے تھے بادشاہی کا جوش جو آیا تو ہارون رشید نے کہا آج جس کو جو جی چاہے مانگے اسے وہی دوں گا بس لوگ کھڑے ہو گئے کسی نے کہا مجھے دس لاکھ روپے دے دو اس نے کہا دے دیا کسی نے کہا مجھے فلاں صوبے کی گورنری دے دیجئے اس نے کہا دے دی کسی نے کہا مجھے وائسرائے بنا دیجئے اس نے کہا بنا دیا کسی نے کہا مجھے قلعہ دے دیجئے اس نے کہا دے دیا جو جس نے مانگا ہارون نے حکم دیا کہ وہ اسے دے دیا جائے۔

ہارون رشید کی پشت پر باندی کھڑی ہوئی پنکھا جھل رہی تھی تو ہارون نے گردن پھیر کر باندی سے کہا کہ تو نے کچھ نہیں مانگا سب درباری مانگ رہے ہیں۔

باندی نے کہا ان بے وقوفوں کو نمٹنے دیجئے بعد میں میں بھی مانگوں گی۔

اس نے کہا اچھا یہ میرے وزراء، امراء سب بے وقوف، پاگل اور احمق ہیں۔

ہارون رشید کو بُرا معلوم ہوا کہ اس نے میرے سارے وزراء، امراء کو اس نے پاگل بنا دیا، ان امراء کو بھی برا لگا مگر امیر المؤمنین کی باندی تھی اس لیے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا بہر حال اس نے کہا کہ پہلے یہ احمق نمٹ لیں اس کے بعد میں بھی آپ سے مانگوں گی جب سب درباروالوں کی مرادیں پوری ہو گئیں ہارون نے کہا اب مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا جو کچھ میں مانگوں گی آپ دے سکیں گے ہاں میں دوں گا، میرا اعلان

Marfat.com

ہے ضرور دوں گا اس نے ہارون رشید کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا کہ میں تو آپ کو مانگتی ہوں جب آپ میرے ہو گئے تو ملک، قلعے، دولت اور خزانے سبھی کچھ میرے ہیں یہ سب بے وقوف تھے اس لیے کہ جس نے خزانہ لیا اسے خزانہ مل گیا آگے کچھ بھی نہیں، قلعہ مانگا قلعہ مل گیا، باقی کچھ نہیں کسی نے گورنری مانگی گورنر بن گیا باقی کچھ نہیں، توانہوں نے ایک ایک چیز مانگی اور میں نے وہ چیز مانگی کہ ساری چیزیں میرے قبضے میں آجائیں۔

یہی شان اہل اللہ اور اہل دنیا کی ہے مثلاً اہل دُنیا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! مجھ کو لکھ پتی بنا دیجئے، یا کروڑ پتی بنا دیجئے تو وہ بنا دیئے گئے کسی نے کہا کہ مجھے جاگیر دے دیجئے فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ دے دی اللہ والے کہتے ہیں کہ آپ میرے ہو جایئے تو سب کچھ میرے قبضے میں ہے وہ کروڑ پتی بھی ہے، لکھ پتی بھی ہے، تو دانش مندی کی بات یہ ہے کہ جڑ بنیاد کو آدمی پکڑ لے۔

اس لیے آدمی کو اگر مانگنا چاہئے تو اللہ سے مانگے اس سے کیا مانگے جو خود مانگنے والا اور محتاج ہو، اسی لیے فرمایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ پکارنے بیٹھتے ہیں تو تنہا اللہ کی ذات کو پکارتے ہیں کسی اور کو ساجھی نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ اللہ کا کوئی اور مددگار تو نہیں ہے۔ جب انہوں نے آسمان بنایا تھا تو کسی سے کہا تھا کہ اتنا کام تم کر دو اتنا میں کرلوں گا جب پیٹ میں بچے کو بنایا تھا تو کیا کسی سے مدد مانگی تھی کہ آ تو بھی شریک ہو جا، مجھ اکیلے سے نہیں بنتا، تو شریک ہو جائے گا تو بن جائے گا جب کسی کام کی تخلیق میں کوئی شریک نہیں ہے تو عبادت میں کیسے شریک ہو گئے؟ وہ تنہا بناتا ہے، تو تنہا وہ معبود بھی ہوگا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. تنہا آپ ہی کی عبادت کریں گے تنہا آپ ہی سے مدد مانگیں گے، مسلم کو اللہ نے یہ شان دی ہے کہ اس کا سر خدا کے سوا کسی اور کے آگے نہیں جھکتا، یہ ذلت پیش کرے گا تو اللہ کے سامنے کرے گا بندہ بندہ کے آگے ذلیل ہونے کیلئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا اسی واسطے شریعت نے بھیک مانگنے سے ممانعت فرمائی ہے کوئی کسی کے آگے بھیک نہ مانگے اس لیے کہ مانگنے سے زیادہ ذلت کسی چیز میں نہیں ہے، بھیک مانگنا اپنے کو بے آبرو کرنا ہے بندے کو حق نہیں ہے کہ اپنے جیسے بندہ کے آگے بے آبرو بنے۔

ایک دوستی میں مانگنا ہے جیسے آپ کسی بے تکلفی میں یوں کہیں کہ بھئی! یہ چیز مجھے دے دو یہ تعلق کو بڑھانے کا ذریعہ بنتا ہے جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا:

اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ .

فرماتے ہیں اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے تم اپنے گھروں میں جس طرح تمہارا جی چاہے کھا سکتے ہو ماں کے گھر سے مانگ کر کھا سکتے ہو نہ مانگنا تکبر اور مانگنا تعلق کی علامت ہوگا باپ، حقیقی بھائی، بہن، چچے، پھوپھی، ماموں، خالہ یا ایسے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھر سے بھی مانگ کر کھا سکتے ہو کوئی حرج نہیں ان سے مانگ کر لو گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ جب انہوں نے اپنا سمجھا جب تو مانگا کوئی دنیا کے آگے تو یہ مانگتا نہیں پھرتا اس طرح بے تکلفی سے اگر کوئی مانگ لے تو یہ بجائے بے آبروئی کے آبرو کا ذریعہ بنتا ہے اور تعلق کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے اس کی اجازت دی گئی ہے ایک ہے بھیک مانگنا یعنی محتاج و مفلس بن کے کسی کے آگے آنا کہ تم ہمارا کام پورا کر دو ہم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے اس ذلت کے اظہار سے ممانعت کی گئی ہے وقار کے ساتھ مانگنا جو ہے اس کی ممانعت نہیں ہے بہر حال سوال میں چونکہ ذلت تھی اور ایسی ذلت صرف اللہ کے آگے اختیار کی جا سکتی ہے غیر کے آگے نہیں اس لیے اس کی ممانعت کی گئی ہے اور مانگو تو صرف خدا سے مانگو، فریاد اس سے کرو، اولاد، رزق، صحت سب کچھ اس سے مانگو اس لیے کہ ہر چیز کے خزانے اس کے قبضے میں ہیں اس لیے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ جب وہ پکارنے بیٹھتے ہیں تو اللہ کے سوا کسی کو شریک نہیں مانتے، تنہا اسی کو پکارتے ہیں۔

حقوق العباد کے بارے میں رحمٰن کے بندوں کا طرزِ عمل

تو یہاں تک چال ڈھال، زبان، ہاتھ، پیر، مال و دولت اور روح کی سب عبادت آ گئی اب آگے دوسرے کے ساتھ معاملہ، دوسرے کے حقوق کو بتلایا گیا اس بارے میں رحمٰن کے بندوں کی کیا شان ہے؟

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو ناحق قتل نہیں کرتے کہ کسی کی جان لے لی، کسی کی گردن اڑا دی، یہ رحمٰن کے بندے کی شان نہیں ہے یہ فساق و

Marfat.com

فجار کی شان ہے کہ دوسرے کو ایذاء پہنچائیں۔ اپنی بڑائی جتلانے کیلئے دوسروں کی حقارت چاہیں معاملات میں دوسروں کو حقیر سمجھیں یہ متکبروں کی شان ہے ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے وہ دنیا میں اپنے آپ کو سمجھیں کہ ہم بہت بڑے ہیں لیکن دنیا ہی میں ایسے لوگوں کا انجام برا ہو جاتا ہے جو دوسروں کی تحقیر کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

ہاں اللہ ہی حکم دیں کہ قتل کرو، پھر قتل کرنا فرض ہے جیسے قصاص میں قتل کریں کسی نے ناحق قتل کیا تھا تو سزا میں اس کا قتل کرنا یہ جائز ہے یا کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے اس کا قتل کر دینا جائز ہے یا اس طرح سے کوئی زنا کار ہو پتھروں سے سنگسار کر دینا یہ اس کا قتل کر دینا ہے یہ بھی جائز ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے پتھروں سے قتل کیا جائے غرض زنا کاری یا قاتلوں کو دنیا سے پاک کرنے کے لیے یا مرتدین جو دین کی کوئی اہمیت نہ سمجھیں اور اپنے دین کو بدل ڈالیں ایسے لوگوں سے دنیا کو پاک کرنے کے لیے قتل کرنا جائز ہے، یہ قتل حق ہے، ناحق وہ قتل ہے کہ قتل کا کوئی استحقاق نہیں تھا اور چار پیسے کی خاطر گردن ماردی یا ڈاکہ ڈالنا تھا جا کے قتل کر دیا یا جذبہ آیا لڑائی شروع ہوئی ادھر سے بھی چھری نکل آئی ادھر سے بھی نکل آئی قتل و غارت شروع ہو گیا اس کا کوئی حق نہیں تو یہی فرمایا گیا جن کی نسبت رحمٰن کی طرف ہوگی اور وہ رحمانی ہوں گے وہ یہ کام نہیں کریں گے یہ فساق و فجار کا کام ہے کہ وہ بیلوں کی طرح سے پھرتے ہیں بیل کا کام یہی ہے کہ جو سامنے آ گیا اس کے سینگ مار دیا یا شیر کے آگے کوئی گیا تو وہ دانت کھول کر پھاڑ کھانے کے لیے جا پڑا، غرض یہ بہائم کا کام ہے انسانوں کا کام نہیں ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ مؤمن کون ہے؟ مؤمن کی علامت کیا ہے؟

فرمایا: **المؤمن من امنه الناس علی دمائهم و اموالهم.**

مؤمن وہ ہے کہ لوگ اس سے اپنی جان، اپنے مال اور اپنی آبرو کے بارے میں مطمئن ہو جائیں کہ یہ مؤمن ہے کہ یہ ہماری جان نہیں لے سکتا، یہ ہمارے مال کو ضائع نہیں کر سکتا اور ہماری آبرو کو خراب نہیں کر سکتا لوگوں کو اتنا اطمینان پیدا ہو جائے پھر سمجھا جائے گا کہ یہ مؤمن ہے۔

پھر امنه الناس میں لفظ بھی عام ہے کہ لوگ مطمئن ہوں خواہ مسلم یا غیر مسلم ہوں، ہر ایک کو اطمینان ہو جائے کہ بھئی! یہ مؤمن ہے اس کا کام یہ نہیں کہ مار دھاڑ کرتا پھرے یا آبرو ریزیاں کرتا پھرے دنیا اس سے مطمئن رہے کہ یہ صالح آدمی ہے اس سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔

اور اگر آپ کسی سے کھٹکتے رہیں کہ بھئی کہیں یہ چھری نہ مار دے یہ مؤمن کیا اچھا خاصا بیل ہے بیل جب سڑک پر چلتا ہے تو آپ دامن بچا کر چلتے ہیں کہ کہیں پیشاب نہ کر دے کہ کوئی چھینٹ نہ آ جائے کہیں سینگ نہ مار دے تو اگر مؤمن سے بھی کوئی یوں بچنے لگے کہ بھئی جیب بچاؤ کہیں جیب نہ کتر لے کہیں جیب سے فونٹین پن نہ نکال لے جائے تو یہ مؤمن کیا ہوا مؤمن کا یہ کام نہیں ہے۔

اس لیے فرمایا کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو نفس انسانی کے درپے نہیں ہوتے قتل و غارت کرتے نہیں پھرتے ہاں خدا کا حکم آ جائے حکم کیلئے قصاص لے لیں تو قتل کر دیں ویسے ان کا کام نہیں ہے۔

وَلَا يَزْنُوْنَ آبرو ریزی نہیں کرتے۔

سب سے بڑی آبرو ریزی زنا کاری ہے، کہ ایک عورت کی آبرو ختم کر دی اور اس درجے ختم کر دی کہ عمر بھر کیلئے بے آبرو ہو گئی اس سے اگر بچہ پیدا ہوا وہ ولد الزنا ہو گا تو پوری برادری کہے گی کہ یہ حرام کا بچہ ہے اس کو بیٹی مت دو اس سے معاملہ مت کرو تو کتنا عظیم اس نے گناہ کیا کہ ایک عورت کی پوری زندگی برباد کر دی سوسائٹی میں اس کی کوئی وقعت اور آبرو باقی نہ رہی ایسا شخص قابل گردن زدنی ہے۔

پھر آبرو ریزی ایک کی کی اور امن ساری سوسائٹی سے اٹھا دیا دوسروں کو جرأت ہو گی کہ وہ بھی یہ حرکت کریں تو دنیا کے اندر بدامنی پھیل گئی آبرو باقی نہ رہی تو ایک کی آبرو جائے گی اور دوسرے کو اس نے آبرو ریزی کرنے کی جرأت دلائی اس واسطے فرمایا گیا کہ زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے، تو فقط یہ نہیں ہے کہ قتل کیا جائے بلکہ اس کا نصف حصہ زمین میں گاڑ کر پبلک اکٹھی ہو اور پتھر مار مار کر اسے سنگسار کیا جائے ظاہر میں تو یہ سزا بڑی سخت معلوم ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ وحشت والی سزا ہے لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ جرم کی نوعیت کو دیکھو کہ ایک شخص کی آبرو ضائع کی سوسائٹی برباد کی دنیا سے اس نے امن اٹھا دیا ایسے شخص کو تو اس سے زیادہ سزا دینی چاہئے۔

اس لیے فرمایا گیا کہ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ نہ وہ کسی کی جان گنواتے ہیں نہ کسی کی آبرو گنواتے ہیں دونوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا

پھر بھی اگر کوئی یہ حرکت کرے گا اُسے اثام میں ڈالا جائے گا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اثام ایک وادی اور جہنم میں جنگل

Marfat.com

ہے اس میں شدید عذاب ہے کہ جہنم بھی اس سے پناہ مانگتا ہے اس میں اسکا ٹھکانا بنایا جائے گا۔

یُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ، دوگنا تگنا عذاب اس کے اُوپر بڑھتا ہوا ہوگا، اس لیے کہ جیسے اس نے دنیا میں آبروریزی کر کے آبرو کو تہہ وبالا کیا کہ پھر آبرو ابھر ہی نہ سکے اس طرح عذاب بھی تہہ بہ تہہ ڈالا جائے گا تا کہ وہ ابھر ہی نہ سکے اسے بھی وہاں امن نہیں ہوگا، ویخلد فیہ مھانا اور ایک لمبی مدت تک ذلت اور رسوائی کے ساتھ یہ عذاب بھگتے گا۔

توبہ کرنے والوں سے حق تعالیٰ کا معاملہ

اِلَّا مَنْ تَابَ. سوائے اس کے کہ کوئی توبہ کرے اس سے آخرت کا عذاب ٹل جائے گا دنیا میں تو عذاب آ گیا کہ اسے سنگسار کر دیں گے لیکن ابھی آخرت کی توبہ باقی ہے اگر توبہ کر لی وہاں کا عذاب ختم ہو جائے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ جو توبہ کرے اور توبہ کے بعد نیک راستے پر چلنے لگے فضول حرکتوں کو ترک بھی کر دے پھر فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوں گے بلکہ اس کی نیکیاں بدیوں کو بھی مٹا دیں گی اس کی نیکیاں غالب آ جائیں گی اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں نیکیوں سے بدل دے گا اور اس تبدیلی کا ظہور آخرت میں ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص میدان محشر میں حاضر ہوگا، حق تعالیٰ اسے بلائیں گے وہ بے چارہ یا تو توبہ کر کے گیا ہوگا یا توبہ نہ کی ہوگی تو حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا۔ اسے فرمائیں گے قریب ہو جا، وہ قریب ہوگا فرمائیں گے اور قریب ہو جا، یہ بے چارہ لرز رہا ہے کپکپا رہا ہے، ہیبت زدہ اور ڈر رہا ہے فرمائیں گے اور قریب ہو جا، اتنا قریب آئے گا کہ حدیث میں ہے اس کے کانوں میں آہستہ آہستہ بات چیت ہوگی حق تعالیٰ اس کو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ یاد دلائیں گے، فرمائیں گے یہ حرکت کیوں کی؟ اور اس کا دل اُچھل اُچھل کر منہ کو آ رہا ہوگا کہ اب میری نجات کی کوئی صورت نہیں اور حکم ہوگا جاؤ جہنم میں اس لیے کہ ابھی تو چھوٹی چھوٹی برائیاں پوچھ رہے ہیں جو میں نے بڑی بڑی حرکتیں کی ہیں ان کی نوبت آ گئی تو کیا ہوگا؟ یہ معمولی باتیں تھیں ان کو پوچھ لیا ہے۔

عذر کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی عرض کرے گا اللہ میاں میں نے اپنی بدبختی سے ایسی حرکتیں کیں بہت سے بدیاں گنوانے کے بعد حق تعالیٰ فرمائیں گے ان سب کے بدلے ہم تجھے نیکیاں دیتے ہیں اور تیرے نامۂ اعمال میں وہ لکھی جاتی ہیں اب وہ حیران ہوگا کہ یہ تو دوسرا قصہ ہے میں تو ڈر رہا تھا کہ میرے لیے ہلاکت ہے، یہاں تو بدیوں کو نیکیوں سے بدلا جا رہا ہے اب خود ہی کہے گا اللہ میاں، وہ جو بہت بڑی بدی میں نے کی تھی وہ تو آپ نے پوچھی ہی نہیں، فرمائیں گے حق تعالیٰ وہ کیا تھی؟ بندہ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے اس کے بدلہ میں اتنی نیکیاں دیں پھر کہے گا ایک تو اس سے بھی بڑی کی تھی وہ آپ نے پوچھی ہی نہیں فرمائیں گے وہ کیا تھی؟ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے حق تعالیٰ اس کے بدلے میں اتنی نیکیاں دیں تو رحمت متوجہ ہو جائے تو ہلاکت کی کوئی صورت نہیں اور غضب خدانخواستہ متوجہ ہو جائے تو نجات کی کوئی صورت نہیں۔

آگے فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا اس سے پہلے تو وہ گنہگاروں سے معاملہ تھا اب آگے اصول بیان کیا جس سے جو بھی قصور ہو وہ توبہ در جوع کرے توبہ کا دروازہ کسی کے لیے بند نہیں مؤمن کا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ سے مایوس نہ ہو توبہ کا دروازہ اس وقت بند ہوگا جب آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا اور قیامت کی بڑی علامات نمایاں ہوں گی اور دنیا کا خاتمہ قریب ہوگا اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوگا اس لیے اگر ستر برس سے بھی معصیت میں مبتلا ہو اور آج دل سے سچی توبہ کر لے آج بھی معافی مل جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے زنا کیا اور اس کے دل میں ندامت اور شرمندگی آئی اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اے میرے پروردگار! فرماتے ہیں کہ ابھی اس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے بخش دیجئے حق تعالیٰ فوراً فرماتے ہیں۔ ایعلم ان له ربا. یعنی یہ جان گیا کہ اس کا بھی کوئی رب ہے جو اس کی پکڑ کر لے گا یہ جان گیا فرماتے ہیں جب یہ جان گیا تو قبل اس کے کہ یہ مغفرت مانگے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور حدیث میں ہے کہ مغفرت مانگ کر گیا اور اب پھر زنا کیا پھر ندامت ہوئی پھر آیا پھر کہا یا رب پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے اچھا اب بھی سمجھ گیا کہ ہے رب؟ پھر مغفرت مانگنے سے پہلے مغفرت کر دیتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے لوگو! تم گناہ کرتے کرتے تھک جاؤ گے لیکن اللہ بخشتے بخشتے نہیں تھکیں گے تمہارے گناہوں کی ایک حد ہے مگر اس کی رحمت کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے تو اس لیے یہ اصولاً فرما دیا کہ

Marfat.com

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا

اس کے بعد ایک دوسرا معاملہ ارشاد فرمایا

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۔ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب ان سے کوئی معاملہ پڑتا ہے تو وہ جھوٹ میں نہیں پڑتے زور کے معنی جھوٹی گواہی دینے کے ہیں تو رحمٰن کے بندے جھوٹی گواہیوں اور جھوٹی مقدمہ بازیوں میں نہیں پڑتے اور جب وہ لغو اور فضول مجلسوں سے گزرتے ہیں تو سادگی اور صفائی سے گزر جاتے ہیں ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ کرام بن کر گزر جاتے ہیں۔

اور ان کی دُعاء ہر وقت یہ ہوتی ہے کہ: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا اے ہمارے پروردگار! ہمیں جو ہماری بیویوں سے اولاد دے وہ صالح اور پاک اولاد دے اور ہمیں صالح اور پاک لوگوں سے آگے چلنے والے بنا کہ ہم خود اپنی اولاد اور بیویوں کو راہ دکھلائیں۔

اور یہ بھی فرمایا گیا وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا اور ان کے دلوں پر دینی سمجھ اور علم اتنا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہوں تو فوراً قلب کی سلامتی کی وجہ سے اس کا مطلب سمجھتے ہیں دین پر استقامت کی وجہ سے اس کا مطلب سمجھتے ہیں دین پر استقامت کی وجہ سے ان میں سمجھ پیدا کر دی جاتی ہے وہ ان آیات کو اندھے بہروں کی طرح قبول نہیں کرتے بلکہ سمجھ داری کے ساتھ شنوا و بینا ہو کر قبول کرتے ہیں وہ مطلب سمجھتے ہیں جو اللہ کا مطلب ہے۔

رحمٰن کے بندوں کی معاد

آگے فرماتے ہیں: أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ . یہی وہ لوگ ہیں جن کو بالائی منزلوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ بلڈنگیں عالمِ آخرت میں عطا کی جائیں گی مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ، محلات اور باغات ان کو عطا کیے جائیں گے اور ان کو ابدی زندگی دی جائے گی گویا یہ ہماری مقامات معاد ہے جہاں ہم کو جانا ہے اور ایک وہ جگہ ہے جہاں سے ہم آئے تھے یعنی اللہ کی ذات بابرکات اور اس کا حکم وہ ہمارے لیے مبداء تھا جس سے ہماری ابتداء ہوئی اور یہ (جزائے غرفات) ہماری معاد ہوگی اور بیچ میں زندگی گزارنے کا یہ طریقہ ہے کہ زبان، ہاتھ، پیر، روح اور مالیات کی بھی حفاظت ہو اور ہر چیز اللہ کے حکم کے مطابق ہو صرف کرنے کا جذبہ ہمارے اندر ہو اور یہ جب ہی ہوگا جب شریعت سامنے آئے اس کا علم اور تعلیم ہمارے سامنے آئے جس کے ذریعے ہم ہاتھ، پیر، قلب، دماغ، روح وغیرہ کو اس راستے پر ڈال سکیں۔

تو یہ جو ابتداء میں کہا گیا تھا کہ تین سوال ہیں اور فطرت سے پیدا ہوتے ہیں کہ کہاں سے آئے؟ کہاں جائیں گے؟

کس طرح سے زندگی گزاریں؟ تو جہاں سے ہم آئے وہ اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہے جس کے امر سے آئے اس کے وجود سے ہمیں پرتو ملا تو ہمارا وجود ہو گیا اس نے حکم دیا کہ ہو جا، ہم ہو گئے تو اصل اللہ کا حکم اور امر ہے اور کہاں جائیں گے؟

یہ معاد ہے کہ لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے، وہیں جا کر راحت مل سکتی ہے اور بیچ میں ہم اس کے کہے کے مطابق زندگی گزاریں اور اس کا کہا ہوا کیسے سامنے آئے؟

اس کے رسول اس کا فرمایا ہوا لے کر آئے ہیں جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں جس پر ہم کو چلنا ہے جب ان تینوں چیزوں پر آجائیں جب ہی فطرت کو تسلی ہوتی ہے اتنا آدمی اندھا رہے کہ اسے راستہ ہی نہ ملے جس کے اوپر وہ رہے اور یہ نہ پتہ ہو کہ میں کہاں سے آیا ہوں بس یہ کہ دنیا یوں ہی چلتی آتی ہے اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے اس کی فطرت میں سکون کبھی نہیں ہوگا۔

اسی طرح سے اگر یوں کہے کہ بس ایسے ہی چلتے رہیں گے نہ آخرت آئے گی نہ قیامت آئے گی، نہ یہ عالم ختم ہوگا تو پھر یہ الجھن پیدا ہوگی کہ جس چیز کی ابتداء ہوتی ہے اس کی انتہاء بھی ہوتی ہے جب اس عالم کی ایک ابتداء ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عالم کے ہر ہر جز کی ابتداء ہے تو کل کی بھی ابتداء ہے جب ابتداء ہے تو انتہاء بھی ہوگی گویا عقل اسے مجبور کرتی ہے کہ مان اور اس کا نفس مجبور کرتا ہے کہ نہ مان تو سکون پیدا نہیں ہوگا لیکن اگر مان لیتا ہے تو سکونِ قلب پیدا ہو جاتا ہے کہ آدمی ایک راستے پر لگ گیا اسے پھر طمانیت اور بشاشت حاصل ہو جاتی ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۳)

سورۃ الفرقان مکمل ہوئی

بحمد اللہ تعالیٰ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الشعراء

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو رزق حاصل کرنے میں دقت ہوگی اور کوئی چیز بغیر مصیبت کے نہ پائے گا اور سفر کو دوست رکھے گا اور فائدہ کم اٹھائے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً اَحَدٌ وَّاَرْبَعُوْنَ رُكُوْعًا
سورۃ الشعراء مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی دوسو ستائیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
طٰسٓمٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢
یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی

اعجازِ قرآن

یعنی اس کتاب کا اعجاز کھلا ہوا ہے۔ احکام واضح ہیں اور حق کو باطل سے الگ کرنے والی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت

حاکم نے مستدرک میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طٰہٰ اور طٰسٓمٓ والی سورتیں اور حٰمٓ والی سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے عطا کی گئیں۔

طٰسٓمٓ کا معنیٰ

طٰسٓمٓ بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا طٰسٓمٓ کی تفسیر سے علماء عاجز ہیں۔ علی بن طلحہ والبی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ قسم ہے اور اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے (یعنی اللہ نے اپنے اس نام کی قسم کھائی ہے) قتادہ نے کہا قرآن کے ناموں میں سے ایک نام طٰسٓمٓ ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٣
شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس بات پر کہ وہ یقین نہیں کرتے

اُمت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلسوزی

یعنی ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کیا ان کے پیچھے آپ اپنی جان کو ہلاک کر کے رہیں گے دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَخَعَ نَفْسَهٗ اس نے غم میں اپنی جان ہلاک کر دی۔

بَخَاع پشت میں ایک رگ ہوتی ہے جو گردن میں بھی آتی ہے۔

نزول آیت کا زمانہ

اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کو یہ بات بہت شاق ہوئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ تمنا اور رغبت تھی کہ اہلِ مکہ مسلمان ہو جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور کو اہلِ مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس بات کا غم ہو کہ کہیں خدا تعالیٰ مجھ سے اس کی باز پرس نہ کرے اس صورت میں یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیام تسلی ہے۔ لَعَلَّ کلمہ اُمید ہے لیکن اس جگہ رحم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی اپنی جان پر آپ رحم کریں اور غم میں نہ پڑیں آپ اگر غم کریں گے تو شاید آپ غم کی وجہ سے اپنی جان ہلاک کر دیں۔ درحقیقت ہم ہی ان کا مومن ہونا نہیں چاہتے۔ (تفسیر مظہری)

آیت سے معلوم شدہ احکام

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کسی کافر کے بارے میں اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اس کی تقدیر میں ایمان لانا نہیں ہے تب بھی اس کو تبلیغ کرنے سے رُکنا نہیں چاہئے، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ مشقت میں اعتدال چاہیے اور جو شخص ہدایت نہ پائے اُس پر زیادہ حزن وغم نہ کیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ
اگر ہم چاہیں اتاریں اُن پر آسمان سے ایک نشانی پھر رہ جائیں
اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝٤
اُن کی گردنیں اُس کے آگے نیچی

حکمتِ الٰہی

یعنی یہ دنیا ابتلاء کا گھر ہے جہاں بندوں کے انقیاد و تسلیم اور سرکشی کو

Marfat.com

آزمایا جاتا ہے۔ اسی لئے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کرلیا جائے۔ ورنہ خدا چاہتا تو کوئی ایسا آسمانی نشان دکھلاتا کہ اُس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں۔ بڑے بڑے سرداروں کو بھی انکار وانحراف کی قدرت باقی نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا تو نہیں کیا، ہاں وہ نشان بھیجے جنہیں دیکھ کر آدمی حق کو سمجھنا چاہے تو بآسانی سمجھ سکے۔ اور کبھی کبھی مغلوب ہوکر گردن جھکانے سے مفر بھی نہ ملے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ
اور نہیں پہنچتی اُن کے پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے
مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿٥﴾
نئی جس سے منہ نہیں موڑتے

محروم ہدایت لوگ

یعنی آپ جن کے غم میں پڑے ہیں اُن کی حالت یہ ہے کہ رحمٰن اپنی رحمت وشفقت سے جب اُن کی بھلائی کے لئے کوئی پند ونصیحت بھیجتا ہے یہ اُدھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ مُنہ پھیر کر بھاگتے ہیں گویا کوئی بہت بُری چیز سامنے آگئی۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ جب یہ زمین کو اور اس کی روئیدگی کو دیکھ رہے ہیں اور توحید الٰہی اور قیامت کے وقوع کی نشانیاں ان کے سامنے ہیں تو مزید آیات کی طلب نہ کرنی چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦﴾
سو یہ تو جھٹلا چکے اب پہنچے گی اُن پر حقیقت اُس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے

تکذیب وانکار کی سزا ملنے والی ہے

یعنی صرف معمولی اعراض ہی نہیں۔ تکذیب واستہزاء بھی ہے سو عنقریب دنیا اور آخرت میں اپنے کرتوت کی سزا بھگتیں گے۔ تب اُس چیز کی حقیقت کھُلے گی جس کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنبَتْنَا فِيهَا
کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اُگائیں ہم نے اُس میں
مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿٧﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ
ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں اس میں البتہ نشانی ہے

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨﴾
اور اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

تھوڑا سا غور کر کے حق تک رسائی ممکن ہے

یعنی یہ مکذبین اگر ایک پیش پا افتادہ زمین ہی کے احوال میں غور کرتے تو مبدا ومعاد کی معرفت حاصل کرنے کے لئے کافی ہوسکتی تھی۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اسی کرکری اور حقیر مٹی سے کیسے عجیب وغریب رنگ برنگ پھول پھل اور قسم قسم کے غلے اور میوے ایک مضبوط نظام تکوین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قدرت وحکمت رکھنے والے صانع نے اس پُر رونق چمن کی گلکاریاں کی ہیں جس کے قبضہ میں وجود کی باگ ہے اور وہ ہی جب چاہے اُسے ویران کرسکتا اور ویرانی کے بعد دوبارہ آباد کرسکتا ہے۔ پھر ان آیات تکوینیہ کو سمجھ لینے کے بعد آیات تنزیلیہ کی تصدیق میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ ہاں ماننا ہی منظور نہ ہو تو الگ بات ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٩﴾
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

قدرتِ الٰہی

یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ نہ ماننے پر فوراً عذاب بھیج سکتا تھا، مگر رحم کھا کر تاخیر کرتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔

ربطِ مضامین

آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان فرمائے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ خدا نے اُن کو کہاں تک ڈھیل دی، جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ وبرباد کیا۔ اُن میں پہلا قصہ قوم فرعون کا ہے جو پیشتر سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں بالتفصیل گزر چکا۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کرلئے جائیں۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾
اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اُس قوم گنہگار کے پاس
قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾
قوم فرعون کے پاس کیا وہ ڈرتے نہیں

Marfat.com

تم جا کر اُنہیں خدا کے غصہ سے ڈراؤ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو

یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا تھا موسیٰ نے درخت کو اور (درخت سے اُٹھتی ہوئی) آگ کو دیکھا اس وقت اللہ نے ان کو ندا دی تھی۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیامِ تسکین ہے کہ آپ کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان کا نقصان نہ کریں اور اس وقت کو یاد کریں جب اللہ نے موسیٰ کو ندا دی تھی اور قومِ فرعون کے پاس جا کر ہدایت کرنے کا حکم دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَیَضِیْقُ
بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلائیں اور رُک جاتا ہے
صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾
میرا جی اور نہیں چلتی ہے میری زبان سو پیغام دے ہارون کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ

یعنی پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیں گے اور مجلس میں کوئی تائید کرنے والا نہ ہوگا۔ ممکن ہے اُس وقت ملول اور حزین ہو کر طبیعت رُک جائے، دل نہ کھلے اور زبان میں کچھ لکنت پہلے ہی سے ہے۔ تنگدل ہو کر بولنے میں زیادہ رُکاوٹ پیدا نہ ہو جائے اس لئے میری تقویت و تائید کے لئے اگر ہارون کو جو مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں، میرا شریک حال کر دیا جائے تو بڑی مہربانی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ
اور ان کو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ

یعنی ایک قبطی کے خون کا دعویٰ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾
سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں

یعنی دعوت و تبلیغ سے پہلے ہی میرا کام تمام نہ کر دیں کہ یہ وہ ہی شخص ہے جو ہمارے آدمی کا خون کر کے بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں فرض تبلیغ کس طرح ادا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾
فرمایا کبھی نہیں تم دونوں جاؤ لے کر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تسکین و تسلی

یعنی کیا مجال ہے کہ ہاتھ لگا سکیں۔ جاؤ اپنی استدعاء کے موافق ہارون کو بھی ساتھ لو اور ہمارے دیئے ہوئے معجزات و نشانات لے کر وہاں پہنچو۔ ان نشانات کے ساتھ ہوتے ہوئے تم کو کیا ڈر، اور نشان کیا ہم خود ہر موقع پر تمہارے ساتھ ہیں اور فریقین کی گفتگو سُن رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾
سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا
اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۷﴾
یہ کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو

آزادی بنی اسرائیل کا پروگرام

بنی اسرائیل کا وطن حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ملک شام تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سبب سے مصر میں آ رہے، وہاں ایک مُدت گزری۔ اب اُن کو حق تعالیٰ نے ملک شام دینا چاہا۔ فرعون اُن کو نہ چھوڑتا تھا۔ کیونکہ اُن سے غلاموں کی طرح بیگار میں کام لیتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی آزادی کا مطالبہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو دعوت

بغوی نے لکھا ہے فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو برس غلام بنائے رکھا، اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ سو اسی ہزار تھی (یعنی چھ لاکھ اسی ہزار) غرض موسیٰ مصر کی طرف چلے ہارون وہاں موجود ہی تھے موسیٰ نے ہارون کو حکم الٰہی سے مطلع کیا۔ قصہ کی تفصیل میں آیا ہے کہ موسیٰ جب مصر کو لوٹ کر آئے تو اس وقت اونی چوغہ پہنے ہاتھ میں لاٹھی لئے لاٹھی کے سرے میں توبڑا لٹکا ہوا (جس کے اندر کھانے پینے کا سامان تھا) اس ہیئت سے مصر میں داخل ہوئے۔ مصر میں آ کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور ہارون کو اطلاع دی کہ اللہ نے مجھے فرعون کے اور تمہارے پاس بھیجا ہے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ ہم دونوں جا کر فرعون کو دعوت دیں یہ سن کر موسیٰ و ہارون کی ماں آ گئی اور چیخ پڑی کہنے لگی فرعون تو تجھے قتل کرنے کے لئے تیری تلاش میں ہے اگر تم لوگ

Marfat.com

اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو مروا ڈالے گا۔ حضرت موسیٰ نے اس کی ایک نہ مانی اور رات کو دونوں فرعون کے دروازہ پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان ہکے بکے ہو گئے اور گھبرا کر انہوں نے پوچھا، دروازہ پر کون ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ دربانوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا اور پوچھا تم دونوں کون ہو۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، میں رب العالمین کا قاصد ہوں فوراً دربان نے فرعون سے جا کر کہا، ایک پاگل دروازے پر کھڑا کہہ رہا ہے میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے صبح تک یوں ہی چھوڑے رکھا۔ صبح ہوئی تو دونوں کو طلب کیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں فرعون کی طرف گئے لیکن سال بھر تک فرعون نے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی پھر دربان نے جا کر فرعون سے کہا یہاں ایک آدمی ہے جو کہہ رہا ہے کہ میں رب العالمین کا قاصد ہوں، فرعون نے کہا اندر آنے دو۔ ہم اس سے کچھ دل لگی ہی کریں گے۔ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ کا پیغام پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ کو پہچان گیا۔ کیونکہ آپ نے اسی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ (تفسیر مظہری)

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود قصۂ فرعون زین افسانہ بود

رب العالمین کی طرف سے جو پیغام ہدایت لے کر تیرے پاس آیا ہوں۔ وہ تیری روحانی تربیت بلکہ روحانی حیات اور دائمی زندگی کا سامان ہے جس کے سامنے وہ چند روزہ تربیت جس کا تو مجھ پر احسان جتلا رہا ہے ہیچ ہے، تو مردہ ہے میں تیرے لئے ہدایت کا تریاق لے کر آیا ہوں ایک گھونٹ پی لے زندہ ہو جائے گا۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا

بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا

فرعون کا جواب

یعنی تو وہ ہی نہیں جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز و نعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے اتنا بڑا کیا۔ اب تیرا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتا اور اپنی بزرگی منواتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس

اتنے برسوں تک کبھی یہ دعوے نہ کئے، اب یہاں سے نکلتے ہی رسول بن گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ

اور کر گیا تو اپنی وہ کرتوت جو کر گیا

یعنی جو کرتوت کر کے بھاگا تھا (قبطی کا خون) اُسے ہم بھولے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور تو ہے ناشکرا

یعنی ہمارے سب احسانات بھلا کر لگا پیغمبری کے دعوے کرنے اُس وقت تو بھی (العیاذ باللہ) اُن ہی میں کا ایک تھا جن کو آج کافر بتلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

کہا کیا تو تھا میں نے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عذر

یعنی قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مُکا مارنے میں جو تادیب کے لئے تھا اُس کا دم نکل جائے گا۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ (قصص۔ رکوع۲) (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ ضلال کا مفہوم

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فرعون کے اس سوال پر کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃً اور قصد سے نہ تھا بلکہ اُس قبطی کو اُس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لئے گھونسہ مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل بلا ارادہ ہوا تھا جو منافی نبوت نہیں، حاصل یہ ہوا کہ یہاں ضلال کا مطلب بے خبری ہے اور اس سے مراد قبطی کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے، اس معنی کی تائید حضرت قتادہؒ اور ابن زید رحمہ اللہ کی روایات سے بھی ہوتی ہے کہ دراصل عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں، اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اس کا ترجمہ گمراہ کرنا درست نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا

پھر بھاگا میں تم سے جب تمہارا ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم

Marfat.com

وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۱﴾

اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا

دعوائے نبوت

یعنی بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے بھاگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت وحکمت عطا فرمائے۔ اُس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو، پھر اس طرح بے خوف وخطر تنہا تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۲۲﴾

اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام بنایا تو نے بنی اسرائیل کو

فرعون کے احسان کا تجزیہ

یعنی بچپن میں میری پرورش کا احسان جتلانا تجھے زیب نہیں دیتا کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواب ہوسکتا ہے کہ تو نے اُس کی ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ بالخصوص جبکہ اُس بچہ کی تربیت بھی خود تیرے زہرہ گداز مظالم کے سلسلہ ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہو۔ نہ تو بنی سرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا، نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ تابوت میں رکھ کر مجھے دریا میں چھوڑتی، نہ تیرے محل سرا تک رسائی ہوتی، ان حالات کا تصور کر کے تجھ کو ایسا احسان جتلاتے ہوئے شرمانا چاہیے اور صاف بات یہ ہے کہ جس پروردگار نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اُسی نے آج تیری خیر خواہی کے لئے مجھے رسُول بنا کر بھیجا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کی طرف سے یہ اقرارِ احسان ہے کہ تو نے مجھے زندہ چھوڑ دیا اور پالا، اور دوسرے اسرائیلی بچوں کی طرح قتل نہیں کرایا، گویا حضرت موسیٰ نے فرمایا، بیشک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو نے غلام بنائے رکھا اور مجھے چھوڑ دیا۔ غلام نہیں بنایا۔

بظاہر یہ اقرار نعمت ہے اور حقیقت میں انکار ہے، حضرت موسیٰ نے اول فرعون کی تردید وتوبیخ کی اور پھر اس نعمتِ تربیت کی طرف کلام کا رخ کیا جس کا فرعون نے ذکر کیا تھا لیکن اس کا صراحۃً انکار نہیں کیا۔ کیونکہ فرعون نے واقع میں پالا ہی تھا بلکہ اس بات پر تنبیہ کی کہ یہ نعمت حقیقت میں احسان نہ تھی لیکن ظلم کے مقابلے میں یا ظلم کے نتیجہ میں یہ نعمت تھی مجھ پر تیرا احسان نتیجہ تھا اس بات کا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو تو قتل کراتا تھا اسی وجہ سے میں تیرے ہاتھ لگا اور تیرے پاس مجھے پہنچایا گیا اور تو نے میری پرورش وکفالت کی۔ اگر تو بنی اسرائیل کو حد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کراتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ پھینکتے اور میں تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (تفسیر مظہری)

فرعون کا جواب

تو نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ مجھے تو تو نے چھوڑ دیا اور میرے سوا ساری قوم کو غلام بنا لیا تو کیا اسی طرح کی اس چند روزہ پرورش سے میری نبوت ورسالت کو دفع کرنا چاہتا ہے میں نے اگر تیری چند روزہ نعمت تربیت کا کفران کیا ہے تو تو رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے اور جس رب العالمین نے تجھ کو اور تیرے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے۔ تو تُو اسی رب العالمین کا کافر اور منکر بنا ہوا ہے اور جس رب العالمین نے تیری روحانی تربیت اور ہدایت کے لئے رسول بھیجا ہے تو تو اس کی ہی تکذیب اور کفر پر تلا ہوا ہے اور رب العالمین نے جو مجھے آبِ حیات دے کر بھیجا ہے تو اس کا ایک گھونٹ بھی پینے کے لئے تیار نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفرانِ نعمت ہوسکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾

بولا فرعون کیا معنی پروردگار عالم کا

ربُّ العالمین کے متعلق فرعون کا سوال

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے امتثال میں اپنے کو رب العالمین کا پیغمبر کہا، اُس پر فرعون حسد، تعنت اور ہٹ دھرمی کی راہ سے بولا کہ (العیاذ باللہ) رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے، میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ اُس شقی ازلی کا دعویٰ تو اپنی قوم کے رُوبرو یہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا) اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (تمہارا بڑا پروردگار میں ہوں) چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل وبلادت سے اور بعض خوف یا طمع سے اُسی کی پرستش کرتے تھے۔ گو دل میں اُس ملعون کو بھی خدا کی ہستی کا یقین تھا۔ جیسا کہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل رکوع ۱۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ (بطور تحقیق) کہنے لگا رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے یعنی فرعون نے رب العالمین کی حقیقت دریافت کی اور ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات مرکب نہیں ہے کہ اس کے اجزاء ذاتیہ حضرت موسیٰ بتا دیتے اور فرد کے صرف خصوصیات ہی بتائے جا سکتے ہیں (یعنی صرف تعریف بالخاصہ ہی ہو سکتی ہے) اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب میں اللہ کے خصوصی افعال اور آثار کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ
کہا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے
اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾
اگر تم یقین کرو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

یعنی آسمان وزمین کی سب چیزیں جس کے زیر تربیت ہیں وہ ہی رب العالمین ہے۔ اگر تمہارے قلوب میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو فطرۃ انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾
بولا اپنے گردوالوں سے کیا تم نہیں سنتے ہو

فرعون کی چالاکی

فرعون جان بوجھ کر بات کو رلانا چاہتا تھا اپنے حوالی موالی کو اُبھارنے اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو خفیف کرنے کیلئے کہنے لگا، سنتے ہو، موسیٰ کیسی دور از کار باتیں کر رہے ہیں۔ کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا آسمان وزمین میں کوئی اور رب ہے؟ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾
کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زورِ خطاب

یعنی او احمق! میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ اور جب تمہارا بیج بھی نہ تھا اُس وقت زمین وآسمان کی تربیت وتدبیر کر رہا تھا۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾
بولا تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے

فرعون کا دوسرا پینترا

یعنی (العیاذ باللہ) کس دیوانہ کو رسول بنا کر بھیجا ہے جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے اور ہماری شوکت وحشمت کو دیکھ کر ذرا نہیں جھجکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ عقل سے بالکل خالی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ
کہا پروردگار مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے
اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾
اگر تم سمجھ رکھتے ہو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور ناقابل انکار دلیل

حضرت موسیٰ نے پھر ایک بات کہی جس طرح کی حضرت ابراہیم نے نمرود کے سامنے آخر میں کہی تھی۔ یعنی رب العالمین وہ ہے جو مشرق ومغرب کا مالک اور تمام سیارات طلوع وغروب کی تدبیر ایک محکم ومضبوط نظام کے موافق کرنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتلا سکتے ہو کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا بجز خدا کے کون ہو سکتا ہے۔ کیا کسی کو قدرت ہے کہ اُس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک سیکنڈ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سُن کر فرعون بالکل مبہوت ہو گیا اور بحث وجدال سے گزر کر دھمکیوں پر اُتر آیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''حضرت موسیٰ ایک بات کہے جاتے تھے اللہ کی قدرتیں بتانے کو اور فرعون بیچ میں اپنے سرداروں کو اُبھارتا تھا کہ اُن کو یقین نہ آ جائے۔'' (تفسیر عثمانی)

یعنی روزانہ دیکھتے ہو کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور گزشتہ دن کے محور کے علاوہ دوسرے محور پر چلاتا ہے یہاں تک کہ مغرب تک ایسے طریقہ سے پہنچا دیتا ہے جو انتظام کائنات کے لئے انتہائی مفید ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ گئے ہو گے کہ جو جواب میں نے دیا ہے اس سے اعلیٰ جواب (اللہ کے بارے میں) ممکن نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے گفتگو میں نرمی کی تھی لیکن جب ان لوگوں کی طرف سے شدت محسوس کی تو ان ہی کے قول کی طرح اپنے کلام میں بھی درشتی اختیار کر لی۔

Marfat.com

مغلوب جاہلوں کی عادت ہے کہ جب کوئی جواب بن نہیں پڑتا تو دھمکیاں دینے پر اتر آتے ہیں فرعون نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب لا جواب ہوگیا تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ
بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوائے تو مقرر ڈالوں گا تجھ کو
مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾
قید میں

فرعون کی دہشت گردی

اس مرتبہ فرعون نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں ''مصر'' میں کوئی اور خدا نہیں۔ اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو قید خانہ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بولا اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کردوں گا۔

الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ میں الف لام عہدی ہے یعنی ان قیدیوں میں شامل کردوں گا جن کی حالت میرے قید خانے میں تجھے معلوم ہے، کلبی نے کہا فرعون کی قید کی حالت قتل سے بھی زیادہ سخت تھی، قیدی کو ایک تنہا اندھیری کوٹھڑی میں پھینک دیتا تھا، قیدی کو وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا اور لڑھکتا ہوا زمین کے اندر چلا جاتا تھا۔ فرعون کو سخت عذاب دینے کی قدرت حاصل تھی اس سے اس نے اپنے رب ہونے پر استدلال کیا اور صانعِ عالم کا انکار کرنے لگا اس نے بطور تعجب اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ کہا تھا کہ میرے سوا کسی دوسرے اِلٰہ کا ہونا عجیب بات ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾
کہا اور اگر لے کر آیا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور چیلنج

یعنی فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا جواب تھا اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلاؤں تو کیا پھر بھی تیرا فیصلہ یہ ہی رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ
بولا تو وہ چیز لا اگر تو سچ کہتا ہے پھر ڈال دیا اپنا عصا،
فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا
سو اسی وقت وہ اژدہا ہوگیا صریح اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ سو
هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ
اسی وقت وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے سامنے، بولا اپنے گرد کے سرداروں
اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ
سے یہ تو کوئی جادوگر ہے پڑھا ہوا چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو
مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾
تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے، سو اب کیا حکم دیتے ہو

فرعون کی بدحواسی

یا تو خدائی کے دعوے تھے، یا اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہوگیا کہ اپنے غلاموں اور پرستاروں کے احکام پر چلنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾
بولے ڈھیل دے اس کو اور اُس کے بھائی کو اور بھیج دے شہروں میں نقیب
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ
لے آئیں تیرے پاس جو بڑا جادوگر ہو پڑھا ہوا پھر اکٹھے کئے جادوگر وعدہ پر
يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾
ایک مقرر دن کے

یعنی عید کے دن چاشت کے وقت۔

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾
اور کہہ دیا لوگوں کو کیا تم بھی اکٹھے ہوگے
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾
شاید ہم راہ قبول کرلیں جادوگروں کی اگر ہو اُن کو غلبہ

فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا

یعنی سب کو اکٹھا ہونا چاہیے۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب

Marfat.com

آئیں گے۔ اُس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھلانے کے لئے اپنے ساحرین ہی کی راہ پر چلیں گے۔ گویا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس میں ہماری کوئی خودغرضی نہیں۔ جب مقابلہ میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا تو انصافاً کسی کو ہمارے طریقہ سے منحرف ہونے کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

جادوگروں سے مراد ہیں وہ جادوگر جن کو فرعون نے موسیٰ کے مقابلے کے لئے بلوایا تھا۔ لَعَل امید ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے اور امید کا لفظ اسی کی تائید کر رہا ہے کہ جادوگروں سے مراد ہیں فرعون کے جمع کیے ہوئے جادوگر۔ (حضرت مؤلف نے کہا) جادوگروں سے' ہیں موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم والے اور اتباع سے مراد ہے اتباع دینی۔ اس وقت امید کا (حقیقی اصل معنی مراد نہ ہوگا بلکہ) مطلب یہ ہوگا کہ اگر موسیٰ اور ہارون غالب ہو گئے تو شاید ہم ان کے دین پر چلنے لگیں، یعنی ہم ان کے دین پر نہیں چلیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا
پھر جب آئے جادوگر کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا حق بھی ہے
اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ
اگر ہو ہم کو غلبہ بولا البتہ اور تم اُس
اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾
وقت مقربوں میں ہو گے

فرعون کے جادوگر کرائے کے مزدور

یعنی نہ صرف مالی انعام واکرام بلکہ تم میرے خاص مصاحبوں میں رہو گے۔ ان آیات کا مفصل بیان ''اعراف'' اور ''طٰہٰ'' میں گزر چکا ہے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾
کہا اُن کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو

جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیلنج

یعنی جب ساحرین نے کہا کہ موسیٰ تم پہلے اپنی لاٹھی ڈالتے ہو، یا ہم ڈالیں، اُس کے جواب میں فرمایا کہ تم ہی اپنی قوت خرچ کر دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا کہ آپ جو کچھ جادو دکھانا چاہتے ہو وہ دکھاؤ، اس پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کو جادو کا حکم دے رہے ہیں، لیکن ذرا سے غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادو دکھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ جو کچھ وہ کرنے والے تھے اس کا ابطال مقصود تھا لیکن اس کا باطل ہونا بغیر اس کے ظاہر کرنے کے ناممکن تھا اس لئے آپ نے ان کو اظہار جادو کا حکم دیا جیسے کہ ایک زندیق کو کہا جائے کہ تم اپنے زندقہ، اور بے دینی کے دلائل پیش کرو تا کہ میں ان کو باطل ثابت کر سکوں ظاہر ہے کہ اسے کفر پر رضامندی نہیں کہا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ
پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور بولے فرعون کے اقبال
اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾
سے ہماری ہی فتح ہے

جادوگروں نے فرعون کی قوت کا سہارا لیا

بعض نے بعزۃ فرعون کو قسم کے معنی میں لیا ہے یعنی فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی غالب ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ یہ کلمہ ان جادوگروں کے لئے بمنزلہ قسم ہے جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھی۔ افسوس کہ مسلمانوں میں بھی اب ایسی قسمیں رائج ہو گئی ہیں جو اس سے زیادہ شنیع اور قبیح ہیں مثلاً بادشاہ کی قسم، تیرے سر کی قسم، تیری ڈاڑھی کی قسم یا تیرے باپ کی قبر کی قسم، اس قسم کی قسمیں کھانا شرعاً جائز نہیں، بلکہ ان کے متعلق یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ خدا کے نام کی جھوٹی قسم کھانے میں جو گناہ عظیم ہے۔ ان ناموں کی سچی قسم بھی گناہ میں اُس سے کم نہیں (کمافی الروح) (معارف مفتی اعظم)

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾
پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا پھر تب ہی وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے بنایا تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح

شیخ اکبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خالی رسیاں اور لاٹھیاں رہ گئیں جو سانپوں کی صورتیں انہوں نے بنائیں تھیں، موسیٰ کا عصا اُن کو نگل گیا۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾
پھر اوندھے گرے جادوگر سجدہ میں بولے ہم نے مان لیا جہان کے رب کو

Marfat.com

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ
جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا بولا تم نے اُس کو مان لیا ابھی
اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ
میں نے حکم نہیں دیا تم کو مقرر وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھلایا جادو

فرعون کی سیاسی چالبازیاں

یعنی موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے، آپس میں سازش کر کے آئے ہو کہ تم یہ کرنا، ہم یوں کہیں گے اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''تمہارا بڑا'' کہا رب کو ''یعنی موسیٰ اور تم ایک اُستاد کے شاگرد ہو'' واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

یعنی فرعون کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ لوگ جادوگروں کے ایمان لانے سے بہک جائیں گے اور خیال کرنے لگیں گے کہ جادوگروں کے سامنے حق کا ظہور ہو گیا اس لئے وہ ایمان لے آئے پس قوم کو دھوکہ دینے اور حقیقت کو مشتبہ بنانے کے لئے اس نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ (کی اس کرشمہ سازی) کا یقین کر لیا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ جادوگر جو عمر بھر جادوگری کے کفر میں مبتلا، اُس پر مزید فرعون کے دعوائے خدائی کو ماننے والے اور اس کی پرستش کرنے والے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اپنی پوری قوم کے خلاف، فرعون جیسے ظالم جابر بادشاہ کے خلاف ایمان کا اعلان کر دیں یہی ایک حیرت انگیز چیز تھی مگر یہاں تو صرف ایمان کا اعلان ہی نہیں بلکہ ایمان کا وہ گہرا رنگ چڑھ جانے کا مظاہرہ ہے کہ قیامت و آخرت گویا ان کے سامنے نظر آنے لگی۔ آخرت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگا ہے جس کے مقابلے میں دُنیا کی ہر سزا اور مصیبت سے بے نیاز ہو کر فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ کہہ دیا یعنی جو تیرا جی چاہے کر لے ہم تو ایمان سے پھرنے والے نہیں۔ یہ بھی درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا معجزہ ہے جو معجزہ عصا اور یدِ بیضاء سے کم نہیں، اسی طرح کے بہت سے واقعات ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں کہ ایک منٹ میں ستر برس کے کافر میں ایسا انقلاب آ گیا کہ صرف مؤمن ہی نہیں ہو گیا بلکہ غازی بن کر شہید ہونے کی تمنا کرنے لگا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ
سو اب معلوم کر لو گے البتہ کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۚ
اور سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو بولے کچھ ڈر نہیں
اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۚ
ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے

جادوگروں کے ایمان کی پختگی

یعنی بہر حال مر کر خدا کے یہاں جانا ہے اس طرح مریں گے، شہادت کا درجہ ملے گا، یہ سب مضامین ''سورۂ اعراف'' وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ
ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخش دے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری اس واسطے
اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ط ع
کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے بعد بھرے مجمع میں ظالم فرعون کے رُوبرو سب سے پہلے ہم نے قبول حق کا اعلان کیا۔ اس سے اُمید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ہماری گزشتہ تقصیرات کو معاف فرمائے گا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾
اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے

ہجرت کا حکم

یعنی جب ایک مُدت مدید تک سمجھانے اور آیات دکھلاتے رہنے کے بعد بھی فرعون نے حق کو قبول نہ کیا اور ''بنی اسرائیل'' کا ستانا نہ چھوڑا، تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر رات میں یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اور دیکھنا یہ فرعونی لوگ تمہارا پیچھا کریں گے (گھبرانا نہیں)۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ ج
پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب

تعاقب کی تیاری

تا کہ تمام قبطیوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کرے۔

Marfat.com

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾
یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی

فرعون کے دعوے

یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں نے تم کو تنگ کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی ہستی کیا ہے جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ برآ ہو سکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لئے کہیں۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾
اور وہ مقرر ہم سے دل جلے ہوئے ہیں

یا ہم کو غصہ دلا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کی کم بختی نے دھکا دیا ہے۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾
اور ہم سارے اُن سے خطرہ رکھتے ہیں

تو اس روز روز کے خطرہ کا قلع قمع ہی کرو بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ہماری بڑی جمعیت ہے جو محتاط یا مسلح ہے تو یہ الفاظ دل بڑھانے کیلئے ہوں گے۔ واللہ اعلم

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾
پھر نکال باہر کیا ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے
وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾
اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح

فرعونیوں کی بدبختی

یعنی اس طرح قبطی گھر بار، مال و دولت، باغ اور کھیتیاں چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں ایک دم نکل پڑے۔ جنہیں پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ گویا اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو نکال باہر کیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾
اسی طرح اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ بنی اسرائیل کے

بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنا دیا

یا تو اُس کے بعد ہی یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اور یا ایک مدت بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد میں جب ملک مصر بھی اُن کی سلطنت میں شامل ہوا۔ واللہ اعلم پہلے اس کے متعلق اختلاف گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرٰٓاءَا الْجَمْعٰنِ
پھر پیچھے پڑے اُن کے سورج نکلنے کے وقت پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں
قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾
کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے

دریائے قلزم کے کنارے پر

یعنی بحر قلزم کے کنارہ پہنچ کر بنی اسرائیل پار ہونے کی فکر کر رہے تھے کہ پیچھے سے فرعونی لشکر نظر آیا گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اب ان کے ہاتھ سے کیسے بچیں گے۔ آگے سمندر حائل ہے اور پیچھے سے دشمن دبائے چلا آ رہا ہے۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾
کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ مجھ کو راہ بتلائے گا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اطمینان علی اللہ

یعنی گھبراؤ نہیں، اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھو، اُس کی حمایت و نصرت میرے ساتھ ہے۔ وہ یقیناً ہمارے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ ناممکن ہے کہ دشمن ہم کو پکڑ سکے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ
پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو
فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾
پھر دریا پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ

عصائے موسیٰ سے پانی میں راستے بن گئے

پانی بہت گہرا تھا۔ بارہ جگہ سے پھٹ کر خشک راستے بن گئے بارہ قبیلے بنی اسرائیل کے الگ الگ اُن میں کو گزرے اور بیچ میں پانی کے پہاڑ کھڑے رہ گئے۔ (کذا فی موضح القرآن)

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ

Marfat.com

اور پاس پہنچادیا ہم نے اُسی جگہ دوسروں کو اور بچادیا ہم نے موسیٰ کو اور جو
مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾
لوگ تھے اُس کے ساتھ سب کو پھر ڈبا دیا ہم نے اُن دوسروں کو

فرعون اوراس کے لشکر کی غرقابی

یعنی فرعونی لشکر بھی قریب آ گیا اور دریا میں راستے بنے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعد بے سوچے سمجھے گھس پڑا۔ جب تمام لشکر دریا کی لپیٹ میں آ گیا، فوراً خدا کے حکم سے پانی کے پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے۔ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾
اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں تھے بہت لوگ اُن میں ماننے والے

حق کی کامیابی کی دلیل

یعنی جب اکثروں نے حق کو قبول نہ کیا تو آخر میں قدرت نے یہ نشان دکھلایا۔ جس سے صادقین اور مکذبین کے انجام کا دنیا ہی میں الگ الگ پتہ چل جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بلاشبہ اس میں (یعنی موسیٰ کو ساتھیوں سمیت بچا لینے اور فرعون کو ساتھیوں سمیت غرق کر دینے میں) کھلی ہوئی دلیل ہے (موسیٰ کی سچائی کی) اور ان میں (یعنی فرعون کے ساتھیوں میں) اکثر لوگ مؤمن نہ تھے۔

روایت میں آیا ہے کہ فرعون کے ساتھیوں میں سے صرف یہ لوگ ایمان لائے تھے آسیہ فرعون کی بی بی، ایک وہ شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوا تھا یعنی خزیل اور اس کی بی بی اور مریم بنتِ ناموسیا۔ یہ مریم وہی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾ ع
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

یہ سُنا دیا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ مکہ کے فرعون بھی مسلمانوں کے پیچھے نکلیں گے لڑائی کو۔ پھر وطن سے باہر تباہ ہوں گے "بدر" کے دن جیسے فرعون تباہ ہوا۔ (موضح القرآن)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور سنا دے اُن کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو
وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾
اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو

دعوتِ ابراہیمی

یعنی یہ چیز کیا ہے جسے تم پوجتے ہو؟ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾
وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں

قوم کا جواب

یعنی تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت و عقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر ان ہی کو لگے بیٹھے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ہمیشہ ان ہی پر جمے رہتے ہیں (حضرت ابراہیم کا سوال مختصر تھا لیکن) فخر کے طور پر انہوں نے جواب کو طول دے دیا نَظَلُّ (کا لغوی ترجمہ ہے ہم دن کو ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ یہاں مناسب نہیں ہے اس لئے اس جگہ اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ رہتے ہیں؟ بغوی نے لکھا ہے وہ لوگ دن میں بتوں کی پوجا کرتے تھے رات کو نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾
کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال

یعنی اتنا پکارنے پر کبھی تمہاری بات سنتے ہیں؟ اگر نہیں سنتے (جیسا کہ اُن کے جماد ہونے سے ظاہر ہے) تو پکارنا فضول ہے۔

اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾
یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا بُرا

یعنی کیا پوجنے پر کچھ نفع یا نہ پوجنے کی صورت میں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے جو اپنے اُوپر سے مکھی تک نہ اُڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع نقصان پہنچا سکیں گے؟ پھر ایسی عاجز و لایعقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

Marfat.com

بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے

قوم کا جواب

یعنی ان منطقی بحثوں اور کج حجتیوں کو ہم نہیں جانتے، نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے۔ کیا ہم اُن سب کو احمق سمجھ لیں۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۷۵﴾

کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۖ﴿۷۶﴾

تم اور تمہارے باپ دادے اگلے

یعنی ان کا پوجنا ایک پُرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرّہ برابر نفع نقصان نہ ہو اُس کی عبادت کیسی؟

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ

سو وہ میرے غنیم ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلانِ جنگ

یعنی لو! میں بے خوف و خطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہوں گا وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (انبیاء رکوع ۵) اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال تعالیٰ فی موضع آخر وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۭ الآیۃ (انعام۔ رکوع ۹) وقال نوح علیہ السلام فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (یونس۔ رکوع ۸) وقال ہود (علیہ السلام) فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (ہود۔ رکوع ۵) اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ نہایت موثر ولطیف پیرایہ میں مشرکین پر تعریض ہے۔ یعنی جن کی تم عبادت کر رہے ہو میں اُن کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ اگر نعوذ باللہ ان کی پرستش کروں تو سراسر نقصان ہے۔ اسی سے سمجھ لو کہ تم بھی ان کی عبادت کر کے نقصان اُٹھا رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اپنا دشمن کہنے سے در پردہ یہ مراد ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں تم کو ان کی پوجا کرنے سے ایسا ضرر پہنچے گا جو کسی شخص کو اپنے دشمن سے نہیں پہنچتا۔ مہربان واعظ کی نصیحت کرنے کا یہ مؤثر طریقہ ہی ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کو مخاطب کرتا ہے اور مقصد ہوتا ہے دوسروں کو نصیحت کرنا۔

اسی قسم کا استعمال دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ یعنی کیا وجہ کہ تم اپنے خالق کی عبادت نہ کرو۔

جمادات کی طرف دشمن ہونے کی نسبت مجازی ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ ضرر پہنچنے کا ذریعہ ہیں یا اس وجہ سے کہ قیامت کے دن وہ دشمن بن جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۷۷﴾

مگر جہان کا رب

کہ وہ ہی میرا معبود دوست اور مددگار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہلِ علم نے کہا کہ قومِ ابراہیم بتوں کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمہارے سارے معبود سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں یا یوں کہا جائے کہ ان کے آباو اجداد میں سے کچھ لوگ اللہ کو مانتے اور اس کی عبادت کرتے تھے (ان دونوں صورتوں میں استثناء متصل ہوگا) (تفسیر مظہری)

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۙ﴿۷۸﴾

جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے

اللہ تعالیٰ ہی خالق و راہنما ہے

یعنی فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد و منافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر مخلوق کو زندگی کا دنیوی و اخروی راستہ وہی بتاتا ہے اللہ نے فرمایا ابتداء ایجاد سے انتہا موت تک پوری زندگی اللہ تخلیقی تدریجی رہنمائی فرماتا رہتا ہے تاکہ انسان مفید حیات چیزوں کو حاصل کرتا اور ضرر رساں چیزوں سے بچتا رہے۔ رحم کے اندر بچہ ماں کا فضول خون ناف کے ذریعہ سے چوسنا شروع کرتا ہے اور اس سفر کی انتہاء داخلہ، جنت ہے یہ ساری رہنمائی اللہ ہی کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۙ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ

اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں

فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۙ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۙ﴿۸۱﴾

تو وہی شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلائے گا

راز، شافی اور زندگی و موت کا مالک اللہ ہی ہے

Marfat.com

یعنی کھلانا پلانا، مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا، سب اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ ہی مجھے شفا عنایت کرتا ہے۔

ادب کا لحاظ

بیماری اور شفا دونوں کا خالق اللہ ہی ہے لیکن بلحاظ ادب مریض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ حضرت خضر کے قول کو نقل کیا ہے اور فرمایا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جائیں (اول آیت میں ارادہ عیب کی نسبت حضرت خضر نے اپنی طرف کی تقاضاءِ ادب یہی تھا اور دوسری آیت میں ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی تقاضاءِ معرفت یہی تھا۔ مترجم

حضرت ابراہیم نے بیمار ہونے کو اپنا فعل اسی لحاظ سے بھی قرار دیا کہ (گو بیماری اللہ پیدا کرتا ہے مگر) ہر مصیبت جو انسان پر آتی ہے وہ اسی کے کرتوت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

موت اور بیماری کا فرق

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو بیان کرنا چاہتے تھے (اور بیمار کرنا نعمت نہیں اس لئے بیمار کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی) لیکن آئندہ آیت میں موت دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے گو بظاہر موت بھی سخت تکلیف کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ موت میں کوئی ضرر نہیں ہوتا وہ تو ایک غیر محسوس چیز ہے مرنے سے پہلے جو عوارض و اسباب عارض ہوتے ہیں دکھ دینے والے تو وہ ہوتے ہیں ان کے بعد موت کا غیر محسوس درد ہوتا ہے ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اہلِ کمال کے لئے موت تو دنیوی مصائب و آلام سے چھوٹنے اور لازوال راحت و نعمت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے مشہور مقولہ ہے کہ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دیتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اچانک موت مومن کے لئے راحت اور کافر کے لئے مؤاخذہ ہے۔ رواہ احمد والبیہقی عن عائشہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہر مسلم کے لئے موت (گناہوں کا) کفارہ ہے۔ (رواہ ابونعیم فی الحلیۃ والبیہقی بسند ضعیف عن انسؓ)

پھر ایک عقلی بات یہ بھی ہے کہ موت عموماً کھانے پینے کی چیزوں میں (انتہائی) کمی (یا بیشی) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یوں بھی اخلاط (سوداء صفراء بلغم، خون) اور عناصر (آگ پانی مٹی ہوا) کے درمیان انتہائی تضاد اور کیفیات کا اختلاف ہے ان کے باہمی اختلاط کے بعد اعتدال مزاجی اور معتدل کیفیت کا ظہور تو جبراً اللہ کی قدرت سے ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾
اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن

یعنی کسی معاملہ میں بھول چوک یا اپنے درجہ کے موافق خطاء و تقصیر ہو جائے تو اُسی کی مہربانی سے معافی کی توقع ہو سکتی ہے کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔ آگے حق تعالیٰ کے کمالات اور مہربانیوں کا ذکر کرتے کرتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غلبہ حضور سے دعاء شروع کر دی جو کمال عبدیت کے لوازم میں سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقامِ عصمت کی وضاحت

جھوٹ اور معصیت کا لزوم تو اس وقت ہوتا جب کہ وہ اپنے آپ کو معصوم اور ہر گناہ سے پاک سمجھتے ہوئے زبان سے کہتے کہ میں گناہگار، خطاوار ہوں مگر وہ تو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک جانتے ہی نہ تھے (گو پاک تھے) واقعہ یہ ہے کہ صوفی جب مقامِ فقر و فناء کی تکمیل کر لیتا ہے تو وہ اپنی ہستی اور اپنے سارے کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف سے عاریت سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو معدوم محض تصور کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرا نفس تو تمام شرور کا مبدء ہے اللہ نے فرمایا ہے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ تم کو جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے پہنچتی ہے۔ اس حالت میں اگر صوفی اپنے کو گناہگار کہتا ہے تو اس کو جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ

ایک بار ظہر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا میں پوری نماز پڑھ چکا اس لئے سلام پھیر دیا) ذوالیدین (ایک صحابی تھے) نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر کر دیا گیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے فرمایا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ ذوالیدین نے عرض کیا (حضور) کچھ تو ہوا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا اس میں سے کوئی

Marfat.com

بات نہیں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات ہرگز ہرگز نہ جھوٹ ہوسکتی ہے نہ گناہ ہاں نسیان ہوسکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْلِی خَطِیْئَتِیْ اے میرے رب میرے قصور کو معاف فرما دے اس دعا کی بنیاد بھی انکسارِ نفس ہے اور چونکہ یہ امر ہے اور امر انشاء کی قسم ہے اس لئے اس میں کذب کا احتمال بھی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوند لیش کس نتواند کہ بجا آورد

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾
اے میرے رب دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعاء

یعنی مزید علم وحکمت اور درجات قرب وقبول مرحمت فرما، اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں (جو انبیاء علیہم السلام ہیں) شامل رکھ۔ کما قال نبینا صلی اللہ علیہ وسلم "اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الاَعْلٰی" اس دعاء سے اپنی کامل احتیاج اور حق تعالیٰ کی عنایت کا اظہار مقصود ہے یعنی نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کسی کے معاملہ میں مجبور ومضطر نہیں، ہمہ وقت اُس کے فضل ورحمت سے کام چلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾
اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں

یعنی ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخر زمانہ میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور اُمت ہو، اور میرا دین تازہ کریں۔ چنانچہ یہ ہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں قبول عام عطا فرمایا اور اُن کی نسل سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جنہوں نے ملت ابراہیمی کی تجدید کی اور یہ فرمایا کہ مَیں ابراہیمؑ کی دعاء ہوں، آج بھی ابراہیمؑ کا ذکر خیر اہلِ مِلل کی زبانوں پر جاری ہے اور اُمت محمدیہ تو ہر نماز میں "کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ" اور "کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ" پڑھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی میری اچھی تعریف اور بھلائی کا ذکر اور قبولِ عام آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کردے (کہ سب مجھے اچھا کہیں کوئی برائی کے ساتھ میرا ذکر نہ کرے) یا یہ مطلب ہے کہ آنے والی امتیں اگر میری ثناء کریں تو وہ سچی ہو (میری غیر واقعی اور غلط تعریف نہ کریں)۔ (تفسیر مظہری)

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾
اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے

یعنی جنت کا جو آدم کی میراث ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾
اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں

ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعاء باپ کی موت کے بعد کی۔ مگر دوسری جگہ تصریح آ گئی کہ جب اُس کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو براءت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (توبہ۔ رکوع ۱۴) اور اگر اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ میں كَانَ کا ترجمہ تھا کے بجائے ہے سے کیا جائے پھر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا۔ تو دعاء کا حاصل یہ ہے کہ الٰہی اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف فرما دے۔ اس کی قدرے مفصل تحقیق پہلے کسی جگہ گزر چکی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم کا والد کیلئے استغفار

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے ان کی زندگی میں استغفار اس نیت اور خیال سے کی تھی کہ اللہ رب العزت ان کو ایمان لانے کی توفیق دے جس کے بعد مغفرت یقینی ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگرچہ اس کا اظہار اور اعلان نہیں کیا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مرا ہے تو انہوں نے اپنی پوری بیزاری اور برأۃ کا اظہار فرمایا۔

(فائدہ) اس بات کی تحقیق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کا کفر اور شرک اپنے باپ کی زندگی میں معلوم ہو گیا تھا یا مرنے کے بعد یا قیامت کے روز ہوگا، اس کی پوری تفصیل سورۂ توبہ میں مذکور ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ
اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن سب جی کر اُٹھیں جس دن نہ کام آئے کوئی مال
وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾

Marfat.com

اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا

پاک دِل

یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر و نفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہوگا وہ ہی وہاں کام دے گا۔ نرے مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ اگر کافر چاہے کہ قیامت میں مال واولاد فدیہ دے کر جان چھڑا لے، تو ممکن نہیں۔ یہاں کے صدقات وخیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اُسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں اور منافقوں کی رسوائی

شیخین نے صحیحین میں خود حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے دریافت کیا گیا کہ (قیامت کے دن اللہ جو بعض بندوں سے کچھ چپکے چپکے فرمائے گا جس کی دوسروں کو اطلاع نہ ہوگی اس) سرگوشی کے متعلق آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے رب کے قریب ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ ان پر اپنا پردہ ڈال دے گا اور فرمائے گا کیا تو نے ایسا ایسا کیا تھا۔ بندہ عرض کرے گا جی ہاں جی ہاں۔ اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے اس عمل پر پردہ ڈالے رکھا تھا اور آج معاف کرتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کی تحریر سیدھے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔

البتہ کافروں اور منافقوں کو سب کے سامنے علی الاعلان پکارا جائے گا۔ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر دروغ تراشی کی تھی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

شرک اور شک سے پاک دِل

سَلِيْمٍ سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی (لغزش یا چھوٹے بڑے ہر قسم کے) گناہ سے پاک نہیں ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول اکثر اہلِ تفسیر کا ہے۔

بدعت سے پاک دِل

سعید بن جبیر نے کہا سلیم (تندرست صحت مند) دل مومن کا ہے اور بیمار دل کافر اور منافق کا (اس قول پر آیت میں ہر مومن مراد ہوگا) ابوعثمان نیشاپوری نے کہا سلیم (سالم۔ خالی) دل اس کا ہے جو ہر بدعت سے خالی ہو اور سنت پر قائم ہو یعنی (آیت میں) اہلِ سنت والجماعت (مراد ہیں)

کافر کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی

آیت کا تفسیری مطلب یہ ہے کہ اس روز مال اور اولاد کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ ہاں مومن کو فائدہ پہنچائے گی۔ اس صورت میں مستثنیٰ مفرغ ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کا مال واولاد مفید نہ ہوگی ہاں مومن کا مال اور اولاد کام آئے گی۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافر خواہ اپنے قرابتداروں کے لئے کتنا ہی مال صرف کر دے اور کتنے ہی مسکینوں کو کھانا کھلائے کچھ بھی اس کے کام نہ آئے گا نہ اولاد اس کے کام آئے گی خواہ اس کی اولاد صلحاء اور انبیاء ہی ہوں مگر کافر کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا نہ اس کے لئے معافی کا طلبگار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

تندرست دِل

دوسری بات یہ ہے کہ قلب سلیم کے لفظی معنے تندرست دل کے ہیں۔ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قلب ہے، جو کلمہ توحید کی گواہی دے اور شرک سے پاک ہو، یہی مضمون مجاہد حسن بصری سعید بن مسیب سے بعنوان مختلف منقول ہے۔ سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ تندرست دل صرف مومن کا ہو سکتا ہے، کافر کا دل بیمار ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۙ﴿۹۱﴾

اور پاس لائیں بہشت کو واسطے ڈر والوں کے اور نکالیں دوزخ کو سامنے بے راہوں کے

جنت ودوزخ کا نظارہ

یعنی محشر میں جنت مع اپنی انتہائی آرائش وزیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی۔ جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی مسرور ومحظوظ ہوں گے۔ اسی طرح دوزخ کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے۔ تاکہ داخل ہونے سے پیشتر ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

اور کہیں اُن کو کہاں ہیں جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوائے

هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ؕ﴿۹۳﴾

کیا کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ہیں

فرضی معبود کہاں ہیں

یعنی اب وہ فرضی معبود کہاں گئے کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب

Marfat.com

سے چھڑا سکتے ہیں نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ
پھر اوندھے ڈالیں اُس میں ان کو اور سب بے راہوں کو اور ابلیس کے لشکر کو
اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾
سبھوں کو کہیں گے جب وہ وہاں باہم جھگڑنے لگیں
تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ
قسم اللہ کی ہم تھے صریح غلطی میں جب ہم تم کو برابر کرتے تھے
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾
پروردگار عالم کے ، اور ہم کو راہ سے بہکایا سو ان گنہگاروں نے
فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾
پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا

انجام کار سب باطل پرستوں کا آپس میں جھگڑا

یعنی بُت اور بُت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر، سب کو دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دے گا اور آخر کار اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوئی کہ تم کو (یعنی بتوں کو یا دوسری چیزوں کو جنہیں خدائی کے حقوق واختیارات دے رکھے تھے) رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں نے کرائی، اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں نہ کوئی بُت کام دیتا ہے نہ شیطان مدد کو پہنچتا ہے۔ وہ خود ہی دوزخ کے کندے بن رہے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی و ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ سچ ہے اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ (زخرف۔رکوع ۶)

(تفسیر عثمانی)

نکتہ: شافعین کو جمع اور صدیق کو مفرد ذکر کرنے کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) عام طور پر سفارشی تو بہت ہو جاتے ہیں اور سچا دوست کم ہی ملتا ہے۔

(۲) جتنی کوشش متعدد سفارشی کرتے ہیں ان سب سے زیادہ لگن کے ساتھ ایک دوست کوشش کرتا ہے۔

(۳) صدیق کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔

کافر کو گہری دوستی بھی کام نہ آئے گی

اس روز گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ہاں متقی (باہم دشمن نہ ہوں گے) بغوی نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت جابر نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدمی جنت کے اندر کہے گا میرا فلاں دوست کیا ہوا (کہاں گیا) اس وقت اس جنتی کا دوست جہنم میں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ملے تو ہم ہوں ایمان والوں میں

کافروں کی ناکام حسرت

یعنی اگر ایک مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس جانے کا موقع دیا جائے تو اب وہاں سے پکے ایماندار بن کر آئیں لیکن یہ کہنا بھی جھوٹ ہے۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ (انعام رکوع ۳)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾
اس بات میں نشانی ہے اور بہت لوگ اُن میں نہیں ماننے والے

قصہ ابراہیم علیہ السلام کا سبق

یعنی ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ میں توحید وغیرہ کے دلائل اور مشرکین کا عبرتناک انجام دکھلایا گیا ہے مگر لوگ کہاں مانتے ہیں (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم اپنی قوم پر کس قدر مہربان تھے۔ بیان قرآنی میں اس کی کیسی اعلیٰ تصویر پیش کی ہے اور نفسِ واقعہ کی کیسی تصویر کشی کی ہے وعد و وعید کو بھی بطور نقل بیان کیا ہے لیکن در پردہ تاکہ سننے والے گوشِ قبول سے اس کو سنیں اور نفرت نہ کریں پھر اس بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بھی واضح دلیل اور کھلا ہوا ثبوت موجود ہے (کہ آپ باوجود امی ہونے کے ہزاروں سال پرانا واقعہ کس قدر خوبصورتی اور صداقت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ نہیں ہے تو اور کیا ہے) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحٍ
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا نوح کی قوم نے

Marfat.com

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾
پیغام لانیوالوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾
میں تمہارے واسطے پیغام لانیوالا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت

یعنی نہایت صدق و امانت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیغام بلا کم و کاست تم کو پہنچاتا ہوں۔ لہٰذا واجب ہے کہ پیغام الٰہی سن کر خدا سے ڈرو۔ اور میرا کہا مانو۔ (تفسیر عثمانی)

ایک پیغمبر کا انکار سب کا انکار ہے

روایات میں آیا ہے کہ حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا۔ ابوسعید یہ تو بتایئے کہ اللہ نے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِيْنَ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ فرمایا ہے باوجود یکہ ان میں سے ہر قوم نے صرف اپنے ہی ایک پیغمبر کی تکذیب کی کیونکہ ان کی ہدایت کے لئے ایک ہی پیغمبر کو بھیجا گیا تھا۔ حسن بصری نے فرمایا ہر دوسرا پیغمبر انہی (عقائد و اعمال) کی تعلیم لے کر آیا جس کے لئے پہلا پیغمبر آیا اور جب انہوں نے ایک پیغمبر کی تکذیب کی تو حقیقت میں سب کی تکذیب کی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ
اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے
اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾
اسی پروردگار عالم پر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

پیغمبر بے لوث ہوتا ہے

یعنی ایک بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات ماننی چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

طاعات پر اُجرت لینے کا حکم

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور تبلیغ پر اُجرت لینا درست نہیں ہے اس لئے سلف صالحین نے اجرت لینے کو حرام کہا ہے لیکن متاخرین نے اس کو بحالتِ مجبوری جائز قرار دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کمینے

قوم کے سرداروں کا اعتراض

یعنی تھوڑے سے کمینے اور نیچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لئے تیرے ساتھ ہو گئے ہیں، بھلا یہ کیا اُونچے کام کریں گے اور ہمارا فضل و شرف کب اجازت دے سکتا ہے کہ ان کمینوں کے دوش بدوش تمہاری مجلس میں بیٹھا کریں، پہلے تو آپ اِن کو اپنے یہاں سے کھسکایئے پھر ہم سے بات کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

قوم نوح علیہ السلام کا احمق پن

بغوی نے ترجمہ کیا ہے نچلے طبقہ والے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سنار عکرمہ نے کہا کپڑا بننے والے اور موچی۔ قوم نوح کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ بہت سخیف العقل احمق تھے ان کے پیشِ نظر صرف حقیر متاعِ دنیا تھا وہ نادار مومنوں کے متعلق یہ ہی رائے رکھتے تھے کہ صرف مال کے لالچ اور کچھ اونچا اٹھنے کے لئے وہ ایمان لائے ہیں۔ غور و خوض اور فکر و بصیرت کے بعد مسلمان نہیں ہوئے ان لوگوں کا تمہاری دعوت قبول کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تمہاری دعوت و نصیحت غلط اور باطل ہے ایسے کمینوں کے ساتھ ہم کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ
کہا مجھ کو کیا جاننا ہے اُس کا جو کام وہ کر رہے ہیں اُن کا حساب پوچھنا
اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
میرے رب کا ہی کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو اور میں ہانکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو

غریبوں کو دھکے نہیں دیے جا سکتے

یعنی مجھے اُن کا صدق و ایمان قبول ہے، اُن کے پیشے یا نیت اور اندرونی کاموں کے جاننے سے کیا مطلب۔ اس کا فیصلہ اور حساب تو پروردگار کے یہاں ہو گا۔ باقی میں تمہاری خاطر سے غریب ایمانداروں کو اپنے پاس سے دھکے نہیں دے سکتا۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

Marfat.com

میں تو بس یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر

یعنی میرا فرض تم کو آگاہ کر دینا تھا سو کر چکا، تمہاری لغو فرمائشیں پوری کرنا میرے ذمہ نہیں۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

بولے اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح تو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا

قوم والوں کی دھمکی

یعنی بس اب ہم کو اپنی نصیحت سے معاف رکھو، اگر اس روش سے باز نہ آئے تو سنگسار کئے جاؤ گے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا

کہا اے رب میری قوم نے تو مجھ کو جھٹلایا سو فیصلہ کر دے میرے ان کے بیچ میں کسی طرح کا فیصلہ

حضرت نوح علیہ السلام کی دُعاء

یعنی میرے اور اُن کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیجئے۔ اب ان کے راہِ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور بچا لے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے

یعنی مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو الگ کر کے ان کا بیڑا غرق کر۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اُس لدی ہوئی کشتی میں

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

پھر ڈبا دیا ہم نے اس کے پیچھے اُن باقی رہے ہوؤں کو

اس قصہ کی تفصیل پہلے کئی جگہ گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور اُن میں بہت لوگ نہیں ہیں ماننے والے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا عاد نے

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو اُن کے بھائی ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾

میں تمہارے پاس پیغام لانے والا معتبر ہوں سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اُسی جہان کے

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

مالک پر کیا بناتے ہو ہر اونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم ہمیشہ رہو گے

قوم عاد کی عمارت پرستی

اُن لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے، مگر نام ہو جائے اور رہنے کی عمارتیں بھی بڑے تکلف کی بناتے تھے مال ضائع کرنے کو۔ اُن میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے گویا یہ سمجھتے تھے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی۔ لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کبوتر بازی

سعید بن جبیر نے کہا قومِ عاد والے کبوتر بازی کرتے تھے کبوتروں کے لئے انہوں نے برج بنا رکھے تھے۔ حضرت ہود نے ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا اور ان برجوں کے بنانے کو لغو قرار دیا اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں تعبثون آیا ہے یعنی تم لوگ ان سے کھیلتے ہو۔

ذلّت والا کام

میں کہتا ہوں کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یادگار قائم رکھنے کے لئے محلات اونچی عمارتیں اور قلعے تعمیر کرتے تھے دنیا پرستوں کا شیوہ ہی یہی ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ ہمیشہ ان عمارتوں کو بنانے والوں کی یادگار باقی رہے۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے رب نے بڑی بڑی لاٹیں بنانے والی عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ چونکہ یہ عمل فضول اور بے نتیجہ تھا اس لئے حضرت ہود علیہ السلام نے

Marfat.com

اس کو پسند نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ تعمیری عمل پسند نہیں تھا اسی لئے حضورِ اقدس نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی بندہ کی برائی چاہتا ہے تو کچی اینٹوں اور گارے میں اس کی ہمت کو محصور کر دیتا ہے کہ وہ عمارتیں بنانے لگتا ہے۔ (رواہ الطبرانی بسند جید من حدیث جابر)

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں بیان فرمایا کہ اس آیت میں لَعَلَّ تشبیہ کے لئے ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ترجمہ یہ فرمایا كَاَنَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ یعنی گویا تم ہمیشہ رہو گے (کمافی الروح)۔

بلاضرورت عمارت بنانا مذموم ہے

اس آیت سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً بُرا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ النفقة كلها فى سبيل الله الا البناء فلاخير فيهِ یعنی وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں، اور اس معنی کی تصدیق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ان كل بناء وبال علىٰ صاحبه الا مالا يعنى الا مالا بدمنه (ابوداؤد) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے روح المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعتِ محمدیہ میں بھی مذموم اور بُرا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہے سوائے اس کے جو ایسی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے وقت اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ایک انصاری صحابی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے (یعنی بازار کو گئے) ایک گول اونچے گنبد (نما مکان) کو دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے صحابہ نے عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے حضور خاموش ہو گئے مگر یہ بات اپنے دل میں لئے رہے جب اس کا مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس شخص نے سلام کیا آپ نے منہ پھیر لیا ایسا کئی مرتبہ ہوا وہ شخص سمجھ گیا کہ حضور مجھ سے ناراض ہیں اس لئے بے رخی برت رہے ہیں (لیکن ناراضگی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی) صحابہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مجھے غیر غیر دکھائی دیتا ہے کیا وجہ ہے صحابہ نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے بنائے ہوئے گنبد کو دیکھا تھا یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً لوٹ پڑا اور جا کر گنبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز پھر باہر تشریف لے گئے اور گنبد دکھائی نہیں دیا تو فرمایا وہ گنبد کیا ہوا صحابہ نے عرض کیا اس کے مالک نے حضور کی بے رخی کا ہم سے شکوہ کیا تھا ہم نے اس کو بات بتا دی اس نے جا کر گنبد کو ڈھا دیا۔ فرمایا سنو ہر عمارت اپنے مالک کیلئے وبال ہوگی سوائے اس کے جو ضروری ہو جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت قیامت کے دن اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی۔ سوائے مسجد اور (سکونت کے) گھر کے۔

اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے مضبوط عمارتیں بناتے ہو۔

مسئلہ: لمبی لمبی آرزوئیں کرنی مکروہ ہے آرزو کی کمی مستحب ہے۔ حضرت ابن عمر کا بیان ہے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کسی حصہ کو پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح رہنا جیسے تو پردیسی ہے، یا راہ گیر ہے اور اپنے آپ کو مردوں (کی فہرست) میں شمار کرنا۔ (رواہ البخاری)

موت سر پر کھڑی ہے

یہ بھی حضرت عمر کی روایت ہے کہ ایک بار ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا میں اور میری ماں کچھ مٹی سے کر رہے تھے (یعنی مٹی کی لسائی یا لپائی کر رہے تھے) فرمایا عبداللہ یہ کیا ہے میں نے کہا ہم کچھ درستی (مرمت) کر رہے ہیں۔ فرمایا امر (یعنی تقدیری حکم) اس سے بھی پہلے پہنچنے والا ہے (یعنی موت سر پر کھڑی ہے معلوم نہیں اس کی درستی سے پہلے آ جائے) رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

حضرت ابن عباس نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بچے ہوئے) پانی کو بہا دیا کرتے تھے (آگے بڑھ کر سفر میں جب پانی کی ضرورت ہوتی اور پانی موجود نہ ہوتا تو) تیمم کر لیتے تھے میں عرض کرتا یا رسول اللہ! پانی قریب ہی ہے حضور فرماتے مجھے کیا معلوم شاید میں

Marfat.com

پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وابن الجوزی فی کتاب الوفاء۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾
سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

کمزوروں پر ظلم سے باز آؤ

یعنی ظلم وستم سے زیردستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ خدا کی ضعیف مخلوق کو جبر و تعدی کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو، ظلم وتکبر سے باز آؤ، اور میری بات مانو۔ (تفسیر عثمانی)

جبارین

جبارین بغیر رحم کے ناحق قتل کرنے والے۔ قاموس میں ہے جبار متکبر آدمی اور وہ دل جس میں رحم نہ آئے اور ناحق بہت زیادہ قتل کرنے والا۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ
اور ڈرو اُس سے جس نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو پہنچائے
بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ
تم کو چوپائے اور بیٹے اور باغ اور چشمے میں ڈرتا ہوں
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾
تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے

اپنے انجام کو سوچو

یعنی اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سامان تم کو کس نے دیئے ہیں؟ کیا اُس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں۔ اگر تمہاری یہ ہی شرارت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کسی سخت آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ دیکھو! میں تم کو نصیحت کر چکا اپنے انجام کو خوب سوچ لو۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے تو نصیحت کرنے والا
اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾
اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی اور ہم پر آفت نہیں آنے والی

قوم والوں کی بے حسی

یعنی تمہاری نصیحت بیکار ہے۔ یہ جادو ہم پر چلنے والا نہیں قدیم سے یہ عادت چلی آتی ہے کہ کچھ لوگ نبی بن کر عذاب سے ڈرایا کرتے ہیں اور مرنے جینے کا سلسلہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے تو اسے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے رہا جو طریقہ ہمارا ہے وہ ہی ہمارے اگلے باپ دادوں کا تھا۔ ہم اس سے کسی طرح ہٹنے والے نہیں۔ نہ عذاب کی دھمکیوں کو خاطر میں لا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وعظ اس کلام کو کہتے ہیں جو وعد و وعید (ترغیب وترہیب) کے ذکر کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا کر دے (یعنی وعظ کے اندر ترغیب و ترہیب ضروری ہے تا کہ دلوں کی سختی دور ہو)

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہی ہے (کہ وہ اسی طرح کی جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا جو مذہب اور دین ہے۔ یہی دین ہمارے اسلاف کا تھا اور ہم ان کے پیرو ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ زندگی اور موت کی یہ رفتار پہلے زمانے سے یوں ہی چلی آئی ہے سب لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ
پھر اُس کو جھٹلانے لگے تو ہم نے اُن کو غارت کر دیا

یعنی سخت آندھی بھیج کر ان کا قصہ بھی پہلے اعراف وغیرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾
اس بات میں البتہ نشانی ہے اور اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا ثمود
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾
نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو اُن کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾

Marfat.com

میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے

اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اسی جہان کے پالنے والے پر کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھٹکے

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾

باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف کے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ اس عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹو گے؟ اور پہاڑوں کو تراش کر جو تکلف کے مکان تیار کئے ہیں ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچالیں گی؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہا مانو۔ میں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ

اور نہ مانو حکم بیباک لوگوں کا جو خرابی کرتے ہیں

فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے

عوام سے خطاب

یہ عوام کو فرمایا کہ تم ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ نہ ہو۔ یہ تو زمین میں خرابی پھیلانے والے ہیں۔ اصلاح کرنے والے اور نیک صلاح دینے والے نہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کیا ہے

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم

سرداروں کی بے پرواہی

یعنی ہم سے کون سی بات تجھ میں زائد ہے جو نبی بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے تیری عقل ماری گئی (العیاذ باللہ)

فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾

سو لے آ کچھ نشانی اگر تو سچا ہے

یعنی اگر تو نبی ہے اور ہم سے ممتاز درجہ رکھتا ہے تو اللہ سے کہہ کہ کوئی ایسا نشان دکھلا جسے ہم بھی تسلیم کر لیں پھر فرمائش کی کہ اچھا پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دے جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالح نے دعاء فرمائی، حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ نشانِ دکھلا دیا۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لئے باری ایک دن کی مقرر

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت سے حضرت صالح کی دُعاء سے وہ چھوٹی پھرتی، جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مواشی بھاگ کر کنارے ہو جاتے۔ تب یوں ٹھہرا دیا کہ ایک دن اُس پانی پر وہ جائے، ایک دن اوروں کے مواشی جائیں۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾

اور مت چھیڑیو اُس کو بُری طرح سے پھر پکڑ لے تم کو آفت ایک بڑے دن کی

یعنی اونٹنی کے ساتھ بُرائی سے پیش نہ آنا ورنہ بڑی سخت آفت ہوگی

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

پھر کاٹ ڈالا اُس اونٹنی کو پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے

اونٹنی کے ساتھ ظلم

ایک بدکار عورت کے گھر مواشی بہت تھے، چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک آشنا کو اُکسایا، اُس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ

Marfat.com

کر ڈال دیئے۔ اُس کے تین دن بعد عذاب آیا (موضح القرآن) یہ قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا
پھر آ پکڑا اُن کو عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی ہے اور
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ
اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست
الرَّحِیْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ
رحم کرنے والا جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو
اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾
اُن کے بھائی لوط نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارے لئے پیغام لانے والا ہوں معتبر
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ
سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو، اور مانگتا نہیں میں تم سے اس کا کچھ بدلہ
اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ
میرا بدلہ ہے اُسی پروردگار عالم پر کیا تم دوڑتے ہو
مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾
جہان کے مردوں پر

قوم لوط کی بدکاری

یعنی سارے جہان میں سے مرد ہی تمہاری شہوت رانی کے لئے رہ گئے، یا یہ کہ سارے جہان میں سے تم ہی ہو جو اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط علیہ السلام ان کا نام لوط بن ہاران بن آزر تھا یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی حیات میں بہت بڑی امت کی طرف بھیجا تھا یہ لوگ سدوم اور اُس کے آس پاس بستے تھے بالآخر یہ بھی خدا تعالیٰ کے عذابوں میں پکڑے گئے سب کے سب ہلاک ہوئے اور ان کی بستیوں کی جگہ ایک جھیل سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی رہ گئی۔ یہ اب تک بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک وشوبک کے درمیان ہے۔ ان لوگوں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾ کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعلِ بد کرتے ہو یعنی سارے جہان سے ہٹ کر سب کے خلاف تم مردوں سے لواطت کرتے ہو دنیا میں کوئی مخلوق بھی اس عمل میں تمہاری شریک نہیں ہے کوئی بھی یہ حرکت نہیں کرتا اس مطلب پر عالمین سے مراد ہوگا ہر جماع کرنے والا (خواہ آدمی ہو یا کوئی اور) یا یہ مطلب ہے کہ آدمیوں میں سے تم ہی مردوں سے لواطت کرتے ہو اور کوئی آدمی ایسا نہیں کرتا اس مطلب پر العالمین سے مراد آدمی ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ
اور چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنا دی ہیں تمہارے رب نے تمہاری جورو ئیں
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾
بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے

فطرت کی خلاف ورزی

یعنی یہ خلاف فطرت کام کر کے آدمیت کی حد سے بھی نکل چکے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اور جو بیبیاں اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑے رہتے ہو اس ترجمہ پر من ازواجکم میں من بیانیہ ہوگا۔ یا یہ مطلب یہ ہے کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے تم اس کو چھوڑے رکھتے ہو (یعنی عورتوں سے صنفی مجامعت نہیں کرتے بلکہ ان سے بھی لواطت کرتے ہو) وہ لوگ عورتوں سے بھی لواطت کرتے تھے۔ جیسے رافضی کرتے ہیں۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہی لوگ ہو۔ یعنی شہوت رانی میں حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہو شہوت کو پورا کرنے میں تم تمام لوگوں کی حد بندیوں سے آگے بڑھنے والے بلکہ جانوروں سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں میں تم حد سے بڑھے ہوئے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اس نالائق حرکت کرنے کی وجہ سے تم اس بات کے مستحق ہو کہ تم کو حد سے تجاوز کرنے والا کہا جائے۔ (تفسیر مظہری)

غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے

Marfat.com

لفظِ مِن ازواجکم میں حرف مِن اصطلاحی الفاظ میں بیانیہ بھی ہوسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تمہاری خواہش نفسانی کے لئے جو اللہ نے بیویاں پیدا فرمائی ہیں تم ان کو چھوڑ کر اپنے ہم جنس مردوں کو اپنی شہوت نفس کا نشانہ بناتے ہو جو خباثت نفس کی دلیل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حرف مِن کو تبعیض کے لئے قرار دیں تو اشارہ اس طرف ہوگا کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام تمہارے لئے بنایا گیا اور جو امر فطری ہے اس کو چھوڑ کر بیویوں سے خلافِ فطرت عمل کرتے ہو جو کہ قطعاً حرام ہے، غرض اس دوسرے معنے کے لحاظ سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ اپنی زوجہ سے خلافِ فطرت عمل حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے نعوذ باللہ منہ (کذا فی الروح) (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾
بولے اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تُو نکال دیا جائے گا

قوم والوں کی دھمکی

یعنی یہ وعظ و نصیحت رہنے دو۔ اگر آئندہ ہمیں تنگ کرو گے تو تم کو بستی سے نکال باہر کریں گے۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ ط
کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں

حضرت لوط علیہ السلام کی استقامت

اس لئے ضرور اُس پر اظہار نفرت کروں گا اور نصیحت سے باز نہیں آسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لوط علیہ السلام نے کہا میں تمہارے (عمل سے سخت نفرت کرنے والا ہوں یا) عمل کا سخت دشمن ہوں قالی بغض رکھنے والا یعنی تمہارے عمل سے مجھے سخت نفرت ہے اسی لئے مجھے بستی سے نکالے جانے کی دھمکی کی پروا نہیں ہے مِنَ القَالِیْنَ کہنے میں قالی کہنے سے زیادہ زور ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے عمل سے نفرت کرنے والی جماعت میں میں شامل ہوں اور اس گروہ میں مشہور ہوں۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو اُن کاموں سے جو یہ کرتے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام کی دُعاء

یعنی ان کی نحوست اور وبال سے ہم کو بچا اور انہیں غارت کر۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط کو جب معلوم ہوگیا کہ میری نصیحت و دعوت کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا (آئندہ ان کے ساتھ رہنا بیکار ہے) تو آپ نے دعا کی کہ مجھے ان سے الگ کر دیا جائے تاکہ ان پر آنے والے عذاب سے میں محفوظ رہوں۔ (تفسیر مظہری)

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾
پھر بچا دیا ہم نے اُس کو اور اسکے گھر والوں کو سب کو، مگر ایک بُڈھیا رہ گئی رہنے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی

یہ اُن کی بیوی تھی جو اُن بدمعاشوں سے مل رہی تھی۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی ہلاک ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ عجوز سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کہ قوم لوط کے اس فعل سے راضی تھی اور کافرہ تھی۔ لوط علیہ السلام کی یہ کافر بیوی اگر واقع میں بڑھیا تھی تو اس کے لئے لفظ عجوز استعمال کرنا ظاہر ہی ہے اور اگر یہ عمر کے لحاظ سے بڑھیا نہ تھی تو اس کو عجوز کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا کہ پیغمبر کی بیوی اُمت کے لئے ماں کی جگہ ہوتی ہے جو عورت کثیر الاولاد ہو اُس کو بڑھیا کہہ دینا کچھ مستبعد نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا
پھر اُٹھا مارا ہم نے اُن دوسروں کو اور برسایا اُن پر ایک برساؤ
فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾
سو کیا بُرا برساؤ تھا اُن ڈرائے ہوؤں کا

عذاب کی صورت

یعنی اُن کی بستیاں اُلٹ دیں اور آسمان سے پتھروں کا برساؤ کیا۔ سو ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ اُن کا قصہ بھی مفصل اعراف وغیرہ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

لوطی کی سزا

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ اس آیت سے ثابت ہوا کہ لوطی پر دیوار گرانے یا بلند مقام سے نیچے پھینکنے کی تعزیر جائز ہے جیسے حنفیہ کا مسلک ہے کیونکہ قوم لوط اسی طرح ہلاک کی گئی تھی کہ ان کی بستیوں کو اوپر اُٹھا کر اُلٹا زمین پر پھینک دیا گیا تھا (شامی کتاب الحدود) (معارف مفتی اعظم)

Marfat.com

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾
البتہ اس بات میں نشانی ہے اور اُن میں بہت لوگ نہیں تھے ماننے والے
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا بن کے
لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾
رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو

مدین والے

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اصحاب ایکہ وہ ہی قوم مدین ہے اَیکہ ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے اُسی نسبت سے اصحاب الایکہ کہا گیا۔ اور اسی لئے شعیب علیہ السلام کو اخوہم سے تعبیر نہیں فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کی اُخوت محض قومی و نسبی تعلقات پر مبنی تھی۔ اگر مدین کہتے تو اخوہم کہنا موزوں تھا۔ جب اصحاب الایکہ کہہ کر ایک مذہبی نسبت سے ذکر کیا تو اس حیثیت سے اخوہم فرمانا حضرت شعیب علیہ السلام کی شان کے مناسب نہ تھا۔ بہرحال مدین اور اصحاب ایکہ ایک قوم ہے اور شعیب علیہ السلام اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ بحث گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

ایکہ درختوں کی گھنی جھاڑی بن مدین کے قریب ایک گھنا جنگل تھا جس میں کچھ لوگ رہتے تھے یہ گروہ مدین والوں سے الگ تھا۔ اللہ نے حضرت شعیب کو جس طرح مدین والوں کی ہدایت پر مامور کیا تھا اسی طرح اس جنگل کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھی مقرر کیا تھا حضرت شعیب اہل مدین میں سے تھے اصحاب ایکہ میں سے نہیں تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ
جب کہا اُن کو شعیب نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تم کو پیغام
رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ
پہنچانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں
عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾
تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا
پورا بھر کر دو ماپ اور مت ہو نقصان دینے والے اور تولو
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾
سیدھی ترازو سے

حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ

یعنی معاملات میں خیانت اور بے انصافی مت کرو جس طرح لینے کے وقت پورا ناپ تول کر لیتے ہو دیتے وقت بھی پورا ناپ تول کر دو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا
اور مت گھٹا دو لوگوں کو اُن کی چیزیں اور مت دوڑو
فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾
ملک میں خرابی ڈالتے ہوئے

یعنی ملک میں ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کے حقوق نہ مارو۔ (تفسیر عثمانی)

فساد فی الارض

مُفْسِدِیْنَ دانستہ تباہی لاتے ہوئے مطلب یہ ہے کہ قصداً بگاڑ نہ پیدا کرو تباہی نہ پھیلاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیت اصلاح کی ہو اور خرابی پیدا ہو جائے تو اس کو فساد فی الارض نہیں کہا جائے گا اور اس کا کوئی مواخذہ نہیں۔ کسی نے کافر کے تیر مارا کافر نے مسلمان قیدی کو اپنے سامنے ڈھال کی طرح کر دیا اور مسلمان مارا گیا یا زخمی ہو گیا تو نہ دیت ہوگی نہ قصاص نہ کوئی تاوان۔ (تفسیر مظہری)

ادائیگی کے حقوق

ولا تبخسوا الناس اشیاء هم یعنی نہ کمی کرو لوگوں کی اپنی چیزوں میں مراد یہ ہے کہ معاہدہ کے مطابق جتنا کسی کا حق ہے اُس سے کمی کرنا حرام ہے خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا کوئی دوسری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ملازم مزدور اگر اپنے مقررہ وقت میں چوری کرتا ہے وقت کم لگاتا ہے وہ بھی اسی وعید میں داخل ہے۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا، وجہ پوچھی تو اس نے کچھ عذر کیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا طففت یعنی تو نے تولنے میں کمی کر دی، چونکہ نماز کوئی تولنے کی چیز نہیں اس

Marfat.com

لئے یہ حدیث نقل فرما کر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وفاء و تطفیف یعنی حق کے مطابق کرنا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یعنی صرف ناپ تول ہی کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں بلکہ کسی کے حق میں کمی کرنا خواہ کسی صورت سے ہو وہ تطفیف میں داخل ہے جس کا حرام ہونا وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا إِنَّمَا
اور ڈرو اُس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو بولے تجھ پر تو
أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا
کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم
وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٨٦﴾
اور ہمارے خیال میں تو تُو جھوٹا ہے

قوم کا جواب

یعنی دعوے نبوت میں اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں۔

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾
سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا اگر تو سچا ہے

اگر سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا گروا کر ہم کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتا

قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾
کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

حضرت شعیب علیہ السلام کی وضاحت

یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ کس جُرم پر کس وقت اور کتنی سزا ملنی چاہیئے۔ عذاب دینا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام ہشیار کر دینا تھا، سو کر چکے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ
پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑ لیا اُن کو آفت نے سائبان والے دن کی بیشک وہ تھا
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾
عذاب بڑے دن کا

زلزلے اور آگ کا عذاب

سائبان کی طرح ابر آیا اُس میں سے آگ برسی، نیچے سے زمین کو بھونچال آیا اور سخت ہولناک آواز آئی، اس طرح سب قوم تباہ ہوگئی۔ ان کا قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا ہے۔ ایک نظر وہاں کے فوائد پر ڈال لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

خدا کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے

فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ عذاب یوم الظلہ، جس کا ذکر، اس آیت میں آیا ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کی قوم پر سخت گرمی مسلط فرمائی کہ نہ مکان کے اندر چین آتا نہ باہر، پھر ان کے قریبی جنگل میں ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی، ساری قوم گرمی سے پریشان تھی سب دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے جب ساری قوم بادل کے نیچے آ گئی تو اس بادل نے ان پر پانی کے بجائے آگ برسا دی جس سے سب بھسم ہو کر رہ گئے۔ (کذا روی عن ابن عباس۔ روح) (معارف مفتی اعظم)

یوم الظلّہ (سائبان کے دن) کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایکہ والوں کے جنگل میں سخت گرمی پڑی، لوگ بے تاب ہو کر تہ خانوں میں گھس گئے اندر پہنچے تو وہاں اور بھی شدید گرمی محسوس ہوئی مجبور ہو کر باہر آ گئے اس وقت آسمان پر ایک بدلی آئی اور بدلی کے سایہ میں سب جمع ہو گئے اسی بدلی کو ظلہ (سائبان) کہا گیا ہے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بادل سے آگ برسنے لگی اور سب جل بھن گئے یہ قصہ سورت ہود میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾
البتہ اس بات میں نشانی ہے اور اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے
وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا اور یہ قرآن ہے اتارا
رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ
ہوا پروردگار عالم کا لے کر اترا ہے اُس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر
لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾
کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا

نزول قرآن

آغاز سورت میں قرآن کریم کا ذکر تھا اور اس کی تکذیب پر دھمکی

Marfat.com

دی گئی تھی درمیان میں مکذبین حق کے واقعات بیان ہوئے، یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی قرآن کریم وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے اُتارا، جبریل امین لے کر اُترے اور تیرے پاک وصاف قلب پر اتاری گئی کیونکہ یہ ہی قلب تھا جو اللہ کے علم میں اس بھاری امانت کو اُٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا، چنانچہ وحی قرآنی آئی اور سیدھی تیرے دل میں اُترتی چلی گئی۔ تو نے اُس کو اپنے سارے دل سے سنا اور سمجھا اور محفوظ رکھا، شاید عَلٰی قَلْبِكَ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی صلصلة الجرس کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آ کر بات کرنا،) اُن میں سے قرآن کی وحی اغلباً پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کی صورتیں

کیونکہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منخلع ہو کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا۔ گویا اُس وقت آلات جسدانیہ کو بالکل معطل کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے، دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے اور دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے تھے اور دل کی الٰہی قوتوں سے اُن علوم کی تلقی کرتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے بخلاف دوسری حالت کے کہ اُس میں فرشتہ کو ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا، اُس وقت پیغمبر ان ہی ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور ان ہی ظاہری کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا کہ هُو اَشَدهٗ عَلَیَّ (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت سے ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز

قال ابن الشیخ فهو علیه افضل الصلاة والسلام مختص بهذه الرتبة العلیة والکرامة السنیة من سائر الانبیاء فان کتبهم انزلت علیهم بالالواح والصحائف جملة واحدة فهی منزلة علی صورهم وظاهرهم علیٰ قلوبهم حاشیه شیخ زاده علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ وکذافی روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶. (معارف کاندھلوی)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

کھلی عربی زبان میں ☆

یعنی اُتارا نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عَلٰی قَلْبِكَ سے مراد یہ نہیں کہ صرف مضامین قرآن کے آپ کے دل میں اُتار دیئے پھر آپ نے اُن کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ بلکہ الفاظ اور مضامین سب وحی ربانی سے قلب مبارک پر القاء کئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے نہایت فصاحت سے اَبر کے اوصاف بیان کئے جسے سُن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کہہ اُٹھے کہ یا رسول اللہ! آپ تو کمال درجہ کی فصیح و بلیغ زبان بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھلا میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہوگی قرآن بھی تو میری زبان میں اُترا ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، وحی عربی میں اُتری ہے یہ اور بات ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کے لئے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا قیامت کے دن سُریانی زبان ہوگی، ہاں جنتیوں کی زبان عربی ہو گی۔ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

قرآن پاک کے متعلق عقیدہ

قال ابن الشیخ فالقرآن کلام الله و صفة القائمة به کساه کسوة الالفاظ المرکبة من الحروف العربیة ونزله الیٰ جبریل وجعله امینا لئلا یتصرف فی حقائقه ثم نزل به کماهو علی قلب رسول الله صلی الله علیه وسلم لیتعرفه ویتخلق بخلقه ویتنور بانواره ویتحلی بحقائقه ففهم و تمکن من تفهمیه. الخ حاشیة شیخ زاده ص ۴۷۹ ج ۳.

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور بے چون و چگون ہے۔ بندوں کی ہدایت کے لئے اس کو حروف عربیہ کے لباس میں بارگاہ قدس سے نازل کیا۔ جبریل امین نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اس کو سنا اسی طرح بعینہ اللہ کی امانت کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیا۔ دیکھو حاشیہ) (شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ اور دیکھو تفسیر روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶)

Marfat.com

تمام امت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ مابین دفتی المصحف کلام اللہ یعنی مصحف میں دو دفتوں کے درمیان اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس مصحف کو کلام اللہ نہ مانے وہ کافر ہے لیکن وہ اسی مصحف کے نقوشِ کتابیہ اور حروفِ مطبوعہ کو قدیم نہ مانے تو اس انکار سے وہ کافر نہ ہوگا۔ جن الفاظ قرآن کو اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں اور جن حروف قرآنیہ کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اگرچہ وہ حادث اور مخلوق ہیں لیکن ہمارے لئے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ کہ ہم مطلق قرآن کو یا کلام اللہ کو مخلوق اور حادث کہیں۔ کلام الٰہی جو ذاتِ باری کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفت ہے کہ وہ بلاشبہ قدیم اور غیر مخلوق ہے لیکن ہماری قرأت اور سماعت اور کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں قرآن جس حیثیت سے بندہ سے متعلق ہے اس حیثیت سے اس کو حادث اور مخلوق کہہ سکتے ہیں تا کہ خدا کی صفت میں اور بندہ کی صفت میں فرق ہو جائے مطلقاً کلام اللہ اور قرآن کو مخلوق اور حادث کہنا جائز نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) (معارف کاندھلویؒ)

نزول قرآن عربی میں ہوا

اس آیت کا بعض اہلِ تفسیر نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ روح الامین نے یہ قرآن آپ کے دل پر عربی زبان میں اتارا ہے اگر کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو آپ کے کانوں پر نازل ہوتا دل پر نازل نہ ہو سکتا کیونکہ غیر عربی الفاظ کے معنی آپ سمجھ نہ پاتے۔ آدمی کبھی چند زبانوں سے واقف ہوتا ہے اگر کوئی اس کی مادری زبان میں بات کرے تو فوراً اس کا ذہن مطلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے الفاظ کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی اور اگر مادری زبان کے علاوہ کسی دوسری سیکھی ہوئی زبان میں اس سے کلام کرتا ہے تو اول اس کا ذہن الفاظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر الفاظ سے معانی کی طرف انتقال ذہنی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا ناجائز ہے

اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں فرض تلاوت کی جگہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کسی زبان فارسی۔ اُردو۔ انگریزی میں پڑھ لینا بدوں اضطرار کے کافی نہیں۔ بعض ائمہ سے جو اس میں توسع کا قول منقول ہے اُن سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

قرآن کے اُردو ترجمہ کو قرآن کہنا جائز نہیں

اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس کو اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں۔ جیسے آج کل بہت سے لوگ صرف اُردو ترجمہ قرآن کو اُردو کا قرآن اور انگریزی کو انگریزی کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ ناجائز اور بے ادبی ہے قرآن کو بغیر متن عربی کے کسی دوسری زبان میں بنام قرآن شائع کرنا اور اس کی خرید و فروخت سب ناجائز ہے اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ "تحذیر الاخوان عن تغییر رسم القرآن" میں مذکور ہے۔

سابقہ کتب کو قرآن نہ کہا جائے

مستدرک حاکم میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورۂ بقرہ ذکر اول سے دی گئی ہے اور سورۂ طٰہٰ اور طواسین یعنی جتنی سورتیں طس سے شروع ہوتی ہیں اور حوامیم یعنی جو سورتیں حم سے شروع ہیں یہ سب سورتیں الواحِ موسیٰ میں سے دی گئی ہیں اور سورۂ فاتحہ مجھے تحت عرش سے دی گئی ہے۔ اور طبرانی۔ حاکم۔ بیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ ملک تورات میں موجود ہے۔ الحدیث اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى میں تو خود قرآن کی تصریح یہ ہے اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى یعنی یہ مضامین سورت حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی ہیں، لیکن تمام آیات و روایات کا حاصل یہی ہے کہ بہت سے مضامین قرآن کتبِ سابقہ میں بھی موجود تھے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان مضامین کی وجہ سے کتب سابقہ کے اُن حصوں کو جن میں یہ مضامین قرآن آئے ہیں قرآن کا نام دے دیا جائے۔ نہ اُمت میں کوئی اس کا قائل ہے کہ ان صحیفوں اور کتابوں کو جن میں مضامین قرآن مذکور ہیں قرآن کہا جائے، بلکہ عقیدہ جمہورِ اُمت کا یہی ہے کہ قرآن نہ صرف الفاظِ قرآن کا نام ہے۔ نہ صرف معانی قرآن کا۔ اگر کوئی شخص قرآن ہی کے الفاظ مختلف جگہوں سے چُن کر ایک عبارت بنا دے مثلاً کوئی یہ عبارت بنا لے۔

الحمد للّٰہ العزیز الرحیم الذی لہٗ ملک السمٰوات وھو رب العٰلمین خالق کل شیٔ وھو المستعان یہ سارے الفاظ قرآن ہی کے ہیں۔ مگر اس عبارت کو کوئی قرآن نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح صرف معانی قرآن جو کسی دوسری زبان میں

Marfat.com

بیان کئے جائیں وہ بھی قرآن نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۹۶﴾
اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں

مضامین قرآن کا تسلسل

یعنی قرآن کی اور اُس کے لانے والے کی خبر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہے انبیائے سابقین برابر پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت سی تحریف وتبدیل کے اب تک بھی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشینگوئیوں کا پایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین اجمالاً یا تفصیلا اگلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً قصص، توحید، رسالت، معاد وغیرہ مضامین جن پر تمام کتب سماویہ اور انبیاء ومرسلین کا اتفاق رہا ہے۔

اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾
کیا اُن کے واسطے نشانی نہیں یہ بات کہ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ بنی اسرائیل کے

علمائے یہود کا علم

یعنی علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہ ہی کتاب اور پیغمبر ہے جس کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ اُن میں سے بعض نے علانیہ اور بعض نے اپنی خصوصی مجلسوں میں امر حق کا اقرار کیا ہے اور بعض انصاف پسند اسی علم کی بناء پر مسلمان ہوگئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ، غرض ایک منصف فہیم کے لئے جس کا دل حق کی طلب رکھتا اور خدا سے ڈرتا ہو، اس چیز میں بڑی نشانی ہے کہ دوسرے مذاہب کے علماء بھی اپنے دلوں میں قرآن کی حقانیت کو سمجھتے ہیں، گو کسی وجہ سے بعض اوقات اعلان واقرار کی جرأت نہ کرسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

علماء بنی اسرائیل سے مراد برقولِ عطیہ پانچ علماء تھے عبداللہ بن سلام۔ ابن یامین۔ ثعلبہ، اسد، اُسید حضرت ابن عباس نے فرمایا اہلِ مکہ نے مدینہ میں یہودیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرایا، یہودیوں نے کہا ان کی (یعنی پیغمبر آخرالزماں کی) بعثت کا زمانہ یہی ہے اور ہم توریت میں ان کے اوصاف وخصوصی احوال پاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ
اور اگر اتارتے ہم یہ کتاب کسی اوپری زبان والے پر اور وہ اس کو پڑھ کر

مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۹﴾
سناتا تو بھی اس پر یقین نہ لاتے

مشرکین کے بہانے کبھی ختم نہ ہوں گے

یعنی آپ تو فصحائے عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ یوں کہہ دیں کہ قرآن آپ نے خود تصنیف کرلیا ہوگا (حالانکہ قرآن اس حدِ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے جس کا مثل تمام جن وانس بھی بنا کر نہیں لاسکتے) تاہم کہنے کو یہ احتمال پیدا کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی وشقاوت اور بدبختی کا حال تو یہ ہے کہ اگر یہ قرآن فرض کرو ہم کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر اتارتے جو ایک حرف عربی کا بولنے پر قادر نہ ہوتا، بلکہ بفرض محال کسی حیوان لایعقل پر اتارا جاتا، تب بھی یہ لوگ اس کے ماننے والے نہ تھے۔ اُس وقت کچھ اور احتمالات پیدا کرتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''کافر کہتے تھے کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں، اس نبی کی زبان بھی عربی ہے شاید آپ ہی کہہ لاتا ہو۔ اگر غیر زبان والے پر عربی قرآن اُترتا تو یقین کرتے فرمایا کہ دھوکہ والے کا جی کبھی نہیں ٹھہرتا۔ تب اور شبہے نکالتے کہ کوئی سکھا جاتا ہے (موضح القرآن) (تفسیر عثمانی)

عجمی کا مطلب

اعجمین اعجم کی جمع ہے، عجم اس شخص کو کہتے ہیں جو فصیح عربی اچھی طرح نہ بول سکے خواہ نسباً عربی ہی ہو اور عجمی کی نسبت عجم کی طرف ہے۔ عجمی اس شخص کو کہتے ہیں جو نسباً غیر عربی ہو خواہ عربی فصیح بولتا ہو۔ اس تشریح لغوی کی بنا پر آیت کا یہ معنی ہوگا کہ اگر ہم یہ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کرتے جس کی عربی زبان فصیح نہ ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
اسی طرح گھسا دیا ہم نے اس انکار کو گنہگاروں کے دل میں وہ نہ مانیں گے اس کو
حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۱﴾
جب تک نہ دیکھ لیں گے عذاب دردناک

اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت

یعنی جو آدمی جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قوی کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق

Marfat.com

ڈھیل چھوڑ دیتا ہے اور اس کے دل میں انکار و تکذیب کے اثر کو جاگزیں کر دیتا ہے۔ یہ تقریر ترجمہ کے موافق ہوئی۔

حقانیتِ قرآن

لیکن بہت سے مفسرین نے کَذٰلِکَ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی قرآن کو ہم نے اس طرح مجرمین کے دل میں گھسا دیا ہے کہ وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لا سکتے اور تکذیب کیے چلے جاتے ہیں۔ تا آنکہ دنیا یا آخرت میں دردناک عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں، اُس وقت مانیں گے کہ ہاں پیغمبر سچے تھے اور جو کتاب لائے تھے وہ سچی تھی، مگر اُس وقت ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا
پھر آئے اُن پر اچانک اور اُن کو خبر بھی نہ ہو پھر کہنے لگیں
هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
کچھ بھی ہم کو فرصت ملے گی

جب آنکھ کھلے گی مہلت نہیں ملے گی

یعنی جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا اُس وقت کہیں گے کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جا سکتی ہے کہ اب توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کر لیں اور پیغمبروں کا اتباع کر کے دکھلائیں دنیا میں تو عذاب کی جلدی مچا رہے تھے اب مہلت طلب کرنے لگے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾
کیا ہمارے عذاب کو جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر فائدہ پہنچاتے رہیں ہم ان کو برسوں
ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾
پھر پہنچے اُن پر جس چیز کا اُن سے وعدہ تھا تو کیا کام آئے گا اُن کے جو کچھ فائدہ اُٹھاتے رہے

ساری زندگی کی مہلت گنوا دی

یعنی سالہا سال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو دی گئی تھی اُس وقت کچھ کام نہ آئے گی۔ اُس وقت یہ برسوں کی مہلت کالعدم معلوم ہو گی اور سمجھیں گے کہ واقعی بہت ہی جلدی پکڑے گئے۔ (نازعات۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

لمبی عمر نعمت ہے

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ اس آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا میں کسی کو عمر دراز ملنا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ لیکن جو لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں ایمان نہ لائیں اُن کو عمر دراز کی عافیت و مہلت کچھ کام نہ آئے گی۔ امام زہری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ روز صبح کو اپنی داڑھی پکڑ کر اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ آیت پڑھا کرتے تھے اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ الآیۃ اس کے بعد ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور یہ اشعار پڑھتے تھے

نهارک بالغرور سهوو غفلة
وليلک نوم والتردیٰ لک لازم،
فلاانت فی الايقاظ يقظان حازم،
ولا انت فی النوم ناجٍ وسالم،
وتسعیٰ الیٰ ماسوف تکره غبة،
کذلک فی الدنيا تعيش البهائم.

(ترجمہ) اے فریب خوردہ تیرا سارا دن غفلت میں اور رات نیند میں صرف ہوتی ہے حالانکہ موت تیرے لئے لازمی ہے، نہ تو بیدار لوگوں میں ہوشیار و بیدار ہے اور نہ سونے والوں میں اپنی نجات پر مطمئن ہے۔ تیری کوشش ایسے کاموں میں رہتی ہے جس کا انجام عنقریب ناگوار صورت میں سامنے آئے گا، دنیا میں چوپائے جانور ایسے ہی جیا کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾
اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے جس کے لئے نہیں تھے ڈر سنا دینے والے
ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾
یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ہے ظلم کرنا

مہلت کے بعد عذاب آتا ہے

یعنی کسی قوم کا تختہ یوں ہی ایک دم نہیں اُلٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور ہشیار کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں، جب کسی طرح نہ مانے آخر غارت کیے گئے۔ العیاذ باللہ۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾

Marfat.com

اور اس قرآن کو نہیں لے کر اترے شیطان اور نہ اُن سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں

قرآن کریم شیطان کے دخل سے پاک ہے

درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ کی تکمیل و تتمیم فرماتے ہیں یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبریل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی سکھلائی ہوئی چیز نہیں۔ بھلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ اُن کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد، اور ظلمت پھیلانا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک رُشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی۔ جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاکباز، صادق، خداترس اور خداپرست جماعت نہیں تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، متبرک بار امانت کو اُٹھا سکیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

(حشر رکوع ۳) روایت میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) اِن آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝
اُن کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا ہے

شیاطین کی ناکہ بندی

یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں اُس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے ہیں کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے نہ ایک حرف اُچک سکتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (جن ۔ رکوع ۱) وقال تعالیٰ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (جن ۔ رکوع ۲ وقال تعالیٰ) لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ

(حم السجدہ۔ رکوع ۵)

(تنبیہ) شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۃ حجر کے شروع میں مفصل کلام کیا جا چکا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝
سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پھر تو پڑے عذاب میں

قرآن کو چھوڑنا عذاب کو دعوت دینا ہے

یہ فرمایا رسول کو اور سُنایا اوروں کو یعنی جب یہ کتاب بلاشک و شب خدا کی اتاری ہوئی ہے۔ شیطان کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تو چاہیئے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک و کفر اور تکذیب کی شیطانی راہ اختیار مت کرو۔ ورنہ عذاب الٰہی سے رُستگاری کی کوئی سبیل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا (بظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حقیقت میں) اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے گویا یوں فرمایا کہ آپ تمام مخلوق میں میرے نزدیک زیادہ معزز ہیں۔ میرے سوا کسی دوسرے کو معبود بنائیں گے تو آپ کو بھی عذاب دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝
اور ڈر سنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو

قرابتداروں کو ڈرانے کا حکم

یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں اُن کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت و حقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اُتری۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قریش کو پکار کر سنا دیا اور اپنی پھوپھی تک اور اپنی بیٹی تک اور چچا تک کہہ سُنایا کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے قرابتداروں کو دعوت دینا

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علی نے فرمایا جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور فرمایا علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں میں یہ حکم سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں گا اور اس

Marfat.com

کام کے لئے پکاروں گا تو ان کی طرف سے میرے سامنے ایسا عمل آئے گا جو مجھے ناگوار ہوگا یہ سوچ کر میں خاموش ہو رہا لیکن اب جبرئیل نے مجھ سے آ کر کہا کہ محمد اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تم کو عذاب دے گا لہذا علی تم جا کر ایک صاع (آٹے) کی روٹی بنواؤ اور بکری کی ایک ٹانگ (پکا کر بطور سالن کے) اس کے ساتھ رکھ دو اور ایک بڑے پیالہ میں دودھ بھر کر لے آؤ پھر اولادِ عبدالمطلب کو اکٹھا کرو تا کہ جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ بات ان کو پہنچا دوں حضرت علی نے فرمایا میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کی دعوت کر دی وہ لوگ آئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تائے (چچے) ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابو لہب بھی تھے سب کم وبیش چالیس آدمی تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے وہ کھانا منگوایا جو میں نے تیار کیا تھا میں نے لا کر رکھ دیا آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت کا لے کر اپنے دانتوں سے اس کو کاٹا پھر اس کو پیالہ میں رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کھایئے سب نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے خدا کی قسم جتنا کھانا میں نے سب کے لئے رکھا تھا اتنا تو ان میں کا ایک آدمی کھا لیتا (مگر کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب کے پیٹ بھر گئے اور کسی کو مزید ضرورت نہیں رہی) پھر فرمایا ان کو (دودھ) پلاؤ میں ان کے سامنے وہی (دودھ بھرا) پیالہ لے آیا خدا کی قسم دودھ اتنا تھا کہ اتنا تو ایک آدمی پی جاتا لیکن سب پی کر سیر ہو گئے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بات کرنے کا موقع پایا لیکن حضور کے کچھ کہنے سے پہلے ابولہب بول اٹھا اور کہنے لگا تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا یہ سنتے ہی لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بات نہ کر سکے دوسرے دن حضور نے فرمایا علی تم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پہلے بول اٹھا اور میرے بات کرنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے اب پھر ویسا ہی کھانا تیار کرو جیسا (کل) کیا تھا اور لوگوں کو پھر جمع کرو میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کو جمع کیا حضور نے کھانا منگوایا میں نے سامنے لا کر رکھ دیا آپ نے وہی عمل کیا جو گذشتہ دن کیا تھا اس کے بعد سب نے کھایا پیا کھا چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام شروع کیا اور فرمایا اے اولادِ عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو بھی اس کی دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس کام میں مدد کرے اور میرا بھائی اور وصی اور نائب ہو جائے لوگ یہ سن کر سب کے سب جھکے میں سب سے کم عمر تھا میں نے کہا یا نبی اللہ میں اس کام میں آپ کا مددگار رہوں گا یہ سن کر آپ نے میری گردن پکڑی اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا نائب ہے تم اس کی بات سنو اور اس کا کہا مانو لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم علی کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔

کوہِ صفا سے سب کو بلانا

صحیحین میں سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان آیا ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر (مختلف) بطونِ قریش کو پکارنا شروع کیا اے اولادِ فہر اے بنی عدی آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے جو خود نہ آ سکا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تا کہ وہ جا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہے ابولہب بھی آ گیا اور دوسرے قریش والے بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا بتاؤ اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ وادی کے اندر (اس وقت) کچھ سوار موجود ہیں جو تم پر تاخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے سب نے کہا جی ہاں ہم نے اپنے تجربہ میں آپ کا کبھی کوئی جھوٹ نہیں پایا حضور نے فرمایا تو عذابِ شدید آنے سے پہلے میں تم کو اس سے ڈرا رہا ہوں (عذابِ شدید میرے سامنے ہے جو آنے والا ہے) ابولہب بولا تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورت تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ آخر تک نازل ہوئی۔

قوم والوں سے خطاب

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ اُتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا اے گروہ قریش۔ (راوی کا بیان ہے کہ یہ لفظ فرمایا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا لفظ) اپنی جانوں کو خود خرید لو (یعنی آنے والے عذاب سے بچا لو) میں اللہ (کے عذاب سے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے بالکل تمہارے کام نہیں آ سکتا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ تم کو بھی میں اللہ سے نہیں بچا سکتا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں تو جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے اللہ کے مقابل میں تیرے کوئی کام نہیں آؤں گا۔

Marfat.com

ابولہب کی ہلاکت

بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بستی سے) نکل کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے اونچی آواز سے پکارا یا صباط (اے لوگو ہشیار ہو جاؤ دشمن آخر رات میں حملہ کرنے والا ہے) لوگوں نے آواز سن کر کہا یہ کون ہے سب آپ کے پاس جمع ہو گئے حضور نے فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے برآمد ہو رہے ہیں (جو تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں) تو کیا تم مجھے سچا جانو گے لوگوں نے کہا ہم نے تجربہ میں آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی فرمایا تو میں عذابِ شدید آنے سے پہلے تم کو (اس کی آمد سے ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے) ابولہب بولا تجھے ہلاکت ہو کیا اس لئے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا اس پر اسی روز تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (اعمش کی قراءت میں اسی طرح آیا ہے) نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن حمار مجاشعیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو علم اس نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تم اس سے واقف نہیں آج تم کو اس کے کچھ حصہ سے واقف کر دوں اس نے فرمایا کہ جو مال میں نے اپنے بندوں کو (بطور حلال) عطا کر دیا وہ ان کے لئے حلال ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا پھر شیطانوں نے پہنچ کر ان کو ان کے دین سے بہکایا اور جو چیز میں نے ان کے لئے حلال کر دی تھی شیطانوں نے وہ چیز ان کے لئے حرام قرار دیں میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ جس چیز کی معبودیت کی میں نے کوئی دلیل نہیں، اتاری اس کو میرا ساجھی نہ قرار دیں۔ اللہ نے تمام زمین والوں کو دیکھا اور سب سے نفرت کی عرب ہوں یا عجمی ہوں۔ ہاں اہلِ کتاب میں سے جو (اصلی دین پر) باقی رہ گئے تھے (ان سے نفرت نہیں کی) اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) قریش کو ڈراؤں میں نے عرض کیا اے رب وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے اور میرے سر کو (کچل کر) روئی بنا دیں گے اللہ نے فرمایا میں نے تجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ تیری بھی جانچ کروں اور تیرے ذریعہ سے دوسروں کی بھی میں نے تیرے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے جاگتے پڑھا کر، تو ان سے جہاد کر کامیاب ہو گا تو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کر (اللہ کی طرف سے) تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ایک لشکر (کافروں کے مقابلے کے لئے) تیار کر میں اس سے پانچ گنا لشکر تیری مدد کے لئے بھیج دوں گا۔ اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر نافرمانوں سے جنگ کر پھر فرمایا اہلِ جنت تین ہیں۔

(۱) منصف حاکم

(۲) ہر قرابتدار اور مسلم پر مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی

(۳) دولت مند پاک دامن آدمی جو خود پاکدامن رہتا ہے اور دوسروں کو خیرات دیتا ہے۔

اور دوزخی پانچ ہیں وہ کمزور بے عقل جس میں برائیوں سے رکنے والی سمجھ نہ ہو محض دوسروں کے پیچھے لگ جانے والا ہو اور وہ شخص کہ جب صبح کو اٹھتا ہے تو تم کو تمہارے مال وعیال کے معاملہ میں فریب دیتا، اٹھتا ہے اور وہ شخص کہ اس کا ہر لالچ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو (اپنے ساتھ) لے جاتا ہے۔ اور وہ شخص جو بداخلاق اور فحاش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل اور کذب کا بھی ذکر کیا تھا۔ واللہ اعلم

ایک ایک کو خطاب

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اُترتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشیوں کو بُلایا اور انہیں ایک ایک کر کے اور عام طور پر خطاب کر کے فرمایا کہ اے قریشیو! اپنی جانیں جہنم سے بچا لو۔ اے کعب کے خاندان والو! اپنی جانیں آگ سے بچا لو۔ اے ہاشم کی اولاد کے لوگو! اپنے تئیں خدا کے عذابوں سے چھڑا لو۔ اے عبدالمطلب کے لڑکو! خدا کے عذابوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ اے فاطمہ بنتِ محمد! اپنی جان کو دوزخ سے بچا لے۔ میں خدا کے ہاں کی کسی چیز کا مالک نہیں۔ بیشک تمہاری قرابت داری ہے جس کے دنیوی حقوق میں ہر طرح ادا کرنے کو تیار ہوں (مسلم وغیرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی مثال

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اُتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھے وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبدالمناف میں تو صرف ہوشیار کر دینے والا ہوں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی

Marfat.com

شخص نے دشمن کو دیکھا اور دوڑ کر اپنے والوں کو ہوشیار کرنے کے لئے آیا تا کہ وہ بچاؤ کر لیں دور سے ہی اس نے غل مچانا شروع کر دیا کہ پہلے ہی خبردار ہو جائیں (مسلم نسائی وغیرہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا یہ تیس شخص تھے جب یہ کھا پی چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو میرا فرض اپنے ذمے لے اور میرے بعد میرے وعدے پورے کرے وہ جنت میں بھی میرا ساتھی اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہوگا۔ تو ایک شخص نے کہا کہ آپ تو ایک سمندر ہیں آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟ تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن کوئی تیار نہ ہوا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اس کے لئے تیار ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾
اور اپنے بازو نیچے رکھ اُن کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایمان والے

یعنی شفقت میں رکھ ایمان والوں کو اپنے ہوں یا پرائے۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾
پھر اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں بیزار ہوں تمہارے کام سے

یعنی خلاف حکم خدا جو کوئی کرے اُس سے تو بیزار ہو جا، اپنا ہو یا پرایا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

گناہوں سے بیزاری

پھر اگر وہ مومن (بعض امور میں) تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے ان (گناہوں کے) اعمال سے بری ہوں۔ اس آیت میں گناہوں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے گناہگاروں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم نہیں دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾
اور بھروسہ کر اُس زبردست رحم والے پر

اللہ پر بھروسہ رکھو

یعنی نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور کتنے ہی ہوں تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سب سے بیزار ہو کر ایک خدا پر بھروسہ رکھ جو زبردست بھی ہے کسی کی اس کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی، اور مہربانی فرمانے والا بھی، چنانچہ اپنی مہربانی سے تیرے حال پر ہر وقت نظر، عنایت رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

توکل کا معنی ہے اپنا کام (مکمل طور پر) دوسرے کے سپرد کر دینا اور ایسا کرنا نہ عقلاً جائز ہے نہ نقلاً صحیح۔ ہاں اگر جس کی سپردگی میں کام دیا ہو وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہو بھروسہ کرنے والے کے اقوال کو سنتا اور تمام احوال کو دیکھتا ہو اور انجام سے باخبر ہو اور بھروسہ کرنے والے کا ہر وقت نگراں ہو تو اس کی سپردگی میں اپنے کام دیئے جا سکتے ہیں اسی لئے فرمایا عَلَى الْعَزِيزِ یعنی اس اللہ پر اعتماد رکھو جو اپنے دشمنوں پر غالب ان کو مقہور کرنے والا اور اپنے دوستوں کی مدد کرنے والا ہے الرَّحِيمِ جو رحیم ہے تمہارے اوپر بھی اور تمہاری پیروی کرنے والوں پر بھی۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾
جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اُٹھتا ہے اور تیرا پھرنا نمازیوں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساجدین میں تقلب

یعنی جب تو تہجد کو اُٹھتا ہے اور متوسلین کی خبر لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل (موضح) یا تو جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی نماز میں نقل و حرکت (رکوع و سجود وغیرہ) کرتا ہے، اور مقتدیوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور بعض سلف نے کہا کہ ساجدین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مراد ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک نبی کی صُلب سے دوسرے نبی کی صُلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم تنہا نماز پڑھتے ہو اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب نمازیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھتے ہو۔ مجاہد نے کہا مطلب یہ ہے کہ تم جو نمازیوں کی طرف نظر گھماتے پھراتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے اسی طرح پشت کے پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے (تو نماز کے اندر نظرِ نبوت سے مقتدیوں کے حال کا بھی مشاہدہ کر لیتے تھے حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میرا رُخ یہاں (یعنی سامنے کی طرف)

Marfat.com

دیکھتے ہو واللہ تمہارے خضوع کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتی میں تمہیں بلاشبہ اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں (رواہ البغوی)

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا ایک قول آیا ہے کہ تقلب سے مراد ہے آباء واجداد کی پشتوں میں منتقل ہونا یعنی ایک نبی سے نور محمدی کا دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو کر آنا۔ لیکن اس تفسیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص مدح نہ ہوگی کیونکہ آباء واجداد میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا تو صرف رسول اللہ ہی کے لئے مخصوص نہ تھا تمام قریش بلکہ تمام انسان یونہی پشت در پشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ تقلب سے مراد ہو پاک عبادت گزار مردوں کی پشت سے مقدس پاک دامن عورتوں کے رحموں میں آپ کا منتقل ہوتے رہنا یعنی موحد، مومن مردوں کی پشتوں سے مومن، موحد عورتوں کے رحموں کی طرف انتقال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا مؤمن ہونا

اس تفسیر سے آیت پر استدلال کیا جا سکے گا اس امر پر کہ حضور کے سارے آباء واجداد مومن تھے۔ کذا قال السیوطی۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی کے شعر ہیں۔

وَيَنْقُلَ احَدٌ نوراً عظيماً تَلاءُ لَافِي وُجُوهِ السَّاجِدِيْنَ

تَقَلَّبَ فِيهِمُ قَرْناً فَقَرْناً اِلىٰ اَنْ جَاءَ خَيْرُ الْمُرسَلِيْنَ

ہر ایک نورِ عظیم منتقل کرتا رہا جو موحدوں کے چہروں میں جگمگاتا رہا وہ نور ہر زمانہ میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ سید المرسلینؐ پیدا ہو گئے۔

اس تفسیر کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قرن در قرن (منتقل کر کے) بنی آدم کے بہترین قرن میں بھیجا گیا یہاں تک کہ میری بعثت اس زمانہ میں ہو گئی جس میں میں ہوں۔ مسلم نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کا انتخاب کر لیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت انسؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے حضور نے فرمایا جب بھی اللہ نے آدمیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین فرقہ میں سے کر دیا آخر مجھے میرے والدین سے پیدا کر دیا گیا کہ دور جاہلیت کی کوئی خرابی مجھے نہیں پہنچی آدم سے لے کر اپنے والدین تک میں نکاح سے پیدا ہوا زناء سے نہیں۔ پس میں ذاتی حیثیت میں بھی تم سے بہتر ہوں اور نسبی اعتبار سے بھی افضل ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے مؤمن ہونے کے موضوع پر مجمل اور مفصل ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مثبت ومنفی ہر طرح کی بحث کی ہے میں نے اس کا خلاصہ ایک رسالہ کی شکل میں لکھ دیا ہے اس موضوع کی تنقیح کے لئے اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ
بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا میں بتلاؤں تم کو کس پر اُترتے ہیں
الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾
شیطان اُترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر

صداقت وعظمتِ قرآن وپیغمبر

یہاں پھر قرآن کے صدق اور عظمت شان پر تنبیہ فرمائی یعنی ایسے ساجدین اور تہجد گزاروں کے امام کو جو اللہ کے معاملہ میں اپنے اور بیگانے کی کوئی پروا نہ کرے اور ساری دنیا سے ٹوٹ کر اکیلے خدا پر بھروسہ رکھے، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شیطان اُن پر وحی لاتا تھا؟ آؤ! میں تم کو بتاؤں کہ شیطانی وحی کس قسم کے لوگوں پر آتی ہے۔ وہ آتی ہے جھوٹوں پر بدمعاشوں اور بدکاروں پر کیونکہ شیطان سچے اور نیک آدمیوں سے بیزار ہے کہ یہ اُس کو بُرا جانتے ہیں۔ جھوٹے دغابازوں سے خوش ہے جو اُس کی مرضی کے موافق ہیں۔ بھلا سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک انسان کو شیطانی وحی سے کیا نسبت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق وامانت اِتقاء، پاکبازی، خدا ترسی تو وہ اوصاف ہیں جو بچپن سے لے کر دعوائے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھے۔ حتیٰ کہ الصادق الامین آپؐ کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

''شیاطین اترتے ہیں ہر بڑے دروغ گو پکے گناہگار پر۔''

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ شریر دروغ گو ہیں۔ نہ گناہگار اللہ کے نافرمان اس لئے شیاطین کا نزول ان پر نہیں ہو سکتا تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے میں (عملی وقولی) مناسبت وموافقت ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

لاڈالتے ہیں سنی ہوئی بات اور بہت اُن میں جھوٹے ہیں

شیطان کی جھوٹی روایات

یعنی شیاطین کوئی ایک آدھ نا تمام بات امور غیبیہ جزئیہ کے متعلق جو سُن بھاگتے ہیں اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے کاہن دوستوں کو پہنچاتے ہیں، یہ حقیقت اُن کی وحی کی ہے۔ برخلاف اس کے انبیاء علیہم السلام کی وحی کا ایک حرف اور ایک شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ بعض نے يُلْقُوْنَ السَّمْعَ کے معنی یہ لئے ہیں، کہ شیاطین ملاءِ اعلیٰ کی طرف کان لگاتے ہیں کہ کوئی غیبی بھنک کان میں پڑ جائے، یا جھوٹے گنہگار شیاطین کی طرف کان جھکائے رکھتے ہیں کہ کوئی چیز اُدھر سے ہاتھ آئے تو چلتی کریں۔ (تفسیر عثمانی)

کاہنوں کی باتیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا حضور نے فرمایا وہ (یعنی کاہن) ہیچ ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ بسا اوقات ایسی باتیں کہتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں فرمایا کوئی ایک صحیح بات کوئی جن (فرشتوں کی گفتگو سے) جھپٹ کر لے بھاگتا ہے اور لا کر اپنے دوست کے کان میں مرغی کے کٹکٹانے کی طرح کٹ کٹ کر دیتا ہے کاہن اس (ایک صحیح بات) میں سو سے بھی زیادہ جھوٹ ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان یعنی ابر میں اترتے ہیں اور ان میں باہم اس امر کا تذکرہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے شیاطین (بادلوں تک پہنچ کر) اس بات کو چوری سے سن پاتے ہیں اور کاہنوں کے دلوں میں لا کر ڈال دیتے ہیں کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے شامل کر دیتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ جب کسی امر کا فیصلہ آسمان پر کر دیتا ہے تو فرشتے عاجزی اور اطاعت کے اظہار کے لئے اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں جیسے کسی چٹان پر زنجیر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو (باہم) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا (دوسرے جواب میں) کہتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہے وہی بزرگ، برتر، عالی قدر ہے۔ اس بات کو کچھ چوری سے سننے والے، (شیاطین) سن پاتے ہیں وہ نیچے والے چوری سے سننے والے سے کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح ایک کے بعد ایک ترتیب وار سن لیتا ہے (سفیان راوی نے اپنی انگلیاں کھول کر ہاتھ کو ترچھا کر کے دکھایا یعنی چاروں انگلیوں کو اس طرح ترتیب دے کر بتایا کہ ایک انگلی دوسری کے اوپر اور دوسری تیسری کے اوپر تیسری چوتھی کے اوپر کر کے دکھائی۔ (مترجم) نیچے والا سن کر اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ سب سے نچلا شیطان ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اوپر والا نیچے والے کو بتانے بھی نہیں پاتا کہ پہلے ہی ایک انگارہ (ٹوٹنے والا ستارہ) اس پر آ گرتا ہے اور اس کو جلا دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انگارہ پڑنے سے پہلے وہ اپنے نیچے والے کو بتا چکتا ہے۔ کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے اور لوگوں سے کہہ دیتا ہے اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں فلاں دن کاہن نے ایسا نہیں کہا تھا غرض اسی آسمان والی بات کی وجہ سے کاہن کی تصدیق کی جاتی ہے۔ (رواہ البخاری)

ستاروں کا ٹوٹنا

حضرت ابنِ عباس نے کسی انصاری کا مقولہ نقل کیا انصاری نے کہا ہم ایک رات رسول اللہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاہلیت کے زمانہ میں اس طرح (تارہ) پھینکا جاتا تھا تو تم لوگ کیا کہتے تھے حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (تارے) نہ کسی کے مرنے کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں۔ نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں بلکہ ہمارا رب بزرگ و برتر جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش تسبیح پڑھتے ہیں پھر ان سے متصل آسمان والے یہاں تک کہ تسبیح (کی آواز) اس نچلے قریبی آسمان والوں کو پہنچ جاتی ہے پھر حاملین عرش سے متصل آسمان والے حاملین عرش سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے یہ فرمایا پھر (ترتیب وار) ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ وہ بات اس دنیوی آسمان تک پہنچ جاتی ہے اور جن جھپٹ کر اس کو سن کر لے بھاگتا ہے اس طرح شیاطین اپنے دوستوں کی طرف لا کر دے مارتے ہیں (کاہن

Marfat.com

لوگ) جب اس بات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسی وہ ہوتی ہے تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ تو اس میں بڑھا دیتے ہیں۔ (رواہ مسلم) (تفسیر مظہری)

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾
اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں

پیغمبر شاعر نہیں ہے

کافر لوگ پیغمبر کو کبھی کاہن بتاتے کبھی شاعر، سو فرمایا کہ شاعری کی باتیں محض تخیلات ہوتی ہیں تحقیق سے اس کو لگاؤ نہیں ہوتا، اس لئے اُس کی باتوں سے بجز گرمی محفل یا وقتی جوش اور واہ واہ کے کسی کو مستقل ہدایت نہیں ہوتی حالانکہ اس پیغمبر کی صحبت میں قرآن سُن سُن کر ہزاروں آدمی نیکی اور پرہیزگاری پر آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دورِ فاروقی کے ایک گورنر کی معزولی کا واقعہ

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت نعمان بن عدی بن نضلہ کو بصرے کے شہر میسان کا گورنر مقرر کیا تھا وہ شاعر تھے ایک مرتبہ اپنے شعروں میں کہا کہ کیا حسینوں کو یہ اطلاع نہیں ہوئی کہ ان کا محبوب میسان میں ہے جہاں ہر وقت شیشے کے گلاسوں سے دَورِ شراب چل رہا ہے اور گاؤں کی بھولی لڑکیوں کے گانے اور ان کے رقص و سرود مہیا ہیں ہاں اگر میرے کسی دوست سے ہو سکے تو اس سے بڑے اور بھرے ہوئے جام مجھے پلائے لیکن ان سے چھوٹے جام مجھے سخت ناپسند ہیں۔ خدا کرے امیر المؤمنینؓ کو یہ خبر نہ پہنچے ورنہ وہ بُرا مانیں گے اور سزا دیں گے۔ یہ اشعار سچ مچ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ تک پہنچے آپ سخت ناراض ہوئے اور اسی وقت آدمی بھیجا کہ میں نے تجھے تیرے عہدے سے معزول کیا اور آپ نے ایک خط بھیجا جس میں بسم اللہ الخ کے بعد حٰمٓ کی تین آیتیں اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ تک لکھ کر پھر تحریر فرمایا کہ تیرے اشعار میں نے سُنے مجھے سخت رنج ہوا۔ میں تجھے تیرے عہدے سے معزول کرتا ہوں۔ چنانچہ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت نعمانؓ دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے اور باادب عرض کی کہ امیر المؤمنین! واللہ نہ میں نے کبھی شراب پی نہ ناچ رنگ اور گانا بجانا دیکھا سُنا یہ تو صرف شاعرانہ ترنگ تھی۔ آپ نے فرمایا یہی میرا خیال ہے لیکن میری ہمت تو نہیں پڑتی کہ ایسے فحش گو شاعر کو کوئی عہدہ دوں پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بھی شاعر اپنے شاعروں میں کسی جرم کے اعلان پر گو وہ قابلِ حد ہو مارا نہ جائے گا اس لئے کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں وہ قابلِ ملامت اور لائق سرزنش ضرور ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ پیٹ کو لہو پیپ سے بھر لینا اشعار سے بھر لینے سے بہتر ہے۔

شعر کی تعریف

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی اور غیر حقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی مجر، وزن، ردیف اور قافیہ کچھ شرط نہیں، فنِ منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے اصطلاحی شعر و غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اس لئے اصطلاحِ شعراء میں کلام موزوں مقفی کو شعر کہنے لگے۔ بعض مفسرین نے آیاتِ قرآن" بَلْ هُوَ شَاعِرٌ - شَاعِرٌ مَّجْنُوْنٌ - شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ وغیرہ میں شعر اصطلاحی کے معنی میں مراد لے کر کہا کہ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وزن دار، قافیہ دار کلام لانے والے کہتے تھے لیکن بعض نے کہا کہ کفار کا مقصد یہ نہ تھا اس لئے کہ وہ شعر کے طرز و طریق سے واقف تھے، اور ظاہر ہے کہ قرآن اشعار کا مجموعہ نہیں اس کا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ فصیح و بلیغ عرب، بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصلی معنی یعنی خیالی مضامین کے لحاظ سے کہتے تھے مقصد ان کا دراصل آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمعنی کذب بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کاذب کو کہا جاتا ہے اس لئے ادلۂ کاذبہ کو ادلۂ شعر کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ جیسے موزوں اور مقفی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی اور تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہلِ منطق کی اصطلاح ہے۔

اچھے اشعار

تفسیر قرطبی میں ہے کہ مدینہ منورہ کے فقہاء عشرہ جو اپنے علم و فضل میں معروف ہیں اُن میں سے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ مشہور قادر کلام شاعر تھے اور قاضی زبیر بن بکار کے اشعار ایک مستقل کتاب میں جمع تھے۔ پھر قرطبی نے لکھا کہ ابو عمرو نے فرمایا ہے کہ اچھے مضامین پر مشتمل اشعار کو اہلِ علم اور اہلِ عقل میں سے کوئی بُرا نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اکابر صحابہ جو دین کے مقتدا ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے خود شعر نہ کہے ہوں یا دوسروں کے اشعار نہ پڑھے یا سُنے ہوں اور پسند کیا ہو۔

Marfat.com

کون سے اشعار بُرے ہیں

جن روایات میں شعر شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔ امام بخاریؒ نے اس کو ایک مستقل باب میں بیان فرمایا ہے اور اس بات میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ لَانْ یَمْتَلِی جَوْفُ رَجُلٍ قَیحاً یَرِیْهِ خَیْر مِنْ اَنْ یَمْتَلِی شِعراً، یعنی کوئی آدمی پیپ سے اپنا پیٹ بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے پیٹ بھرے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ شعر جب ذکر اللہ اور قرآن اور علم کے اشتغال پر غالب آجائے۔ اور اگر شعر مغلوب ہے تو بُرا نہیں ہے اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع اُمت حرام و ناجائز ہیں اور یہ کچھ شعر کے ساتھ مخصوص نہیں جو نثر کلام ایسا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (قرطبی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر عدی بن نصلہ کو اُن کے عہدہ سے اس لئے برخاست کر دیا کہ وہ فحش اشعار کہتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمرو بن ربیعہ اور ابوالاحوص کو اسی جرم میں جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ عمرو بن ربیعہ نے توبہ کر لی وہ قبول کی گئی۔ (قرطبی)

خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے

ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ بہت قافیہ بازی اور ہر ایسا علم و فن جو دلوں کو سخت کر دے اور خدا تعالیٰ کے ذکر سے انحراف و اعراض کا سبب بنے اور اعتقادات میں شکوک و شبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے۔

اکثر تابعین کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت ہوتی ہے

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اس آیت میں شعراء پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ اُن کے متبعین گمراہ ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ تو ہوئے متبعین اُن کے فعل کا الزام متبوعین یعنی شعراء پر کیسے عائد ہوا، وجہ یہ ہے کہ عموماً اتباع کرنے والوں کی گمراہی علامت اور نشانی ہوتی ہے متبوع کی گمراہی کی لیکن سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب تابع کی گمراہی میں اس متبوع کے اتباع کا دخل ہو مثلاً متبوع کو جھوٹ اور غیبت سے بچنے بچانے کا اہتمام نہیں ہے اس کی مجلس میں اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں وہ روک ٹوک نہیں کرتا اس سے تابع کو بھی جھوٹ اور غیبت کی عادت پڑ گئی تو یہ تابع کا گناہ خود متبوع کے گناہ کی علامت قرار دیا جائے گا لیکن اگر گمراہی متبوع کی ایک وجہ سے اور اتباع کسی دوسری وجہ سے ہو تو یہ تابع کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت نہیں ہوگی، مثلاً ایک شخص عقائد و مسائل میں کسی عالم کا اتباع کرتا ہے اور اُن میں کوئی گمراہی نہیں، اعمال و اخلاق میں اس عالم کا اتباع نہیں کرتا ان میں یہ گمراہ ہے تو اس کی عملی اور اخلاقی گمراہی اس عالم کی گمراہی پر دلیل نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

شاعروں کی گپوں کا ایک نمونہ لکھا جاتا ہے

اے رشکِ مسیحا تری رفتار کے قرباں
ٹھوکر سے مری لاش کئی بار جلا دی
اے بادِ صبا ہم تجھے کیا یاد کریں گے
اُس گُل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لا دی
صبا نے اس کے کوچہ سے اڑا کر
خدا جانے ہماری خاک کیا کی

وغیرہ وغیرہ حتیٰ کہ کبھی کفریات بکنے لگتے ہیں۔

قرآنی اعجاز کے دو رُخ ہیں اول ترتیبی یعنی اسلوب ادا اور دوسرا معنوی۔ قرآن کی معنویت پر تو وہ لوگ یہ جرح کرتے تھے کہ یہ شیاطین لے کر اترتے ہیں اور اعجازِ لفظی کے سلسلہ میں کہتے تھے یہ شاعری ہے اس لئے اللہ نے کاہنوں اور شاعروں کی حالت بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کا ان کی حالتوں سے فرق ظاہر کر دیا۔

شعر گوئی کی مذمت

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہو کہ اس کی صحت کو غارت کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔ (رواہ البخاری و مسلم و احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب (کوہ) عرج میں چل رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا سامنے آیا حضور نے فرمایا شیطان کو پکڑ لو یا تھام لو فرمایا اگر کسی کے جوف کے اندر پیپ، لہو بھرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام میں انتہائی مبالغہ کرنے والے غارت ہو گئے حضور صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے مقرب تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور میرے لئے سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے بُرے ہوں فضول بکواس کرنے والے ہوں بنا بنا کر خلافِ حقیقت کثیر کلام کرنے والے ہوں حلق پھاڑ کر بغیر احتیاط کے کام کو پھیلانے والے ہوں۔ میں کہتا ہوں شعراء کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم نثاروں (بکواسی، کثیر گو) اور متشدقون (باچھیں پھاڑ کر بنا کر کلام کرنے والے) کو تو جانتے ہیں متفھقون کے کیا معنی فرمایا تکبر کرنے والے۔

بے عمل خطیب

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے (معراج میں) لے جایا گیا تو میرا گزر کچھ لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں (تقریریں) کہتے تھے جو خود نہیں کرتے تھے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

شانِ نزول

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمیوں نے (یعنی دو شاعروں نے) باہم ہجو کا مقابلہ کیا ایک انصاری تھا دوسرا کسی اور قبیلہ کا ہر ایک کے ساتھ اس کی قوم کے کچھ غاوی (گمراہ یعنی اشعار کو نقل کرنے اور یاد رکھنے والے) بھی تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

غاوی کون ہیں

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۘ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں بغوی نے ضحاک کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے عطیہ کی ایک روایت بھی ابن عباس سے یہی ہے حضرت ابن عباس کا قول عطیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی بروایت عکرمہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں وہ شعراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجاء کرتے تھے مقاتل نے ان کے نام اس طرح نقل کئے ہیں عبداللہ بن زبیر سہمی۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔ شافع بن عبد مناف۔ ابو عزہ عبداللہ بن عمر جمحی۔ امیہ بن صلت ثقفی۔

یہ شعراء جھوٹی غلط سلط باتیں کہتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے اور رسول اللہ اور صحابہ کے متعلق ان شاعروں کے ہجائیہ اشعار سنتے اور پھر نقل کرتے تھے یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے غاوون فرمایا۔ یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ اور مسلمانوں کے متعلق کہے ہوئے ہجائیہ اشعار نقل کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۙ﴿۲۲۵﴾
تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں

شعراء کی گمراہیاں

یعنی جو مضمون پکڑ لیا اُسی کو بڑھاتے چلے گئے کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا، مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اُس میں جمع کر دیئے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مُڑ کر نہیں دیکھا۔ اسی لئے شعر کی نسبت مشہور ہے۔ اکذب اُو احسن اُو.

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۙ﴿۲۲۶﴾
اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

زبانی وخیالی باتیں

یعنی شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے نامرد اور ڈرپوک کبھی دیکھو تو ہٹے کٹے ہیں اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساقط ہو چکیں، قبض روح کا انتظار ہے۔ حالی نے مسدس میں ان کے جھوٹ کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

پیغمبر کو شاعروں سے کوئی لگاؤ نہیں

Marfat.com

غرض ایک پیغمبر خدا اور وہ بھی خاتم الانبیاء کو اس جماعت سے کیا لگاؤ۔ اسی لئے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات تھی سچی جچی تلی باون تولے پاؤ رتی تحقیق کی ترازو میں تلی ہوئی۔ پھر جو بات زبان مبارک سے سنی جاتی تھی وہ ہی عمل میں آنکھوں سے نظر آتی تھی۔ بھلا شاعر ایسے ہوتے ہیں؟ اور شاعری اسے کہتے ہیں؟ حاشا ثم حاشا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا
مگر وہ لوگ جو یقین لائے اور کام کئے اچھے اور یاد کی
اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ
اللہ کی بہت اور بدلہ لیا اُس کے پیچھے کہ اُن پر ظلم ہوا

اچھے شعراء

مگر جو کوئی شعر میں اللہ کی حمد کہے یا نیکی کی ترغیب دے یا کفر کی مذمت یا گناہ کی بُرائی کرے یا کافر اسلام کی ہجو کریں یہ اُس کا جواب دے یا کسی نے اس کو ایذا پہنچائی اُس کا جواب بحدِ اعتدال دیا ایسا شعر عیب نہیں چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے اسی لئے حضور نے فرمایا کہ ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور حاکم نے ابوالحسن براد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الخ نازل ہوئی تو عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک اور حسان بن ثابت خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں اب ہم تو غارت ہو گئے اس پر اللہ نے آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھ کر سنا دیں۔

ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا یعنی ان کی شاعری ان کے لئے اللہ کے ذکر کی کثرت سے مانع نہ ہو۔ اور اپنے بیشتر اشعار میں وہ اللہ کے ذکر توحید۔ اللہ کی حمد وثنا اور اس کی اطاعت کی ترغیب بیان کرتے ہوں۔

ابو یزید نے کہا ذکر کی کثرت تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ حضور قلب سے ہوتی ہے۔

وَانْتَصَرُوْا یعنی مسلمانوں کی ہجا جن لوگوں نے کی ہو ان مومن شاعروں نے اس کے مقابلے میں ان کی ہجا کی ہو اور اس طرح کافروں کے ظلم کا انتقام لیا ہو۔

بغوی نے شرح السنۃ اور معالم میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا کیا ہوگا) فرمایا مومن اپنی تلوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے (بھی) جہاد کرتا ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔

استیعاب میں عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ شاعری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا مؤمن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے ابن رواحہ حضور کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم کے اندر شعر پڑھ رہے تھے حضور نے (حضرت عمر سے) فرمایا عمر اس کو پڑھنے دے یہ اشعار کمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

صحیحین میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل (مدد کے لئے) تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان سے فرما رہے تھے۔ میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اے اللہ روح القدس کے ذریعہ سے اس کی مدد کر۔

مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو تمہاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا روح القدس برابر تیری مدد

Marfat.com

پر رہے گا جب تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے دفاع کرے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ فرمارہے تھے حسان نے ان کی ہجا کی پس شفادی اور شفا دینے والی چیز بیان کردی۔

بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان کے لئے مسجد کے اندر منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ کی طرف سے فخریہ یا دفاعیہ کلام پڑھتے تھے اور رسول اللہ فرماتے تھے اللہ روح القدس سے حسان کی مدد کراتا ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسان دفاع کرتا ہے۔

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو یہ ان کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر ابن رواحہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو حکم دیا ان کی ہجا کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو (لیکن وہ) حضور کی خوشی کے مطابق (ہجو) نہ کر سکے پھر کعب بن مالک کو بلوایا پھر حسان بن ثابت کو بلوایا جب حسان آئے تو فرمایا اب وقت آ گیا کہ تم اس شیر کی طرف تیر بھیجو جو دُم پٹک رہا ہے (یعنی حملہ کے لئے تیار ہے) پھر حضرت حسان نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالتے ہوئے اسے ہلا کر کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی زبان سے ان کو چمڑے کی طرح چیر ڈالوں گا حضور نے فرمایا جلدی نہ کرو ابوبکر قریش کے نسبوں سے بخوبی واقف ہیں میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے ابوبکر میرے نسب کو ان کے اندر سے الگ چھانٹ دیں گے حسان حضرت ابوبکر کے پاس گئے پھر لوٹ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکر نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح کھینچ نکالوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسان نے یہ شعر کہے۔

هجوت محمدا فاجبت عنه
وعند الله فی ذاک الجزاء

تو نے محمد کی ہجو کی میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔

هجوت محمدا براتقیا رسول الله شیمته الوفاء

تو نے مقدس پرہیز گار محمد کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفاء عہد ہے۔

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

میرے ماں باپ اور میری آبرو ــــــ محمد کی آبرو کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد کی آبرو پر سب قربان

امن یهجو رسول الله منکم ویمدحه وینصره سواء

تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرتا ہے اور جو رسول اللہ کی مدح اور امداد کرتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

وجبریل رسول الله فینا وروح القدس لیس له کفاء

اللہ کے رسول جبریل اور روح القدس ہمارے اندر ہیں جن کا کوئی ہمسر نہیں۔

ابن سیرین کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک سے فرمایا لاؤ حضرت کعب نے آپ کو (قصیدہ) سنایا حضور نے فرمایا یہ ان (قریش) کے لئے تیر پڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

فائدہ: ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر شعر جھوٹ اور دوسری ناجائز باتوں سے پاک ہو تو ایسی شاعری میں کوئی حرج نہیں دار قطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر (کے جواز وعدم جواز) کا ذکر کیا گیا فرمایا یہ بھی ایک کلام ہے اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی ہوتا ہے اچھے کو لے لو برے کو چھوڑ دو۔

لبید کا کلام

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا کلام جو کسی شاعر نے کہا ہو۔ وہ لبید کا یہ کلام ہے الا کل شئ ماخلا اللّٰه باطل خوب سن لو اللہ کے سوا ہر چیز بے حقیقت ہے۔ (متفق علیہ)

امیہ بن صلت کے اشعار

عمرو بن شرید نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا عمرو کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہ کے پیچھے حضور کے ساتھ سوار تھا فرمایا کہ امیہ بن صلت کا کوئی شعر تمہیں یاد ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا لاؤ میں نے ایک شعر سنا دیا فرمایا اور لاؤ میں نے ایک شعر اور سنا دیا فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے حضور کو سو شعر پڑھ کر سنائے۔ (رواہ مسلم)

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد

حضرت جندب راوی ہیں کہ کسی معرکہ میں حضور کی ایک انگلی زخمی (یا خون آلود) ہوگئی آپ نے فرمایا۔

هَلْ اَنْتِ اِلاّ اِصبعٌ دُمِیتِ وَفِیْ سَبِیلِ اللّٰهِ مَالِقِیْتِ

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوگئی اور جو کچھ تو نے دُکھ پایا اللہ کی راہ میں پایا۔ (متفق علیہ)

حضرت صدیق وفاروق وحیدر رضی اللہ عنہم

شعبی کا بیان ہے کہ ابوبکر بھی شعر کہتے تھے اور عمر بھی شعر کہتے تھے اور علی بھی شعر کہتے تھے تینوں شعر کہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی شعر پسندی

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابنِ عباس مسجد کے اندر خود بھی شعر پڑھتے تھے اور پڑھواتے بھی تھے ایک بار عمرو بن ربیع کو طلب فرما کر اس سے اس کا قصیدہ سنا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

امن آل لُعمیٰ انتَ غادٍ مبکّرٌ غداۃَ غدامَ رَائحٌ فَمُحَجَّرٌ

ابن ربیعہ نے آپ کو پورا قصیدہ آخر تک سنا دیا جو تقریباً ستر شعر کا تھا۔ حضرت ابن عباس نے دوبارہ لوٹ کر سنا دیا کیونکہ آپ پورا قصیدہ ایک بار سن کر یاد کر لیا کرتے تھے۔

فائدہ: اگر شعروں میں اللہ کا ذکر ہو یا علمِ دین ہو یا مسلمانوں کو وعظ و نصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔ حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

صخر بن عبداللہ بن بریدہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابنِ عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض شعر حکمتیں۔ رواہ ابوداؤد۔ واحمد۔

ایک حدیث اوپر درج کی جا چکی ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ ابوداؤد نسائی دارمی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔

اوپر کی آیت میں جب اللہ نے مسلم شعراء اور مشرک شعراء کا ذکر کر دیا تو آئندہ آیت میں مشرک شعراء کو وعید سنائی اور فرمایا! (تفسیر مظہری)

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

اور اب معلوم کر لیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں

ظالموں کو دھمکی

یہ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کی مناسبت سے فرمایا کہ ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ اُونٹ بیٹھتا ہے سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن و شاعر کہہ کر جھٹلائے۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے یہ سخت تہدید ہے سیعلم کے اندر وعید بلیغ ہے اور الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا میں عموم و اطلاق ہے اور اَیَّ مُنْقَلَبٍ میں ابہام کے ساتھ عظیم ہولناکی کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ ظالم امید رکھتے ہیں کہ عذاب سے (ان کو چھوٹ مل جائے گی اور وہ) لوٹ جائیں گے مگر (مرنے کے بعد) ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے لوٹنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصیت نامہ

ابنِ ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میرے والد نے اپنے وصیت نامہ میں دو سطریں لکھیں (اور وصیت نامہ اس طرح تحریر کیا) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وصیت وہ ہے جو ابوبکر بن ابوقحافہ نے دنیا سے نکلتے وقت لکھی تھی (یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ) اس وقت کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور بدکار بھی نیک ہو جاتا ہے اور جھوٹا بھی سچ کہتا ہے میں نے تم پر عمر بن خطاب کو اپنا جانشین بنایا، اگر وہ انصاف کریں تو ان کے متعلق میرا یہی خیال اور امید ہے اور اگر وہ ظلم کریں اور (مذہبی احکام کو بدل ڈالیں) تو میں (معذور ہوں) غیب داں نہیں ہوں۔ (آئندہ کا مجھے علم نہیں) وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾۔ (تفسیر مظہری)

اور صرف یہی انصاری شعراء رضی اللہ عنہم ہی نہیں بلکہ اگر کسی شاعر نے اپنی جاہلیت کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھی

Marfat.com

سُوْرَۃُ النَّمل

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل کو برا سمجھے گا اور اپنی قوم کا سردار ہوگا اور علم اور سرداری پائے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ
سورہ نمل مکہ میں اُتری اور اس کی ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ۝۱
یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی
هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے واسطے جو قائم رکھتے ہیں
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳
نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ اور ان کو آخرت پر یقین ہے
اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ
جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو اچھے دکھلائے ہم نے اُن کی نظروں میں
اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۭ۝۴
ان کے کام سو وہ بہکے پھرتے ہیں

دنیا پرستی کے مریض

یعنی جن کو انجام کی کوئی فکر اور مستقبل کا خیال نہ ہو، وہ اسی دنیائے فانی کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اُن کی تمام کوششوں کا مرکز یہی چند روزہ زندگی ہے جو کتاب یا پیغمبر ادھر سے ہٹا کر عاقبت کی طرف توجہ دلائے، اُس پر کیوں کان دھرنے لگے۔ وہ دنیا کے عشق میں غرق ہو کر بادیوں پر آوازیں کستے ہیں۔ آسمانی صحیفوں کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اور یہ ہی کام ہیں، جن کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔

(تنبیہ) تزیین کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اس حیثیت سے کی کہ خالق ہر چیز کا وہی ہے کسی سبب پر مسبب کا ترتب بدون اُس کی مشیت وارادہ کے نہیں ہوسکتا جیسا کہ دوسرے مواضع میں اضلال وختم وطبع وغیرہ کی نسبت اس کی طرف ہوئی ہے۔ سورہ نمل کی ان ابتدائی آیات کا مضمون سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات سے بہت مشابہ ہے اُن کو ایک مرتبہ مطالعہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمالِ بد ان کی نظروں میں مزین کر دیئے ہیں۔ اس لئے وہ انہی کو بہتر سمجھ کر گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اعمالھم سے مراد نیک اعمال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو نیک اعمال کو مزین کر کے ان کے سامنے رکھ دیا تھا مگر ان ظالموں نے ان کی طرف التفات نہ کیا بلکہ کفر و شرک میں مبتلا رہے اس لئے گمراہی میں بھٹکنے لگے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے، اول تو اس لئے کہ مزین کرنے کے الفاظ عموماً اعمال بد کے لئے استعمال ہوئے ہیں جیسے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ - زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا - زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ الخ اور اچھے اعمال کے لئے اس لفظ کا استعمال بہت کم ہے جیسے حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الآیۃ دوسری آیت میں اعمالھم (ان کے اعمال) کا لفظ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مراد اعمال بد ہیں نہ کہ اعمالِ صالحہ۔ (معارف مفتی اعظم)

تِلْكَ سے آیاتِ سورت کی طرف اشارہ ہے۔

لوحِ محفوظ

كِتَابٍ مُّبِيْنٍ سے مراد لوح محفوظ ہے جس کے اندر ہر ہونے والی چیز کا اندراج ہے اس کو مبین یعنی مظہر کل فرمایا لوح محفوظ تحریر کے لحاظ سے قرآن پر مقدم ہے لیکن ہمارے علم کا تعلق قرآن سے ہی ہے اسی تعلق کا لحاظ کر کے القرآن کو کتاب مبین سے پہلے ذکر کیا۔

قرآن کے احکام واضح ہیں

یا کتاب مبین سے بھی قرآن ہی مراد ہے قرآن حلال وحرام احکام

Marfat.com

کو کھول کر بیان کرنے والا ہے اور چونکہ معجز ہے اس لئے اپنے صحیح ہونے کو بھی واضح طور پر بیان کر رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ
وہی ہیں جن کے واسطے بُری طرح کا عذاب ہے اور
فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵
آخرت میں وہی ہیں خراب

یعنی وہاں سب سے زیادہ خسارہ میں یہ ہی لوگ ہوں گے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶
اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے

دنیا پرستوں کو چھوڑیئے آپ عظیم الشان کتاب کا شکر ادا کرتے رہیں

یعنی ان بدبختوں کو تیہ ضلالت میں بھٹکنے دو۔ جب انہوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اُس کی ہدایات و بشارات سے فائدہ نہ اُٹھایا تو یہ ہی حشر ہونا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کا شکر کیجئے کہ اُس علیم وحکیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت کی گئی ہے جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تاسچوں کا دل مضبوط وقوی ہو اور جھوٹ کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

علم وحکمت

علم حکمت کے اندر داخل ہے کیونکہ علم عام مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور حکمت کا لفظ عمل کے استحکام پر دلالت کرتا ہے لہذا دونوں اوصاف کو ظاہر کرنے کے لئے حکیم کے ساتھ علیم بھی فرما دیا پھر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ علوم تو حکمت ہوتے ہیں جیسے علم العقائد علم شریعت وغیرہ اور بعض علوم حکمت نہیں ہوتے جیسے قصص اور آئندہ چیزوں کا بیان۔ گویا لفظ علیم سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس قرآن میں گزشتہ واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس سے آگے حضرت موسیٰ کے قصہ کی تفصیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا
جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے ایک آگ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے واپسی سفر کا حال

یہ مدین سے جاتے ہوئے وادی طوی کے قریب پہنچ کر کہا جبکہ سخت سردی کی اندھیری رات میں راستہ بھول گئے تھے مفصل واقعہ سورۃ طٰہٰ کے فوائد میں گزر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

روایت بالمعنی کی دلیل

(اللہ نے وہ قول نقل کیا جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا تھا اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عربی میں نہیں کہا ہوگا بلکہ اس مفہوم کو اپنی زبان میں ادا کیا ہو جس کو قرآن کے اندر عربی عبارت میں اللہ نے بیان کر دیا) اس میں دلیل ہے اس امر کی کہ حدیث کے معنی کو دوسرے الفاظ میں نقل کرنا (اور یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا) جائز ہے اور نکاح بھی ایسے الفاظ سے جائز ہے جو تزویج ونکاح کے مفہوم کو ظاہر کر رہے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ
اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر یا لاتا ہوں انگارا
قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷
سُلگا کر شاید تم سینکو

یعنی رستہ کی خبر لاتا ہوں اگر آگ کے پاس کوئی موجود ہو ورنہ کم از کم سینکنے تاپنے کے لئے ایک انگارا لے آؤں گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو امید تھی اس لئے لَعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ کہہ دیا اور امید یقینی تھی کہ ضرور کوئی اطلاع مفید لے کر آؤں گا اس لئے سَاٰتِيْكُمْ کہہ دیا۔

بِخَبَرٍ کوئی اطلاع یعنی صحیح راستہ کی اطلاع۔ حضرت موسیٰ راستہ بھٹک گئے تھے صحیح راستے کی بھی تلاش تھی۔ (تفسیر مظہری)

جدوجہد توکل کے منافی نہیں ہے

معلوم ہوا کہ ضروریات کے حصول کے لئے جدوجہد توکل کے منافی نہیں، لیکن بھروسہ اپنی کوشش کی بجائے اللہ پر ہونا چاہئے اور آگ آپ کو دکھلائے جانے میں بھی شاید یہی حکمت ہو کہ اس سے

Marfat.com

آپ کے دونوں مقصود پورے ہو سکتے تھے، راستے کا مل جانا اور آگ سے گرمی حاصل کرنا۔ (کمافی الروح)

ادب کا لحاظ

اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امکثوا اور تصطلون جمع کے صیغے بولے حالانکہ آپ کے ساتھ صرف آپ کی بیوی یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں ان کے لئے لفظ جمع استعمال فرمانا بطور اکرام کے ہوا جیسے معزز لوگوں میں کسی ایک فرد سے بھی خطاب ہوتا ہے تو صیغہ جمع کا استعمال کیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے صیغہ جمع استعمال فرمانا روایاتِ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِكَ
پھر جب پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی کہ برکت ہے
مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا
اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے

نورِ الٰہی کا ظہور

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ غیبی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نورِ الٰہی ظاہر ہو رہا تھا یا اُس کی بجلی چمک رہی تھی۔ شاید وہ ہی ہو جس کو حدیث میں فرمایا۔ حجابه النَّار یا حجابهٗ النُّورُ پھر غیب سے آواز آئی اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک آگ میں جو تجلی ہے وہ بھی مبارک اور اس کے اندر یا اُس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ علیہ السلام وہ سب مبارک ہیں۔ یہ غالباً موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سلام

(یعنی موسیٰ علیہ السلام) اس پر بھی (برکت ہو، یہ دُعا بطور تحیۃ وسلام کے ہے جیسے ملاقاتی آپس میں سلام کرتے ہیں۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام جانتے نہ تھے کہ یہ نور انوارِ الٰہیہ سے ہے اس لئے خود سلام نہیں کر سکے تو منجانب اللہ ان کے اُنس کے لئے سلام ارشاد ہوا اور فرشتوں کو ملا لینا شاید اس لئے ہو کہ جس طرح فرشتوں کو سلام حق تعالیٰ کے قرب خاص کی علامت ہوتی ہے یہ سلام بھی موسیٰ علیہ السلام کو قربِ خاص کی بشارت ہو گیا) اور (اس امر کے بتلانے کے لئے کہ یہ نور جو بشکلِ نار ہے خود حق تعالیٰ کی ذات نہیں (ساتھ ہی آگے) ارشاد فرما دیا کہ) اللہ رب العالمین (رنگ، جہات، مقدار اور حد بندی وغیرہ سے) پاک ہے (اور اس نور میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔

آگ میں کیا تھا

ابن جریر، ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مَنْ فِی النَّارِ کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ مَنْ فِی النَّارِ سے خود ذات حق سُبحانہ وتعالیٰ مراد ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آگ ایک مخلوق ہے اور کسی مخلوق میں خالق کا حلول نہیں ہو سکتا اس لئے اس روایت کا یہ مفہوم تو ہو نہیں سکتا کہ ذاتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آگ کے اندر حلول فرمایا تھا جیسا کہ بہت سے بُت پرست مشرکین بتوں کے وجود میں ذاتِ حق کے حلول کے قائل ہیں اور یہ توحید کے قطعاً خلاف ہے بلکہ مراد ظہور ہے جیسا آئینہ میں جس چیز کو دیکھا جاتا ہے وہ آئینہ میں حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی اس سے الگ اور خارج ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ظہور جس کو تجلی بھی کہا جاتا ہے خود ذاتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلی نہیں تھی ورنہ اگر ذاتِ حق تعالیٰ کا مشاہدہ موسیٰ علیہ السلام نے کر لیا ہوتا تو بعد میں ان کے اس سوال کی کوئی وجہ نہیں رہتی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (یعنی اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات پاک دکھا کہ میں دیکھ سکوں) اور اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے لَنْ تَرٰىنِیْ کا ارشاد بھی پھر کوئی معنے نہ رکھتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول میں حق تعالیٰ جل شانہٗ کا ظہور مراد ہے یعنی تجلی جو آگ کی صورت میں ہوئی یہ جس طرح حلول نہیں تھا اسی طرح تجلی ذات بھی نہیں تھی بلکہ لَنْ تَرٰىنِیْ آیۃ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عالمِ دنیا میں تجلی ذاتی کا کوئی شخص مشاہدہ نہیں کر سکتا۔

پھر اس ظہور و تجلی کا کیا مفہوم ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تجلی مثالی تھی جو حضرات صوفیہ کرام میں معروف ہے اس کی حقیقت کا سمجھنا تو انسان کے لئے مشکل ہے۔ بقدر ضرورت تقریب الی الفہم کے لئے احقر نے اپنی کتاب احکام القرآن بزبان عربی سورۃ قصص میں اس کی کچھ تفصیل لکھی ہے اہلِ علم اس میں دیکھ سکتے ہیں عوام کی ضرورت کی چیز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

Marfat.com

نُودِی ندا دی گئی نداء کے اندر قول کا معنی ہے یعنی پکار کر کہا گیا بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ یعنی پاک ہے وہ جو آگ کے اندر جلوہ افروز ہے اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابن عباس وسعید بن جبیر اور حسن کی بھی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو ندا دی اور اپنا کلام سنایا بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ آگ نہ تھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا نور جلوہ افروز تھا موسیٰ نے اس کو آگ خیال کیا تھا اسی لئے لفظ نار (آگ) کہا تھا۔

سعید بن جبیر نے کہا وہ بعینہ آگ ہی تھی جو اللہ (کی ذات) کیلئے حجاب تھی جیسا کہ بعض رویات میں حجابه النور کی بجائے حجابه النار آیا ہے اس تفسیر پر اس آیت کا شمار متشابہات میں ہوگا جیسا دوسری آیت میں آیا ہے، هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ غمام کے سائبانوں میں ان کے پاس آپہنچے۔ (تفسیر مظہری)

بعض اہلِ علم نے کہا بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ میں مضاف محذوف ہے یعنی بورک من فی طلب النار (برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں ہے) یا بورک من فی مکانِ النار، (مبارک ہے وہ جو آگ کے مقام پر ہے) بہرحال اس سے مراد حضرت موسیٰ ہیں اور مَنْ حَوْلَهَا سے ملائکہ مراد ہیں جو آگ کے آس پاس موجود تھے اللہ کی طرف سے موسیٰ کے لئے اس لفظ میں پیام برکت تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کی زبانی پیام برکت و رحمت دیا گیا تھا رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اور فرشتوں نے کہا تھا۔

بعض نے کہا مَنْ فِی النَّارِ سے مراد ملائکہ ہیں اور مَن حولَهَا سے مراد موسیٰ جو نور موسیٰ نے دیکھا تھا اس کے اندر ملائکہ تسبیح تحمید اور تقدیس میں مشغول تھے اور موسیٰ آگ کے قریب تھے۔

بعض علماء نے کہا مَنْ حَوْلَهَا کا لفظ عام ہے وادی کے اندر جو کوئی تھا سب کو یہ لفظ شامل تھا اور ارض شام (جس کو مخزن انبیاء ہونے کی وجہ سے برکات بھی کہا گیا ہے) بھی اس میں داخل ہے اور خطاب کا صیغہ ذکر کرنے سے پہلے مَنْ حَوْلَهَا کا ذکر کرنا موسیٰ کو ایک طرح کی بشارت اور اس امر کی پہلے سے خوشخبری ہے کہ تمہارا واقعہ بڑی عظمت والا ہوگا تمہاری برکتیں ارض شام میں پھیلیں گی ان تمام تاویلات پر سبحان اللہ رب العالمین سے دو باتیں مستفاد ہوں گی ایک تو توہم تشبیہ کی نفی ہو جائے گی دوسری بات یہ کہ آئندہ واقعہ موسیٰ کی عظمت کا اظہار اور اس کا تعجب آفرین ہونا معلوم ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ علیہ السلام کو یہ ندا بطور سلام اور تحیہ اکرام تھی جس سے ان کا اعزاز اور اکرام اور ان کی تسلی مقصود تھی کہ اے موسیٰ گھبراؤ نہیں مبارک ہو تم کو اور ملائکہ حاضرین کو۔ جیسے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تو من جانب اللہ یہ کہا رحمة الله و برکاته ' علیکم اهل البیت۔ یہ فرشتوں کی طرف سے سلام اور تحیۂ اکرام تھا اور ابن عباس اور سعید بن جبیرؓ اور حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ مَنْ فِی النَّارِ سے اللہ پاک مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی قدرت کا جلوہ مراد ہے اور ایک روایت میں ابن عباس سے اس طرح آیا ہے کہ وہ آگ در حقیقت آگ نہ تھی بلکہ وہ ایک نور تھا جو آگ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس روایت کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ بابرکت ہے وہ ذات پاک جو اس آگ میں جلوہ فرما ہے اور جس کا نور اس آگ میں ظاہر ہو رہا ہے یہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو اس آگ کے آئینے میں ظاہر ہو رہی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں آسمان کا جلوہ نظر آ جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ آنکھ میں آسمان سما گیا۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو چمک رہی تھی اور وہ دنیا کی آگ نہ تھی بلکہ ایک نورانی اور غیبی آگ تھی جس میں نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اور یہ ظاہری آگ نور الٰہی کا ایک حجاب اور ایک پردہ یا آئینہ تھی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے حجابه النار اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ کا عین نہیں ہوتی اور نہ آئینہ اس کا عین ہوتا ہے آئینہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے اور آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت اصل ظاہر کا ایک جلوہ ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ مَنْ فِی النَّارِ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ مراد ہیں تو ممکن تھا کہ کسی نادان کو یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان اور کسی چیز میں سمایا ہوا ہے تو آئندہ آیت وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اس کی تنزیہ و تقدیس پر متنبہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے اور اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت سے اور مکان سے اور سمت سے اور جہت سے اور کسی محل میں نزول اور حلول کرنے سے پاک اور منزہ ہے اس آگ میں جو کچھ نظر آیا وہ اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو آگ میں نمودار ہوئی جیسے آفتاب کسی آئینہ میں متجلی ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں متجلی اور جلوہ افروز ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا۔ (معارف کاندھلوی)

Marfat.com

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸

اور پاک ہے ذات اللہ کی جو رب سارے جہان کا

اللہ تعالیٰ جسم، صورت، جہت وغیرہ سے پاک ہے

یعنی مکان، جہت، جسم صورت اور رنگ وغیرہ سمات حدوث سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ آگ میں اُس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی؟ آفتاب عالمتاب قلعی دار آئینہ میں متجلی ہوتا ہے لیکن کون احمق کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا کرہ شمسی چھوٹے سے آئینہ میں سما گیا؟

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹

اے موسیٰ وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا

یعنی اس وقت تجھ سے کلام کرنے والا میں ہوں یہ سب واقعہ مفصلاً سورہ طٰہٰ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ

اور ڈال دے لاٹھی اپنی پھر جب دیکھا اُس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی سٹک

شاید ابتداء میں پتلا ہوگا، یا سُرعتِ حرکت میں تشبیہ ہوگی صغرِ جثہ میں نہیں

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ

لوٹا پیٹھ پھیر کر اور مُڑ کر نہ دیکھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف

یہ خوف طبعی تھا جو منافی نبوت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک حدیث میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے۔ الغرض جنابِ موسیٰ اسے دیکھ کر ڈر اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے اور منہ موڑ کر پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ایسے دہشت زدہ تھے کہ مُڑ کر بھی نہ دیکھا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ موسیٰ! ڈرو نہیں۔ میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور ذی عزت پیغمبر بنانا چاہتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰمُوْسٰي لَا تَخَفْ ڰ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰

اے موسیٰ مت ڈر میں جو ہوں میرے پاس نہیں ڈرتے رسول

پیغمبر اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا

یعنی اس مقام حضور و اصطفاء میں پہنچ کر ایسی چیزوں سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ مرسلین کو لائق نہیں کہ ہماری بارگاہِ قرب میں پہنچ کر لاٹھی یا سانپ یا کسی مخلوق سے ڈریں۔ وہاں تو دل کو انتہائی سکون و طمانیت حاصل ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب میرا قرب مل جاتا ہے اور میری بارگاہ میں پیغمبر آجاتے ہیں تو (حالت قرب میں) پھر کسی (خوفناک چیز سے نہیں ڈرتے)۔ یہ آخری جملہ عدم خوف کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ جو پیغمبر میرا پیام مخلوق کو پہنچاتے ہیں وہ صرف مجھ سے ڈرتے ہیں اور میرے سوا کسی سے نہیں ڈرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اَنَا اَخْشَاكُمْ بِاللّٰهِ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر سب سے زیادہ ڈرتے ہیں لیکن آیت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب بھی واضح ہو گیا (کہ پیغمبروں کو بارگاہ الٰہی میں رسائی کے بعد مخلوق میں سے کسی کا خوف نہیں رہتا وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں)

یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں پر جس وقت وحی نازل ہوتی ہے تو اس وقت وہ اتنے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ان کو مطلقاً کوئی خوف نہیں رہتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اپنا انجام برا ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ ان کا انجام اور مآل کار برا ہوتا ہی نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی ہے جو کسی طرح جلالت شان کے منافی نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو۔ نہ ڈرنا۔ کمال ہے جیسے ابراہیمؑ آتش نمرود سے نہیں ڈرے اور جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الحقیقت حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آتا ہے سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دو موسیٰ نے لاٹھی پھینک دی وہ سانپ بن گئی اور تیزی کے ساتھ دوڑنے لگی اور حکم ملا اپنا ہاتھ گریبان کے اندر کر کے نکالو وہ سفید بے داغ نکلے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور ہاتھ اندر سے گورا چمکیلا بے داغ نکلا اور حکم ملا یہ دونوں نشانیاں لے کر مع نو نشانیوں کے فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ وہ بدکار لوگ ہیں موسیٰ

Marfat.com

علیہ السلام گئے اور معجزات پیش کئے فرعون اور اس کے ساتھیوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ
مگر جس نے زیادتی کی پھر بدلے میں نیکی کی بُرائی کے پیچھے
فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾
تو میں بخشنے والا مہربان ہوں

کوتاہی کے بعد توبہ واصلاح

یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف واندیشہ صرف اس کو ہونا چاہئیے جو کوئی زیادتی یا خطاء وتقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کرنے کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے بُرائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں موسیٰ علیہ السلام سے چوک کر ایک کافر کا خون ہو گیا تھا اُس کا ڈر تھا اُن کے دل میں، اُن کو وہ معاف کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر گناہ سے پاک ہوتا ہے

صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ در حقیقت گناہ ہی نہ تھے نہ صغیرہ نہ کبیرہ، البتہ صورت گناہ کی تھی اور درحقیقت وہ اجتہادی خطائیں ہوئی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض علماء کے نزدیک استثناء منقطع ہے کیونکہ پیغمبروں سے ظلم (گناہ) کا صدور ممکن نہیں (اللہ نے ان کو معصوم بنایا ہے) اس وقت اِلَّا کا معنی ہوگا لیکن (اور کلام بالکل علیٰحدہ ہوگا) مطلب اس طرح ہو گا۔ لیکن پیغمبروں کے علاوہ جس نے گناہ کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو، تو اللہ غفور رحیم ہے اس کو معاف کر دے گا لیکن ایسے شخص کو اللہ کے سوا دوسروں کا خوف ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫
اور ڈال دے ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر نہ کسی بُرائی سے
فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾
یہ دونوں مل کر نو نشانیاں لے کر جا فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ تھے لوگ نافرمان

نو نشانیوں کا بیان سورہ بنی اسرائیل کی آیت ولقد اتینا موسیٰ تسع الخ کے تحت میں دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾
پھر جب پہنچیں اُن کے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے یہ جادو ہے صریح
وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ
اور اُن کا انکار کیا اور اُن کا یقین کر چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے
فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾
سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام خرابی کرنے والوں کا

قوم والوں کا انکار اور عذاب

یعنی جب وقتاً فوقتاً اُن کی آنکھیں کھولنے کے لئے وہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے حالانکہ اُن کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور جو نشانیاں دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں۔ جادو، شعبدہ اور نظر بندی نہیں مگر محض بے انصافی اور غرور وتکبر سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کر رہے تھے، پھر کیا ہوا چند روز بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھا لیا کسی کو گور وکفن بھی نصیب نہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ
اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے علوم

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو اس کی شان کے لائق اللہ تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا۔ شرائع واحکام اور اصول سیاست وحکمرانی وغیرہ کے علوم سب اس لفظ کے تحت میں داخل ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

ظاہر ہے کہ اس سے مراد علوم انبیاء ہیں جو نبوت ورسالت سے متعلق ہوتے ہیں اس کے عموم میں دوسرے علوم وفنون بھی شامل ہوں تو بعید نہیں جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھا دی گئی تھی۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام زمرہ انبیاء میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتے ہیں کہ ان کو نبوت ورسالت کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی اور

Marfat.com

سلطنت بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی ان سب عظیم الشان نعمتوں سے پہلے حق تعالیٰ کے نعمتِ علم کا ذکر فرمانے سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ نعمتِ علم تمام دوسری نعمتوں سے فائق اور بالاتر ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا
اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی

نعمتوں کا شکر

حق تعالیٰ نے جو علم داؤد وسلیمان علیہم السلام کو دیا تھا اُسی کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے کسی نعمتِ الٰہی پر شکر ادا کرنا اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل اور نعمت کیا ہو۔ (ابن کثیر)

علم کی فضیلت

آیت بتا رہی ہے کہ علم بڑی فضیلت ہے باعث شرف ہے اور علماء کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کو باقی ستاروں پر فضیلت ہے۔ علماء انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہیں اور انبیاء نے کوئی دینار و درہم اپنی میراث میں نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی پس جس نے اس میراث کو لیا (وہ بڑا خوش نصیب ہے) اس نے بڑی میراث پائی رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنی آدمی پر میری برتری رواہ الترمذی عن ابی امامۃ الباہلی۔

آیت میں نعمت علم کا شکر ادا کرنے کی ترغیب ہے اور اس بات کی تعلیم ہے کہ آدمی کو خواہ بہت لوگوں پر فضیلت حاصل ہو پھر بھی اس کو تواضع کرنا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس پر بھی بہت لوگوں کو برتری حاصل ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ہر عالم سے اونچا عالم ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾
اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں پر

بہت سے اس لئے کہا کہ بہت بندگانِ خدا کو اُن پر فضیلت دی گئی ہے۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام مبارک ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ
اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضائل

یعنی داؤد علیہ السلام کے بیٹوں میں سے اُن کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو اُن سے قبل یا بعد کسی کو نہ ملا جن، ہوا اور پرندوں کو ان کے لئے مسخر فرما دیا۔ جیسا کہ سورۂ سبا میں آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ ملک و نبوت کی وراثت ہے اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمانؑ ہی کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤدؑ کی سو بیویاں تھیں انبیاء علیہم السلام کے ماں کی میراث نہیں بٹتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ.. وَرِثَ سے وراثت علم اور نبوت مُراد ہے وراثت مال نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولانورث** یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے۔

العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولادرھما ولکن ورثوا العلم فمن اخذہٗ اخذ بحظ وافرٍ

یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں، لیکن انبیاء میں وراثت علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوعبداللہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلینی) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی

Marfat.com

وفات کے وقت آپ کی اولاد میں اُنیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے اگر وراثتِ مال مراد ہوتو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہوسکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک وسلطنت بھی حضرت سلیمانؑ کو عطا فرما دیا اور اس میں مزید اضافہ اس کا کر دیا کہ آپ کی حکومت جنات اور وحوش و طیور تک عام کر دی، ہوا کو آپ کے لئے مسخر کر دیا، ان دلائل کے بعد طبرسی کی وہ روایت غلط ہو جائے گی جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہلِ بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے (روح)

حضرت سلیمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیانی عرصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ اور سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے یعنی نبوت کے حکومت کے اور علم کے وارث ہوئے۔قتادہ نے یہی تفسیر کی اخرجہ عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ انبیاء بھی دوسروں کو اپنا وارث بناتے ہیں۔لیکن شیعہ فرقہ کا یہ استدلال بجائے فائدہ کے ان کو نقصان پہنچاتا ہے اگر سلیمانؑ داؤدؑ کے مال کے وارث ہوئے یہ صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داؤد کے جو دوسرے اٹھارہ بیٹے تھے ان کو باپ کے مال میں سے کچھ نہیں ملا سب کے وارث سلیمانؑ ہو گئے وراثت کا معنی یہ ہے کہ ایک شئ دوسرے کی طرف بغیر کسی بیع شراء اور ہبہ اور عاریت وغیرہ کے منتقل ہو جائے خواہ وہ دونوں آپس میں قرابت دار ہوں یا نہ ہوں اللہ نے فرمایا ہے وَاَوْرَثَهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہم نے اس سرزمین کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جو لانورِث کا لفظ آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی آدمی (خواہ کتنا ہی عزیز اور قرابتدار ہو) کسی نبی کے مال کا وارث نہیں ہوتا بلکہ نبی کی وفات کے بعد اس کا مال وقف قرار پائے گا اور اللہ براہِ راست اس کا مالک ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت داؤدؑ کو اللہ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں وہ نعمتیں سب حضرت سلیمان کو عطا فرما دیں بلکہ تسخیر ہوا اور تسخیر شیاطین یہ دونوں چیزیں زیادہ عنایت فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ
اور بولا اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اُڑتے جانوروں کی

پرندوں کی بولیاں

اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں اُن میں ایک خاص حد تک افہام وتفہیم کی شان پائی جاتی ہے ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بُلاتا یا دانہ دینے کے لئے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے ان تمام حالات میں اُس کی بولی اور لب ولہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اُس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال وضروریات کے وقت بھی اُن کے چہچہوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ ومتعارف معلوم ہوں) ایسا لطیف وخفیف تفاوت ہوتا ہوگا جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سنتے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات واصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی لیکن ٹیلی گراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرار کی تقریر انہی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔کیونکہ وہ ان فقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔علیٰ ہذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضع حقیقی نے نغمات طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کے لئے وضع کیا ہو۔اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے بنی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی اُن کا علم عطا فرما دے۔حیوانات کے لئے جزئی ادراکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں حتیٰ کہ حیوانات کی بولیوں کی ابجد تیار کی جارہی ہے قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ اپنی صلوٰۃ وتسبیح سے واقف ہے احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم بلکہ جمادات محضہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔اس سے ظاہر

Marfat.com

ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں تہ نشین کر دی گئی ہے پس اُن کی تسبیح وتحمید یا بعض محاورات وخطابات پر بعض بندگانِ خدا کا بطور خرق عادت مطلع کر دیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سو اعجاز وکرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو اعجاز وکرامت ہی کیوں کہلائے (خوارق عادت پر ہم نے مستقل مضمون لکھا ہے اُسے ملاحظہ کرلیا جائے) بہرحال اس رکوع میں کئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زائغین نے عجیب طرح کی رکیک اور لچر تحریفات شروع کردی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں کے بعض علوم کو ادا کرنا، یا چیونٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبر کا اُن کو سمجھ لینا یہ سب باتیں اُن کے نزدیک ایسی لغو اور احمقانہ ہیں جن پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کرسکتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ لاکھوں محققین اور علمائے سلف وخلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی کچی، لغو اور بدیہی البطلان باتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا بلا تردید و تکذیب بیان کرتے چلے آئے اور ان اوہام کو رَد کر کے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال اُن باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احمقانہ ہے جن کی لغویت کو تم تسلیم کرانا چاہتے ہو۔ علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطاء وتقصیر ہوسکتی ہے، مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ شب وروز کی جن محسوسات اور پیش پا اُفتادہ حقائق کو انسان کا بچہ بچہ جانتا ہے وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقلمند اور محقق علماء کو ایک دن بھی نظر نہ آتی ہوں۔ یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الٰہی کا مدلول بیان کیا ہے اُس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولیوں کا علم

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منطق الطیر کا علم عطا فرمایا۔ جانوروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور اونٹ کا آپ سے شکایت کرنا اور درختوں اور پتھروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک یا رسول اللہ کہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی کرامتوں کا نمونہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی عطا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عین خطبہ میں یا سارية الجبل کہنا۔ اور حضرت ساریۃ کا میدان کارزار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سننا ۔روایات معتبرہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار زلزلہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر پاؤں مارا اور کہا کہ اے زمین میں تجھ پر عدل اور انصاف جاری کئے ہوئے ہوں اور تو حرکت کر رہی ہے زمین فوراً ساکن ہوگئی اور دریائے نیل کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک پرچہ لکھنے کا بھی واقعہ مشہور ہے دریائے نیل خشک ہوگیا تھا حضرت عمر کا یہ پرچہ ڈالتے ہی جاری ہوگیا۔ (معارف کاندھلوی)

اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے بشرطیکہ تکبر اُنہ ہو

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا الخ، حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود خود اکیلے ہونے کے اپنے لئے جمع کا صیغہ شاہانہ محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ رعایا پر رُعب پڑے اور رعایا اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ سلیمان علیہ السلام میں سستی نہ کریں۔ اسی طرح امراء، حکام اور افسران کو اپنی رعایا کی موجودگی میں اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں جبکہ وہ سیاسۃً اور اظہارِ نعمت کی غرض سے ہو تکبر وتعلّی کے لئے نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

مختلف پرندوں کی نصیحتیں

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت کعبؓ نے فرمایا حضرت سلیمانؑ کے پاس جنگلی کبوتر نے آواز نکالی تو آپ نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے مرنے کے لئے جنو اور ویران ہونے کے لئے عمارتیں بناؤ۔ فاختہ چیخی تو آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی۔ مور چیخا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے جیسا دوسروں سے معاملہ کرو گے ویسا ہی تم سے کیا جائے گا۔ ہدہد بولا تو پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے تمہیں معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے جو رحم نہیں کرے گا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ترمتی (باز اور شکرہ کی طرح شکاری پرندہ) نے آواز دی تو پوچھا تم جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہی ہے گناہگارو اللہ سے معافی کی درخواست کرتے ہو (ایک قسم کا مرغ) چیخا تو پوچھا تم کو معلوم ہے یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے ہر زندہ مرے گا اور ہر

Marfat.com

نیا پرانا فرسودہ ہوگا۔ خطاف (ابابیل کی قسم کا پرندہ جس کے بازو بہت لمبے ہوتے ہیں اور بہت تیز اڑتا ہے) چیخا تو پوچھا کیا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے پہلے سے نیکی بھیجو (وہاں) تم کو مل جائے گی۔ کبوتری نے آواز دی تو فرمایا یہ کیا کہہ رہی ہے تم کو معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے پاکی بیان کرو میرے ربِ برتر کی اتنی کہ آسمانوں اور زمین کو بھر دے۔ قمری چیخی تو پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے میرے رب اعلیٰ کی پاکی بیان کرو۔ فرمایا کو اعشر وصول کرنے والے (کل مال کا دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرنے والے) کو بددعا دیتا ہے اور چیل کہتی ہے سواء اللہ کے ہر چیز کو فنا ہے۔ اور قسطاۃ کہتی ہے جو خاموش رہا محفوظ رہا۔ اور طوطا کہتا ہے تباہی ہے اس کے لئے جس کا مقصد دنیا ہی ہے اور مینڈک کہتا ہے میرے رب قدوس کی پاکی بیان کرو اور باز کہتا ہے۔ میرے رب کی پاکی بیان کرو اور ثنا کرو اور مینڈکی کہتی ہے پاکی بیان کرو اس کی جس کا ذکر ہر زبان پر ہے۔

مکحول نے کہا سلیمانؑ کے پاس ایک تیتر چیخا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے الرحمن علی العرش استوی (رحمٰن عرش پر متمکن ہے) فرقد سبخی کا بیان ہے ایک بلبل درخت پر بیٹھا سر ہلا رہا تھا اور دم نیچے کو جھکا رہا تھا (اور بول رہا تھا) حضرت سلیمان کا ادھر سے گزر ہوا فرمایا جانتے ہو یہ بلبل کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا نبی ہی خوب واقف ہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے میں نے آدھا چھوارا کھالیا پس دنیا پر لازم ہے کہ اس کو بڑھا کر پورا کردے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہودیوں کے سوال

روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا ہم سات چیزوں کے متعلق آپ سے دریافت کرتے ہیں اگر آپ بتادیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سمجھنے کے لئے پوچھ سکتے ہو ضد کے لئے نہیں پوچھ سکتے یہودیوں نے پوچھا بتایئے چنڈول (ایک خوش آواز چڑیا) اپنے گانے میں کیا کہتا ہے اور مینڈک اپنی ٹرٹر میں کیا کہتا ہے اور مرغ اپنی بانگ میں کیا کہتا ہے اور گدھا اپنے رینگنے میں کیا کہتا ہے اور گھوڑا اپنی ہنہناہٹ میں کیا کہتا ہے اور زرزور اور تیتر کیا کہتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا چنڈول کہتا ہے اے اللہ محمد اور آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت کر اور مرغ کہتا ہے غافلو اللہ کی یاد کرو، اور مینڈک کہتا ہے پاک ہے وہ معبود جس کی عبادت سمندروں کے کنڈوں میں بھی کی جاتی ہے اور گدھا کہتا ہے اے اللہ عشر (ناجائز ٹیکس) وصول کرنے والے پر لعنت کر۔ گھوڑا جب معرکہ میں صفوں مقابلہ پر ہوتا ہے تو کہتا ہے سبوح قدوس رب الملائکہ والروح ۔ پاک اور مقدس ہے ملائکہ اور جبریل کا رب۔ زرزور کہتا ہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر روز کی روزی اسی روز عطا فرما اور تیتر کہتا ہے الرحمن علی العرش استوی۔ یہودی یہ جواب سن کر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت امام جعفر صادق نے اپنے والد کی وساطت سے اپنے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب گدھ چلاتا ہے تو کہتا ہے اے آدم کے بیٹے جی لے جب تک چاہے آخر موت ہے عقاب چیختا ہے تو کہتا ہے لوگوں سے دور رہنے میں سلامتی ہے اور چنڈول چیختا ہے تو کہتا ہے اے اللہ آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت بھیج اور خطاف چلاتا ہے تو کہتا ہے الحمدُ لِلّٰہ رب العالمین اور الضالین کو ایسا کھینچا ہے جیسے قاری کھینچتا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ جانوروں کی آوازوں کی جو تشریح حضرت کعبؓ سے منقول ہے اور جو تفصیل مکحول اور فرقد کے اقوال میں آئی ہے اس سب کا تعلق ممکن ہے کہ کسی ہنگامی آواز سے ہو (حضرت سلیمان کے سامنے کسی وقت جانور اس طرح بولے ہوں) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جانور جب بھی بولتے ہیں تو یہی کلمات کہتے ہیں۔ اللہ نے اس سورت میں جو ہدہد اور چیونٹی کا کلام نقل کیا ہے اس کا تعلق تو پیش آمدہ واقعہ کے ساتھ تھا ہی البتہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں جو کچھ حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ بیشک بتا رہا ہے کہ یہ جانور ہمیشہ ہی یہ الفاظ کہتے ہیں اگر یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کی تاویل کرنی ضروری ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات

مسند امام احمدؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

Marfat.com

حضرت داؤدؑ بہت ہی غیرت والے تھے جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کرتے جاتے پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بیوی صاحبہ کی نظر اُٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ حیران ہوگئیں۔ اور دوسروں کو دکھایا، آپس میں سب کہنے لگیں یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں یہ داخل کیسے ہوئے؟ خدا کی قسم حضرت داؤدعلیہ السلام کے سامنے ہماری سخت رسوائی ہوگی۔ اتنے میں حضرت داؤدؑ بھی آ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں کھڑا دیکھا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو اس نے جواب دیا وہ جسے کوئی روک اور دروازہ روک نہ سکے، وہ جو کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پروا نہ کرے، حضرت داؤدؑ سمجھ گئے اور فرمانے لگے مرحبا ہو مرحبا ہو آپ ملک الموت ہیں۔ اسی وقت ملک الموت نے آپؑ کی روح قبض کی۔ سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤدؑ پر سایہ کریں انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا۔

ایک اللہ والے کا عجیب قصہ

حضرت عبداللہ برزیؒ ایک ولی اللہ شخص تھے پیر اور خمیس کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اسی سال کی عمر تھی ایک آنکھ سے کانے تھے۔ سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی پیچھے پڑ گئے مہینوں گزر گئے نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے۔ آخر تنگ آ کر فرمایا سن لو! دو خراسانی میرے پاس برزہ میں جو دمشق کے پاس ایک شہر ہے آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں۔ میں انہیں وہاں لے گیا انہوں نے انگیٹھیاں نکالیں بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہوگئی لیکن یہ بے پرواہی سے بیٹھے رہے کسی سانپ کی طرف التفات تک نہ کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھی۔ یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے خدا کا شکر ہے کہ ہماری سال بھر کی محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی، میں نے اُن سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔ انہوں نے انکار کر دیا، میں نے ان سے منت سماجت کی بمشکل وہ راضی ہوئے اور میری داہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اچھا اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلئے۔ میں نے منظور کر لیا وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لئے ہوئے چلے۔ جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا اور ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکال لی اور پھینک دی۔ اور مجھے یونہی بندھا ہوا وہیں پٹک کر دونوں کہیں چل دیئے۔ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا قید و بند سے مجھے آزاد کیا اور میں چلا آیا، یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا (ابن عساکر) (تفسیر ابن کثیر)

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ

اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے

یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت و نبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ عطا فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

عُلِّمْنَا اور اُوْتِيْنَا جمع متکلم کے صیغے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کو شامل کر کے جمع متکلم کے صیغے استعمال کئے۔ یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے متبعین کو شامل کر کے یہ لفظ کہے۔ کیونکہ آپ کے متبعین کو آپ کی وساطت سے وہ علم اور وہ انعام ملا جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ یا اصولِ سیاست کو پیش نظر رکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے شاہانہ الفاظ استعمال کئے بادشاہ اپنے کو ہم کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کُل شیٔ سے دنیا اور آخرت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز مراد ہے مقاتل نے کہا نبوتِ حکومت اور شیاطین و ہوا کی تسخیر مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ

بیشک یہی ہے فضیلت صریح اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اُس کے لشکر

مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝

جن اور انسان اور اُڑتے جانور پھر اُن کی جماعتیں بنائی جاتیں

Marfat.com

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر

یعنی سلیمان علیہ السلام جب کسی طرف کوچ کرتے تو جن انس طیور تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسبِ ضرورت و مصلحت ساتھ لئے جاتے تھے۔ اور اُن کی جماعتوں میں خاص نظم وضبط قائم رکھا جاتا تھا۔ مثلاً پچھلی جماعتیں تیز چل کر یا اُڑ کر اگلی جماعتوں سے آگے نہیں نکل سکتی تھیں۔ نہ کوئی سپاہی اپنے مقام اور ڈیوٹی کو چھوڑ کر جا سکتا تھا جس طرح آج بَری، بحری اور ہوائی طاقتوں کو ایک خاص نظم وترتیب کے ساتھ کام میں لایا جاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات ادائے شکر کے طور پر کہی اظہارِ فخر کے لئے نہیں کہی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور (یہ بات) فخر (کے طور پر) نہیں ہے اور قیامت کے دن آدم علیہ السلام کے سوا سب لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی جو بات فرمائی وہ اس حکم کی تعمیل کے طور پر تھی جو آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان نے ساری روئے زمین پر سات سو برس اور چھ ماہ تمام جن وانس اور پرندوں اور چرندوں اور درندوں پر حکومت کی اور ہر چیز کی بولی اللہ نے ان کو سکھا دی تھی اور انہیں کے زمانہ میں عجیب عجیب صنعتوں کی ایجاد ہوئی۔

محمد بن کعب نے کہا سلیمان کی لشکر گاہ سو فرسخ تھی ۲۵ فرسخ جنات کے لئے ۲۵ فرسخ آدمیوں کے لئے ۲۵ فرسخ پرندوں کے لئے اور ۲۵ فرسخ جنگلی جانوروں کے لئے سلیمان علیہ السلام کے ایک ہزار کمرے تھے جو لکڑی کے تختوں کے فرش پر قائم تھے تین سو منکوحہ بیبیاں تین سو گھروں میں رہتی تھیں اور سات سو باندیاں سات سو گھروں میں۔ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے تند ہوا اس تخت کو اٹھا کر اوپر کو لے جاتی تھی پھر بحکم سلیمان علیہ السلام نرم نرم ہوا اس کو لے کر چلتی تھی۔ (ایک روز) جو آپ کہیں جا رہے تھے اور آسمان وزمین کے درمیان تھے کہ اللہ نے وحی بھیجی میں نے تمہاری حکومت میں اضافہ کر دیا ہے اب کوئی مخلوق جہاں بھی کوئی بات کرے گی ہوا وہ بات لا کر تم کو پہنچا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ

یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر

چیونٹیوں کی وادی پر گذر

یعنی سلیمان کا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ایسے میدان کی طرف گزر ہوا جہاں چیونٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی۔ (تنبیہ) جہاں چیونٹیاں مل کر خاص سلیقہ سے اپنا گھر بناتی ہیں اُسے زبان عرب میں قریۃ النمل کہتے ہیں (چیونٹیوں کی بستی) مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت تھیں، اُن میں سے کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفری انتظامات

وہب بن منبہ نے بحوالہ کعب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ جب تخت پر سوار ہوتے تو اہل وعیال کو نوکروں چاکروں کو اور لاؤ لشکر کو بھی سوار کر لیتے تھے سالن پکانے کے برتن اور روٹیاں پکانے کی آہنی تنور بھی ساتھ ہوتے تھے اتنی بڑی بڑی نو دیگیں بھی ہوتی تھیں کہ ایک دیگ میں دس اونٹوں کا گوشت آ جائے چوپایوں کے لئے میدان بھی اپنے سامنے بنواتے تھے اثنائے سیر میں آسمان وزمین کے درمیان چوپائے اپنے میدانوں میں دوڑتے تھے اور باورچی کھانا اور روٹیاں پکانے میں مشغول رہتے تھے ہوا ان سب کو لے کر چلتی تھی۔

مدینہ اور مکہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا گذر

ایک بار اصطخر سے یمن کو جاتے میں مدینہ شریف کے اوپر سے بھی گزرے اور فرمایا یہ نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے خوشخبری ہے اس کے لئے جو ان کے اوپر ایمان لائے اور خوشی ہے۔

اس کے لئے جس نے ان کا اتباع کیا۔ کعبہ کے اوپر سے گزرے تو کعبہ کے گرداگرد بت نظر آئے جن کی پوجا کی جاتی تھی جب سلیمانؑ کعبہ سے آگے بڑھ گئے تو کعبہ رونے لگا اللہ نے کعبہ کے پاس وحی بھیجی (اور دریافت فرمایا) تیرے رونے کا کیا سبب ہے کعبہ نے کہا اے میرے رب مجھے اس بات نے رلایا کہ یہ تیرا نبی تھا اور تیرے دوستوں کی جماعت تھی یہ لوگ میری طرف سے گزرے اور میرے پاس نماز نہیں پڑھی حالانکہ میرے آس پاس تجھے چھوڑ کر بتوں کی پوجا کی جاتی

Marfat.com

ہے اللہ نے وحی بھیجی تو نہ رو کچھ مدت کے بعد میں تجھے سجدہ کرنے والے چہروں سے بھر دوں گا اور تیرے اندر جدید قرآن نازل کروں گا اور تیرے اندر سے آخر زمانہ میں ایک نبی پیدا کروں گا میں اپنے انبیاء سے محبت رکھتا ہوں تیرے اندر اپنی مخلوق سے ایسے لوگوں کو آباد کروں گا جو میری عبادت کریں گے اور میں اپنے بندوں پر ایک فرض (یعنی فریضہ حج) مقرر کر دوں گا (جس کو ادا کرنے کے لئے) وہ اتنی تیزی سے تیرے قریب پہنچیں گے جتنی تیزی سے گدھ اپنے آشیانوں کی طرف جاتے ہیں وہ تیرے ایسے مشتاق ہوں گے جیسے اونٹنی کو اپنے بچہ کی طرف اور کبوتری کو اپنے انڈوں کی طرف اشتیاق ہوتا ہے (اونٹنی اپنے بچہ کے پاس اور کبوتری اپنے انڈوں کے پاس بڑی بے تابی سے پہنچنا چاہتی ہے میں تجھے بتوں اور شیطانوں کے پجاریوں سے پاک کر دوں گا۔ پھر سلیمان چلتے چلتے وادی سدیر کی طرف سے گزرے وادی سدیر وادی طائف کا حصہ ہے۔ وہاں آپ کا مرور وادی نمل پر ہوا۔ کعب کا یہی قول ہے کہ وادی نمل طائف میں تھی مقاتل اور قتادہ وہ شام میں ایک زمین تھی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وادی میں جن رہتے تھے اور وہاں کی چیونٹیاں ان کی سواریاں تھیں فرق حمیدی نے اس وادی کی چونٹیاں مکھیوں کی طرح تھیں بعض نے کہا نجاتی اونٹ کے برابر تھیں مشہور یہ ہے کہ یہ بات کہنے والی ایک چھوٹی چیونٹی تھی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ
کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں
لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾
نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اُس کی فوجیں اور اُن کو خبر بھی نہ ہو

چیونٹی کا اعلان

یعنی یہ ایسے تو نہیں جو جان بوجھ کر تم کو ہلاک کریں، ہاں ممکن ہے بے خبری میں پس جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ چیونٹی کی آواز کوئی (آدمی) نہیں سنتا، انہیں (سلیمان علیہ السلام کو) معلوم ہوگئی یہ اُن کا معجزہ ہوا۔

چیونٹیوں کی معاشرت کا نظام

(تنبیہ) علمائے حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیات اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شئون بشریہ سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں اُن میں تعاون باہمی کا جذبہ تقسیم عمل کا اصول اور نظامِ حکومت کے ادارات نوع انسانی کے مشابہ پائے جاتے ہیں محققین یورپ نے مدتوں اُن اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ افسوس ہے ان مختصر فوائد میں اُن کی گنجائش نہیں۔ محض مقام کی مناسبت سے دائرۃ المعارف المصریہ کے آخری جملے نقل کرتا ہوں فمتیٰ دَاهم عَدُو قرية النمل اِختفت العملة وخرجت الجنود للقِتال والنضال فيخرج اولا واحد معها لِلا سْتطلاع ثُم يَعُودُ فخبرابِمارأى وبعد هنيهة تخرج ثلاثة او اَربعة يتبعها عَدد كثيف من الجيوش بادِية عَليهم، عَلائم الحنق فَتَلدَغ كل مَا صادَفته ولا تفلتُ مَنْ تَلدَغُه ولو قطِعَتْ اربا اربا فَاِذا انتهى القِتَال رَجَعَ الفَعَلَةُ فَاعَادوابنَا ءَ مَا تهدم يَتخلَّلُهَا عَدَد من الجنود للحراسة لاللعَمل . متذکرہ جملوں میں بتلایا ہے کہ خطرہ کی آہٹ پا کر اول ایک چیونٹی باہر نکلتی اور واپس جا کر اپنی قوم کو اپنی معلومات سے آگاہ کرتی ہے۔ باقی سلیمان علیہ السلام کا پتہ لگا لینا اور سلیمانؑ کا اس کی بات پر مطلع ہو جانا بطریق خرق عادت تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حیوانوں میں بھی ایک درجہ کی عقل موجود ہے

پرندوں اور چوپاؤں میں بھی عقل وشعور ہے اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ پرندے، چرندے اور تمام حیوانات میں بھی عقل وشعور کسی درجہ میں موجود ہے البتہ ان کی عقول اس درجہ کی نہیں کہ ان کو احکامِ شرع کا مکلف بنایا جاتا اور انسان اور جنات کو عقل وشعور کا وہ کامل درجہ عطا ہوا ہے جس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے مخاطب ہو سکیں اور ان پر عمل کر سکیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کبوتر سب پرندوں میں زیادہ عقلمند ہے ابن عطیہ نے فرمایا کہ چیونٹی ذہین عقلمند جانور ہے اس کی قوتِ شامہ بڑی تیز ہے جو کوئی دانہ اس کے قبضہ میں آتا ہے اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تا کہ اُگے نہیں اور سردی کے زمانے کے لئے اپنی غذا کا ذخیرہ جمع کرتی ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

چیونٹی کا اندازِ خطاب

جمع مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کلام کرتا ہے اور حیوانات کے متعلق بات کرتا ہے تو حیوانات کے بے عقل ہونے کی وجہ سے ان کے لئے وہ ضمیریں استعمال کرتا ہے جو

Marfat.com

جمادات کے لئے مستعمل ہیں عورتوں کے لئے بھی ان کے ضعیف العقل ہونے کی وجہ سے جمادات کی ضمیریں استعمال کرلی جاتی ہیں گویا ان کو بھی بے عقل مان کر جمادات کے ساتھ شامل کر دیا جاتا ہے لیکن حیوانات جب دوسرے حیوانوں سے کلام کرتے ہیں تو وہ اپنی نظر میں اپنے کو ذی عقل سمجھتے ہیں اور دوسرے کو اہلِ عقل کی طرح خطاب کرتے ہیں اس جگہ اللہ نے وہ کلام نقل کیا ہے جو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو اہلِ عقل قرار دے کر کہا تھا اس لئے وہ صیغہ اختیار کر لیا جس کے مخاطب اہلِ عقل ہوتے ہیں۔

لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ تم کو سلیمان اور ان کی فوجیں کہیں پیس نہ ڈالیں۔ اس کلام میں (بظاہر) پیس ڈالنے کی ممانعت ہے (لیکن ایک چیونٹی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی فوج کو پیسنے کی ممانعت کیسے کرسکتی تھی پھر چیونٹی کا روئے خطاب تو دوسری چیونٹیوں کی طرف تھا حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی فوج کی جانب نہیں تھا) لیکن فی الحقیقت چیونٹیوں کو باہر نکلنے اور باہر رہنے کی ممانعت ہے تاکہ پامال ہونے سے بچ جاؤ جیسے عرب کہتے ہیں لَا اَرَاکَ ھٰھُنَا میں تجھے یہاں نہ دیکھوں یعنی یہاں نہ ٹھہرنا (یا پھر نہ آنا)۔

حضرت سلیمان اور ان کے لشکر کے متعلق چیونٹی کا حسن ظن

وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ایسی حالت میں کہ ان کو پتہ بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر ان کو معلوم ہوگا تو وہ خود ہی تم کو نہیں روندیں گے۔ گویا یہ حضرت سلیمانؑ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف سے ممکن الوقوع فعل کی معذرت کا اظہار ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دانستہ یہ قصور تو ان سے سرزد نہ ہوگا۔

افسوس شیعہ فرقہ کو چیونٹی کی برابر بھی سمجھ نہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب سے قصداً اہلِ بیت کو ایذاء پہنچانے کے قائل ہیں۔

اہل معرفت کا قول

بعض اہلِ عرفان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا ایسا نہ ہو کہ تم حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر اور ان کے ساز و سامان اور شان شوکت کی سیر کرنے میں اتنی مشغول ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے بھی غافل ہو اور ذکر خدا سے غفلت تمہاری ہلاکت کا ذریعہ ہو جائے یہ بات سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے سن پائی۔ کذا قال مقاتل. کیونکہ جہاں کہیں جو مخلوق بات کرتی تھی ہوا وہ بات حضرت سلیمانؑ کے گوش گزار کر دیتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا

پھر مسکرا کر ہنس پڑا اُس کی بات سے

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تعجب اور خوشی

اُس چیونٹی کی بات سمجھ کر تعجب ہوا اور فرط سرور و نشاط سے ادائے شکر کا جذبہ جوش میں آیا۔ (تفسیر عثمانی)

اس چیونٹی کو یقین تھا کہ نبی اور اس کے اصحاب جان بوجھ کر کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرسکتے یہ چیونٹی رافضیوں سے زیادہ عقلمند تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدگمان ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کی آل و اولاد پر جان بوجھ کر ظلم کیا۔ معلوم ہوا کہ حیوانات کو بھی اس کا علم ہے کہ انبیاء کرامؑ اور ان کے اصحابؓ سے دیدہ و دانستہ کسی پر ظلم اور زیادتی ممکن نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے اس کی آواز کو سن لیا اور سمجھ گئے پس سلیمان علیہ السلام اس کی اس بات سے مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے اور خوش ہوئے کہ جانوروں کو بھی مجھ پر اطمینان ہے کہ میں اور میرے اصحاب ان پر ظلم نہیں کریں گے نیز جانوروں کی بولی سمجھ لینا حق جل شانہٗ کی ایک عظیم نعمت اور کرامت ہے اس ایک نعمت کو دیکھ کر اور نعمتیں یاد آ گئیں تو نعمت کو چھوڑ کر منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے اور شکر اور مناجات میں مشغول ہو گئے۔ (معارف کاندھلوی)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا پس سلیمانؑ مسکراتے ہوئے ہنس پڑے یہاں کچھ کلام محذوف ہے اور اسی پر عطف ہے پورا کلام اس طرح تھا سلیمانؑ نے چیونٹی کی بات سن لی اس کا مطلب سمجھ لیا مطلب سمجھ کر خوش ہوئے اور اس بات سے بھی ان کو مسرت ہوئی کہ چیونٹی نے آپ کو اور آپ کی فوج کو عادل سمجھا یہ تمام باتیں سمجھ کر آپ خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کو چیونٹی کی دانش مندی اور احتیاط سے تعجب ہوا اور اس بات پر بھی اچنبھا ہوا کہ ایک حقیقی چیونٹی اپنی اور اپنی قوم کے بچاؤ کے راستے کیسے جانتی ہے ان باتوں پر آپ کو تعجب ہوا اور آپ مسکرا دیئے۔

انبیاء کی ہنسی

ضاحکا یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا تبسم ضحک کی حد تک پہنچ گیا (گویا ہنس دیئے) زجاج نے کہا انبیاء علیہم السلام کی ہنسی اکثر بصورت تبسم ہی ہوتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شروع میں مسکرائے ہوں پھر ہنس دیئے ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھرپور ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آ گیا ہو آپ صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ
اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے
اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا
احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک
تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾
جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں

توفیق شکر کی دُعاء

یعنی حیران ہوں تیرے انعاماتِ عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں، پس آپ ہی سے التجاء کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں (جو انبیاء و مرسلین ہیں) محشور فرمایئے۔ (تفسیر عثمانی)

عمل صالح کیلئے قبولیت کی دُعاء

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ یہاں رضا بمعنے قبول ہے، معنے یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک مقبول ہو۔ روح المعانی میں اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے، اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دُعا کرتے تھے جیسے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دُعا فرمائی، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کر کے بے فکر ہونا نہیں چاہئے، اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا کرے کہ اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ان کلمات میں دخول جنت کے لئے فضلِ ربی کی دُعا فرما رہے ہیں یعنی اے اللہ، مجھے وہ فضل بھی عطا فرما جس سے جنت کا مستحق ہو جاؤں۔ (معارف مفتی اعظم)

نکتہ: گزشتہ آیات میں فهم يوزعون کا لفظ آیا ہے اور اس آیت میں رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ آیا ہے دونوں کا اصل مادہ ایک ہے دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ناشکری سے روک دے اور تیرا شکر میرے پاس رکا رہے اور میں اس کو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ كمافى الكشاف اجعلنى ازع شكر نعمتک عندی واكفه وار تبطه لاينفلت عنى حتى لاانفک شاكر الک انتهى . (معارف کاندھلوی)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ
اور خبر لی اُڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہدہد کو
اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ﴿۲۰﴾
یا ہے وہ غائب

ہُدہُد کی غیر حاضری

کسی ضرورت سے سلیمان علیہ السلام نے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا، ہُدہُد اُن میں نظر نہ پڑا۔ فرمایا کیا بات ہے ہدہد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا، یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟ (تنبیہ) پرندوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام مختلف کام لیتے تھے مثلاً ہوائی سفر میں اُن کا پَرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے ہوئے جانا یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا، یا نامہ بَری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے اس وقت ہدہد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ مشہور ہے کہ جس جگہ زمین کے نیچے پانی قریب ہو ہدہد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ اور یہ کچھ مستبعد نہیں کہ حق تعالیٰ کسی جانور کو کوئی خاص حاسہ انسانوں اور دوسرے جانوروں سے تیز عنایت فرما دے۔ اسی ہدہد کی نسبت نہایت معتبر ثقات نے بیان کیا کہ زمین میں جس جگہ مٹی کے نیچے کینچوا ہو اُسے محسوس کر کے فوراً نکال لیتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی ایک دو بالشت زمین کھودتا ہے تب وہاں سے کینچوا نکلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات اور وحوش و طیور پر حکومت عطا فرمائی تھی اور جیسا کہ حکمرانی کا اُصول ہے رعایا کے ہر طبقہ کی نگرانی اور خبر گیری حاکم کے فرائض میں سے ہے اس کے مطابق اس آیت میں بیان فرمایا وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ یعنی

Marfat.com

سلیمان علیہ السلام نے اپنی رعایا کے طیور کا معائنہ فرمایا اور یہ دیکھا کہ ان میں کون حاضر ہے کون غیر حاضر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات سے باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے جو شخص غیر حاضر ہوتا اگر بیمار ہے تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تیمارداری کرتے اور کسی تکلیف میں مبتلا ہے تو اس کے لئے تدبیر فرماتے تھے۔

حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مُریدوں کی خبر گیری ضروری ہے

آیتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے تھے کہ ہدہد جو طیور میں چھوٹا اور کمزور بھی ہے اور اس کی تعداد بھی دنیا میں بہ نسبت دوسرے طیور کے کم ہے وہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا، بلکہ خاص ہدہد کے متعلق جو سوال آپ نے فرمایا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ زمرۂ طیور میں کم تعداد اور کمزور ہے، اس لئے اپنی رعیت کے کمزوروں پر نظر رکھنے کا زیادہ اہتمام فرمایا صحابہ کرامؓ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس سنتِ انبیاءؑ کو پوری طرح جاری کیا، راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھرتے تھے کہ سب لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں، جس شخص کو کسی مصیبت و تکلیف میں گرفتار پاتے اُس کی امداد فرماتے تھے جس کے بہت سے واقعات ان کی سیرت میں مذکور ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارہ پر کسی بھیڑیئے نے کسی بکری کے بچے کو پھاڑ ڈالا تو اس کا بھی عمر سے سوال ہوگا۔ (قرطبی)

یہ تھے وہ اُصولِ جہانبانی وحکمرانی جو انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُن کو عملاً جاری کر کے دکھلایا اور جس کے نتیجہ میں پوری مسلم وغیر مسلم رعایا امن واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی اور اُن کے بعد زمین وآسمان نے ایسے عدل وانصاف اور عام دُنیا کے امن وسکون اور اطمینان کا یہ منظر نہیں دیکھا۔

مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِيْنَ ۝ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہوگیا کہ میں ہدہد کو مجمع میں نہیں دیکھتا۔

اپنے نفس کا محاسبہ

یہاں موقع تو یہ فرمانے کا تھا کہ ہدہد کو کیا ہوگیا کہ وہ مجمع میں حاضر نہیں۔ عنوان شاید اس لئے بدلا کہ ہدہد اور تمام طیور کا مسخر ہونا حق تعالیٰ کا ایک انعام خاص تھا، ہدہد کی غیر حاضری پر ابتداء میں یہ خوف دل میں پیدا ہوا کہ شاید میرے کسی قصور سے اس نعمت میں کمی آئی کہ ایک صنف طیور کی یعنی ہدہد غائب ہوگیا اس لئے اپنے نفس سے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہوا، جیسا کہ مشائخ صوفیہ کا معمول ہے کہ جب اُن کو کسی نعمت میں کمی آئے یا کوئی تکلیف و پریشانی لاحق ہو تو وہ اس کے، ازالہ کے لئے مادی اسباب کی طرف توجہ کرنے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے حق شکر میں کون سی کوتاہی ہوئی جس کے سبب یہ نعمت ہم سے لے لی گئی۔ قرطبی نے اس جگہ بحوالہ ابن عربی ان بزرگوں کا یہ حال نقل کیا ہے۔

اذا فقدوا امآلهم تفقدوا اعمالهم

یعنی ان حضرات کو جب اپنی مراد میں کامیابی نہیں ہوتی تو یہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا۔ اس ابتدائی محاسبہ نفس اور غور وفکر کے بعد فرمایا اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِيْنَ اس جگہ حرف اَم بمعنے بَلْ ہے (قرطبی) معنے یہ ہیں کہ یہ بات نہیں کہ ہدہد کے دیکھنے میں میری نظر نے خطاء کی بلکہ وہ حاضر ہی نہیں۔

طیور میں سے ہُدہُد کی تخصیص کی وجہ اور ایک اہم عبرت

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ تمام پرندوں میں ہدہد کی تفتیش کی کیا وجہ پیش آئی تو آپ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کسی ایسے مقام میں قیام فرمایا جہاں پانی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو یہ خاصیت عطا فرمائی ہے کہ وہ زمین کے اندر کی چیزوں کو اور زمین کے اندر بہنے والے چشموں کو دیکھ لیتا ہے مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ تھا کہ ہدہد سے یہ معلوم کریں کہ اس میدان میں پانی کتنی گہرائی میں ہے اور کس جگہ زمین کھودنے سے پانی کافی مل سکتا ہے۔ ہدہد کی اس نشاندہی کے بعد وہ جنات کو حکم دے دیتے کہ اس زمین کو کھود کر پانی نکالو وہ بڑی جلد کھود کر پانی نکال لیتے تھے۔ ہدہد اپنی تیز نظر اور بصیرت کے باوجود شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ اور پرندوں کو طلب کیا۔

یعنی پرندوں کے متعلق تفتیش کی اور ان کو طلب کیا۔ تفقد کا معنی ہے گم شدہ چیز کا ڈھونڈنا غرض پرندوں کی تفتیش کرنے کے بعد ہدہد کو غیر حاضر پایا۔ ہدہد کو تلاش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت سلیمان کسی

Marfat.com

منزل پر اترتے تھے تو دھوپ سے بچانے کے لئے پرندے پورے لشکر پر سایہ کر لیتے تھے اور ہدہد اوپر چڑھ کر زمین کو دیکھتا تھا اور زمین کے اندر پانی کی تلاش کرتا تھا اور پانی کا دور یا قریب ہونا معلوم کرتا تھا کیونکہ اس کو زمین کے اندر کی چیزیں اسی طرح نظر آتی تھیں جیسے شیشہ کے اندر چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ پانی جہاں نظر آ جاتا وہاں جا کر چونچ سے زمین کو کرید تا تھا پھر جنات پہنچ کر زمین کو کھود کر پانی برآمد کر لیا کرتے تھے، کذا اخرج ابن ابی شیبة و عبدابن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الحاکم۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پر سوال اور اس کا جواب

سعید بن جبیر نے کہا جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تو نافع بن ازرق نے کہا اے بیان کرنے والے دیکھ کیا کہہ رہا ہے (سمجھ کے بات کر) ایک بچہ جب جال بچھا کر اس پر مٹی ڈال دیتا ہے (اور اس پر دانہ بکھیر دیتا ہے) تو ہدہد کو جال نظر نہیں آتا اور آ کر پھنس جاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرا برا ہو جب تقدیری حکم ہو جاتا ہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں جب قضا و قدر آ جاتی ہے تو نظر جاتی رہتی ہے اور نابینا ہو جاتی ہے۔

غرض حضرت سلیمان علیہ السلام ایک منزل پر اترے لوگوں نے پانی تلاش کیا کہیں نہیں ملا پانی کی ضرورت سخت تھی حضرت سلیمان نے ہدہد کو تلاش کرایا آپ کو خیال تھا کہ وہ حاضر ہوگا لیکن وہ نہیں ملا۔

فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ پس کہا مجھے کیا ہو گیا ہے مجھے ہدہد دکھائی نہیں دیتا یا (واقعی) وہ غیر حاضر ہے۔ اس جملہ کا عطف تفقد الطیر پر ہے یعنی سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو سایہ فگن ہونے کا حکم دیا لیکن دھوپ آپ کے تخت پر دکھائی دی اور پرندوں کی طرف تفتیشی نظر سے دیکھا تو ہدہد کو نہ پایا اور فرمایا۔

یا یوں کہا جائے کہ سلیمان کے لئے تمام لشکر فوجیں جتھے جمع کر دیئے گئے اور وہ ایک منزل پر اترے پانی کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا تو ہدہد کو بلوایا ہدہد نہ ملا تو فرمایا۔ مالی میں استفہام تعجبی ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا
اُس کو سزا دوں گا سخت سزا

مثلاً اُس کے بال و پر نوچ ڈالوں گا۔ (تفسیر عثمانی)

کام میں سستی پر معتدل سزا دینا جائز ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حق تعالیٰ نے جانوروں کو ایسی سزائیں دینا حلال کر دیا تھا جیسا عام اُمتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اُٹھانا اب بھی حلال ہے۔ اسی طرح پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے تو اُس کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت مارنے کی معتدل سزا اب بھی جائز ہے۔ دوسرے جانوروں کو سزا دینا ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔ (قرطبی)

یا یہ مطلب تھا کہ میں اس کے مخالف کے ساتھ اس کو قید کر دوں گا۔ یا یہ معنی تھا کہ میں اس کو ساتھیوں کا خدمت گار بنا دوں گا کہ وہ اپنے ساتھ والوں کی خدمت کرتا رہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے (ہدہد کو) عذاب دینا جائز تھا۔ (تفسیر مظہری)

اَوْ لَاَاْذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾
یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس کوئی سند صریح

یعنی اپنی غیر حاضری کا واضح عذر پیش کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

مجرم کو عذر کا موقع دینا چاہئے

اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ یعنی اگر ہدہد نے اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر واضح پیش کر دیا تو وہ اس سزا سے محفوظ رہے گا، اس میں اشارہ ہے کہ حاکم کو چاہئے کہ جن لوگوں سے کوئی قصور عمل میں سرزد ہو جائے اُن کو عذر پیش کرنے کا موقع دے، عذر صحیح ثابت ہو تو سزا کو معاف کر دے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ
پھر بہت دیر نہ کی کہ آ کر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر
بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ
نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر تحقیق

قوم سباء

حضرت سلیمانؑ کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا۔ اب پہنچا۔ سبا ایک قوم کا نام ہے اُن کا وطن عرب میں تھا یمن کی طرف (موضح القرآن) گویا ہدہد کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ بڑے سے بڑے انسان کا علم بھی محیط نہیں ہو سکتا دیکھو جن کی بابت خود فرمایا تھا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا

Marfat.com

اُن کو ایک جزئی کی اطلاع ہدہد نے کی۔ (تفسیر عثمانی)

اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ یعنی ہدہد نے اپنا عذر بتلاتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ چیز معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں، یعنی میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِيْنٍ سبا یمن کا ایک مشہور شہر جس کا ایک نام مازب بھی ہے، اس کے اور یمن کے دارالحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت تھی۔

انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے اُن کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں سے کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے

ہدہد کی مذکورہ گفتگو سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ کوئی شاگرد اپنے استاد سے یا غیر عالم عالم سے کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کا علم مجھے آپ سے زیادہ ہے بشرطیکہ اس کو اس مسئلہ کا واقعی طور پر مکمل علم دوسروں سے زائد ہو۔ مگر روح المعانی میں فرمایا کہ یہ طرزِ گفتگو اپنے مشائخ اور بڑوں کے سامنے خلافِ ادب ہے اس سے احتراز کرنا چاہئیے، اور ہدہد کے قول سے اس پر استدلال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اُس نے یہ بات اپنے آپ کو سزا سے بچانے اور عذر کے قوی ہونے کے لئے کہی ہے تاکہ اس کی غیر حاضری کا عذر پوری طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آجائے ایسی ضرورت میں ادب کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی بات کی جائے تو مضائقہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

چار جانوروں کا قتل ممنوع ہے

مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کا قتل منع فرمادیا، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صُرد یعنی لٹورا (تفسیر ابن کثیر)

ہدہد کا غیر حاضری کے سبب کا مفصل واقعہ

غَيْرَ بَعِيْدٍ یعنی لمبا توقف نہیں کیا تھا یا دراز مدت تک نہیں ٹھیرے تھے مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے ہدہد جلد واپس آ گیا ہدہد کی غیر حاضری کا سبب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہو کر حرم (کعبہ) کو چلے گئے اور اللہ کی مشیت جتنی تھی اسی کے مطابق وہاں قیام پذیر رہے جب تک مکہ میں رہے روزانہ پانچ ہزار اونٹنیاں پانچ ہزار بیل اور بیس ہزار مینڈھے ذبح کرتے رہے آپ نے اپنی قوم کے سرداروں سے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے نبی عربی جن کے اوصاف یہ یہ ہوں گے برآمد ہوں گے ان کو مخالفین پر فتحیاب کیا جائے گا ان کا رعب ایک ماہ کی مسافت تک پڑے گا نزدیک اور دوران کے لئے برابر ہوگا اللہ کے معاملہ میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے حاضرین نے پوچھا اے اللہ کے نبی ان کا دین کیا ہوگا فرمایا وہ دین توحید (دین حنیف یعنی دین ابراہیمی) پر چلیں گے خوشی ہو اس کے لئے جو ان کو پالے اور ان پر ایمان لائے حاضرین نے دریافت کیا ان کی بعثت میں کتنی مدت باقی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ایک ہزار حاضرین کو چاہیے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ بیشک وہ انبیاءؑ کے سردار اور خاتم المرسلین ہوں گے۔

راوی کا بیان ہے حضرت سلیمانؑ مکہ میں قیام پذیر رہے جب حج پورا کرلیا تو مکہ سے نکلے اور صبح کو مکہ سے روانہ ہو کر یمن کی طرف چل دیئے صنعاء میں زوال کے وقت پہنچ گئے یہ مسافت ایک ماہ کی راہ تھی صنعاء کی زمین کو خوبصورت اور سرسبز پایا آپ نے وہاں اترنے کو پسند کیا تاکہ کھانے اور نماز سے فراغت حاصل کرلیں ہدہد نے سوچا کہ سلیمان تو اترنے میں لگے ہوئے ہیں اتنے میں آسمان کی طرف اڑ کر زمین کی لمبائی چوڑائی دیکھ لوں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اوپر جا کر دائیں بائیں نظر دوڑائی تو بلقیس کا ایک باغ نظر آیا ہدہد سبزے کی طرف چل دیا اور باغ میں اتر گیا وہاں ایک اور ہدہد سے ملاقات ہوگئی ہدہد سلیمان اس کے پاس اتر کر پہنچ گیا۔ ہدہد سلیمان کا نام یعفور اور ہدہد یمن کا نام عنفیر تھا عنفیر نے یعفور سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے یعفور نے کہا میں اپنے مالک سلیمان بن داؤد کے ساتھ شام سے آیا ہوں عنفیر نے پوچھا سلیمان کون ہے یعفور نے کہا وہ جن وانس اور شیطانوں وحشی جانوروں پرندوں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں۔ (ان کا حکم سب پر چلتا ہے) تم کہاں کے رہنے والے ہو عنفیر نے کہا اسی ملک کا باشندہ ہوں یعفور نے پوچھا اس ملک کا بادشاہ کون ہے عنفیر نے کہا یہاں کی بادشاہ ایک عورت ہے جس کو بلقیس کہا جاتا ہے بیشک تمہارے آقا کا ملک بڑا ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی کم نہیں

Marfat.com

ہے وہ یمن کی ملکہ ہے اس کے زیر حکم بارہ ہزار جنرل ہیں اور ہر جنرل کے ماتحت ایک لاکھ جنگی سپاہی ہیں کیا تم میرے ساتھ چل کر اس کی حکومت دیکھنا چاہتے ہو یعفور نے کہا مجھے یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ نماز کے وقت سلیمان کو پانی کی ضرورت ہوگی اور مجھے تلاش کریں گے عنفیر نے کہا تمہارا مالک اس بات سے خوش ہوگا کہ تم اس کو اس ملکہ کی خبر بتاؤ گے یعفور نے عنفیر کے ساتھ بلقیس کو اور اس کی حکومت کو دیکھا اور سلیمان کے پاس عصر کے وقت سے پہلے نہ پہنچ سکا ادھر جب سلیمان اتر پڑے تو اس جگہ پانی نہ تھا نماز کا وقت آ گیا اور پانی کی ضرورت ہوئی تو پانی نہیں ملا آپ نے جنات سے آدمیوں سے اور شیاطین سے پانی کے متعلق دریافت کیا لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ پانی کہاں ہے پرندوں کی تلاش کی تو ہدہد کو غیر حاضر پایا پرندوں کے عریف (مانیٹر۔ سردار۔ ناظم) یعنی گدھ کو طلب فرمایا اور ہدہد کے متعلق اس سے پوچھا گدھ نے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے میں نے تو اس کو کہیں بھیجا نہیں ہے۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کو غصہ آ گیا اور فرمایا لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاْذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ پھر پروں کے سردار عقاب کو بلوایا اور حکم دیا ابھی ہدہد کو پکڑ لاؤ عقاب فوراً اڑا اور آسمان کے نیچے ہوا کے ساتھ چسپاں ہو گیا وہاں سے اس کو یہ دنیا ایک پیالہ کی طرح نظر آئی پھر ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو یمن کی طرف سے ہدہد بھی آتا دکھائی دیا عقاب اس پر ٹوٹ پڑا ہدہد نے عقاب کو پر توڑ کر اپنی طرف آتا دیکھا تو سمجھ گیا کہ عقاب کا ارادہ میرے متعلق برا ہے ہدہد نے اس کو قسم دی اور کہا میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے طاقت عطا کی ہے اور مجھ پر قدرت دی ہے تو مجھ پر رحم کر اور کوئی دکھ پہنچانے کے درپے نہ ہو عقاب ہدہد کی طرف سے پلٹ گیا کم بخت تو مرے اللہ کے پیغمبر نے قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے عذاب دیں گے یا ذبح کر ڈالیں گے اس کے بعد دونوں نے حضرت سلیمانؑ کی طرف رُخ کر دیا جب لشکر تک پہنچے تو گدھ اور دوسرے پرندوں نے جا لیا اور کہا ارے آج تو دن بھر کہاں غائب رہا اللہ کے پیغمبر نے تیرے متعلق یہ یہ کہا تھا ہدہد نے کہا کیا انہوں نے (اپنی قسم میں) کوئی شرط بھی لگائی تھی پرندوں نے کہا ہاں یہ بھی فرمایا اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ہدہد نے کہا بس تو میں عذاب سے بچ گیا پھر عقاب اور ہدہد اڑ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا آپ اس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے عقاب نے کہا یا نبی اللہ میں اس کو لے آیا ہدہد نے سلیمان کو دیکھ کر اظہار عاجزی کے طور پر اپنا سر اٹھایا دم اور دونوں بازو نیچے کو لٹکا دیئے اور زمین پر ان کو کھینچنے لگا جب آپ کے قریب پہنچ گیا تو آپ نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا تو کہاں تھا میں تجھے ضرور سخت عذاب دوں گا ہدہد نے کہا یا نبی اللہ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے یہ بات سن کر حضرت سلیمان لرز گئے اور ہدہد کو معاف کر دیا۔ پھر غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔

کسی کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے

فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ (کہ ہدہد آ گیا) اور اس نے کہا میں ایسی بات پوری پوری معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں۔

احاطۃ کسی چیز کا ہمہ جہتی (پورا پورا) علم۔ اللہ کے سوا دوسروں کے علم کے لئے اس کا استعمال یا بطور مجاز ہوتا یا بطریق مبالغہ مطلب یہ ہے کہ مجھے ایک بات یقینی طور پر معلوم ہوئی ہے جو آپ کے علم میں نہیں ہے ایک ہدہد کا ایک جلیل القدر نبی سے اس طرح خطاب کرنا بتا رہا ہے کہ ادنی جانور کو بھی بعض وہ باتیں معلوم تھیں جو سلیمان کو بھی نہ تھیں اس میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ سلیمان علیہ السلام کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہیے بلکہ سمجھ لینا چاہیے کہ میرا علم بہت ہی ناقص ہے اس سے شیعہ فرقہ کا اس عقیدہ کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے کہ امام سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور اس کے زمانہ میں کوئی بھی اس سے زیادہ اور بڑھ کر عالم نہیں ہوتا۔

سبا یمن کے ایک شہر کا نام ہے جس کا صنعاء سے فاصلہ تین برید ہے بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبا کے متعلق دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبا ایک آدمی تھا جس کے دس بیٹے تھے جن میں سے چھ دائیں سمت کو چلے گئے اور چار بائیں رخ کو یعنی چھ نے دائیں طرف جا کر آبادی کر لی یہ ملک یمن ہو گیا اور چار نے بائیں جانب جا کر آباد ہو گئے یہ آبادی شام کے نام سے موسوم ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
میں نے پایا ایک عورت کو جو اُن پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو ہر ایک چیز ملی ہے

ہر ایک چیز میں مال، اسباب، فوج، اسلحہ اور حُسن و جمال سب آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ملکہ سبا

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ یعنی میں نے ایک عورت کو پایا جو قوم سبا

Marfat.com

کی مالک ہے یعنی اُن پر حکومت کرتی ہے اس عورت یعنی ملکہ سبا کا نام تاریخ میں بلقیس بنت شراحیل بتلایا گیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کی والدہ جنات میں سے تھی جس کا نام ملعمہ بنت شیصان بتلایا جاتا ہے (رواہ وہیب بن جریر عن الخلیل ابن احمد۔ قرطبی) اور اُن کا دادا ہُد ہد پورے ملک یمن کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جس کی اولاد میں چالیس لڑکے ہوئے سب کے سب مُلوک اور بادشاہ بنے۔ ان کے والد شراح نے ایک جنیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اُسی کے بطن سے بلقیس پیدا ہوئی۔ جنیہ سے نکاح کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ اپنی حکومت وسلطنت کے غرور میں لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میں کوئی میرا کفو نہیں اس لئے میں نکاح ہی نہ کروں گا کیونکہ غیر کفو میں نکاح مجھے پسند نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کا نکاح ایک جنیہ عورت سے کرا دیا (قرطبی) شاید یہ اُسی فخر وغرور کا نتیجہ تھا کہ اس نے انسانوں کو جو درحقیقت کفو تھے حقیر وذلیل سمجھا اور اپنا کفو تسلیم نہ کیا تو قدرت نے اس کا نکاح ایک ایسی عورت سے مقدر کر دیا جو نہ اس کی کفو تھی نہ اس کی جنس وقوم سے تھی۔

کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہوسکتا ہے

احادیث صحیحہ سے جنات میں توالد وتناسل اور مرد وعورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں ہیں جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہے۔

دوسرا سوال شرعی حیثیت سے ہے کہ کیا عورت جنیہ کسی انسان مرد کے لئے نکاح کر کے حلال ہوسکتی ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل آکام المرجان فی احکام الجان میں مذکور ہے اس میں بعض ایسے واقعات بھی ذکر کئے ہیں کہ مسلمان مرد سے مسلمان جنیہ کا نکاح ہوا اور اس سے اولاد بھی ہوئی یہاں یہ مسئلہ اس لئے زیادہ قابلِ بحث نہیں کہ نکاح کرنے والا بلقیس کا والد مسلمان ہی نہ تھا اس کے عمل سے کوئی استدلال جواز یا عدم جواز پر نہیں ہوسکتا اور چونکہ شرع اسلام میں اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور بلقیس کے والد انسان تھے اس لئے بلقیس انسان ہی قرار پائے گی۔

عورت کی حکمرانی

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہلِ فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپ نے فرمایا لن یفلِحَ قوم ولوا اَمرھُم امرأۃ یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔ اسی لئے علماء اُمت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت وخلافت یا سلطنت وحکومت سپرد نہیں کی جاسکتی، بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامتِ کُبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سُبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت وسلطنت پر برقرار رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکامِ شرعیہ میں اعتماد کیا جاسکے۔ (معارف مفتی اعظم)

بلقیس ..... پیدائش سے حکمرانی تک

ملکہ سُبا کا نام بلقیس بنت شراحیل تھا وہ یعرب بن قحطان کی نسل سے تھی اس کا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا جس کے ۳۹ آباء واجداد بادشاہ ہو گزرے تھے وہ خود چالیسواں تھا ملک یمن پر حکومت کرتا تھا اور سرحدی ہمسران بادشاہوں میں سے کسی کو اپنا ہمسر نہیں جانتا تھا اسی لئے اس نے ہر بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا آخر اس کا نکاح (خاندان جنات میں) ایک پری سے ہو گیا جس کا نام ریحانہ بنت سکن تھا اس پری کے پیٹ سے بلقیس بنت شراحیل پیدا ہوئی۔ سواء بلقیس کے شراحیل کا کوئی اور بچہ نہیں ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک جنات میں سے تھا۔

باپ کے مرنے کے بعد بلقیس نے ملکہ بننے کی خواہش کی اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا قوم میں سے کچھ لوگوں نے مان لیا اور کچھ نے مخالفت کی مخالفین نے ایک اور شخص کو اپنا بادشاہ بنا لیا قوم دو فرقوں میں بٹ گئی یمن کی مملکت کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے جس مرد کو بادشاہ بنایا گیا تھا اس نے لوگوں سے بہت برا سلوک کیا۔ رعیت کی عورتوں پر بھی درست درازی کرنے لگا لوگوں نے اس کو معزول کرنا چاہا لیکن اس کی طاقت زیادہ تھی کچھ بس نہ چلا بلقیس نے جب عورتوں کی یہ بے حرمتی دیکھی تو اس کو غیرت آئی اور اس نے اس ظالم بادشاہ کے پاس از خود تحریر بھیجی اور خواہش کی کہ تم مجھ سے نکاح کر لو (تاکہ دونوں حکومتیں ایک ہو جائیں اور قومی نفاق مٹ جائے) بادشاہ نے جواب لکھا۔ مجھے تمہاری طرف سے امید نہ تھی کہ تم میرے پیام نکاح کو قبول کر لوگی اسی لئے میں نے اپنی طرف سے نکاح کی تحریک نہیں کی بلقیس نے کہا مجھے کوئی عذر نہیں تم میرے کفو اور شریف ہو اب میری قوم والوں کو جمع کر

Marfat.com

کے ان کے سامنے مجھ سے نکاح کرنے کی درخواست رکھو بادشاہ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور سب کو نکاح کا پیام دیا لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں تو بلقیس راضی نہیں ہوگی بادشاہ نے کہا ابتدائی تحریک خود اس کی طرف سے ہو چکی ہے میں آپ لوگوں سے یہ چاہتا ہوں کہ اس کی زبان سے تم خود اس کا اقرار سن لو قوم والوں نے آ کر بلقیس سے اس کا ذکر کیا بلقیس نے کہا ہاں مجھے اولاد کی تمنا ہے غرض لوگوں نے بلقیس کا نکاح بادشاہ سے کر دیا بلقیس جب وداع ہو کر گئی تو اپنی بہت سی فوج کو (جلو میں) لیتی گئی اور بادشاہ کے پاس پہنچی تو اس کو اتنی شراب پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا پھر اس کا سر کاٹ کر رات ہی کو اپنے گھر واپس آ گئی صبح ہوئی اور لوگوں نے بادشاہ کو مقتول اور سر دروازہ پر لٹکا ہوا پایا تو سمجھ لیا کہ یہ نکاح ایک فریب و مکر تھا اس کے بعد سب لوگوں نے بالاتفاق بلقیس کو ملکہ مان لیا۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی ماں

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی ماں جنیہ عورت تھی اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے کہ اس کی ماں کا نام فارعہ تھا۔ ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے باپ کا نام ذی شرح تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا۔

بلقیس کا لاؤ لشکر

لاکھوں کا اس کا لاؤ لشکر تھا۔ اس کی بادشاہی ایک عورت کو کرتے ہوئے میں نے پایا۔ اس کے مشیر وزیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے۔ اس کی زمین کا نام مارب ہے۔ یہ صنعا سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہی قول قرین قیاس ہے۔ (اس کا اکثر حصہ مملکتِ یمن میں ہے۔ واللہ علم۔ دنیوی ضروری اسباب ہر قسم کا اسے مہیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾
اور اُس کا ایک تخت ہے بڑا

بلقیس کا تخت

یعنی اُس ملکہ کے بیٹھنے کا تخت ایسا مُکلف و مرصع اور بیش قیمت تھا کہ اُس وقت کسی بادشاہ کے پاس نہ تھا مفسرین ملکہ کا نام بلقیس لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ اور اس کا تخت عظیم ہے۔

یعنی حجم میں بڑا سونے کا بنا ہوا یاقوت سرخ زبرجد سبز اور موتیوں سے مرصع جس کے پائے یاقوت و زمرد کے تھے۔ اس کے اوپر سات کمرے تھے اور ہر کمرہ کا دروازہ علیحدہ تھا جو بند رہتا تھا۔ ابن ابی حاتم نے زبیر بن محمد کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ تخت سونے کا تھا جس کے دونوں پہلو یاقوت و زبرجد سے مرصع تھے اس کا طول ۸۰ ہاتھ اور عرض ۴۰ ہاتھ تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بلقیس کا تخت تیس ہاتھ لمبا تیس ہاتھ چوڑا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے یہ اسی ہاتھ اُونچا تھا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمر بستہ رہتی تھیں اس کا دیوانِ خاص جس میں یہ تخت تھا بہت بڑا محل تھا بلند و بالا کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور صاف جس کے شرقی حصے میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہلِ دربار صبح شام اسے سجدہ کر لیتے راجا پرجا سب آفتاب پرست تھے خدا کا پجاری ان میں ایک بھی نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوائے
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ
اور بھلے دکھلا رکھے ہیں اُن کو شیطان نے اُن کے کام پھر روک دیا ہے
عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾
اُن کو رستہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے

قوم سبا کا شرک

یعنی وہ قوم مشرک آفتاب پرست ہے شیطان نے اُن کی راہ مار دی، اور مشرکانہ رسوم و اطوار کو اُن کی نظر میں خوبصورت بنا دیا۔ اسی لئے وہ راہِ ہدایت نہیں پاتے۔ ہدہد نے یہ کہہ کر گویا سلیمان علیہ السلام کو اس قوم پر جہاد کرنے کی ترغیب دی۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ
کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں
وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾
اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو

جانوروں کی فطری معرفت

غالباً یہ ہدہد کے کلام کا تتمہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانور اپنے خالق کی صحیح معرفت فطرۃً رکھتے ہیں۔ یا بطور خرق عادت اُسی ہدہد کو اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ خدا چاہے تو ایسی معرفت ایک خشک لکڑی میں پیدا کر دے۔ باقی جانوروں میں فطری طور پر اس قسم کی عقل و معرفت کا موجود ہونا جیسے صدر شیرازی نے اسفار اربعہ میں علم حضوری یا شعور بسیط سے تعبیر کیا ہے اس کو مستلزم نہیں کہ ان کی طرف انبیاء مبعوث ہوں۔ کیونکہ یہ فطری معرفت کسبی نہیں جبلی ہے۔ اور بعثت انبیاء کا تعلق کسبیات سے ہوتا ہے۔ نیز یہ صحیح نہیں کہ جس چیز میں کوئی درجہ عقل و شعور کا ہو وہ مکلف بھی ہو۔ مثلاً شریعت حقہ نے صبی کو مکلف قرار نہیں دیا۔ حالانکہ قبل از بلوغ اُس میں خاصا درجہ عقل کا موجود ہے اسی سے حیوانات کی عاقلیت کا اندازہ کر لو۔ (تنبیہ) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ہدہد کی روزی ہے ریت سے کیڑے نکال نکال کر کھانا۔ نہ دانہ کھائے نہ میوہ، اُس کو اللہ کی اسی قدرت سے کام ہے شاید اسی لئے یخرج الخب کا خاص طور پر ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾
اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے پروردگار تخت بڑے کا

یعنی اُس کے عرش عظیم سے بلقیس کے تخت کو کیا نسبت۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾
سلیمان نے کہا ہم اب دیکھتے ہیں تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے

یعنی تیرے جھوٹ سچ کا امتحان کرتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط

اس کے بعد ہدہد نے لوگوں کو پانی کا پتہ بتایا اور لوگوں نے گڑھے کھود کر پانی خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ حضرت سلیمان نے ایک خط اس طرح لکھا۔ بندۂ خدا سلیمان بن داؤد کی طرف سے بلقیس ملکہ سبا کے نام۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت پر چلے۔ امابعد۔ مجھ پر فخر نہ کرو اور میرے پاس اطاعت گزار ہو کر آ جاؤ۔ ابن جریج نے کہا حضرت سلیمان نے صرف اتنے ہی الفاظ لکھے جتنے اللہ نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں قتادہ نے کہا انبیاءؑ کی تحریریں ایسی ہی مختصر ہوتی ہیں وہ کلام کو طول نہیں دیتے نہ زیادہ بات لکھتے ہیں۔ خط لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر مشک چسپاں کیا اور اس پر اپنی مہر لگا کر ہدہد کے حوالہ کیا اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ
لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے اُن کی طرف پھر اُن کے پاس سے ہٹ آ
فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾
پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں

قاصد شاہی کے آداب

یعنی سلیمان علیہ السلام نے ایک خط لکھ کر ہدہد کے حوالہ کیا کہ ملکہ سبا کو پہنچا دے اور جواب لے کر آ۔ اور دیکھنا خط پہنچا کر وہاں سے ایک طرف ہٹ جانا۔ کیونکہ قاصد کا وہیں سر پر کھڑا رہنا آداب شاہانہ کے خلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی آپ کو چھپا لیکن وہاں کا ماجرا دیکھ ہدہد خط لے گیا بلقیس جہاں اکیلی سوتی تھی۔ روزن میں سے جا کر اُس کے سینہ پر رکھ دیا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

تحریر اور خط بھی عام معاملات میں حجتِ شرعیہ ہے

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام خط بھیجنے کو اس پر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں تحریر و خط قابلِ اعتبار ثبوت ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صرف اُن مواقع میں خط کو کافی نہیں سمجھا جہاں شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے کیونکہ خط اور ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ شہادت نہیں لی جا سکتی۔ شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے آ کر بیان دینے پر رکھا گیا جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں، یہی وجہ ہے کہ آجکل بھی دنیا کی کسی عدالت میں خط اور ٹیلیفون پر شہادت لینے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

مشرکین کو خط لکھنا اور اُن کے پاس بھیجنا جائز ہے

دوسرا مسئلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط سے یہ ثابت ہوا کہ تبلیغ دین اور دعوتِ اسلام کے لئے مشرکین اور کفار کو خطوط لکھنا

Marfat.com

جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

انسانی اخلاق کی رعایت ضروری ہے

فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد سے نامہ بری کا کام لیا تو اس کو یہ ادب مجلس بھی سکھایا کہ خط ملکہ سبا کو پہنچا کر وہیں سر پر سوار نہ رہے بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ جائے جو عام شاہی مجلسوں کا طریقہ ہے اس میں آدابِ معاشرت اور انسانی اخلاق کا عام مخلوقات کے ساتھ مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

خط بلقیس کے پاس

حسب الحکم ہدہد خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا بلقیس اس وقت صنعاء سے تین منزل پر مقام مآرب میں تھی ہدہد ملکہ کے قصر میں پہنچا تو دروازے سب مقفل پائے اور کنجیاں ملکہ نے اپنے سرہانے رکھ لی تھیں غرض ہدہد (کسی طرح) بلقیس کے قریب پہنچ گیا بلقیس چت لیٹی سو رہی تھی ہدہد نے خط اس کے سینہ پر رکھ دیا۔ **کذا اخرج عبد بن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم عن قتادة.**

مقاتل کا بیان ہے کہ ہدہد اپنی چونچ میں خط پکڑ کر لے گیا اور بلقیس کے سرہانے جا کھڑا ہوا باڈی گارڈ سردار اور سپاہی موجود تھے ہدہد نے پر پھڑ پھڑائے لوگ اس کو دیکھتے رہے آخر ملکہ نے خود سر اٹھایا ہدہد نے فوراً خط ملکہ کی گود میں ڈال دیا۔

وہب بن منبہ اور ابن زید کا بیان ہے کہ سورج کے رخ پر ایک روشن دان تھا اور سورج سامنے سے نکلتا تھا جونہی ملکہ روشن دان (یا دریچہ) سے اس کی طرف دیکھتی اور سورج نظر آتا فوراً اس کو سجدہ کرتی تھی ہدہد اس دریچہ میں گھس گیا اور دونوں بازو پھیلا کر روشندان کو بند کر دیا سورج حسب معمول اونچا ہوا لیکن روشن دان بند ہونے کی وجہ سے ملکہ کو پتہ نہ چلا جب دیر ہوگئی تو اُٹھ کر سورج کو دیکھنے گئی ہدہد نے فوراً خط اس کی طرف پھینک دیا بلقیس پڑھی ہوئی تھی خط لے کر مہر دیکھی مہر دیکھتے ہی لرز گئی کیونکہ سلیمان کی حکومت (کا نقشہ) مہر میں موجود تھا سمجھ گئی کہ جس نے یہ خط بھیجا ہے وہ مجھ سے بڑا بادشاہ ہے ہدہد خط پھینک کر کچھ پیچھے ہٹ گیا بلقیس نے خط پڑھا پھر جا کر تخت پر بیٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا یہ سردار بارہ ہزار تھے ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ سپاہی تھے حضرت ابن عباس کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ بلقیس کے ساتھ ایک لاکھ اُقیال تھے اور ہر قیل کے پاس ایک لاکھ فوج تھی قیل بمعنی نواب یا بادشاہ جو شہنشاہ کے ماتحت ہوتا ہے قتادہ اور مقاتل نے کہا بلقیس کی مشورہ کمیٹی ۳۱۳ آدمیوں کی تھی ہر ممبر شوریٰ کے ماتحت دس دس ہزار سپاہی تھے سب آ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾
کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط عزت کا
اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ
وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے

بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ

بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا، کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز و محترم بادشاہ (سلیمان علیہ السلام) کی طرف سے آیا ہے۔ غالباً حضرت سلیمان کا نام اور اُن کی بیمثال حکومت و شوکت کا شہرہ پہلے سے سُن چکی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کس زبان میں تھا

حضرت سلیمان علیہ السلام گو عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جاننا اور سمجھنا آپ سے کوئی بعید بھی نہیں، جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان بھی جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں سے افضل اور اشرف ہے لہذا ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلقیس) عربی النسل تھی اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط اپنی ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلقیس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمان ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو۔ (روح)

خط نویسی کے چند آداب

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ کریم کے لفظی معنی معزز مکرم کے ہیں اور محاورہ میں کسی خط کو معزز مکرم جب کہا جاتا ہے جبکہ اُس پر مہر لگائی گئی ہو۔ اسی لئے اس آیت میں كِتٰبٌ كَرِيْمٌ کی تفسیر حضرت ابن عباس قتادہ زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ نے کتاب مختوم سے کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ملوکِ عجم کی یہ عادت

Marfat.com

معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اُس کو نہیں پڑھتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کے خطوط کے لئے مہر بنوائی اور قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو خطوط تحریر فرمائے اُن پر مہر ثبت فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ کا بھی اکرام ہے اور اپنے خط کا بھی، آج کل عادت خط کو لفافہ میں بند کر کے بھیجنے کی ہوگئی ہے یہ بھی مہر کے قائم مقام ہے جس جگہ مکتوب الیہ کا اکرام منظور ہو، کھلا خط بھیجنے کے بجائے لفافہ میں بند کر کے بھیجنا اقرب الی السنۃ ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قرآن کریم نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر ہدایات نہ دی ہوں۔ خط و کتابت اور مراسلت کے ذریعہ باہمی گفت وشنید بھی انسان کی اہم ضروریات میں داخل ہے اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب بنام ملکہ سبا (بلقیس) پورا کا پورا نقل فرمایا گیا، یہ ایک پیغمبر و رسول کا خط ہے اور قرآن کریم نے اس کو بطور استحسان کے نقل کیا ہے اس لئے اس خط میں جو ہدایات خط و کتابت کے معاملے میں پائی جاتی ہیں وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابلِ اتباع ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا اعزاز

امام قشیری فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو کتابِ کریم اس لئے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے لئے ملک اور سلطنت کی طمع کا کوئی شائبہ اور رائحہ بھی نہیں۔ (نظم)

اے نام تو بہترین سر آغاز بے نام تو نامہ کے کنم آغاز
آرائش نامہا است نامت آسائش سینہا کلامت

غرض یہ کہ ملکہ بلقیس نے جب یہ دیکھا کہ اس کتابِ کریم کو ایک پرندہ لے کر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرند جس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ شاہانِ عالم کی قسم کا بادشاہ نہیں وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے اس لئے اس نے ارکانِ دولت کو جمع کر کے سلیمان علیہ السلام کا یہ گرامی نامہ سنایا تمام دربار ہل گیا اور گھبرا اُٹھے۔

کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا

سب سے پہلی ایک ہدایت تو اس خط میں یہ ہے کہ خط کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے نام سے شروع کیا، مکتوب الیہ کا نام کس طرح لکھا قرآن کریم کے الفاظ میں وہ مذکور نہیں۔ مگر اتنی بات اس سے معلوم ہوئی کہ خط لکھنے والے کے لئے سنتِ انبیاء یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا نام لکھے جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً خط پڑھنے سے پہلے ہی مکتوب الیہ کے علم میں آجائے کہ میں کس کا خط پڑھ رہا ہوں تاکہ وہ اُسی ماحول میں خط کے مضمون کو پڑھے اور غور کرے مخاطب کو یہ تکلیف نہ اُٹھانی پڑے کہ کاتب کا نام خط میں تلاش کرے کہ کس کا خط ہے کہاں سے آیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے مکاتیب منقول اور شائع شدہ عالم میں موجود ہیں اُن سب میں بھی آپ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ (من محمد عبداللّٰہ ورسولہ) سے شروع فرمایا گیا ہے

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی اپنے چھوٹے کو خط لکھے اس میں تو اپنے نام کی تقدیم پر کوئی اشکال نہیں، لیکن کوئی چھوٹا اپنے باپ، اُستاد و شیخ یا اور کسی بڑے کو خط لکھے اس میں اپنے نام کو مقدم کرنا کیا اس کے ادب کے خلاف نہ ہوگا اور اس کو ایسا کرنا چاہیئے یا نہیں، اس معاملے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل مختلف رہا ہے اکثر حضرات نے تو اتباعِ سنتِ نبوی کو ادب پر مقدم رکھ کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطوط لکھے اُن میں بھی اپنے نام کو مقدم لکھا ہے۔ روح المعانی میں بحر محیط کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی انسان قابلِ تعظیم نہیں، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ کو بھی خط لکھتے تو اپنا نام ہی شروع میں لکھا کرتے تھے اور حضرت علاء حضرمی کا خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام معروف ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

البتہ روح المعانی میں مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب کلام افضلیت میں ہے جواز میں نہیں اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے اخیر میں لکھ دے تو یہ بھی جائز ہے۔ فقیہ ابواللیث کی بُستان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کر دے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ اُمت میں یہ طریقہ بھی چلا آرہا ہے اس پر نکیر نہیں کی گئی (روح المعانی و قرطبی)

خط کا جواب دینا بھی سنتِ انبیاء ہے

تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اُس کے لئے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے

Marfat.com

سلام کے قائم مقام ہے اس لئے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح واجب قرار دیتے تھے۔ (قرطبی)

خطوط میں بسم اللہ لکھنا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا سنت انبیاء ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ بسم اللہ کو اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اس پر شاہد ہیں کہ بسم اللہ کو سب سے مقدم، اس کے بعد کاتب کا نام، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے، اور قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے اور بسم اللہ بعد میں مذکور ہے اس کے ظاہر سے جواز اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اپنے نام کے بعد لکھی جائے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے، کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ من سلیمان بن داؤد الیٰ بلقیس ابنة ذی شرح وقومها . ان لاتعلوا الخ بلقیس نے جب یہ خط اپنی قوم کو سنایا تو اس نے قوم کی آگاہی کے لئے سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا، قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ بلقیس کا قول ہے قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصل خط میں بسم اللہ مقدم تھی یا سلیمان علیہ السلام کا نام اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا نام لفافہ کے اوپر لکھا ہو اور اندر بسم اللہ سے شروع ہو، بلقیس نے جب اپنی قوم کو خط سنایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا۔

مسئلہ: خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے، لیکن قرآن وسنت کے نصوص واشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اُس جگہ اُس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈالدیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا، آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہہ لے تحریر میں نہ لکھے۔

آیتِ قرآنی والی تحریر کیا کسی کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے

یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے جبکہ وہ مسلمان نہیں تھیں حالانکہ اس خط میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے، اُن میں بھی بعض آیاتِ قرآن لکھی ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آ گئی ہے وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لئے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ میں بھی (عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ)

خط مختصر، جامع، بلیغ اور مؤثر انداز میں لکھنا چاہئے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس والا نامہ کو دیکھئے تو چند سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دیئے اور بلاغت کا اعلیٰ معیار بھی قائم ہے۔ کافر کے مقابلے میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے۔ اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی، اور ترفع وتکبر کی مذمت بھی، درحقیقت یہ خط بھی اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو، مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔ (روح المعانی)

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض نے کریم کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ خط پہنچنے کا واقعہ عجیب تھا بلقیس اپنے کمرہ کے اندر لیٹی ہوئی تھی دروازے سب مقفل تھے ہدہد روشن دان سے آ کر بلقیس کے سینہ پر خط ڈال گیا اور بلقیس کو پتہ بھی نہ چلا بعض نے کہا خط کی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ابتداء کی گئی تھی اس لئے اسکو کریم کہا۔

اس کے بعد بلقیس نے بتایا کہ یہ خط کہاں سے آیا۔ اور کہا

اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ بلاشبہ یہ (خط یا عنوان) سلیمان کے پاس سے آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳۰

اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکمبردار ہو کر

خط کی جامعیت

ایسا مختصر، جامع اور پُرعظمت خط شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہوگا۔ خیریت اس میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکم بردار ہو کر آدمیوں کی طرح سیدھی انگلیوں میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ

کہنے لگی اے درباروالو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲

میں طے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے تک

یعنی مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کارروائی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ بدون تمہارے مشورہ کے نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

فُتیا اور فتوی کسی مشکل بات کا جواب یعنی جو معاملہ میرے سامنے ہے اس میں مجھے مشورہ دو۔

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو اور مجھے مشورہ نہ دو یا جب تک اس بات کے درست ہونے کی شہادت نہ دے دو۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ

وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی والے

وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳

اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے

درباریوں کا مشورہ

یعنی ہمارے پاس زور و طاقت اور سامانِ حرب کی کمی نہیں۔ نہ کسی بادشاہ سے دبنے کی ضرورت تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنیکے لئے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے۔ ہماری گردن اُس کے سامنے خم ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ درباریوں کی صلاح لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ نے اس میں تعمیل مناسب نہ سمجھی اور ایک بین بین صورت اختیار کی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُوَّةٍ یعنی لڑنے کی قوت بَاْسٍ شَدِيْدٍ یعنی لڑائی کے وقت سخت طاقتور تعدادی کثرت اور باس سے مراد ہے شدتِ شجاعت۔

بلقیس نے اہلِ دربار سے صلح یا جنگ دونوں کا مشورہ لیا تھا لڑائی صلح کے مقابلہ میں مشکل اور سخت کام ہے جنگ کی صورت میں اہلِ دربار نے تعمیل حکم کا اقرار کیا۔ برخلاف ان یہودیوں کے جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یعنی ہم تو آگے نہیں جائیں گے۔ جب بلقیس کے حکم پر انہوں نے لڑنے کا اظہار کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلح کا اگر حکم ہوا تو ہم اس کی تعمیل بدرجۂ اولیٰ کریں گے آپ کو دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

مَاذَا تَاْمُرِيْنَ میں ما استفہامیہ ہے اور پورا جملہ بتاویل مفرد ہو کر اُنظری کا مفعول ہے یعنی آپ خود دیکھ لیں اور سوچ لیں کہ دونوں میں کون سی چیز آپ کے لئے مفید ہے جنگ یا صلح۔ بہرحال ہم آپ کے فیصلہ پر چلنے کے لئے تیار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اگر جنگ خواہ ہی نبرد آوریم — دل دشمناں رابدرد آوریم
وگر صلح جوئی ترا بندہ ایم — بتسلیم حکمت سرافگندہ ایم

مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں آگے آپ کو اختیار ہے ارکان دولت کا میلان جنگ کی طرف تھا مگر ملکہ نے جنگ میں تعجیل مناسب نہ سمجھی بلکہ صلح اور جنگ کے بین بین ایک صورت اختیار کی۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا

کہنے لگی بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں

وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝۳۴ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ

اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور ایسا ہی کچھ کریں گے اور میں بھیجتی ہوں

Marfat.com

اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اُن کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے

بلقیس کا فیصلہ

معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خط کی عظمت وشوکت اور دوسرے قرائن و آثار سے بلقیس کو یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ پر ہم غالب نہیں آ سکتے اور کم از کم اس کا قوی احتمال تو ضرور تھا۔ اُس نے بتلایا کہ ایسی شان وشکوہ رکھنے والے بادشاہوں سے لڑنا کھیل نہیں۔ اگر وہ غالب آ گئے (جیسا کہ قوی امکان ہے) تو ملوک وسلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ وبالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور وہ انقلاب ایسا ہوگا جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل وخوار ہونا پڑے گا۔ لہذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ اُن کی طاقت طبعی رجحانات، نوعیت حکومت اور اس بات کا پتہ لگائیں کہ اُن کی دھمکیوں کی پشت پر کون سی قوت کارفرما ہے۔ اور یہ کہ واقعی طور پر وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر کچھ تحائف وہدایا دے کر ہم آنے والی مصیبت کو اپنے سر سے ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہوگا ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہو جائے گا ہم اُس کے مناسب کاروائی کریں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ بلقیس نے چاہا کہ اس بادشاہ کا شوق دریافت کرے کس چیز سے ہے۔ مال خوبصورت آدمی، یا نادر سامان، سب قسم کی چیزیں تحفہ میں بھیجی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ملکہ نے عام بادشاہوں کا عمومی ضابطہ بیان کر کے اول قوم کو مبہم طور پر جنگ سے ڈرایا پھر آخری فقرہ کہہ کے صراحت کر دی کہ ان لوگوں سے بھی مجھے یہی خطرہ ہے۔ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ کا ایک ترجمہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادشاہ ایسا ہی کرتے رہتے ہیں ان کا دستور ہی یہی ہے۔ اس ترجمہ پر اس فقرہ کا ارتباط سابق جملہ سے ہوگا اور یفعلون کی ضمیر ملوک کی طرف راجع ہوگی حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر کی طرف راجع نہ ہوگی۔

یا یہ مقولہ اللہ کا ہے اللہ نے بلقیس کے قول کی تصدیق فرما دی کہ ہاں بادشاہوں کا یہی طریقہ عمل ہے۔ ملکہ کے اس کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ بلقیس صلح کو مناسب خیال کرتی تھی۔

بلقیس کے تحائف

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اور میں ان کو ایک ہدیہ بھیجوں گی پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر آتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میں اپنے پاس سے کچھ تحفہ دے کر قاصدوں کو روانہ کروں گی۔ ھدیۃ وہ چیز جو ہدیہ میں دی جائے۔ جیسے عطیہ دی ہوئی چیز۔

بغوی نے لکھا ہے بلقیس ہدیہ بھیج کر حضرت سلیمانؑ کی جانچ کرنی چاہتی تھی کہ بادشاہ ہیں یا نبی اگر بادشاہ ہوں گے تو ہدیہ قبول کر لیں گے اور لشکر کشی نہیں کریں گے اور نبی ہوں گے تو ہدیہ کو رد کر دیں گے اور بغیر اتباع ایمانی کے راضی نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد ہدیہ میں ملکہ نے کچھ غلام اور کچھ باندیاں بھیجیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا تا کہ (لڑکے اور لڑکی کی) شناخت نہ ہو سکے۔ مجاہد نے کہا دو سو غلام اور دو سو باندیاں بھیجی تھیں۔ مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ باندیوں کو غلاموں کا لباس اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا (سونے کی) اینٹ ریشم اور دیبا کے ساتھ بھیجی تھی بعض نے کہا سونے کی چار اینٹیں بھیجی تھیں۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا بلقیس نے پانچ سو لڑکے اور لڑکیاں بھیجیں لڑکیوں کو قبائیں اور کمر کے پٹکے یعنی لڑکوں کا لباس پہنایا اور غلاموں کو باندیوں کے کپڑے پہنائے۔ کلائیوں میں سنہری کنگن گلے میں سونے کے طوق کانوں میں بالیاں اور بالے جواہر سے مرصع پہنائے لڑکوں کو پانچ سو گھوڑوں پر اور لڑکیوں کو پانچ سو خچروں پر سوار کرایا ہر گھوڑے کی لگام سنہری جواہر سے جڑی تھی اور چار جامے رنگا رنگ، کے دیبا کے بلقیس نے چاندی کی پانچ سو اینٹیں اور موتی اور یاقوت سے جڑا ہوا تاج بھی بھیجا مشک وعنبر وعود بھی پھر ایک ڈبہ میں بلا سوراخ کیا ہوا ایک قیمتی موتی اور ٹیڑھا کیا ہوا ایک پوتھ رکھ کر بند کر دیا۔

بلقیس کا قاصد اور اس کو ہدایات

اور اپنی قوم کے ایک سردار کو جس کا نام منذر بن عمرو تھا بلوا کر کچھ دوسرے سمجھدار ہوشیار آدمیوں کو اس کے ساتھ کر کے ایک خط جس میں تحفوں کی فہرست تھی دے کر ہدایت کی اور سب چیزیں دے کر بھیج دیا اور نمائندہ سے کہہ دیا کہ سلیمان علیہ السلام سے جا کر یہ کہنا کہ اگر آپ نبی ہیں تو باندیوں کو غلاموں سے الگ چھانٹ دیجئے اور بغیر کھولے بتائیے کہ ڈبہ میں کیا ہے اور جب وہ بتا دیں تو کہنا کہ اس موتی میں ٹھیک سوراخ کر دیجئے اور سوراخ دار پوتھ میں دھاگہ ڈال دیجئے لیکن کسی آدمی یا جن سے اس میں مدد نہ لیجئے غلاموں اور باندیوں کو یہ حکم دیا کہ

Marfat.com

غلام باندیوں کی بولی میں زنانہ لوچدار بات کریں اور باندیاں کرخت لہجے میں مردانہ بات کریں پھر قاصد سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس بات کا اندازہ کرنا کہ وہ کس طور پر پیش آتے ہیں اگر غصہ کی نظر سے تم کو دیکھیں تو سمجھ لینا وہ بادشاہ ہیں تم ہرگز خوف زدہ نہ ہونا ہم ان سے زیادہ عزت رکھتے ہیں اور اگر کشادہ پیشانی اور مہربانی سے پیش آئیں تو سمجھ لینا وہ نبی مرسل ہیں ان کی بات سمجھنا اور (ادب کے ساتھ) جواب دینا غرض بلقیس کے قاصد سارے تحفے لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتظامات

ادھر ہدہد نے جلد جا کر حضرت سلیمان کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی آپ نے جنات کو حکم دیا کہ سونے چاندی کی اینٹیں تیار کریں حکم کی تعمیل کی گئی پھر آپ نے حکم دیا کہ ان اینٹوں کو اس جگہ سے نو فرسخ تک ایک میدان میں یہ اینٹیں بچھا دیں اور میدان کے گرداگرد سونے چاندی کی اونچی دیوار کھینچ دیں پھر فرمایا خشکی اور دریا میں کون سا جانور سب سے اچھا ہوتا ہے حاضرین نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم نے فلاں سمندر میں کچھ جانور دیکھے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں ان کے دو بازو گردن پر کلغیاں اور پیشانیوں پر بال ہوتے ہیں فرمایا ابھی لے آؤ جنات نے فوراً لا کر حاضر کر دیئے فرمایا میدان کے دائیں بائیں دونوں طرف سونے چاندی کی اینٹوں کے فرش پر ان کو باندھ دو اور ان کا چارہ ان کے سامنے ڈال دو پھر جنات کو حکم دیا اپنی اولاد کو لا کر میدان کے دائیں بائیں کھڑا کر دو۔

ان احکام کی تعمیل کے بعد حضرت سلیمان اپنے تخت پر رونق افروز ہو گئے اور اپنے دائیں بائیں جانب چار چار ہزار کرسیاں بچھوا دیں اور دائیں بائیں فرسخوں تک صف بستہ کھڑے ہونے کا شیطانوں کو حکم دیا۔

بلقیس کے قاصدوں کا احساس کمتری

جب قاصد قریب پہنچ گئے اور سلیمان علیہ السلام کی حکومت دیکھی اور ایسے چوپائے دیکھے جو کبھی نہ دیکھے تھے اور ان کو چاندی سونے کی اینٹوں پر گوبر کرتے پایا تو خود وہ اپنی نظروں میں حقیر ہو گئے اور جو تحفے ساتھ لائے تھے سب پھینک دیئے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سونے چاندی کی اینٹیں بچھانے کا حکم جس وقت دیا تھا اس وقت بلقیس کی بھیجی ہوئی اینٹوں کی گنتی کے مطابق جگہ خالی چھوڑ دی تھی قاصدوں نے جب کچھ اینٹوں کی جگہ خالی دیکھی اور باقی زمین پر فرش پایا تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی ہم پر اینٹیں اٹھا لینے کی تہمت نہ لگائے۔ اس لئے خالی جگہ پر اینٹیں پھینک دیں پھر شیاطین کو دیکھ کر تو خوف زدہ ہو گئے اُن سے کہا گیا آگے بڑھو ڈر کی کوئی بات نہیں قاصد تمام جن وانس اور پرندوں درندوں اور چرندوں کی ٹکڑیوں سے گزر کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جا کھڑے ہوئے آپ نے ان کی طرف کشادہ روئی کے ساتھ اچھی نظروں سے دیکھا اور فرمایا کیا بات ہے امیر وفد نے ساتھ لائی ہوئی چیزیں پیش کر دیں اور ملکہ کا خط بھی دے دیا۔

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے تمام سوالات حل کر دیئے

آپ نے خط غور سے پڑھا اور فرمایا ڈبہ کہاں ہے امیر وفد نے پیش کر دیا آپ نے ڈبہ کو ہلایا اتنے میں جبرئیل آ گئے اور ڈبہ کے اندر جو چیز تھی وہ بتا دی حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اس کے اندر بغیر سوراخ کا ایک قیمتی موتی ہے۔ اور ایک ٹیڑھا سوراخ کیا ہوا پوتھ ہے قاصد نے عرض کیا آپ نے صحیح فرمایا اب موتی میں سوراخ کر دیجئے اور پوتھ میں دھاگہ پرو دیجئے حضرت سلیمانؑ نے جنات اور آدمیوں سے دریافت فرمایا کوئی اس میں سوراخ کر سکتا ہے کسی کو سوراخ کرنے کی تدبیر معلوم نہ تھی اس لئے خاموش رہے پھر آپ نے شیاطین سے دریافت کیا ایک شیطان نے کہا لکڑی کے کیڑے کو بلوایئے حسب الحکم لکڑی کا کیڑا آیا اور دھاگہ منہ میں پکڑ کر موتی میں سوراخ کرتا ہوا دوسری جانب نکل آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تو کیا انعام چاہتا ہے کیڑے نے عرض کیا میری روزی درخت (لکڑی) میں مقرر کر دی جائے حضرت نے فرمایا تیرے لئے ایسا ہی کر دیا گیا۔ پھر آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جس کی تدبیر یہ کی کہ سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا لڑکی برتن میں سے پانی ایک ہاتھ میں لیتی پھر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتی پھر منہ پر مارتی تھی اور لڑکا براہ راست برتن سے پانی لے کر منہ پر مارتا تھا۔ لڑکی بانہہ کے اندرونی جانب پانی ڈالتی تھی اور لڑکا کلائی کے بیرونی جانب پانی بہاتا تھا لڑکی یونہی پانی دھارتی تھی اور لڑکا اوپر سے نیچے کو ہاتھ پر پانی گراتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے سب کو الگ الگ چھانٹ دیا پھر لائے ہوئے ہدیے واپس کر دیئے جیسا کہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ

پھر جب پہنچا سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری اعانت کرتے ہو مال سے

اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اُس سے جو تم کو دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحائف واپس کر دیئے

یعنی یہ تحفہ تمہیں ہی مبارک رہے، کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال ومتاع کا لالچ دیتے ہو، تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی و مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے ان سامانوں کی ہمیں کیا پروا۔ (تفسیر عثمانی)

کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا اصول

کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو، مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی اُمید ہو یا اس کے کسی شر و فساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جا سکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملہ میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرما لیا، بعض کا رد کر دیا۔ عمدہ القاری شرح بخاری کتاب الہبہ میں اور شرح سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا، آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو سفیان نے بحالتِ شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے قبول فرما لیا۔

شمس الائمہؒ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کر دینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی اُمید تھی وہاں رد کر دیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہو جانے کی اُمید تھی تو قبول کر لیا (از عمدۃ القاری کتاب الہبہ)

اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے ہدیہ قبول کرنا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب

اللہ نے جو کچھ عطا فرما دیا ہے (یعنی دین نبوت، حکمت، حکومت) وہ اس سے افضل و بہتر ہے جو تم کو دیا ہے (میں اس ہدیہ کے لین دین سے خوش نہیں ہوتا) بلکہ تم ہی اپنے ہدیہ سے خوش ہوتے ہو۔

کیونکہ تم لوگ صرف ظاہری دنیوی زندگی کو جانتے ہو یہی تمہاری نظروں کے سامنے ہے اس لئے ہدیے لے کر مال میں اضافہ کرنا چاہتے ہو اور ہدیے دے کر اپنے ہمسروں پر فخر کرنا چاہتے ہو۔ تم میری حالت کو اپنی حالت پر قیاس کرتے ہو حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ پھر منذر بن عمرو سردار وفد کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا

پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں اُن پر ساتھ لشکروں کے جن کا مقابلہ نہ ہو سکے ان سے

وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور نکال دیں گے اُن کو وہاں سے بے عزت کر کے اور وہ خوار ہوں گے

حملہ کی اطلاع

یعنی قیدی بنیں گے، جلاوطن ہوں گے اور ذلت وخواری کے ساتھ دولت وسلطنت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اور کسی پیغمبر نے اس طرح کی بات نہیں فرمائی۔ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی سلطنت کا زور تھا جو یہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا ذلت عزت کی ضد ہے آبرو اور حکومت کا زوال ذلت ہے اور صغار سے مراد ہے قیدی ہو جانا یعنی اگر وہ

Marfat.com

مسلمان ہوکر نہیں آئیں گے تو ہم ان کو ان کی سرزمین سے نکال دیں گے اور ان کو قیدی بنالیا جائے گا۔

بلقیس کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں حاضری کی تیاری

وہب بن منبہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب وفد یمن حضرت سلیمانؑ کے پاس سے لوٹ کر بلقیس کے پاس پہنچا (اور واقعہ بیان کیا) تو بلقیس نے کہا واللہ میں تو پہلے ہی پہچان چکی کہ وہ بادشاہ نہیں ہے اور اس کے مقابلہ کی ہم میں سکت نہیں۔ اس کے بعد بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کے پاس پیام بھیجا میں خود اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس آرہی ہوں اور دیکھوں گی کہ جس دین کی طرف آپ ہم کو بلا رہے ہیں وہ کیا ہے پھر بلقیس نے حکم دے کر اپنے تخت کو تہ برتہ سات کمروں میں بند کرا کے دروازوں کو مقفل کر دیا یا سات محلوں کے اندر اس کو رکھوا دیا اور حفاظت کے لئے کچھ نگراں مقرر کر دیئے اور اپنے نائب سے کہا تم یہاں کے حالات کے نگراں رہنا میرے تخت تک کوئی پہنچنے نہ پائے اور کوئی اس کو خراب نہ کر سکے۔ پھر اعلانچی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دے دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے باشندوں کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ ہم کوچ کر رہے ہیں اس کے بعد یمن کے بارہ ہزار نوابوں کو لے کر روانہ ہوگئی ہر نواب کے ماتحت ہزاروں سپاہی تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا رعب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے باوقار اور رعب داب کے آدمی تھے اگر کسی سے کچھ دریافت کرتے تھے تو (اس کی مجال نہ ہوتی کہ خود اپنی طرف سے جواب دے سکے بلکہ) وہ حضرت پر بھی آپ کے سوال کا جواب محول کر دیتا (اور کہہ دیتا کہ اللہ کے نبی کو ہی اس کا بخوبی علم ہے) ایک روز اپنے تخت حکومت پر باہر نکل کر تشریف فرما تھے کہ ایک غبار قریب ہی اڑتا نظر آیا دریافت فرمایا یہ کیا ہے حاضرین نے عرض کیا بلقیس اس جگہ آکر اتری ہے یہ مقام حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سن کر اپنے لشکر والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا
بولا اے درباروالو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اُس کا تخت

قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾
پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکمبردار ہو کر

بلقیس کے تخت اٹھانے کا پروگرام

قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا بلقیس کو یقین ہوگیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں ان کی قوت خدائی زور سے ہے۔ جدال وقتال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے آخر اظہار اطاعت و انقیاد کی غرض سے بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہوگئی جب ملک شام کے قریب پہنچی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔ اس میں بھی حضرت سلیمان کو کئی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت وقوت کا اظہار مقصود تھا۔ تا وہ سمجھ لے کہ یہ نرے بادشاہ نہیں، کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں (تنبیہ) قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ سے معلوم ہوا کہ اسلام وانقیاد سے پہلے حربی کا مال مباح ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمین کی قید اظہار واقعہ کے لئے ہے کیونکہ وہ لوگ اسی قصد سے آرہے تھے تخت کا منگانا غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت اور پھر اس کا ایسے سخت پہروں میں اس طور پر اچانک آجانا کہ اطلاع تک نہ ہو عادتِ بشریہ سے باہر ہے اگر جنوں کی تسخیر یعنی تابع ہونے سے ہو تب بھی جنوں کا خود بخود تابع ہو جانا بھی ایک معجزہ ہی ہے اور اگر کسی ولی اُمت کی کرامت کے ذریعہ ہے تو ولی کی کرامت بھی نبی کا معجزہ ہوتا ہے اور اگر بغیر کسی واسطہ کے ہے تو پھر معجزہ ہونا ظاہر ہے بہرحال ہر طور پر یہ معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے لہذا مقصود یہ ہوگا کہ اندرونی کمالات کے ساتھ ساتھ یہ معجزہ کے کمالات بھی دیکھ لیں تا کہ ایمان واطمینان زیادہ ہو۔

بلقیس کی حاضری دربارِ سلیمانی میں

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب ومبہوت ہو کر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلانِ جنگ سنا دیا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا یہی خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ

Marfat.com

اللہ کی طرف سے کوئی خاص منصب بھی ان کو ملا ہے اور اللہ کے نبی و رسول سے لڑنا اللہ کا مقابلہ ہے۔ جس کی ہم میں طاقت نہیں، یہ کہہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی، بارہ ہزار سرداروں کو اپنے ساتھ لیا جن کے تحت ایک ایک لاکھ افواج تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ایسا رعب وجلال عطا فرمایا تھا کہ اُن کی مجلس میں کوئی ابتداء گفتگو کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو حاضرین سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، اے نبی اللہ! ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ رہی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربار سلیمانی سے ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا عام معجزہ عطا فرمایا ہوا تھا شاید حق تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر انہوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے حاضر ہو جائے اس لئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے خطاب فرما کر یہ تخت لانے کے لئے فرما دیا اور اس کے تمام اموال و دولت میں تخت شاہی کا انتخاب بھی شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ اس کی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ اس کے اپنے آدمیوں کا بھی وہاں تک گزر نہ تھا، اُس کے بغیر دروازہ یا قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافتِ بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہٗ کی ہی قدرتِ کاملہ سے ہوسکتا ہے یہ اس کو حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہوسکتا تھا اس کے ساتھ اس پر بھی یقین لازم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی خاص منصب حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسی فوق العادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں (ذکرہ واختارہ ابن جریر)

قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ مُسْلِمِیْنَ، مُسْلِمٌ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی مطیع و فرمانبردار کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں مومن کو مسلم کہا جاتا ہے یہاں بقول ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی مطیع و فرمانبردار کیونکہ ملکہ بلقیس کا اسلام لانا اس وقت ثابت نہیں بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کے آنے والے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ
بولا ایک دیو جنوں میں سے میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے
اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ
اس سے کہ تو اُٹھے اپنی جگہ سے

ایک دیو کا دعویٰ

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار روزانہ ایک معین وقت تک لگتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اُٹھ کر جائیں، میں تخت کو حاضر کرسکتا ہوں، مگر اس کو پھر کچھ عرصہ لگتا۔ حضرت سلیمانؑ اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾
اور میں اُس پر زور آور ہوں معتبر

زور آور، ہوں یعنی اپنی قوتِ بازو سے بہت جلد اُٹھا کر لا سکتا ہوں، اللہ نے مجھ کو قدرت دی ہے اور معتبر ہوں، یعنی اس میں خیانت نہ کروں گا کہتے ہیں تخت بہت بیش قیمت تھا سونے چاندی کا اور لعل وجواہر جڑے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو اللہ کی قدرت اور اس کا عطا کردہ معجزہ دکھانا چاہتے تھے بلقیس کی عقل کی آزمائش بھی مقصود تھی کہ (مرصع کاری کو) بدلنے کے بعد وہ اپنے تخت کو پہچان سکے گی یا نہیں۔

مسلمان ہو کر آنے سے پہلے کی (حسب صوابدید مفسرؒ) شرط اس لئے لگائی کہ مسلمان ہونے کے بعد تو بلقیس کی رضامندی کے بغیر اس کا تخت لینا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حلال نہ تھا (اس فقیر مترجم کی نظر میں یہ توجیہ نامناسب ہے اس سے معصوم پیغمبر پر الزام عائد ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کے تخت پر ہر حیلے اور بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے سونے چاندی اور جواہر کے انبار عطا فرما دیئے تھے آپ کو کسی طرح کسی غیر مسلم کے مال کا لالچ نہیں ہوسکتا۔ (واللہ اعلم)

عفریت کا ترجمہ ضحاک نے کیا خبیث فراء نے کہا سخت طاقتور ابن قتیبہ نے کہا وہ جس کی تخلیقی ساخت مضبوط ہو اس کو عفریت کہتے ہیں اصل میں یہ لفظ عفر سے بنا ہے اور عفر مٹی کو کہتے ہیں۔ عَافَرَہٗ اس سے کشتی لڑ کر اس کو مٹی پر گرا دیا۔ بہرحال۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ

بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں

قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ

تیرے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ

آصف بن برخیا

راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا، اُس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کرسکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھئے قبل اس کے آپ اُدھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر ائمہ تفسیر قتادہ وغیرہ سے ابنِ جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور یہ کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا، اور بعض روایات کے اعتبار سے اُن کا خالہ زاد بھائی بھی تھا جس کو اسم اعظم کا علم تھا جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دُعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جو کچھ مانگا جائے اللہ کی طرف سے عطا کردیا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسم اعظم کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مصلحت اس میں دیکھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کی امت کے کسی آدمی کے ذریعہ ظاہر ہو جس سے بلقیس پر اور زیادہ اثر پڑے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی اسی طرح کرامت میں بھی اسبابِ طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے۔ اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحبِ معجزہ وکرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحبِ وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے اس واقعہ میں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے آصف بن برخیا کے ذریعہ ہوا تو یہ اُن کی کرامت کہلائے گی اور ہر ولی کے کمالات چونکہ ان کے رسول وپیغمبر کے کمالات کا عکس اور انہی سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے اُمت کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے یہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوتے ہیں۔

اکثر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ وہ آصف بن برخیا تھے جو صدیقیت کے مرتبہ پر فائز تھے اللہ کا اسم اعظم ان کو معلوم تھا جب اسم اعظم لے کر اللہ سے دعا کرتے تھے تو اللہ ان کی دعا قبول فرمالیتا تھا اور ان کا سوال پورا کردیتا تھا جریر اور مقاتل نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ آصف نے نماز کے بعد حضرت سلیمان سے کہا جہاں تک آپ کی نظر پہنچے اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھئے حضرت سلیمان نے نظر اٹھا کر یمن کی طرف دیکھا اور آصف نے دعا کی فوراً اللہ نے فرشتوں کو بھیج دیا فرشتوں نے تخت اٹھالیا اور زمین کو اندر ہی اندر چیرتے ہوئے لاکر حضرت سلیمان کے سامنے رکھ دیا۔

تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف

تصرف اصطلاح میں خیال ونظر کی طاقت استعمال کر کے حیرت انگیز کام صادر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے لئے نبی یا ولی بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، وہ مسمریزم جیسا ایک عمل ہے۔ صوفیائے کرام نے اصلاح مریدین کے لئے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ ان کا یہ کہنا کہ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ یعنی میں یہ تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دوں گا، یہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام اُن کے قصد واختیار سے ہوا جو علامت تصرف کی ہے کیونکہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی تو اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اطلاع کردی ہو کہ تم ارادہ کرو گے تو ہم یہ کام اتنی جلدی کردیں گے۔ یہ تقریر حضرت سیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ہے جو احکام القرآن میں سورۂ نمل کی تفسیر لکھنے کے وقت حضرت نے ارشاد فرمائی تھی، اور تصرف کی حقیقت اور اس کے احکام پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ بنام التصرف عربی زبان میں تھا۔ جس کا اُردو ترجمہ احقر نے لکھا تھا وہ جداگانہ شائع ہو چکا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

Marfat.com

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا جو سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور ان کا وزیر تھا۔ جو کتبِ الٰہیہ کا عالم تھا اور اسماء الٰہیہ کے خواص اور تاثیرات سے واقف تھا دیکھو تفسیر ابنِ کثیر ص ۳۶۴ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۸۳ ج ۱۹۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں آپ اللہ سے دُعا فرمایئے آپ اگر اللہ سے دُعاء کریں گے تو حاضر ہو جائیگا حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعاء کی تو فوراً تخت حاضر ہو گیا دیکھو زاد المسیر ص ۷۵)

تخت کا اس طرح طرفۃ العین میں حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کے صحابی کی کرامت تھی۔ کیونکہ صحابی کو یہ مرتبہ اپنے نبی کی متابعت سے ملا یہ بھی ممکن تھا کہ خود سلیمان علیہ السلام اس تخت کو لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے خادم کے ہاتھ سے کرایا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید اعزاز و اکرام کا سبب بنے کہ یہ شخص اللہ کا اس درجہ مقبول بندہ ہے کہ اس کے خادم ایسے ہیں جن سے ایسی کرامتیں ظہور میں آ رہی ہیں۔

(فائدہ) اور طرفۃ العین میں اس طرح تخت کا حاضر ہو جانا عقلاً محال نہیں اور موجودہ سائنس کی تحقیق پر اجسام کی تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر نہیں ابھی تک تو بندہ کی قدرت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ کہاں تک پہنچے گی تو خدائے قادر مطلق کی قدرت کی کون حد مقرر کر سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

آصف بن برخیا کی دُعاء

بعض اہلِ روایت کا کہنا ہے یہ مسافت دو مہینے کی راہ کے برابر تھی آصف نے کیا دعا مانگی تھی مجاہد نے کہا یاذاالجلال والاکرام کہا تھا یعنی یہ اسم اعظم ہے کلبی نے کہا یا حی یا قیوم تھا (یہی اسم اعظم ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے۔

زہری کا قول مروی ہے کہ جس کے پاس علم کتاب تھا اس نے اس طرح دعا کی تھی یا اِلٰھنَا وَاِلٰہَ کُلِ شَیءٍ اِلٰھاً وَاحداً لَا اِلٰہَ الا اَنْتَ اِئْتِنی بِعَرْشِھا اے ہمارے معبود اور ہر چیز کے تنہا معبود تیرے سوا کوئی معبود نہیں میرے پاس اس کا تخت لے آ۔

اللہ کے اسم اعظم کی بحث ہم نے سورۂ آل عمران کے شروع میں تفصیل کے ساتھ لکھ دی ہے میرے نزدیک زہری کا قول قابلِ ترجیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ

پھر جب دیکھا اُس کو دھرا ہوا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے

فضل الٰہی کا شکر

یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا، اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اُس کے نبی کا معجزہ اور اُس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمان پر بھی اُس کی شکر گزاری عائد ہوئی، (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرہ ایک لحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں مارب سے شام پہنچا دے حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔

لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ ؕ

میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

حضرت سلیمان ہر ہر قدم پر حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے اور ہمہ وقت شکر گزاری کے لئے تیار رہتے تھے گویا یہ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا کے حکم کی تعمیل تھی۔ (تفسیر عثمانی)

لِیَبْلُوَنِیْ یعنی اس کا یہ فضل مجھ پر میری جانچ کرنے کے ہے ءاشکر کہ کیا میں اس کی نعمت کا شکر کرتا ہوں اور محض اس کی مہربانی سمجھتا ہوں اپنی طاقت اور قوت کا نتیجہ نہیں قرار دیتا اور پھر اس عطیۂ خداوندی کا حق ادا کرتا ہوں۔ اَمْ اَکْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اس کا مستحق قرار دیتا ہوں یا اس کا حق ادا کرنے میں قصور کرتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ ۚ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ

اور جو کوئی شکر کرے، سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو

رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾

میرا رب بے پرواہ ہے کرم والا

Marfat.com

شکر گزاری کا نفع

یعنی شکر گزاری کا نفع شاکر ہی کو پہنچتا ہے کہ دنیا و آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں ناشکری کرے گا تو خدا کا کیا نقصان وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذاتِ خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے۔ ہمارے کفرانِ نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آ جاتی۔ یہ بھی اُس کا کرم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ ایسے کریم کی ناشکری کرنے والا پرلے درجہ کا بیحیا اور احمق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الشکر قید النعمة الموجودة وصید النعمة المفقودة شکر موجودہ نعمت کو روک رکھتا ہے اور غیر موجود نعمت کا شکار کرتا ہے (یعنی زیادت نعمت کا ذریعہ ہے) شکر کرنے سے صاحب نعمت کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے وہ حقِ واجب کر دیتا ہے اور اس کا درجہ عنداللہ اونچا ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کھانے والا شکر ادا کرنے والا (یعنی کھا کر شکر ادا کرنے والا) صابر روزہ دار کی مثل ہے **رواہ احمد والترمذی وابن ماجه والحاکم بسند صحیح عن ابی هریرةؓ** امام احمد اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سنان بن سنہ کی روایت سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کھانے والے (پھر اس کا) شکر کرنے والے کیلئے اتنا ہی اجر ہے جیسے صابر روزہ دار کا۔

غَنِی یعنی اس کے شکر سے بے پرواہ ہے کریم یعنی شاکر اور کافر سب کو دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ
کہا روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اس کے تخت کا ہم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں
مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾
میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں

تخت کے رنگ وروپ میں تبدیلی

یعنی تخت کا رنگ روپ تبدیل کر دو۔ اور اس کی وضع وہیئت بدل ڈالو، جسے دیکھ کر بلقیس بآسانی نہ سمجھ سکے۔ اس سے بلقیس کی عقل وفہم کو آزمانا تھا کہ ہدایت پانے کی استعداد اُس میں کہاں تک موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سلیمان علیہ السلام نے (بلقیس کی سمجھ کو جانچنے کے لئے) حکم دیا اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو صحیح پتہ لگتا ہے یا اس کا شمار انہی لوگوں میں ہے جو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگا سکتے۔ **نکروا** یعنی تخت کو ایسا کر دو کہ وہ پہچان نہ سکے۔ (اس کو اپنا نہیں کوئی غیر تخت محسوس ہو۔ مترجم) روایت میں آیا ہے کہ حسب الحکم تخت کے نچلے حصہ کو بالائی اور بالائی حصہ کو نچلا کر دیا گیا۔ اور سرخ جواہر کی جگہ سبز جواہر جڑ دیئے گئے اور سبز کی جگہ سرخ۔

اَتَهْتَدِیْ کیا وہ اپنے تخت کو شناخت کرنے کی راہ پالے گی (کسی طریقہ سے شناخت کر سکے گی)

تخت کے ذریعہ بلقیس کے امتحان کی حکمت

سلیمان علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا اس کے متعلق وہب بن منبہ اور کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ کا بیان ہے کہ شیاطین کو یہ اندیشہ تھا کہ سلیمانؑ بلقیس سے عقد نہ کر لیں اگر ایسا کر لیا تو جنات کے سارے راز وہ سلیمانؑ سے کہہ دے گی کیونکہ اس کی ماں پری تھی وہ جنات کی خفیہ باتوں سے واقف تھی پھر اگر کوئی اولاد ہو گئی تو سلیمان علیہ السلام کے بعد اس کے زیر حکم رہنا پڑے گا اور یہ نسل سلیمانی کی غلامی کبھی دور نہ ہو گی اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نفرت دلانے کے لئے شیاطین نے حضرت سلیمانؑ سے بلقیس کی مذمت کی اور کہا اس کی عقل میں کچھ کمزوری ہے اس کے دونوں قدم گدھے کے سم کی طرح ہیں اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اسی اطلاع کی بنیاد پر حضرت سلیمان نے تخت کی صورت بدل ڈالنے کا حکم دیا تا کہ بلقیس کی عقل کی جانچ ہو جائے اور پنڈلیاں دیکھنے کے لئے ایک شیشہ گھر بنانے کا حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ
پھر جب وہ آ پہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے

بلقیس کی دانائی

نہ کہا ہاں وہ ہی ہے اور نہ بالکل نفی کی، جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کر دی کہ تخت وہ ہی ہے مگر کچھ اوصاف میں فرق آ گیا۔ اور فرق چونکہ معتد بہ نہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے ملکہ نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے بعینہ یہ وہی ہے **اهکذا عرشک**۔ یہ اشتباہی لفظ بلقیس کی عقل کی آزمائش کے لئے کیا گیا مقاتل کا بیان ہے کہ بلقیس نے اپنا تخت پہچان تو لیا تھا لیکن اشتباہی الفاظ میں اس نے

Marfat.com

جواب اس لئے دیا کہ اس سے مشتبہ الفاظ میں ہی سوال کیا گیا تھا بعض نے کہا واقعی وہ پوری یقینی شناخت نہیں کر پائی تھی اس لئے نہ کھل کر اقرار کیا نہ انکار حضرت سلیمانؑ اس طرز کلام سے اس کی دانشمندی کو پہچان گئے۔ پھر اس سے کہا گیا واقعی یہ تخت آپ ہی کا ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ سات دروازوں میں مقفل ہونے اور چوکیداروں کی حفاظت کرنے سے یہ محفوظ نہ رہ سکا۔ اس پر بلقیس نے جواب دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾
اور ہم کو معلوم ہو چکا پہلے سے ، اور ہم ہو چکے حکم بردار

بلقیس کے یقین کا اظہار

یعنی اس معجزہ کی حاجت نہ تھی ہم کو پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ سلیمان محض بادشاہ نہیں۔ اللہ کے مقرب بندہ ہیں اور اسی لئے ہم نے فرمانبرداری اور تسلیم وانقیاد کا رستہ اختیار کر لیا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی دوسری نشانیوں سے ہم نے آپ کی نبوت کو جان لیا تھا ہدہد کا خط ڈالنا اور ہمارے تحفوں کو واپس کر دینا اور قاصدوں کے ذریعہ سے پیام بھیجنا بعض علماء نے کہا کہ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ حضرت سلیمانؑ اور آپ کے ساتھیوں کا کلام ہے یعنی ہم تو اللہ کی قدرت اور ہر حکم خدا کی صحت کو اس واقعہ سے پہلے ہی جانتے ہیں اور ہم اس کے بھیجے ہوئے دین پر قائم ہیں اور برابر اس کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہیں۔ اس وقت اس کلام کی غرض ہوگی محض اللہ کی نعمتوں کا ذکر اور ان کے شکر کا اظہار بعض اہلِ علم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم کو بلقیس کے ایمان لانے اور آنے سے پہلے اطاعتِ گزار ہو جانے کا علم ہو چکا تھا اور ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
اور روک دیا اُس کو اُن چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوائے
اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾
البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو شرک سے منع کیا

یعنی حق تعالیٰ نے یا سلیمان علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے ملکۂ بلقیس کو آفتاب وغیرہ کی پرستش سے روک دیا جس میں وہ بمعیت اپنی قوم کے مبتلا تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے تک جو علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کے خیال اور قوم کفار کی تقلید وصحبت نے اس کو ایسا کرنے سے روک رکھا تھا۔ نبی کی صحبت میں پہنچ کر وہ روک جاتی رہی، ورنہ سلیمان علیہ السلام کی صداقت کا اجمالی علم اس کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے کہا شیشہ کا صحن خانہ تیار کرنے کا حکم دیا جس کے نیچے پانی ہی پانی رکھا اور پانی میں مینڈکیاں اور طرح طرح کی مچھلیاں چھوڑ دیں پھر اس صحن کے شہ نشین میں اپنا تخت بچھوا دیا اور اس پر رونق افروز ہو گئے پرندے جنات اور انسان آپ کے اردگرد جمع ہو گئے بعض کا خیال ہے شیشہ کا ایک صحن تیار کرایا تھا جس کے نیچے مچھلیوں اور مینڈکیوں کی مورتیں رکھی تھیں دیکھنے والا اس کو پانی ہی سمجھتا تھا۔ غرض اس کے بعد بلقیس کو بلوایا۔ (تفسیر مظہری)

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ
کسی نے کہا اُس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اُس کو خیال کیا
لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا
کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں

بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کو سمجھ نہ سکی

یعنی پانی میں گھسنے کے لئے پائنچے چڑھا لئے جیسے عام قاعدہ ہے کہ پانی کی گہرائی پوری طرح پر معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پائنچے چڑھا لیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹایا تاکہ میں داخل ہو جاؤں۔ ابن ابی شیبہ ابن المنذر عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نقل کردہ ایک طویل بیان میں کہا ہے کہ بلقیس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان نے ایک قصر بنوایا جس کا صحن سفید آبگینہ کا رکھا اور اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا پانی کے نیچے آبی جانور بھی چھوڑ دیئے اور اپنے تخت کو اس صحن کے شہ نشین پر بچھوایا اور تخت پر تشریف فرما ہو گئے جب بلقیس آئی اور اس نے صحن کو دیکھا تو رکا ہوا پانی خیال کیا اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا دیا تاکہ پانی میں گھس کر سلیمان کے پاس پہنچ جائے سلیمان علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھا تو پنڈلیاں اور قدم بہت ہی خوبصورت دیکھائی دیئے البتہ پنڈلیوں پر

Marfat.com

بال تھے سلیمان علیہ السلام نے دیکھ کر نظر پھیر لی۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا

علماء نے اسی جگہ سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ اگر اجنبی عورت کو نکاح کا پیام دینا ہو تو اس کو دیکھ لینا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دے اور وہ حصہ بدن (چہرہ وغیرہ) دیکھنا ممکن ہو جس کو دیکھ کر نکاح کر سکے تو ایسا کر لے۔ رواہ ابو داؤد عن جابر وروی احمد والترمذی والنسائی و ابن ماجه والدارمی عن مغیرة بن شعبة ۔حضرت مغیرہ کا بیان ہے میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھجوایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا تو اس کو دیکھ لو تم دونوں کے آپس میں محبت پیدا کرنے کے لئے یہ بات مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ

کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو حقیقت بتلائی

حضرت سلیمان علیہ السلام دیوانخانہ میں بیٹھے تھے۔ اُس میں پتھروں کی جگہ شیشے کا فرش تھا۔ صاف شیشہ دور سے نظر آتا کہ پانی لہرا رہا ہے۔ اور ممکن ہے شیشہ کے نیچے واقعی پانی ہو یعنی حوض کو شیشہ سے پاٹ دیا ہو۔ اُس نے پانی میں گھسنے کے لئے پنڈلیاں کھولیں۔ سلیمانؑ نے پکارا کہ یہ شیشے کا فرش ہے پانی نہیں، اُس کو اپنی عقل کا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا۔ سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھے ہیں وہ ہی صحیح ہوگا۔ اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ جس ساز و سامان پر اُس کی قوم کو ناز تھا، یہاں اُس سے بڑھ کر سامان موجود ہے۔ گویا سلیمان علیہ السلام نے اُس کو متنبہ فرما دیا کہ آفتاب و ستاروں کی چمک پر مفتوں ہو کر انہیں خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسے آدمی شیشہ کی چمک دیکھ کر پانی گمان کر لے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ

بولی اے رب میں نے بُرا کیا ہے اپنی جان کا اور میں حکمبردار ہوئی

مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے جو رب ہے سارے جہان کا

بلقیس کے اسلام کا اعلان

یعنی اے پروردگار! میں تیری حکمبردار ہو کر سلیمان کا راستہ اختیار کرتی ہوں۔ اب تک میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا کہ شرک و کفر میں مبتلا رہی، اب اُس سے تائب ہو کر تیری بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس سے نکاح

ابنِ عساکر نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینے حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے لئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیئے تھے جس کی مثال و نظیر نہیں تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

علماء تفسیر و سیر میں یہ مشہور ہے کہ ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح فرما لیا۔ ملکہ سبا غیر شادی شدہ تھی ۔والمشهور انه عليه السلام تزوجها و اليه ذهب جماعة من اهل الاخبار تفسیر روح المعانی ص۱۸۹ ج۱۹۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس سے نکاح کر لیا تو آپ کو بلقیس سے بڑی محبت ہو گئی اور یمن کی سلطنت پر اس کو برقرار رکھا۔ اور حضرت سلیمان کے حکم سے جنات نے یمن میں تین قلعے اتنے اونچے بنائے کہ ایسے اونچے اور خوبصورت قلعے کسی نے نہ دیکھے ہوں گے ان کے نام تھے سلحون سنون اور عمدان جب حضرت سلیمان نے بلقیس کو ان کے ملک میں واپس کر دیا تو ہر مہینے ملاقات کے لئے ایک بار جایا کرتے تھے اور تین روز وہاں قیام پذیر رہتے تھے صبح کو شام سے یمن کو چل دیتے تھے اور پھر صبح کو ہی یمن سے شام کو روانہ ہو جاتے تھے بلقیس کے بطن سے حضرت سلیمان کا ایک لڑکا بھی ہوا۔

کہا گیا ہے کہ ۱۳ سال کی عمر میں حضرت سلیمان کو حکومت ملی تھی اور ۵۳ سال کی عمر پا کر آپ کی وفات ہوئی سبحان الله من لازوال لملكه پاک ہے وہ خدا جس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں۔

لاملک سلیمان ولابلقیس لاادم فی الکون ولا ابلیس
والکل فصورة وانت المعنی یا من هو للقلوب مقناطیس

نہ سلیمان کی حکومت (کوئی حقیقت رکھتی) ہے نہ بلقیس نہ آدم

Marfat.com

اس کائنات میں وجود (حقیقی) رکھتے ہیں نہ ابلیس اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والی مقناطیس ہے تو ہی حقیقت ہے اور کل جہان صورت۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی ایک بدگمانی

آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بلقیس صحن پر پہنچی اور اس کو کنڈ سمجھی تو خیال کیا کہ سلیمان مجھے غرق کرنا چاہتے ہیں اس سے تو قتل ہونا آسان ہے پھر جب حقیقت ظاہر ہوگئی تو کہنے لگی میں نے سلیمان پر بدگمانی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں نے توبہ کی اور اسلام لے آئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی
فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾
پھر وہ تو دو فرقے ہو کر لگے جھگڑنے

قوم ثمود میں گروہ بندی

یعنی ایک ایمان والے اور ایک منکر، جیسے مکہ کے لوگ پیغمبر کے آنے سے جھگڑنے لگے۔ قوم ثمود کے جھگڑنے کی قدرے تفصیل سورۂ اعراف کی ان آیات میں گزر چکی۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ الخ

(اعراف۔ رکوع ۱۰) (تفسیر عثمانی)

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ
کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی کو پہلے بھلائی سے
لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾
کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے شاید تم پر رحم ہو جائے

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم

حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو بہت سمجھایا ہر طرح فہمائش کی اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی۔ جس پر وہ کہنے لگے يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اعراف۔ رکوع ۱۰) یعنی سچا ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آ، دیر کس بات کی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ کم بختو! ایمان و توبہ اور بھلائی کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا و آخرت میں کام آئے۔ اُلٹے بُرائی طلب کرنے میں جلدی مچا رہے ہو۔ بُرا وقت آ پڑے گا تو ساری طمطراق ختم ہو جائے گی۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ
بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو

قوم کا حضرت صالح علیہ السلام پر الزام

یعنی جب سے تیرا منحوس قدم آیا ہے اور یہ باتیں شروع کی ہیں ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے

یعنی یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں۔ تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾
کچھ نہیں تم لوگ جانچے جاتے ہو

یعنی کفر کی شامت سے تم پر سختی پڑی ہے کہ دیکھیں سمجھتے ہو یا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ فِى الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ
اور تھے اُس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے
فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾
ملک میں اور اصلاح نہ کرتے

قوم ثمود کے نو سردار

یہ نو شخص شاید نو جماعتوں کے سردار ہوں گے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اصلاح و درستی کی طرف اُن کا قدم کبھی نہ اُٹھتا تھا مکہ میں بھی کافروں کے نو سردار تھے جو ہمہ وقت اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر کی دشمنی میں ساعی رہتے تھے بعض

Marfat.com

مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں۔(تفسیر عثمانی)

تِسعَۃُ رَھْطٍ لفظ رھط جماعت کے معنے میں آتا ہے۔ یہاں نو اشخاص میں سے ہر شخص کو رھط کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت اور جاہ و حشم کے سبب قوم کے بڑے مانے جاتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ الگ الگ جماعتیں تھیں، اس لئے ان نو آدمیوں کو نو جماعتیں فرمایا۔ یہ لوگ قوم صالح علیہ السلام کی بستی یعنی حجر کے بڑے مانے جاتے تھے۔ حجر ملک شام میں معروف مقام ہے(معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ

بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو جا پڑیں ہم اس پر اور اسکے گھر پر پھر کہہ دیں گے

لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اس کے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں

حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کا پروگرام

یعنی آپس میں معاہدے اور حلف ہوئے کہ سب مل کر رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دینا ہمیں خبر نہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ اُس گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ گویا ہم خود تو ایسی حرکت کیا کرتے اُس وقت موقع پر موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح کی متفقہ سازش اور دروغ گوئی سے ہم میں ایک بھی ملزم نہ ٹھہر سکے گا جس سے اُن کے حمایتی خون بہا وصول کریں۔(تفسیر عثمانی)

مطلب یہ تھا کہ ہم سب مل کر رات کے اندھیرے میں ان پر اور ان کے متعلقین پر چھاپہ ماریں، سب کو ہلاک کر دیں، پھر ان کے خون کا دعویدار وارث تحقیق تفتیش کے لئے کھڑا ہوگا تو ہم یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے تو فلاں آدمی کو نہ مارا، نہ مارتے کسی کو دیکھا، اور ہم اپنے اس قول میں اس لئے سچے ہوں گے کہ رات کے اندھیرے میں یہ تعیین کہ کس نے کس کو مارا ہمیں معلوم نہیں ہوگی۔

جھوٹ کی برائی

اس میں ایک بات یہ قابلِ نظر ہے کہ یہ کفار اور ان میں سے بھی چیدہ بدمعاش جو فساد میں معروف تھے یہ سارے کام شرک کفر اور قتل و غارت گری کے کر رہے ہیں اور کوئی فکر نہیں، مگر ان کو بھی یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہم جھوٹ نہ بولیں یا جھوٹے قرار نہ دیئے جائیں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ جھوٹ کیسا بڑا گناہ ہے کہ سارے بڑے بڑے جرائم کے مرتکب بھی اپنی شرافتِ نفس اور عزت کی حفاظت کے لئے جھوٹ بولنے پر اقدام نہ کرتے تھے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ قابلِ غور ہے کہ جس شخص کو ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا ولی قرار دیا ہے وہ تو انہی اہلِ صالح میں شامل تھا اس کو قتل کے ارادہ سے کیوں چھوڑ دیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ ولی خاندانی اعتبار سے ولی ہو مگر کافر ہو کافروں کے ساتھ ملا ہوا ہو صالح علیہ السلام اور ان کے متعلقین کے قتل کے بعد وہ ان کے خون کا دعویٰ اپنے نسبی تعلق کی بناء پر کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو مگر کوئی بڑا آدمی ہو جس کے قتل کرنے سے اپنی قوم میں اختلاف و انتشار کا خطرہ ہو اس لئے اس کو چھوڑ دیا، واللہ اعلم۔(معارف مفتی اعظم)

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب اور ان کو خبر نہ ہوئی ☆

ان کا مکر تو وہ جھوٹی سازش تھی اور خدا کا مکر تھا ان کو ڈھیل دینا کہ خوب دل کھول کر اپنی شرارتوں کی تکمیل کر لیں۔ تا مستحق عذاب عظیم ہونے میں کوئی حجت و عذر باقی نہ رہے وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم حضرت صالحؑ کا قصہ ختم کر رہے ہیں یہ خبر نہ تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے اور ان ہی کا قصہ ختم ہو رہا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ان کی ہلاکت کے اسباب پورے ہونے تھے شرارت جب تک حد کو نہ پہنچے ہلاکت نہیں آتی۔(تفسیر عثمانی)

ان کا فساد اور ہلاکت

یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح کا فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلاضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اُٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذابِ خدا تعالیٰ ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ

Marfat.com

مرگئے۔ ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح والی اونٹنی کو قتل کیا، اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہؑ کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کیے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اس کے بال بچوں کو ہلاک کر دو اور اس کے ولی وارثوں اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر! اگر صالح نبی ہے تو وہ ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو۔ اس ارادے سے چلے راہ میں ہی تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے۔ ان کے مشوروں میں اور جو جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہوا اور واپس نہیں لوٹے تو یہ خبر لینے چلے۔ دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے چڑھے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگی دیکھو اس نے تم سے کہا ہے کہ تین دن میں عذاب خدا تعالیٰ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گزر جانے دو اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے خدا تعالیٰ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ فی الواقع ان سے حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے خدا تعالیٰ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم تین دن تک تو مزے اُڑا لو پھر خدا تعالیٰ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔

یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی زبانی یہ سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح ٹھہر گئی کہ منہ بالکل بند ہو گیا سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں یہ عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے۔ نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اور باایمان لوگوں میں سے کسی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں خدا تعالیٰ کے عذابوں میں کھو دیں۔ انہوں نے مکر کیا ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہو سکا انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے یہ ہیں ان کی بستیاں جو اوجڑ پڑی ہیں ان کے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بار رونق شہر تباہ کر دیئے گئے۔ ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں ہم نے ایماندار متقیوں کو بال بال بچا لیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَكَرُوْا مَكْرًا یعنی انہوں نے غداری کی کہ شب خوں مار کر صالح کو قتل کر ڈالنے کا باہم مشورہ طے کر لیا۔ وَمَكَرْنَا مَكْرًا یعنی ہم نے بھی ان کو ہلاک کرنے کا سبب اسی بات کو بنا دیا۔ كَيْفَ كَانَ میں استفہام تعجبی ہے تعجب کے ساتھ ان کے انجام پر نظر کرو اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان نو آدمیوں کو ہلاک کس طرح کیا گیا اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ نے فرشتوں کو صالح علیہ السلام کے مکان کی حفاظت کے لئے بھیج دیا جب ان نو آدمیوں نے تلواریں سونت کر صالح کے گھر پر چڑھائی کی تو فرشتوں نے ان پر پتھر برسائے پتھر تو ان کو دکھتے تھے اور پتھر مارنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا آخر سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ
پھر دیکھ لے کیسا ہوا انجام اُن کے فریب کا کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے اُن کو
وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾
اور اُن کی قوم کو سب کو

آخر کار اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی

اُن نو اشخاص نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تین دن سے زیادہ مہلت نہیں عذاب آ کر رہے گا تب آپس میں ٹھہرایا کہ ہم تو خیر تین دن کے بعد ہلاک کئے جائیں گے ان کا تین دن سے پہلے ہی کام تمام کر دو۔ چنانچہ شب کے وقت حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر چھاپہ مارنے اور اُن کو مع اہل و عیال کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ نو آدمی اس ناپاک مقصد کے لئے تیار ہو کر نکلے باقی کفار اُن کے تابع یا معین تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ لگا دیا۔ آخر وہ عذاب سماوی سے تباہ ہوئے اور اپنے ساتھ قوم کو بھی تباہ کرایا۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا
سو یہ پڑے ہیں اُن کے گھر ڈھیے ہوئے بسبب اُن کے انکار کے

قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈر

مکہ والے شام کا سفر کرتے تو راستہ پر وادی القریٰ میں ثمود کی بستیوں کے کھنڈر دیکھتے تھے فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً الخ میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔(تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾
البتہ اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں

یعنی جاننے والوں کو چاہیے کہ ان واقعات ہائلہ سے عبرت حاصل کریں۔(تفسیر عثمانی)

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾
اور بچا دیا ہم نے اُن کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہے تھے

ایمان والے کامیاب ہوئے

یعنی حضرت صالح علیہ السلام کے رفقاء جو ایمان لائے اور کفر و عصیان سے بچتے تھے ہم نے اُن کو عذاب کی لپیٹ سے بچا دیا۔ خدا کی قدرت دیکھو! مومن و کافر رلے ملے ایک بستی میں رہیں مگر عذاب آتا ہے تو چُن چُن کر کافروں کو ہلاک کرتا ہے مومن کو نہیں چھوتا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾
اور لوط کو جب کہا اُس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو

حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت

یعنی دیکھتے ہو کیسا بُرا اور گندہ کام ہے۔(تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ دیدہ دانستہ تم انتہائی بے حیائی کا کام کرتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ بے حیائی کا کام تم ایک دوسرے کی نظروں کے سامنے (بلا جھجک) کرتے ہو ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ لوگوں کی موجودگی میں سب کے سامنے ایسے بُرے کام کرتے تھے۔

یا مطلب ہے کہ گزشتہ نافرمان قوموں کے نشانات و آثار تباہی تمہاری نظروں کے سامنے ہیں پھر بھی یہ حرکت کرتے ہو۔(تفسیر مظہری)

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ
کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتوں کو چھوڑ کر
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾
کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو

یعنی تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے پَرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہو۔(تفسیر عثمانی)

کیا تم شہوت کے ساتھ مردوں پر چڑھتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر (اس کی وجہ کوئی نہیں) بلکہ (اس معاملہ میں تم بالکل جاہل لوگ ہو) محض جہالت کرتے ہو۔

یہ قومِ لوط کی بدکاری کا بیان ہے کہ شہوت رانی کے لئے مردوں پر آتے ہیں عورتوں کو چھوڑ کر حالانکہ عورتیں اس کام کے لئے پیدا کی گئی ہیں آیت میں اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ جماع کا اصل مقصد ہے طلب نسل محض تقاضاء شہوت پورا کرنا مقصود نہیں ہے (کہ جہاں چاہا بے محل اس عمل کو کر لیا)

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ "یعنی یہ حرکت اس شخص کی طرح کرتے ہو جو اس کی برائی سے ناواقف ہو یا سبک سر بے وقوف ہو جو اچھے برے کا امتیاز نہ رکھتا ہو۔ یا تم اس کے انجام سے ناواقف لوگ ہو۔

یہ آیات دلالت کر رہی ہیں کہ اشیاء کا حسن قبح (محض شرعی نہیں ہے بلکہ) واقعی اور نفس الامری چیز ہے اگرچہ بعض چیزوں کے اچھے بُرے ہونے کا علم شریعت پر موقوف ہے۔(تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ
پھر اور کچھ جواب نہ تھا اُن کی قوم کا مگر یہی کہ کہتے تھے نکال دو لوط کے گھر کو
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾
اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے

قوم والوں کا جواب

یعنی اپنے کو بڑا پاک وصاف بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ہم ناپاکوں میں اُن کا کیا کام ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ
پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو

Marfat.com

یعنی اُنہیں تباہ کر کے اِنہیں بچالیا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا ۙ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾
مگر اُس کی عورت، مقرر کر دیا تھا ہم نے اس کو رہ جانے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو اُن بدمعاشوں کی اعانت کرتی تھی وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ڈھیر ہوگئی۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾
اور برسا دیا ہم نے اُن پر برساؤ پھر کیا بُرا برساؤ تھا اُن ڈرائے ہوؤں کا

پتھروں کی بارش

یعنی آسمان سے پتھر برسائے اور شہر کا تختہ الٹ دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ مذکورہ بالا تین قصوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا۔ ہم لائیں گے لشکر جس کا سامنا نہ کرسکیں گے، وہ ہی بات ہوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور مکہ والوں میں۔ اور حضرت صالح علیہ السلام پر نو شخص متفق ہوئے کہ رات کو جا پڑیں۔ اللہ نے اُن کو بچایا اور ان کو غارت کیا۔ مکہ کے لوگ بھی یہ ہی چاہ چکے لیکن نہ بن پڑا جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، کتنے کافر حضرت کا گھر گھیر بیٹھے تھے کہ صبح کو اندھیرے میں نکلیں تو سب مل کر مار لیں (کسی ایک کو خون بہا نہ دینا پڑے) حضرت صاف بچ کر نکل گئے۔ اُن کو نہ سوجھا۔ اور قوم لوط نے چاہا کہ پیغمبر کو شہر سے نکال دیں، یہ ہی مکہ والے بھی چاہ چکے۔ اللہ نے آپ سے نکلنا بتایا کہ خود اپنے اختیار سے شہر چھوڑ کر نکل جاؤ۔ اور اُسی میں کام نکالا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ
تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اُس کے بندوں پر جن کو اُس نے پسند کیا

قصص سے فارغ ہو کر آگے آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ سے توحید کا بیان فرمانا ہے۔ یہ الفاظ بطور خطبہ کے تعلیم فرمائے جو بیان شروع کرنے سے قبل ہونا چاہئیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اللہ کی تعریف اور پیغمبر پر سلام بھیج کر اگلی بات شروع کرنی لوگوں کو سکھلا دی۔ (موضح) اور بعض مفسرین کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے جو کمالات و احسانات اوپر بضمن قصص مذکور ہوئے ہیں اُن پر پیغمبر کو حکم ہوا کہ اللہ کی حمد و ثنا کریں اور شکر بجالائیں اور اس کے مقبول بندوں پر جن میں سے بعضوں کا اوپر نام لیا گیا ہے سلام بھیجیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے پسندیدہ بندے

اس آیت میں الَّذِيْنَ اصْطَفٰى کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ سفیان ثوری نے اسی کو اختیار کیا ہے (**اخرجه عبد بن حميد والبزار وابن جرير وغيرهم**)

اگر آیت میں الَّذِيْنَ اصْطَفٰى سے مراد صحابہ کرام لئے جائیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے تو اس آیت سے غیر انبیاء پر سلام بھیجنے کے لئے انہیں علیہ السلام کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق سورۂ احزاب میں آیت **صلوا عليه وسلموا** کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ: اس آیت سے خطبہ کے آداب بھی ثابت ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود و سلام سے شروع ہونا چاہئیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام مسنون و مستحب ہے (کذا فی الروح) (معارف مفتی اعظم)

بروایت امام مالک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے کلبی نے کہا ساری امتِ محمدیہ مراد ہے کیونکہ اللہ نے ساری امت کیلئے فرمایا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ بعض نے کہا گزشتہ اور آئندہ سب مومن مراد ہیں یا یہ مطلب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دعا سلامتی کرو کیونکہ انبیاءؑ اور ان کی امتوں کو جن آفتوں سے اللہ نے بچایا اور عزت و کرامت عطا فرمائی وہ سب کچھ نور محمدی کی برکت سے ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (آغاز) آفرینش کے لحاظ سے سب سے پہلا ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب کے بعد۔ **رواه ابو سعد عن قتادة مرسلاً**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (اس وقت) نبی تھا جب کہ آدم روح و جسم کے درمیان تھے (یعنی حضرت آدم

Marfat.com

علیہ السلام کے بدن میں روح بھی نہیں پڑی تھی) رواہ ابن سعد بسند صحیح عن میسرۃ بن سعد عن ابی الجد عاء ورواہ الطبرانی عن ابن عباس . (تفسیر مظہری)

ءَاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ
بھلا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں

وعظِ توحید

یہاں سے توحید کا وعظ شروع کیا گیا ہے یعنی قصص مذکورہ بالا سن کر اور دلائل تکوینیہ وتنزیلیہ میں غور کر کے تم ہی بتلاؤ کہ ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ماننا بہتر اور نافع اور معقول ہے یا اس کی خدائی میں اُس کی عاجز ترین مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ یہ مسئلہ اب کچھ ایسا مشکل تو نہیں رہا جس کا فیصلہ کرنے میں کچھ وقت ہو یا دیر لگے تاہم مزید تذکیر وتنبیہ کی غرض سے آگے اللہ تعالیٰ کی بعض شئون وصفات بیان کی جاتی ہیں جو توحید پر دال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکوں کی حماقت

اس آیت میں درحقیقت مشرکوں کی حماقت اور سبک سری کا اظہار ہے جب انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے قصے بیان کر دیئے جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کو اپنے نیک بندوں کی عزت افزائی اور دشمنوں کو ذلیل کرنے کی قدرت کاملہ حاصل ہے اور کوئی اس کی قدرت سے سرتابی نہیں کر سکتا تو اب فرمایا کہ ایسا رب قادر عبادت کے قابل اور مرکزِ خوف ورجا ہونے کا مستحق ہے یا وہ عاجز بے بس بت وغیرہ جو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ نہ ضرر پہنچانے کی طاقت بلکہ ان کا ضرر نفع سے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ
بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتار دیا تمہارے
مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ
لئے آسمان سے پانی پھر اُگائے ہم نے اُس سے باغ رونق والے
مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ
تمہارا کام نہ تھا کہ اُگاتے اُن کے درخت

اللہ کی خالقیت مشرک بھی مانتے ہیں

سرے سے درختوں کا اُگانا تمہارے اختیار میں نہیں۔ چہ جائے کہ اُس کا پھول پھل لانا اور بارآور کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی روزی رسانی کو مشرکین بھی مانتے تھے جیسے دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ الخ یعنی اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو کس نے زندہ کر دیا؟ تو بھی ان کا یہی جواب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ الغرض یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خالقِ کل صرف اللہ ہی ہے لیکن ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ عبادت کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اَوروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں باوجودیکہ جانتے ہیں کہ وہ نہ پیدا کرنے والے ہیں نہ روزی دینے والے۔ اور اس بات کا فیصلہ تو آسانی سے ہر عقلمند کر سکتا ہے کہ لائق عبادت وہی ہے جو خالق مالک اور رازق ہے۔ اسی لئے یہاں اس آیت میں بھی سوال کیا کہ کیا معبود برحق کے ساتھ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے کیا خدا کے ساتھ مخلوق کو پیدا کرنے میں مخلوق کی روزی رسانی میں کوئی اور بھی شریک ہے؟ چونکہ وہ مشرک خالق رازق صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور عبادت اَوروں کی بھی کرتے تھے اس لئے اور آیت میں فرمایا اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ الخ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہیں پھر تم خالق مخلوق کو کیسے ایک کر رہے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ ﴿۶۰﴾
اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مُڑتے ہیں

جو خالق ہے وہی معبود ہے

یعنی تمام دنیا جانتی ہے اور خود یہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا، بارش برسانا درخت اگانا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں اُن کا اقرار واعتراف مذکور ہے پھر یہاں تک پہنچ کر راستہ سے کیوں کترا جاتے ہیں۔ جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق وتدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے، تو اُس کی الوہیت ومعبودیت میں وہ کس طرح شریک ہو جائے گی۔ عبادۃ انتہائی تذلل کا نام ہے سو وہ اُسی کی ہونی چاہیے جو انتہائی درجہ

Marfat.com

میں کامل اور باختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اوتار

ہندوستان کے مشرک یعنی ہندو اوتاروں کے قائل ہیں اوتار اس کو کہتے ہیں کہ جس میں خدا حلول کر جائے جیسے رام اور کنہیا کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ اوتار تھے۔ اہل اسلام اس سے بری اور بیزار ہیں مسلمانوں کے نزدیک خدا اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول کرے یا کسی چیز کا جز ہو جائے۔ سبحانه و تعالیٰ عما یصفون۔ (معارف کاندھلوی)

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا
بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق

زمین کا فرش کس نے بنایا

یعنی آدمی اور جانوروں کی قیام گاہ ہے۔ آرام سے اُس پر زندگی بسر کرتے اور اُس کے محاصل سے منتفع ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ
اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ

نہریں اور پہاڑ کس نے بنائے

یعنی پہاڑ رکھ دیئے تا کہ ٹھہری رہے، کپکپائے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ
اور رکھا دو دریاؤں میں پردہ

دریاؤں کا نظام کس نے بنایا

اس کی تحقیق قریب ہی سورۂ فرقان میں گزر چکی۔ آیت وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ ﴿۶۱﴾
اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں بہتوں کو اُن میں سمجھ نہیں

اللہ ہی نے یہ سب کچھ بنایا ہے

یعنی کوئی اور باختیار ہستی ہے جس سے یہ کام بن پڑیں اور اس بناء پر وہ معبود بننے کے لائق ہو۔ جب نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ مشرکین محض جہالت اور ناسمجھی سے شرک و مخلوق پرستی کے غار عمیق میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ
بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اُس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی

مظلوم کی فریاد کون سنتا ہے

یعنی جب اللہ چاہے اور مناسب جانے تو بے کس اور بیقرار کی فریاد سن کر سختی کو دور کر دیتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (انعام۔ رکوع ۴) گویا اسی نے دعاء کو بھی اسباب عادیہ میں سے ایک سبب بنایا ہے۔ جس پر مسبب کا ترتب بمشیت الٰہی استجماع شروط اور ارتفاع موانع کے بعد ہوتا ہے اور علامہ طیبی وغیرہ نے کہا کہ آیۃ میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر ہو کر اُسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو، پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن و اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔ (تفسیر عثمانی)

یا کون ہے ایسا کہ جب کوئی بے قرار اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں۔ اضطرار (باب افتعال) ضَرٌّ سے بنا ہے مضطر یعنی وہ شخص جو ایسے دکھ میں مبتلا ہو گیا ہو جس سے مجبور ہو کر بے قراری کے ساتھ وہ اللہ کی طرف رخ کرتا اور اس سے پناہ کا خواستگار ہوتا ہو۔ المضطر میں الف لام جنسی ہے استغراق کے لئے نہیں ہے اس لئے ہر دعا کرنے والے کی ہر دعا قبول کرنا ضروری نہیں۔ اِذَا دَعَاهُ یعنی اللہ اگر چاہتا ہے تو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مضطر کون ہے؟

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔

الْمُضْطَرَّ۔ اضطرار سے مشتق ہے کسی ضرورت سے مجبور و بے قرار ہونے کو اضطرار کہا جاتا ہے اور وہ جبھی ہوتا ہے جب اس کا کوئی یار و مدد گار اور سہارا نہ ہو، اس لئے مضطر وہ شخص ہے جو سب دنیا کے سہاروں سے مایوس ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو فریادرس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو۔ مضطر کی یہ تفسیر سُدی۔ ذوالنون مصری، سہل بن عبداللہ وغیرہ سے منقول ہے (قرطبی)

Marfat.com

بے کس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دُعاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے ان الفاظ سے دعا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْافَلاَ تَکِلْنِیْ اِلَیَّ نَفْسِی طَرْفَةَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّهٗ لَآاِلٰه اِلَّا اَنْتَ (ترجمہ) یااللہ میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں اس لئے مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی میرے اپنے نفس کے حوالہ نہ کیجئے۔ اور آپ ہی میرے سب کاموں کو درست کردیجئے آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (قرطبی)

مضطر کی دُعا اخلاص کی بِناء پر ضرور قبول ہوتی ہے

امام قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا ذمہ لے لیا ہے اور اس آیت میں اس کا اعلان بھی فرمادیا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دُنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور علائق سے منقطع ہوکر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایۂ اخلاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندہ سے پایا جائے وہ مومن ہو یا کافر، اور متقی ہو یا فاسق فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اس کی طرف رحمتِ حق متوجہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے کفار کا حال ذکر فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ دریا میں ہوتے ہیں اور کشتی سب طرف سے موجوں کی لپیٹ میں آ جاتی ہے اور یہ گویا آنکھوں کے سامنے اپنی موت کو کھڑا دیکھ لیتے ہیں اس وقت یہ لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے آپ نجات دے دیں تو ہم شکرگزار ہوں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی دُعا قبول کر کے خشکی پر لے آتے ہیں تو یہ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تین دُعائیں

ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دُعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، ایک مظلوم کی دُعا، دوسرے مسافر کی دُعا، تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بددُعا کرے۔ قرطبی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دُعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعائے مضطر میں اوپر لکھی گئی ہے کہ جب کوئی مظلوم دُنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے اسی طرح مسافر حالتِ سفر میں اپنے خویش وعزیز اور ہمدردوں غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بنا پر کبھی بددعا نہیں کرسکتا بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے۔ امام حدیث آجری نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو کبھی رَد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو۔ (قرطبی)

دُعاء قبول نہ ہو تو مایوس نہ ہو

اگر کسی مضطر یا مظلوم یا مسافر وغیرہ کو کبھی یہ محسوس ہو کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تو بدگمان اور مایوس نہ ہو بعض اوقات دعا قبول تو ہو جاتی ہے مگر کسی حکمت و مصلحت ربانی سے اس کا ظہور دیر میں ہوتا ہے۔ یا پھر وہ اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اس کے اخلاص اور توجہ الی اللہ میں کمی کوتاہی رہی ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک بے کس ومجبور کا عجیب واقعہ

ایک بہت ہی عجیب واقعہ حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زبدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے خچر کرایہ پر لیا، میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا، ایک جگہ جہاں دو راستے تھے پہنچے تو اس نے کہا اس راہ چلو میں نے کہا میں اس سے واقف نہیں ہوں سیدھی راہ یہی ہے اس نے کہا نہیں میں پوری طرح واقف ہوں یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے میں اس کے کہنے سے اسی راہ چلا تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق ودق بیابان میں ہم آ گئے ہیں جہاں کوئی راستہ نظر نہیں آتا نہایت خطرناک جنگل اور بن ہے اور ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں میں سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا ذرا لگام تھام لو مجھے یہاں اترنا ہے میں نے لگام تھام لی وہ اُترا اور اپنا تہمد اُونچا کر کے کپڑے ٹھیک کر کے چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا، میں وہاں سے سرپٹ بھاگا لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔ میں اسے قسمیں دینے لگا لیکن اس نے خیال بھی نہ کیا۔ میں نے کہا اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ چھوڑنا چاہتا ہی نہیں۔ میں نے اُسے خدا کا خوف دلایا آخرت کے عذابوں کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ

Marfat.com

میرے قتل پر تُلا رہا۔اب میں مایوس ہوگیا اور مرنے کے لئے تیار ہوگیا اور اس سے بہ منت التجا کی کہ آپ مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دیجئے، اس نے کہا اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن خدا کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا، اسی وقت اتفاق سے یہ آیت میری زبان پر آ گئی اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ یعنی خدا ہی ہے جو بے قرار کی بے قراری کے وقت کی دعا کو سُنتا اور قبول فرماتا ہے اور بے بسی بے کسی کو سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے پس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھوڑے سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے اس ڈاکو کے پیٹ میں اُس نے اپنا نیزہ گھُسیڑ دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہوگیا، وہ اسی وقت بے جان ہوکر گر پڑا۔ سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور بالحاح کہنے لگا خدا کے لئے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں بے کسوں اور بے بسوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے میں نے خدا کا شکر کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح سالم واپس لَوٹا، رحمہ اللہ۔

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایک جنگ میں کافروں سے شکست کھائی اور واپس لَوٹے۔ ان میں ایک مسلمان جو بڑے سخی اور نیک بھی تھے، ان کا گھوڑا جو بہت تیز رفتار تھا راستہ میں اُڑ گیا۔ اس ولی اللہ نے بہت کوشش کی لیکن جانور نے قدم ہی نہ اُٹھایا آخر عاجز آ کر اس نے کہا کیا بات ہے تو اُڑ گیا۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے تو میں نے تیری خدمت کی تھی اور تجھے پیار سے پالا تھا۔ گھوڑے کو خدا تعالیٰ نے زبان دی، اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ آپ میرا گھاس دانہ سائیس کو سونپ دیتے تھے وہ اس میں سے چرا لیتا تھا مجھے بہت کم کھانے کو دیتا تھا اور مجھ پر ظلم کرتا تھا۔ خدا کے اس نیک بندے نے کہا اب تو چل میں خدا کو بیچ میں رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے تجھے میں ہمیشہ اپنی گود میں ہی کھلایا کروں گا۔ جانور یہ سنتے ہی تیزی سے لپکا اور انہیں جائے امن تک پہنچا دیا۔ حسب وعدہ اب سے یہ بزرگ اپنے اس جانور کو اپنی گود ہی میں کھلایا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، انہوں نے کسی سے واقعہ کہہ دیا جس کی عام شہرت ہوگئی اور لوگ اس واقعہ کو سننے کے لئے اُن کے پاس دُور دُور سے آنے لگے۔ شاہِ رُوم کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے چاہا کہ کسی طرح انہیں اپنے شہر میں بُلا لے بہت کوششیں کیں لیکن بے سود رہیں آخر میں اس نے ایک شخص کو بھیجا کہ کسی طرح حیلے حوالے سے انہیں بادشاہ تک پہنچائے۔ یہ شخص پہلے مسلمان تھا پھر مُرتد ہوگیا تھا۔ یہ بادشاہ کے پاس سے چلا یہاں آ کر ان سے ملا اپنا اسلام ظاہر کیا توبہ کی اور نہایت نیک بن کر رہنے لگا، یہاں تک کہ اس ولی اللہ کو اس پر پورا اعتماد ہوگیا اور اسے صالح اور دیندار سمجھ کر انہوں نے دوستی پیدا کر لی اور ساتھ ساتھ پھرنے لگے۔ اس نے اپنا پورا رسوخ جما کر اپنی ظاہری دینداری کے فریب میں انہیں پھنسا کر ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ فلاں وقت دریا کے کنارے ایک مضبوط جری شخص کو بھیجو میں انہیں لے کر وہاں آ جاؤں گا اور اس شخص کی مدد سے انہیں گرفتار کر لوں گا۔ یہاں سے اُنہیں جُل دے کر لے چلا اور اسی جگہ پہنچایا۔ دفعۃً یہ شخص نمودار ہوا اور اس بزرگ پر حملہ کیا، ادھر سے اس مرتد نے حملہ کیا اس نیک دل شخص نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھائیں اور دعا کی کہ خدایا اس شخص نے تیرے نام سے مجھے دھوکا دیا ہے میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو جس طرح چاہے مجھے ان دونوں سے بچا لے۔ وہیں جنگل سے دو درندے بھاگتے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور ان دونوں شخصوں کو انہوں نے دبوچ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے چل دیئے اور یہ بندہ خدا با امن و امان وہاں سے صحیح وسالم واپس تشریف لے آئے، رحمہ اللہ (تفسیر ابن کثیر)

وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ

اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر

قوموں کو زمین کی وراثت کون دیتا ہے؟

یعنی ایک قوم یا نسل کو اُٹھا لیتا اور اُس کی جگہ دوسری کو آباد کرتا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ اور تم کو زمین کے وارث بناتا ہے یعنی اسلاف کے جانشین اخلاف ہوتے ہیں زمین کے وارث بنانے کا مطلب ہے زمین پر رہنے زمین میں تصرف کرنے یا زمین پر تسلط جمانے کا اختیار دینا۔ بعض اہلِ علم نے کہا انسانوں کو اللہ نے زمین

Marfat.com

پر جنات کا جانشین کر دیا۔ میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ نے زمین پر تم میں سے کچھ آدمیوں کو اپنا نائب بنایا یہی مضمون آیت اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خلیفة کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾
اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو

غور کرو تو حقیقت نظر آئے؟

یعنی پوری طرح دھیان کرتے تو دور جانے کی ضرورت نہ پڑتی انہی اپنی حوائج وضروریات اور قوموں کے ادل بدل کو دیکھ کر سمجھ سکتے تھے کہ جس کے ہاتھ میں ان امور کی باگ ہے تنہا اسی کی عبادت کرنی چاہئیے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے

جنگل ودریاء میں کون راہنمائی کرتا ہے

یعنی خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ بلاواسطہ یا بواسطہ قطب نما وغیرہ آلات کے۔ (تفسیر عثمانی)

بھلا بتاؤ کہ یہ بت بہترین یا وہ ذات بہتر ہے جو تم کو بیابانوں میں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے یعنی اس نے تمہاری رہنمائی کے لئے ستارے پیدا کئے تا کہ اندھیروں میں ان کے ذریعہ راستہ معلوم کرسکو کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور ان ستاروں کا پیدا کرنے والا سوائے خدا کے کون ہے۔

معنوی ستارے

یہ تو ظاہری ستارے ہیں اور معنوی ستارے صحابہ کرام ہیں جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم میرے تمام صحابہ نجوم ہدایت ہیں تم جس کی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے۔

غم مخور زآنرا کہ غمخوارت منم وزہمہ برہا نگہدارت منم
ازتو گر اغیار بردارند روئ ایں جہان وآں جہاں یارت منم

(معارف کاندھلوی)

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ
اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اُس کی رحمت سے پہلے

ہوا و بارش کون بھیجتا ہے

یعنی بارانِ رحمت سے پہلے ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾
اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں

یہ سب کچھ جھوٹے معبودوں کے بس کا نہیں ہے

یعنی کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز وناقص مخلوق جسے اُس کی خدائی کا شریک بتلایا جارہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا

کس نے ابتداءً پیدا کیا اور کون دوبارہ زندہ کرے گا

ابتداء پیدا کرنا تو سب کو مسلم ہے کہ اللہ کا کام ہے۔ موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو بھی اس سے سمجھ لو۔ منکرین بعث بعد الموت بھی اتنا سمجھتے تھے کہ اگر بالفرض دوبارہ پیدا کئے گئے تو یہ کام اُسی کا ہوگا جس نے اول پیدا کیا تھا۔ (تفسیر عثمانی) (پہلی تخلیق تو مسلمہ تھی لیکن) قیامت کے دن دوبارہ پیدا ہونے کے کفار منکر تھے پر عقلاً اعادہ تخلیق ناممکن نہیں۔ اور نقلی دلائل سے وجوب اعادہ ثابت ہے نقلی دلائل کے واجب الیقین ہونے پر معجزات کی تائید کافی ہے اس لئے دوبارہ تخلیق بھی ناقابل شک ہے اور یہ یقینی ہے کہ اللہ ہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ
اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے

آسمان وزمین سے تمہیں رزق کون دیتا ہے

یعنی کون ہے جو آسمانی اور زمینی اسباب کے ذریعہ سے اپنی حکمت کے موافق تم کو روزی پہنچاتا ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾
اگر تم سچے ہو

Marfat.com

تمہارے پاس مقابلہ کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو؟

یعنی اگر اتنے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوائے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں محض اندھی تقلید ہے۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (مومنون۔رکوع۶) (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط

تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ

اللہ کے معبود ہونے پر ایک دوسری طرح کی دلیل

اس آیت میں مضمون سابق کی تکمیل اور مضمون لاحق کی تمہید ہے۔ شروع پارہ سے یہاں تک حق تعالیٰ کی قدرت تامہ، رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا یعنی جب وہ ان صفات وشئون میں متفرد ہے تو اُلوہیت و معبودیت میں بھی متفرد ہونا چاہیے۔ آیت حاضرہ میں اُس کی اُلوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جارہا ہے یعنی معبود وہ ہوگا۔ جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی رکھتا ہو۔ اور یہ وہ صفت ہے جو زمین وآسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ اُسی رَبّ العزت کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اُس کی ذات ہوئی۔

علم غیب کا مسئلہ

(تنبیہ) کُل مغیبات کا علم بجُز خدا کے کسی کو حاصل نہیں نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہوسکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورۃ انعام میں گزر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا۔ یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر عالم الغیب یا فلان یعلم الغیب کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اُس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں۔ اسی لئے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کئے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں جیسے کسی کا یہ کہنا کہ ان اللہ لا یعلم الغیب (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا انی اکرہ الحق واحب الفتنة وافر من الرحمة (میں حق کو بُرا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے، حالانکہ باعتبار نیت ومراد کے قبیح نہ تھا۔ اسی طرح فلان عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون وتخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن ودلائل سے حاصل کیا جائے۔ بلکہ جس کے لئے کوئی دلیل وقرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورۂ انعام واعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جاچکا ہے۔ وہاں مراجعت کرلی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ جتنی مخلوق آسمانوں میں ہے جیسے فرشتے اور جتنی مخلوق زمین میں ہے جیسے بنی آدم اور جنات وغیرہ ان میں سے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے آیت مذکورہ نے پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ بتلایا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے جس میں کوئی فرشتہ یا نبی ورسول بھی شریک نہیں ہوسکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ یعنی فرشتے والارض یعنی جن وانس جن میں تمام انبیاء بھی شامل ہیں۔ الغیب غیب سے مراد وہ چیز ہے جو حواس (ظاہری وباطنی) کی رسائی سے باہر ہو یعنی حسی نہ ہو اور نہ اس کے ثبوت پر کوئی عقلی دلیل قائم ہو (یعنی نظری ہونا قابل استدلال غیر ممکن الفکر مترجم) الا اللہ یعنی صرف اللہ ہی ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو ملائکہ اور جن وانس کے لئے ناممکن الحصول ہیں۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو بعض غیب کی باتیں اپنے بندوں کو بتا دے اس طرح اللہ کی عطا و موہبت سے کچھ غیبی باتیں بندوں کو بھی معلوم ہوجائیں اِلا اللہ میں استثناء منقطع ہے کیونکہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اللہ پہلے سے داخل نہ تھا اللہ کے لئے نہ آسمان مکان بن سکتا ہے نہ زمین اللہ ہر استقرار وتمکن سے پاک ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے تھے اُس نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر

Marfat.com

بہتان عظیم باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین و آسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔

ستاروں کے فائدے اور جاہلوں کا علم

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں۔ آسمان کی زینت، بھولے بھٹکوں کی رہبری اور شیطانوں کی مار کسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور تکلیف اُٹھانا اور اپنے حصہ کو کھونا ہے۔ جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علمِ نجوم کو متعلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس ستارے کے وقت جو نکاح کرے یوں ہوگا فلاں ستارے کے موقعہ پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا وہ ایسا وغیرہ وغیرہ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کی اس بکواس کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے ہر ستارے کے وقت کوئی کالا گورا ٹھنگنا لمبا خوبصورت بدشکل پیدا ہوتا ہی ہے نہ کوئی جانور غیب جانے نہ کسی پرند سے غیب حاصل ہو سکے نہ ستارے غیب کی رہنمائی کریں۔ سنو خدائی فیصلہ ہو چکا ہے کہ آسمان اور زمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے۔ انہیں تو اپنے جی اُٹھنے کا وقت بھی نامعلوم ہے (ابن ابی حاتم) سُبحان اللہ قتادہؒ کا یہ قول کتنا صحیح کس قدر مفید اور معلومات سے پُر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾
اور اُن کو خبر نہیں کب جی اُٹھیں گے

قیامت کا معین وقت کسی کو معلوم نہیں

یعنی قیامت کب آئے گی جس کے بعد مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اس کی خبر کسی کو نہیں۔ پہلے سے مبدا کا ذکر چلا آتا تھا۔ یہاں سے معاد کا شروع ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ ان کا حشر کب ہوگا کیونکہ وقت حشر حسی نہیں کہ حواس کے ذریعہ سے اس کا وقت معلوم ہو سکے اور نہ اس کے وقت کی تعیین نظری قابل استدلال ہے اس لئے کسی آسمانی زمینی مخلوق کے لئے قیامت کا تعیینی علم ممکن نہیں۔ ہاں اگر اللہ کسی کو بتا دے تو معلوم ہونا ممکن ہے مگر اللہ نے کسی کو قیامت کی تعیین کا علم عطا نہیں فرمایا یہ علم اپنی ذات کے لئے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ
بلکہ تھک کر گر گیا اُن کا فکر آخرت کے بارہ میں بلکہ اُن کو
فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
شبہ ہے اُس میں بلکہ وہ اُس سے اندھے ہیں

کم عقلوں کا انکارِ قیامت

یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح) اور بعض مفسرین نے یوں تقریر کی ہے کہ آخرت کے ادراک تک اُن کے علم کی رسائی نہ ہوئی اور نہ عدم علم کی وجہ سے صرف خالی الذہن رہے بلکہ اس کے متعلق شک و تردد میں پڑ گئے، اور نہ صرف شک و تردد بلکہ اُن دلائل و شواہد سے بالکل آنکھیں بند کر لیں جن میں غور و تامل کرتے تو شک رفع ہو سکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ
اور بولے وہ لوگ جو منکر ہیں کیا جب ہم ہو جائیں مٹی اور ہمارے باپ دادے
اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا
کیا ہم کو زمین سے نکالیں گے وعدہ پہنچ چکا ہے اس کا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو
مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾
پہلے سے کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں اگلوں کی

منکروں کی دلیل

یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے یہ ہی وعدے کئے گئے تھے۔ جو پہلے کہہ گئے اُن ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں لیکن کتنے قرن گزر چکے ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو اور اُس کو سزا ملی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
تو کہہ دے پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾
ہوا انجام کار گنہگاروں کا

Marfat.com

قیامِ قیامت کی دلیل

یعنی کتنے مجرموں کو دنیا ہی میں عبرتناک سزائیں مل چکی ہیں اور پیغمبروں کا فرمانا پورا ہوکر رہا۔ اسی پر قیاس کرلو کہ بعث بعد الموت اور عذاب آخروی کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً پوری ہوکر رہے گی یہ کارخانہ یوں ہی بے سر انہیں کہ اُس پر کوئی حاکم نہ ہو، وہ اپنی رعایا کو یوں ہی مہمل نہ چھوڑے گا جب سب مجرموں کو یہاں پوری سزا نہیں ملتی تو یقیناً کوئی دوسری زندگی ہوگی جہاں ہر ایک اپنی کیفر کردار کو پہنچے اگر تمہاری یہ ہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا بھی ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

منکروں کو دھمکی

(اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا (برا) ہوا۔

یہ دھمکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کو کہ دیکھو تکذیب انبیاء علیہم السلام کا نتیجہ کتنا برا نکلا۔ اس سے تم کو بھی ڈرنا چاہیے کہ تکذیب کا جو خمیازہ ان کو بھگتنا پڑا تم کو بھی تکذیب رسول کی ویسی ہی سزا ملے گی۔ کافروں کو مجرمین کہنے سے مومنوں کے غیر مجرم ہونے کی طرف لطیف ایماء ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
اور غم نہ کر اُن پر اور نہ خفا ہوا اُن کے فریب بنانے سے

جو منکر ہی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں

یعنی اُن کو سمجھا کر اور بدی کے انجام پر متنبہ کر کے الگ ہو جایئے اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم و تاسّف نہ کریں اور نہ ان کے مکر و فریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل اور خفا ہوں آپ اپنا فرض ادا کر چکے، اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں اُن کو بھی دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے ساتھ جو شفقت و ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ سب کو اللہ کا پیغام سنا کر جہنم سے بچالیں جو لوگ اس پیغام کو قبول نہ کرتے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا تھا اور آپ ایسے غمگین ہوتے تھے جیسے کسی کی اولاد اس کے کہنے کے خلاف آگ میں جارہی ہو اس لئے قرآن نے جابجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں۔ سابقہ آیات میں وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ اسی سلسلہ کا ایک عنوان تھا۔ مذکور الصدر آیت میں بھی تسلی کا مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا ہے کہ آپ کا کام پیغام حق کو پہنچا دینے کا وہ آپ پورا کر چکے ہیں جن لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس میں آپ کا کوئی قصور اور کوتاہی نہیں جس پر آپ غم کریں بلکہ وہ اپنی صلاحیت قبول ہی کو کھو چکے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو

یعنی آخر وہ قیامت کب آئے گی؟ اور جس عذاب کی دھمکیاں دی جارہی ہیں کب نازل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ
تو کہہ کیا بعید ہے جو تمہاری پیٹھ پر پہنچ چکی ہو
بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾
بعضی وہ چیز جس کی جلدی کر رہے ہیں

معرکہ بدر مشرکین کیلئے عذاب

یعنی گھبراؤ نہیں وعدہ پورا ہوکر رہے گا۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آلگا ہو (چنانچہ زیادہ دن نہ گزرے کہ بدر میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی رہی قیامت کبریٰ سو اس کے بھی بعض آثار و علامات ظاہر ہونے شروع ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
اور تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾
پر اُن میں بہت لوگ شکر نہیں کرتے

مہلت اللہ کا فضل ہے

یعنی حق تعالیٰ اپنے فضل سے اگر عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہیے تھا اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانی کے شکرگزار ہوکر ایمان و

Marfat.com

عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے لیکن وہ اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ
اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ
اور جو کچھ کہ ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان
وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۶﴾
اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں

سب کے سب اعمال اللہ کے علم میں ہیں

یعنی تمہارے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے بھید نیتیں ارادے اور زمین و آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اُس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اُسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الٰہی میں طے شدہ ہے جلد یا بدیر اپنے وقت پر آئے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت و عزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو
اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى
بہت چیزیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اور بیشک وہ ہدایت ہے
وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾
اور رحمت ہے ایمان والوں کے واسطے

اہل کتاب کے جھگڑوں کا فیصلہ

یعنی ابھی عملی فیصلہ کا وقت نہیں آیا، البتہ قرآن قولی و عملی فیصلہ کے لئے آیا ہے۔ اُس وقت سماوی علوم اور مذہبی چیزوں کے سب سے بڑے عالم بنی اسرائیل سمجھے جاتے تھے مگر عقائد، احکام اور قصص و روایات کے متعلق اُن کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ بھی قرآن نے سنایا۔ فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری پیغام پہنچایا۔ اور ایمان لانے والوں کی رہبری کی تا لوگ اُس دن کے لئے تیاری کر رکھیں۔ جبکہ ہر معاملہ کا عملی فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ
تیرا رب اُن میں فیصلہ کرے گا اپنی حکومت سے
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ ۚ
اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا

یعنی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو، باقی تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ خدائے قادر و توانا کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾
سو تو بھروسہ کر اللہ پر بیشک تو ہے صحیح کھلے رستہ پر

آپ کسی کے اختلاف سے متاثر نہ ہوں

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے اختلاف و تکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جائیں جس صحیح و صاف راستہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں اُس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ آدمی جب صحیح راستہ پر ہو اور خدائے واحد پر بھروسہ رکھے پھر کیا غم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ
البتہ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو اپنی پکار
اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي
جب لوٹیں وہ پیٹھ پھیر کر اور نہ تو دکھلا سکے
الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ
اندھوں کو جب وہ راہ سے بچلیں

مردہ دلوں کا حال

یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو اُن کے حق میں سودمند نہیں یہ ہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مر چکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہو گئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کیا ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ بنوائے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو۔ یہ

Marfat.com

لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں۔ پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس کے معنی بھی یہی ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لئے نافع نہیں، کیونکہ وہ دنیا کے دارالعمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان وعمل نافع ہوسکتا تھا مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو سبھی کافر منکر ایمان و عمل صالح کی تمنائیں کریں گے مگر وہ وقت ایمان وعمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں۔ اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابلِ نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں۔

مسئلہ سماع اموات

یہ مسئلہ کہ مُردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں اُن مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں اسی لئے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۂ نمل میں آیا ہے دوسرے سورۂ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۂ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ یعنی آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابلِ نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر و اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہوسکتی ہے مگر ہم باختیار خود اُن کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ اُن کی ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو سماع اموات کے قائل ہیں، ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تا کہ وہ سلام کا جواب دے۔

امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں اَحیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں بعض کے کلام کو نہ سنیں، یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں، کیونکہ سورۂ نمل، سورۂ روم، سورۂ فاطر کی آیات سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں۔

اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق میں احقر نے ایک مستقل رسالہ بنام تکمیل الحبور بسماع اہلِ القبور لکھا ہے جو احکام القرآن سورۂ روم حزب خامس

Marfat.com

میں بزبان عربی شائع ہوا ہے جس میں آیات وروایات اور اقوال سلف وخلف اور شرح الصدور وغیرہ سے بہت سے واقعات ومخاطبات اہلِ قبور کے نقل کئے گئے ہیں۔ اہلِ علم وہاں دیکھ سکتے ہیں عوام کے لئے یہاں اس کا ضروری خلاصہ لکھا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾
تو تو سناتا ہے اُس کو جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر، سو وہ حکمبردار ہیں

نصیحت کس کو نفع دیتی ہے؟

یعنی نصیحت سنانا اُن کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں۔ اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرماں بردار بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے جس کے دل کو اندھا کر دیا ہے ایمان کی راہ اس کو سوجھائی نہیں دیتی آپ اس کو ایمان کا راستہ نہیں دکھا سکتے آپ کا قرآن سنانا سواء ان لوگوں کے کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا جو ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے ہیں یعنی ایمان لانا ہم نے ان کے لئے مقدر کر دیا ہے پس وہ ہی مسلم ہوتے ہیں یعنی اپنا رخ خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً
اور جب پڑ چکے گی اُن پر بات نکالیں گے ہم اُن کے آگے ایک جانور
مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا
زمین سے اُن سے باتیں کرے گا اس واسطے کہ لوگ ہماری
بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾
نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے

باتیں کرنے والا جانور

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا پھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا (موضح) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہوگا۔ قیامت تو نام ہی اس کا ہے کہ عالم کا سب موجودہ نظام درہم وبرہم کر دیا جائے لہٰذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے جو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی شاید دابۃ الارض کے ذریعہ سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے۔ مگر اُس وقت کا ماننا نافع نہیں صرف مکذبین کی تجہیل وتحمیق مقصود ہے ماننے کا جو وقت تھا گزر گیا۔ (تنبیہ) دابۃ الارض کے متعلق بہت سے رطب و یابس اقوال و روایات تفاسیر میں درج کی گئی ہیں مگر معتبر روایات سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

قیامت کی دس نشانیاں

مسند احمد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ (۱) آفتاب کا مغارب مغرب سے طلوع ہونا (۲) دخان (۳) دابۃ (۴) خروج یاجوج و ماجوج (۵) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۶) دجال (۷) تین خسوف کے معنی، ایک مغرب میں دوسرا مشرق میں تیسرا جزیرۃ العرب میں ہوگا (۸) ایک آگ جو قعرِ عدن سے نکلے گی اور سب لوگوں کو ہنکا کر میدانِ حشر کی طرف لے آئے گی جس مقام پر لوگ رات گزارنے کے لئے ٹھیریں گے یہ آگ بھی ٹھہر جائے گی پھر اُن کو لے چلے گی (ہکذا رواہ مسلم واہل السنن من طرق وقال الترمذی حدیث حسن صحیح)

دابہ کوہ صفا سے نکلے گا

ابنِ کثیر نے بحوالہ ابو داؤد طیالسی حضرت طلحہ بن عمر سے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ یہ دابۃ الارض مکہ مکرمہ میں کوہِ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے ایک جماعت رہ جائے گی یہ دابہ اُن کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا۔ اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا، ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا۔ کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا یہ ہر مومن و کافر کو پہچانے گا۔ (ابن کثیر)

قیامت کی سب سے آخری علامت

مسلم بن حجاج نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سُنی تھی

Marfat.com

جس کو میں کبھی بھولتا نہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی آخری علامات میں سب سے پہلے آفتاب کا طلوع مغرب کی طرف سے ہوگا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد دابۃ الارض نکلے گا ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ہو جائے اس کے فوراً بعد قیامت آجائے گی (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے نکلنا اور دَآبَّةُ الْاَرْضِ کا ضحیٰ کے وقت آجانا ہے ان دونوں میں سے جو پہلے ہوگا اس کے بعد ہی دوسرا ہوگا۔

چھ چیزوں سے پہلے عمل کرو

صحیح مسلم میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں کی آمد سے پہلے ہی پہلے نیک اعمال کرلو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا۔ اور دھوئیں کا آنا اور دجال کا آنا اور دَآبَّةُ الْاَرْضِ کا آنا اور تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔ یہ حدیث اور سندوں سے دوسری کتابوں میں بھی ہے۔

دابۃ کی انگوٹھی اور لاٹھی

ابو داؤد طیالسی میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دَآبَّةُ الْاَرْضِ کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کی لکڑی ہوگی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ہوگی۔ کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دستر خوان پر بیٹھے ہوئے مومن کافر سب ظاہر ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں جو مسند احمد میں ہے مروی ہے کہ کافروں کی ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا۔

دابۃ الارض کے نکلنے کی جگہ

ابنِ ماجہ میں بریدہ سے روایت ہے کہ مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے پاس کے ایک جنگل میں گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس کے اردگرد ریت ہے فرمانے لگے یہیں سے دابۃ الارض نکلے گا۔ بریدہؓ کہتے ہیں اس کے کئی سال بعد میں حج کے لئے نکلا تو مجھے لکڑی دکھائی دی جو میری اس لکڑی کے برابر تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے چار پیر ہوں گے صفا کی کھڈ میں سے نکلے گا۔ اس قدر تیزی سے خروج کرے گا کہ جیسے کوئی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہو، تاہم تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ نکلا ہوگا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے جب اس کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جیاد میں ایک چٹان ہے اس کے نیچے سے نکلے گا۔ میں اگر وہاں ہوتا تو میں تمہیں وہ چٹان دکھا دیتا یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس زور سے چلائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی پھر شام کی طرف جائے گا، وہاں بھی چیخ لگا کر پھر یمن کی طرف متوجہ ہوگا یہاں بھی آواز لگا کر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کو عسفان پہنچ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں،

دابۃ الارض کی چیخ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مُزدلفہ کی رات کو نکلے گا، حضرت عزیرؑ ایک کلام کی حکایت ہے کہ سدوم کے نیچے سے یہ نکلے گا اس کے کلام کو سب سنیں گے حاملہ کے حمل وقت سے پہلے گر جائیں گے، میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا دوست دشمن بن جائیں گے، حکمت جل جائے گی، علم اُٹھ جائے گا نیچے کی زمین باتیں کرے گی، انسان کی وہ تمنائیں ہوں گی جو کبھی پوری نہ ہوں، ان چیزوں کی کوشش ہوگی جو کبھی حاصل نہ ہوں، اُس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔

دابۃ الارض کا رنگ وروپ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کے جسم پر سب رنگ ہوں گے۔ اس کے دو سینگوں کے درمیان سوار کے لئے ایک فرسخ کی راہ ہو گی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ موٹے نیزے اور بھالے کی طرح ہوگا حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کے بال ہوں گے کھُر ہوں گے، ڈاڑھی ہوگی، دُم نہ ہوگی۔ تین دن میں بہ مشکل ایک تہائی باہر آئے گا حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہوگا۔ ابن الزبیرؓ کا قول ہے کہ اس کا سر بیل کے سر کے مشابہ ہوگا آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہوں گی، کان ہاتھی جیسے ہوں گے سینگ کی جگہ اُونٹ کی طرح ہوگی، شُتر مرغ جیسی گردن ہوگی شیر جیسا سینہ ہوگا، چیتے جیسا رنگ ہوگا، بلی جیسی کمر ہوگی، مینڈھے جیسی دُم ہوگی، اُونٹ جیسے پاؤں ہوں گے، ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ کی لکڑی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ساتھ ہوگی۔ ہر مومن کی پیشانی پر اپنے عصائے موسوی سے نشان کر دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اب تو اس طرح مومن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت کے وقت کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے

Marfat.com

کو اے مومن! اور اے کافر کہہ کر بلائیں گے۔ دابۃ الارض ایک ایک کا نام لے کر ان کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بدخبری سنا دے گا یہی معنی و مطلب اس آیت کا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دابۃ ایسا دابۃ منہ ہوگا جس کی دم ہو بلکہ داڑھی والا دابۃ ہوگا۔

بغوی نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ دابۃ الارض کوہ صفا کے ایک شگاف سے برآمد ہوگا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے احرام کی حالت میں صفا کو لاٹھی سے ٹھوکا اور فرمایا دابۃ میری لاٹھی کے ٹھوکے کو سن رہا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا دابۃ ایک گھاٹی سے برآمد ہوگا اس کا سر بادل کو چھوئے گا اور اس کی ٹانگیں زمین کے اندر ہوں گی باہر نکلی بھی نہ ہوں گی وہ نماز پڑھتے آدمی کی طرف سے گزرے گا اور کہے گا نماز کی تجھے کیا ضرورت پھر اس (کے ماتھے یا ناک پر) نشان بنا دے گا۔

تین بار دابہ نکلے گا

بغوی نے حضرت ابوشریحہ انصاری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پوری مدت میں تین بار دابۃ کا خروج ہوگا۔ ایک بار یمن سے برآمد ہوگا جس کی شہرت بادیہ (صحراء) میں پھیل جائے گی۔ اور قریہ یعنی مکہ میں بھی اس کا تذکرہ پہنچ جائے گا پھر ایک روز سب سے بڑی عزت وعظمت والی مسجد یعنی مسجد حرام میں لوگ جمع ہوں گے کہ دابہ دکھائی دے گا عمرو (راوی) نے کہا رکن اسود سے باب بنی مخزوم تک درمیان میں دکھائی دے گا اور مسجد کے ہر گوشہ میں موجود لوگوں کو دیکھے گا لوگ اس کو دیکھ کر بکھر جائیں گے لیکن ایک جماعت اس کے سامنے جمی رہے گی وہ سمجھ لیں گے کہ اللہ سے چھوٹ کر وہ کہیں جا نہیں سکتے دابہ اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا ان کی طرف گزرے گا اور ان کے چہروں کو (نشان زد کر کے) ایسا روشن کر دے گا جیسے چمکدار ستارے۔ پھر زمین کو پھاڑتا ہوا چلا جائے گا (اتنی تیزی کے ساتھ) کہ اس کو پکڑنے والا پا نہ سکے گا اور اس سے بھاگنے والا چھوٹ نہ سکے گا پھر کچھ لوگ اُٹھ کر نماز پڑھنے لگیں گے تو (تیسری بار) وہ پیچھے سے آ پڑے گا اور کہے گا اے فلاں تو اب نماز پڑھ رہا ہے پھر نمازی کے سامنے آ کر اس کے چہرہ پر نشان بنا دے گا پھر لوگ وہاں سے ہٹ کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ساتھ ساتھ مل کر سفر کریں گے اور باہم باتوں میں شرکت کریں گے اور کافر کا مؤمن سے امتیاز ہو جائے گا مؤمن کو مؤمن کہہ کر پکارا جائے گا اور کافر کو کافر کہہ کر۔

حضرت حذیفہ بن یمان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دابہ کا تذکرہ آیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کہاں سے برآمد ہوگا۔ فرمایا سب سے بڑھ کر حرمت والی مسجد سے اس وقت عیسیٰ علیہ السلام طواف کر رہے ہوں گے مسلمان آپ کے ساتھ ہوں گے کہ قندیل کی حرکت کی طرح ان کے قدموں کے نیچے زمین میں لرزہ پیدا ہوگا اور مشرقی جانب کوہ صفا پھٹ کر اس سے دابۃ برآمد ہو جائے گا سب سے پہلے اس کا سر نکلے گا۔ اس پر اون اور پر ہوں گے کوئی پکڑنے والا اس تک پہنچ نہ سکے گا اور نہ بھاگنے والا اس سے چھوٹ سکے گا۔ وہ لوگوں پر مومن و کافر کا نشان بنا دے گا۔ مومن کا چہرہ چمکدار ستارہ کی طرح روشن ہو جائے گا اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں وہ نشان ہو گا۔ اور کافر کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں جو نشان ہوگا وہ کالا ہوگا اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں کافر لکھا ہوگا۔ رواہ البغوی وکذا اخرج ابن جریر بغوی نے سہل بن صالح کے والد کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا حناد کی گھاٹی بری گھاٹی ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہے فرمایا اس سے دابۃ برآمد ہوگا اور تین چیخیں مارے گا جن کو مشرق و مغرب کے درمیان سب سنیں گے اس کا چہرہ مرد کا چہرہ ہوگا اور (باقی) جسمانی بناوٹ پرندے کی ہوگی اور جو اس کو دیکھے گا اس سے وہ کہے گا کہ اہل مکہ محمد اور قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

حضرت ابوامامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دابۃ برآمد ہوگا اور لوگوں کی ناکوں پر نشان لگا دے گا اس کے بعد بھی لوگ (مدت تک) زندہ رہیں گے یہاں تک کہ بعض لوگ جانور خرید کر لائیں گے تو ان سے دریافت کیا جائے گا تم نے یہ جانور کس سے خریدا وہ جواب دیں گے مہر زدہ آدمی سے۔ رواہ احمد، حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کی رات کو دابہ برآمد ہوگا لوگ منا کی طرف جا رہے ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دابۃ الارض کو دیکھا

ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن المنذر راور ابن ابی حاتم نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے خواہش کی کہ مجھے

Marfat.com

دابۃ الارض دکھادیا جائے (اللہ نے دعا قبول فرمائی اور) چنانچہ دابہ تین دن رات (برابر) نکلتا رہا خلا میں جاتا رہا اور اس کا کوئی کنارہ نظر نہ آتا تھا حضرت موسیٰ نے ہیبت ناک منظر دیکھ کر درخواست کی اے میرے رب اس کو لوٹا دے اللہ نے اس کو لوٹا دیا۔

مؤمن و کافر کا امتیاز

میں کہتا ہوں کہ احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ دابۃ الارض سچے مومنوں کو ان منافقوں سے الگ کر دے گا جو زبان سے مومن اور دل سے کافر ہوں گے اور کفر سے مراد ہے اس اسلام کی ضد جو (صرف زبانی ہوتا ہے لیکن زبان سے اسلام کا اقرار کرنے والوں کے) دلوں میں نہیں ہوتا بلکہ ایسے لوگوں کے دل اس دین کی تصدیق نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے اس اسلام کو مجازی اسلام کہا جاتا ہے یا کفر سے مراد ہے اس حقیقی اسلام کی ضد جس کے دعوے دار دلوں میں بھی ایمان رکھتے ہیں اور زبان سے بھی تصدیق کرتے ہیں لیکن اطمینان قلب اور ایمان نفس کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے اگر کفر سے مؤخر الذکر معنی مراد ہو تو دابہ جو بعض لوگوں سے کہے گا اے فلاں تو دوزخیوں میں سے ہے اس سے مراد یہ ہوگی کہ تو دوزخ میں ضرور جائے گا یہ مطلب نہ ہوگا کہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

کفر سے مراد علانیہ کفر کا اقرار نہیں ہوسکتا کیونکہ فتح کے بعد مکہ کے اندر علانیہ کفر کا دعویدار کوئی باقی نہیں رہا (نہ آئندہ ہوگا) پھر مومنوں سے تمیز کر دینے کا کوئی معنی نہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ

اور جس دن گھیر بلائیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت جو جھٹلاتے تھے

بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾

ہماری باتوں کو پھر اُن کی جماعت بندی ہوگی

گناہ گاروں کی تقسیم

ہر گناہ والوں کے جتھے اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ (تنبیہ) عموماً مفسرین نے فَهُمْ يُوزَعُونَ کے معنی روکنے کے لئے ہیں یعنی ہر اُمت کے مکذبین کو محشر کی طرف لے چلیں گے اور وہ اتنی کثرت سے ہوں گے کہ پیچھے چلنے والوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے گا۔ جیسے انبوہ کثیر میں انتظام قائم رکھنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ

یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں فرمائے گا کیوں جھٹلایا تم نے میری باتوں کو اور نہ

تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾

آ چکی تھیں تمہاری سمجھ میں یا بولو کہ کیا کرتے تھے

غور و فکر کے بغیر جھٹلا دیا

یعنی پوری طرح سمجھنے اور تمام اطراف و جوانب پر نظر ڈالنے کی کوشش بھی نہ کی، پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیا۔ یا بولو! یہ نہیں تو اور کیا کرتے تھے یعنی اس کے سوا تمہارا کام ہی کیا تھا اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ بے سوچے سمجھے تکذیب ہی کی تھی؟ یا بول اس کے سوا اور بھی کچھ گناہ سمیٹے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

جو لوگ غور و فکر کرنے کے باوجود حق کو نہ پا سکیں کہ اُن کی نظر و فکر ہی گمراہی کی طرف لے جائے تو ان کا جرم کسی قدر ہلکا ہو جاتا ہے اگرچہ اللہ کے وجود اور توحید وغیرہ کی تکذیب پھر بھی کفر و ضلال اور دائمی عذاب سے نہیں بچائے گی کیونکہ یہ ایسے بدیہی اُمور ہیں جن میں نظر و فکر کی غلطی معاف نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ﴿٨٥﴾

اور پڑ چکی اُن پر بات اس واسطے کہ انہوں نے شرارت کی تھی اب وہ کچھ نہیں بول سکتے

منکروں کے تمام عذر ختم ہو گئے

یعنی اُن کی شرارتوں کا یقینی ثبوت ہو چکا اور خدا کی حجت تمام ہو چکی۔ اب آگے وہ کیا بول سکتے ہیں۔ باقی بعض آیات میں جو ان کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ شاید اس سے پہلے ہو چکے گا بہر حال نفی و اثبات کو اختلاف مواطن پر حمل کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

کیونکہ ان کے پاس تکذیب کرنے کا کوئی عذر ہی نہ ہوگا یا اس وجہ سے کہ ان کو بولنے کی اجازت نہیں ملے گی کہ کچھ عذر پیش کر سکیں۔ بعض نے کہا نہ بولنے کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے مونہوں پر مہریں لگی ہوں گی بعض نے کہا وہ عذاب میں ایسے گرفتار ہوں گے کہ ان کو بولنے کا ہوش ہی نہ ہوگا اول توجیہ زیادہ صحیح ہے۔ اسی پر اگلی آیت دلالت کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ

کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی رات کہ اس میں چین حاصل کریں

Marfat.com

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

اور دن بنایا دیکھنے کا البتہ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کیلئے جو یقین کرتے ہیں

رات و دن کے نظام پر غور کی دعوت

یعنی کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دکھلائے پر ذرا بھی غور نہ کیا۔ ایک رات دن کے روزانہ ادل بدل ہی کے حال میں غور کر لیتے تو اللہ کی توحید پیغمبروں کی ضرورت اور بعثت بعد الموت سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط و محکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اُجالا کیا۔ کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے اوہام و اہوا کی تاریکیوں میں معرفت و ہدایت کی روشنی نہ بھیجتا۔ پھر رات کیا ہے؟ نیند کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ اُس کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر ادھر اُدھر پھرنے لگے۔ اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اُٹھا لے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ غرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَرَوْا میں رؤیت (دیکھنا) بمعنی علم ہے یعنی کیا یہ نہیں جانتے کہ خاص طریقہ سے مفید طور پر معاش و معاد کے مصالح کے مطابق روشنی اور تاریکی کا تواردو تعاقب اللہ نے کر دیا ہے ان کا اس طور پر تعاقب دلالت کر رہا ہے کہ ان کا فاعل خالق حکیم اور قادر قاہر ہے اور ظاہر ہے کہ جو شب و روز کے تعاقب پر قدرت رکھتا ہے وہ پیغمبروں کو اللہ کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے بھیج سکتا ہے اور فرمانبرداری و نافرمانی کی جزا سزا دینے کی بھی اس کو قدرت ہے اور موت کے بعد زندگی بھی لا سکتا ہے جیسا کہ وہ نور و ظلمت اور بیداری و خواب کا تبادل کرتا رہتا ہے۔ اور پیغمبروں کے معجزات سے پیغمبروں کی اور ان کی لائی ہوئی تعلیم کی صداقت ثابت ہو رہی ہے ان تمام امور مذکورہ میں اللہ کی توحید اور رسول کے صادق ہونے کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں تکذیب کرنے والے کو ان دلائل کے بعد کون سا عذر ہو سکتا ہے لیکن ان دلائل و آیات کا فائدہ انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔

حشر کی دلیل

اَلَمْ يَرَوْا سے آخر تک حشر کی دلیل ہے ظلمت کو نور سے اور خواب کو بیداری سے بدلنا دلالت کر رہا ہے کہ جو قادر یہ تبادلہ کرتا ہے وہ موت کے بعد دوبارہ زندگی بھی لا سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

اور جس دن پھونکی جائے گی صور

صُور کا پھونکا جانا

صور پھونکنے والا فرشتہ اسرافیل ہے جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ

تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے

بعض روایات میں ہے اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ کہ جبرئیل، میکائیل اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ اور بعض نے شہداء کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس آیت کو نفخہ ثانیہ کے متعلق قرار دیا ہے جس سے سب مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ سب زندہ ہونے کے وقت گھبرائے ہوئے اُٹھیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صُور تین مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلا نفخہ فزع ہوگا جس سے سب پر یشانی گھبراہٹ اور اضطراب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دوسرا نفخہ صعق ہوگا جس سے سب مر جائیں گے تیسرا نفخہ حشر و نشر ہوگا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے مگر آیاتِ قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ثبوت دو ہی نفخوں کا ملتا ہے (قرطبی و ابن کثیر) ابنِ مبارک نے حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ (قرطبی)

وہ لوگ جن پر گھبراہٹ نہ ہوگی

اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ یہ استثناء مفرغ سے ہے جس کے معنے گھبراہٹ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن پر کوئی گھبراہٹ حشر کے وقت نہیں ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہ لوگ شہداء ہوں گے حشر کی دوبارہ زندگی کے وقت ان پر کوئی گھبراہٹ

Marfat.com

نہیں ہوگی (صحیح الحدیث ابن العربی (قرطبی) سعید ابن جبیرؒ نے بھی یہ فرمایا کہ مراد اس سے شہداء ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے ہوئے عرش کے گرد جمع ہوں گے اور قشیری نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام ان میں بدرجہ اولی داخل ہیں کیونکہ ان کو مقامِ شہادت بھی حاصل ہے اور مقامِ نبوت مزید براں ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ اور یاد کرو اس دن کو جب کہ صور کے اندر پھونک ماری جائے گی۔

سور ایک سینگ ہے

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ ایک سینگ ہے جس سے پھونکا جائے گا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ والنسائی وابن حبان والحاکم۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ (رواہ مسدد بسند صحیح)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فکرِ آخرت

حضرت زید بن ارقم راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیسے چین پا سکتا ہوں سینگ (صور) والا تو سینگ منہ میں لئے پیشانی آگے کو جھکائے اور کان لگائے ہوئے ہے کہ کب اس کو (پھونکنے کا) حکم دیا جاتا ہے صحابہ کو یہ فرمان سن کر بڑی دشواری ہوگئی (کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ دل کو کسی وقت سکون میسر نہیں تو ہمارا کیا ٹھکانہ ہے) فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہی اچھا ذمہ دار ہے۔

احمد حاکم بیہقی اور طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے اور ترمذی حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید کی روایت سے بھی یونہی نقل کیا ہے اور ابونعیم نے حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

صُور والا فرشتہ

سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل اس کے یعنی اسرافیل کے دائیں جانب اور میکائیل بائیں جانب ہیں اور وہی صور والا ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے تمام (پیغمبروں کی) امتوں کے علماء کا اتفاق ہے کہ اسرافیل ہی صور پھونکیں گے۔

کل نفخات

بعض علماء کا قول ہے کہ صرف دو نفخات ہوں گے نفخۂ فزع ہی نفخہ صعق ہوگا ان لوگوں کا خیال ہے کہ نفخہ ایک ہی ہوگا جس میں دونوں حالتیں پیدا ہو جائیں گی اور یہ دونوں باہم لازم ملزوم ہوں گی صور کی آواز سن کر پہلے گھبراہٹ پھر بے ہوشی اور موت ہو جائے گی۔ قرطبی نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے اور استدلال میں کہا ہے کہ نفخۂ فزع سے اس جگہ مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے جس طرح کہ نفخۂ صعق سے من شاء اللہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے دونوں کے متعلق اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نفخات نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی نفخہ ہوگا (جس کو نفخہ فزع بھی کہا گیا ہے اور نفخہ صعق بھی)

میں کہتا ہوں یہ دلیل صحیح نہیں ہے اس سے دونوں نفخوں کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا بے شک مستثنیٰ منہ دونوں کلاموں میں ایک ہی ہے لیکن مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کو دونوں جگہ مستثنیٰ کر لینے کا یہ معنی نہیں کہ دونوں مستثنیٰ ایک ہی ہیں۔

شہداء کی فضیلت

بغوی نے لکھا ہے مستثنیٰ کون لوگ ہوں گے اس کی تعیین میں علماء کے اقوال میں اختلاف ہے حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کی بابت دریافت کیا گیا تو حضور نے فرمایا وہ شہداء ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں ان کو فزع لاحق نہ ہوگا۔

ابو یعلی بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جبرئیل سے آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کے سلسلہ میں دریافت کیا کہ وہ کون ہیں جن کو اللہ بے ہوش کرنا (یا صور کی آواز سے مردہ کرنا) نہ چاہے گا وہ شہداء ہوں گے جو تلواریں لٹکائے عرش کے گرداگرد ہیں علماء نے استثناء شہداء کی بابت یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ شہداء اللہ کے استثناء کردہ ہیں یعنی اللہ نے خود نفخہ صور کے اثر سے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ كذا روى هناد بن السرى والبيهقى والنحاس فى معانى القرآن عن سعيد بن جبير.

جبریل، میکائیل، عزرائیل اور حاملین عرش

فریابی نے اپنی تفسیر میں حضرت انس کی روایت سے بیان

Marfat.com

کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ تک تلاوت کی تو صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ نے استثناء کیا ہے فرمایا جبرئیل میکائیل فرشتۂ موت اسرافیل اور حاملین عرش جب اللہ مخلوق (یعنی انسانوں) کی روحیں قبض کر لے گا تو ملک الموت سے فرمائے گا اب کون باقی ہے ملک الموت جواب دے گا اے مالک عظمت وعزت تو پاک ہے بڑی خیر والا ہے بزرگ و برتر ہے جبرئیل اور میکائل اور ملک الموت باقی ہیں اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے ملک الموت میکائیل کی جان لے لے گا اور میکائیل بڑے پہاڑ کی طرح گر جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا اے موت کے فرشتے تو مر جا موت کا فرشتہ فوراً مر جائے گا اللہ فرمائے گا جبرئیل اب کون باقی رہے گا جبرئیل تیری ذات کریم لافانی اور جبرئیل میت فانی اللہ فرمائے گا (موت تو تجھے بھی آنی ہے) مرے بغیر چارہ نہیں جبرئیل فوراً سجدہ میں گر جائے گا اپنے دونوں بازو پھڑ پھڑانے لگے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل کی جسمانی ساخت کی میکائیل کی جسمانیت پر بیشی ایسی ہے جیسے بڑے پہاڑ کی بڑائی چھوٹے ٹیلہ پر بیہقی نے آیت نُفِخَ فِی الصُّوْرِ کے ذیل میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے ان میں سے تین اشخاص ہوں گے جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ باوجودیکہ خوب جانتا ہوگا فرمائے گا اے ملک الموت کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری لافانی ذات کریم اور تیرا بندہ جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے پھر فرمائے گا باوجود بلکہ خوب واقف ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا جبرئیل کی جان لے لے اس کے بعد فرمائے گا باوجود خوب جانتا ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ ملک الموت اور وہ بھی مرنے والا ہے اللہ فرمائے گا تو بھی مرجا (ملک الموت بھی مرجائے گا) پھر فرمائے گا میں نے ہی مخلوق کو شروع میں پیدا کیا تھا پھر میں ہی دوبارہ تخلیق کروں گا اب کہاں ہیں مغرور متکبر کوئی جواب نہیں دے گا پھر اللہ پکار کر فرمائے گا آج حکومت کس کی ہے۔ کوئی بھی جواب دینے والا نہ ہوگا اللہ خود ہی فرمائے گا ایک غالب کل اللہ کی اس کے بعد (ملک الموت کو سب سے پہلے اٹھایا جائے گا اور) دوبارہ صور میں پھونک ماری جائے گی اور یکدم سب کھڑے ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔

بیہقی نے زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے وہ بارہ ہیں جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور آٹھ حاملین عرش۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل و میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر حاملین عرش کی پھر اسرافیل کی روح پھر ملک الموت کی روح۔

بیہقی نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے (اول) میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر جبرئیل کی روح پھر اسرافیل کی روح پھر ملک الموت کو بھی (مرجانے کا) حکم ہوگا وہ بھی مرجائے گا۔

سب سے پہلے پیدا ہونے اور سب سے آخر میں مرنے والے

ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں وہب کا قول نقل کیا ہے کہ ان چاروں یعنی جبرئیل میکائیل اسرافیل علیہم السلام اور ملک الموت علیہ السلام کو اللہ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور سب کے آخر میں ان کو وفات دے گا اور پھر سب سے پہلے ان کو زندہ کرے گا یہی ہیں اَلْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کاموں کا انتظام کرنے والے ملائکہ اور اَلْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (کاموں کو تقسیم کرنے والے ملائکہ) یعنی قرآن کی اس آیت میں یہی مراد ہیں سیوطی نے لکھا استثناء کی ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے ان تمام روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب مستثنیٰ ہیں (چاروں ملائکہ بھی اور آٹھوں حاملین عرش بھی)

حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ کی تحقیق

میں کہتا ہوں جتنی احادیث اور آثار آئی ہیں وہ نفخۂ صعق (نفخۂ موت) سے استثناء کے متعلق ہیں نفخۂ فزع سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک آیۃ سے جن لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد وہ نیکو کار مؤمن ہیں جن کا ذکر آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ میں کیا گیا ہے ان آیات میں صراحت ہے کہ جو لوگ دوزخ میں جائے بغیر جنت میں چلے جائیں گے ان پر نفخۂ فزع کے وقت گھبراہٹ طاری نہ ہوگی اور نفخۂ فزع کے وقت سوا کافروں کے اور کوئی موجود ہی نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت

Marfat.com

صرف شریروں پر برپا ہوگی۔ رواہ احمد و مسلم عن ابن مسعود۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قیامت اسی وقت قائم ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ (کہنے والا ہی نہ ہوگا اور اللہ اللہ) نہیں کہا جائے گا رواہ احمد و مسلم والترمذی عن انسؓ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا قیامت برپا نہ ہوگی یہاں تک کہ کعبہ کا حج نہیں کیا جائے گا (کوئی حج کرنے والا ہی نہ ہوگا اس وقت قیامت آئے گی) رواہ عبدالرزاق فی الجامع۔ یہ بھی حضور کا ارشاد ہے کہ قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ کعبہ اور قرآن اٹھا لیا جائے گا (اس وقت آئے گی) رواہ السنجری عن ابن عمر۔ اس مضمون کی اور احادیث بھی آئی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارواح شہداء کو مستثنیٰ قرار دیا کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں باقی ملائکہ اور ارواح انبیاء بھی استثناء میں داخل ہیں وہ بھی بالکل گھبراہٹ سے مستثنیٰ ہوں گی۔ ابن جریر نے تفسیر میں طبرانی نے المطولات ابویعلی نے مسند میں بیہقی نے البعث میں ابوموسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں نیز عبد بن حمید نے حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے پھر تین بار صور پھونکا جائے گا پہلا نفخہ نفخہ فزع ہوگا دوسرا نفخہ صعق اور تیسرا نفخہ وہ نفخہ جس کے بعد سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اللہ اسرافیل کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم دے گا اسرافیل پھونکے گا جس سے (سارے) اہل سموات وارض، گھبرا جائیں گے (سخت خوف زدہ ہو جائیں گے) سوا ان کے جن کو اللہ (محفوظ رکھنا) چاہے گا (وہ محفوظ رہیں گے)..... یہاں تک کہ حضور نے فرمایا پھر دودھ پلانے والیاں اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے اور شیطان اڑے اڑے بھاگ کر زمین کے کناروں پر پہنچ جائیں گے سامنے سے ملائکہ آ کر ان کے منہ پر مار مار کر واپس لوٹا دیں گے لوگ پیٹھ پھیرے بھاگ رہے ہوں گے ایک دوسرے کو پکارے گا اللہ نے اسی دن کو یوم التناد (پکار کا دن) فرمایا ہے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ (قبروں کے اندر) اس بیرونی کیفیت سے بالکل بے خبر ہوں گے ان کو کچھ معلوم نہ ہوگا کہ اوپر کیا ہو رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے اور فرمایا ہے اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ فرمایا وہ شہداء ہوں گے (تمام) زندوں تک وہ خوف پہنچے گا (مگر شہیدوں تک نہیں پہنچے گا) اور وہ اپنے رب کے پاس زندگی کی حالت میں ہوں گے ان کو اللہ کی طرف سے روزی ملتی ہے اللہ ان کو اس روز کے خوف سے محفوظ رکھے گا اور اس گھبراہٹ سے وہ امن میں رہیں گے یہ عذاب انہی لوگوں پر قائم ہوگا جو اللہ کی مخلوق میں سب سے برے (یعنی کافر) ہوں گے اللہ نے فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ اللہ جتنی مدت چاہے گا لوگ اسی حالت میں رہیں گے پھر نفخۃ الصعق کا حکم دے گا تو سارے آسمان و زمین والے مر جائیں گے سواء ان کے جن کو اللہ (موت سے محفوظ رکھنا) چاہے ملک الموت عرض کرے گا آسمان و زمین والے (سارے) مر گئے سواء ان کے جن کو تو نے (محفوظ رکھنا) چاہا اللہ فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہوگا، اب کون باقی رہا۔ پھر (بروایت ابوہریرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل میکائیل ملک الموت اور حاملین عرش کے مرنے کا تذکرہ حضرت انس کی روایت کردہ حدیث کے مطابق کیا یا یوں کہا جائے کہ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ سے مراد ہیں بعض مومنوں کی روحیں اور سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى سے مراد ہیں انبیاء اور مقربین بارگاہ الٰہی۔

نفخۃ الصعق سے مستثنیٰ کون ہوں گے اس مبحث میں صحیح قول وہ ہے جو صاحب مفہم نے کہا ہے کہ لفظ صعق سے بطور عموم مجاز ایسا مفہوم مراد ہے جو موت کو بھی شامل ہے اور صرف بے ہوشی کو بھی زندوں کے لئے موت اور مردوں کے لئے بے ہوشی ہو جائے گی یہ بے ہوشی تمام انبیاء کو (جو عالم برزخ میں موجود ہیں) ہوگی البتہ حضرت موسیٰ کے بے ہوش ہونے میں تردد ہے کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی نے مدینہ کے بازار میں کہا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت عطا کی یہ بات سن کر ایک انصاری نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے طمانچہ مارا اور کہا تو ایسی بات کہتا ہے حالانکہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اس بات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ

Marfat.com

اللّٰہُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ پس میں ہی سب سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا تو اچانک دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے پہلے انہوں نے اپنا سر اٹھالیا (اور اُٹھ کھڑے ہوئے) یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جب لفظ صعق موت اور بے ہوشی دونوں کو شامل ہے اور انبیاء پر (عالم برزخ میں) غشی طاری ہو جائے گی تو شہداء کا بیہوش ہونا بدرجہ اولیٰ ہوگا اور ملائکہ بھی بے ہوش ہوں گے البتہ جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور حاملین عرش کی موت صور پھونکنے کی آواز سے نہیں ہوگی بلکہ یہ ملائکہ بعد کو مریں گے جیسا کہ احادیث میں آچکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ سے جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل اور ارواح انبیاء اور ارواح شہداء مراد ہیں۔

ایک بار صور پھنکے گا۔ جس سے خلق مر جائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے۔ پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھر پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے۔ صور پھنکنا کئی بار ہے۔ (موضح القرآن) (معارف کاندھلوی)

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾
اور سب چلے آئیں اس کے آگے عاجزی سے

متعدد بار صور پھنکنا

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مر جائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اُٹھیں گی۔ اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے، پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے صور پھنکنا کئی بار ہے (موضح) اور بہت سے علماء صرف دو نفخے مانتے ہیں یعنی کل دو مرتبہ پھنکے گا۔ اور سب احوال کو انہی دو میں درج کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً
اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں
وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ
اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل

پہاڑ روئی کی طرح ہوں گے

یعنی جن بڑے بڑے پہاڑوں کو تم اس وقت دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ ہمیشہ کے لئے زمین میں جمے ہوئے ہیں کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھا سکیں گے۔ قیامت کے دن یہ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اُڑتے پھریں گے اور بادل کی طرح تیز رفتار ہوں گے وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (واقعہ ۔ رکوع۱) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعہ۔ رکوع۱)

(طٰہٰ۔ رکوع۶) (تنبیہ) آیت ہذا کو زمین کی حرکت وسکون کے مسئلہ سے کچھ علاقہ نہیں جیسا کہ بعض متنورین نے سمجھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام بڑے اجسام کی حرکت

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ مراد یہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر اس طرح چلیں گے جیسے بادل کہ دیکھنے والا اس کو اپنی جگہ جما ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے چل رہے ہیں تمام بڑے اجسام جن کی ابتداء وانتہاء انسان کی نظر کے سامنے نہیں ہوتی جب وہ کسی ایک سمت کی طرف حرکت کریں تو خواہ حرکت کتنی بھی تیز ہو دیکھنے والوں کو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں جس کا مشاہدہ سب کو گہرے بادل اور دور تک چھائی ہوئی گھٹا سے ہوتا ہے کہ یہ بادل اپنی جگہ جمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہیں مگر ان کی حرکت دیکھنے والوں کو اس وقت محسوس ہوتی جب وہ اتنی دور چلے جائیں کہ افق کا کنارہ اس سے کھل جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

اے دیکھنے والے تو (قزع کے وقت) پہاڑوں کو دیکھے گا خیال کرے گا کہ یہ اپنی جگہ کھڑے ہیں (متحرک نہیں ہیں) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح (تیز رفتاری کے ساتھ) چلیں گے۔

پھر تیزی کے ساتھ چل کر زمین پر گر پڑیں گے اور زمین کے برابر ہو جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے جسم بھی اگر تیزی کے ساتھ ایک طرف کو حرکت کر رہے ہوں تو ان کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

بڑی بڑی اہم باتیں

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک دن کسی شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں کہ اتنے اتنے وقت تک قیامت آجائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ بطور تعجب کہا اور فرمانے لگے سنو! اب تو جی چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔ میں نے یہ کہا تھا کہ عنقریب تم بڑی بڑی اہم باتیں دیکھو گے بیت اللہ خراب ہوگا اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال میری اُمت میں چالیس ٹھیرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال، پھر اللہ (حضرت) عیسیٰؑ کو نازل فرمائے گا وہ صورت شکل میں بالکل عروہ بن مسعود جیسے ہوں گے آپؑ اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے۔ پھر سات سال ایسے نہ گزریں گے کہ دنیا بھر میں دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن میں آپس میں بغض وعداوت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک بھینی بھینی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے ہر مؤمن فوت ہو جائے گا ایک ذرے کے برابر بھی جس کے دل میں خیر یا ایمان ہوگا اس کی روح بھی قبض ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا ہوگا تو یہ ہوا وہیں جا کر اسے فنا کر دے گی۔ اب زمین پر صرف بدلوگ رہ جائیں گے جو پروں جیسے ہلکے اور چوپایوں جیسے بے عقل ہوں گے ان میں سے بھلائی بُرائی کی تمیز اُٹھ جائے گی ان کے پاس شیطان پہنچے گا اور کہے گا تم شرماتے نہیں کہ ان بتوں کی پرستش چھوڑے بیٹھے ہو؟ یہ بُت پرستی شروع کر دیں گے۔ خدا انہیں روزیاں پہنچاتا رہے گا اور خوش وخرم رکھے گا۔ یہ اسی مستی میں ہوں گے جو صور پھونکنے کا حکم مل جائے گا جس کے کان میں آواز پڑی وہیں دائیں بائیں لوٹنے لگے گا۔ سب سے پہلے اسے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض ٹھیک ٹھاک کر رہا ہوگا سنتے ہی بے ہوش ہو جائے گا۔ اور سب لوگ بیہوش ہونا شروع ہو جائیں گے۔

روحوں کا جسم میں سرایت کرنا

صور کی حدیث میں ہے کہ تمام روحیں صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی اور جب جسم قبروں سے اُگ رہے ہوں گے صور پھونک دیا جائے گا روحیں اُڑنے لگیں گی۔ مؤمنوں کی روحیں نورانی ہوں گی کافروں کی روحیں اندھیرے اور ظلمت والی ہوں گی۔ رب العالمین خالقِ کل فرما دے گا کہ میرے جلال کی میری عزت کی قسم ہے ہر روح اپنے بدن میں چلی جائے۔ جس طرح زہر رگ وپے میں سرایت کرتا ہے اس طرح روحیں اپنے جسموں میں پھیل جائیں گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے سر جھاڑتے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ
کاری گری اللہ کی جس نے سادھا ہے ہر چیز کو

صانع حقیقی کی کاریگری

یعنی جس نے ہر چیز کو نہایت حکمت سے درست کیا اُسی نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور مضبوط بنایا ہے اور وہ ہی اُن کو ایک دن ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا۔ وہ اُڑانا محض تباہ کرنے کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ عالم کو توڑ پھوڑ کر اس درجہ پر پہنچانا ہوگا جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے۔ تو یہ سب اسی صانع حقیقی کی کاریگری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾
اس کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو

یعنی اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کا حساب کتاب ہوگا اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہے تو ہر ایک کو ٹھیک اُس کے عمل کے موافق جزا وسزا دی جائے گی۔ نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے اسی کی قدرے تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ
جو کوئی لے کر آیا بھلائی تو اس کو ملے اُس سے بہتر

نیک عمل اور اس کا بدلہ

یعنی ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں کے حساب سے دیا جائے گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

معنے یہ ہیں کہ جو شخص نیک عمل کرے گا اور نیک عمل اسی وقت نیک کہلانے کے قابل ہوتا ہے جبکہ اس کی پہلی شرط ایمان موجود ہو تو اس کو اپنے عمل سے بہتر چیز ملے گی مراد اس سے جنت کی لازوال نعمتیں اور عذاب اور ہر تکلیف سے دائمی نجات ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ خیر سے مراد یہ ہے کہ ایک نیکی کی جزاء دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ملے گی۔ (مظہری)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾
اور اُن کو گھبراہٹ سے اُس دن امن ہے

بڑی گھبراہٹ

یعنی بڑی گھبراہٹ سے کما قال تعالیٰ (انبیاء۔ رکوع ۷) اگر کم درجہ کی گھبراہٹ ہو تو اس آیت کے منافی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ فزع سے مراد ہر بڑی مصیبت اور پریشانی اور گھبراہٹ ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو ہر متقی پرہیزگار بھی انجام سے ڈرتا ہی رہتا ہے اور ڈرنا ہی چاہیے جیسے قرآن کریم کا ارشاد ہے: یعنی رب کا عذاب ایسا نہیں کہ اُس سے کوئی بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ واولیاء اُمت ہمیشہ خائف ولرزاں رہتے تھے مگر اس روز جبکہ حساب کتاب سے فراغت ہو چکے گی تو حسنہ لانے والے نیک لوگ ہر خوف وغم سے بے فکر اور مطمئن ہوں گے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ط
اور جو کوئی لے کر آیا بُرائی سو اوندھے ڈالیں اُن کے منہ آگ میں
هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٩٠
وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادتی نہیں۔ جو کرنا سو بھرنا، خود کردہ را چہ علاج۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ
مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو
حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ
حرمت دی اور اسی کی ہے ہر ایک چیز

معظم ومحترم گھر

شہر سے مراد ہے مکہ معظمہ جسے خدا تعالیٰ نے معظم ومحترم بنایا۔ اسی تخصیص وتشریف کی بناء پر رب کی اضافت اُس کی طرف کی گئی ورنہ یوں ہر چیز کا رب اور مالک ایک وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ بلدہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک مکہ مکرمہ ہے اللہ تعالیٰ تو رب العالمین اور رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ ہے مکہ مکرمہ کی تخصیص اس جگہ اس کی عظمتِ شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و محترم ہونے کا اظہار ہے لفظ حرم تحریم سے مشتق ہے اس کے معنے مطلق احترام واکرام کے بھی ہیں اور اس احترام واکرام کی وجہ سے جو خاص احکام شرعیہ مکہ مکرمہ اور ارضِ حرم سے متعلق ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں مثلاً جو شخص حرم میں پناہ لے وہ مامون ہو جاتا ہے۔ حرم میں کسی دشمن سے انتقام لینا اور قتل کرنا جائز نہیں اور ارضِ حرم میں شکار کو قتل کرنا بھی جائز نہیں۔ درختوں کا کاٹنا جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس (اللہ) کی عبادت کروں جو (خاص طور پر) اس شہر کا مالک حقیقی ہے جس نے اس کو محترم بنایا ہے (ویسے تو عام طور پر) ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں (اسی کا) فرمانبردار رہوں۔

هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یعنی مکہ۔ رب کی هٰذِهِ الْبَلْدَةِ کی طرف اضافت شہر کی عزت ظاہر کرنے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ اس کے اندر کعبہ ہے جو تجلیات الٰہیہ کی پرتو افگنی کا خصوصی مقام ہے۔

الَّذِيْ حَرَّمَهَا یعنی وہ رب ایسا ہے کہ اس نے اس شہر کو حرم بنا دیا یہ مکمل مقام امن ہے یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا نہ کسی کا خون بہایا جاتا ہے نہ کسی کو لوٹا جاتا ہے نہ یہاں کے شکار کو بھڑکا کر نکالا جاتا ہے نہ یہاں کے درخت اور گھاس کاٹنے کی اجازت ہے۔ حقیقت میں اللہ کی اس صفت کا ذکر کر کے قریش کو اللہ کے احسان کی یاد دلائی گئی ہے کہ اس نے ان تمام فتنوں فسادوں اور بدامنیوں سے تمہارے مسکن کو محفوظ رکھا ہے جو سارے عرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز اسی کے مخلوق ومملوک ہے اس شہر کا بھی مالک حقیقی وہی ہے۔ المسلمین یعنی فرمانبردار مطیع حکم ہو جاؤں یا ملت اسلام پر قائم رہوں (پہلا معنی لغوی ہے دوسرا معنی اصطلاحی) (تفسیر مظہری)

وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝٩١
اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں حکم برداروں میں

کامل فرمانبرداری

یعنی اُن لوگوں میں رہوں جو حق تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنے والے اور اپنے کو ہمہ تن اس کے سپرد کر دینے والے ہیں۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ج
اور یہ کہ سناؤں قرآن

قرآن کے ذریعہ نصیحت اور قرآن کی پیروی

یعنی بذاتِ خود اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کرتا رہوں اور دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا رستہ بتلاتا رہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ اور (مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ) میں قرآن

Marfat.com

پڑھ کر سناؤں۔ اتلوا یا تلاوت سے ہے یعنی تبلیغ و دعوت کی غرض سے پڑھ کر سناؤں یا تِلو سے مشتق ہے اور تلو کا معنی (پیچھے پیچھے چلنا) اتباع کرنا یعنی اس قرآن کی پیروی کروں (اس کے راستہ پر چلوں) بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول مبدأ و معاد و قیامت کے احوال لوگوں کے لئے بیان فرما دیئے ہیں اس کے بعد اپنے رسول کو حکم دیا کہ آپ ان کو یہی بات سنا دیجئے اب رسول اللہ کے ذمہ تبلیغ و دعوت کا فریضہ تو باقی نہیں صرف یہی کام رہ گیا کہ اپنے رب کی عبادت میں مستغرق ہو جائیں اور ہر وقت اسی کی یاد میں لگے رہیں اِنَّمَآ اُمِرْتُ سے پہلے قُلْ محذوف یعنی آپ کہہ دیجئے کہ مجھے عبادت کرنے اور اطاعت پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ
پھر جو کوئی راہ پر آیا سو راہ پر آئے گا اپنے ہی بھلے کو
وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾
اور جو کوئی بہکا رہا تو کہہ دے میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا

ہر کسی کو اپنے لئے راہِ راست کی ضرورت ہے

یعنی میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا، نہ سمجھو تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سو جو سیدھے راستہ پر چلے گا وہ اپنے لئے چلے گا اور جو راہ راست سے بھٹکے گا تو آپ کہہ دیجئے (میرا کچھ ضرر نہ ہوگا) میں صرف ڈرانے والا ہوں (یعنی کسی کو ہدایت یاب بنانے کا ذمہ دار میں نہیں کسی کی گمراہی کا وبال مجھ پر نہیں پڑے گا میرا کام صرف پہنچا دینا ہے کسی کے ہدایت یاب نہ ہونے اور راہ راست پر نہ چلنے کی باز پرس مجھ سے نہیں ہوگی اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھا دے گا اس وقت تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

فَمَنِ اهْتَدٰى یعنی آپ کی دعوت و تبلیغ سے جو شخص راہ یاب ہو جائے گا تو اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا آپ پر احسان جتلانے کا اس کو حق نہیں اور جو راہ راست سے بھٹکے گا سیدھا راستہ کھو دے گا اور تبلیغ و دعوت کے بعد بھی راہ حق پر نہ چلے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا آپ کہہ دیجئے میرا کام صرف ڈرانا ہے تمہارا ذمہ دار نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو

راہنمائی کے منصب کا شکر

یعنی اللہ کا ہزاراں ہزار شکر جس نے مجھ کو ہادی و مہتدی بنایا۔ فی الحقیقت تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے جس کو خوبی یا کمال ملا وہیں سے ملا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اللہ نے جو نعمت نبوت سے مجھے سرفراز کیا اور جو تبلیغ و دعوت مجھ پر واجب تھی اس کو پورا کرنے کی مجھے توفیق عنایت کی اس پر اس کا شکر ہے وہ مستحق ستائش و ثنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ
آگے دکھائے گا تم کو اپنے نمونے تو اُن کو پہچان لو گے

آیاتِ الٰہیہ

یعنی آگے چل کر حق تعالیٰ تمہارے اندر یا تم سے باہر اپنی قدرت کے وہ نمونے اور میری صداقت کے ایسے نشان دکھلائے گا جنہیں دیکھ کر سمجھ لو گے کہ بے شک یہ اللہ کی وہ ہی آیات ہیں جن کی خبر پیغمبر نے دی تھی باقی اس وقت کا سمجھنا تم کو نافع ہو یا نہ ہو، یہ جُداگانہ چیز ہے۔ علامات قیامت وغیرہ سب اس کے تحت میں آ گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ عنقریب تم کو اللہ اپنی نشانیاں دکھا دے گا۔ نشانیوں سے مراد ہیں دنیا میں نمودار ہونے والی آیاتِ قدرت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آیاتِ صداقت ہیں جیسے بدر کی لڑائی میں کافروں کا مارا جانا قید ہونا فرشتوں کا نازل ہو کر مسلمانوں کی مدد کرنا اور کافروں کے چہروں کو زخمی کرنا اور پشت پر ضربیں لگانا چاند کا پھٹنا کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور آخر زمانہ میں دابۃ الارض کا برآمد ہونا۔ انہیں آیات کی طرف اشارہ ایک اور آیت میں آیا ہے فرمایا ہے سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ یا آیات سے مراد ہیں آخرت میں نمودار ہونے والی نشانیاں (یعنی واقعات قیامت ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔

فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ اس وقت تم ان آیات کو پہچان لو گے لیکن اس وقت پہچاننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع
اور تیرا رب بے خبر نہیں اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو

Marfat.com

سزا میں تاخیر کو غفلت نہ سمجھو

یعنی جو عمل اور معاملہ تم کرتے ہو، سب اس کی نظر میں ہے۔ اُسی کے موافق آخر کار بدلہ ملے گا۔ اگر سزا وغیرہ میں تاخیر ہو تو نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کرتوت سے بے خبر ہے۔ تم سورۃ النمل وللہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

امام احمد بن حنبلؒ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہا کرتے تھے جو یا تو آپؒ کے ہیں یا کسی اور کے ؎

اذا ماخلوتَ الدھر یوماً فلاتقُلْ
خَلَوتُ ولکن قلْ علیَّ رقِیْب
ولا تحَسبنَّ اللّٰہ یغفل سَاعَۃً
ولا اَنَّ مایخفے علیہ یغِیبُ

یعنی جب تو کسی وقت بھی خلوت اور تنہائی میں ہو تو اپنے تئیں تنہا اور اکیلا نہ سمجھنا بلکہ اپنے خدا کو وہاں بھی حاضر ناظر جاننا وہ ایک ساعت بھی کسی سے غافل نہیں نہ کوئی مخفی اور پوشیدہ چیز اُس کے علم سے باہر ہے۔

خدا کے فضل وکرم سے سورۂ نمل کی تفسیر ختم ہوئی۔

سورۂ کے مضامین کا ربط

(ربط) جب اللہ تعالیٰ مبداء اور معاد اور قیامت اور علامات قیامت اور قانون جزا اور سزا کو بیان کر چکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم کرتے ہیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے۔

(۱) ایک تو خدا کی عبادت۔ یعنی توحید خالص

(۲) دوم دین اسلام پر استقامت

(۳) سوم قرآن مجید کی تلاوت جو تبلیغ احکام اور دعوتِ اسلام کا اولین ذریعہ ہے۔

اور بتلا دیا کہ راہ راست پر چلنے سے بندہ ہی کا فائدہ ہے اور نہ چلنے سے بندہ ہی کا نقصان ہے اور اللہ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ لہٰذا اعمال صالحہ عبادت اور تلاوت میں لگے رہو تا کہ آخرت میں کام آویں۔ (معارف کاندھلوی)

اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب ان کے کسی عمل سے بے خبر نہیں ہے جو یہ کرتے رہتے ہیں یعنی اعمال کے مطابق ہر ایک کو بدلہ دے گا اور وقت مقرر پر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

بحمد اللہ تمت

سورۃ النمل ختم ہوئی

Marfat.com

سورة القصص

سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّتِسْعُ رُکُوْعَاتٍ
سورۂ قصص مکہ میں اتری اور اس کی اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
طٰسٓمٓ ① تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ② نَتْلُوْا
یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی ہم سناتے
عَلَیْکَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ
ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰ اور فرعون کا تحقیق
لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ③
اُن لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں

مومنوں کو ظالموں پر کامیابی ملے گی

یعنی مسلمان لوگ اپنا حال قیاس کرلیں ظالموں کے مقابلہ میں (موضح) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باوجود کمزوری کے فرعونیوں کی طاقت کے مقابلہ میں منصور و کامیاب کیا۔ ایسے ہی مسلمان جو فی الحال مکہ میں قلیل اور ضعیف و ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بیشمار طاقتور حریفوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ القصص مکی ہے صرف آیات اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ سے لَانَبْتَغِی الْجٰھِلِیْنَ تک مدنی ہیں اس سورۃ کی آیات اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ الخ مکہ و مدینہ کے درمیان راستہ میں نازل ہوئیں۔

نَتْلُوْا ہم پڑھتے ہیں یعنی جبرئیل کی زبانی مراد ہے نازل کرنا۔

مِنْ نَّبَاِ کچھ خبر کچھ قصہ (مِنْ تبعیضیہ ہے)

بِالْحَقِّ یعنی سچائی کا حامل۔ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ. ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں کیونکہ انہیں کو اس سے فائدہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ قصص کا تعارف

سورۂ قصص مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ یعنی رابغ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو آپ کا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور یاد آتا ہے۔ اس پر جبرئیل امین نے یہ سورت قرآن سُنائی جس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آئے وہ آیت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ سورۂ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے اجمال کے ساتھ پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ نصف سورت تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور آخر سورت میں قارون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ (مفتی اعظم)

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ
فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھا تھا
اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْھُمْ
وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے کمزور کر رکھا تھا ایک فرقہ کو اُن میں

قبطیوں کا بنی اسرائیل پر تسلط

یعنی مصر میں قبطی بھی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سبطی بھی جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے لیکن فرعون ظلم و تکبر کی راہ سے بنی اسرائیل کو پنپنے اور اُبھرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا سب قبطی آقا بنے ہوئے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ اُن سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں وہ کوئی قوت و وقعت حاصل کرسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

شیعاً فرقے فرقے۔ کہ سب فرعون کے تابع تھے فرعون جو کام لینا چاہتا تھا وہ کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ
ذبح کرتا تھا اُن کے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا اُن کی عورتوں کو

بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل

کہتے ہیں فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھ سے تیری سلطنت برباد ہوگی۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہیے کہ انہیں حکومت کے مقابلہ کا ہ ہو۔ اور آئندہ جو لڑکے ان کے پیدا ہوں اُن کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہیے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رُک جائے گی۔ البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں اُنہیں زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اور ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیمؑ خلیل کی ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جس میں خبر دی گئی تھی کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر اس سلطنت مصر کی تباہی مقدر ہے۔ شدہ شدہ یہ تذکرے فرعون کے کانوں تک پہنچ گئے اُس احمق نے قضاء وقدر کی روک تھام کے ظلم وستم کی یہ اسکیم جاری کی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشینگوئی

بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کی حکومت میں سے مع اپنی اہلیہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے جا رہے تھے اور یہاں کے سرکش بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لونڈی بنانے کے لئے آپ علیہ السلام سے چھین لیا تھا، جنہیں خدا نے اس کافر سے محفوظ رکھا اور اسے ان پر دست درازی کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ ہوئی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور پیشینگوئی فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے ایک کی اولاد کے ایک لڑکے کے ہاتھوں ملک مصر اس قوم سے جاتا رہے گا اور ان کا بادشاہ اس کے سامنے ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ چونکہ بنی اسرائیل میں یہ روایت چلی آ رہی تھی اور ان کے درس میں بھی یہ تھی جسے قبطی بھی سنتے تھے جو فرعون کی قوم کے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝
بیشک وہ تھا خرابی ڈالنے والا

فرعون کا فساد

یعنی زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی لہذا اُسے ایسا ظلم وستم کرنے میں کیا جھجک ہوتی۔ بس جو دل میں آیا، اپنے کبر وغرور کے نشہ میں بے سوچے سمجھے کر گزرا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں اُن لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے
فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝
ملک میں اور کر دیں اُن کو سردار اور کر دیں اُن کو قائم مقام
وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ
اور جما دیں اُن کو ملک میں

اللہ کمزوروں کو غالب کرنے والے تھے

یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو قوی اور پستوں کو بالا کیا جائے۔ جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا اُن ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کرا کر اُس مظلوم و ستم رسیدہ قوم سے زمین کو آباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیوی حکومت بھی اس مظلوم ومقہور قوم کے حوالے کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اَئِمَّة مجاہد کے نزدیک دینی پیشوا اور داعیان خیر مراد ہیں۔ قتادہ کے نزدیک والیانِ ملک اور بادشاہ مراد ہیں کیونکہ اللہ نے بنی اسرائیل کے متعلق ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ . الْوٰرِثِيْنَ یعنی فرعون اور اس کی قوم کے ملک ومال کے مالک۔

مصر وشام کی حکومت

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ یعنی سرزمین مصر وشام میں ان کو حکومت عطا کریں۔ تمکین کا لغوی معنی ہے کسی چیز کی جگہ بنا دینا کہ اس میں وہ چیز ٹھہر جائے (لغت کے لحاظ سے نمکن لھم کا ترجمہ ہوا ہم ان کو جما وٴ عطا کر دیں) مجازاً تمکین کا معنی ہے حاکم بنا دینا مسلط اور غالب کر دینا۔ (تفسیر مظہری)

وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ
اور دکھا دیں فرعون اور ہامان کو

Marfat.com

فرعون و ہامان اور اس کے لشکروں کی شکست

ہامان وزیر تھا فرعون کا جو ظلم و ستم میں اُس کا شریک اور آلہ کار بنا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝
اور اُن کے لشکروں کو اُن کے ہاتھ سے جس چیز کا اُن کو خطرہ تھا

یعنی جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزارہا بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ ہم نے چاہا کہ وہ ہی خطرہ اُن کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لئے کہ کسی طرح اُس اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے۔ جس کے ہاتھ پر اُس کی تباہی مقدر تھی لیکن تقدیر الٰہی کہاں سے ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اُس بچہ کو اسی کی گود میں اُسی کے بستر پر اُسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز و نعم سے پرورش کرایا۔ اور دکھلا دیا کہ خدا جو انتظام کرنا چاہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ
اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اُس کو دودھ پلاتی رہ
فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ
پھر جب تجھ کو ڈر ہو اُس کا تو ڈال دے اُس کو دریا میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام

اُن کی ماں کو الہام ہوا یا خواب دیکھایا اور کسی ذریعہ سے معلوم کرا دیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دُودھ پلاتی رہیں، جب اندیشہ ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ سورۂ طٰہٰ میں یہ قصہ گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کا نام یوخابذ بنت لاوی تھا اور لاوی حضرت یعقوب کا بیٹا تھا۔ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ وحی نبوت والی وحی نہیں تھی نہ کوئی عورت نبی ہوئی۔ قتادہ نے اس جگہ اَوْحَيْنَآ کا ترجمہ کیا ہم نے اس کے دل میں ڈال دیا صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو الہام کہتے ہیں الہام ہی کی ایک قسم وہ سچا خواب بھی ہے جس سے دل کو یقین اور اطمینان ہو جائے۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ الہام بھی علم کا ایک ذریعہ ہے اگرچہ اس سے علم ظنی (غیر یقینی) حاصل ہوتا ہے لیکن الہام قلبی اور القاء انہی دلوں کا قابل اعتبار ہوتا ہے جو پاک صاف اور حامل اطمینان ہوں۔ وسوسے اور الہام کا فرق ہی یہ ہے کہ وسوسہ (دل کا کھٹکا) موجب اطمینان نہیں ہوتا اور الہام سے اطمینان قلبی حاصل ہو جاتا ہے اور (صاحب الہام کو اپنی جگہ) قلبی یقین ہو جاتا ہے۔

اَنْ اَرْضِعِيْهِ یعنی موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی اور کہہ دیا کہ جب تک پوشیدہ رکھنا ممکن ہو موسیٰ کو دودھ پلاتی رہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ موسیٰ علیہ السلام کو گود میں لئے دودھ پلاتی رہتی تھیں اور وہ نہ روتے تھے نہ حرکت کرتے تھے۔ کذا ذکر البغوی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ
اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم پھر پہنچا دیں گے اُس کو تیری طرف
وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝
اور کریں گے اُس کو رسولوں سے

اُمّ موسیٰ علیہ السلام کو تسلی

ماں کی تسلی کر دی کہ ڈرے مت، بے کھٹکے دریا میں چھوڑ دے بچہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور بچے کی جدائی سے غمگین بھی مت ہو۔ ہم بہت جلد اس کو تیری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں۔ وہ منصب رسالت پر سرفراز کیا جائے گا۔ کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل و مانع نہیں ہو سکتی۔ تمام رکاوٹیں دُور کر کے وہ مقصد پورا کرنا ہے جو اس محترم بچے کی پیدائش سے متعلق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مصر میں قبطیوں کے زوال کے اسباب

عطاء اور ضحاک راوی ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا مصر میں جب بنی اسرائیل کی تعداد بہت ہو گئی اور لوگوں پر انہوں نے دراز دستی شروع کر دی اللہ کی نافرمانیاں کرنے لگے، نہ بھلائی کا کسی کو حکم دیتے تھے، نہ گناہ سے منع کرتے تھے آخر اللہ نے ان پر قبطیوں کو مسلط کر دیا قبطیوں نے ان کا زور توڑ دیا اور بہت زیادہ کمزور بنا دیا بالآخر اللہ نے اپنے نبی موسیٰ کے ذریعہ سے قبطیوں کے تسلط سے ان کو رہا کرا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور دایہ

حضرت ابن عباس کا یہ بھی بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ قریب آ گیا تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک دایہ کو بلوایا یہ دایہ انہی دائیوں میں سے تھی جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل

Marfat.com

کی حاملہ عورتوں کے لئے مقرر تھیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی دوست تھی دردزہ ہوا تو اسی دائی کو بلوایا وہ آ گئی تو اس سے کہا میری جو حالت ہے تجھے معلوم ہے آج تیری دوستی سے مجھے فائدہ حاصل کرنا ہے دائی اپنے کام میں لگ گئی جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اور دائی کے ہاتھوں میں آ گئے تو موسیٰ کی دونوں آنکھوں کے بیچ سے ایک نور نکلتا دیکھ کر دائی حیرت زدہ ہو گئی اس کا ہر جوڑ لرز اٹھا پورے بدن میں سنسنی پیدا ہو گئی اور موسیٰ علیہ السلام کی محبت اس کے دل میں جم گئی موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے کہنے لگی تو نے جب بلوایا تھا اور میں تیرے پاس آئی تھی اس وقت میرے پیچھے تیرے بیٹے کو قتل کرنے والے تھے (یعنی میرا ارادہ تھا کہ تیرے بچہ کو قاتلوں کے حوالے کر دوں گی) لیکن اب میرے دل میں تیرے بیٹے کی محبت ایسی محسوس ہوتی ہے کہ ایسی محبت میں نے کسی کی نہ پائی اس لئے میں کہتی ہوں کہ اپنے بیٹے کی حفاظت رکھنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تنور کی آگ میں

پھر دائی کو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے گھر سے نکلتے کسی جاسوس نے دیکھ لیا فوراً سب دروازہ پر آ گئے اور اندر گھسنا چاہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن (دوڑی آئی اور) کہنے لگی اماں دروازہ پر سپاہی آ گئے فوراً موسیٰ علیہ السلام کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بہن نے تنور میں ڈال دیا تنور میں آگ روشن تھی لیکن اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے اس کو پتہ بھی نہ چلا کہ میں کیا کر رہی ہوں سرکاری آدمی اندر گھس آئے تنور بھڑک رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے چہرے پر کوئی تغیر نہ تھا نہ چہرے کے رنگ میں کوئی فرق آیا تھا نہ دودھ اترا تھا کہنے لگے دائی یہاں کیوں آئی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا وہ میری دوست ہے ملاقات کے لئے آئی تھی غرض وہ لوگ واپس چلے گئے اب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی عقل بھی ٹھکانے پر آئی اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے پوچھا بچہ کہاں ہے موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ اتنے میں تنور کے اندر سے بچہ کے رونے کی آواز آئی ماں نے جا کر دیکھا تو تنور کی آگ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی پڑ چکی تھی اور خنکی بھی اتنی جو باعث سلامتی تھی ماں نے موسیٰ کو اٹھا لیا۔

صندوق کی تیاری اور بڑھئی کی زبان بندی

پھر مدت کے بعد والدۂ موسیٰ نے دیکھا کہ فرعون کو لڑکوں کی تلاش بے حد ہے اور اس کو اپنے بچہ کا خطرہ ہوا تو اللہ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ایک صندوق لے کر موسیٰ کو اس میں رکھ کر دریا میں ڈال دے اس خیال کے پیدا ہوتے ہی وہ ایک بڑھئی کے پاس آ گئی جو فرعون کی قوم میں سے تھا اور اس سے ایک صندوقچہ خریدا بڑھئی نے پوچھا تجھے کس کام کے لئے ضرورت ہے موسیٰ کی والدہ نے جھوٹ بولنا پسند نہیں کیا سچ بتا دیا کہ میرا ایک بچہ ہے میں صندوقچہ کے اندر اس کو چھپاؤں گی۔ بڑھئی نے پوچھا کیوں والدہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا فرعون کے خوف سے غرض صندوقچہ خرید کر اٹھا لائی وہ بڑھئی کے پاس سے چلی ہی تھی کہ بڑھئی قاتلوں کو اس واقعہ کی اطلاع دینے پہنچ گیا اور کچھ بولنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اللہ نے زبان روک دی اور بولنے کی طاقت سلب ہو گئی کچھ بول نہ سکا اور ہاتھ سے اشارے کرنے لگا لیکن سپاہی کچھ نہ سمجھ سکے، جب اشاروں کو سمجھنے سے عاجز آ گئے تو ان کے سردار نے حکم دیا کہ اس کو مار کر نکال دو بڑھئی پٹ پٹا کر اپنی جگہ پہنچا تو اللہ نے پھر زبان میں گویائی کی طاقت لوٹا دی وہ پھر مخبری کرنے کے ارادہ سے سپاہیوں کے پاس پہنچا اس مرتبہ زبان بھی بند ہو گئی اور نظر بھی جاتی رہی نہ بول سکا نہ آنکھوں سے کچھ دیکھ سکا آخر مار کر لوگوں نے نکال دیا بڑھئی۔

بالآخر بڑھئی مسلمان ہو گیا

حیران پریشان گرتا پڑتا اور لڑھکتا ایک وادی میں جا پہنچا اور اس نے پختہ نیت کر لی کہ اگر اللہ نے میری نگاہ اور قوتِ گویائی واپس کر دی تو وہ موسیٰ کی نشان دہی نہیں کرے گا بلکہ موسیٰ علیہ السلام جہاں ہوں گے ان کے ساتھ رہے گا اور ان کی حفاظت کرے گا۔ اللہ نے اس کو سچا جانا اور بینائی اور گویائی واپس دے دی فوراً وہ سجدہ میں گر گیا اور دعا کی اے میرے رب مجھے اس نیک بندہ کا پتہ بتا دے اللہ نے اس کو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچنے کا راستہ بتا دیا وہ وادی سے نکل آیا اور موسیٰ پر ایمان لے آیا وہ سمجھ گیا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے۔ (تفسیر حقانی)

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ

پھر اٹھا لیا اُس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو اُن کا دشمن اور غم میں ڈالنے والا

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝

بیشک فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر تھے چوکنے والے

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں

آخر ماں نے بچہ کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر پانی میں چھوڑ دیا

Marfat.com

۔صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ جالگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ اُن کو اس پیارے بچہ کی پیاری صورت بھلی معلوم ہوئی۔ آثار نجابت وشرافت نظر آئے۔ پالنے کی غرض سے اُٹھالیا۔ مگر اس اُٹھانے کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہو اور اُن کے حق میں سوہان روح بنے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون لعین کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزار ہا معصوم بچے تہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہ ہی ہے جسے بڑے چاؤ پیار سے آج ہمارے ہاتھوں میں پرورش کرایا جا رہا ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر ومشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ بیشمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرنے کے باوجود موسیٰ کو زندہ رہنے دیا لیکن نہ چوکتے تو کیا کرتے، کیا خدا کی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے، اُن کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ قضاء و قدر کے فیصلوں کو سمجھے کہ انسانی تدبیروں سے روکا جاسکتا ہے (تفسیر عثمانی)

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ

اور بولی فرعون کی عورت یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے اور تیرے لئے

فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنالیا

یعنی کیسا پیارا بچہ ہے ہمارے کوئی لڑکا نہیں، لاؤ اسی سے دل بہلائیں اور آنکھیں ٹھنڈی کیا کریں بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے کہا "لَکِ لَا لِی (تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میری نہیں) تقدیر ازلی یہ الفاظ اُس ملعون کی زبان سے کہلا رہی تھی۔ آخر وہ ہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون کی اکلوتی بیٹی کا علاج

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ فرعون کی صرف ایک لڑکی تھی اور کوئی اولاد نہ تھی لڑکی سے فرعون کو بڑی محبت تھی ہر روز فرعون سے وہ اپنے تین کام پورے کراتی تھی اس لڑکی کو سخت برص تھا فرعون نے اس کے علاج کے لئے مصر کے تمام اطباء اور ساحروں کو جمع کیا (طبیب کوئی کامیاب علاج نہ کر سکے) ساحروں نے کہا کہ اس کو صحت دریا کی طرف سے ہوگی کوئی چیز انسان کی شکل کی دریا میں پائی جائے گی اس کے منہ کا لعاب لے لیا جائے اور برص کے داغوں پر لگا دیا جائے تو یہ اچھی ہو جائے گی ایسا فلاں دن فلاں ساعت میں سورج نکلنے کے وقت ہوگا۔ چنانچہ دوسرا دن دوشنبہ کا تھا فرعون نے نیل کے کنارے اپنی بیٹھنے کی جگہ تیار کرائی اور جا کر بیٹھا ساتھ میں اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی فرعون کی لڑکی بھی اپنی خادماؤں کے ساتھ آ کر نیل کے کنارے بیٹھ گئی اور لڑکیوں کے منہ پر پانی کے چھپاکے مار مار کر کھیلنے لگی اچانک نیل میں بہتا ہوا سامنے سے ایک صندوق نظر آیا لہریں طمانچے مار مار کر اس کو لا رہی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

فرعون نے کہا نیل میں یہ چیز درخت سے آویختہ ہے اس کو لاؤ ہر طرف سے کشتیوں نے جا کر اس کو گھیر لیا اور لا کر فرعون کے سامنے رکھ دیا لوگوں نے ہر چند کھولنے کی تدبیریں کیں لیکن کھول نہ سکے پھر توڑنا چاہا توڑ بھی نہ سکے آخر آسیہ قریب آئی اس کو صندوق کے اندر ایک نور دکھائی دیا جو کسی اور کو نہیں دکھائی دیا کوشش کر کے اس نے صندوق کو کھول دیا اندر ایک چھوٹا سا بچہ بچھونے پر لیٹا تھا اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں ایک نور چمک رہا تھا اور اللہ نے اس کا رزق دونوں، انگوٹھوں میں پیدا کر دیا تھا جن کے اندر سے وہ دودھ چوس رہا تھا اللہ نے بچہ کی محبت آسیہ کے دل میں ڈال دی فرعون بھی اس سے محبت کرنے لگا اور دل سے مہربان ہو گیا صندوقچہ سے بچہ کو نکالا گیا فرعون کی لڑکی بھی آ گئی اور اس نے بچہ کے منہ کا لعاب لے کر اپنے داغوں پر ملا فوراً اچھی ہو گئی لڑکی نے بچہ کو چوم لیا اور سینے سے چمٹا لیا۔

جادوگروں کی ناکامی

جادوگروں نے کہا اے بادشاہ ہمارا خیال ہے کہ یہ بچہ وہی ہے جس سے تجھے خطرہ تھا یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے تیرے خوف سے اس کو دریا میں پھینک دیا گیا ہے فرعون نے بچہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۚ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرو امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے آسیہ کے اولاد نہ ہوتی تھی (بانجھ تھی یا کوئی اور وجہ تھی) فرعون سے آسیہ نے کہا موسیٰ علیہ السلام کو مجھے دے دو فرعون نے آسیہ کو موسیٰ علیہ السلام ہبہ کر دیا اور کہنے لگا مجھے اپنے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

بچے کا نام

آسیہ سے کہا گیا اس کا کچھ نام رکھو آسیہ نے کہا میں نے اس کا نام موسیٰ علیہ السلام رکھ دیا ہے کیونکہ ہم نے اس کو پانی اور درختوں کے درمیان پایا تھا۔ مو، پانی۔ اور سا درخت۔

Marfat.com

حضرت آسیہ

وہب بن منبہ نے بیان کیا جب فرعون کے سامنے صندوقچہ رکھا گیا اور لوگوں نے اس کو کھولا اور اس کے اندر سے موسیٰؑ برآمد ہوئے تو فرعون نے ان کو دیکھ کر کہا یہ تو عبرانی ہے دشمنوں میں سے ہے موسیٰؑ کو دیکھ کر اس کو غصہ آیا اور کہنے لگا یہ لڑکا کیسے بچ گیا فرعون نے ایک اسرائیلی عورت سے نکاح کر لیا تھا جس کو آسیہ بنت مزاحم کہا جاتا تھا یہ عورت بہت نیک تھی اور انبیاء کی نسل سے تھی مسکینوں کے لئے تو ماں تھی ان پر بڑا ترس کھاتی تھی بہت خیرات دیتی تھی، جب آسیہ فرعون کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تو اس نے فرعون سے کہا یہ لڑکا تو ایک سال سے زائد کا ہے اور آپ کا حکم اس سال کے لڑکوں کو قتل کرنے کا ہے اس لئے اس کو چھوڑ دیجئے۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا
اس کو مت مارو کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اس کو کر لیں بیٹا

یعنی کم از کم بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا یا مناسب سمجھا تو متبنّٰے بنالیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا۔ یہ قتل نہ کرنے کی درخواست کی علت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر برکت کے نشانات ہیں ہم کو اس سے فائدہ پہنچنے کی علامتیں موجود ہیں۔ آسیہ نے یہ بات اس سے کہی کہ ان کو موسیٰ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور چمکتا نظر آ گیا تھا انگوٹھوں سے دودھ چوستے بھی انہوں نے دیکھ لیا تھا اور فرعون کی لڑکی بھی ان کے منہ کا لعاب لگانے سے اچھی ہو گئی تھی۔

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔ کیونکہ یہ بیٹا ہونے کے قابل ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹
اور اُن کو کچھ خبر نہ تھی

یعنی یہ تو خبر نہ تھی کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ سمجھے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ کیا ضرور ہے کہ یہ ہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے پھر جب ہم پرورش کریں گے وہ خود ہی ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ اُس کا دوست ہوگا جو سارے جہان کا پرورش کرنے والا ہے اور تم چونکہ اس کے دشمن ہو اس لئے مجبور ہوگا کہ پروردگار حقیقی کے حکم سے تمہاری مخالفت کرے۔ تم اپنی ظاہری تربیت پر تو ایسی اچھی اُمیدیں باندھتے ہو۔ مگر شرم نہیں آتی کہ اُس رب حقیقی کے مقابلہ میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کی آواز بلند کر رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کاش کہ فرعون.....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس روز فرعون کہہ دیتا یہ جیسے تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ویسے ہی میرے لئے بھی خنکی چشم ہے تو اللہ نے جس طرح آسیہ کو ہدایت یاب کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب کر دیتا۔

ابن جریر نے بروایت محمد بن قیس مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ فرعون نے کہا تھا کہ تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا میری آنکھ کی ٹھنڈک نہیں ہے اگر وہ یوں کہہ دیتا کہ جیسے یہ تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا ویسے ہی میری آنکھ کی بھی خنکی ہوگا تو جس طرح اللہ نے آسیہ کو ہدایت یافتہ کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب بنا دیتا۔

محمد بن وہب نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر اللہ کا دشمن آسیہ کی طرح موسیٰ کی بابت عسیٰ اَنْ يَّنْفَعَنَا کہہ دیتا تو اللہ اس کو بھی فائدہ پہنچا دیتا لیکن اللہ نے اس کے لئے بدبختی لکھ دی تھی وہی بد نصیبی غالب آئی اور اس نے انکار کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ
اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھی
لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا
کہ ظاہر کر دے بیقراری کو اگر نہ ہم نے گرہ دی ہوتی اُس کے دل پر
لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰
اس واسطے کہ رہے یقین کرنے والوں میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کی کیفیت

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈال تو آئیں مگر ماں کی ممتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ رہ رہ کر موسیٰ کا خیال آتا تھا۔ دل سے قرار جاتا رہا۔ موسیٰ کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی، قریب تھا کہ صبر و ضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور عام طور پر ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ لیکن خدائی الہام

Marfat.com

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کو یاد کر کے تسلی پاتی تھی۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اس کے دل کو مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت کھُلنے نہ پائے۔ اور تھوڑی دیر بعد خود موسیٰ کی والدہ کو عین الیقین حاصل ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر اہل تفسیر نے خالی ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ موسیٰ کی یاد کے علاوہ اس کا دل ہر بات سے خالی ہو گیا۔

حسن نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس کا دل خالی ہو گیا وہ اس الہام کو بھول گئی جو اللہ نے اس کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ اس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف وغم نہ کرنا۔ ہم ضرور اس کو لوٹا کر تیرے پاس پہنچا دیں گے۔ اور اس کو پیغمبر بنائیں گے۔ مگر شیطان نے اس سے آ کر کہا کیا تجھے یہ بات تو پسند نہیں کہ فرعون تیرے بچہ کو قتل کر دے اور تجھے اس کا اجر وثواب ملے اور تو خود بچہ کو قتل کرنے کے درپے ہو رہی ہے اور اس کو دریا میں ڈال کر غرق کر رہی ہے (اس کا گناہ تو تجھ پر ہو گا اور اگر فرعون اس معصوم کو قتل کر دے گا تو تجھے اجر ملے گا) غرض جب اس کو اطلاع ملی کہ فرعون نے نیل میں موسیٰؑ کو پالیا تو اس مصیبت نے اس کو اللہ کا وعدہ فراموش کرا دیا میں کہتا ہوں شاید اس کو اس سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے اس کے دل میں جو القاء ہوا تھا وہ غلط ہو کیونکہ اولیاء کا الہام ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا الہام میں غلطی ہو سکتی ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا قریب تھا کہ وہ کہہ دیتی ہائے بیٹا۔

مقاتل نے کہا جب اس نے صندوق کو دیکھا کہ دریا کی لہریں اس کو اوپر اٹھا کر پھر نیچے پٹک رہی ہیں اور وہ لہروں میں پھنسا ہوا ہے تو اس کو ڈوب جانے کا خطرہ اتنا ہوا کہ قریب تھا وہ چیخ پڑے (اور بات کھل جائے)

کلبی نے کہا جوان ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ کو فرعون کا بیٹا کہا جانے لگا اور آپ کی والدہ نے بھی یہ بات سنی تو اس کو یہ بات اتنی شاق گزری کہ قریب تھا وہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ علیہ السلام میرا بیٹا ہے۔

بعض اہلِ تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ والدہ موسیٰ کا دل غم و فکر سے خالی ہو گیا (اس کو کوئی غم نہ رہا) جب کہ اس نے سن لیا کہ موسیٰ کو فرعون نے بیٹا بنا لیا ہے یہ بات سن کر اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے مغلوب ہو کر وہ قریب تھا کہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ میرا بیٹا ہے (میرے بیٹے کو فرعون نے بیٹا بنایا ہے) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کا بیان نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی عورت بتاتی ہوں کہ موسیٰ اس کا دودھ پی لے گا اور پھر ماں کو لے کر آ گئی اور موسیٰ نے ماں کے پستان کو منہ میں لے لیا تو قریب تھا کہ ماں بول اٹھتی یہ تو میرا ہی بیٹا ہے لیکن اللہ نے اس کو اظہار سے بچا لیا۔

یوسف بن حسین نے کہا موسیٰ کی ماں کو دو حکم دیئے گئے تھے اور دو چیزوں کی ممانعت کی گئی اور دو بشارتیں دی گئی تھیں لیکن اس کو کسی سے کوئی فائدہ اس وقت تک نہیں پہنچا جب تک اللہ نے اس کی حفاظت نہیں کی اور اس کے دل کو مضبوط نہ کیا اور بے چینی کو سکون سے نہ بدلا تا کہ وہ ان مومنوں میں سے ہو جائے جو اللہ کے وعدہ پر پختہ بھروسہ رکھتے ہیں فرعون کے بیٹا بنانے پر بھروسہ نہ رکھے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۚ فَبَصُرَتْ بِهٖ
اور کہہ دیا اُس کی بہن کو پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اُس کو
عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝
اجنبی ہو کر اور اُن کو خبر نہ ہوئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنے بھائی کے حالات کی جاسوسی

یعنی جب فرعون کے محل سرا میں صندوق کھُلا اور بچہ برآمد ہوا تو شہر میں شہرت ہو گئی۔ موسیٰ کی والدہ نے اپنی بیٹی کو (جو موسیٰ کی بہن تھی) حکم دیا کہ بچہ کا پتہ لگانے کے لئے چلی جا اور علیحدہ رہ کر دیکھ کیا ماجرا ہوتا ہے۔ لڑکی ہشیار تھی جہاں بچہ کے گرد بھیڑ لگی تھی وہاں بے تعلق اجنبی بن کر دُور سے دیکھتی رہی۔ کسی کو پتہ نہ لگا کہ اس بچہ کی بہن ہے۔ (تفسیر عثمانی)

موسیٰ کی بہن موسیٰ کی ٹوہ لے رہی ہے اس قصہ میں یہ بھی آیا ہے کہ مریم الگ الگ جا رہی تھی اور نظر چرا کر دیکھتی جاتی تھی تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوقچہ میں ڈال کر فرعونیوں کے خوف کی وجہ سے دریا میں بہا دیا اور بہت پریشان ہوئیں اور سوائے خدا کے سچے رسول اپنے لختِ جگر حضرت موسیٰؑ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا صبر وسکون جاتا رہا دل میں بجز حضرت موسیٰؑ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا، اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی دل جمعی نہ کر دی جاتی تو وہ بے صبری میں راز فاش کر دیتیں لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہو گیا۔ لیکن خدا نے ان کا دل ٹھہرا دیا ڈھارس اور تسکین دے دی اور انہیں یقین کامل کرا دیا کہ تیرا بچہ تجھے

Marfat.com

ضرور مل جائے گا والدہ موسیٰؑ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھدار تھیں فرمادیا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ دیکھو کیا (انجام ہوتا ہے؟ مجھے خبر کرنا۔ تو یہ اُسے دور سے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ اُن کا خیال رکھتی ہوئی ساتھ ساتھ جارہی ہیں۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں سے اس کی لونڈیوں کو اُٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرعون کو اُس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دایہ تھیں سب کو بچہ دیا گیا ہر ایک نے بڑی محبت و پیار سے انہیں دُودھ پلانا چاہا لیکن بحکم خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھ باہر بھیجا کہ باہر کسی دایہ کو تلاش کرو اور جس کا دودھ یہ پئے اُسے لے آؤ۔ چونکہ رب العالمین کو یہ منظور نہ تھا اُس کا نبی علیہ السلام اپنی والدہ کے سوا اور کسی کا دودھ پئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰؑ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں جب آپؑ کو لے کر باہر نکلیں تو آپؑ کی بہن صاحبہ نے پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ انہیں خود کوئی پتہ چل سکا آپ کی والدہ کو پہلے تو بہت پریشان تھیں لیکن اس کے بعد خدا نے انہیں صبر و سکون دے دیا تھا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں بہن نے انہیں کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ بچہ کسی دائی کا دودھ نہیں پیتا ہم اس کے لئے کسی اور دایہ کی تلاش میں ہیں یہ سن کر ہمشیرہ کلیم اللہؑ نے فرمایا کہ اگر کہو تو میں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے یہ بچہ ان کا دودھ پی لے، وہ اسے پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔ یہ سن کر انہیں یہ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت سے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے اسے گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا سبحان اللہ کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو، انعام اکرام کی خاطر کون اس بچہ سے ہمدردی نہ کرے گا؟ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھا۔ یہ انہیں لے کر اپنے گھر آئیں اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا انہیں دیجئے۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ ان کا دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہؓ کو دی گئی اسے سُن کر آپ بہت خوش ہوئیں انہیں اپنے محل میں بُلوایا اور بہت کچھ انعام اکرام دیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچہ کی والدہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ
اور روک رکھا تھا ہم نے موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے پھر بولی
هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ
میں بتلاؤں تم کو ایک گھر والے کہ اُس کو پال دیں
لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ﴿١٢﴾
تمہارے لئے اور وہ اُس کا بھلا چاہنے والے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام دوبارہ اپنی والدہ کی گود میں

یعنی فرعون کی بیوی نے اس ملعون کو بھی بچہ کی پرورش پر راضی کر لیا تو دودھ پلانے کی فکر ہوئی اور دائیاں طلب کی گئیں۔ مگر قدرت نے پہلے ہی سے بند لگا دیا تھا موسیٰ اپنی ماں کے سوا کسی کا دودھ نہ پکڑے۔ سخت تشویش تھی کہ کہاں سے مرضعہ لائی جائے جس کا دودھ بچہ منہ کو لگا سکے۔ موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہ پیتے تھے۔ فرعون کے آدمی اسی فکر و تجسس میں تھے کہ موسیٰ کی بہن نے کہا میں تم کو ایک گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو امید ہے بچہ کو پال دیں گے اور جہاں تک اُن کی طبائع کا اندازہ ہے بہت خیر خواہی اور غور و پرداخت سے پالیں گے کیونکہ شریف گھرانا ہے اور بادشاہ کے گھر سے انعام و اکرام کی بڑی توقعات ہوں گی۔ پھر تربیت میں کمی کیوں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰ کی والدہ طلب کی گئیں بس بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا کہ اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا ہے بڑی خوشیاں منائی گئیں اور انعام و اکرام کئے گئے۔ مرضعہ نے عذر کیا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی، اپنے گھر لے جا کر اس کی پرورش کروں گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام امن و اطمینان کے ساتھ پھر آغوش مادری میں پہنچ گئے۔ اور فرعون کے یہاں سے جو روزینہ اُن کی ماں کا مقرر ہوا وہ مفت میں رہا۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

ہر عورت کی پستان کو روک دیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فرعون کی بیوی چاہتی تھی کہ کسی طرح کسی دودھ پلانے والی کا دودھ موسیٰ علیہ السلام پی لیں چنانچہ ایک کے بعد ایک دودھ پلانے والیاں آئیں مگر موسیٰ نے کسی کے پستان کو منہ نہیں لگایا موسیٰ علیہ السلام کی بہن یہ کیفیت دیکھتی رہی آٹھ راتیں یونہی گزر گئیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کسی مرضعہ کا دودھ نہیں پیا اور چلاتے رہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی تفتیش

ابن جریج اور سدی نے هُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ کہا تو لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ تو اس کے گھر والوں کو جانتی ہے بتا وہ کون ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے تو اس کے گھر والے معلوم نہیں میں نے یہ کہا تھا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی سدی کا یہ قول نقل کیا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے جب باز پرس ہوئی تو اس نے کہا میں یہ بات بادشاہ کی خوشی کے لئے کہہ رہی تھی اور اس بات کو ظاہر کرنا تھا کہ ہمارا تعلق بادشاہ سے ہے بعض اہلِ روایات نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے هَلْ اَدُلُّكُمْ کہا تو لوگوں نے کہا ایسا کون ہے اس نے کہا میری ماں ہے لوگوں نے پوچھا کیا تیری ماں کا کوئی لڑکا ہے ہمشیرہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں ہارون ہے (حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے تھے جس سال لڑکوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا) لوگوں نے کہا تو نے ٹھیک کہا تو ہمارے پاس لے آ لڑکی نے اپنی ماں سے جا کر پوری بات کہہ دی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی ماں کی خوشبو سونگھی تو پستان کو منہ لگا دیا اور پینے لگے اور اتنا پیا کہ دونوں کوکھیں بھر گئی سدی نے کہا روز کی اجرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک دینار ملتی تھی اور وہ اس لئے لے لیتی تھیں کہ وہ حربی کافر کا مال تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ
پھر ہم نے پہنچا دیا اُس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اُس کی آنکھ اور غمگین
وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
نہ ہو اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے

یعنی "اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ" میں جو دو وعدے کئے تھے ایک تو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا۔ اور دوسرے کو اسی پر قیاس کرنے کا موقع ملا کہ بلاشبہ وہ بھی اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

پورا کلام اس طرح تھا لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا بتا وہ کون عورت ہے موسیٰ کی بہن نے اپنی ماں کا پتہ بتایا لوگوں نے کہا اپنی ماں کو بلا لا وہ جا کر ماں کو لے آئی لوگوں نے موسیٰ کی ماں کی گود میں بچہ کو رکھ دیا ماں نے دودھ پلایا بچہ نے پی لیا لوگوں نے بچہ کو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے سپرد کر دیا اس طرح ہم موسیٰ علیہ السلام کو ماں کے پاس واپس لے آئے۔ (تفسیر مظہری)

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾
پر بہت لوگ نہیں جانتے

یعنی وعدہ اللہ کا پہنچ کر رہتا ہے ہاں بیچ میں بڑے بڑے پھیر پڑ جاتے ہیں۔ اس میں بہت لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا
اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا دی ہم نے اُس کو حکمت
وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾
اور سمجھ اور اُسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم و حکمت کی عطاء

یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے اُن کو بہت حکمت کی باتیں سمجھائیں اور خصوصی علم و فہم عطا فرمایا کیونکہ بچپن ہی سے وہ نیک کردار تھے۔ ایسے ہونہار کو ہم اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حکما یعنی نبوت علما یعنی اللہ اور اس کے احکام کی معرفت بعض کے نزدیک اس سے نبی بنانا مراد نہیں ہے کیونکہ نبوت تو مصر سے ہجرت کرنے کے بعد مدین سے واپسی میں ملی تھی بلکہ اس سے مراد ہے دانش اور احکام شرعی کا علم۔ میں کہتا ہوں واو مطلق عطف کے لئے آتا ہے ترتیب ضروری نہیں۔ نبوت اگرچہ ہجرت کے بعد ملی تھی لیکن اس جگہ پہلے ذکر کرنا اس وعدہ کی تکمیل کو ظاہر کر رہا ہے جو آپ کی والدہ سے اللہ نے فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا ہے اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اَشُدَّ کے لفظی معنی قوت وشدت کی انتہا پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت وشدت کی طرف بڑھتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت و شدت آسکتی تھی وہ پوری ہوجائے اس وقت کو اَشد کہا جاتا ہے اور یہ زمین کے مختلف خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی کا اشد کا زمانہ جلد آجاتا ہے کسی کا دیر میں، لیکن حضرت ابنِ عباسؓ اور مجاہد سے بروایت عبدابن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سنِ کمال یا سنِ وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشوونما ایک حد پر پہنچ کر رُک جاتا ہے اس کے بعد چالیس کی عمر تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استویٰ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس سال کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہوجاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہوکر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح وقرطبی)

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ
اور آیا شہر کے اندر جس وقت
غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا
بے خبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ

یعنی حضرت موسیٰ جوان ہوکر ایک روز شہر میں پہنچے جس وقت لوگ غافل پڑے سو رہے تھے شاید رات کا وقت ہوگا یا دوپہر ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا المدینہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شہر مصر ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے پھر ایک روز اس شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام لوگوں کی غفلت کا وقت تھا، آگے قتل قبطی کے قصہ میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت ورسالت کا اور دینِ حق کا اظہار شروع کردیا تھا اسی کے نتیجہ میں کچھ لوگ اُن کے مطیع وفرمانبردار ہوگئے تھے جو اُن کے متبعین کہلاتے تھے مِنْ شِيْعَتِهٖ کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ ان تمام قرائن سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے جو ابن اسحٰق اور ابن زید سے منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ہوش سنبھالا اور دینِ حق کی کچھ باتیں لوگوں سے کہنے لگے تو فرعون ان کا مخالف ہوگیا اور قتل کا ارادہ کیا مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی درخواست پر ان کے قتل سے باز آیا مگر اُن کو شہر سے نکالنے کا حکم دے دیا، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں کسی جگہ رہنے لگے اور کبھی کبھی چھپ کر مصر شہر میں آتے تھے، اور عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوپہر کا وقت ہے جبکہ لوگ قیلولہ میں تھے (قرطبی) (مفتی اعظمؒ)

فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ
پھر پائے اُس میں دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اُس کے رفیقوں
وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ
میں اور یہ دوسرا اُس کے دشمنوں میں پھر فریاد کی اُس سے اُس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں
عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى
اُس کی جو تھا اُس کے دشمنوں میں پھر مکا مارا اُس کو موسیٰ نے پھر اُس کو
عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ
تمام کر دیا بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بیشک وہ دشمن
مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝١٥ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ
ہے بہکانے والا صریح بولا اے میرے رب میں نے بُرا کیا اپنی جان کا
فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٦
سو بخش مجھ کو پھر اُس کو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کی موت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے، فرعون کی قوم سے بسبب اُن کے ظلم وکفر کے بیزار رہتے اور بنی اسرائیل اُن کے ساتھ لگے رہتے تھے، اُن کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰ کبھی وہاں جاتے کبھی فرعون کے گھر آتے۔ فرعون کی قوم (قبط) اُن کی دشمن تھی کہ غیر قوم کا شخص ہے ایسا نہ ہو کہ زور پکڑ جائے۔ ایک روز دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے موسیٰ کو دیکھ کر فریاد کی کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑاؤ کہتے ہیں قبطی فرعون کے مطبخ کا آدمی تھا۔ موسیٰ پہلے ہی قبطیوں کے ظلم وستم کو جانتے تھے۔ اُس وقت آنکھ سے اُس کی زیادتی دیکھ کر رگِ حمیت پھڑک اُٹھی۔ ممکن ہے سمجھانے بجھانے میں قبطی نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کوئی سخت لفظ کہا ہو جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے۔ غرض موسیٰ علیہ

Marfat.com

السلام نے اس کی تادیب و گوشمالی کے لئے ایک گھونسہ رسید کیا، ماشاء اللہ بڑے طاقتور جوان تھے ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے پانی نہ مانگا۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں اس کمبخت کا کام تمام ہو جائے گا۔ پچھتائے کہ بے قصد خون ہو گیا۔ مانا کہ قبطی کافر حربی تھا، ظالم تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کی نیت بھی محض ادب دینے کی تھی، جان سے مار ڈالنے کی نہ تھی۔ مگر ظاہر ہے اُس وقت کوئی معرکہ جہاد نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی قوم کو کوئی الٹی میٹم نہیں دیا تھا۔ بلکہ مصر میں اُن کو بود و ماند کا شروع سے جو طرزِ عمل رہا تھا اُس سے لوگ مطمئن تھے کہ وہ یونہی کسی کی جان و مال لینے والے نہیں پھر ممکن ہے غیظ و غضب کے جوش میں معاملہ کی تحقیق بھی سرسری ہوئی ہو اور مُکا مارتے وقت پوری طرح اندازہ نہ رہا ہو کہ کتنی ضرب تادیب کے لئے کافی ہے اُدھر اس بلا ارادہ قتل سے اندیشہ تھا کہ فرقہ وار اشتعال پیدا ہو کر دوسرے مصائب و فتن کا دروازہ نہ کھل جائے۔ اس لئے اپنے فعل پر نادم ہوئے۔ اور سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے انبیاء علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک و صاف اور اُن کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے اپنی تقصیرات کا اعتراف کر کے معافی چاہی جو دے دی گئی اور غالباً اس معافی کا علم اُن کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہو گا۔ آخر پیغمبر لوگ نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سوال: یہ قبطی حربی کافر تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کو عملِ شیطان اور گناہ کیوں قرار دیا؟

جواب: یہ ہے کہ معاہدہ جیسے قولی اور تحریری ہوتا ہے اسی طرح معاہدہ عملی بھی ہوتا ہے اس کی پابندی لازمی اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مرادف ہے۔

معاہدہ عملی کی صورت یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان اور کچھ غیر مسلم کسی دوسری حکومت میں باہمی امن و اطمینان کے ساتھ رہتے بستے ہوں۔ ایک دوسرے پر حملہ کرنا یا لُوٹ مار کرنا طرفین سے غداری سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کی معاشرت اور معاملات بھی ایک قسم کا عملی معاہدہ ہوتے ہیں ان کی خلاف ورزی جائز نہیں اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی وہ طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری کی کتاب الشروط میں مفصل روایت کیا ہے اور واقعہ اس کا یہ تھا کہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ قبل از اسلام اپنے زمانہ جاہلیت میں ایک جماعت کفار کے ساتھ مصاحبت اور معاشرت رکھتے تھے پھر ان کو قتل کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور جو مال ان لوگوں کا لیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اس پر آپ نے ارشاد فرمایا، **امّا الاسلام فاقبل وامّا المال فلست منه فی شیء** اور ابوداؤد کی روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں، **اما المال فمال غدر لا حاجة لنافیه**، یعنی آپ کا اسلام تو ہم نے قبول کر لیا اور اب آپ مسلمان ہیں مگر یہ مال ایسا مال ہے جو غدر اور عہد شکنی سے حاصل ہوا ہے اس لئے ہمیں اس مال کی کوئی حاجت نہیں شارح بخاری حافظ ابن حجر نے شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کفار کا مال حالتِ امن میں لُوٹ لینا حلال نہیں کیونکہ ایک بستی کے رہنے والے یا ایک ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہیں اُن کا یہ عملی معاہدہ بھی ایک امانت ہے جس کا صاحب امانت کو ادا کرنا فرض ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلم۔ اور کفار کے اموال جو مسلمانوں کے لئے حلال ہوتے ہیں تو وہ صرف محاربہ اور مغالبہ کی صورت میں حلال ہوتے ہیں، حالتِ امن و امان میں جبکہ ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھ رہا ہو کسی کافر کا مال لُوٹ لینا جائز نہیں اور قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا:

ان اموال المشرکین ان کانت مغنومة عند القهر فلا یحل اخذها عند الامن فاذا کان الانسان مصاحباً لهم فقد امن کل واحد منهم صاحبه فسفک الدّماء و اخذالمال مع ذلک غدر حرام الاان ینبذ الیهم عهد هم علیٰ سواء

بیشک مشرکین کے اموال جنگ اور جہاد کے وقت مغنوم و مباح ہیں لیکن امن کی حالت میں حلال نہیں اس لئے جو مسلمان کفار کے ساتھ رہتا سہتا ہو کہ عملی طور پر ایک دوسرے سے مامون ہو تو ایسی حالت میں کسی کافر کا خون بہانا یا مال زبردستی لینا غدر حرام ہے جب تک کہ اُن کے اس عملی معاہدہ سے دست برداری کا اعلان نہ کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبطی کا قتل اس عملی معاہدہ کی بنا پر اگر بالقصد ہوتا تو جائز نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی شخص کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب

Marfat.com

لگائی جو عادۃً سبب قتل نہیں ہوتی مگر قبطی اس ضرب سے مرگیا تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس کو دفع کرنے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا یہ زیادتی میرے لئے درست نہ تھی۔

مسئلہ: اول یہ ہے کہ مظلوم اگرچہ کافر یا فاسق ہی ہو اُس کی امداد کرنا چاہیے، دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ علماء نے اس آیت سے استدلال فرما کر ظالم حکام کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ بھی اُن کے ظلم کے شریک سمجھے جائیں گے اور اس پر سلف صالحین سے متعدد روایات نقل کی ہیں (کمافی روح المعانی) کفار یا ظالموں کی امداد واعانت کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کے احکام کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ احقر نے احکام القرآن میں بزبان عربی اسی آیت کے ذیل میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق وتنقیح لکھ دی ہے اہلِ علم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

قبطی اور اسرائیلی کا جھگڑا

استغاثہ مدد طلب کرنا۔ اسرائیلی نے قبطی کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی موسیٰ کو سخت غصہ آیا قبطی اسرائیلی کو پکڑے ہوئے تھا اور اتنی بات جانتا تھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی نظر میں محترم ہیں اور موسیٰ بھی ان کی پاسداری کرتے ہیں اور عام لوگ اتنا ہی جانتے تھے کہ موسیٰ کو ایک اسرائیلی عورت نے دودھ پلایا ہے اس لئے موسیٰ بنی اسرائیل کا پاس لحاظ رکھتے ہیں۔

آپ نے فرعون کے آدمی سے کہا اس کو چھوڑ دے (وہ شاہی سپاہی تھا) اس نے کہا ہم تو اس کو اس لئے پکڑ رہے ہیں کہ یہ لکڑیاں اٹھا کر آپ کے والد کے باورچی خانہ میں پہنچا دے (یعنی بیگار میں پکڑ رہے ہیں) موسیٰ اس سے جھگڑنے لگے فرعونی بولا اب تو میں نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ لکڑیاں تیرے اوپر لاد کر پہنچاؤں گا۔ حضرت موسیٰ قد آور بھی تھے اور بہت زیادہ طاقتور بھی آپ نے اس کے ایک گھونسہ رسید کردیا وہ فوراً مرگیا۔ (تفسیر مظہری)

قبطی کے قتل کی قانونی حیثیت

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ کہا یہ شیطانی حرکت ہوگئی بے شک شیطان (آدمی کا) کھلا ہوا دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ نے اس فعل کو شیطانی حرکت اس لئے قرار دیا کہ اس وقت آپ کو کافروں کے قتل کرنے کا حکم نہیں تھا اور ان لوگوں کے اندر آپ محفوظ بھی تھے ان میں سے کسی کو اچانک قتل کردینا آپ کے لئے جائز نہ تھا۔ لیکن یہ قتل خطا تھا قصداً نہ تھا اس لئے اس کو عصمت انبیاء کے خلاف نہیں قرار دیا جاسکتا موسیٰ نے اس فعل کو شیطانی حرکت شمار کیا اور ظلم سمجھا اور پھر استغفار کی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ مقرب بندوں میں سے تھے حقیر فروگزاشت کو بھی عظیم گناہ جانتے تھے اہلِ قرب کی یہی حالت ہوتی ہے (اگر ان سے ادنیٰ غلطی ہوجائے تو وہ اس کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں اور پھر استغفار کرتے ہیں)۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا (کہ تیرے حکم کے بغیر ایک شخص میرے ہاتھ سے مارا گیا) سو میرے اس قصور کو تو معاف فرمادے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو معاف کردیا بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ یعنی اللہ نے اپنا حق معاف کردیا اور قبطی چونکہ معصوم الدم نہ تھا کہ جس کو قتل کرنا موجب قصاص ودیت ہوتا اس لئے وارثوں سے معاف کرانے کی ضرورت ہی نہ تھی نہ (قیامت کے دن) مقتول کے عفو کرنے کی ضرورت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ
بولا اے رب جیسا تو نے فضل کردیا مجھ پر پھر میں
اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝
کبھی نہ ہوں گا مددگار گنہگاروں کا

یعنی آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو عزت، راحت، قوت عطا فرمائی اور میری تقصیرات کو معاف کیا اس کا شکریہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ شاید اس فریادی (اسرائیلی) کی بھی کچھ تقصیر معلوم ہوئی ہوگی، مجرم اُسے کہا ہو۔ یا مجرمین سے کفار اور ظالم لوگ مراد ہوں یعنی تیری دی ہوئی قوتوں کو آئندہ بھی کبھی اُن کی حمایت واعانت میں خرچ نہ کروں گا یا مجرمین سے شیاطین مراد ہوں یعنی شیاطین کے مشن میں اُن کا مددگار کبھی نہ بنوں گا کہ وہ وسوسہ اندازی کر کے مجھ سے ایسا کام کرادیں جس پر بعد کو پچھتانا پڑے۔ وہ وقوع جرم کا سبب بنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ
پھر صبح کو اُٹھا اُس شہر میں ڈرتا ہوا انتظار کرتا ہوا

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ

یعنی انتظار کرتے اور راہ دیکھتے تھے کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد لے گئے ہوں گے دیکھئے کس پر جرم ثابت ہو اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ
پھرنا گہاں جس نے کل مدد مانگی تھی اُس سے آج پھر فریاد کرتا ہے اُس سے

اسرائیلی کی دوسری لڑائی

یعنی اُسی اسرائیلی کی لڑائی آج کسی اور سے ہو رہی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

یَسْتَصْرِخُهٗ، ان سے فریاد کر رہا ہے (مدد مانگ رہا ہے) یہ صراخ سے مشتق ہے (صراخ کا معنی ہے چیخنا فریاد کرنا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہا بنی اسرائیل نے ہمارا ایک آدمی مار ڈالا ہمارا حق (قصاص) دلوایئے فرعون نے کہا قاتل کو تلاش کرو اور گواہوں کو پیش کرو بغیر شہادت کے تو فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لوگ تلاش میں گھومنے لگے لیکن کوئی یقینی شہادت نہ مل سکی اتفاقاً دوسرے روز موسیٰ جا رہے تھے کہ کل (والے) اسرائیلی کو کسی فرعونی سے لڑتے دیکھا اسرائیلی نے فریاد کی اور فرعونی کے خلاف موسیٰ سے مدد مانگی موسیٰ کل کے ہی قصور پر نادم تھے کہ ان کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تھا اسرائیلی سے کہا تو ہی کج راہ ہے تیری کج راہی کھلی ہوئی ہے کل ایک شخص کے مارے جانے کا تو ہی سبب بنا اور آج ایک اور آدمی سے لڑ رہا ہے اور مجھ سے مدد مانگ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ
کہا موسیٰ نے بیشک تو بے راہ ہے صریح

یعنی روز ظالموں سے الجھتا ہے اور مجھ کو لڑواتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ
پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اس پر جو
هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰٓی اَتُرِیْدُ
دشمن تھا اُن دونوں کا بول اٹھا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے
اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۚ
کہ خون کرے میرا جیسے خون کر چکا ہے کل ایک جان کا

راز کا فاش ہونا

ہاتھ ڈالنا چاہا اس ظالم پر۔ بول اُٹھا مظلوم جانا کہ زبان سے مجھ پر غصہ کیا ہے، ہاتھ بھی مجھ پر چلائیں گے۔ وہ کل کا خون چھپا رہا تھا کہ کس نے کیا، آج اُس کی زبان سے مشہور ہوا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

قبطی نے جب اسرائیلی کا یہ قول سنا کہ اس نے موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۚ تو سمجھ لیا گیا کہ کل جو قبطی مارا گیا تھا اس کے قاتل موسیٰ ہیں اور فوراً فرعون کو جا کر اطلاع دے دی فرعون نے موسیٰ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے اقوال سن لئے تھے کہ عام لوگ کہہ رہے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام قاتل ہے اور یہ اطلاع فرعون کے پاس بھی پہنچ گئی تھی اور لوگ حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے (بہرحال فرعون کو خبر پہنچ گئی اور فرعون کے درباری آپ کے قتل کا مشورہ کرنے لگے) (تفسیر مظہری)

اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ
تیرا یہی جی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے ملک میں
وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾
اور نہیں چاہتا کہ ہو صلح کرا دینے والا

یعنی زور زبردستی سے قتل کرنا ہی آتا ہے یہ نہیں کہ سمجھا بجھا کر فریقین میں صلح کرا دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۙ
اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا
قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ
کہا اے موسیٰ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر کہ تجھ کو مار ڈالیں
فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾
سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں

فرعون کے مشورے

یعنی خون کی خبر فرعون کو پہنچ گئی۔ وہاں مشورے ہوئے کہ غیر قوم کے آدمی کا یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ شاہی قوم کے افراد اور سرکاری ملازموں کو قتل کر ڈالے۔ سپاہی دوڑائے گئے کہ موسیٰ کو گرفتار کر کے لائیں شاید مل

Marfat.com

جاتے تو قتل کرتے، اُسی مجمع میں سے ایک نیک طینت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی خیر خواہی ڈال دی۔ وہ جلدی کر کے مختصر راستہ سے بھاگا ہوا آیا۔ اور حضرت موسیٰ کو واقعہ کی اطلاع کر کے مشورہ دیا کہ تم فوراً شہر سے نکل جاؤ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ سُنایا ہمارے پیغمبر کو کہ لوگ اُن کی جان لینے کی فکر کریں گے اور وہ بھی وطن سے نکلیں گے۔ چنانچہ کافر سب اکٹھے ہوئے تھے کہ ان پر مل کر چوٹ کریں، اُسی رات میں آپ وطن سے ہجرت کر گئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ
پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب بچا لے
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ
مجھ کو اس قوم بے انصاف سے اور جب منہ کیا
مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۔
مدین کی سیدھ پر بولا اُمید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی طرف سفر

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کھڑے ہوئے، راہ سے واقف نہ تھے اللہ سے درخواست کی کہ سیدھی راہ پر چلائے۔ اُس نے مدین کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا۔ جہاں پہنچا کر انہیں امن و اطمینان کے ساتھ متاہل بنانا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بہت دور تک کی سیدھی راہ چلے چلنا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

زجاج نے کہا یعنی اس راستہ پر چل پڑے جو مدین پر پہنچتا تھا۔ مدین ایک بستی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد کی گئی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام پیدل نکلے تھے نہ سواری تھی نہ کھانے پینے کا سامان ساتھ تھا مدین مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر تھا اور فرعون کی حکومت سے خارج تھا۔

قَالَ یعنی موسیٰ نے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہا۔ موسیٰ کو اپنے رب پر پورا یقین تھا۔

مشکلاتِ سفر

اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ یعنی امید ہے کہ اللہ مجھے سیدھے راستہ پر ڈال دے گا جس میں کوئی زحمت نہ ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے نکلتے وقت مدین کو جانے والا راستہ معلوم نہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے کہ ایک فرشتہ (بصورت (انسانی) ہاتھ میں چھوٹا برچھا لئے نمودار ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو لے چلا۔

اہلِ تفسیر نے لکھا ہے موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکلے تو کھانے کے لئے آپ کو صرف درختوں کے پتے اور سبزیاں ہی ملیں انہی کو کھاتے کھاتے آپ کو اجابت بھی سبز ہونے لگی اور مدین پہنچے ہیں تو ناخن گر چکے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ کی طرف سے موسیٰ کی یہ پہلی آزمائش تھی۔ (تفسیر مظہری)

معارف ومسائل

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ مَدْيَنَ، ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیمؑ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا، مصر سے مدین کی مسافت آٹھ منزل کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعونی سپاہیوں کے تعاقب کا طبعی خوف پیش آیا، جو نہ نبوت و معرفت کے منافی ہے نہ توکل کے، تو مصر سے ہجرت کا ارادہ کیا اور مَدْیَن کی سمت شاید اس لئے متعین کی کہ مَدْیَن بھی اولاد ابراہیم علیہ السلام کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اُن کی اولاد میں تھے، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل بے سروسامانی کے ساتھ اس طرح مصر سے نکلے کہ نہ کوئی توشہ ساتھ تھا نہ کوئی سامان اور نہ راستہ معلوم، اسی اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ، یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا، اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا قبول فرمائی۔ مفسرین کا بیان ہے کہ اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غذا صرف درختوں کے پتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سب سے پہلا ابتلاء اور امتحان تھا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً
اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت
مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۙ
لوگوں کی پانی پلاتے ہوئے

مدین پہنچنا

"مدین" "مصر" سے آٹھ دس دن کی راہ ہے۔ وہاں پہنچے بھوکے

Marfat.com

پیاسے دیکھا کنوئیں پر لوگ اپنے مویشی کو پانی پلا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ
اور پایا اُن سے ورے دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں، بولا تمہارا کیا حال ہے
قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ؕ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾
بولیں ہم نہیں پلاتیں پانی چرواہوں کے پھیر لے جانے تک

دوحیاء والی بیبیاں

وہ دونوں بکریاں لے کر حیا سے کنارے کھڑی تھیں۔ اتنی قوت نہ تھی کہ مجمع کو ہٹا دیں یا بذاتِ خود بھاری ڈول نکال لیں۔ شاید اوروں سے بچا ہوا پانی پلاتی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾
اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا

بیبیوں کی مشکل

یعنی ہمارا باپ جوان اور توانا ہوتا تو ہم کو آنا نہ پڑتا۔ وہ خود ان مردوں سے نبٹ لیا کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ یہ جواب بظاہر سوال کے مطابق نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت میں سوال ہی کا جواب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کا مقصد تھا بکریوں کو روکے رکھنے کا سبب دریافت کرنا، باوجود یہ کہ پانی موجود تھا اور پلانے کی ضرورت بھی تھی عورتوں نے سبب بیان کر دیا کہ ہم کمزور عورتیں ہیں مردوں میں قوت کے ساتھ گھس کر آگے بڑھنا ہماری طاقت سے باہر ہے پھر ہم کو مردوں سے اختلاط کرنے میں شرم بھی آتی ہے۔ باپ بہت زیادہ بوڑھے ہو گئے ہیں وہ خود یہ کام کر نہیں سکتے۔ شیخ کبیر کا کیا نام تھا بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد ضحاک سدی اور حسن کے نزدیک یہ بزرگ حضرت شعیب پیغمبر تھے وہب اور سعید بن جبیر نے کہا شیروں کا نام تھا جو حضرت شعیب کے بھائی کا بیٹا تھا۔ حضرت شعیب کی وفات تو اس واقعہ سے پہلے نابینا ہونے کی حالت میں ہو چکی تھی اور آپ کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان دفن کر دیا گیا تھا بعض اہل علم کا قول ہے کہ ایک اور مرد مؤمن تھا جو حضرت شعیب پر ایمان لے آیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَسَقٰى لَهُمَا
پھر اُس نے پانی پلا دیا اُن کے جانوروں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلوا دیا

پیغمبروں کے فطری جذبات و ملکات ایسے ہوتے ہیں، تھکے ماندے، بھوکے پیاسے تھے مگر غیرت آئی کہ میری موجودگی میں یہ صنف ضعیف ہمدردی سے محروم رہے۔ اُٹھے اور مجمع کو ہٹا کر یا اُن کے بعد کنویں سے تازہ پانی نکال کر لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَقٰى لَهُمَا پھر موسیٰ نے ان دونوں عورتوں (کی بکریوں کو پانی پلا دیا)۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے حضرت موسیٰ لوگوں کو ہٹاتے ہوئے کنویں پر پہنچے اور عورتوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موسیٰ نے برابر والے کنویں کے منہ پر ڈھانکا ہوا پتھر اکھاڑ کر الگ کر دیا یہ کنواں پہلے کنویں کے قریب تھا اور پتھر اتنا بڑا بھاری تھا کہ ایک جماعت ہی اس کو اٹھا سکتی تھی بعض لوگوں نے کہا دس آدمی اس کو اٹھاتے تھے بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ڈول پانی کھینچا اور برکت کی دعا کی ایک ہی ڈول سے سب بکریاں سیراب ہو گئیں۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ واقعہ سے حاصل شدہ چند اہم فوائد

اس واقعہ سے چند اہم فوائد حاصل ہوئے اول یہ کہ ضعیفوں کی امداد انبیاء کی سنت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ بکریوں کو پانی پلانے کے لئے لائی ہیں مگر اُن کو لوگوں کے ہجوم کے سبب موقع نہیں مل رہا تو ان سے حال دریافت کیا۔ دوسرا یہ کہ اجنبی عورت سے بوقت ضرورت بات کرنے میں مضائقہ نہیں جب تک کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ تیسرا یہ کہ اگرچہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ عورتوں پر پردہ لازم نہیں تھا جس کا سلسلہ اسلام کے بھی ابتدائی زمانہ تک جاری رہا۔ ہجرت مدینہ کے بعد عورتوں کے لئے پردہ کے احکام نازل ہوئے، لیکن اس وقت بھی پردہ کا جو اصل مقصد ہے وہ طبعی شرافت اور حیاء کے سبب عورتوں میں موجود تھا کہ ضرورت کے باوجود مردوں کے ساتھ اختلاط گوارا نہ کیا اور تکلیف اُٹھانا قبول کیا۔ چوتھا یہ کہ عورتوں کا اس طرح کے کاموں کے لئے باہر نکلنا اسوقت بھی پسندیدہ نہیں تھا اسی لئے انہوں نے اپنے والد کے معذور ہونے کا عذر بیان کیا۔ (مفتی اعظم)

ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ
پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف بولا اے رب تو جو چیز
اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾
اُتارے میری طرف اچھی میں اُس کا محتاج ہوں

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ سے دُعاء

یعنی اے اللہ کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا۔ البتہ تیری طرف سے کوئی بھلائی پہنچے اُس کا ہمہ وقت محتاج ہوں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''عورتوں نے پہچانا کہ چھاؤں پکڑتا ہے مسافر ہے۔ دور سے آیا ہوا، تھکا، بھوکا۔ جا کر اپنے باپ سے کہا (وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے علی القول المشہور) اُن کو درکار تھا کہ کوئی مرد ملے نیک بخت جو بکریاں تھامے اور بیٹی بھی بیاہ دیں۔'' (موضح) (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا موسیٰ جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں کو اپنے جانوروں کو پانی پلاتے پایا جب لوگ فارغ ہو کر وہاں سے ہٹ گئے اور پتھر کنویں کے منہ پر رکھ دیا پتھر اتنا بھاری تھا کہ دس آدمیوں سے کم اس کو اٹھا نہیں سکتے تھے حضرت موسیٰ نے دو عورتوں کو الگ کھڑے دیکھا پوچھا تمہاری اس کنارہ کشی کا کیا مقصد ہے عورتوں نے وجہ بیان کی حضرت موسیٰ نے جا کر پتھر اٹھا دیا پھر پانی کھینچا اور صرف ایک ہی ڈول کھینچا تھا کہ سب بکریاں سیراب ہو گئیں عورتوں نے جا کر اپنے باپ سے واقعہ بیان کر دیا اس کے بعد حضرت موسیٰ سایہ میں چلے گئے رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ الخ۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ خَیْرٍ یعنی کھانا تھوڑا ہو یا بہت۔ فَقِیْرٌ یعنی محتاج ہوں سائل ہوں چونکہ لفظ فقیر اپنے اندر سوال کا معنی رکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا موسیٰ نے اللہ سے ایک لقمہ طلب کیا جس سے اپنی کمر سیدھی کر سکیں۔ امام باقر نے فرمایا موسیٰ اس وقت چھوارے کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے اس لئے من خیر فقیر فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ کہا حالانکہ آپ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ چھوارے کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے۔

مجاہد نے کہا حضرت موسیٰ نے سواء خیر کے اور کچھ نہیں مانگا۔ بعض علماء نے کہا لِمَا میں لام سببیہ ہے یعنی اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے خیر عطا فرمائی ہے (خیر سے مراد ہے دین اور حکمت) اس لئے میں فقیر ہوں فرعون کی مذہبی مخالفت میں نے کی اس لئے میری یہ حالت ہو گئی جب تک حضرت موسیٰ فرعون کے پاس رہے بڑے عیش سے رہے (پھر مخالفت مذہبی نے اختلاف پیدا کر دیا اور آخر یہ نوبت آ گئی کہ دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے اس کلام سے حضرت موسیٰ کا مقصد تھا اظہار مسرت واداء شکر۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ موسیٰ نے کہا اے میرے رب تو نے مجھے دین اور علم عطا فرمایا میں محتاج ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ مجھے عطا فرما یہی مضمون رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کا ہے۔

میں کہتا ہوں انزلتَ کو نُزُل سے بھی مشتق قرار دیا جا سکتا ہے اور نُزُل کا معنی ہے طعام مہمانی یعنی اے میرے رب میرے لئے جو کچھ کھانا تو فراہم کر دے میں اس کا محتاج اور سائل ہوں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کنویں کے منہ کو ان چرواہوں نے ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا جس چٹان کو دس آدمی مل کر سرکا سکتے تھے آپ علیہ السلام نے تنِ تنہا اس پتھر کو ہٹا دیا اور ایک ہی ڈول نکالا تھا جس میں خدا نے برکت دی اور ان دونوں لڑکیوں کی بکریاں آسودہ ہو گئیں۔ اب آپؑ تھکے ہارے بھوکے پیاسے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ مصر سے مدین تک پیدل بھاگے دوڑے آئے تھے پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے، کھانے کو کچھ پاس نہیں تھا درختوں کے پتے اور گھاس پھوس کھاتے رہے تھے پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر سے نظر آ رہا تھا۔ آدھی کھجور سے بھی اس وقت آپ علیہ السلام تر سے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس وقت کی ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ تھے، صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

وہ درخت جس کے سایہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھے تھے

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو رات کا سفر کر کے میں مدین گیا اور وہاں کے لوگوں سے اس درخت کا پتہ پوچھا جس کے نیچے خدا کے کلیمؑ نے سہارا لیا تھا۔ لوگوں نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز درخت ہے۔ میرا جانور بھوکا تھا اس نے اس میں منہ ڈالا پتے منہ میں لے کر بڑی دیر تک بدقت چباتا رہا لیکن آخر اس نے نکال ڈالے۔ میں نے کلیم خدا کے لئے دعا کی اور وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس درخت کو دیکھنے کو گئے تھے جس سے خدا تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے باتیں کی تھیں جیسے کہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ببول کا درخت تھا۔ الغرض اس درخت تلے بیٹھ کر آپ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ

Marfat.com

سے دُعا کی کہ اے رب! میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں عطا رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس عورت نے بھی آپ کی دعا سنی۔ (تفسیر ابن کثیر)

قوم شعیب علیہ السلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں

طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت سلمہ بن سعد غزی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی طرف سے ایلچی بن کر رسولِ کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا شعیب علیہ السلام کے قومی آدمی کو اور موسیٰؑ کی سُسرال والے کو مرحبا ہو کہ تمہیں ہدایت کی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت شعیبؑ کے بھتیجے تھے کوئی کہتا ہے قومِ شعیبؑ کے ایک مومن مرد تھے بعض کا قول ہے شعیب علیہ السلام کا زمانہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے ان کا قول قرآن میں اپنی قوم سے یہ مروی ہے کہ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ لوطؑ کی قوم تم میں سے کچھ دُور نہیں۔ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ لوطیوں کی ہلاکت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ بہت لمبا زمانہ ہے، تقریباً چار سو سال کا جیسے اکثر مؤرخین کا قول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ
پھر آئی اس کے پاس اُن دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے

ایک بی بی کی واپسی

جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شرم کے مارے چہرہ چھپا کر بات کی۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا وہ عورت بے باک نہ تھی کہ بے جھجک مردوں میں گھستی پھرتی بلکہ موسیٰ کے پاس دبتی لجتی ،کُرتے کی آستین منہ پر ڈالے شرمائی آئی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ
بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق
اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ
اُس کا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے حضرت شعیب علیہ السلام کا پیغام

حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کر رہے تھے۔ اس نے اپنے فضل سے غیر متوقع طور پر خیر بھیجی، تو قبول کیوں نہ کرتے۔ اُٹھ کر عورت کے ساتھ ہو لئے۔ لکھتے ہیں کہ چلتے وقت اُس کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے آؤ۔ مبادا اجنبیہ پر عمداً نظر کرنے کی نوبت آئے۔ چنانچہ وہ پیچھے پیچھے راستہ بتلاتی اُن کو لے کر گھر پہنچی۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں آیت اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا دلالت کر رہی ہے کہ عورت موسیٰ علیہ السلام کو پانی پلانے کی اجرت دینے کے لئے بلانے آئی تھی اور اسی غرض سے موسیٰ علیہ السلام کو طلب کیا تھا اور موسیٰ اس کے ساتھ گئے تھے۔

ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا اس نے بکریاں ضرور چرائیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے بھی فرمایا میں اہلِ مکہ کی بکریاں چند قیراط (دانگ یا چند جو چاندی) پر چراتا تھا۔ رواہ البخاری۔ ہم آگے ایک حدیث بھی ذکر کریں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی عفت اور پری شکم کے لئے آٹھ یا دس سال تک اپنے آپ کو کرایہ پر دے دیا تھا۔

نیکی پر اُجرت کا مسئلہ

صحیح فیصلہ یہ ہے کہ تعلیم قرآن یا امامت یا اذان غرض اس عمل پر جو خود عبادتِ مقصودہ ہے یا عبادت مقصودہ کی شرط ہے اجرت لینا اور ٹھہرانا جائز نہیں ہاں جو امر بجائے خود مباح ہے (عبادت اور نیکی نہیں ہے) اور نیت صالحہ کے بعد وہ طاعت بن جاتا ہے اس کی اجرت لینی اور ٹھہرانی جائز ہے امام شافعی نے تو اذان کی اجرت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ متاخرین حنفیہ نے بھی تعلیم قرآن کی اجرت کو درست مانا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ
پھر جب پہنچا اُس کے پاس اور بیان کیا اُس نے احوال کہا
لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾
مت ڈر بچ آیا تو اُس قوم بے انصاف سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام کی تسلی و امان

موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب کو اپنی ساری سرگزشتہ کہہ

Marfat.com

سنائی۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا کہ اب تو اُس ظالم قوم کے پنجہ سے بچ نکلا۔ ان شاءاللہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (مدین فرعون کی حدود سلطنت سے باہر تھا)۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ
بولی اُن دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر
مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝
جس کو تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو امانتدار

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت وامانت

یعنی موسیٰ میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ زور دیکھا، ڈول نکالنے یا مجمع کو ہٹا دینے سے اور امانتدار سمجھا بے طمع اور عفیف ہونے سے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس کو آپ کام پر رکھیں اس کا کام پورا کرنے کی طاقت رکھنا اور امانتدار ہونا ضروری ہے بہترین کارگزار وہی ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو (اور ان میں یہ دونوں اوصاف موجود ہیں اس لئے یہ بہترین اجیر ہوں گے) اسْتَا جَرْتَ ماضی کا صیغہ بجائے مضارع کے بولنا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان کے ان دونوں اوصاف کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کی دانائی

خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لڑکی سے اس کے باپ نے پوچھا تجھے اس کی قوت وامانت کا حال کیسے معلوم ہوا لڑکی نے کہا کنویں کے منہ سے اتنا بھاری پتھر اٹھا دیا جس کو دس آدمیوں سے کم (یا چالیس سے کم) نہیں اٹھاتے یہ تو اس کی طاقت ہے اور امین ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اس نے مجھ سے پیچھے پیچھے رہنے کو کہا تھا تاکہ ہوا کی وجہ سے میری کھلی پنڈلی پر اس کی نظر نہ پڑے۔

تین زیرک آدمی

حضرت ابن مسعود نے فرمایا تین آدمی بڑے زیرک اور ہوشیار تھے شعیب کی لڑکی۔ یوسف کا ساتھی جس نے کہا تھا عسیٰ ان ینفعنا اور ابوبکر جنہوں نے اپنی زندگی میں عمر کو خلیفہ بنا دیا۔

اکثر اہل علم نے کہا چھوٹی سے نکاح کرایا تھا جس کا نام صفورہ تھا یہ ہی لڑکی موسیٰ کو بلانے گئی تھی۔ بزار اور طبرانی نے حضرت انس کی روایت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوذر کی مرفوع روایت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سے دریافت کیا جائے کہ موسیٰ کا نکاح کس لڑکی سے کرایا تھا تو تم کہہ دینا چھوٹی سے کرایا تھا وہی موسیٰ کے پاس آئی تھی اور اس نے کہا تھا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ حضرت موسیٰ نے چھوٹی سے ہی نکاح کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ملازم میں دو صفتیں ہونا چاہئیں ایک کام کی قوت وصلاحیت دوسرے امانتداری۔ ان کے پتھر اُٹھا کر پانی پلانے سے ان کی قوت وقدرت کا اور راستہ میں لڑکی کو اپنے پیچھے کر دینے سے امانتداری کا تجربہ ہو چکا ہے۔

ملازمت یا عہدہ سُپرد کرنے کے لئے دو اہم شرطیں

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کی بات جاری فرمائی۔ آج کل سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کے لئے کام کی صلاحیت اور ڈگریوں کو تو دیکھا جاتا ہے مگر دیانت و امانت کی طرف توجہ نہیں دی جاتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ عام دفتروں اور عہدوں کی کارروائی میں پوری کامیابی کے بجائے رشوت خوری، اقرباء پروری وغیرہ کی وجہ سے قانون معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ کاش لوگ اس قرآنی ہدایت کی قدر کریں تو سارا نظام درست ہو جائے۔ (مفتی اعظم)

قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ
کہا میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی دونوں میں سے
هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ
اس شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی

شاید یہ ہی خدمت لڑکی کا مہر تھا۔ ہمارے حنفیہ کے ہاں اب بھی اگر بالغہ راضی ہو تو اس طرح کی خدمت اقارب مہر ٹھہرا سکتا ہے (کذا نقله الشیخ الا نور اطال اللّٰه بقائه) یہاں صرف نکاح کی ابتدائی گفتگو مذکور ہے۔ ظاہر ہے حضرت شعیب نے نکاح کرتے وقت ایک لڑکی کی تعیین اور اس کی رضامندی حاصل کر لی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

بیٹی کے نکاح میں ایک نبوی طریقہ

قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ یعنی لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام نے خود ہی اپنی طرف سے اپنی لڑکی کو ان کے نکاح میں دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہئے کہ کوئی مرد صالح ملے تو اسکا انتظار نہ کرے کہ اسی کی

Marfat.com

طرف سے نکاح کے معاملہ کی تحریک ہو، بلکہ خود بھی پیش کر دینا سُنتِ انبیاء ہے جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد از خود ہی صدیق اکبر اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے اُن کے نکاح کی پیش کش کی تھی۔ (قرطبی)

اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی کو معین کر کے گفتگو نہیں فرمائی بلکہ اس کو مبہم رکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو آپ کے نکاح میں دینے کا ارادہ ہے مگر چونکہ یہ گفتگو باقاعدہ عقدِ نکاح کی گفتگو نہ تھی جس میں ایجاب وقبول گواہوں کے سامنے ہونا شرط ہے بلکہ معاملہ کی گفتگو تھی کہ آپ کو آٹھ سال کی نوکری اس نکاح کے عوض میں منظور ہو تو ہم نکاح کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر معاہدہ کر لیا۔ آگے یہ خود بخود ظاہر ہے کہ باقاعدہ نکاح کیا گیا ہوگا۔

خدمت کو حق مہر بنانا

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ظاہر الروایت میں یہی صورت منقول ہے کہ خدمتِ زوجہ کو مہر نہیں بنایا جا سکتا مگر ایک روایت جس پر علماء متاخرین نے فتوی دیا ہے یہ ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر بنانا تو شوہر کی تکریم واحترام کے خلاف ہے مگر بیوی کا کوئی ایسا کام جو گھر سے باہر کیا جاتا ہے جیسے مواشی چرانا یا کوئی تجارت کرنا اگر اس میں شرائط اجارہ کے مطابق مدت معین کر دی گئی ہو جیسا کہ اس واقعہ میں آٹھ سال کی مدت معین ہے تو اس کی صورت یہ ہو گی کہ اس مدت کی ملازمت کی تنخواہ بیوی کے ذمہ لازم ہو تو اس تنخواہ کو مہر قرار دینا جائز ہے (ذکرہ فی البدائع عن نوادر ابن سماعہ) (مفتی اعظم)

مسئلہ: خدمت کو لڑکی کا مہر مقرر کرنا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے کما قال تعالیٰ اور حدیث میں ہے۔ تفصیل کے لئے شروح ہدایہ دیکھیں۔

شعیب علیہ السلام نے بظاہر معاملہ اجارہ کا کیا لیکن درحقیقت ان کی قوت اور امانت کو دیکھ کر اپنی صاحبزادی دینے کا ارادہ فرمایا اور نورِ نبوت سے ان کی صلاحیت اور باطنی استعداد کا اندازہ لگا لیا اور آٹھ دس سال قیام کی شرط لگا کر اپنی تربیت میں رکھنا مقصود تھا کہ مقامِ ارادت سے ترقی کر کے کمال استقامت کو پہنچ جائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (کاندھلوی)

بیع کے متعلق ایک مسئلہ

اصحابِ ابی حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص اس طرح کی بیع کرے کہ ان دو غلاموں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلے فروخت کرتا ہوں اور خریدار منظور کر لے تو یہ بیع ثابت اور صحیح ہے واللہ اعلم۔

روٹی کپڑے پر مزدور رکھنا

اصحابِ امام احمد رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ کھانے پینے اور کپڑے پر کسی کو مزدوری اور کام کاج پر لگا لینا درست ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ
پھر اگر تو پورے کر دے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے

موسیٰ علیہ السلام کے نکاح کا حق مہر

یعنی کم از کم آٹھ برس میری خدمت میں رہنا ضروری ہوگا۔ اگر دو سال اور زائد رہے تو تمہارا تبرع ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شعیب کا یہ کلام ایک طرح کی درخواست نکاح تھی عقد نکاح نہ تھا کیونکہ دونوں لڑکیوں میں سے کسی کی انہوں نے تعیین نہیں کی اور عقد نکاح کے لئے تعیین زوجہ لازم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مشورہ کے بعد حضرت شعیب نے کسی ایک لڑکی کا نکاح حضرت موسیٰ سے کر دیا ہوگا۔ لیکن یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اپنی بکریاں آٹھ سال تک حضرت موسیٰ سے چروانے کو پورا مہر یا جزء مہر قرار دیا تھا جیسا کہ حضرت عتبہ بن منذر کی روایت سے ثابت ہوتا ہے حضرت عتبہ نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے سورت طسم پڑھی جب موسیٰ کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا موسیٰ نے شرمگاہ کی عفت اور پری شکم کے لئے اپنے آپ کو آٹھ سال تک ملازمت پر دے دیا۔ (رواہ احمد وابن ماجہ)

مسئلہ: اس آیت وحدیث سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ کسی عورت سے اس مہر پر نکاح کرنا کہ شوہر اس عورت کی بکریاں چرائے گا صحیح ہے اور ہماری شریعت میں بھی ایسا نکاح جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ بیان فرمایا اور ہماری شریعت میں ایسا کرنے کی نفی نہیں کی اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔

ہماری شریعت میں اس بات پر اجماع ہے کہ مہر عورت کا حق ہے عورت کے ولی کا حق نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ بکریاں حضرت شعیب کی تھیں۔ اس لئے اجماع دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم شریعت شعیبی کا تھا ہماری شریعت کا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس کی مدت پوری کی۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ
اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو پائے گا مجھ کو
اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷
اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے

یعنی کوئی سخت خدمت تم سے نہ لُونگا، تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ ہو جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں، میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں، بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے اُنس حاصل کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ
بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جونسی مدت ان دونوں میں پوری کردوں
فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸
سو زیادتی نہ ہو مجھ پر اور اللہ پر بھروسہ اُس چیز کا جو ہم کہتے ہیں

معاہدۂ نکاح کی تکمیل

یعنی مجھے اختیار ہوگا کہ آٹھ برس رہوں یا دس برس۔ بہرحال جو معاہدہ ہو چکا خدا کے بھروسہ پر مجھے منظور ہے۔ اللہ کو گواہ بنا کر معاملہ ختم کرتا ہوں۔ احادیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے بڑی مدت (یعنی دس برس) پورے کئے۔ (تفسیر عثمانی)

مقصد یہ ہے کہ دس سال گزرنے پر جیسے مجھ سے مزید مطالبہ نہیں جا سکتا ایسا ہی آٹھ سال گزرنے پر مجھ کو مزید کام پر آپ مجبور نہیں کر سکتے یا یہ مطلب کہ اگر آٹھ سال گزرنے کے بعد میں کام چھوڑ دوں گا تو معتدی نہ قرار پاؤں۔ مجھے قصوروار نہ سمجھا جائے۔

وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ اور ہم (باہم) جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے۔ وکیل وہ شخص ہوتا ہے جس کے سپرد کوئی معاملہ کر دیا جائے اس جگہ وکیل سے مراد گواہ اور نگراں۔ اسی لئے اس کا صِلہ عَلٰی آیا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا گریۂ شوق

حضرت شداد بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعیب نبی اتنا روئے کہ بینائی جاتی رہی اللہ نے دوبارہ بینائی عطا فرما دی پھر بھی اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں اللہ نے پھر بینائی عنایت کر دی اور فرمایا اس رونے کی کیا وجہ ہے کیا جنت کے شوق میں روتے ہو یا دوزخ کے ڈر سے شعیب نے عرض کیا نہیں اے میرے رب (نہ میں جنت کے شوق میں گریہ کرتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے) بلکہ تیرے دیدار کے شوق میں روتا ہوں۔ اللہ نے وحی بھیجی اگر یہ بات ہے تو میرا دیدار تم کو مبارک ہو (یعنی نابینائی کی حالت مبارک ہو یہی حالت تم کو میرے دیدار تک پہنچا دے گی) اے شعیب میں نے تمہارے کام کے لئے موسیٰ کو تمہارا خادم بنا دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت شعیب علیہ السلام کی لاٹھی

تکمیل معاہدہ کے بعد حضرت شعیب نے اپنی لڑکی کو حکم دیا کہ موسیٰ کو لاٹھی لا دو تا کہ درندوں سے وہ بکریوں کی حفاظت کر سکیں یہ لاٹھی کیسی اور کون سی تھی اہلِ روایت کے اس کے متعلق مختلف خیالات ہیں حضرت آدم اس کو جنت سے لائے تھے وفات آدم کے بعد جبرئیل نے وہ لے لی اور اپنے پاس رکھ لی یہاں تک کہ ایک رات آ کر موسیٰ کو دے دی یہ عکرمہ کا خیال ہے۔ دوسرے علماء نے کہا وہ لاٹھی جنت کے درخت آس کی تھی حضرت آدمؑ اس کو جنت سے ساتھ لائے تھے پھر سلسلہ وار ہر نبی اس کا وارث ہوتا رہا نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ملی آخر حضرت نوح تک پہنچی پھر حضرت ابراہیم تک آئی پھر حضرت شعیب کو ملی پھر شعیب نے موسیٰ علیہ السلام کو دے دی۔

لاٹھی پر اختلاف کا فیصلہ

سدی کا بیان ہے ایک فرشتہ نے آدمی کی شکل میں آ کر وہ لاٹھی حضرت شعیب کے پاس امانت رکھی تھی۔ جب حضرت شعیب نے اپنی لڑکی کو لاٹھی لانے کا حکم دیا تو لڑکی وہی لاٹھی اٹھا لائی حضرت شعیب نے فرمایا یہ لاٹھی واپس لے جاؤ دوسری لا کر دو لڑکی نے وہ لاٹھی لے جا کر ہاتھ سے ڈال دی اور دوسری اٹھانی چاہی مگر سواء اس کے اور کوئی لاٹھی ہاتھ میں نہ آئی آخر اسی کو اٹھا لائی حضرت شعیب نے پھر واپس کر دی یہ لوٹا پھیری تین مرتبہ ہوئی بالآخر حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کو وہی لاٹھی دے دی اور آپ اس کو لے کر چلے آئے۔ حضرت شعیب کو اس کے بعد پشیمانی ہوئی اور آپ نے کہا وہ تو ایک شخص کی امانت تھی میں نے یہ کیا حرکت کی یہ خیال آتے ہی حضرت موسیٰ کے پیچھے گئے اور ان سے لاٹھی واپس مانگی حضرت موسیٰ نے دینے سے انکار کر دیا یہ لاٹھی

Marfat.com

تو میری ہو چکی دونوں میں اختلاف ہوا آخر دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو شخص بھی سامنے سے آئے گا اس کے فیصلہ کی ہم دونوں پابندی کریں گے ایک فرشتہ بصورت انسانی سامنے سے آیا اس شخص نے فیصلہ کیا اس لاٹھی کو زمین پر پھینک دو پھر جو اٹھالے لاٹھی اسی کی ہے موسیٰ نے لاٹھی زمین پر ڈال دی حضرت شعیب نے ہر چند اس کو (اٹھا) لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ نے اس کو اٹھا لیا حضرت شعیب نے وہ لاٹھی حضرت موسیٰ کے پاس چھوڑ دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بکریاں

اس کے بعد جب موسیٰ نے مدت مقررہ پوری کر دی اور حضرت شعیب نے اپنی لڑکی ان کو دے دی تو حضرت موسیٰ نے بی بی سے کہا تم اپنے والد سے کہو کہ کچھ بکریاں ہم کو دے دیں بیوی نے جا کر اپنے باپ سے بکریوں کی طلب کی حضرت شعیب نے فرمایا اس سال جو دورنگا بچہ ہوگا وہ تم دونوں کا ہوگا حضرت شعیب موسیٰ کو حسن خدمات کا بدلہ دینا چاہتے تھے اور اپنی لڑکی پر بتقاضاء خون مرحمت کرنے کے خواہشمند تھے اسی لئے اپنی لڑکی سے فرمایا اس سال جو نر مادہ چت کبرے (ابلق۔ دورنگے) بچے پیدا ہوں وہ میں نے تم کو دیئے۔ اللہ نے موسیٰ کو خواب میں بتا دیا کہ بکریوں کے پیاؤ پر پانی میں لاٹھی ماریں موسیٰ نے بیدار ہو کر پانی میں لاٹھی ماری پھر بکریوں کو وہی پانی پلایا جس بکری نے وہ پانی پیا اس کا بچہ ابلق ہی پیدا ہوا۔ حضرت شعیب سمجھ گئے یہ خداداد نصیب ہے اللہ نے موسیٰ کے لئے یہ رزق بھیجا ہے چنانچہ آپ نے اپنا قول پورا کیا اور سب ابلق بچے حضرت موسیٰ کو دے دیئے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ
پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لے کر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی
مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا
کوہ طور کی طرف سے ایک آگ کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو
اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ
میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر
اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ
یا انگارا آگ کا تاکہ تم تاپو پھر جب

اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ
پہنچا اُس کے پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے
فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ
برکت والے تختہ میں ایک درخت سے

یہ وہ ہی درخت تھا جس پر آگ بھڑکتی ہوئی نظر آئی۔ (تفسیر عثمانی)

تکمیل مدت اور مصر واپسی

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ پھر جب موسیٰ نے مدت مقررہ پوری کر دی یعنی مدت ختم کر کے فارغ ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا مجھ سے حیرہ کے رہنے والے ایک یہودی نے دریافت کیا موسیٰ نے کون سی مدت پوری کی تھی میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں حبر العرب (علامہ عرب یعنی حضرت ابن عباس کے) پاس جا کر پوچھ کر بتاؤں گا چنانچہ میں حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا فرمایا سب سے زیادہ اور خوشگوار ترین (جس سے فریقین کو پورا اطمینان حاصل ہو گیا) مدت پوری کی اللہ کا رسول جب کوئی بات کہہ دیتا ہے تو کرتا بھی ہے۔ بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر نے فرمایا (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جب تم سے پوچھا جائے کہ موسیٰ نے کون سی مدت پوری کی تو کہہ دینا دونوں مدتوں میں جو بہتر اور (حسن سلوک میں اعلیٰ تھی یا) زیادہ وفاء عہد والی رواہ البزار مجاہد نے کہا جب حضرت موسیٰ مدت مقررہ پوری کر چکے تو اس کے بعد بھی اپنے خسر کے پاس دس سال اور قیام پذیر رہے کل بیس سال رہے اس کے بعد مصر کو واپس جانے کی اجازت طلب کی حضرت شعیب نے اجازت دے دی اور آپ روانہ ہو گئے۔

صحرائے سینا میں نور نظر آنا

یعنی جب طور سیناء کے قریب صحراء میں پہنچے اور رات تاریک تھی موسم سرما کی سردی بھی سخت تھی اور راستہ بھٹک گئے تھے۔ جب موسیٰ آگ پر پہنچے تو (پاک یا) برکت والے مقام میں دائیں طرف کی وادی کے کنارے ایک درخت سے آواز دی گئی کہ موسیٰ بلاشبہ میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ یعنی موسیٰ کے لئے بڑی برکت والا مقام یہیں اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا اور اسی جگہ پیغمبری سے سرفراز کیا۔ عطاء نے کہا مبارکہ سے مراد ہے مقدس۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

کلامِ الٰہی

علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ کلام قدیم جو اللہ کی صفت ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ بے چون اور بے چگون ہے اس میں حرف اور آواز نہیں مگر بندہ چونکہ چونی اور چگونی کا گرفتار ہے اس لئے وہ بے چون اور بے چگون کو چون اور چگون کے پردہ ہی سے سن سکتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک خاص صورت میں نمودار اور جلوہ افروز ہوگا ایک مرتبہ اہلِ ایمان اللہ کو نہیں پہچان سکیں گے۔ دوسری مرتبہ جب دوسری صورت میں نمودار ہو گا تب اہلِ ایمان پہچانیں گے کہ یہ ہمارا پروردگار ہے۔ سو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو صورت اور شکل سے پاک اور منزہ ہے اور یہ صورت جس کو اہلِ ایمان دیکھ کر اپنے خدا کو پہچانیں گے یہ خداوند بے چون و چگون کا ایک جلوہ اور پردہ ہوگا اور ظاہر ہونے والی صورت بمنزلہ آئینہ کے ہوگی جس کے ذریعہ اہلِ ایمان خدا تعالیٰ کا جلوہ دیکھ سکیں گے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ وہ صورت بعینہ خدا تعالیٰ کی صورت ہوگی پس جس طرح ذاتِ خداوندی نہ جسم ہے اور نہ عرض ہے اور اس کے لئے نہ کوئی صورت ہے اور نہ کوئی شکل ہے مگر قیامت کے دن اور جنت میں اس کو دیکھا جائے گا لیکن اس کا دیدار کسی صورت کے پردے سے ہوگا تا کہ بندہ اس کا تحمل کر سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھو کہ وہ بے چون و بے چگون ہے اور بغیر حرف اور بغیر آواز کے ہے۔ البتہ موسیٰ علیہ السلام نے جو درخت سے سنا وہ بے شک حرف اور آواز کو سنا لیکن وہ حرف اور آواز کلام قدیم کا ایک لباس تھے اور اس پر دلالت کرنے والے تھے۔ جیسا کہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم ص ج ۲۔ (معارف کاندھلوی)

اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۳۰﴾
کہ اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ جہان کا رب
وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ
اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی سٹک
وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫
الٹا پھرا منہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر اے موسیٰ آگے آ اور مت ڈر

اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ
تجھ کو کچھ خطرہ نہیں ڈال اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں
تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ
نکل آئے سفید ہو کر نہ کہ کسی بُرائی سے

شروع رکوع سے یہاں تک کے مفصل واقعات سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں گزر چکے۔ ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ
اور ملا لے اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے

یعنی بازو کو پہلو سے ملا لو۔ سانپ وغیرہ کا ڈر جاتا رہے گا۔ شاید آگے کے لئے بھی خوف زائل کرنے کی یہ ترکیب بتلائی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

خوف کا علاج

عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ اپنے سے ملا لو تا کہ خوف دور ہو جائے حضرت ابن عباس نے فرمایا موسیٰ کے بعد جو خوف زدہ آدمی بھی اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لیتا ہے اس کا ڈر جاتا رہتا ہے۔ مجاہد نے کہا جو شخص بھی اپنے دونوں جناح اپنے بدن سے ملا لے گا اس کا خوف دور ہو جائے گا اور جناح پورا ہاتھ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے یعنی اپنے خوف کو دور کرو اور اپنے پہلو کو اپنے لئے نرم کر لو خوف زدہ آدمی کا دل دھڑکتا اور بدن لرزتا ہے اسی معنی میں اللہ نے فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ
سو یہ دو سندیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اُس کے سرداروں پر

سندِ نبوت

یعنی معجزہ عصا و ید بیضاء بطور سند نبوت کے دیئے گئے ہیں۔ تا فرعون اور اس کی قوم پر اتمام حجت کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ
بیشک وہ تھے لوگ نافرمان بولا اے رب میں نے خون کیا ہے
مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾
اُن میں ایک جان کا سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں گے

Marfat.com

یعنی پہنچتے ہی قتل کر دیا تو آپ کی دعوت کیسے پہنچاؤں گا۔

وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ
اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اُس کو بھیج
مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾
میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت

یعنی کوئی تصدیق و تائید کرنے والا ساتھ ہو تو فطرۃً دل مضبوط و قوی رہتا ہے۔ اور اُن کے جھٹلانے پر اگر بحث و مناظرہ کی نوبت آ جائے تو میری زبان کی لکنت ممکن ہے بولنے میں رُکاوٹ ڈالے اس وقت ہارون کی رفاقت مفید ہوگی کیونکہ اُن کی زبان زیادہ صاف اور تیز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے ان کا آدمی قتل کر دیا ہے اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ تیز زبان ہے اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیجئے حضرت موسیٰ نے اپنے منہ میں انگارا رکھ لیا تھا اس لئے زبان میں گرہ پڑ گئی تھی (اور بولنے میں کنگڑانے لگے تھے)۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا
فرمایا ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو غلبہ
یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾
پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانیوں سے تم اور جو تمہارے ساتھ ہو غالب رہو گے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواستوں کی منظوری

یعنی دونوں درخواستیں منظور ہیں، ہارون تمہارے قوت بازو رہیں گے اور فرعونیوں کو تم پر کچھ دسترس نہ ہوگی۔ ہماری نشانیوں کی برکت سے تم اور تمہارے ساتھی ہی غالب و منصور رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعاء اور فرعون کی مرعوبیت

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل پر فرعون کا بہت خوف تھا پھر آپ علیہ السلام جب اسے دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَدْرَاُ بِكَ فِیْ نَحْرِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ اے اللہ! میں تجھے اس کے مقابلہ میں کرتا ہوں اور اس کی بُرائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے رُعب و خوف ہٹا لیا اور فرعون کے دل میں ڈال دیا۔ پھر تو اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی اس کا پیشاب خطا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں معجزے یعنی عصائے موسیٰ اور یدِ بیضا دے کر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اب فرعون اور فرعونیوں کے پاس رسالت لے کر جاؤ اور بطورِ دلیل یہ معجزے پیش کرو اور ان فاسقوں کو راہِ خدا تعالیٰ دکھاؤ۔ (ابن کثیر)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا
پھر جب پہنچا اُن کے پاس موسیٰ لے کر ہماری نشانیاں کھلی ہوئی بولے
مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی
اور کچھ نہیں یہ جادو ہے باندھا ہوا

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا الزام

یعنی معجزات دیکھ کر کہنے لگے جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کر کے لے آیا، اور دعویٰ کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں۔ محض ساحرانہ تخییل و افتراء ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾
اور ہم نے سُنا نہیں یہ اُپنے اگلے باپ دادوں میں

فرعون کی دلیل

یعنی جو باتیں یہ کرتا ہے (مثلاً ایک خدا نے ساری دنیا کو پیدا کیا، اور ایک وقت سب کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کرے گا پھر حساب کتاب ہوگا اور مجھ کو اُس نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، وغیرہ وغیرہ) اپنے اگلے بزرگوں سے ہمارے کانوں میں یہ چیزیں کبھی نہیں پڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی
اور کہا موسیٰ نے میرا رب تو خوب جانتا ہے جو کوئی لایا ہے ہدایت
مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ
کی بات اُس کے پاس سے اور جس کو ملے گا آخرت کا گھر
اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾
بیشک بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر

یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اور اُسی کے پاس سے ہدایت لایا ہوں اس لئے انجام میرا ہی بہتر ہوگا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں دیکھ کر اور دلائل صداقت سن کر نا انصافی سے حق کو جھٹلاتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انجام کار ان کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عَاقِبَةُ الدَّارِ یعنی دار آخرت میں اچھا انجام بیضاوی نے لکھا ہے الدار سے دنیا مراد ہے اور اس کا اصلی انجام جنت ہے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اصل مقصد ثواب ہی ہے اور عاقبت میں عذاب ہونا تو بالعرض ہے (اصل مقصد نہیں ہے)

اہلِ تحقیق کا قول ہے کہ عقبیٰ اور عاقبت کا اطلاق نیکیوں کے انجام یعنی ثواب پر ہوتا ہے اور عقاب۔ عقوبت اور معاقبت کا اطلاق برائیوں کے انجام بد یعنی عذاب پر ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ
اور بولا فرعون اے دربار والو مجھ کو تو معلوم نہیں تمہارا
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ
کوئی حاکم ہو میرے سوا سو آگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو
فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ
پھر بنا میرے واسطے ایک محل تا کہ میں جھانک کر دیکھ لوں موسیٰ کے رب کو
وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾
اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے

فرعون کی حماقت

یعنی اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ اچھا اینٹوں کا ایک پزاوہ لگواؤ تا کہ پکی اینٹوں کی خوب اُونچی عمارت بنوا کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔ کیونکہ زمین میں تو مجھے کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہی ہے کہ کوئی نہ ہوگا، تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ یہ بات ملعون نے استہزاء و تمسخر سے کہی اور ممکن ہے اس قدر بدحواس و پاگل ہو گیا ہو کہ اس طرح کی لچر پوچ اور مضحکہ خیز تجویزیں سوچنے لگا۔ (تفسیر عثمانی)

اور فرعون نے کہا اے سردارو میں تو اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا نہیں جانتا۔

فرعون نے اپنے سوا کسی دوسرے خدا کو جاننے کی نفی کی خدا کے وجود کی نفی نہیں کی کیونکہ اس کو اپنے سوا دوسرے خدا کے نہ ہونے کا جزم نہ تھا۔

ہامان فرعون کا وزیر تھا فرعون نے اس کو پختہ اینٹیں بنوانے کا حکم دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرعون نے ہی سب سے پہلے پختہ اینٹیں بنوا کر عمارت بنوائی۔

بغوی نے لکھا ہے اہلِ تفسیر کہتے ہیں کہ ہامان نے بکثرت راجوں اور مزدوروں کو جمع کیا یہاں تک کہ مزدوروں کے علاوہ پچاس ہزار معمار اکٹھے ہو گئے اینٹیں پکانے والے چونہ تیار کرنے والے لکڑی کا کام کرنے والے کیلیں بنانے اور دوسرے کارگزاران کے علاوہ تھے چنانچہ سب نے مل کر اتنی مضبوط اور اونچی عمارت بنا دی کہ کسی شخص کی عمارت (اس زمانہ تک) اتنی اونچی نہیں بنی تھی۔ اللہ ان لوگوں کی آزمائش کرنی چاہتا تھا عمارت سے فارغ ہو کر فرعون اور اس کے ساتھی اوپر چڑھ گئے فرعون نے اوپر پہنچ کر تیر اندازوں کو حکم دیا کہ اوپر کی طرف تیر چھوڑیں تیر اندازوں نے اوپر کو تیر پھینکے تیر خون آلود ہو کر واپس لوٹے فرعون بولا میں نے موسیٰ کے خدا کو قتل کر دیا فرعون کو خچر پر سوار کر کے اوپر چڑھایا گیا تھا اللہ نے غروب آفتاب کے وقت جبرئیل کو بھیجا جبرئیل نے اپنا ایک پر خچر کے مار کر اس کے تین ٹکڑے کر دیئے ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا جس سے لاکھوں آدمی مارے گئے ایک ٹکڑا سمندر میں جا کر گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں جن جن لوگوں نے عمارت بنانے میں کچھ بھی کام کیا تھا سب ہی ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اُس کے لشکر ملک میں ناحق
وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ
اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے پھر پکڑا ہم نے اُس کو اور اس کے لشکروں
فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾
کو پھر پھینک دیا ہم نے اُن کو دریا میں، سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا

Marfat.com

فرعون کا تکبر اور ہلاکت

یعنی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے یہ نہ سمجھا کہ کوئی اُن کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اُس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تا کہ یا دگار رہے کہ بد بخت ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔ غرق وغیرہ کے واقعات کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بڑائی فقط اللہ کی ہے

حق بمعنی استحقاق برحق بڑا ہونا اسی کو زیبا ہوتا ہے جس سے بڑا اور اس کے برابر بلکہ اس کی نسبت سے کچھ کم بھی کوئی دوسرا بڑا نہ ہو اور ایسا صرف خدا تعالیٰ ہے (اس کی بڑائی سے کسی کی کوئی نسبت ہی نہیں نہ زیادتی کی نہ برابری کی نہ کمی کی۔ درحقیقت وہی بڑا ہے کبریائی کے آخری درجہ پر پہنچا ہوا اسی لئے اللہ نے فرمایا بڑائی میری چادر ہے اور بزرگی میری ازار (یعنی عظمت و کبریائی میرا ہی لباس ہے) جو شخص بھی اس لباس کو مجھ سے کھینچے گا (اور اتار کر خود پہننا چاہے گا) میں اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ بسند صحیح عن ابی ہریرۃ وابن ماجہ عن ابن عباس۔ حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بڑائی میری چادر ہے جو بھی میری چادر کو مجھ سے کھینچے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ (ہلاک کر دوں گا) سمویہ نے حضرت ابوسعید اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں جو شخص مجھ سے دونوں میں سے کسی کو بھی کھینچے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ
اور کیا ہم نے اُن کو پیشوا کہ بُلاتے ہیں دوزخ کی طرف

گمراہی کے امام

یعنی یہاں ضلالت وطغیان میں پیش پیش تھے اور لوگوں کو دوزخ کی طرف بُلاتے تھے وہاں بھی اُن کو دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (ھود۔ رکوع ۹) (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾
اور قیامت کے دن اُن کو مدد نہ ملے گی

یعنی یہاں کے لشکر وہاں کام نہ دیں گے نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ اپنے لاؤ لشکر سمیت جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ
اور پیچھے رکھ دی ہم نے اُن پر اس دنیا میں پھٹکار
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾
اور قیامت کے دن اُن پر بُرائی ہے

یعنی آخرت کی بُرائی اور بدانجامی تو الگ رہی، دنیا ہی میں لوگ رہتی دنیا تک ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَعْنَةً یعنی رحمت سے دور کر دیا یا لعنت کرنے والوں کی لعنت ان کے پیچھے لگا دی کہ اللہ اور ملائکہ اور مؤمن بندے ان پر لعنت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اَلْمَقْبُوْحِیْنَ یعنی رحمت سے دور ملعون لوگوں میں سے ابوعبیدہ نے ترجمہ کیا ہلاک کردہ لوگوں میں سے حضرت ابن عباس نے فرمایا بگڑی ہوئی صورتوں والوں میں سے چہرے کالے آنکھیں نیلی۔ عرب کہتے ہیں قَبَحَهُ اللّٰهُ اللہ نے اس کی صورت بگاڑ دی اور ہر بھلائی سے اگر کسی کو دور کر دیا ہو تو عرب کہتے ہیں قَبَّحَهٗ قُبْحًا وَقُبُوْحًا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ
اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہم غارت
اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى
کر چکے پہلی جماعتوں کو

حکمت عملی کی تبدیلی

نزول توراۃ کے بعد دنیا میں ایسے غارت کے عذاب کم آئے۔ بجائے اہلاک سماوی کے جہاد کا طریقہ مشروع کر دیا گیا کیونکہ کچھ لوگ احکامِ شریعت پر قائم رہا کئے۔ (تفسیر عثمانی)

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً
بھانے والی لوگوں کو اور راہ بتانے والی اور رحمت

Marfat.com

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٣﴾

تا کہ وہ یاد رکھیں

تورات کے مضامین

یعنی تورات جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ بڑی فہم و بصیرت عطا کرنے والی، لوگوں کو راہِ ہدایت پر چلانے والی اور مستحق رحمت بنانے والی کتاب تھی۔ تا کہ لوگ اُسے پڑھ کر اللہ کو یاد رکھیں۔ احکام الٰہی سیکھیں اور پند و نصیحت حاصل کریں، سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد ہدایت میں تورات شریف ہی کا درجہ ہے اور آج جبکہ اُس کے پیروؤں نے اُسے ضائع کر دیا، قرآن ہی اُس کے ضروری علوم و ہدایت کی حفاظت کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سابقہ کتابوں کا مطالعہ

حدیث میں یہ واقعہ معروف ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ تورات میں جو نصائح وغیرہ ہیں ان کو پڑھیں تا کہ ان کے علم میں ترقی ہو، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اگر اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو اُن کو بھی میرا ہی اتباع لازم ہوتا (جس کا حاصل یہ ہوتا ہے، کہ آپ کو صرف میری تعلیمات کو دیکھنا چاہیئے، تورات و انجیل کا دیکھنا آپ کے لئے درست نہیں۔ مگر اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تورات کا جو اس وقت اہلِ کتاب کے پاس نسخہ تھا وہ تحریف شدہ تھا اور زمانہ ابتداء اسلام کا تھا جس میں نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مکمل حفاظت کے پیش نظر اپنی احادیث لکھنے سے بھی بعض حضرات کو روک دیا تھا کہ ایسا نہ ہو لوگ قرآن کے ساتھ احادیث کو جوڑ دیں، ان حالات میں کسی دوسری منسوخ شدہ آسمانی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ظاہر ہے کہ احتیاط کے خلاف تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً تورات و انجیل کے مطالعے اور پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان کتابوں کے وہ حصے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ کرنا اور نقل کرنا صحابہ کرام سے ثابت اور معروف و مشہور ہے حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار اس معاملہ میں سب سے زیادہ معروف ہیں۔ دوسرے صحابہ کرام نے بھی ان پر نکیر نہیں کیا، اس لئے حاصل آیت کا یہ ہو جائے گا کہ تورات و انجیل میں جو غیر محرف مضامین اب بھی موجود ہیں اور بلاشبہ بصائر ہیں، ان سے استفادہ درست ہے مگر ظاہر ہے کہ ان سے استفادہ صرف ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جو محرف اور غیر محرف میں فرق کر سکیں اور صحیح و غلط کو پہچان سکیں وہ علماء ماہرین ہی ہو سکتے ہیں، عوام کو بیشک اس سے اجتناب اس لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں، یہی حکم اُن تمام کتابوں کا ہے جس میں حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ہے کہ عوام کو ان کے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہیے علماء ماہرین دیکھیں تو مضائقہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَآ

اور تو نہ تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا

إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ

موسیٰ کو حکم

یعنی کوہِ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور تورات ملی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ نے اللہ سے کلام کیا تھا۔ اور مَا كُنْتَ سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی اے محمد تم وہاں موجود نہ تھے۔

إِذْ قَضَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ یعنی جب ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے پاس پیام لے جانے کی موسیٰ کے پاس وحی بھیجی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّٰهِدِينَ ﴿٤٤﴾ وَلَٰكِنَّآ أَنشَأْنَا

اور نہ تھا تو دیکھنے والا لیکن ہم نے پیدا کیں

قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ

کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی اُن پر مُدت

ماضی کے واقعات کے تذکرہ کی حکمت

یعنی تو اُس وقت کے واقعات تو ایسی صحت و صفائی اور بسط و تفصیل سے بیان کر رہا ہے جیسے وہیں طور کے پاس کھڑا دیکھ رہا ہو۔ حالانکہ تمہارا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں تم اُمی ہو۔ کسی عالم کی صحبت میں بھی نہیں رہے۔ نہ ٹھیک ٹھیک صحیح واقعات کا کوئی جید عالم مکہ میں موجود تھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ علم کہاں

Marfat.com

سے آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقوام دنیا پر مُدتیں اور قرن گزر گئے، مُرور دہُور سے وہ علوم محرف ومُندرس ہوتے جارہے تھے اور وہ ہدایات مٹتی جا رہی تھیں لہٰذا اس علیم وخبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک اُمی کی زبان سے بھُولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں اور اُن عبرتناک وموعظت آمیز واقعات کا ایسا صحیح فوٹو دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے جس پر نظر کر کے بے اختیار ماننا پڑے کہ اس کا پیش کرنے والا موقع پر موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے مِن وعَن کیفیات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ تم تو وہاں موجود نہ تھے۔ بجزُ اس کے کیا کہا جائے کہ جو خدا آپ کی زبان سے بول رہا ہے اور جس کے سامنے ہر غائب بھی حاضر ہے۔ یہ بیان اسی کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی آپ ان لوگوں میں نہ تھے جو موسیٰ کے پاس وحی آنے کے شاہد تھے یا اس وقت موجود تھے جب موسیٰ پر نزولِ وحی ہو رہا تھا۔ الشاھدین سے مراد وہ ستر آدمی ہیں جن کو حضرت موسیٰ اپنے ساتھ طور پر لے گئے تھے۔ مطلب یہ کہ موسیٰ کے واقعات لوگوں کے سامنے بیان کرنا تمہارے لئے بغیر وحی اور اطلاع غیبی کے ممکن نہیں یہ تمہارا ایک (خداداد) معجزہ ہے جو تمہارے دعوی نبوت کو ثابت کر رہا ہے (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا
اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ اُن کو سناتا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾
ہماری آیتیں پڑھ ہم رہے ہیں رسول بھیجتے

خواب غفلت سے بیداری کا انتظام

یعنی موسیٰ علیہ السلام کو مدین جا کر جو واقعات پیش آئے اُن کا اس خوبی وصحت سے بیان تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا اُس وقت تم شانِ پیغمبری کے ساتھ وہیں سکونت پذیر تھے اور جس طرح آج اپنے وطن مکہ میں اللہ کی آیات پڑھ کر سنا رہے ہو، اُس وقت "مدین والوں کو سناتے ہو گے حالانکہ یہ چیز صریحاً منفی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا کو غفلت سے چونکاتے اور گذشتہ عبرتناک واقعات یاد دلاتے رہیں۔ اسی عام عادت کے موافق ہم نے اس زمانہ میں تم کو رسول بنا کر بھیجا کہ پچھلے قصے یاد دلاؤ۔ اور خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کرو۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ٹھیک واقعات کا صحیح علم تم کو دیا جائے اور تمہاری زبان سے ادا کرایا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ
اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی لیکن
رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
یہ انعام ہے تیرے رب کا

طور ومدین کی تاریخ حراء وثور میں دہرائی گئی

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ تم وہاں کھڑے سُن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو ان واقعات وحقائق پر مطلع کیا اور تمہارے ساتھ بھی اسی نوعیت کا برتاؤ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا۔ گویا جبل النور (جہاں غار حراء ہے) اور مکہ مدینہ میں جبل طور اور مدین کی تاریخ دُہرا دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

امتِ محمدیہ کو نداء

وہب کا بیان ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے محمد کا دیدار کرا دے اللہ نے فرمایا تم ہرگز وہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور اگر تم چاہو تو میں ان کی امتِ کو پکاروں اور ان کی آواز تم کو سنوا دوں موسیٰ نے کہا بہت خوب، اللہ نے فرمایا اے امت محمد امت والوں نے اپنے باپوں کی پشت سے لبیک کہا۔

ابوزرعہ بن عمرو بن جریر کا قول ہے کہ اللہ نے ندا دی اے امت محمد قبل اس کے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں نے تمہاری دعا قبول کر لی اور مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا۔

حضرت ابن عباس نے کہا اللہ نے فرمایا اے امت محمد لوگوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں سے جواب دیا لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ اللہ نے فرمایا اے امت محمد میری رحمت میرے غضب سے اور میری معافی میرے عذاب سے آگے ہے (یعنی غالب ہے) میں نے مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا اور دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعا قبول کر لی۔ اور گناہ کرنے سے پہلے تمہاری مغفرت کر دی جو شخص قیامت کے دن یہ گواہی لے کر آئے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں۔ (تفسیر مظہری)

نسائی شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ

Marfat.com

آواز دی گئی کہ اے اُمت محمد! تم مجھ سے مانگو اس سے پہلے میں نے تمہیں دے دیا، اور تم مجھ سے دُعا کرو اس سے پہلے میں قبول کر چکا مقاتلؒ کہتے ہیں کہ ہم نے تیری اُمت کو جو ابھی باپ دادوں کی پیٹھ میں تھی آواز دی کہ جب تو نبی بنا کر بھیجا جائے تو وہ تیری اتباع کریں۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ
تا کہ تو ڈر سنا دے اُن لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈر
مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾
سنانے والا تجھ سے پہلے تا کہ وہ یاد رکھیں

یعنی عرب کے لوگوں کو یہ چیزیں بتلا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کر دیں۔ ممکن ہے وہ سُن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔ (تنبیہ) "مَآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ" سے شاید آبائے اقربین مراد ہوں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

تبلیغ ودعوت کے بعض آداب

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار وتکذیب اُن کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ حق بات اگر ایک مرتبہ نہ مانا گیا تو دوسری مرتبہ، وہ بھی نہ مانا گیا تو تیسری چوتھی مرتبہ برابر پیش کرتے ہی رہتے تھے۔ کسی کے دل میں دل ڈال دینا تو کسی ناصح ہمدرد کے بس میں نہیں مگر اپنی کوشش کو بغیر کسی تکان اور اکتاہٹ کے جاری رکھنا جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو مسلسل انجام دیتے۔ آج بھی تبلیغ ودعوت کے کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ
اور اتنی بات کے لئے کہ کبھی آن پڑے اُن پر آفت اُن کاموں کی وجہ سے
اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا
جن کو بھیج چکے ہیں اُن کے ہاتھ تو کہنے لگیں اے رب ہمارے کیوں نہ بھیج دیا ہمارے پاس
رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾
کسی کو پیغام دے کر تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے ایمان والوں میں

پیغمبروں کا وجود اللہ کا احسان ہے

یعنی پیغمبر کا اُن میں بھیجنا خوش قسمتی ہے۔ اگر بدون پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ اُن کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگتا تب بھی ظلم نہ ہوتا، لیکن اُس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی معقول عذرداری کا موقع نہیں چھوڑا۔ ممکن تھا سزا دہی کے وقت کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر کم از کم متنبہ کر دیتا، ایک دم پکڑ کر عذاب میں دھر گھسیٹا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو دیکھ لیتے ہم کیسے نیک اور ایماندار ثابت ہوتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ
پھر جب پہنچی اُن کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا
اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ
اس رسول کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو

قوم کی کٹ حجتیاں

یعنی رسول نہ بھیجتے تو کہتے رسول کیوں نہ بھیجا۔ اب رسول تشریف لائے جو تمام پیغمبروں سے شان ورتبہ میں بڑھ کر ہیں تو کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو اُس وقت مانتے جب دیکھتے کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح عصا اور ید بیضاء وغیرہ کے معجزات ظاہر ہوتے اور ان کے پاس بھی تورات کی طرح ایک دم ایک کتاب اُترتی یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں پیش کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ
کیا ابھی منکر نہیں ہو چکے اُس سے جو موسیٰ کو ملا تھا اس سے پہلے

یعنی موسیٰ کے معجزات اور کتاب ہی کو کہاں سب نے مان لیا تھا؟ شبہے نکالنے والے اُن کو بھی ساحر مفتری کہتے رہے جیسا کہ ابھی ایک دو رکوع پہلے گزرا بس جن کو ماننا منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ احتمالات نکال لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾
کہنے لگے دونوں جادوگر ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے ہم دونوں کو نہیں مانتے

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں مکہ کے کافر حضرت موسیٰ کے معجزے سُن کر کہنے لگے کہ ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم مانتے جب یہود سے پوچھا اور تورات کی باتیں اس نبی کے موافق اور

Marfat.com

اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ بُت پرستی کفر ہے، آخرت کا جینا برحق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو مردار ہے (اور عرب میں ایک نبی آخرالزماں آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ) تب لگے دونوں کو جواب دینے کہ تورات اور قرآن دونوں جادو اور موسیٰ و محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں جادوگر ہیں (العیاذ باللہ) جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى
تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں سے بہتر ہو
مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾
کہ میں اس پر چلوں ، اگر تم سچے ہو

مشرکین ہدایت سے خالی

یعنی آسمانی کتابوں میں سب سے بڑی اور مشہور یہی دو کتابیں تھیں جن کی ہمسری کوئی کتاب نہیں کر سکتی اگر یہ دونوں جادو ہیں تو تم کوئی کتاب الٰہی پیش کر دو جو ان سے بہتر اور ان سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ بفرض محال اگر ایسی کتاب لے آئے تو میں اُسی کی پیروی کرنے لگوں گا، لیکن تم قیامت تک نہیں لا سکتے۔ اس سے زیادہ بدبختی کیا ہوگی کہ خود ہدایت ربانی سے قطعی تہی دست ہو اور جو کتاب ہدایت آتی ہے اُسے جادو کہہ کر رد کر دیتے ہو۔ جب یہ ایک انسان کا بنایا ہوا جادو ہے تو تم سارے جہان کے جادوگروں کو جمع کر کے اس سے بڑا جادو لے آتے۔ آخر جادو ایسی چیز تو نہیں کہ اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ
پھر اگر نہ کر لائیں تیرا کہا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں
اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ
بری اپنی خواہشوں پر اور اُس سے گمراہ زیادہ کون جو چلے اپنی خواہش پر بدون
هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾
راہ بتلائے اللہ کے بیشک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو

خواہش کے بندے

یعنی جب یہ لوگ نہ ہدایت کو قبول کرتے ہیں اور نہ اُس کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کر سکتے ہیں تو یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ اُن کو راہِ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں محض اپنی خواہشات کی پیروی ہے جس چیز کو دل چاہا مان لیا۔ جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کر دیا۔ بتلایئے ایسے ہوا پرست ظالموں کو کیا ہدایت ہو سکتی ہے۔ اللہ کی عادت اُسی قوم کو ہدایت کرنے کی ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور محض ہوا و ہوس کو حق کا معیار نہ بنا لے۔ (تفسیر عثمانی)

بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ یہ محض تاکید ہے یا قید (احترازی) ہے کیونکہ خواہش نفس کبھی حق کے موافق ہو جاتی ہے بشرطیکہ ایمان کامل ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص (کامل) مؤمن نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا میلان نفس اس (حق) کا تابع (نہ) ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ عن عبداللہ بن عمرو۔ وقال النووی حدیث صحیح۔ الظّٰلِمِيْنَ یعنی جن لوگوں نے خواہشات نفسانیہ میں انہماک کیا ہو اور خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ط
اور ہم پے در پے بھیجتے رہے ہیں اُن کو اپنے کلام تا کہ وہ دھیان میں لائیں

نزول ہدایت کا تسلسل

یعنی ہماری وحی کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ ایک وحی کی تصدیق و تائید میں دوسری وحی برابر بھیجتے رہے ہیں۔ اور قرآن کو بھی ہم نے بتدریج نازل کیا ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت آتی رہی، مقصد یہ ہے کہ کافی غور کرنے اور سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور طبرانی نے رفاعہ قرظی کا قول نقل کیا ہے کہ آیت وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ دس آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی جن میں سے ایک میں ہوں۔

ابن جریر نے علی بن رفاعہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے دس آدمی جن میں ایک رفاعۃ یعنی علی کے باپ بھی تھے۔ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ایمان لے آئے پھر ان کو دکھ درد دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾
جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس سے پہلے وہ اس پر یقین کرتے ہیں

Marfat.com

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ
اور جب اُن کو سنائے تو کہیں ہم یقین لائے اس پر یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہوا
اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝
ہم ہیں اس سے پہلے کے حکم بردار

انصاف پسند اہل کتاب

یعنی ان جاہل مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو، اور ان کے بالمقابل انصاف پسند اہلِ کتاب کو دیکھو کہ وہ دونوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں پہلے سے تورات وانجیل پر یقین رکھتے تھے۔ جب قرآن پاک آیا تو بول اُٹھے کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے، ہمارے رب کی اتاری ہوئی، ہم اس پر اپنے یقین واعتقاد کا اعلان کرتے ہیں ہم تو پہلے بھی اللہ کی باتوں کو مانتے تھے آج بھی قبول کرتے ہیں۔ فی الحقیقت ہم آج سے مسلمان نہیں بہت پہلے سے مسلمان ہیں۔ کیونکہ کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزماں اور قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں۔ لہذا اُن پیشینگوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے اجمالی ایمان ہوا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نجاشی رحمہ اللہ کی رعایا کے چند لوگ

ابن ابی حاتم نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ جب حضرت جعفرؓ اور آپ کے رفقاء نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ان کی میزبانی کی اور اچھا سلوک کیا جب یہ لوگ لوٹنے لگے تو نجاشی کی حدود مملکت میں رہنے والوں نے نجاشی سے کہا ہم کو اجازت دیجئے کہ (ہم ان کے ساتھ جائیں اور) سمندر میں ان کی خدمت کریں اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر تجدید عہد کریں (نجاشی نے اجازت دے دی) وہ لوگ اپنے ملک سے روانہ ہو کر خدمت گرامی میں حاضر ہو گئے احد، حنین اور خیبر کی لڑائیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے لیکن ان میں سے کوئی شہید نہیں ہوا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ ہم کو اپنے دیس کو جانے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے اپنے ملک میں ہمارے پاس مال ہے ہم وہاں سے مال لا کر مہاجرین کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مہاجرین سخت محنت (ناداری) میں مبتلا ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی وہ لوگ چلے گئے پھر مال لے کر آئے اور مہاجرین کو تقسیم کیا، اللہ نے انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

بغوی نے سعید بن جبیر وغیرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انہیں کے بارے میں اللہ نے آیات اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ تک نازل فرمائیں۔

اہل کتاب کا سابقہ ایمان

اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ ہی سچا ہے ہمارے رب کی طرف سے (اُترا ہے) ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم (اطاعت گزار) تھے۔

ہم اس پر ایمان لائے یعنی اس بات پر ایمان لائے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ مُسْلِمِيْنَ یعنی اقرار توحید میں مخلص تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھنے کی یہ وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دے دی تھی اور فرما دیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توریت میں بھی تھا اور انجیل میں بھی مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان نیا نہیں بلکہ پہلے سے ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا
وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دوہرا اس بات پر کہ قائم رہے

دوہرا ایمان اور دوہرا اجر

یعنی مغرور و مستغنی ہو کر قبول حق سے گریز نہیں کیا بلکہ جس وقت جو حق پہنچا بے تکلف گردن تسلیم جھکا دی۔ (تنبیہ) شیخ اکبر رحمہ اللہ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دو مرتبہ ہوا۔ اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سابقین کے مصدق ہیں اور اُن پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں کیونکہ ہر پیغمبر حضور کی بشارت دیتے، اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لئے اُن لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا باقی حدیث میں جو آیا ہے اس کی شرح کا یہاں موقع نہیں۔ ہم نے خدا کے فضل سے شرح صحیح مسلم میں اس کو بتفصیل لکھا ہے اور اشکالات کو رفع کرنے کی

Marfat.com

کوشش کی ہے فللّٰہ الحمد والمنہ وبہ التوفیق والعصمہ۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ یعنی مومنین اہلِ کتاب کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔

دوہرے اجر والے لوگ

قرآن کریم میں اسی طرح کا وعدہ ازواج مطہرات کے متعلق بھی آیا ہے وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں تین شخصوں کے لئے دوہرے اجر کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ اہلِ کتاب جو پہلے اپنے سابق نبی پر ایمان لایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، دوسرا وہ شخص جو کسی کا مملوک غلام ہو اور وہ اپنے آقا کی بھی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی بھی، تیسرا وہ شخص جس کی ملک میں کوئی کنیز تھی جس سے بلا نکاح صحبت اس کے لئے حلال تھی اس نے اس کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا پھر اس کو منکوحہ زوجہ بنالیا۔ (تفسیر معارف مفتی)

بِمَا صَبَرُوْا بوجہ اس کے کہ وہ (نزول قرآن کے بعد اپنے ایمان پر) جمے رہے۔ (جس طرح پہلے ایمان رکھتے تھے اسی طرح نزول کے بعد بھی ایمان پر قائم رہے۔ برخلاف دوسرے اہل کتاب کے کہ نزول قرآن سے پہلے تو قرآن پر ان کا ایمان تھا اور کافروں کے مقابلہ میں رسول اللہ کے طفیل سے دعاء فتح کیا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ جانا پہچانا قرآن (یا رسول) ان کے پاس آ گیا تو محض حسد کی وجہ سے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور سابق ایمان پر قائم نہ رہے (تفسیر مظہری)

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
اور بھلائی کرتے ہیں بُرائی کے جواب میں

اہل علم کے اوصاف

یعنی کوئی دوسرا اُن کے ساتھ بُرائی سے پیش آئے تو یہ اُس کے جواب میں مروت وشرافت سے کام لے کر بھلائی اور احسان کرتے ہیں۔ یا یہ مطلب کہ کبھی اُن سے کوئی بُرا کام ہو جائے تو اُس کا تدارک بھلائی سے کر دیتے ہیں تا کہ حسنات کا پلہ سیئات سے بھاری رہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس نے فرمایا لا الہ الا اللّٰہ کی شہادت دے کر شرک کو دفع کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ دشمنوں کی دشمنی کو ان کے ساتھ بھلائی کر کے دفع کرتے ہیں اللہ نے فرمایا فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ جس شخص کی تم سے دشمنی ہے (اگر اس کے ساتھ احسان کرو گے) تو وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ گہرا دوست ہے۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ طاعت سے معصیت کو دفع کرتے ہیں اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بدی کے پیچھے نیکی کر لیا کرو بدی کو مٹا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

بعض نے فرمایا کہ بھلائی سے طاعت اور بُرائی سے معصیت مراد ہے کیونکہ نیکی بدی کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا اَتْبِعِ الْحَسَنَةَ السَّيِّئَةَ تَمْحُهَا یعنی بدی اور گناہ کے بعد نیکی کرو تو وہ گناہ کو مٹا دے گی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا حسنہ سے مراد علم وحلم اور سیئہ سے مراد جہل وغفلت ہے یعنی یہ لوگ دوسروں کی جہالت کا جواب جہالت کے بجائے حِلم و بُردباری سے دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝
اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں

یعنی اللہ نے جو مال حلال دیا ہے اُس میں سے زکوٰۃ دیتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں خویش واقارب کی خبر لیتے ہیں۔ غرض حقوق العباد ضائع نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا
اور جب سنیں نکمی باتیں اُس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو ہمارے کام
وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝
اور تم کو تمہارے کام سلامت رہو ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ لوگ

جاہلوں سے برتاؤ

یعنی کوئی جاہل لغو بیہودہ بات کہے تو اُس سے اُلجھتے نہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ بس صاحب! تمہاری باتوں کو ہمارا دور سے سلام۔ یہ جہالت کی لوٹ تمہی رکھو ہم کو ہمارے مشغلہ میں رہنے دو۔ تمہارا کیا تمہارے اور ہمارا کیا ہمارے سامنے آ جائے گا۔ ہم کو تم جیسے بے سمجھ لوگوں سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں تقریباً بیس اشخاص حبشہ سے حضور صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کی خبر سن کر آئے کہ تحقیق کریں کیسے شخص ہیں۔آپ سے بات چیت کی ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنایا، اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔اور بڑے زور سے آپ کی تصدیق کی ، جب مشرف بایمان ہو کر واپس ہونے لگے تو ابو جہل وغیرہ مشرکین نے اُن پر آوازے کسے کہ ایسے احمقوں کا قافلہ آج تک کہیں نہ دیکھا ہوگا۔جو ایک شخص کی تحقیق حال کرنے آئے تھے اور اُس کے غلام بن کر اور اپنا دین چھوڑ کر جا رہے ہیں ۔انہوں نے کہا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَانَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ لَنَا مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَلَكُمْ مَاانْتُمق عَلَيْهِ لَمْ مَالُ اَنْفُسَنَا خَيْراً. (بس ہم تم کو سلام کریں، معاف رکھو ہم تمہاری جہالت کا جواب جہالت سے دینا نہیں چاہتے، ہم اور تم میں سے جو جس حال پر ہے اُس کا وہ ہی حصہ ہے ہم نے اپنے نفس کا بھلا چاہنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی) اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔واللہ اعلم ۔حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جس جاہل سے توقع نہ ہو کہ سمجھائے پر لگے گا اُس سے کنارہ ہی بہتر ہے۔(موضح) (تفسیر عثمانی)

سلام علیکم اس سے مراد سلام تحیت و دعا نہیں بلکہ سلام ترک مراد ہے مطلب ہم گالیاں نہیں دیں گے برا نہیں کہیں گے۔تم کو جواب نہیں دیں گے۔ لَانَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ یعنی ہم جاہلوں کا دین نہیں چاہتے تمہارے مذہب کو پسند نہیں کرتے بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ ہم جاہلوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے ۔بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے ہم جاہلوں میں سے ہونا نہیں چاہتے یعنی تم ہم کو گالیاں دیتے ہو برا کہتے ہو اگر جواب میں ہم بھی تم کو گالیاں دیں گے تو تمہاری طرح جاہل ہو جائیں گے اور ہم ایسا ہونا نہیں چاہتے ہم جاہلوں میں سے ہو جانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے یہ حکم اس وقت تھا جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا ۔میں کہتا ہوں بغوی کا یہ قول واقعہ نزول کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا نزول یا حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں ہوا یہ حضرات تو ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے یا ان حبشیوں کی بابت ہوا جو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ نجاشی کے پاس سے آئے تھے ان کی آمد بھی ۶ھ میں غزوہ خیبر کے وقت ہوئی تھی یا چالیس نجرانیوں اور آٹھ شامیوں کے متعلق نزول ہوا۔ یہ واقعہ بھی ہجرت کے بعد کا ہے اور اس وقت کا جب جہاد کا حکم آ چکا تھا۔(تفسیر مظہری)

اِنَّكَ لَاتَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ
تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر
اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ
اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے

جناب ابوطالب

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا (ابوطالب) کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اُس نے قبول نہ کیا۔اس پر یہ آیت اُتری (موضح) یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو، یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔آپ کا کام صرف رستہ بتانا ہے آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود (تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا، یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے۔اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصول الی المطلوب کی توفیق بخشے (تنبیہ) جو کچھ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔اس سے زائد اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ابوطالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بحث بنا لینا غیر ضروری ہے۔بہتر یہ ہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پر خطر مباحث میں کفِ لسان کیا جائے۔(تفسیر عثمانی)

مسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا آپ لَا اله الا اللّٰه کہہ دیجئے تا کہ قیامت کے دن میں آپ کے لئے شہادت دے سکوں تو ابو طالب نے کہا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں عار دلائیں گی اور کہیں گی (موت کے) خوف سے ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(تفسیر مظہری)

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اور نسائی نے ابوسعید بن رافع کی روایت سے بیان کیا ہے ابوسعید نے کہا میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔کیا آیت اِنَّكَ لَاتَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ابوجہل وابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ؟ فرمایا ہاں۔شیخین اور نسائی اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ اور بیہقی نے سعید بن مسیّب کے حوالہ سے ان کے باپ کی روایت نقل کی ہے سعید کے باپ نے کہا ابوطالب کے انتقال کا وقت آ پہنچا تو رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ وہاں موجود تھے حضور نے فرمایا میرے چچا لا الہ الا اللہ ایک بار کہہ دیجئے تا کہ اللہ کے سامنے اس کلمہ کو آپ کے لئے حجت میں پیش کرسکوں ابوجہل اور عبداللہ نے کہا کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگرداں ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کلمہ پیش کرتے رہے اور بار بار دہراتے رہے بالآخر ابوطالب نے جو آخری لفظ زبان سے نکالا وہ یہ تھا علی ملة عبدالمطلب۔ عبدالمطلب کے مذہب پر۔ اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک مجھے ممانعت نہ ہو گی میں آپ کے لئے دعاء مغفرت کرتا رہوں گا اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ الآیۃ نبی کے لئے اور مسلمانوں کے لئے مشرکوں کے لئے دعاء مغفرت کرنی جائز نہیں الآیۃ۔ اور ابو طالب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾
اور وہ ہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آئیں گے

یعنی کسی کو کسی شخص کے راہ پر لانے کا اختیار کیا ہوتا علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد و لیاقت رکھتا ہے بہرحال اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمادی کہ آپ جاہلوں کی لغوگوئی اور معاندانہ شور و شغب یا اپنے خاص اعزا و اقارب کے اسلام نہ لانے سے غمگین نہ ہوں جس قدر آپ کا فرض ہے وہ ادا کئے جائیں، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہیں، اللہ ہی کے علم و اختیار میں ہے کہ ان میں سے کسے راہ پر لایا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ
اور کہنے لگے اگر ہم راہ پر آئیں تیرے ساتھ
نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ
اُچک لئے جائیں اپنے ملک سے

مشرکین کا عذر

انسان کو ہدایت سے روکنے والی کئی چیزیں ہیں مثلاً نقصان جان و مال کا خوف، چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بیشک ہم جانتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں، لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ اردگرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور مل کر ہمارا لقمہ کر لیں گے، نہ جان سلامت رہے گی نہ مال۔ اس کا آگے جواب دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ قریشی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو لوگ ہم کو اچک لیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ
کیا ہم نے جگہ نہیں دی اُن کو حرمت والے پناہ کے مکان میں کھنچے چلے آتے ہیں
ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ
اُس کی طرف میوے ہر چیز کے روزی ہماری طرف سے پر
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾
بہت اُن میں سمجھ نہیں رکھتے

عذر کا جواب

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں مکہ کے لوگ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہوں تو سارے عرب ہم سے دشمنی کریں اللہ نے فرمایا اب ان کی دشمنی سے کس کی پناہ میں بیٹھے ہو۔ یہ ہی حرم کا ادب (مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نکال نہیں دیتے) وہی اللہ (جس نے اس جگہ کو حرم بنایا) تب بھی پناہ دینے والا ہے (موضح) کیا شرک و کفر کے باوجود تو پناہ دی ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر پناہ نہ دے گا۔ ہاں ایمان و تقویٰ کو پرکھنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہ چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

حرم دورِ جاہلیت میں بھی امن کی جگہ تھی

دورِ جاہلیت میں عرب باہم قتل و غارت کیا کرتے تھے لوٹ مار کا عام دستور تھا کسی جگہ امن نہ تھا لیکن مکہ والے حرم کی حرمت کی وجہ سے امن چین سے رہتے تھے۔ مشہور بات ہے کہ ہرن بھیڑیوں سے اور کبوتر شکاری چیلوں سے محفوظ رہتے حرم کے اندر کوئی جانور

Marfat.com

بھی کسی جانور کا شکار نہیں کرتا تھا۔

جب بت پرستی کے دور میں بت پرست حرمتِ حرم کی وجہ سے ماموں ومحفوظ تھے تو حرمتِ کعبہ کے ساتھ جب حرمتِ توحید بھی شامل ہو گئی تو پھر جھپٹ لے جانے پر اللہ کیسے قدرت دے سکتا ہے۔(تفسیر مظہری)

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں نہ اس بات کو سمجھتے ہیں نہ غور کرتے ہیں۔ڈرنا تو کفر ومعصیت کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے چاہئیے نہ کہ ایمان وتوحید سے کیونکہ۔

ارضِ مکہ کو حرم بنادیا اور پورے عرب کے قبائل کفر وشرک اور باہمی عداوتوں کے باوجود اسپر متفق تھے کہ زمین حرم مکہ میں قتل وقتال سخت حرام ہے۔حرم میں باپ کا قاتل بیٹے کو ملتا تو انتہائی جوشِ انتقام کے باوجود کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حرم کے اندر اپنے دشمن کو قتل کردے یا اس سے کوئی انتقام لے لے،اس لئے ایمان لانے میں اُن کو یہ خطرہ محسوس کرنا کس قدر جہالت ہے کہ جس مالک نے اپنے رحم وکرم سے اُن کے کفر وشرک کے باوجود اس زمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ اُن کو کیسے ہلاک ہونے دے گا یحییٰ بن سلام نے فرمایا کہ معنے آیت کے یہ ہیں کہ تم حرم کی وجہ سے مامون ومحفوظ تھے، میرا دیا ہوا رزق فراخی کے ساتھ کھا رہے تھے اور عبادت میرے سوا دوسروں کی کرتے تھے اپنی اس حالت سے تو تمہیں خوف نہ ہوا اُلٹا خوف اللہ پر ایمان لانے سے ہوا (قرطبی) آیتِ مذکورہ میں حرمِ مکہ کے دو وصف بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ وہ جائے امن ہے، دوسرے یہ کہ وہاں اطرافِ دُنیا سے ہر چیز کے ثمرات لائے جاتے ہیں تا کہ مکہ کے باشندے اپنی تمام ضروریات آسانی سے پوری کرسکیں۔(معارف مفتی)

حرم میں ہر قسم کے پھل

رات دن کے تمام اوقات میں تیار شدہ غذا ہر وقت ملتے رہنے کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے اور قرآن کریم کے لفظ (ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ) میں غور کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرفِ عام کے اعتبار سے ثمرات کا تعلق درختوں کے ساتھ ہے مقام اس کا تھا کہ ثمراتِ کُلِ شی فرمایا جاتا،اس کے بجائے ثمرات کُل شی فرماتے ہیں بعید نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ لفظ ثمرات یہاں صرف پھلوں کے معنے میں نہیں بلکہ مطلقاً حاصل اور پیداوار کے معنی میں ہے ملوں اور کارخانوں کی مصنوعات بھی اُن کے ثمرات ہیں، اس طرح حاصل اس آیت کا یہ ہوگا کہ حرمِ مکہ میں صرف کھانے پینے ہی کی چیزیں جمع نہیں ہوں گی بلکہ تمام ضروریاتِ زندگی جمع کردی جائیں گی جس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے۔(معارف مفتی)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ
اور کتنی غارت کردیں ہم نے بستیاں جو اِترا چلی تھیں اپنی گذران میں اب یہ ہیں
مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ
اُن کے گھر آباد نہیں ہوئے اُن کے پیچھے مگر تھوڑے

اللہ کے عذاب سے ڈرو

یعنی عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرو، دیکھتے نہیں کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرہ ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے تکبر اور سرکشی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ و برباد کر ڈالا کہ آج صفحۂ ہستی پر اُن کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ یہ کھنڈر اُن کی بستیوں کے پڑے ہیں جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کہ کوئی مسافر تھوڑی دیر ستانے یا قدرتِ الٰہی کا عبرتناک تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں جا اترے۔(تفسیر عثمانی)

دوسری کافر قوموں کے حالات پر نظر ڈالو کہ اُن کے کفر وشرک کے وبال سے کس طرح اُن کی بستیاں تباہ ہوئیں اور مضبوط و مستحکم قلعے اور حفاظتی سامان سب خاک میں مل گئے تو اصل خوف کی چیز کفر وشرک ہے جو تباہی وبربادی کا سبب ہوتا ہے، تم کیسے بیخبر بیوقوف ہو کہ کفر وشرک سے خطرہ محسوس نہیں کرتے ایمان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔(معارف مفتی)

وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵۸
اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے

یعنی سب مر مرا گئے کوئی وارث بھی نہ رہا۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔(تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ
اور تیرا رب نہیں غارت کرنے والا بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے
فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ
اُن کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سُنائے اُن کو ہماری باتیں

قانونِ قدرت

یعنی اللہ تعالیٰ اُس وقت تک بستیوں کو غارت نہیں کرتا جب تک

Marfat.com

اُن کے صدر مقام میں کوئی ہشیار کرنے والا پیغمبر نہ بھیج دے (صدر مقام کی تخصیص شاید اس لئے کی کہ وہاں کا اثر دُور تک پہنچتا ہے اور شہروں کے باشندے نسبۃً سلیم و عقیل ہوتے ہیں) تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام مکہ معظمہ تھا۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ۔ رکوع ۱) اسی لئے وہاں سب سے بڑے اور آخری پیغمبر مبعوث ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک اُس قوم کے بڑے شہروں میں اپنے کسی رسول کے ذریعہ پیغامِ حق نہ پہنچا دے، جب دعوتِ حق پہنچ جائے اور لوگ اُس کو قبول نہ کریں اس وقت ان بستیوں پر عذاب آتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انبیاء اور رُسُل عموماً بڑے شہروں میں مبعوث ہوتے ہیں وہ چھوٹے قصبات و دیہات میں نہیں آتے کیونکہ ایسے قصبات و دیہات عادۃً شہر کے تابع ہوتے ہیں اپنی معاشی ضروریات میں بھی اور تعلیمی ضروریات میں بھی، اور شہر میں جو بات پھیل جائے اس کا تذکرہ ملحقہ قصبات و دیہات میں خود بخود پھیل جاتا ہے۔ (معارف مفتی)

صحیحین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ میں تمام سیاہ و سفید کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لئے نبوت و رسالت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول۔ کہا گیا ہے کہ مُراد اُمّ القُریٰ سے اصل اور بڑا قریہ ہے۔ (ابن کثیر)

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور ہم ہرگز نہیں غارت کرنے والے بستیوں کو مگر جب کہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں

یعنی ہشیار کرنے پر بھی جب لوگ باز نہیں آتے، برابر ظلم و طغیان میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ پکڑ کر ہلاک کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز سو فائدہ اُٹھا لینا ہے دنیا کی زندگی میں

وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور یہاں کی رونق ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور باقی رہنے والا کیا تم کو سمجھ نہیں

دنیا کا سامان فانی ہے

یعنی آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور چہل پہل کا مزہ کب تک اُٹھا سکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے۔ تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان جُدا کر کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے اگر وہاں کا عیش و آرام میسر ہو گیا تو یہاں کا عیش اس کے سامنے محض ہیچ اور لاشئے ہے کون عقلمند ہو گا جو ایک مکدّر و منغض زندگی کو بے غل و غش زندگی پر اور ناقص و فانی لذتوں کو کامل و باقی نعمتوں پر ترجیح دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا جس میں یہ بتلایا کہ اگر بالفرض ایمان لانے کے نتیجہ میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچ ہی جائے تو وہ چند روزہ ہے اور جس طرح دنیا کی عیش و عشرت مال و دولت سب چند روزہ متاع ہے کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، اسی طرح یہاں کی تکلیف بھی چند روزہ ہے جلد ختم ہو جانے والی ہے اس لئے عقلمند کا کام یہ ہے کہ فکر اُس تکلیف و راحت کی کرے جو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

عقلمند کون؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال و جائیداد کے متعلق یہ وصیت کر کے مر جائے کہ میرا مال اُس شخص کو دے دیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرف شرعی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دنیاداروں میں سے سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔ یہی مسئلہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب دُرِ مختار باب الوصیت میں بھی مذکور ہے۔ (معارف مفتی)

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ

بھلا ایک شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ سو وہ اس کو پانے والا ہے

كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ

برابر ہے اُس کی جس کو ہم نے فائدہ دیا دنیا کی زندگی کا پھر

هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آیا

Marfat.com

مؤمن وکافر برابر نہیں

یعنی مومن وکافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ایک کے لئے دائمی عیش کا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا اور دوسرے کے لئے چند روزہ عیش کے بعد گرفتاری کا وارنٹ اور دائمی جیلخانہ، العیاذ باللہ! ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے، خدم و حشم پرے باندھے کھڑے ہیں اور الوانِ نعمت دستر خوان پر چُنے ہوئے ہیں جن سے لذت اندوز ہو رہا ہوں، آنکھ کھلی تو دیکھا انسپکٹر پولیس گرفتاری کا وارنٹ اور بیڑی ہتھکڑی لئے کھڑا ہے بس وہ پکڑ کر لے گیا اور فوراً ہی پیش ہو کر حبس دوام کی سزا مل گئی۔ بتلاؤ اُسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمے کی لذت کیا یاد آئے گی۔ (تفسیر عثانی)

فرعون دسویں محرم کو عاشورہ کے دن ہلاک ہوا اور توریت دسویں ذی الحجہ کو عطا ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

وَعْدًا حَسَنًا یعنی جنت کا وعدہ جس چیز کا وعدہ کیا جائے اگر وہ اچھی ہو تو اس کا وعدہ بھی اچھا ہوتا ہے جنت بجائے خود اچھی ہے اس لئے اس کا وعدہ بھی اچھا ہے۔

فَهُوَ لَاقِيهِ لامحالہ وہ اس کو وعدۂ الٰہی کے مطابق ضرور پائے گا کیونکہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔

مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی وہ حیات دنیاوی کا سامان جو آلام سے پر ہے تکالیف اور مصائب نے اس کو مکدر کر دیا ہے پھر فانی ہے زوال کے بعد سواء حسرت کے اس کا اور کوئی نتیجہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بغوی نے مقاتل اور محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہ اور ابو جہل یا حضرت علی اور ابو جہل کے حق میں ہوا۔ بعض نے کہا کہ حضرت عمار اور ولید بن مغیرہ کے متعلق اس کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ
اور جس دن اُن کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک
الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾
جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

خدائی کے جھوٹے حصہ دار

یعنی وہ خدائی کے حصہ دار کہاں ہیں ذرا اپنی تائید وحمایت کے لئے لاؤ تو سہی۔ (تفسیر عثانی)

میں کہتا ہوں شاید شرکاء سے مراد وہ سرداران کفر ہوں کہ جن کی وجہ سے ان کے تابعین نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر انہیں کی عبادت اختیار کر لی تھی اور انہیں کا اتباع کرتے تھے۔ ان کو شرکاء بطور استہزاء کہا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ
بولے جن پر ثابت ہو چکی بات اے رب یہ لوگ ہیں
الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا
جن کو ہم نے بہکایا اُن کو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے ہم منکر ہوئے
إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾
تیرے آگے وہ ہم کو نہ پوجتے تھے

جھوٹے معبودوں کا عذر لنگ

یعنی سوال تو مشرکین سے تھا، مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ فی الحقیقت ہمیں بھی ڈانٹ بتلائی گئی ہے۔ اس لئے سبقت کر کے جواب دیں گے کہ خدوندا! بیشک ہم نے ان کو بہکایا اور یہ بہکانا ایسا ہی تھا جیسے ہم خود بہکے یعنی جو ٹھوکر بہکنے کے وقت کھائی تھی اُسی کی تکمیل بہکانے سے کی۔ کیونکہ بہکانا بھی بہکنے کی انتہائی منزل ہے۔ پس اس جرم اغواء کا تو ہمیں اعتراف ہے لیکن ان مشرکین پر کوئی جبر و اکراہ ہمارا نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوا لیتے فی الحقیقت ان کی ہوا پرستی تھی جو ہمارے بہکانے میں آ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ہم کو نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنے اہواء وظنون کی پرستش کرتے تھے ہم ان کی عبادت سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ کذا قال بعض المفسرین۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ شیطان بولیں گے۔ بہکایا تو ہے انہوں نے پر نام لے کر نیکوں کا۔ اسی سے کہا کہ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تنبیہ) حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ سے مراد ہے۔ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ. (تفسیر عثانی)

یعنی جس طرح ہم بہک گئے تھے خود اپنے اختیار سے گمراہی میں پڑ گئے تھے کسی نے ہم پر جبر نہیں کیا تھا اسی طرح یہ لوگ خود اپنے اختیار سے بہکے تھے ہم نے ان پر زبردستی نہیں کی تھی ہم کو جبراً گمراہ کر دینے کا

Marfat.com

اختیار نہیں تھا ہم نے تو ان کو ورغلایا تھا وسوسے پیدا کئے تھے لالچ دیئے تھے۔ یہ لالچ میں پڑ گئے ہمارا پر فریب وسوسہ اگرچہ ان کو کفر کی طرف دعوت دے رہا تھا لیکن اللہ نے پیغمبر بھیج دیئے تھے کتابیں نازل کر دی تھیں ہر طرح کی دلیلیں قائم کر دی تھیں جن کی موجودگی میں ان کو ہمارے بہکاوے میں نہ آنا چاہیے۔ یہ آیت مضمون کے لحاظ سے ایسی ہی ہے جیسی دوسری آیت میں فرمایا ہے وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ ،الخ۔

تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ یعنی آج ہم تیری بارگاہ میں تیرے سامنے ان سے اور جس کفر کو انہوں نے اپنے نفسانی میلان و جھکاؤ سے اختیار کیا تھا سب سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ یعنی یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پجاری تھے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ خود ان شیاطین کی زبانوں سے کہلوا دیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا، اس لئے مجرم ہم بھی ہیں مگر جُرم سے بَری یہ بھی نہیں کیونکہ جس طرح ہم نے اُن کو بہکایا تھا اس کے بالمقابل انبیاء علیہم السلام اور اُن کے نائبوں نے ان کو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلائل کے ساتھ ان پر حق واضح کر دیا تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے انبیاء کی بات نہ مانی ہماری مان لی تو یہ کیسے بَری ہو سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق کے دلائل واضحہ موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑ جائے تو یہ کوئی عذر معتبر نہیں۔ (معارف مفتی)

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ
اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو پھر پکاریں گے اُن کو
فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ
تو وہ جواب نہ دیں گے اُن کو

مصنوعی معبود مدد سے عاجز ہوں گے

یعنی کہا جائے گا کہ اب مدد کو بلاؤ، مگر وہ کیا مدد کر سکتے خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ كذاقال المفسرون ۔اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ شیاطین جب نیکوں کا نام لیں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ اُن نیکوں کو پکارو! وہ کچھ جواب نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ ان مشرکانہ حرکات سے راضی نہ تھے یا خبر نہ رکھتے تھے۔

وَرَاَوُا الْعَذَابَ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾
اور دیکھیں گے عذاب کسی طرح وہ راہ پائے ہوئے ہوتے

گمراہوں کی حسرت

یعنی اُس وقت عذاب کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں سیدھی راہ چلتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾
اور جس دن اُن کو پکارے گا تو فرمائے گا کیا جواب دیا تھا تم نے ہم پہنچانے والوں کو
فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾
پھر بند ہو جائیں گی اُن پر باتیں اس دن سو وہ آپس میں بھی نہ پوچھیں گے

رسالت کا سوال

پہلے سوالات توحید کے متعلق تھے، یہ سوال رسالت کی نسبت ہوا۔ یعنی اپنی عقل سے تم نے اگر حق کو نہ سمجھا تھا تو پیغمبروں کے سمجھانے سے سمجھا ہوتا، بتلاؤ اُن کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔ اُس وقت کسی کو جواب نہ آئے گا۔ اور بات کرنے کی راہیں بند ہو جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس روز ڈر کے مارے جب پیغمبر جواب میں لڑکھڑائیں گے اور جواب کو اللہ کے علم کے سپرد کر دیں گے (اور کہیں گے کہ تو جانتا ہے تیرے علم میں ہے کہ ہم نے ان کو شرک کا حکم نہیں دیا وغیرہ) تو کافر لوگ کسی گنتی میں ہوں گے۔ وہ کیا کہہ سکیں گے ۔ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ وہ آپس میں سوال نہیں کریں گے دہشت اور خوف کی وجہ سے پوچھنے کی بھی ہمت نہ ہوگی یا اس خیال سے نہیں پوچھیں گے کہ جس سے سوال کیا جائے گا وہ بھی سائل کی طرح (لاجواب) ہوگا پھر پوچھنے کا کیا حاصل۔ (تفسیر مظہری)

بقول حافظ شیرازی ؎

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محمل ہا

(معارف کاندھلوی)

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى
سو جس نے کہ توبہ کی اور یقین لایا اور عمل کئے اچھے سو اُمید ہے

Marfat.com

اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ﴿۶۷﴾

کہ ہو چھوٹنے والوں میں

آخرت کی کامیابی ایمان وعمل صالح ہے

یعنی وہاں کی کامیابی صرف ایمان وعمل صالح سے ہے۔اب بھی جو کوئی کفر وشرک سے توبہ کر کے ایمان لایا اور نیکی اختیار کی، حق تعالیٰ اُس کی پہلی خطائیں معاف کر کے فائز المرام کرے گا۔

(تنبیہ) فَعَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ وعدہ ہے شہنشاہانہ انداز میں یعنی اُس کو فلاح کی اُمید رکھنا چاہئیے۔گو ہم پر کسی کا دباؤ نہیں کہ ناچار ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔محض فضل وکرم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ

اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ

جس کو چاہے اُن کے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا

تخلیق وانتخاب کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے

یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اسی کی مشیت واختیار سے ہے اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اُسی کو حاصل ہے۔ جو اُس کی مرضی ہو احکام بھیجے جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب ومرتبہ پر فائز کرے۔جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرمادے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع و افراد سے ممتاز بنادے۔اُس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار وانتخاب کا حق حاصل نہیں۔حافظ ابن القیم نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط سے لکھا ہے۔فلیراجع۔(تفسیر عثانی)

بغوی نے لکھا ہے مشرکوں نے کہا تھا یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا یعنی ولید بن مغیرہ پر یا عروہ بن مسعود ثقفی پر اس قول کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔(تفسیر مظہری)

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ اس آیت کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لیا گیا ہے کہ یختار سے مراد اختیار احکام ہے کہ حق تعالیٰ جبکہ تخلیق کائنات میں منفرد ہے کوئی اس کا شریک نہیں تو اجرائے احکام میں بھی منفرد ہے جو چاہے اپنی مخلوق میں حکم نافذ فرمائے۔

فضیلت کا معیارِ صحیح اختیارِ خداوندی ہے

حافظ ابنِ قیم نے اس آیت سے ایک عظیم الشان ضابطہ اخذ کیا ہے کہ دنیا میں جو ایک جگہ کو دوسری جگہ پر یا ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے یہ اُس چیز کے کسب وعمل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بلاواسطہ خالقِ کائنات کے انتخاب واختیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔اُس نے سات آسمان پیدا کئے ان میں سے سماء علیا کو دوسروں پر فضیلت دے دی حالانکہ مادہ ساتوں آسمانوں کا ایک ہی تھا۔پھر اُس نے جنت الفردوس کو دوسری سب جنتوں پر اور جبرئیل ومیکائیل واسرافیل وغیرہ خاص فرشتوں کو دوسرے فرشتوں پر، اور انبیاء علیہم السلام کو دوسرے سارے بنی آدم پر اور اُن میں سے اولوالعزم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر اور اپنے خلیل ابراہیم اور حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سب اولوالعزم رُسولوں پر، پھر اولاد اسماعیل علیہ السلام کو دوسری ساری دنیا کے لوگوں پر پھر قریش کو اُن سب پر اور بنی ہاشم کو سب قریش پر اور سید ولد آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بنی ہاشم پر پھر اسی طرح صحابہ کرام اور دوسرے اسلافِ اُمت کو دوسروں پر فضیلت دینا یہ سب حق تعالیٰ جل شانہٗ کے انتخاب واختیار کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں مدارِ فضیلت دو چیزیں ہیں ایک غیر اختیاری ہے جو صرف حق تعالیٰ کا انتخاب ہے دوسرا اختیاری جو اعمال صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سے حاصل ہوتا ہے علامہ ابن قیم نے اس موضوع پر بڑا تفصیلی کلام کیا ہے اور آخر میں صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین کو تمام دوسرے صحابہ پر اور خلفاء راشدین میں صدیق اکبر ان کے بعد عمر بن خطاب ان کے بعد عثمان غنی ان کے بعد علی مرتضی رضی اللہ عنہم کی ترتیب کو ان دونوں معیاروں سے ثابت کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک مستقل رسالہ فارسی زبان میں اس موضوع پر ہے جس کا اُردو ترجمہ احقر نے بنام بعض التفصیل لمسئلۃ التفضیل شائع کر دیا ہے اور احکام القرآن سورۂ قصص میں بھی اس کو بزبان عربی مفصل لکھ دیا ہے۔اہلِ علم کے ذوق کی چیز ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔(معارف مفتی)

Marfat.com

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

اللہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس چیز سے کہ شریک بتلاتے ہیں

یعنی تخلیق وتشریع اور اختیار مذکور میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں لوگوں نے اپنی تجویز وانتخاب سے جو شرکاء ٹھہرالئے ہیں سب باطل اور بے سند ہیں۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے اُن کے سینوں میں اور جو کچھ کہ ظاہر میں کرتے ہیں

اللہ آگاہ ہے

یعنی دل میں جو فاسد عقیدے یا بُری نیتیں رکھتے ہیں اور زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سے جو کام کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہ ہی ہر ایک شخص کی پوشیدہ استعداد وقابلیت سے آگاہ ہے اُسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى

اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اُسی کی تعریف ہے دنیا

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور آخرت میں اور اُسی کے ہاتھ حکم ہے اور اُسی کے پاس پھیرے جاؤ گے

معبود صرف اللہ ہے

یعنی جس طرح تخلیق واختیار اور علم محیط میں وہ منفرد ہے الوہیت میں بھی یگانہ ہے بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اُسی کی ذات منبع الکمالات میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی ہو خواہ وہ کسی کے نام رکھ کر کی جائے حقیقت میں اُسی کی تعریف ہے۔ اُسی کا حکم چلتا ہے اُسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اُسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کا سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تم کو پہنچتی ہیں اُسی کے فضل وانعام سے ہیں بلکہ خود رات اور دن کا اَدل بَدل کرنا بھی اُس کا مستقل احسان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُ الْحُكْمُ اسی کا فیصلہ (حکم) ہر چیز میں نافذ ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اہلِ طاعت کے لئے اس کا حکم مغفرت اور گناہگاروں کے لئے فیصلہ بدبختی نافذ ہے۔

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور اسی (کے حکم) کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ

تو کہہ دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات

الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ہمیشہ کو قیامت کے دن تک

دن کی روشنی کی نعمت

مثلاً سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اُس سے روشنی سلب کرلے تو اپنے کاروبار کے لئے ایسی روشنی کہاں سے لاسکتے ہیں۔

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ

کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی

اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

پھر کیا تم سنتے نہیں

یہ بات ایسی روشن اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آجائے۔ تو کیا تم سنتے بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ

تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ تم پر دن

سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے

يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہ لائے تم کو رات جس میں آرام کرو پھر کیا تم نہیں دیکھتے

رات کی نعمت

یعنی اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے تو جو راحت وسکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں اُن کا سامان کون سی طاقت کرسکتی ہے۔ کیا ایسی روشن حقیقت بھی تم کو نظر نہیں آتی۔ (تنبیہ) اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا کے مناسب ہے کیونکہ آنکھ سے

Marfat.com

دیکھنا عادۃً روشنی پر موقوف ہے جو دن میں پوری طرح ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں چونکہ دیکھنے کی صورت نہیں، ہاں سننا ممکن ہے، اس لئے اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ کے ساتھ فرمانا ہی موزوں تھا۔ واللہ اعلم۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اور اپنی مہربانی سے بنا دیئے تمہارے واسطے رات اور دن
لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
کہ اُس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اُس کا فضل
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾
اور تا کہ تم شکر کرو

یعنی رات دن کا اُلٹ پھیر کرتا رہتا ہے تا رات کی تاریکی اور خنکی میں سکون وراحت بھی حاصل کرو اور دن کے اُجالے میں کاروبار بھی جاری رکھ سکو۔ اور روز وشب کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ
اور جس دن اُن کو پکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا
تم دعویٰ کرتے تھے اور جُدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتلانے والا

اعمال کے گواہ

احوال بتلانے والا پیغمبر یا اُن کے نائب یا جو نیک بخت تھے۔ (موضح) وہ بتلائیں گے کہ لوگوں نے شرائع سماویہ اور احکام الٰہیہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اور یاد کرو اس دن کو جب کہ اللہ ان (کافروں) کو ندا دے گا اور فرمائے گا (آج) کہاں ہیں وہ میرے (فرض کئے ہوئے) شریک جن کو تم (اپنا سفارشی اور عذاب خدا سے بچانے والا) خیال کرتے تھے۔

یہ زجر کے بعد دوسری زجر ہے یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ اللہ کے غضب کا موجب سب سے بڑھ کر شرک ہے پہلی زجر تھی اس بات پر کہ وہ اپنے سرداروں کے نقش قدم پر چلتے تھے اور سرداروں کا اتباع کر کے انہوں نے اللہ کی عبادت کو ترک کر دیا تھا اور یہ دوسری زجر ہے اس بات پر کہ ان کا عقیدہ ہی بگڑا ہوا ہے وہ پتھروں کو اپنا سفارشی سمجھتے ہیں۔

نَزَعْنَا ہم نکال کر لائیں گے شَهِيْدًا یعنی پیغمبر کو جو ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل یعنی اس بات کی دلیل کہ جس مذہب پر وہ چلتے تھے وہ صحیح تھا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ کہ الوہیت اللہ ہی کی حق ہے الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ضَلَّ غائب ہو جائیں گی جیسے کوئی کھوئی ہوئی چیز غائب ہو جاتی ہے مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ یعنی دنیا میں جو بے اصل باتیں گھڑتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند

یعنی خدا تعالیٰ کے شریک کس سند اور دلیل سے ٹھہرائے اور حلال و حرام وغیرہ کے احکام کس ماخذ صحیح سے لئے تھے پیغمبروں کو تو تم نے مانا نہیں، پھر کس نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے یہ نہیں۔

فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ
تب جان لیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی جائیں گی اُن سے
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾
جو باتیں وہ جوڑتے تھے

تب ان پر حق واضح ہوگا

یعنی اُس وقت نظر آ جائے گا کہ سچی بات اللہ کی ہے اور معبودیت صرف اُسی کا حق ہے۔ کوئی اُس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو بتلاتے تھے وہ ہی ٹھیک ہے۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑی تھیں اُس روز سب کافور ہو جائیں گی۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ
قارون جو تھا سو موسیٰ کی قوم سے پھر شرارت کرنے لگا اُن پر

ربطِ مضامین

رکوع سابق کے آغاز میں دنیا کی بے ثباتی اور حقارت آخرت کے مقابلہ میں بیان کی گئی تھی۔ بعدہٗ ذکر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالمِ آخرت کے بیان ہوئے۔ رکوع حاضر میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے اور اسی دعوے کے استشہاد میں قارون کا قصہ سنایا جاتا ہے۔

Marfat.com

قارون ملعون

کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا جیسا کہ ظالم حکمتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنا لیتے ہیں۔فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اُس ملعون کو چُن لیا تھا۔قارون نے اُس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اُس کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور سرداری جاتی رہی۔اس حسد وغیظ میں حضرت موسیٰ سے دل میں خلش رکھنے لگا۔تاہم ظاہر میں مومن بنا ہوا تھا، تورات بہت پڑھتا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔مگر دل صاف نہ تھا۔حضرت موسیٰ اور ہارون کی خداداد عزت ووجاہت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی اُن ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں۔مجھے کچھ بھی نہ ملے کبھی مایوس ہو کر شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔میرے پاس مال ودولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ جو احکام لائے ہم تم نے برداشت کئے۔مگر کیا تم یہ بھی برداشت کرلو گے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔کچھ لوگوں نے اُس کی تائید میں کہا، نہیں، ہم برداشت نہیں کر سکتے۔آخر ملعون نے حضرت موسیٰ کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔کسی عورت کو بہکا سکھلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب موسیٰ علیہ السلام زناء کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ اُن کو متہم کرنا۔چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گزری جب حضرت موسیٰ نے اُس کو شدید قسمیں دیں، اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل ڈرا۔ تب اُس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھ کو سکھلایا تھا۔اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے وہ مع اپنے گھر اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔(تفسیر عثمانی)

مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کا نسب یہ ہے قارون بن یصہر بن قاہث۔اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث۔ابنِ اسحاقؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔لیکن اکثر علماء چچا کا لڑکا بتلاتے ہیں۔یہ بہت خوش آواز تھا تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا۔اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے۔(تفسیر ابن کثیر)

معارف ومسائل

سورۂ قصص کے شروع سے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ قصہ مذکور تھا جو اُن کو فرعون اور آلِ فرعون کے ساتھ پیش آیا، یہاں ان کا دوسرا قصہ بیان ہوتا ہے جو اپنی برادری کے آدمی قارون کے ساتھ پیش آیا اور مناسبت اس کی سابقہ آیتوں سے یہ ہے کہ پچھلی آیت میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ دنیا کی دولت ومال جو تمہیں دیا جاتا ہے وہ چندروزہ متاع ہے اس کی محبت میں لگ جانا دانشمندی نہیں۔

قارون ایک عجمی لفظ غالباً عبرانی زبان کا ہے۔

روح المعانی میں محمد ابن اسحٰق کی روایت سے نقل کیا ہے کہ قارون تورات کا حافظ تھا اور دوسرے بنی اسرائیل سے زیادہ اس کو تورات یاد تھی مگر سامری کی طرح منافق ثابت ہوا اور اس کی منافقت کا سبب دنیا کے جاہ وعزت کی بیجا حرص تھی۔پورے بنی اسرائیل کی سیادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھی اور ان کے بھائی ہارون اُن کے وزیر اور شریک نبوت تھے اس کو یہ حسد ہوا کہ میں بھی تو ان کی برادری کا بھائی اور قریبی رشتہ دار ہوں میرا اس سیادت وقیادت میں کوئی حصہ کیوں نہیں۔چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کی شکایت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مجھے اس میں کچھ دخل نہیں، مگر وہ اس پر مطمئن نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد رکھنے لگا۔

فَبَغٰی عَلَیْهِمْ لفظ بَغٰی چند مَعانی کے لئے آتا ہے۔مشہور معنے ظلم کے ہیں، یہاں یہ معنی بھی مُراد ہو سکتے ہیں کہ اس نے اپنے مال ودولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرنا شروع کیا، یحییٰ بن سلام اور سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قارون سرمایہ دار آدمی تھا، فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی نِگرانی پر مأمور تھا، اس امارت کے عہدے میں اُس نے بنی اسرائیل کو ستایا (قرطبی) (معارف مفتی)

چادر لٹکانا

شہر بن حوشب نے کہا (غرور وتکبر کا مظاہرہ کرنے کے لئے) قارون نے اپنے کپڑوں کی لمبائی (دوسروں کے مقابلہ میں) ایک بالشت بڑھائی تھی (یعنی اس کے کپڑے نیچے لٹکتے تھے)

Marfat.com

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا کپڑا (اِزار یعنی تہبند لنگی یا کرتا عبا چغہ وغیرہ) تکبر سے کھینچ کر چلتا ہے اللہ اس کی طرف (رحمت کی) نظر نہیں کرے گا۔ رواہ البغوی۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی چادر غرور کی وجہ سے کھینچتا چلتا ہے اللہ (قیامت کے دن رحمت کی) نظر سے اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ امام احمد اور نسائی نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اللہ (رحمت کی نظر سے) اس شخص کو نہیں دیکھے گا جو اپنی ازار (لنگی یا تہبند) کو گھسیٹتا چلتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ
اور ہم نے دیئے تھے اُس کو خزانے اتنے کہ اُس کی کنجیاں اُٹھانے سے
بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ق
تھک جاتے کئی مرد زور آور

قارون کے خزانے

بعض سلف نے مفاتح کی تفسیر خزائن سے کی ہے یعنی اس قدر روپیہ تھا کہ طاقتور مردوں کی ایک جماعت بھی اُسے مشکل سے اُٹھا سکتی۔ لیکن اکثر مفسرین نے مفاتح کی تفسیر کنجیوں سے کی ہے۔ یعنی مال کے صندوق اتنے تھے جن کی کنجیاں اُٹھاتے ہوئے کئی زور آور آدمی تھک جائیں۔ اور یہ چنداں مستبعد نہیں جیسا کہ بعض تفاسیر میں اس کی صورت بتلائی گئی ہے (تفسیر عثمانی)

حضرت حیوہ مصری کی کرامت

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حیوہ بن شریح مصریؒ سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور اس کی حاجتمندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ دل میں بہت آزردہ ہو رہے تھے آخر آپ نے ایک کنکر زمین سے اُٹھا لیا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں اُلٹ پلٹ کر کے فقیر کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا ڈلا بن گیا۔ معجزے اور کرامات حدیثوں اور آثار میں اور بھی بہت سی مروی ہیں، جنہیں یہاں بیان کرنا باعثِ طول ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسمِ اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعا کی تو اس قدر دولتمند ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ
جب کہا اُس کو اُس کی قوم نے اِترا مت اللہ کو
لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝
نہیں بھاتے اِترانے والے

دولت پر اترانا

یعنی اس فانی وزائل دولت پر کیا اتراتا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں بر پشہ کی برابر بھی نہیں۔ خوب سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کو اکڑنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اُس مالک کو نہ بھائے اُس کا نتیجہ بجز تباہی وہلاکت کے کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فرح کا لغوی ترجمہ ہے خوشی اور مرعوب چیز پا کر سینہ کی کشائش جس فرح کی ممانعت کی گئی ہے وہ فرح بمعنی غرور ہے۔ جب انسان اپنے کو غنی پاتا ہے تو اِترانے لگتا ہے مغرور ہو جاتا ہے تکبر کرنے لگتا ہے۔ ایسی فرح کی ممانعت ہے۔ اللہ نے اسی کو طغیان (پھولا نہ سمانا حد سے تجاوز کرنا) فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى انسان نے اپنے کو غنی پایا تو طغیان (غرور تکبر) کرنے لگا۔ قاموس میں ہے فرح کا معنی ہے خوشی اور (اپنے کو) دیکھنا۔ بغوی نے لا تفرح کا ترجمہ کیا ہے نہ اترا غرور نہ کر نہ اکڑ۔

حصولِ مقصد پر خوشی

فرح یعنی حصول مقصد سے خوشی تو فطری امر ہے بندہ کے اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں اس لئے اس کی ممانعت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ دنیا ملنے پر خوش ہونا مطلقاً مذموم ہے (خواہ غرور وتکبر پیدا ہو یا نہ ہو) کیونکہ دنیا کی محبت اور دنیا کی پسندیدگی موجب ہے زوال دنیا کی طرف سے غافل ہو جانے کی اور فنا وزوال کی طرف سے غافل ہونا بہر حال مذموم ہے یہ سمجھ لینا کہ دنیا فانی ہے اس کی ہر لذت زوال پذیر ہے یہ آنی جانی ہے۔ انسان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ دنیا سے دل نہ لگائے اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ جو چیز تم کو نہ ملی اس کا غم نہ کرو اور جو کچھ اللہ نے تم کو عطا فرما دیا ہے اس پر خوش نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

فرح کی اجازت صرف آیت فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا میں اور آیت وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ میں دی گئی ہے میرے نزدیک قول

Marfat.com

فیصل یہ ہے کہ دنیا میں اس نعمت کے ملنے پر جو آخرت میں کام آنے والی ہے فرح کرنا بہرحال قابل تعریف ہے اور اسی کا حکم آیت فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا میں دیا گیا ہے۔ اور جس دنیاوی نعمت کے ملنے پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا جائے اس پر بھی خوش ہونا اچھا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے والا شکر گزار۔ روزہ دار صابر کی طرح ہے۔ ہاں اگر دنیوی لذتوں کے حصول کے بعد طغیان، سرکشی اور ناشکری پیدا ہو جائے تو قطعاً ایسی نعمت پر خوش ہونا مذموم ہے خوش ہونے کا مذموم یا محمود ہونا شکر اور ناشکری کی بناء پر ہے فی نفسہ بذات خود حصولِ مطلوب پر خوش ہونا تو فطری امر ہے انسان کے اختیار کو اس میں دخل نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِترانے کی سزا

ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنا تہد لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا جو قیامت تک دھنستا ہوا چلا جائے گا (بخاری) احمد کی روایت میں ہے کہ دو چادروں میں اکڑتا ہوا نکلا تھا کہ خدا تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔ کتاب العجائب میں ہے نوفل بن ماحق کہتے ہیں کہ نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا بڑا لمبا چوڑا بھرپور جوانی کے نشہ میں چُور گٹھے ہوئے بدن والا بانکا ترچھا اچھے رنگ روغن والا خوبصورت شکیل۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا، تو اُس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا آپ کے حُسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں، اور تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا تو کیا خود اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔ نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اُڑنے لگا اور قد پست ہونے لگا، یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے رہ گیا جسے اس کا کوئی قریبی رشتہ دار آستین میں ڈال کر لے گیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰؑ کی بددُعا سے ہوئی تھی۔

تکبر اور اترانے کی حدود

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ اُس کی جوتی کا تسمہ اپنے ساتھی کی جوتی کے تسمے سے اچھا ہو تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ فخر و غرور کرے۔ اور اگر صرف بطور زیبائش کے چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میری تو یہ خوشی رہتی ہے کہ میری چادر بھی اچھی ہو میری جوتی بھی اچھی ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں یہ تو خوبصورتی ہے، اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے۔ (ابن کثیر)

لَاتَفْرَحْ فرح کے لفظی معنے اُس خوشی کے ہیں جو انسان کو کسی لذتِ عاجلہ کے سبب حاصل ہو۔ قرآن کریم نے بہت سی آیات میں فرح کو مذموم قرار دیا جیسا کہ ایک اسی آیت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ اور ایک آیت میں لَاتَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ اور ایک آیت میں ہے فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور بعض آیات میں فرح کی اجازت بلکہ ایک طرح کا امر بھی وارد ہوا ہے جیسے يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ میں اور آیت میں فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ارشاد ہوا ہے۔ ان سب آیات کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذموم اور ممنوع وہ فَرَح ہے جو اترانے اور تکبر کرنے کی حد تک پہنچ جائے اور وہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس لذت و خوشی کو وہ اپنا ذاتی کمال اور ذاتی حق سمجھے اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان نہ سمجھے۔ اور جو خوشی اس حد تک نہ پہنچے وہ ممنوع نہیں بلکہ ایک حیثیت سے مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی شکر گزاری ہے۔ (معارف مفتی)

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ
اور جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اُس سے کما لے پچھلا گھر

مال و وسائل کا صحیح استعمال

یعنی خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے۔ نہ یہ کہ غفلت کے نشہ میں چُور ہو کر غرور و تکبر کی چال چلنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش نہ کر اور جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (اس کے بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں بگاڑ کا خواہاں نہ ہو بے شک اللہ اہلِ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے جو دنیوی نعمتیں تجھے عطا فرمائی ہیں۔

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ یعنی جنت کی طلب کر مطلب یہ ہے کہ خداداد نعمتوں کا شکر کر اور ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے راستہ میں خرچ کر۔

وَلَاتَنْسَ نہ بھول یعنی بھولی بسری چیز کی طرح دنیا سے اپنا حصہ ترک نہ کر یعنی دنیا سے اتنا حصہ ضرور حاصل کر جس سے آخرت میں جنت

Marfat.com

تجھے مل جائے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے انسان کا دنیا میں اصلی نصیب وہ ہے جس سے آخرت کو حاصل کرلے۔ کذا قال مجاہد وابن زید۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ
اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر
كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ
جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے

دنیا کے مال میں آدمی کا حصہ

یعنی حصہ موافق کھا، پہن اور زیادہ مال سے آخرت کما۔ اور مخلوق کے ساتھ سلوک کر۔ سدی نے کہا نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا سے مراد ہے خیرات دینی اور کنبہ پروری کرنی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنی صحت قوت جوانی اور مالداری کو آخرت کے حصول کے لئے صرف کرنے کو ترک نہ کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھ اپنی زندگی کو مرنے سے پہلے اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اپنی فرصت کو مشغولیت سے پہلے اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور اپنی مالداری کو افلاس سے پہلے۔ رواہ الحاکم والبیہقی بسند صحیح۔ واحمد فی الزہد۔ (تفسیر مظہری)

بدنیا توانی کہ عقبی خری بخرجاں من ورنہ حسرت بری
سعدیؒ

اگر گنج قاروں بچنگ آوری نماند مگر آنکہ بخشی بری

اور بعض علماء نے نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا کی یہ تفسیر کی ہے کہ انسان کا حصہ دنیا سے کفن ہے جب اس جہان سے جانے لگے گا تو اتنا ہی نصیب ہوگا لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے کہ میرا حصہ دنیا سے صرف کفن کی دو چادریں ہیں۔ اسی خیال کو پیشِ نظر رکھے اور دنیا کے مال ومنال پر گھمنڈ نہ کرے اسی بنا پر کسی شاعر کا قول ہے۔

نصیبک مما تجمع الدھر کلّہ رداء ان تلویٰ فیھما و حنوط

یعنی جو کچھ تو ساری عمر جمع کرے گا۔ اس میں سے تیرا حصہ صرف کفن کی دو چادریں ہیں جن میں تو لپیٹا جائے گا۔

اور حنوط یعنی خوشبو ہے جو کفن پر لگائی جاتی ہے۔ نظم

گر ملک تو شام تا یمن خواہد بود وز سرحد روم تا ختن خواہد بود
آنروز کزین جہاں کنی عزم سفر ہمراہ تو چند گز کفن خواہد بود
اگر پہلوانی اگر تیغ زن نخواہی بدر بردن الا کفن
(سعدیؒ)

(معارف کاندھلوی)

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ
اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں اللہ کو بھاتے
لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾
نہیں خرابی ڈالنے والے

زمین میں فساد نہ کر

یعنی حضرت موسیٰ کی ضد نہ کر، خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ خواہ مخواہ ملک میں اودھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے جس نے اللہ کی نافرمانی کی وہ زمین پر فساد کا طلب گار ہوا۔ (یعنی گناہ اور اللہ کی نافرمانی ہی فساد اور تباہی ہے)

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ یعنی بداعمالوں کی بداعمالی کی وجہ سے اللہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ
بولا یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے

قارون کا تکبر وخود غرضی

یعنی میں ہنرمند تھا۔ کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ اپنی لیاقت وقابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دولت حاصل ہوئی۔ اللہ نے بھی میری لیاقت کو دیکھ کر اور قابل جان کر یہ کچھ دیا ہے۔ کیا یونہی بیٹھے بٹھائے بے محنت مل گیا ہے کہ موسیٰ کے حکم اور تمہارے مشورہ کے موافق خدا کے نام پر خرچ کر ڈالوں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي قارون نے کہا مجھے جو کچھ ملا ہے (مجھے دیا گیا ہے) وہ مجھے میرے علم کی وجہ سے ملا ہے۔ قوم والوں نے قارون سے کہا تھا، أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ قارون نے اس کا تردیدی جواب یہ دیا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے میرے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا مجھے اس کا استحقاق تھا اس کی کوئی مہربانی نہیں جس کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر لازم ہو اور اس کے بندوں سے بھلائی کرنا مجھ پر فرض ہو جائے مجھے جو کچھ عزت مال اور سیادت ملی وہ میرے علم کی وجہ سے ملی۔ (تفسیر مظہری)

کیمیا گری کا علم

بعض علماء نے کہا علم سے مراد ہے کیمیا گری، سعید بن مسیب کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیمیا بنانی جانتے تھے آپ نے علم

Marfat.com

کیمیا کا ایک حصہ تو یوشع بن نون کو سکھا دیا اور ایک تہائی حصہ کالب بن یوقنا کو اور ایک تہائی قارون کو۔ قارون نے یوشع اور کالب کو فریب دے کر وہ حصہ بھی معلوم کر لیا جو انہوں نے سیکھا تھا اس طرح پورا علم کیمیا اس کو حاصل ہو گیا اس کی مالداری کا یہی گُر تھا بعض اہلِ علم نے کہا۔ قارون نے جو لفظ علم بولا تھا اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں تجارت کے گر جانتا ہوں کاشتکاری کے فن سے خوب واقف ہوں اور کمائی کے دوسرے راستے مجھے معلوم ہیں انہی ذرائع سے میرے پاس مال آیا ہے۔

بُری خصلتیں

سہل نے کہا جس نے اپنے کو دیکھا (یعنی اترایا) اس نے فلاح نہیں پائی خوش نصیب وہ ہے جس نے اپنے اوپر (غرور کی) نظر نہ ڈالی اور (نظرِ غرور سے) اپنے افعال و اعمال کو نہیں دیکھا اور بد بخت وہ ہے جس کی نظر میں اس کے اپنے اقوال اعمال اور احوال پسندیدہ بنا کر دکھا دیئے ہوں اور ان پر فخر کرنے لگا ہو عنقریب کسی دن ایسا بدنصیب ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح کہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا جب کہ اس نے اپنے لئے برتری کا دعویٰ کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ
کیا اُس نے یہ نہ جانا کہ اللہ غارت کر چکا ہے اُس سے پہلے کتنی
الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا
جماعتیں جو اُس سے زیادہ رکھتی تھیں زور اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع

دولت کس نے دی؟

یعنی دولت کمانے کی لیاقت کسی نے دی۔ افسوس ہے مُنعم حقیقی کو بھول کر اُس کی دی ہوئی دولت و لیاقت پر غرہ کرنے لگا۔ کیا اسی دولت کو اُس نے اپنی نجات کا ضامن تصور کر رکھا ہے۔ اُسے معلوم نہیں کتنی جماعتیں اپنی شرارت و سرکشی کی بدولت پہلے تباہ کی جا چکی ہیں۔ جن کے پاس بادشاہتیں تھیں۔ اور اس ملعون سے زیادہ خزانوں اور لشکروں کے مالک تھے۔ اُن کا انجام سن کر اسے عبرت نہ ہوئی۔

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾
اور پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے اُن کے گناہ

سزا کیلئے اللہ کو گناہوں کے پوچھنے کی ضرورت نہیں

یعنی پوچھنے کی ضرورت کیا ہو گی۔ اللہ کو اُن کے گناہ ایک ایک کر کے معلوم ہیں فرشتوں کے ہاں سب لکھے ہوئے ہیں، ہاں بطور توبیخ و تفریع اگر کسی وقت سوال ہو وہ دوسری بات ہے۔ یا یہ کنایہ ہے گناہوں کی کثرت سے یعنی اتنی تعداد میں ہوں گے کہ ایک ایک جزئی کی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "پوچھے نہ جائیں گے گناہ، یعنی گناہگار کی سمجھ درست ہو تو گناہ کیوں کرے۔ جب سمجھ الٹی پڑے تو الزام دینے سے کیا فائدہ کہ یہ بُرا کام کیوں کرتا ہے اس کی بُرائی نہیں سمجھتا" (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ اور مجرموں سے ان کے قصوروں کے متعلق (تحقیق کی غرض سے) نہیں پوچھا جائے گا۔ کیونکہ اللہ کو پہلے ہی سے ان کے جرائم معلوم ہوں گے اس کو پوچھنے اور دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے دنیا میں وہ بغیر دریافت کئے جرائم کی سزا میں ہلاک کرتا ہے اور آخرت میں دوزخ میں داخل کرے گا۔ پہلے اللہ نے ایسے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ذکر کیا جو مالدار بھی بہت تھے اور تعداد میں بھی بہت تھے تا کہ قارون کے دل میں اپنی ہلاکت کا خوف پیدا ہو اس آیت میں فرمایا کہ یہ عذاب انہیں کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ اللہ تمام اگلے پچھلے مجرموں کے جرائم پر مطلع ہے سب کو سزا دے گا۔ قتادہ نے لَا يُسْـَٔلُ کا یہ مطلب بیان کیا کہ بغیر پوچھے اور بغیر حساب لئے ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا مجاہد نے کہا فرشتے ان سے ان کے جرائم کا سوال نہیں کریں گے بلکہ چہروں سے ہی پہچان لیں گے حسن نے کہا دریافت حال اور تحقیق کے لئے ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ توبیخ و زجر کی غرض سے باز پرس کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ
پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے کہنے لگے جو لوگ
يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ
طالب تھے دنیا کی زندگانی کے اے کاش ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے
اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾
قارون کو بیشک اس کی بڑی قسمت ہے

Marfat.com

قارون کی ٹیپ ٹاپ

یعنی لباس فاخرہ پہن کر بہت سے خدم وحشم کے ساتھ بڑی شان و شکوہ اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالبین دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ بیشک یہ بڑا ہی صاحبِ اقبال اور بڑی قسمت والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقاتل نے کہا قارون سفید خچر پر نکلا خچر پر سنہری ارغوانی زین تھی چار ہزار سوار تھے ان سواروں کے گھوڑے ارغوانی تھے تین سو باندیاں بھی سفید خچروں پر سوار ساتھ تھیں باندیاں گوری گوری۔ زیور اور سرخ لباس سے آراستہ تھیں۔

بنی اسرائیل (اگرچہ دنیا کے طلب گار تھے لیکن) مومن تھے اس لئے یہ نہیں کہا کہ قارون کی دولت ہم کو مل جاتی یہ تو حسد ہو جاتا بلکہ یوں کہا کہ قارون کی دولت کی طرح کاش ہم کو بھی دولت مل جاتی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ
اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا
اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ
دیا ثواب بہتر ہے اُن کے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا

دانا اہل علم کی نصیحت

یعنی سمجھدار اور ذی علم لوگوں نے کہا کہ کم بختو اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو تجھے جاتے ہو۔ مومنین صالحین کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشے ہے اتنی بھی نسبت نہیں جو ذرّہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔

اور جن لوگوں کو (دین کا) علم عطا کیا گیا تھا انہوں نے کہا ارے تمہارا بُرا ہو اللہ کے گھر کا ثواب (ہزار درجہ) بہتر ہے جو ان لوگوں کو ملے گا جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور (کامل طور پر) انہی لوگوں کو دیا جائے گا جو (حرص وطمع سے) اپنے آپ کو روکنے والے ہیں۔

اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی جو لوگ اس ثواب سے واقف تھے جس کا وعدہ اللہ نے مومنوں سے کیا ہے انہوں نے ان تمنا کرنے والوں سے کہا۔

وَيْلَكُمْ لفظ ویل مصدر ہے اس کا معنی ہے ہلاکت۔ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی تم مرو۔ ہلاک ہو جاؤ۔ حقیقت میں اس لفظ کا مفہوم ہے بددعا لیکن اس کا استعمال ناپسندیدہ کام سے روکنے اور زجر کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝
اور یہ بات اُنہی کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں

صبر کا پھل

یعنی دنیا سے آخرت کو بہتر وہ ہی جانتے ہیں جن سے محنت سہی جاتی ہے۔ اور بے صبر لوگ حرص کے مارے دنیا کی آرزو پر گرتے ہیں۔ نادان آدمی دنیا کی آسودگی دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس کی بڑی قسمت ہے اُس کی شب وروز کی فکر وتشویش، دردسری اور آخرت کی ذلت کو اور سو جگہ خوشامد کرنے کو نہیں دیکھتا اور یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا میں کچھ آرام ہے تو دس بیس برس، اور مرنے کے بعد کاٹنے ہیں ہزاروں برس۔ (موضح بتغییر یسیر) (تفسیر عثمانی)

اہلِ صبر از جملہ عالم برترند صابراں از اوج گردوں بگزرند
ہر کہ کارد تخم صبر اندر جہاں بدرود محصول عیش صابران

وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ یعنی یہ بات (کہ اللہ کا ثواب بہتر ہے) نہیں سکھائی جاتی مگر اہلِ صبر کو یا اللہ کی طرف سے ثواب نہیں دیا جاتا مگر صابرون کو۔ الصّٰبِرُوْنَ یعنی وہ لوگ جو اللہ کی طاعت پر جمے رہتے ہیں اور گناہوں سے اور دنیا کی حرص سے اپنے آپ کو روکے رکھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ
پھر دھنسا دیا ہم نے اُس کو اور اُس کے گھر کو زمین میں پھر نہ ہوئی اُس کی
مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫
کوئی جماعت جو مدد کرتی اُس کی اللہ کے سوائے
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝
اور نہ وہ خود مدد لا سکا

یعنی نہ کوئی دوسرا اپنی طرف سے مدد کو پہنچا، نہ یہ کسی کو بلا سکا نہ اپنی ہی قوت کام آئی نہ دوسروں کی۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

قارون کی سرکشی کا آغاز

اہلِ روایت نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کے بعد قارون سب سے بڑا عالم تھا اور توریت کا سب سے بڑا قاری تھا سب سے زیادہ حسین خوش آواز اور مالدار بھی تھا لیکن اس نے سرکشی کی اور حدود خداوندی سے آگے بڑھ گیا سرکشی اور نافرمانی کی ابتداء اس واقعہ سے ہوئی کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کے پاس وحی بھیجی اپنی قوم کو حکم دے دو کہ ہر شخص اپنی چادر کے چاروں کونوں پر ایک ایک نیلا آسمانی رنگ کا دھاگہ باندھ لیں تاکہ دھاگہ کو دیکھ کر آسمانی رنگ ان کی نظر کے سامنے آجائے اور آسمانی رنگ کو دیکھ کر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائیں اور ان کو یاد ہو جائے کہ اس آسمان سے اللہ نے اپنا کلام اتارا ہے حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب کیا تیرا حکم اس طرح نہیں پورا ہوسکتا کہ وہ اپنی پوری چادریں نیلے رنگ میں رنگ لیں کیونکہ بنی اسرائیل ان دھاگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے فرمایا موسیٰ میرا چھوٹا حکم بھی چھوٹا نہیں ہوتا اگر وہ میرا چھوٹا حکم بھی نہیں مانیں گے تو بڑا حکم بدرجہ اولیٰ نہیں مانیں گے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور فرمایا اللہ کا حکم ہے کہ تم اپنی چادروں پر آسمانی رنگ کے دھاگے باندھ لیا کرو تاکہ ان کو دیکھ کر تم کو اپنے رب (کے کلام) کی یاد ہو جائے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے حکم کی تعمیل کی لیکن قارون نے حکم نہیں مانا اور غرور سے کہنے لگا (موسیٰ سب کو غلام بنالینا چاہتے ہیں) ایسا عمل تو آقا اپنے غلاموں کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ ان کے غلام دوسرے غلاموں سے الگ معلوم ہو جائیں قارون کی نافرمانی اور سرکشی کا یہی آغاز تھا۔

قارون نے عہدہ طلب کرلیا

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریا کے پار پہنچ گئے تو بنی اسرائیل کی ساری قربانیوں کی نگرانی حضرت ہارون کے سپرد کر دی اور ان کو افسر قربانی بنا دیا۔ بنی اسرائیل اپنی اپنی قربانیاں حضرت ہارون کے پاس لاتے تھے اور ہارون ان قربانیوں کو قربانی کی جگہ میں رکھ دیتے پھر آسمان سے ایک آگ آکر قربانی کو کھا جاتی تھی۔ قارون کو حضرت ہارون کی اس سرداری کا بھی رنج ہوا اور حضرت موسیٰ کے پاس آکر کہنے لگا موسیٰ تمہارے لئے تو رسالت ہوگئی اور ہارون کے لئے قربانی کی افسری اور میں جو توریت کا سب سے بڑا قاری ہوں مجھے کچھ نہیں ملا میں اس بات پر صبر نہیں کرسکتا حضرت موسیٰ نے فرمایا میں نے ہارون کو خود یہ عہدہ نہیں دیا ہے بلکہ اللہ نے یہ عہدہ ان کو دیا ہے۔ قارون نے کہا میں تو تمہاری بات اس وقت تک سچ نہیں مانوں گا جب تک تم اس کا ثبوت مجھے دکھا نہ دو حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنی اپنی لاٹھی لے کر آئے اور اس خیمہ کے اندر لاکر درخت کی طرح گاڑ دے۔ حسب الحکم سب لوگوں نے اپنی اپنی لاٹھیاں مقررہ خیمہ کے اندر لاکر کھڑی کر دیں رات یوں ہی گزر گئی صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ہارون کی لاٹھی (ایک درخت کی طرح) سرسبز ہو گئی اور اس میں ہرے ہرے پتے نکل آئے قارون کہنے لگا موسیٰ جو جادو تم بناتے رہے ہو اس سے زیادہ تعجب آفریں جادو یہ نہیں ہے۔

قارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جُدائی

اس کے بعد قارون حضرت موسیٰ سے الگ ہو گیا حضرت موسیٰ قرابت کی وجہ سے اس سے نرمی کا سلوک کرتے رہے مگر وہ ہر وقت آپ کو دکھ ہی دیتا رہا اس کی سرکشی نافرمانی اور دشمنی بڑھتی ہی گئی اس نے (حضرت موسیٰ سے کٹ کر) اپنا ایک مکان تعمیر کیا جس کا دروازہ سونے کا بنوایا اور دیواروں پر سونے کی پتریں لگوائیں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے آدمی روزانہ صبح شام اس کے پاس آتے باتیں کرتے ہنسی مذاق کرتے اور قارون سب کو کھانا کھلاتا تھا (یہ محفل عیش روزانہ گرم ہوتی تھی)

قارون نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا (اور حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو وہ حکم سنایا) تو قارون نے ماننے سے انکار کر دیا آخر حضرت موسیٰ نے ایک فی ہزار کی شرط پر قارون سے مصالحت کرلی قارون نے وعدہ کرلیا کہ ہزار دینار میں ایک دینار ہزار درہم میں ایک درہم اور ہزار بکریوں میں ایک بکری مد زکوٰۃ میں ادا کرے گا جب قارون اس اقرار کے بعد اپنے گھر پہنچا اور حساب لگایا تو بڑی رقم ہوگئی اور اس کے دل نے اتنا کثیر مال دینے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلل قارون کی تدبیریں ناکام

آخر (سوچ کر ایک تدبیر کی) بنی اسرائیل کو جمع کیا اور سب سے خطاب کر کے کہا لوگو موسیٰ نے جو حکم بھی تم کو دیا تم نے اس کی تعمیل کی اب (یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ) وہ تمہارے مال بھی لے لینا چاہتا

Marfat.com

ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا آپ ہمارے بڑے ہیں جو آپ کی منشاء ہو حکم دیجئے قارون نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ تم فلاں زانیہ عورت کو لے آؤ ہم کچھ معاوضہ دینا اس سے طے کرلیں گے وہ موسیٰ کو اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائے اگر اس نے ایسا کرلیا تو بنی اسرائیل موسیٰ کو چھوڑ دیں گے اور اس کے حلقہ سے نکل جائیں گے چنانچہ لوگوں نے اس عورت کو بلوایا قارون نے ایک ہزار درہم معاوضہ دینا منظور کرلیا۔ بعض روایات میں ہزار دینار بعض میں سونے کا ایک طشت دینا طے کیا بعض اہلِ روایت نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قارون نے اس سے کہا تجھے مالدار بنادوں گا اور تجھے اپنی بیویوں میں شامل کرلوں گا بشرطیکہ کل صبح بنی اسرائیل موسیٰ کے پاس جمع ہوں تو موسیٰ کو اپنے ساتھ زنا کرنے پر تو متہم کردے جب دوسرا دن ہوا تو قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا پھر موسیٰ کے پاس گیا اور کہا بنی اسرائیل آپ کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہے ہیں آپ باہر آ کر ان کو وعظ نصیحت کریں حضرت موسیٰ باہر آئے بنی اسرائیل اس وقت کھلے میدان میں جمع تھے آپ تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے بنی اسرائیل (سنو) جو چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے جو کسی پر زنا کی تہمت لگائے گا ہم اس کو کوڑے ماریں گے اور جو زنا کرے گا ہم اس کے کوڑے ماریں گے بشرطیکہ اس کی بیوی نہ ہو اور بیوی ہوتے ہوئے اگر زنا کرے گا تو ہم پتھر مار مار کر اس کو ہلاک کردیں گے قارون بولا خواہ تم ہی ایسے ہو (تب بھی اپنے کو یہی سزا دو گے) حضرت موسیٰ نے فرمایا خواہ میں ہی ہوں قارون کہنے لگا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ تم نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے حضرت موسیٰ نے فرمایا اس عورت کو بلواؤ اگر وہ یہ بات کہہ دے تو وہی بات (صحیح) ہوگی جو وہ کہہ دے گی عورت آئی حضرت موسیٰ نے اس سے کہا اے عورت کیا میں نے تیرے ساتھ ایسا کیا ہے یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں حضرت موسیٰ نے اس الزام کا بڑا اثر لیا اور اس خدا کا حوالہ دیا جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا کو پھاڑ دیا اور توریت نازل فرمائی اور فرمایا کیا تو سچ سچ نہیں کہے گی اللہ نے اس عورت کا خیال پلٹ دیا اور اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج توبہ کرلینا اللہ کے رسول کو دُکھ دینے سے بہتر ہے کہنے لگی نہیں۔ یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ قارون نے مجھے معاوضہ دینا طے کیا تھا اگر میں آپ پر زنا کی تہمت لگا دوں۔ حضرت موسیٰ یہ سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور رو رو کر کہنے لگے اے اللہ اگر میں تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے اس پر غضب نازل فرما اللہ نے وحی بھیجی کہ زمین کو تمہارے زیر حکم کردیا گیا تم جو حکم چاہو اس کو دو یہ حکم کی تعمیل کرے گی حضرت موسیٰ نے فرمایا۔

قارون کی ہلاکت

اے بنی اسرائیل اللہ نے جس طرح مجھے فرعون کے پاس بھیجا تھا۔ اسی طرح قارون کے پاس بھی بھیجا تھا۔ اب جو اس کے ساتھ رہنا چاہے وہ اس کے پاس ٹھہرا رہے اور جو میرا ساتھ دینا چاہے وہ اس کے پاس سے الگ ہوجائے۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے قارون کا ساتھ چھوڑ دیا سب اس کے پاس سے ہٹ آئے صرف دو آدمی اس کے پاس رہ گئے پھر حضرت موسیٰ نے (زمین کو حکم دیا اور) فرمایا اے زمین ان کو لے لے زمین نے ان کے قدم کھینچ لئے ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ اپنے تخت اور فرش پر اس وقت موجود تھا زمین نے اس کے تخت کو نگل لیا پھر آپ نے زمین کو حکم دیا لے لے زمین نے گھٹنوں تک ان کو نگل لیا پھر آپ نے فرمایا ان کو لے زمین نے کمر تک ان کو نگل لیا پھر آپ نے فرمایا زمین ان کو لے۔ زمین ان کو گلے تک نگل گئی قارون اور اس کے ساتھی برابر موسیٰ علیہ السلام سے منت زاری کرتے رہے اور قارون برابر حضرت موسیٰ کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیتا رہا یہاں تک کہ ستر بار اس نے واسطہ دیا لیکن شدت غضب کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کی اور زمین کو حکم دیا ان کو لے غرض زمین نے سب کو نگل لیا۔

اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا تمہارا دل بھی کیسا سخت ہے قارون نے ستر بار تم سے فریاد کی مگر تم نے ایک بار بھی اس کی فریاد رسی نہیں کی قسم ہے اپنی عزت وعظمت کی اگر وہ ایک بار بھی مجھ سے فریاد کرتا تو میں اس کی فریاد رسی ضرور کرتا بعض اقوال میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا آئندہ میں زمین کو کسی کا تابع حکم نہیں بناؤں گا۔

قتادہ نے کہا زمین نے قارون کو اپنے اندر دھنسا لیا اور وہ روز بقدر قد آدم زمین کے اندر دھنس رہا ہے اور یونہی دھنستا رہے گا مگر قیامت تک انتہائی گہرائی کو نہ پہنچ سکے گا قارون کے زمین میں گھس جانے کے بعد بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قارون کے لئے بددعا صرف اس لئے کی کہ خود اس کی جگہ اس کا مکان خزانے اور سارا مال متاع لینا چاہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی آپ کی دعا سے اللہ نے اس کے ساتھ اس کے گھر اور خزانوں اور مال متاع

Marfat.com

کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ
اور فجر کو لگے کہنے جو کل شام آرزو کرتے تھے اُس کا سا
يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
درجہ ارے خرابی یہ تو اللہ کھول دیتا ہے روزی
لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ
جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے

قارون کی ہلاکت سے عبرت

یعنی جو لوگ قارون کی ترقی و ترفع کو دیکھ کر کل یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم کو بھی ایسا عروج حاصل ہوتا، آج اُس کا یہ بُرا انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔ اب اُن کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے کسی شخص کی دنیوی ترقی و عروج کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہیئے کہ اللہ کے ہاں وہ کچھ عزت و وجاہت رکھتا ہے۔ یہ چیز کسی بندے کے مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جس پر مناسب جانے روزی کے دروازے کھول دے جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال و دولت کی فراخی مقبولیت اور خوش انجامی کی دلیل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اُس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے سچ ہے۔

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ اَعْيَتْ مَذاهِبُهٗ
كَمْ جَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقاً
هٰذَاالذى تركَ الْاَوهَامَ حَائِرَةً
وَصَيَّرَ العَالِمَ النِحْرِيْرَ زِنْدِيقاً

لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ
اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہم کو بھی دھنسا دیتا
وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع
ارے خرابی یہ تو چھٹکارا نہیں پاتے منکر

حقیقت سے آگاہی

یعنی خدا تعالیٰ کا احسان ہے اُس نے ہم کو قارون کی طرح نہ بنایا۔ ورنہ یہ ہی گت ہماری بنتی، اپنی طرف سے تو ہم حرص کے مارے يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ کی آرزو کر ہی چکے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہ کیا۔ اور نہ ہماری حرص پر سزا دی۔ بلکہ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھلا کر بیدار فرما دیا، اب ہمیں خوب کھل گیا کہ محض مال و زر کی ترقی سے حقیقی فلاح و کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، اور یہ کرنا شکر گزار منکروں کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا نہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ
وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ اُن لوگوں کو جو نہیں چاہتے
عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾
اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا اور عاقبت بھلی ہے ڈرنے والوں کی

اصل خوش بختی

یعنی قارون کی دولت کو نادانوں نے کہا کہ اس کی بڑی قسمت ہے بڑی قسمت یہ نہیں، آخرت کا ملنا بڑی قسمت ہے۔ سو وہ اُن کے لئے ہے جو اللہ کے ملک میں شرارت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے اور اس فکر میں نہیں رہتے کہ اپنی ذات کو سب سے اونچا رکھیں۔ بلکہ تواضع و انکسار اور پرہیز گاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اُن کی کوشش بجائے اپنی ذات کو اونچا رکھنے کے یہ ہوتی ہے کہ اپنے دین کو اونچا رکھیں حق کا بول بالا کریں اور اپنی قوم مسلم کو اُبھارنے اور سربلند کرنے میں پوری ہمت صرف کر ڈالیں۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں۔ دنیا خود اُن کے قدم لیتی ہے۔ اب سوچ لو کہ دنیا کا مطلوب کیا دنیا کے طالب سے اچھا نہیں ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ لو! وہ سب سے زیادہ تارک الدنیا تھے مگر متروک الدنیا نہ تھے۔ بہر حال مومن کا مقصد اصلی آخرت ہے۔ دنیا کا جو حصہ اس مقصد کا ذریعہ بنے وہ ہی مبارک ہے ورنہ ہیچ۔ (تفسیر عثمانی)

تواضع کرنے والا حاکم

عطاء نے کہا لوگوں پر جبر اور چیرہ دستی نہیں کرتے اور ان کو حقیر نہیں جانتے حسن نے کہا حاکموں اور سرداروں کے پاس عزت و مرتبہ کے طلب گار نہیں ہوتے۔ حضرت علی نے فرمایا اس آیت کا نزول ان حاکموں کے متعلق ہوا جو باوجود قدرت کے تواضع کرتے ہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ جو حاکم اور صاحب قدرت متواضع ہوتا ہے وہ ملک میں خود اونچا اٹھنے (اور

Marfat.com

سب پر فوقیت حاصل کرنے) کا خواستگار نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

عُلُوّ سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر اور فساد سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا ہے (سفیان ثوری) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر معصیت فساد فی الارض ہے کیونکہ گناہ کے وبال سے دنیا کی برکت میں کمی آتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تکبر اور ظلم کا یا مطلق معصیت کا ارادہ کریں اُن کا آخرت میں حصہ نہیں۔

فائدہ: تکبر جس کی حُرمت اور وبال اس آیت میں ذکر کیا گیا وہ وہی ہے کہ لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو، ورنہ اپنے لئے اچھے لباس اچھی غذا اچھے مکان کا انتظام جب وہ دوسروں کے تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

معصیت کا پختہ عزم بھی معصیت ہے

اس آیت میں علوّ اور فساد کے ارادہ پر دار آخرت سے محروم ہونے کی وعید ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت کا پختہ ارادہ جو عزم مصمم کے درجہ میں آجائے وہ بھی معصیت ہی ہے (کمافی الروح) (معارف مفتی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ
جو لے کر آیا بھلائی اُس کو ملنا ہے اُس سے بہتر

یعنی جو بھلائی یہاں کرے گا اس سے کہیں بہتر بھلائی وہاں کی جائے گی ایک نیکی کا جو مقتضی ہوگا کم از کم اُس سے دس گنا ثواب پائے گا۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ
اور جو کوئی لے کر آیا بُرائی سو بُرائیاں کرنے والے اُن کو
عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾
وہی سزا ملے گی جو کچھ کرتے تھے

مشفقانہ قانون

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا، وہ یقیناً ملنا ہے، اور بُرائی پر بُرائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ ضرور مل کر رہے گی کیونکہ ممکن ہے معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرمادیا کہ اپنے کئے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ
جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا

لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ
وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ

دنیا و آخرت کی کامیابی متقین کے لئے ہے

پہلے فرمایا تھا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یہ کہ انجام بھلا پرہیزگاروں کا ہے یعنی آخرت میں جیسا کہ اُوپر معلوم ہوا۔ اب بتلاتے ہیں کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی کی ہوتی ہے۔ دیکھو آج کفار کے ظلم وستم سے تنگ آکر تم کو مکہ چھوڑنا پڑا ہے۔ مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ آیت اُتری ہجرت کے وقت یہ تسلی فرمادی کہ پھر مکہ میں آؤ گے۔ سو خوب طرح آئے پورے غالب ہو کر بعض مفسرین نے معاد سے مراد موت لی ہے بعض نے آخرت بعض نے جنت بعض نے سرزمین شام جہاں پہلے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علی وسلم شب معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے ان اقوال میں بہت عمیق ولطیف تطبیق دی۔ یعنی معاد سے مراد اس جگہ مکہ معظمہ ہے (کمافی البخاری) مگر فتح مکہ علامت تھی قرب اجل کی جیسا کہ ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہما نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ آگے اجل کے بعد حشر، حشر کے بعد آخرۃ اور آخرت کی انتہائی منزل جنت ہے مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اول آپ کو نہایت شاندار طریقہ سے لوٹا کر لائے گا مکہ میں، اُس کے چند روز بعد اجل واقع ہوگی، پھر ارض شام کی طرف حشر ہوگا (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پھر آخرت میں بڑی شان وشکوہ سے تشریف لائیں گے اور اخیر میں جنت کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہمیشہ کے لئے پہنچ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے معاد کی یہ تفسیر منقول ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ چند روز کے لئے آپ کو اپنا وطنِ عزیز خصوصاً حرم اور بیت اللہ چھوڑنا پڑا مگر قرآن کا نازل کرنے والا اور اُس پر عمل کو فرض کرنے والا خدا تعالیٰ آخر کار آپ کو پھر مکہ میں لوٹا کر لائے گا۔ ائمہ تفسیر میں سے مقاتل کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غارِ ثور سے رات کے وقت نکلے اور مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں

Marfat.com

سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے۔ جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں سے وہ مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد آیا، اُسی وقت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ جُدائی چند روزہ ہے اور بالآخر آپ کو پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا جائے گا جو فتح مکہ کی بشارت تھی، اسی لئے حضرت ابنِ عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی ہے نہ مکی ہے نہ مدنی (قرطبی)۔ (معارف مفتی)

اِلٰی مَعَادٍ عاد سے مراد ہے کہ چنانچہ اس وعدہ کے مطابق اللہ نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں لوٹا بھی دیا۔ عوفی نے حضرت ابن عباس کا یہی قول بیان کیا ہے مجاہد کا بھی یہی قول ہے قتیبی نے کہا کسی شخص کا معاد اس کا شہر ہوتا ہے جہاں وہ لوٹ کر آتا ہے۔ معادٍ میں تنوین تنکیر اظہار عظمت وشان کے لئے ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ کا رسول، اللہ کے دشمنوں پر غالب آیا کفر کو شکست ہوئی اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ معاد سے مراد موت ہے۔ میں کہتا ہوں۔ موت اصلی حالت کی طرف واپس ہونے کا نام ہے اسی لئے معاد موت ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ تم بے جان تھے اللہ نے تم کو جاندار بنایا پھر وہ تم کو بے جان کر دے گا۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول

کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو اس کے جواب میں اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى
تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے کون لایا ہے راہ کی سوجھ
وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾
اور کون پڑا ہے صریح گمراہی میں

یعنی حق تعالیٰ میری ہدایت اور مکذبین و معاندین کی گمراہی کو خوب جانتا ہے یقیناً وہ ہر ایک کے ساتھ اُن کے احوال کے موافق معاملہ کرے گا۔ نہیں ہوسکتا کہ میری کوششوں کو ضائع کر دے، یا گمراہوں کو رسوا نہ کرے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ
اور تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اُتاری جائے تجھ پر کتاب
اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
مگر مہربانی سے تیرے رب کی

منصب نبوت محض رحمتِ خداوندی ہے

یعنی آپ پہلے سے کچھ پیغمبری کے انتظار میں نہ تھے، محض وموہبت الٰہیہ ہے جو حق تعالیٰ نے پیغمبری اور وحی سے سرفراز فرمایا۔ وہ ہی اپنی مہربانی اور رحمت سے دنیا و آخرت میں کامیاب فرمائے گا لہٰذا اسی کی امداد پر ہمیشہ بھروسہ رکھئے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾
سو تو مت ہو مدد گار کافروں کا

جو ایمان میں ساتھ دے وہی اپنا ہے

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھ جنہوں نے تجھ سے یہ بدی کی (کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا) اب جو تیرا ساتھ دے وہ ہی اپنا ہے۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ
اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے بعد
اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ
اس کے کہ اتر چکے تیری طرف اور بُلا اپنے رب کی طرف
وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾
اور مت ہو شریک والوں میں

دین کے کام میں قوم کی رعایت نہ کیجئے

یعنی دین کے کام میں اپنی قوم کی خاطر اور رعایت نہ کیجئے اور آپ کو اُن میں گنیئے گو کہ اپنے قرابتدار ہوں۔ ہاں اُن کو اپنے رب کی طرف بُلاتے رہئے اور خدا کے احکام پر جمے رہئے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
اور مت پکار اللہ کے سوائے دوسرا حاکم

Marfat.com

یہ آپ کو خطاب کر کے دوسروں کو سُنایا۔ اُوپر کی آیتوں میں بھی بعض مفسرین ایسا ہی لکھتے ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ
کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے ہر چیز فنا ہے مگر اُس کا منہ

فانی اور باقی

یعنی ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور تقریباً تمام چیزوں کو فنا ہونا ہے، خواہ کبھی ہو۔ مگر اُس کا منہ یعنی وہ آپ نہ کبھی معدوم تھا، نہ کبھی فنا ہو سکتا ہے۔ سچ ہے۔

ع اَلَا کُلُّ شیءٍ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ ۔

قال تعالیٰ اور بعض سلف نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ سارے کام مٹ جانے والے اور فنا ہو جانے والے ہیں بجز اس کام کے جو خالصاً لِوَجہ اللہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وقال اللہ تعالیٰ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

(ع) الا کل شیء ماخلا اللہ باطل

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نفخ صور کے وقت ہر چیز پر فنا طاری ہو جائے گی مگر آٹھ چیزیں فنا اور ہلاکت سے مستثنیٰ ہوں گی۔

ثمانية حكم البقاء يعمها
هى العرش والكرسى ونار وجنة
من الخلق والباقون فى حيز العدم
وَعَجْبٌ وارواح كذا اللوح والقلم

(معارف کاندھلوی)

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾
اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف پھر جاؤ گے

اللہ کی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے

یعنی سب کو اُس کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا۔ صورۃً وظاہراً بھی کسی کا حکم واقتدار باقی نہ رہے گا۔ اے اللہ اُس وقت اس گنہگار بندہ پر رحم فرمایئے اور اپنے غضب سے پناہ دیجئے۔ (تم سورۃ القصص وللہ الحمد والمنۃ) (تفسیر عثمانی)

پناہ بلندی و پستی توئی
ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

بحمد اللہ

سورۃ القصص ختم ہوئی

Marfat.com

سورۃ العنکبوت

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ بشارت دے رہا ہے کہ اس کو تنہائی مصیبت میں مبتلا نہ کرے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ تِسْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً سَبْعُ رُکُوْعَاتٍ
سورۂ عنکبوت مکہ میں نازل ہوئی اس کی انہتر آیتیں ہیں اور سات رکوع
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا
کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے
اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾
اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور اُن کو جانچ نہ لیں گے

ایمان کا امتحان ضروری ہے

یعنی زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنا کچھ سہل نہیں جو دعویٰ کرے امتحان وابتلاء کے لئے تیار ہو جائے یہی کسوٹی ہے جس پر کھرا کھوٹا کسا جاتا ہے حدیث میں ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہے اُن کے بعد صالحین کا پھر درجہ بدرجہ اُن لوگوں کا جو اُن کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ نیز امتحان آدمی کا اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے جس قدر کوئی شخص دین میں مضبوط اور سخت ہوگا اُسی قدر امتحان میں سختی کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

آزمائش کی صورتیں

وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ فتنہ سے مشتق ہے جس کے معنی آزمائش کے ہیں، اہلِ ایمان خصوصاً انبیاء وصلحاء کو دنیا میں مختلف قسم کی آزمایشوں سے گزرنا ہوتا ہے پھر انجام کار فتح اور کامیابی ان کی ہوتی ہے، یہ آزمائش مخالفین کبھی کفار وفجار کی دشمنی اور ان کی طرف سے ایذاؤں کے ذریعہ ہوتی ہیں، جیسا کہ اکثر انبیاء اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اکثر پیش آیا ہے، جس کے بے شمار واقعات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور کبھی یہ آزمائش امراض اور دوسری قسم کی تکلیفوں کے ذریعہ ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو پیش آیا، اور بعض کے لئے یہ سب قسمیں جمع بھی کردی جاتی ہیں۔

اور امتحان تین طرح سے ہوگا (اوّل) احکامِ خداوندی کی پابندی سے۔ (دوم)۔ مصائب و امراض سے (سوم) کافروں کی ایذاء رسانیوں اور تکلیفوں سے۔ (معارف کاندھلوی)

شانِ نزول

شان نزول اس آیت کا اگرچہ از روئے روایات وہ صحابہ ہیں جو ہجرتِ مدینہ کے وقت کفار کے ہاتھوں ستائے گئے، مگر مراد عام ہے ہر زمانے کے علماء وصلحاء اور اولیاء امت کو مختلف قسم کی آزمائشیں پیش آتی ہیں اور آتی رہیں گی، (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے پھر صالح ونیک لوگوں کا پھر ان سے کم درجے والے پھر ان سے کم درجے والے، انسان کا امتحان اس کے دین کے اندازے پر ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں سخت ہے تو مصیبتیں بھی سخت نازل ہوتی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

عاشقاں رادردِ دل بسیارمی باید کشید!
جو ریار وقصۂ اعیار می باید کشید!

ابن ابی حاتم نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے یہ آیت کچھ مکی لوگوں (یعنی مکی مسلمانوں) کے حق میں نازل ہوئی تھی یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مکہ سے چل پڑے تھے مشرکوں نے ان کو روکا تو وہ لوٹ گئے (مدنی) بھائیوں نے ان کو وہ آیت لکھ کر بھیجی جو ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی جدید آیت پڑھ کر وہ نکل کھڑے ہوئے۔ شہید ہونے والے شہید ہو گئے اور بچنے والے بچ گئے۔ انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا .

بغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت میں الناس سے مراد ہیں مکہ میں رہ جانے والے مسلمان سلمہ بن ہشام عیاش بن ربیعہ ولید بن ولید عمار بن یاسر وغیرہم۔

Marfat.com

ابن سعید ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبید اللہ بن عمیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ آیت ذیل کا نزول حضرت عمار بن یاسر کے متعلق ہوا آپ کو اللہ کی راہ میں سخت دکھ دیئے جاتے تھے اللہ نے فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ الخ بغوی نے ابن جریج کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام حضرت مہجع رضی اللہ عنہ

مقاتل نے کہا حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام حضرت مہجع بن عبداللہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اس امت میں آپ پہلے شخص ہوں گے جن کو جنت کے دروازہ کی طرف بلایا جائے گا۔

میں کہتا ہوں حضرت مہجع ہی جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے کافروں کے مقابلہ کے لئے قطار سے باہر نکل کر آئے تھے عامر بن حضرمی نے آپ کو تیر مار کر شہید کر دیا راہ خدا میں سب سے پہلے شہید آپ ہی ہوئے۔ کذا فی سبیل الرشاد جب آپ کے والدین اور بی بی بے تابی کے ساتھ گریہ وزاری کرنے لگے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں

بغوی نے ذکر کیا ہے کہ شروع میں اللہ نے صرف ایمان کا حکم دیا تھا پھر نماز زکوٰۃ اور دوسرے قوانین فرض کئے بعض لوگوں کو (اس کی تعمیل میں دشواری ہوگئی اور ان پر) یہ حکم شاق ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس شان نزول پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کیا لوگوں کو یہ خیال ہے کہ صرف ایمان لانے (بغیر شرائع کے) ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور دوسرے اوامر و نواہی بھیج کر ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ صرف ایمان لانا اگرچہ دوامی جہنمی ہونے سے روکتا ہے اور جنت میں (کبھی نہ کبھی) داخل ہونے کا مستحق بنا دیتا ہے۔ لیکن حصول درجات تو اداء طاعات اور ترک خواہشات سے وابستہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
اور ہم نے جانچا ہے اُن کو جو اُن سے پہلے تھے

سابقہ انبیاء اور ان کے متبعین کی آزمائشیں

یعنی پہلے نبیوں کے متبعین بڑے بڑے سخت امتحانوں میں ڈالے جا چکے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی کہ حضرت! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیجئے اور دعاء فرمایئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر سختی اور ظلم وستم کی انتہاء کر رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایک (زندہ) آدمی کو زمین کھود کر (کھڑا) گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر اُس کے سر پر آرہ چلا کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے، بعضوں کے بدن میں لوہے کی کنگھیاں پھرا کر چمڑا اور گوشت اُدھیڑ دیا جاتا تھا۔ تاہم یہ سختیاں اُن کو دین سے نہ ہٹا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا
سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ
اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو

یعنی اللہ تعالیٰ علانیہ ظاہر کر دے گا اور دیکھ لے گا کہ دعوے ایمان میں کون سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا، اُسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے گی۔ (تنبیہ) فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الخ سے جو حدوث علم باری کا وہم ہوتا ہے اُس کا نہایت محققانہ جواب مترجم علام قدس سرہ نے دیا ہے۔ ملاحظہ کیا جائے پارہ دوم رکوع اول " اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ " کے تحت میں ہم نے یہاں اُن توجیہات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو مفسرین نے لکھی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے جان لینے کا مطلب

اللہ تعالیٰ کو تو ہر انسان کا صادق یا کاذب ہونا اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی معلوم ہے، امتحانات اور آزمائشوں کے جان لینے کے معنی یہ ہیں کہ اس امتیاز کو دوسروں پر بھی ظاہر فرما دیں گے، اور حضرت سیدی حکیم الاُمت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ سے اس کی توجیہ یہ بھی نقل فرمائی ہے کہ بعض اوقات عوام کے درجہ علم پر تنزل کر کے بھی کلام کیا جاتا ہے، عام انسان مخلص اور منافق میں فرق آزمائش ہی کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں، ان کے مذاق کے مطابق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان مختلف قسم کے امتحانات کے ذریعہ ہم یہ جان کر رہیں گے کہ کون مخلص ہے کون نہیں، حالانکہ اس کے علم میں یہ سب کچھ ازل سے ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اللہ تو ہمیشہ سے جانتا ہے سچوں کو بھی اور جھوٹوں کو بھی اس لئے حصول علم مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے علم ازلی کا سچوں کی سچائی اور

Marfat.com

کاذبوں کے جھوٹ سے بالفعل (بعد العمل) تعلق پیدا کرنا مقصود ہے تاکہ سچے ایمان والے جھوٹے منافقوں سے ممتاز ہو کر الگ ہو جائیں اور ان سے ثواب یا عذاب کا تعلق ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ
کیا یہ سمجھتے ہیں جو لوگ کہ کرتے ہیں بُرائیاں
اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝
کہ ہم سے بچ جائیں بُری بات طے کرتے ہیں

ایذاء دینے والے کافر عذاب میں مبتلا ہونگے

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ پہلی دو آیتیں مسلمانوں کے متعلق تھیں جو کافروں کی ایذاؤں میں گرفتار تھے، اور یہ آیت اُن کافروں سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو ستا رہے تھے۔ (موضح) یعنی مومنین کے امتحانات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور سختیوں سے بچے رہیں گے۔ وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ جو سخت ترین سزا ان کو ملنے والی ہے اس کے سامنے مسلمانوں کے امتحان کی سختی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر اس وقت کی عارضی مہلت سے انہوں نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ ہم ہمیشہ مامون رہیں گے اور سزا دہی کے وقت خدا کے ہاتھ نہ آئیں گے تو حقیقت میں بہت ہی بُری بات طے کی ایسا احمقانہ فیصلہ آنے والی مصیبت کو روک نہیں سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں (باہم ایک وقت سے دوسرے وقت تک) اور جمعہ کی نماز (آئندہ) جمعہ تک اور رمضان (کے روزے آئندہ) رمضان تک درمیانی گناہوں کو اتار دینے والے ہیں بشرطیکہ بندہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم۔ یہ بحث آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفصیل کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ
جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ
لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝
آ رہا ہے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا

اللہ اپنے امیدواروں سے وعدہ پورا کرے گا

یعنی جو شخص اس توقع پر سختیاں اُٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں بات بات پر پکڑ ہو گی۔ ناکامیاب ہوا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں دھل جائیں گی اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہو گا۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ آ رہا ہے، کوئی طاقت اُسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔ اللہ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے کسی کی محنت رائیگاں نہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ
اور جو کوئی محنت اٹھائے سو اُٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے
اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اللہ کو پروا نہیں جہان والوں کی

اللہ بے نیاز ہے، عبادت و محنت کا نفع خود بندے کو ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان۔ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ ہاں بندہ اپنے پروردگار کی طاعت میں جس قدر محنت اُٹھائے گا اس کا پھل دنیا و آخرت میں اسی کو ملے گا، پس مجاہدے کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے رستہ میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ (العیاذ باللہ) اُس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لئے طاعت و ریاضت کی توفیق بخشے ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جہاد تلوار چلانے کا ہی نام نہیں، انسان نیکیوں کی کوشش میں لگا رہے یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔ (ابن کثیرؒ)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
اور جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ہم اتار دیں گے اُن پر سے
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
بُرائیاں اُن کی اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا

Marfat.com

اللہ نیکیوں کا صلہ دیتا ہے

یعنی جہان سے بے پرواا ور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت و شفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ یعنی ایمان کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور بُرائیاں معاف ہوں گی۔ (موضح القرآن) (تفسیر عثمانی)

اس میں شک نہیں کہ تمہاری نیکیاں خدا کو کوئی کام نہیں آتیں لیکن پھر بھی اس کی یہ مہربانی ہے کہ وہ تمہیں نیکیوں پر بدلے دیتا ہے۔ ان کی وجہ سے تمہاری بُرائیاں معاف فرمادیتا ہے، چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے، ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل ہی معاف فرمادیتا ہے یا اسی کے برابر سزا دیتا ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم دیتا ہے۔ ایمانداروں کی مطابقِ سنت نیکیاں قبول فرماتا ہے، ان کے گناہوں سے درگزر کرلیتا ہے اور ان کے اچھے اعمال کا بدلہ عنایت فرماتا ہے۔ (ابن کثیرؒ)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ
اور ہم نے تاکید کردی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے رہنے کی
وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ
اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک کرے میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں

اللہ کا شریک کوئی نہیں ہوسکتا

یعنی تمام کائنات میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو خدا کی شریک ہو سکے۔ پھر اُس کی خبر کسی کو کہاں سے ہوتی۔ جو لوگ شرکاء ٹھہراتے ہیں محض جاہلانہ اوہام اور بے سند خیالات کی پیروی کررہے ہیں۔ واقع کی خبر انہیں کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ کی بھوک ہڑتال

مسلم۔ ترمذی۔ بغوی۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کیا ہے (حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے تھے سابقین اولین میں سے تھے اپنی ماں کے بڑے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے آپ کے باپ کا نام مالک تھا اور قبیلہ بنی زہرہ کے ایک ممتاز (شخص تھے) حضرت سعد سے ان کی ماں حمنہ بنت ابوسفیان بن عبدالشمس نے کہا تو نے یہ کیا نئی بات نکال رکھی ہے جب تک تو اس کا انکار نہیں کرے گا اس وقت تک بخدا میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی یہاں تک کہ یونہی مرجاؤں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری (جائز) نہیں۔ رواہ احمد والحاکم وصححہ عن عمران۔ صحیحین اور سنن ابوداؤد اور نسائی میں حضرت علی کی روایت سے آیا ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری (جائز) نہیں (والدین کی) اطاعت تو اچھے کاموں میں (لازم) ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت سعد کی ماں نے ایک دن رات یا تین دن بغیر کھائے پیئے گزار دیئے سعد ماں کے پاس گئے اور کہا اماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک جان نکل جائے تب بھی میں اپنا مذہب نہیں چھوڑوں گا تیرا دل چاہے کھانا نہ کھا جب ماں ناامید ہوگئی تو اس نے کھانا پینا شروع کردیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ
تو اُن کا کہنا مت مان

والدین کی اطاعت کی حد

دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں۔ پر اللہ کا حق اُن سے زیادہ ہے۔ اُن کی خاطر دین نہ چھوڑے۔ (موضح) حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ نے جو مشرکہ تھی بیٹے کے اسلام کی خبر سُن کر عہد کیا کہ دانہ پانی کچھ نہ چکھوں گی نہ چھت کے نیچے آرام کروں گی، تاوقتیکہ سعد (معاذ اللہ) اسلام سے نہ پھر جائے چنانچہ کھانا پینا ترک کردیا اور بالکل نڈھال ہوگئی۔ لوگ زبردستی منہ چیر کر کھانا پانی دیتے تھے۔ اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ گویا بتلادیا کہ والدین کا اس طرح خلاف حق پر مجبور کرنا یہ بھی ایک ابتلاء و امتحان ہے چاہیئے کہ مومن کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
مجھی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں بتلادوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

یعنی سب کو عدالت میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلادیا جائے گا کہ اولاد اور والدین میں سے کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے

Marfat.com

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝۹

ہم اُن کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں

حق پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر

یعنی جو اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود بھی ایمان اور نیکی کی راہ پر قائم رہے حق تعالیٰ اُن کا حشر اپنے خاص نیک بندوں میں کرے گا ۔ابن کثیرؒ لکھتے ہیں یعنی اولاد نے اگر ناحق بات میں والدین کا کہا نہ مانا اور والدین ناحق پر قائم رہے تو اولاد کا حشر صالحین کے زمرہ میں ہوگا۔ اُن والدین کے زمرہ میں نہ ہوگا گو طبعی و نسبی تعلقات کی بنا پر وہ اس سے سب سے زیادہ قریب تھے معلوم ہوا "المرء مع من احب" میں حُب دینی مراد ہے حُب طبعی مراد نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الصالحین سے مراد ہیں انبیاء اولیاء شہداء یعنی ہم نیکوکار مومنوں کو انبیاء اولیاء وغیرہ کے ساتھ شامل کر دیں گے یا ان کا حشر ان لوگوں کے ساتھ کریں گے یا جنت میں اُن کے ساتھ ان کو داخل کریں گے جنت میں سب ساتھ ہو جائیں گے۔

مؤمن کے درجات کا کمال

صلاح اور نیکی میں کمال مومنوں کے درجات کی انتہا ہے اور انبیاء مرسلین کی تمنا کا بھی یہ ہی آخری نقطہ ہے کیونکہ کمالِ صلاح کا معنی یہ ہے کہ کسی طرح کا بگاڑ اور خرابی نہ ہو نہ عقیدہ نہ عمل میں نہ اخلاق ومشاغل زندگی میں۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ

اور ایک وہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر پھر جب

اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ

اُس کو ایذاء پہنچے اللہ کی راہ میں کرنے لگے لوگوں کے ستانے کو برابر اللہ کے عذاب کی

کمزور دِل مؤمن

یہ اُن لوگوں کا ذکر ہے جو زبان سے اپنے کو مومن کہتے تھے مگر دلوں میں ایمان راسخ نہیں تھا۔ اُن کو جہاں اللہ کے راستہ میں کوئی تکلیف پہنچی یا دین کی وجہ سے لوگوں نے ستایا تو اس آزمائش کو خدائی عذاب سمجھنے لگے جس طرح آدمی عذاب الٰہی سے گھبرا کر جان بچانا چاہتا اور اپنے پہلے دعوؤں سے دستبردار ہونے لگتا ہے اور ناچار اعتراف کرتا ہے کہ میں غلطی پر تھا، یہ ہی حال اُن ضعفاء القلوب کا ہے۔ جہاں دین کے معاملہ میں کوئی سختی پہنچی بس گھبرا کر دعوئے ایمان سے دستبردار ہونا شروع کر دیا اور زبان سے یا عمل سے گویا اقرار کرنے لگے کہ ہم اس دعوئے میں غلطی پر تھے یا ایسا دعویٰ کیا ہی نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یہ منافقوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ فِی اللّٰہِ اللہ کی راہ میں یعنی مسلمان ہونے کی بنیاد پر جو دکھ ان کو کافروں کی طرف سے پہنچتا ہے كَعَذَابِ اللّٰهِ یعنی آخرت کے عذاب کی طرح مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ کافروں کی طرف سے پہنچنے والے دکھ پر صبر نہیں رکھتے اور بے تاب ہو کر کافروں کا کہا مان لیتے ہیں اور اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں جس طرح کہ مسلمان اللہ کے عذاب آخرت کے خوف سے کفر و معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔

شانِ نزول

ابن جریر اور ابن المنذر نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے تھے مگر وہ اپنے ایمان پوشیدہ رکھتے تھے بدر کی لڑائی میں مشرک ان کو اپنے ساتھ (مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے) لے گئے ان میں سے کوئی مارا گیا تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ لوگ تو مسلمان تھے مجبوراً بنا گواری خاطر مشرکوں کے ساتھ آئے جو لوگ مارے گئے ان کے لئے آپ دعاء مغفرت فرما دیجئے اس پر سورت نساء کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ الخ نازل ہوئی مدینہ کے مسلمانوں نے یہ آیت لکھ کر مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو بھیج دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ اب تمہارے لئے عذر کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ یہ خط پڑھ کر مکہ کے مسلمان نکل کھڑے ہوئے مشرکوں نے ان کا تعاقب کیا اور زبردستی واپس لے گئے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ

اور اگر آ پہنچے مدد تیرے رب کی طرف سے تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں

منافقوں کی حالت

یعنی اگر مسلمانوں کی کوئی کامیابی اور عروج دیکھیں تو باتیں بنانے لگیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں۔ خصوصاً اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور فرض کیجئے یہ لوگ کفار کا ساتھ دیتے ہوئے اُن کے ہاتھ میں قید ہو جائیں، پھر تو نفاق و تملق کی کوئی حد نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝
کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہان والوں کے

یعنی جیسے کچھ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعوے کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝
اور البتہ معلوم کرے گا اللہ اُن لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جو لوگ دغا باز ہیں

مؤمن منافق ایک ہو کر رہے گا

یعنی معلوم تو اُسے پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب تمہارے اعمال وافعال کو دیکھ لے گا کہ کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغا باز منافق ہے (تنبیہ) اس قسم کے مواضع میں لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ کے معنی "لَيُرِيَنَّ اللّٰهُ" کے لینا ابن عباسؓ سے منقول ہے کما فی تفسیر ابن کثیر (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا
اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو تم چلو
سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ
ہماری راہ اور ہم اٹھا لیں تمہارے گناہ

مسلمان کافروں کی اتباع نہ کریں

یعنی مسلمان کو چاہیے ایمان پر مضبوط رہے، نہ کوئی تکلیف وایذاء دہی اُس کو طریق استقامت سے ہٹا سکے اور نہ کفار کی احمقانہ استمالت سے متاثر ہو، مثلاً کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آ ملو اور ہماری راہ پر چلو، تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے مفت میں کیوں مصیبتیں جھیل رہے ہو۔ اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اُٹھا لیں گے، اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے کما قال الشاعر۔

ع تو مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر (تفسیر عثمانی)

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ
اور نہیں وہ کچھ اٹھانے والے اُن کے گناہوں سے کچھ بیشک وہ
لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ
جھوٹے ہیں اور البتہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے

کافروں کے جھوٹے دعوے

یعنی جھوٹے ہیں تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔ ہاں اپنا بوجھ بھاری کر رہے ہیں۔ ایک تو اُن کے ذاتی گناہوں کا بار تھا، اب دوسروں کے اغواء واضلال کے بارے اُس میں مزید اضافہ کر دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کوئی چاہے کہ رفاقت کر کے کسی کے گناہ اپنے اُوپر لے لے یہ نہیں ہوگا۔ مگر جس کو گمراہ کیا اور اُس کے بہکائے سے اُس نے گناہ کیا، وہ گناہ اس پر بھی اور اُس پر بھی۔ (موضح) جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں جو کوئی کسی کو (ناحق) قتل کرے اس کے گناہ کا حصہ آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کو پہنچتا ہے جس نے اول یہ بُری راہ نکالی۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی اور بدی کا داعی

ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو جتنے لوگ اس کی دعوت کی وجہ سے ہدایت پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اس داعی کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جو شخص کسی گمراہی اور گناہ کی طرف دعوت دے تو جتنے لوگ اس کے کہنے سے اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے ان سب کا گناہ اور وبال اس شخص پر بھی پڑے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے وبال اور عذاب میں کوئی کمی ہو (مسلم عن ابی ہریرۃ وابن ماجہ عن انس، قرطبی)۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ع
اور البتہ اُن سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن جو باتیں کہ جھوٹ بناتے تھے

اہل حق ہمیشہ آزمائے جاتے رہے ہیں

یعنی جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں کہ ہم تمہارا بوجھ اُٹھا لیں گے یہ خود مستقل گناہ ہے جس پر ماخوذ ہوں گے۔ آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا گیا ہے کہ سچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغواء اور

Marfat.com

شرارت کرتے رہے ہیں اور بچوں کو مدتوں تک امتحان وابتلاء کے دور میں سے گزرنا پڑا ہے۔ مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا، منکر اور شریر لوگ خائب وخاسر رہے سچے کامیاب وسربلند ہوئے۔ اشقیاء کے تمام مکائد تار عنکبوت سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ
اور ہم نے بھیجا نوح کو اُن کی قوم کے پاس پھر رہا اُن میں
اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ
ہزار برس بچاس برس کم

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ساڑھے نوسو برس دعوت وتبلیغ اور سعی واصلاح میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا، طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

وہب کا بیان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو برس ہوئی۔ آخر موت کے فرشتے نے آپ سے پوچھا اے دراز ترین عمر والے پیغمبر آپ نے دنیا کو کیسا پایا فرمایا ایسا جیسے کسی نے ایک مکان بنایا ہو جس کے دو دروازے رکھے ہوں میں ایک دروازہ سے داخل ہوا دوسرے دروازہ سے باہر نکل گیا۔

آیت میں نوسو پچاس برس کا لفظ نہیں فرمایا کیونکہ ہزار کے لفظ میں ایک طرح کی شان اور عظمت ہے دکھانا یہ ہے کہ ایک عظیم الشان طویل مدت تک حضرت نوحؑ قوم کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرتے رہے اور اتنی طویل مدت تک قوم کی پُرفریب تدبیروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ پھر لفظ اَلف میں اختصار کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾
پھر پکڑا اُن کو طوفان نے اور وہ گنہگار تھے

طوفان نوح

یعنی جب گناہوں اور شرارتوں سے باز نہ آئے تو طوفان نے سب کو گھیر لیا۔ بجز چند نفوس کے سب ہلاک ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ
پھر بچا دیا ہم نے اُس کو اور جہاز والوں کو

نجات یافتہ لوگ

یعنی جو آدمی یا جو جانور جہاز پر سوار تھے اُن کو نوح علیہ السلام کی معیت میں ہم نے محفوظ رکھا۔ سورۂ ہود میں یہ قصہ مفصل گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾
اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہان والوں کے واسطے

کشتی نوح علیہ السلام عبرت کا نشان

کہتے ہیں حضرت نوحؑ کا جہاز مدت دراز تک جودی پر لگا رہا تاکہ دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور اب جو جہاز اور کشتیاں موجود ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے جسے دیکھ کر سفینۂ نوح علیہ السلام کی یاد تازہ ہوتی اور قدرتِ الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے "یا" شاید یہ مراد ہو کہ کشتی کے اس قصہ کو ہم نے ہمیشہ کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جس وقت یہ سورۃ اتری ہے حضرت کے بہت سے اصحاب کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آ کر جہاز پر سوار ہو کر ملک حبشہ کی طرف گئے تھے جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر آئے تب وہ جہاز والے صحابہ بھی سلامتی سے آ ملے۔ (موضح بتغییر یسیر) گویا نوح علیہ السلام وسفینۂ نوح علیہ السلام کی تاریخ اس رنگ میں دہرائی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ
اور ابراہیم کو جب کہا اُس نے اپنی قوم کو بندگی کرو اللہ کی اور ڈرتے رہو اُس سے
ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ
یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو تم تو پوجتے ہو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ
اللہ کے سوائے یعنی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت

یعنی جھوٹے عقیدے تراشتے ہو اور جھوٹے خیالات واوہام کی پیروی کرتے ہو، چنانچہ اپنے ہاتھوں سے یہ بُت بنا کر کھڑے کر لئے ہیں جنہیں جھوٹ موٹ خدا کہنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم اہلِ علم میں سے ہو تو ایسا کرو یعنی اگر تم خیر و شر کو جانتے ہو اور حق کا باطل سے امتیاز کرتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم علمی نظر رکھتے ہو اور تعصب وضد سے تمہاری نظر پاک ہے یا یہ

Marfat.com

مطلب ہے کہ اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جو اہلِ علم وتمیز ہیں تو تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ اللہ کی عبادت اور اس کے عذاب کا خوف اس مذہب سے بہتر ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ (مظہری)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ
بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے وہ مالک نہیں
لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ
تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو
وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾
اور اُس کا حق مانو اُسی کی طرف پھر جاؤ گے

معیشت کی اہمیت

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''اکثر خلق روزی کے پیچھے ایمان دیتی ہے۔ سو جان رکھو کہ اللہ کے سوا روزی کوئی نہیں دیتا وہ ہی دیتا ہے اپنی خوشی کے موافق لہذا اُس کے شکر گزار بنو اور اسی کی بندگی کرو۔ وہیں تم کو لوٹ کر جانا ہے، آخر اُس وقت کیا منہ دکھاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ
اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقے تم سے پہلے
وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۸﴾
اور رسول کا ذمہ تو بس یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر

قوم کے جھٹلانے سے پیغمبر کا کوئی نقصان نہیں

یعنی جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑتا میں صاف صاف تبلیغ ونصیحت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا، بھلا بُرا سمجھا چکا، نہ مانو گے نقصان اُٹھاؤ گے جیسے عاد وثمود وغیرہ تم سے پہلے اُٹھا چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ
کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ
الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ؕ
پیدائش کو پھر اُس کو دہرائے گا

اپنی پیدائش پر دوبارہ زندگی کو قیاس کرلو

یعنی خود اپنی ذات میں غور کرو، پہلے تم کچھ نہ تھے، اللہ نے تم کو پیدا کیا اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دیگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ شروع تو دیکھتے ہو، دوہرانا اسی سے سمجھ لو۔ (تفسیر عثمانی)

کَیْفَ یُبْدِئُ یعنی کیا انہوں نے اپنی ابتدائی تخلیق کی کیفیت کو نہیں دیکھا۔ (ضرور دیکھا ہے لیکن) عبرت حاصل نہیں کی۔ اللہ نے ان کو نطفہ سے پھر بستہ خون سے پھر گوشت کی بوٹی سے بنایا پھر بچہ بنا کر باہر لے آتا ہے پھر وقتِ موت تک اس کے حالات نو بنو بدلتے رہتے ہیں یہاں تک موت آجاتی ہے۔

ثُمَّ یُعِیْدُهٗ اعادہ سے مراد ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرنا۔ یہ بھی اعادہ کا مطلب ہوسکتا ہے کہ سبزہ اور پھل وغیرہ اللہ دوبارہ ویسے ہی پیدا کر دیتا ہے جیسے گذشتہ سال پیدا کئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۱۹﴾
یہ اللہ پر آسان ہے

اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں

یعنی اللہ کے نزدیک تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں۔ البتہ تمہارے سمجھنے کی بات ہے کہ جس نے بدوں نمونہ کے اول ایک چیز کو بنایا، نمونہ قائم ہونے کے بعد بنانا تو اور زیادہ آسان ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ
تو کہہ ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر
بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ
شروع کیا ہے پیدائش کو پھر اللہ اُٹھائے گا پچھلا اُٹھان

دوسری مخلوقات میں غور کرو

یعنی اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو اور چل پھر کر دیکھو کہ کیسی کیسی مخلوق خدا نے پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کرلو۔ اُس کی قدرت اب کچھ محدود تو نہیں ہوگئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾ ۚ
بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے
یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ

Marfat.com

دُکھ دے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا جس پر چاہے

یعنی دوبارہ پیدا کر کے جسے اپنی حکمت کے موافق چاہے گا سزا دے گا اور جس پر چاہے گا اپنے فضل وکرم سے مہربانی فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب ورحم کی صورتیں

یعنی آخرت میں دوزخ کا عذاب دے کر اور دنیا میں بے مدد چھوڑ کر یا دنیا کا حریص بنا کر یا بداخلاق بنا کر۔ یا اللہ کی طرف سے روگرداں بنا کر یا بدعات کا مرتکب بنا کر۔ یہ سب صورتیں عذاب کی ہیں۔ اسی کے مقابل اللہ جس پر رحم کرنا چاہے رحم کرے آخرت میں جنت میں داخل فرما کر اور دنیا میں مدد دے کر اور قناعت عطا فرما کر اور خوش اخلاق بنا کر اور اللہ کی طرف متوجہ بنا کر اور اتباعِ سنت کی توفیق دے کر۔ (تفسیر مظہری)

ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ
اور اُسی کی طرف پھر جاؤ گے اور تم عاجز کرنے والے نہیں
فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ
زمیں میں اور نہ آسمان میں اور کوئی نہیں تمہارا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ ع
اللہ سے ورے حمایتی اور نہ مددگار

اللہ سے کوئی بھاگ نہیں سکتا

یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے وہ نہ زمین کے سُوراخوں میں گھُس کر سزا سے بچ سکتا ہے نہ آسمان میں اُڑ کر، کوئی بلندی یا پستی خدا کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتی نہ کوئی طاقت اُس کی حمایت اور مدد کو پہنچ سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ زمین میں اور نہ آسمان میں یعنی تم بھاگ کر زمین میں چھپ جاؤ یا زمین کے غاروں میں گھس جاؤ تب بھی اللہ کے حکم سے نکل نہیں سکتے اسی طرح اگر (بالفرض) آسمان میں اور فلک بوس قلعوں میں پناہ گیر ہو جاؤ تب بھی قضاء خداوندی سے باہر نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَلَا فِي السَّمَآءِ کا مطلب ہو وَلَا مَنْ فِي السَّمَآءِ یعنی اللہ کے ان ملائکہ کو بھی عاجز نہیں بنا سکتے جو آسمان میں ہیں جیسے حضرت حسان کا شعر ہے۔

فَمَنْ يَهْجُوْ رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْكُمْ وَيَمْدَحُهٗ وَيَنْصُرُهٗ سَوَآءٌ

تم میں سے جو لوگ رسول اللہ کی ہجو کریں اور وہ لوگ جو رسول اللہ کی مدح اور مدد کریں دونوں فریق رسول اللہ کے لئے برابر ہیں (یعنی آپ کو نہ کوئی ضرر پہنچا سکتا ہے نہ نفع کسی کی ہجا سے آپ کا کوئی نقصان نہیں اور کسی کی تعریف سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں، (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ
اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملنے سے وہ
يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ
نا اُمید ہوئے میری رحمت سے

مایوسِ رحمت

یعنی جنہوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کر دیا اور اُس سے ملنے کی اُمید نہیں رکھی (کیونکہ وہ بعث بعد الموت کے قائل ہی نہ ہوئے) انہیں رحمت الٰہی کی اُمید کیونکر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وہ آخرت میں بھی محروم و مایوس ہی رہیں گے۔ یہ گویا مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ کا عکس ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ
اور اُن کے لئے درد ناک عذاب ہے پھر کچھ جواب نہ تھا
قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ
اُس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے اُس کو مار ڈالو یا جلا دو

قوم ابراہیم علیہ السلام کی دہشت گردی

یعنی ابراہیم علیہ السلام کی تمام معقول باتیں اور دلائل و براہین سُن کر جب اُن کے ہم قوم جواب سے عاجز ہوئے تو قوت کے استعمال پر اُتر آئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ یا تو قتل کر کے ایک دم ان کا قصہ ہی تمام کر دو اور یا آگ میں جلاؤ شاید تکلیف محسوس کر کے اپنی باتوں سے باز آ جائے تو نکال لیں گے ورنہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ
پھر اُس کو بچا دیا اللہ نے آگ سے

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ

یعنی انہوں نے مشورہ کر کے آگ میں ڈال دیا، مگر حق تعالیٰ نے

Marfat.com

آگ کو گلزار بنادیا۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء میں مفصلاً گزر چکا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾
اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو یقین لاتے ہیں

اہل حق کی کامیابی کی مثال

یعنی اس واقعہ سے سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے بندوں کو کس طرح بچالیتا ہے اور مخالفین حق کو کس طرح خائب وخاسر کرتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تاثیر اُس کے حکم سے ہے۔ جب حکم نہ ہو تو آگ جیسی چیز جلا نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ
اور ابراہیم بولا

یعنی آگ سے نکل کر پھر نصیحت شروع کردی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ
جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوائے بتوں کے تھان
مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ
سو دوستی کرکر آپس میں دنیا کی زندگانی میں

آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر

یعنی بُت پرستی کو کون عقلمند جائز رکھ سکتا ہے، بُت پرست بھی دل میں جانتے ہیں کہ یہ نہایت مہمل حرکت ہے۔ مگر شیرازۂ قومی کو جمع رکھنے کے لئے ایک مذہب ٹھہرالیا ہے کہ اُس کے نام پر تمام قوم متحد ومتفق رہے اور ایک دوسرے کے دوست بنے رہیں، جیسا کہ آج کل ہم یورپ کی عیسائی قوموں کا حال دیکھتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ بُت پرستی کا شیوع ورواج اس بناء پر نہیں ہوا کہ وہ کوئی معقول چیز ہے بلکہ اندھی تقلید، قومی مروت ولحاظ اور تعلقات باہمی کا دباؤ اس کا بڑا سبب ہے یا یہ غرض ہو کہ بُت پرستی کی اصل جڑ آپس کی محبت اور دوستی تھی۔ ایک قوم میں کچھ نیک آدمی جنہیں لوگ محبوب رکھتے تھے انتقال کر گئے۔ لوگوں نے جوشِ محبت میں اُن کی تصویریں بنا کر بطور یادگار رکھ لیں پھر تصویروں کی تعظیم کرنے لگے۔ وہی تعظیم بڑھتے بڑھتے عبادت بن گئی۔ یہ سب احتمالات آیت میں مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ اور ممکن ہے "مَوَدَّةَ بَیْنِكُمْ" سے بُت پرستوں کی اپنے بتوں سے جو محبت ہے وہ مراد ہو جیسا کہ دوسری جگہ "اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ" فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ
پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے
بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫
ایک اور لعنت کرو گے ایک کو ایک

مشرکانہ دوستیاں کوئی کام نہ دیں گی

یعنی یہ سب دوستیاں اور محبتیں چند روزہ ہیں۔ قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بنو گے اور بعض بعض کو لعنت کرو گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی وہ شیطان جن کے نام کے تھان ہیں اللہ کے روبرو منکر ہوں گے کہ ہم نے نہیں کہا کہ ہم کو پوجو۔ تب یہ پوجنے والے اُن کو لعنت کریں گے کہ ہماری نذر ونیاز لے کر وقت پر پھر گئے۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۵﴾
اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار

جو دوزخ کی آگ سے تم کو بچالے جیسے میرے پروردگار نے تمہاری آگ سے مجھ کو بچالیا۔ (تفسیر عثمانی)

امت محمدیہ میں انقلابات

حدیث میں ہے کہ ہجرت کے بعد کی ہجرت حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت گاہ کی طرف ہوگی۔ اُس وقت زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں زمین تھوک دے گی اور خدا تعالیٰ ان سے نفرت کرے گا انہیں آگ سوروں اور بندروں کے ساتھ ہنگاتی پھرے گی۔ راتوں کو دنوں کو انہیں کے ساتھ رہے گی اور ان کی جھڑن کھاتی رہے گی۔ اور روایت میں ہے جو ان میں سے پیچھے رہے گا اُسے یہ آگ کھا جائے گی۔ اور مشرق کی طرف سے کچھ لوگ میری امت میں ایسے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن اُن کے گلے سے نیچے نہیں اُترے گا ان کے ایک جتھے کے خاتمے کے بعد دوسرا گروہ کھڑا ہوگا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سے بھی زیادہ بار اسے دہرایا۔ یہاں تک کہ انہی کے آخری گروہ میں دجال نکلے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ ایک زمانہ تو ہم پر وہ تھا کہ ہم ایک مسلمان بھائی کے لئے درہم ودینار کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے اپنی دولت اپنے بھائی کی ہی سمجھتے تھے، پھر

Marfat.com

وہ زمانہ آیا کہ دولت ہمیں اپنے مسلم بھائی سے زیادہ عزیز معلوم ہونے لگی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر تم بیلوں کی دُموں کے پیچھے لگ جاؤ گے اور تجارت میں مشغول ہو جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کی راہ کا جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذِلت کے پٹے ڈال دے گا جو اُس وقت تک تم سے الگ نہ ہوں گے جب تک کہ تم پھر سے وہیں نہ آ جاؤ جہاں تھے اور تم توبہ نہ کرلو، پھر وہی حدیث بیان کی جو اُوپر گزری اور فرمایا کہ میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے اور بدعملیاں کریں گے قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اُترے گا۔ ان کے علم کو دیکھ کر تم اپنے علموں کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے پس جب یہ لوگ ظاہر ہوں تم انہیں قتل کر دینا، پھر نکلیں پھر مار ڈالنا پھر ظاہر ہوں پھر قتل کر دینا۔ وہ بھی خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو ان کے ہاتھوں قتل کیا جائے جب ان کے گروہ نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں برباد کر دے گا پھر نکلیں گے پھر برباد ہو جائیں گے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بیس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار یہی فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ
پھر مان لیا اُس کو لُوط نے اور وہ بولا میں تو وطن چھوڑتا ہوں
اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾
اپنے رب کی طرف بیشک وہ ہی ہے زبردست حکمت والا

حضرت لوط علیہ السلام کا ایمان لانا اور ہجرت

حضرت لُوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ابراہیمؑ کو اُن کی قوم کے کسی مرد نے نہ مانا۔ البتہ لُوطؑ نے فوراً بلا توقف تصدیق کی۔ دونوں کا وطن ''عراق'' میں شہر بابل تھا۔ خدا کے توکل پر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اللہ نے ملک شام میں پہنچا کر بسایا۔ (تنبیہ) وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ الخ میں دونوں احتمال ہیں۔ قائل ابراہیم ہوں یا لوط علیہما السلام۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰی رَبِّیْ یعنی اللہ نے مجھے جہاں چلے جانے کا حکم دیا ہے وہاں چلا جاؤں گا یا جہاں میرے لئے اپنے رب کی عبادت کی سہولت ہو گی وہاں چلا جاؤں گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں اپنی قوم سے منہ پھیر لوں گا ان سے کوئی (دینی) تعلق نہیں رکھوں گا اور اپنا رخ اپنے رب کی طرف کر لوں گا (سب سے کٹ کر اللہ سے جڑ جاؤں گا باہمہ بے ہمہ) صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو وطن میں سفر کہتے ہیں۔ اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کوثی علاقہ کوفہ سے حران کی طرف ہجرت کی پھر حران سے شام کو چلے گئے حضرت لوط اور آپ کی بیوی حضرت سارہ دونوں آپ کے ساتھ تھے حضرت ابراہیم ہی سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں اور حضرت لوط نے سدوم میں قیام اختیار کیا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر پچھتر سال تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم و لوط علیہم السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سب سے پہلے ہجرت کی جیسے حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے سب سے اول ہجرت کی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ اور رقیہ رضی اللہ عنہا سے پہلے لوط کے بعد اور کوئی مہاجر نہیں ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ
اور دیا ہم نے اُس کو اسحٰق اور یعقوب

اولادِ ابراہیم

یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا دیا جن کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ
اور رکھ دی اُس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بجز اُن کی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی اور پیغمبری نہ دی جائے گی۔ چنانچہ جس قدر انبیاء اُن کے بعد تشریف لائے اُن ہی کی ذریت سے تھے۔ اسی لئے ان کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے۔

وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ
اور دیا ہم نے اُس کو اُس کا ثواب دنیا میں اور وہ آخرت میں
لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

Marfat.com

البتہ نیکوں سے ہے

یعنی دنیا میں حق تعالیٰ نے مال، اولاد، عزت اور ہمیشہ کا نام نیک دیا، اور مُلکِ شام ہمیشہ کے لئے اُن کی اولاد کو بخشا۔ (کذا فی الموضح) اور آخرت میں اعلیٰ درجہ کے صالحین کی جماعت میں (جو انبیائے اولوالعزم کی جماعت ہے) شامل رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا میں سب سے پہلی ہجرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو دین کے لئے ترکِ وطن اور ہجرت اختیار کرنا پڑی، ان کی یہ ہجرت پچھتر سال کی عمر میں ہوئی (یہ سب بیان قرطبی سے لیا گیا ہے)۔

بعض اعمال کی جزاء دنیا میں بھی مل جاتی ہے

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اللہ کی راہ میں قربانیوں اور دوسرے اعمالِ صالحہ کی جزاء دنیا میں بھی دے دی کہ ان کو تمام مخلوق میں مقبول و امام بنا دیا، یہودی، نصرانی، بت پرست سبھی ان کی عزت کرتے ہیں، اور اپنا مقتداء مانتے ہیں اور آخرت میں وہ صالحین اہلِ جنت میں سے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی اصل جزاء تو آخرت میں ملے گی مگر اس کا کچھ حصہ دنیا میں بھی نقد دیا جاتا ہے، جیسا کہ احادیث معتبرہ میں بہت سے اچھے اعمال کے دنیوی فوائد اور بُرے اعمال کے دنیوی مفاسد کا بیان آیا ہے، ایسے اعمال کو سیدی حضرت حکیم الامتؒ نے ایک مستقل رسالہ جزاء الاعمال میں جمع فرما دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت حبشہ

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام شہر خدا تعالیٰ کے شہر ہیں اور کُل بندے اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جہاں تو بھلائی پا سکتا ہو وہیں قیام کر۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جب کہ مکہ شریف کی رہائش مشکل ہو پڑی تو وہ ہجرت کر کے حبشے چلے گئے تا کہ امن و امان کے ساتھ خدا کے دین پر قیام کر سکیں۔ وہاں کے سمجھدار دیندار بادشاہ اصحمہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی پوری تائید و نصرت کی اور وہاں وہ بہت عزت اور خوشی سے رہے سہے۔ پھر اس کے بعد باجازتِ خداوندی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ

اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو تم آتے ہو بیحیائی کے کام پر

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے جہان میں

حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغ

یعنی یہ فعل شنیع تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ فطرت انسانی اس سے نفور ہے۔ ایسے خلاف فطرت و شریعت کام کی بنیاد تم نے ڈالی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ

کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر اور راہ مارتے ہو

قوم لوط کی بدکاریاں

راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زنی ہو، یہ بھی اُن میں رائج ہو گی، یا اُسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اُس طرف ہو کر نہ نکلیں یَاتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر توالد و تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ

اور کرتے ہو اپنی مجلس میں بُرا کام

شاید یہ ہی بدکاری علانیہ لوگوں کے سامنے کرتے ہوں گے، اس بات کی شرم بھی نہ رہی تھی یا کچھ اور ٹھٹھے اور چھیڑ اور بے شرمی کی باتیں کرتے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بروایت ابو صالح حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا وہ بری بات کون سی تھی جو قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں کرتے تھے فرمایا وہ لوگ (اپنی مجلسوں میں سر راہ بیٹھ کر) آنے جانے والوں کے غلے مارتے اور ان کا مذاق بناتے تھے۔ (رواہ احمد والترمذی)

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوتے ہر شخص کے پاس ایک پیالہ میں کچھ پتھریاں ہوتی تھیں کوئی مسافر ادھر سے گزرتا تو وہ آپس میں کہتے تھے (اپنے شکار کو) لو چنانچہ ہر شخص مسافر کو نشانہ بنا کر کنکری مارتا تھا جس کی کنکری مسافر کو

Marfat.com

لگ جاتی وہی مسافر کا مستحق قرار پاتا تھا اول اس کا سب سامان چھین لیتا پھر اس کے ساتھ بدفعلی کرتا تھا۔ اور تین درہم اس کو دے کر چلتا کر دیتا تھا ان کا سرپنچ تین درہم دینے کا فیصلہ کرتا تھا۔

قاسم بن محمد نے کہا وہ جلسوں میں بیٹھ کر آواز کے ساتھ ریاح خارج کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا ایک دوسرے پر تھوکتا تھا۔ مکحول نے کہا قوم لوط کی بری حرکتوں میں سے یہ باتیں تھیں کہ وہ علک چباتے مہندی سے انگلیاں رنگتے لنگیاں کھول دیتے سیٹیاں بجاتے کنکریاں مارتے اور بدفعلیاں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا
پھر کچھ جواب نہ تھا اُس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے لے آ
بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾
ہم پر عذاب اللہ کا اگر تو ہے سچا

قوم والوں کا حضرت لوط علیہ السلام کو جواب

یعنی اگر تم سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو دیر کیا ہے وہ عذاب لے آیئے۔ دوسری جگہ فرمایا "وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ" (اعراف۔ رکوع) یعنی اُن کی قوم کا جواب یہی تھا کہ لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاک بننا چاہتے ہیں۔ شاید قوم میں سے بعض نے یہ بعض نے وہ جواب دیا ہوگا، یا ایک وقت میں ایک بات اور دوسرے میں دوسری کہی ہوگی۔ مثلاً اول عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اُڑایا، پھر آخری فیصلہ یہ کیا ہوگا، کہ انہیں بستی سے نکال دیا جائے بہرحال ثابت ہو گیا کہ وہ قوم نہ صرف اس فعل شنیع کی مرتکب اور بانی تھی، بلکہ اُس کے جاری رکھنے پر اس قدر اصرار تھا کہ نصیحت کرنے والے پیغمبر کو اپنی بستی سے نکالنے پر تیار ہو گئے اُن کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی تھیں کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ دلوں میں باقی نہ رہا تھا، عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اُڑاتے تھے اور پیغمبر کے مقابلہ پر آمادہ تھے۔ جُرم کی یہ ہی نوعیت اُن کے ہلاک کرنے کے لئے کافی تھی۔ اور اگر اس کے ساتھ توحید کے بھی قائل نہ تھے تو کڑوا کریلا نیم چڑھا سمجھئے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی دعوت حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے مشتہر ہو کر پہنچ چکی ہوگی۔ اس لئے لوط علیہ السلام خاص اسی فعل شنیع سے روکنے پر مامور ہوئے۔ اور ممکن ہے انہوں نے توحید وغیرہ کی دعوت بھی دی ہو۔ مگر اُن کو یہاں نقل نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾
بولا اے رب میری مدد کر ان شریر لوگوں پر

حضرت لوط علیہ السلام کی دُعاء

یہ اُن کی طرف سے مایوس ہو کر فرمایا، شاید سمجھ گئے ہوں گے کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی درست ہونے والی نہیں۔ وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں گی جیسے نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا "اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا" (نوح۔ رکوع ۲) کذا قال النیسابوری فی تفسیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُفْسِدِيْنَ یعنی یہ مفسد لوگ ہیں انہوں نے لواطت کی ایجاد کی اور آئندہ لوگوں کے لئے اس کی بنیاد ڈال دی۔ المفسدین کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں ان پر فوری عذاب نازل ہونا ضروری ہے۔ المفسدین کہنے سے نزول عذاب کی درخواست میں قوت پیدا ہو گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا
اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے
اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ
ہم کو غارت کرنا ہے اس بستی والوں کو
اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾
بیشک اُس کے لوگ ہو رہے ہیں گنہگار

ہلاکت کے فرشتے

لوط علیہ السلام کی دعاء پر فرشتوں کو اس بستی کے تباہ کرنے کا حکم ہوا۔ فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اُن کو بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت سنائی اور اطلاع دی کہ ہم اس بستی (سُدوم) کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ کسی طرح اپنی حرکات شنیعہ سے باز نہیں آتے۔ ان واقعات کی تفصیل سورۂ اعراف ہود اور حجر وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ (تنبیہ) شاید ہلاکت کی خبر کے ساتھ بیٹے کی بشارت دینے کا مطلب یہ ہو کہ ایک

Marfat.com

قوم سے اگر خدا کی زمین خالی کی جانے والی ہے تو دوسری طرف حق تعالیٰ ایک عظیم الشان قوم ''بنی اسرائیل'' کی بنیاد ڈالنے والا ہے۔ نبہ علیہ العلامۃ النیسابوری رحمہ اللہ فی تفسیرہ۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ
بولا اُس میں تو لُوط بھی ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعجب

یعنی کیا لوط کی موجودگی میں بستی کو تباہ کیا جائے گا؟ یا انہیں وہاں سے علیٰحدہ کر کے تعذیب کی کارروائی عمل میں لائی جائے گی؟ غالباً حضرت ابراہیمؑ کو از راہِ شفقت خیال آیا کہ اگر لُوط کی آنکھوں کے سامنے یہ آفت نازل ہوئی تو عجب نہیں کہ عذاب کا ہولناک منظر دیکھنے سے وحشت اور گھبراہٹ ہو، فرشتوں نے اپنے کلام میں کوئی استثناء کیا نہ تھا، اُس سے اُن کے ذہن میں یہ ہی شق آئی ہوگی کہ لُوط کی موجودگی میں کارروائی کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ
وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے ہم بچالیں گے اُس کو
وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝
اور اس کے گھر والوں کو مگر اُس کی عورت کہ رہے گی رہ جانے والوں میں

فرشتوں کا جواب

یعنی فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں اور جو اُن میں خدا کے مجرم ہیں۔ تنہا لُوط نہیں، بلکہ اُس کے گھر والوں کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ سب کو عذاب کے موقع سے علیحدہ کر لیں گے صرف اس کی ایک عورت وہاں رہ جائے گی۔ کیونکہ اُس پر بھی عذاب آنا ہے۔

وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ
اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس نا خوش ہوا
بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا
اُن کو دیکھ کر اور تنگ ہوا دل میں

فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس

فرشتے نہایت حسین و جمیل امردوں کی شکل میں وہاں پہنچے۔ حضرت لُوط نے اول پہچانا نہیں۔ بہت تنگدل اور ناخوش ہوئے کہ اب ان مہمانوں کی عزت قوم کے ہاتھ سے کس طرح بچاؤں گا۔ اگر اپنے یہاں نہ ٹھہراؤں تو اخلاق و مروت اور مہمان نوازی کے خلاف ہے۔ ٹھہراتا ہوں تو اس بدکار قوم سے آبرو کس طرح محفوظ رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ
اور وہ بولے مت ڈر اور غم نہ کھا ہم بچائیں گے تجھ کو
وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝
اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری رہ گئی رہ جانے والوں میں
اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا
ہم کو اُتارنی ہے اس بستی والوں پر ایک آفت
مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝
آسمان سے اس بات پر کہ وہ نافرمان ہو رہے تھے

یعنی اپنی قوم کی شرارت سے ڈرے مت۔ یہ کچھ نہیں کر سکتی اور ہمارے بچاؤ کے لئے غمگین نہ ہو ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں، جو تجھ کو اور تیرے ہم مشرب گھر والوں کو بچا کر اس قوم کو غارت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝
اور چھوڑ رکھا ہم نے اُس کا نشان نظر آتا ہوا سمجھدار لوگوں کے واسطے

قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات

یعنی اُن کی اُلٹی ہوئی بستیوں کے نشان مکہ والوں کو ملک شام کے سفر میں دکھائی دیتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیت بینہ سے مراد ہیں قوم لوط کی بستیوں کے ویران کھنڈر۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد وہ پتھر ہیں جو ان پر برسائے گئے تھے اللہ نے وہ پتھر باقی رکھے اس امت کے ابتدائی دور تک وہ پتھر موجود تھے اور اگلے لوگوں نے ان کو دیکھا تھا۔ مجاہد نے کہا زمین کے اندر سے سیاہ پانی برآمد کرنا آیت مبینہ سے مراد ہے۔ بعض نے کہا ان کے قصہ کی شہرت مراد ہے یعنی ہم نے قوم لوط کی تباہی کے قصہ کو ایک نشانی کر کے چھوڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ

Marfat.com

اور بھیجا مدین کے پاس اُن کے بھائی شعیب کو پھر بولا اے قوم
اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ
بندگی کرو اللہ کی اور توقع رکھو پچھلے دن کی

حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ

یعنی آخرت کی طرف سے غافل نہ بنو۔ اکیلے خدائے واحد کی پرستش کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾
اور مت پھرو زمین میں خرابی مچاتے

فساد فی الارض

خرابی مچانے سے شاید مراد ہے لین دین میں دغابازی کرنا، سود بٹہ لگانا، جیسا کہ اُن کی عادت تھی۔ اور ممکن ہے رہزنی بھی کرتے ہوں۔ وقیل غیر ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا
پھر اُس کو جھٹلایا تو پکڑ لیا اُن کو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے
فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا
اپنے گھروں میں اوندھے پڑے اور ہلاک کیا عاد کو اور ثمود کو
وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫
اور تم پر حال کھل چکا ہے اُن کے گھروں سے

یعنی اُن کی بستیوں کے کھنڈر تم دیکھ چکے ہو۔ اُن سے عبرت حاصل کرو۔ (تفسیر عثمانی)

عقل پرستوں کی غلط فہمی

اور جن کی عقل فلسفہ اور سائنس سے خراب ہو چکی ہے اور ان کا دائرہ ادراک محسوسات سے متجاوز نہیں ان کا گمان یہ ہے کہ اس تختہ زمین کے نیچے کوئلہ اور گندھک کی کان تھی باہمی رگڑ سے آتشی مادہ میں اشتعال پیدا ہوا اس لئے وہ بستی ہلاک اور تباہ ہوگئی۔

سبحان اللہ وہ خطہ زمین تو نہایت سرسبز اور شاداب تھا ہر طرف پانی کے چشمے جاری تھے وہاں آتشی مادہ کہاں سے آیا۔ اور کیا آگ اور پانی کا مادہ ایک جگہ جمع ہوسکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ
اور فریفتہ کیا اُن کو شیطان نے اُن کے کاموں پر پھر روک دیا
عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾
اُن کو راہ سے اور تھے ہوشیار

عقل کے باوجود ہلاکت کے خریدار بنے

یعنی دنیا کے کام میں ہشیار تھے اور اپنے نزدیک عقلمند تھے پر شیطان کے بہکائے سے نہ بچ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

فراء نے مستبصرہ ہونے کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ لوگ اہل دانش و ہوش تھے بصیرت مند تھے غور و نظر کر سکتے تھے لیکن انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان پر واضح کر دیا گیا تھا کہ ان پر عذاب ضرور آئے گا۔ پیغمبروں کے اقوال سے ان پر ظاہر ہو چکا تھا کہ (اگر وہ تائب نہ ہوئے تو) عذاب میں مبتلا ہوں گے لیکن وہ اپنے افکار و اطوار پر جمے رہے اور نتیجہ میں تباہ کر دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى
اور ہلاک کیا قارون اور فرعون اور ہامان کو اور اُن کے پاس پہنچا موسیٰ
بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾
کھلی نشانیاں لے کر، پھر بڑائی کرنے لگے ملک میں اور نہیں تھے ہم سے جیت جانے والے

قارون، فرعون اور ہامان

یعنی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی حق کے سامنے نہ جھکے اور کبر و غرور نے اُن کی گردن نیچے نہ ہونے دی۔ پھر نتیجہ کیا ہوا؟ کیا بڑے بن کر سزا سے بچ گئے؟ یا العیاذ باللہ خدا کو تھکا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

قارون نسبی لحاظ سے فرعون و ہامان سے شریف تھا اس لئے قارون کا لفظ فرعون و ہامان سے پہلے ذکر کیا گیا اس سے اشارہ نکلتا ہے اس امر کی طرف کہ اعلیٰ نسب والے سے کفر و معصیت کا صدور بہت ہی بُرا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ
پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر

مختلف مجرموں کی مختلف سزائیں

Marfat.com

یعنی ان میں سے ہر ایک کو اُس کے جرم کے موافق سزا دی گئی۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ
پھر کوئی تھا کہ اُس پر ہم نے بھیجا پتھراؤ ہوا سے

یہ قوم لُوط ہے اور بعض نے ''عاد'' کو بھی اس میں بھی داخل کیا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ
اور کوئی تھا کہ اُس کو پکڑا چنگھاڑنے

یہ ثمود تھے اور اہلِ مدین بھی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ
اور کوئی تھا کہ اُس کو دھنسا دیا ہم نے زمین میں

یعنی قارون کو جیسا کہ سورۂ قصص میں گزرا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ
اور کوئی تھا کہ اُس کو ڈبا دیا ہم نے

یہ فرعون و ہامان ہوئے اور بعض نے قوم نوح کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرے پر تھے وہ
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾
اپنا آپ ہی بُرا کرتے

اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ کوئی ناانصافی یا بے موقع کام کرے، اُس کی بارگاہ عیوب و نقائص سے بکلی مُبرا و منزہ ہے۔ ظلم تو وہاں متصور ہی نہیں، ہاں بندے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، یعنی ایسے کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ لامحالہ اُن کے حق میں بُرا ہو۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ
مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی
كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ
جیسے مکڑی کی مثال بنالیا اُس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا
لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾
سو مکڑی کا گھر اگر اُن کو سمجھ ہوتی

مشرکوں کی حیثیت

یعنی گھر اس واسطے ہے کہ جان و مال کا بچاؤ ہو نہ مکڑی کا جالا کہ دامن کے جھٹکے سے ٹوٹ پڑے۔ یہ ہی مثال اس کی ہے جو اللہ کے سوا کسی کو اپنا بچانے والا اور محافظ سمجھے، بدون مشیت الٰہی کچھ بچاؤ نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: مکڑی کو مارنے اور اس کے جالے صاف کر دینے کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات اس کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ یہ جانور بوقت ہجرت غارِ ثور کے دہانے پر جالا تان دینے کی وجہ سے قابل احترام ہو گیا۔ جیسا کہ خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے اس کے قتل کی ممانعت نقل کی ہے، مگر ثعلبی نے اور ابن عطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے "طَهِّرُوْا بُيُوْتَكُمْ مِّنْ نَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ فَاِنَّ تَرْكَهٗ يُوْرِثُ الْفَقْرَ" یعنی مکڑی کے جالوں سے اپنے مکانات کو صاف رکھا کرو، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے، سند ان دونوں روایتوں کی قابلِ اعتماد نہیں، اور دوسری روایت کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے جن میں مکانات اور فناء دار کو صاف رکھنے کا حکم ہے، (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

مکڑی اور مشرک

حکماء کا قول ہے کہ مکڑی کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں اور اس کے اندر ایک زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے اور زہر عنکبوت آدمی کو ہلاک کر ڈالتا ہے اسی طرح مشرکین ہر طرف دوڑتے ہیں اور ان کی نظریں چکا چوند رہتی ہیں اور اندر شرک کا زہریلا مادہ ہوتا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

یعنی جو کافر بتوں پر بھروسہ رکھتے ہیں اور انہوں نے بتوں کو اپنا محل اعتماد قرار دے رکھا ہے ان کی مثال کمزوری اور ضعف کے لحاظ سے ایسی ہے جیسے مکڑی نے اپنا جالا بنا لیا ہو، بلکہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ ان کا محلِ اعتماد کمزور ہے مکڑی کا جالا پھر بھی کوئی حقیقت رکھتا ہے اور اس کا کچھ فائدہ مکڑی کو پہنچتا ہے بت پرستوں کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرستوں کے مذہب کی مثال مکڑی کے جالے کی

Marfat.com

طرح ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جن کافروں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کار ساز سمجھ رکھا ہے اہلِ توحید کے مقابلہ میں ان کی حالت ایسی ہے جیسے اس مکڑی کی جس نے اپنا گھر کسی آدمی کے گھر کے مقابلہ میں بنایا ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر غار میں داخل ہوئے تو مکڑیوں نے جمع ہو کر فوراً دروازہ پر جالا بنا دیا اس لئے تم ان کو قتل نہ کیا کرو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ
اللہ جانتا ہے جس جس کو وہ پکارتے ہیں اُس کے
دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ
سوائے کوئی چیز ہو

یعنی ممکن تھا سننے والا تعجب کرے کہ سب کو ایک ہی ذیل میں کھینچ دیا کسی کو مستثنیٰ نہ کیا بعض لوگ بُت کو پوجتے ہیں بعض آگ پانی کو بعض اولیاء انبیاء یا فرشتوں کو، سو اللہ نے فرما دیا کہ اللہ کو سب معلوم ہیں۔ اگر کوئی ایک بھی ان میں سے مستقل قدرت و اختیار رکھتا تو اللہ سب کی یک قلم نفی نہ کرتا۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾
اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا

یعنی اللہ کو کسی کی رفاقت نہیں چاہیئے وہ زبردست ہے اور مشورہ نہیں چاہیئے کیونکہ حکیم مطلق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حکمت و طاقت کا مالک اللہ ہے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہی غالب اور حکمت والا ہے یہ سابق کلام کی علت ہے۔ ایک غالب حکیم ہستی کے ساتھ ایسی چیز کو عبادت میں شریک کرنا جو بالکل ہیچ اور بے مقدار ہیں انتہائی حماقت ہے اللہ قادر مطلق ہے ہر چیز پر اس کو قدرتِ تامہ حاصل ہے عالمِ کل بھی ہے اس کے مقابلہ میں بے جان جماد کوئی ہستی نہیں رکھتا بالکل معدوم کی طرح ہے ایسا محیط کل علم رکھنے والا قادر مطلق یقیناً منکروں کو سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ
اور یہ مثالیں بٹھلاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے
وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور اُن کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے

قرآنی مثالوں پر مشرکین کے اعتراض کا جواب

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مکڑی اور مکھی وغیرہ حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جو اُس کی عظمت کے منافی ہیں اس کا جواب دیا، کہ مثالیں اپنے موقع کے لحاظ سے نہایت موزوں اور ممثل لہ پر پوری منطبق ہیں۔ مگر سمجھدار ہی اُس کا مطلب ٹھیک سمجھتے ہیں۔ جاہل بے وقوف کیا جانیں۔ مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت پر نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت کو دیکھو، اگر وہ حقیر و کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر و کمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟

امام بغویؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور و فکر کرے، اور اس کی طاعت پر عمل کرے، اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔

مسند احمد میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار امثال سیکھی ہیں، ابن کثیرؒ اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مذکورہ میں عالم انہی کو فرمایا ہے جو اللہ و رسول کی بیان کردہ امثال کو سمجھیں، اور حضرت عمرو بن مرہ نے فرمایا کہ جب میں قرآن کی کسی آیت پر پہنچتا ہوں جو میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے بڑا غم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

بغوی نے عطا اور ابو الزبیر کی روایت بیان کی کہ حضرت جابرؓ نے وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ تلاوت کی اور فرمایا عالم وہ ہے جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ ملی ہو اور سمجھنے کے بعد وہ اللہ کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز رکھے۔ ثعلبی اور واحدی کی روایت بھی اسی طرح ہے ابوداؤد بن حر نے کتاب العقل میں حارث بن اسامہ کے طریق سے بھی اس روایت کو بیان کیا۔ ابن جوزی نے اس کا ذکر موضوعات میں کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ شریف کی جو

Marfat.com

آیت میری تلاوت میں آئے اور اس کی تفصیلی معنی مطلب میری سمجھ میں نہ آئے تو میرا دل دُکھتا ہے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میں ڈرنے لگتا ہوں کہ کہیں خدا تعالیٰ کے نزدیک میری گنتی جاہلوں میں تو نہیں ہوگئی کیونکہ فرمانِ خدا تعالیٰ یہی ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن سوائے عالموں کے انہیں دوسرے سمجھ نہیں سکتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ
اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں

یعنی نہایت حکمت سے بنایا، بیکار پیدا نہیں کیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾
اس میں نشانی ہے یقین لانے والوں کے لئے

یعنی جب آسمان و زمین اُس اکیلے نے بنا دیئے تو چھوٹے چھوٹے کاموں میں اسے کسی شریک یا مددگار کی کیا احتیاج ہوگی۔ ہوتی تو اُن بڑے کاموں میں ہوتی۔

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ
تو پڑھ جو اُتری تیری طرف کتاب

تلاوتِ قرآن کے نتائج

یعنی قرآن کی تلاوت کرتے رہیئے تا دِل مضبوط اور قوی رہے۔ تلاوت کا اجر و ثواب الگ حاصل ہو۔ اس کے معارف و حقائق کا انکشاف بیش از بیش ترقی کرے۔ دوسرے لوگ بھی سن کر اس کے مواعظ اور علوم و برکات سے منتفع ہوں، جو نہ مانیں اُن پر خدا کی حجت تمام ہو، اور دعوت و اصلاح کا فرض بحسن و خوبی انجام پاتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی
اور قائم رکھ نماز بیشک نماز روکتی ہے
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ
بے حیائی اور بُری بات سے

نماز برائیوں سے روکتی ہے

نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے ایک بطریق تسبب یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر یہ رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہیئے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اُس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مُدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ اُس وقت اُن کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اُس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اُس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت تک اُس پر مواظبت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پُرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دُور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا بُرائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی، فرمانبرداری، خضوع و تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے، مسجد سے باہر آ کر بھی بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اُس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔ گویا نماز کی ہر ایک ادا مصلی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بیحیائی اور شرارت و سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اُسے روکتی اور منع کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ " اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ " (نحل ۔رکوع ۱۳) پس جو بد بخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر بُرائی سے نہیں رُکتے نماز کے روکنے پر بھی اُن کا نہ رُکنا محل تعجب نہیں ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اُسی درجہ تک ہوگا۔ جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اُٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اُس میں خدا کی یاد ہے نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرأت قرآن یا دعاء و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اُس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اُسی قدر اُس کی

Marfat.com

نماز برائیوں کو چھڑانے میں مؤثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا ''لایذکر اللّٰہ فیھا الا قلیلا'' اسی نماز کی نسبت ''لم یزددبھا من اللّٰہ الا بعدا'' کی وعید آئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

امام رازی رحمہ اللہ کی تحقیق

امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ میں صلاۃ سے مطلق نماز مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ جو شرعاً صحیح ہو اور عند اللہ قابلِ قبول ہو اور نماز کے لئے شرط ہے کہ کپڑے پاک صاف ہوں۔ کما قال تعالیٰ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ اسی طرح ضروری ہے کہ نمازی کا باطنی لباس یعنی لباس تقوی بھی طاہر و مطہر اور نظیف ہو اور اس پر فحشاء و منکر کی نجاست اور گندگی لگی ہوئی نہ ہو اور جب اللہ اکبر نماز کے لئے کھڑا ہو تو دل سے یہ سمجھتا ہو کہ میں دربار خداوندی میں احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہوں۔ معاذ اللہ میں بھنگی نہیں ہوں کہ جو بیت الخلاء کی نجاستوں کو اپنی بالٹی میں جمع کرتا ہے پس جو شخص نماز کی حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لے گا تو وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد فحشاء اور منکر کی جانب جانے سے ایسی ہی نفرت کرے گا جیسا کہ ایک عاقل شہنشاہ کے دربار سے نکلنے کے بعد بیت الخلاء اور کوڑی کے دیکھنے سے بھی نفرت کرتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ناقص نمازیں

اقامتِ صلوٰۃ کرنے والے کو منجانب اللہ خود بخود توفیق اعمالِ صالحہ کی بھی ہوتی ہے، اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کی بھی، اور جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود گناہوں سے نہ بچا تو سمجھ لے کہ اس کی نماز ہی میں قصور ہے جیسا کہ حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کیا مطلب ہے، آپ نے فرمایا مَنْ لَّمْ تَنْھَہٗ صَلٰوتُہٗ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ (رواہ ابن ابی حاتم بسندہ عن عمران بن حُصَین والطبرانی من حدیث ابی معاویۃ) یعنی جس شخص کو اس کی نماز نے فحشاء اور منکر سے نہ روکا اس کی نماز کچھ نہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یُطِعِ الصَّلٰوۃَ (رواہ ابن جریر بسندہ) یعنی اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے اپنی نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہی ہے کہ فحشاء اور منکر سے باز آ جائے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ جس شخص کی نماز نے اس کو اعمالِ صالحہ پر عمل اور منکرات سے پرہیز پر آمادہ نہیں کیا تو ایسی نماز اس کو اللہ سے اور زیادہ دور کر دیتی ہے۔

ابن کثیرؒ نے ان تینوں روایتوں کو نقل کر کے ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ احادیث مرفوعہ نہیں، بلکہ عمران بن حُصین اور عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں جو ان حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمائے ہیں،

عنقریب نماز برائی سے روک دے گی

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تہجد پڑھتا ہے اور جب صبح ہو جاتی ہے تو چوری کرتا ہے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب نماز اس کو چوری سے روک دے گی، (ابن کثیر)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد وہ اپنے گناہ سے تائب ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

الْفَحْشَآءِ وہ بری بات جس کی برائی شرعاً اور عقلاً کھلی ہوئی ہو۔ نماز اللہ کی یاد دلاتی ہے اور نفس کے اندر خشیہ (خوفِ عذاب) پیدا کرتی ہے اس لئے گناہوں سے روکتی ہے۔

انصاری نوجوان کی توبہ

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی کھلا ہوا گناہ ایسا نہ تھا جس کا وہ ارتکاب نہ کرتا ہو اس کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی حضور نے فرمایا کسی دن اس کی نماز اس کو (ان گناہوں سے) روک دے گی چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اس کی حالت ٹھیک ہو گئی۔

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ
اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی

اللہ کی یاد

یعنی نماز بُرائی سے کیوں نہ روکے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ ''وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ'' (طٰہٰ رکوع

Marfat.com

ا) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا، ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے۔ حضرت ابو درداء وغیرہ کی احادیث کو دیکھ کر علماء نے یہ ہی فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اصلی فضیلت اسی کو ہے۔ یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ پر سبقت لے جائے وہ دوسری بات ہے لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت اسی ذکر اللہ کی بدولت آئی ہے۔ بہرحال ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے اور جب وہ نماز کے ضمن میں ہو تو افضل تر ہوگا۔ پس بندے کو چاہیئے کہ کسی وقت خدا کے ذکر سے غافل نہ ہو خصوصاً جس وقت کسی بُرائی کی طرف میلان ہو فوراً خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کو یاد کرے اُس سے باز آ جائے قرآن و حدیث میں ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو یاد فرماتا ہے۔ بعض سلف نے آیت کا یہ ہی مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اسلئے نماز بڑی چیز ہوئی۔ لیکن اس کے جواب میں جو اُدھر سے اللہ تعالیٰ اس کو یاد فرماتا ہے بعض سلف نے آیت کا یہ ہی مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اس لئے نماز بڑی چیز ہوئی لیکن اس کے جواب میں جو اُدھر سے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو یاد فرماتا ہے یہ سب سے بڑی چیز ہے جس کی انتہائی قدر کرنی چاہئے اور یہ شرف و کرامت محسوس کر کے اور زیادہ ذکر اللہ کی طرف راغب ہونا چاہئے۔ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے احکام بہت ہیں، مجھے کوئی ایک جامع و مانع چیز بتلا دیجئے فرمایا "لایزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ" (تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جتنی دیر نماز میں لگے اُتنے تو ہر گناہ سے بچے اُمید ہے آگے بھی بچتا رہے۔ اور اللہ کی یاد کو اس سے زیادہ اثر ہے یعنی گناہ سے بچے اور اعلیٰ درجوں پر چڑھے۔ (موضح) یہ "لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ" کی ایک اور لطیف تفسیر ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

فضائل ذکر کی احادیث

ذکر کی فضیلت میں بہت احادیث آئی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سب سے بہتر عمل

حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے نزدیک سارے اعمال سے بہتر اور پاکیزہ اور ہر عمل سے زیادہ اونچے درجہ پر پہنچنے والا سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے تمہارے لئے بہتر اور (اس جہاد سے بھی) تمہارے لئے افضل ہے جس میں دشمن کے مقابلہ میں تم دشمنوں کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کیوں نہیں (ضرور فرمایئے) فرمایا، اللہ کا ذکر رواہ احمد و مالک والترمذی وابن ماجۃ امام مالک کے نزدیک یہ حدیث موقوف ہے (یعنی حضرت ابو درداء نے اس کو مرفوعاً ذکر نہیں کیا)

(۲) سب سے اعلیٰ مرتبہ والا بندہ

حضرت ابو سعید حذری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کون سا بندہ سب سے افضل اور اللہ کے نزدیک اعلیٰ مرتبہ والا ہے فرمایا اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی (افضل ہیں) فرمایا اگر مجاہد اپنی تلوار سے کافروں کو اتنا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہو جائے تب بھی اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اس سے افضل درجہ والے ہیں رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

(۳) افضل آدمی اور افضل عمل

حضرت عبداللہ بن بسری راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا (یا رسول اللہ) کون سا آدمی سب سے بہتر ہے فرمایا خوشی ہو اس کے لئے جس کی عمر طویل اور اعمال اچھے ہوں اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا عمل سب سے افضل ہے فرمایا (سب سے افضل یہ ہے) کہ تم دنیا سے ایسی حالت میں جاؤ کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ ہو رہی ہو (رواہ احمد الترمذی)

(۴) آگے بڑھ جانے والے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک راستہ پر جا رہے تھے ایک پہاڑ کی طرف سے گزرے اس پہاڑ کا نام حمدان تھا فرمایا چلے چلو یہ حمدان ہے۔ اہلِ تفرید آگے بڑھ گئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اہلِ تفرید سے کیا مراد ہے فرمایا۔ اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔ (رواہ مسلم)

(۵) زندہ و مردہ آدمی

Marfat.com

حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر رب نہیں کرتا اس کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ (متفق علیہ)

(۶) اہل ذکر کو فرشتے تلاش کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے اہلِ ذکر کی تلاش میں راستوں میں گھومتے رہتے ہیں جب وہ کسی جماعت کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکار کر کہتا ہے آؤ تمہارا مقصد یہ ہے حضور نے فرمایا۔ پھر آسمان تک ملائکہ ان لوگوں پر چھا جاتے ہیں اللہ ان ملائکہ سے دریافت فرماتا ہے (باوجودیکہ وہ خود ہی خوب واقف ہے) میرے بندے کیا کہہ رہے تھے فرشتے عرض کرتے ہیں تیری پاکی بیان کر رہے تھے تیری بڑائی بیان کر رہے تھے تیری ثناء کر رہے تھے اور تیری بزرگی کا اظہار کر رہے تھے (یعنی الحمد لِلّٰہِ، اللّٰہ اکبر ، سبحان اللّٰہ اور المجد لِلّٰہ کہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے ملائکہ کہتے ہیں نہیں خدا کی قسم انہوں نے تجھے نہیں دیکھا، اللہ فرماتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ملائکہ عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو تیری عبادت کرتے اور تیری بزرگی بیان کرتے ہیں اور زیادہ سرگرم ہو جاتے۔ اور تیری پاکی اور زیادہ بیان کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کیا مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت دیکھ لی ہے فرشتے عرض کرتے ہیں خدا کی قسم انہوں نے جنت نہیں دیکھی اللہ فرماتا ہے اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو ان کو جنت کی خواہش اور طلب اور زیادہ شدت کے ساتھ ہو جاتی اور جنت کی رغبت بہت بڑھ جاتی۔ اللہ فرماتا ہے وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ دوزخ سے پناہ چاہتے ہیں اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ دیکھی ہے فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں بخدا انہوں نے دوزخ نہیں دیکھی اللہ فرماتا ہے اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ملائکہ عرض کرتے ہیں اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو اس سے اور زیادہ بھاگتے اور بہت زیادہ اس سے ڈرتے۔ اللہ فرماتا ہے تو میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ ان ملائکہ میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص بھی موجود تھا جو ان میں سے نہیں تھا (یعنی ذکر میں شامل نہ تھا) کسی کام سے وہاں آیا تھا اللہ فرماتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔ (رواہ البخاری)

مسلم نے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ اے رب ان میں ایک بندہ غلطی سے شامل ہو گیا (ادھر سے) گزرا تھا کہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا اللہ فرماتا ہے میں نے اس کو بھی بخش دیا وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا (بھی) بدنصیب نہیں ہوتا۔

(۷) جنت کے باغ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں کی طرف سے گزرو تو وہاں چر لیا کرو (یعنی ان میں حصہ لیا کرو) صحابہ نے عرض کیا جنت کے باغ کون سے ہیں فرمایا ذکر کے حلقے (رواہ الترمذی)

(۸) فرشتوں کا سرمایہ فخر

معاویہ کی روایت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقہ کی طرف سے گزرے فرمایا یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں اور اس کی ثناء کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو مسلمان ہونے کی توفیق دی اور مسلمان بنا کر ہم پر احسان فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ملائکہ پر تم کو بطور فخر پیش فرماتا ہے۔

(۹) غافلوں میں ذاکر کی مثال

امام مالک کا بیان ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرتے تھے غافلوں میں (یعنی اللہ کی یاد سے غفلت کرنے والوں میں) اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے (کافروں کے مقابلہ سے) بھاگنے والوں میں (کافروں سے) لڑنے والا۔ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے خشک درخت میں سبز شاخ اور غافلوں (کی جماعت) میں اللہ کو یاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے گھر میں (روشن) چراغ۔ اور غافلوں کے اندر (رہ کر) اللہ کی یاد کرنے والے کو زندگی ہی میں اللہ جنت کے اندر اس کی جگہ دکھا دیتا ہے اس کے گناہ اتنے بخش دیئے جاتے ہیں جتنی تعداد تمام بولنے والوں اور نہ بولنے والوں یعنی آدمیوں اور چوپایوں کی ہے۔ (رواہ رزین)

(۱۰) عذاب سے نجات

حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی عمل آدمی

Marfat.com

کواللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں ہے۔ (رواہ مالک والترمذی وابن ماجۃ)

(۱۱) فرشتوں اور رحمتوں کا نزول

حضرت ابوسعید خدری نے شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جولوگ بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں (یعنی ان کے بیٹھنے کی غرض سواء یادِ الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتی) ان پر فرشتے چھا جاتے ہیں (فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں) اور رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے اور ان پر سکینہ (دل اور روح کا چین) نازل ہوتا ہے اور اللہ ان (ملائکہ) میں جو اس کے مقرب ہوتے ہیں ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔ (رواہ مسلم)

(۱۲) اللہ تعالیٰ کی ہمراہی

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اللہ نے ارشاد فرمایا) کہ بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے میں اسی کے گمان کے پاس ہوتا ہوں جب وہ میری یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ میری یاد اپنے دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میری یاد جماعت کے ساتھ کرتا ہے (جماعت میں کرتا ہے) تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ متفق علیہ (یعنی فرشتوں کی جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں)

بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس ذکر سے زیادہ عظمت والا ہے جو تم اسکا کرتے ہو (یعنی تم جو خدا کی یاد کرتے ہو اس سے بڑھ کر اللہ تمہارا ذکر کرتا ہے) مجاہد عکرمہ اور سعید بن جُبیر سے یہی تفسیر منقول ہے ایک روایت میں حضرت ابنِ عباس کی طرف سے اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں بحوالۂ نافع آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرفوعاً یہ تفسیر نقل کی ہے۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی یاد میں کمی نہ کرو، کیونکہ جب تم خدا کی یاد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا ذکر کرے گا اور اللہ جب تمہارا ذکر کرے تو اس کا درجہ تمہارے ذکر خدا کرنے سے بہت بڑا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾
اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو

جو آدمی جس قدر اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ جانتا ہے

یعنی جو آدمی جس قدر خدا کو یاد رکھتا ہے یا نہیں رکھتا خدا تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ لہٰذا ذاکر اور غافل میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ بھی جُدا گانہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اور جھگڑا نہ کرو اہلِ کتاب سے مگر اس طرح پر جو
اَحْسَنُ ۡ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
بہتر ہو مگر جو اُن میں بے انصاف ہیں

اہل کتاب کو دعوت دینے کا طریقہ

یعنی مشرکوں کا دین جڑ سے غلط ہے اور اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا۔ تو ان سے اُن کی طرح مت جھگڑو کہ جڑ سے اُن کی بات کاٹنے لگو۔ بلکہ نرمی، متانت، خیر خواہی اور صبر و تحمل سے واجبی بات سمجھاؤ البتہ جو اُن میں صریح بے انصافی، عناد اور ہٹ دھرمی پر تُل جائے اس کے ساتھ مناسب سختی کا برتاؤ کر سکتے ہو اور آگے چل کر ایسوں کو سزا دینی ہے۔ (تنبیہ) پہلے قرآن کی تلاوت کا حکم تھا، اغلب ہے کہ منکرین اُسے سن کر اُلجھنے لگیں، تو بتلا دیا کہ بحث کے وقت فریق مقابل کی علمی و دینی حیثیت کا خیال رکھو۔ جوش مناظرہ میں صداقت و اخلاق کی حد سے نہ نکلو۔ جہاں کہیں جتنی سچائی ہو اس کا اعتراف کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں اہلِ کتاب سے مجادلہ میں جو ہدایت طریقۂ حُسنہ کے ساتھ کرنے کی دی گئی ہے یہی سورۂ نحل میں مشرکین کے متعلق بھی ہے، اس جگہ اہلِ کتاب کی تخصیص اُس کلام کی وجہ سے ہے جو بعد میں آ رہا ہے، کہ ہمارے اور تمہارے دین میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں تم غور کرو تو ایمان اور اسلام کے قبول کرنے میں تمہیں کوئی مانع نہ ہونا چاہیئے جیسا کہ ارشاد فرمایا قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ، یعنی تم اہلِ کتاب سے مجادلہ کے وقت ان کو اپنے قریب کرنے کے لئے یہ کہو کہ ہم مسلمان تو اس وحی پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف بواسطہ ہمارے رسول کے بھیجی گئی ہے، اور اس وحی پر بھی جو تمہاری طرف تمہارے پیغمبر کے ذریعہ بھیجی گئی ہے، اس لئے ہم سے مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔

کیا اس آیت میں موجودہ تورات و انجیل کے مضامین کی تصدیق کا حکم ہے

اس آیت میں اہلِ کتاب کی طرف آنے والی کتابوں تورات اور

Marfat.com

انجیل پر مسلمانوں کے ایمان کا تذکرہ جس عنوان سے کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کتابوں پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں بایں معنی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں نازل فرمایا تھا اس پر ہمارا ایمان ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ تورات و انجیل کے سب مضامین پر ہمارا ایمان ہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بہت تحریفات ہو چکی تھیں اور اس وقت سے اب تک ان میں تحریف کا سلسلہ چل ہی رہا ہے، ایمان صرف ان مضامین تورات و انجیل پر ہے جو اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے تھے، تحریف شدہ مضامین اس سے خارج ہیں۔

موجودہ تورات وانجیل کی نہ مطلقاً تصدیق کی جائے نہ مطلقاً تکذیب

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اہلِ کتاب تورات و انجیل کو ان کی اصلی زبان عبرانی میں پڑھتے تھے، اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی زبان میں سناتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ تم اہلِ کتاب کی تصدیق نہ کرو نہ تکذیب کرو، بلکہ یوں کہو اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ، یعنی ہم اجمالاً اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے انبیاء پر نازل ہوئی ہے اور جو تفصیلات تم بتاتے ہو وہ ہمارے نزدیک قابلِ اعتماد نہیں، اس لئے ہم اس کی تصدیق و تکذیب سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیروں میں جو عام مفسرین نے اہلِ کتاب کی روایات نقل کی ہیں ان کا بھی یہی درجہ ہے اور نقل کرنے کا منشاء بھی صرف اس کی تاریخی حیثیت کو واضح کرنا ہے، احکام حلال و حرام کا ان سے مستنباط نہیں کیا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

بداخلاقی کا جواب نرمی سے

اور مطلب یہ ہے کہ کافروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں تم نرمی سے کام لو مباحثہ کے وقت وہ غضب ناک ہو جائیں تو تم تحمل کرو۔ وہ شور و غل کریں تو تم ان کی خیر خواہی ظاہر کرو، چونکہ خیر خواہی اور نصیحت مجادلہ میں داخل نہیں ہے اس لئے مستثنیٰ منقطع ہوگا۔

ظلم اور معاہدہ شکن کافر

اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ مگر ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا ہو یعنی معاہدہ کو توڑ دیا ہو یا جزیہ ادا کرنا قبول نہ کیا ہو تو ان سے (مباحثہ نہ کرو بلکہ) لڑو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں سعید بن جبیر نے یہی تشریح کی ہے اور کہا ہے کہ حربی کافر مستثنیٰ ہیں اور استثناء کے بعد جو لوگ باقی رہ گئے وہ ذمی کافر ہیں۔

اہل کتاب کی تصدیق وتردید کی حد

یہ حسن مجادلہ کا بیان ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اہلِ کتاب وہ باتیں کہیں جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں تو تم ان سے جھگڑا نہ کرو یعنی تکذیب نہ کرو وہاں ان میں سے جو لوگ بیجا باتیں کہیں اور ایسی باتوں کا اظہار کریں جو یقیناً (ان کی اصل) کتابوں میں نہیں ہیں اور جھوٹی ہیں جیسے ان کا دعویٰ کہ شریعت موسیٰ ہمیشہ رہے گی یا عیسیٰ کو قتل کر دیا گیا یا مسیح خدا کے بیٹے تھے تو اس صورت میں ان کو جھوٹا قرار دینا واجب ہے اور مباہلہ ضروری ہے ان سے کہہ دو کہ ہم اپنی اور تمہارے پاس بھیجی گئی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں (تمہاری ان غلط باتوں کو نہیں مانتے) (تفسیر مظہری)

حضرت ابو نملہ انصاری کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک یہودی آیا اور (اسی وقت) ایک جنازہ بھی ادھر سے گزرا۔ یہودی نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ میت کیا کلام کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے نہیں معلوم یہودی بولا یہ کلام کرتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا اہلِ کتاب اگر تم سے کچھ بیان کریں (اور وہ تمہارے دین کے خلاف نہ ہو) تو تم نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ (ہمارا ایمان اللہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ہے) اب اگر وہ بات صحیح ہے تو تم نے اس کی تکذیب نہیں کی (اس لئے مجرم نہ ہوگے) اور اگر وہ بات غلط ہے تو تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ (اس لئے مجرم نہ ہوگے)۔

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ
اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اُترا ہم کو اور اُترا تم کو

سابقہ کتب پر ایمان

یعنی ہمارا جیسا کہ قرآن پر ایمان ہے اُس پر بھی ایمان ہے کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ و مسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے انبیاء پر جو کتابیں اتاریں بیشک وہ سچی تھیں۔ ایک حرف اُن کا غلط نہ تھا۔ (گو تمہارے ہاتھ میں وہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی صورت و

Marfat.com

حقیقت میں باقی نہ رہیں)(تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ اہل کتاب (یعنی یہودی) عبرانی میں توریت پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تشریح عربی میں کرتے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اس (کتاب) پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر جو تمہاری طرف اتاری گئی الخ رواہ البخاری۔(تفسیر مظہری)

وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾
اور بندگی ہماری اور تمہاری ایک ہی کو ہے اور ہم اُسی کے حکم پر چلتے ہیں

اہل کتاب اور مسلمانوں کا فرق

یعنی اصلی معبود ہمارا تمہارا ایک ہے۔فرق اتنا ہے کہ ہم تنہا اسی کے حکم پر چلتے ہیں تم نے اُس سے ہٹ کر اَوروں کو بھی خدائی کے حقوق واختیارات دے دیئے۔مثلاً حضرت مسیح یا حضرت عزیر علیہما السلام کو یا احبار ورہبان کو۔ نیز ہم نے اُس کے تمام احکام کو مانا سب پیغمبروں کی تصدیق کی، سب کتابوں کو برحق سمجھا اُس کے آخری حکم کے سامنے سرِ تسلیم جھکا دیا۔تم نے کچھ مانا کچھ نہ مانا۔اور آخری صداقت سے منکر ہو گئے۔(تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
اور ویسی ہی ہم نے اتاری تجھ پر کتاب

اہل کتاب قرآن پاک کو کیوں قبول نہیں کرتے

کتاب میں آخر تمہاری کتابوں سے کون سی بات کم ہے جو قبول کرنے میں تردّد ہے جس طرح انبیائے سابقین پر کتابیں اور صحیفے ایک دوسرے کے بعد اُترتے رہے، پیغمبر آخر الزماں پر یہ کتاب لاجواب اُتری اس کے ماننے سے اتنا انکار کیوں ہے۔(تفسیر عثمانی)

قرآن کریم.....محفوظ کتاب

صحیح مسلم کی حدیث میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ اے نبی! میں تمہیں آزماؤں گا اور تمہاری وجہ سے لوگوں کی بھی آزمائش کرلوں گا میں تم پر ایسی کتاب نازل فرماؤں گا جسے پانی دھو نہ سکے۔تو اس سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا۔مطلب یہ ہے کہ گو اس کے حروف پانی سے دھودئے جائیں لیکن وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہے جیسے کہ اور حدیث میں ہے کہ اگر قرآن کسی چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں جلائے گی اس لئے کہ وہ سینوں میں محفوظ ہے زبانوں پر آسان ہے، دلوں میں موجود ہے اور اپنے لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک جیتا جاگتا معجزہ ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ
سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُس کو مانتے ہیں اور ان مکہ والوں میں
مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾
بھی بعضے ہیں کہ اُس کو مانتے ہیں اور منکر وہی ہیں ہماری باتوں سے جو نافرمان ہیں

سچے اور منصف اہل کتاب قرآن کو مانیں گے

یعنی جن اہلِ کتاب نے اپنی کتاب ٹھیک سمجھی وہ اس کتاب کو بھی مانیں گے اور انصافاً ماننا چاہئیے چنانچہ اُن میں کے جو منصف ہیں وہ اس کی صداقت دل سے تسلیم کرتے ہیں۔اور نہ صرف اہلِ کتاب بلکہ بعض عرب کے لوگ بھی جو کتب سابقہ کا کچھ علم نہیں رکھتے۔اس قرآن کو مانتے جارہے ہیں۔حقیقت میں قرآن کریم کی صداقت کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ بجز سخت حق پوش نافرمان کے کوئی اُن کی تسلیم سے انکار نہیں کرسکتا۔(تفسیر عثمانی)

جو قرآن کا منکر ہے وہ توراۃ کا بھی منکر ہے

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ یعنی صرف وہ لوگ انکار کرتے ہیں جو اللہ کے اور اللہ کی ساری کتابوں کے منکر ہیں کیونکہ قرآن کی جو شخص تکذیب کرتا ہے وہ حقیقت میں توریت وانجیل کی بھی تکذیب کرتا ہے۔اس لئے کہ توریت وانجیل نے قرآن کی تصدیق کی ہے پس جو شخص قرآن کا منکر ہے اور توریت پر ایمان رکھنے کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط ہے۔قتادہ نے کہا جحود پہچاننے کے بعد ہوتا ہے اہلِ کتاب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں اور قرآن حق ہے اس کے بعد انہوں نے انکار کیا یہ جحود ہو گیا۔(تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ
اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾
اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے

صداقتِ قرآن کی دلیل

Marfat.com

نزول قرآن سے پہلے چالیس سال آپ کی عمر کے ان ہی مکہ والوں میں گزرے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مُدت میں نہ آپ کسی اُستاد کے پاس بیٹھے نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا، ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی جگہ رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کر لی ہوں گی، اُن ہی کو اب آہستہ آہستہ اپنی عبارت میں ڈھال کر سُنا دیتے ہیں۔ گو اُس وقت بھی یہ کہنا غلط ہوتا، کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور کل مخلوق کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے، تاہم جھوٹوں کو بات بنانے کا ایک موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جبکہ آپ کا اُمی ہونا مسلمات میں سے ہے تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی اور یوں ضدی لوگ کہنے کو تو اس پر بھی کہتے تھے۔ ''اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا'' (فرقان۔رکوع) (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ
بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف اُن لوگوں کے سینوں میں
الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ
جن کو ملی ہے سمجھ

قرآن پاک کی سینہ بہ سینہ حفاظت

یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں۔ بلکہ یہ وحی جو اُن پر آئی ہمیشہ کو بن لکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ و قراء کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے اور آسمانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں۔ یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے۔ لکھنا اُس پر افزود ہے۔ (موضح باضافہ یسیر) (تفسیر عثمانی)

قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آیات کھلے ہوئے معجزات ہیں اور ہر تحریف و تبدیل سے محفوظ ہیں اللہ نے خود فرما دیا ہے وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ پھر یہ قرآن اہلِ ایمان کے سینوں میں محفوظ ہے اہلِ ایمان اس کے حافظ ہیں۔ اس کے برخلاف دوسری آسمانی کتابیں چونکہ معجزہ نہ تھیں اس لئے لوگوں نے ان کی آیات و الفاظ کو تبدیل کر دیا تھا اور ان کو یاد سے نہیں پڑھا جاتا تھا بلکہ کتاب میں دیکھ کر پڑھا جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت

حضرت ابن عباس نے فرمایا هُوَ سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں اہلِ کتاب۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت انہی واضح علامات کی حامل ہے جو اہلِ کتاب کے سینوں میں محفوظ ہیں یعنی رسول اللہ کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں مذکور ہیں اور اہلِ کتاب ان سے واقف ہیں وہ اوصاف رسول اللہ کی شخصیت میں موجود ہیں۔ (تفسیر مظہری)

امت محمدیہ کا ایک وصف

اس امت کے اوصاف میں یہ آیا ہے۔ صدورھم اناجیلھم یعنی ان کے سینے ہی ان کی انجیل ہوں گے یعنی نبی آخر الزماں پر جو کتاب نازل ہو گی وہ اس امت کے سینوں میں محفوظ ہو گی اور ہر حافظ کا سینہ ہی انجیل ہو گا چنانچہ زمین کے ہر خطہ میں بے شمار اس کے حافظ موجود ہیں اور پورا قرآن لفظ بلفظ ان کے سینوں میں محفوظ ہے اور توریت و انجیل کے تو کسی ایک باب کا بھی آج تک روئے زمین پر کوئی کچا پکا حافظ بھی نہیں ہوا۔ چودہ سو سال سے اب تک قرآن کے الفاظ اور معانی حفاظ اور قراء اور علماء کے سینوں میں محفوظ چلے آ رہے ہیں جو چیز کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ پانی سے اس کے حروف دُھل جائیں یا مِٹ جائیں یا آگ سے جل جائیں لیکن جو چیز ہزاروں اور لاکھوں سینوں میں محفوظ ہو اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں، علماء اہلِ کتاب میں کچھ ہمت ہے تو روئے زمین پر توریت و انجیل کا ایک ہی کچا پکا حافظ دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾
اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں

یعنی ناانصافی کا کیا علاج۔ ایک شخص یہی ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا۔ وہ روشن سے روشن چیز کا بھی انکار کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا
اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں اس پر کچھ نشانیاں اُس کے رب سے تو کہہ
الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾
نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کے اور میں تو بس سنا دینے والا ہوں کھول کر

منہ مانگا نشان دکھلانا پیغمبر کا کام نہیں ہے

یعنی میرے قبضہ میں نہیں کہ جو نشانی تم طلب کیا کرو وہ ہی دکھلا دیا کروں

Marfat.com

نہ کسی نبی کی تصدیق اس بات پر موقوف ہوسکتی ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ بدی کے نتائج سے تم کو صاف لفظوں میں آگاہ کرتا رہوں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشانی چاہے دکھلادے، یہ اس کے اختیار میں ہے۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ
کیا اُن کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر اُتاری کتاب کہ اُن پر پڑھی جاتی ہے
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾
بیشک اُس میں رحمت ہے اور سمجھانا اُن لوگوں کو جو مانتے ہیں

قرآن کافی نشانی ہے

یعنی کیا یہ نشان کافی نہیں جو کتاب اُن کو رات دن پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس سے بڑا نشان کون سا ہوگا۔ دیکھتے نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول.....اپنے پیغمبر کو چھوڑ کر دوسروں کی باتوں پر توجہ کرنا

مسند میں دارمی نے اور ابوداؤد نے مراسیل میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بطریق عمرو بن دینار یحییٰ بن جعد کی روایت سے مرسلاً بیان کیا ہے کہ کچھ مسلمان شانہ کی ایک ہڈی لے کر آئے جس میں یہودیوں سے سنی ہوئی کچھ باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے گمراہ ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو کچھ ان کا نبی لے کر آیا ہو اس سے تو گریز کریں اور دوسروں کے لئے جو دوسرے (انبیاء) لے کر آئے ہوں اس کی طرف راغب ہو جائیں اس پر آیت اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ
تو کہہ کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے بیچ گواہ جانتا ہے
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اللہ کی مصدقہ ہے

یعنی خدا کی زمین پر اُس کے آسمان کے نیچے میں علانیہ دعوئے رسالت کر رہا ہوں جسے وہ سنتا اور دیکھتا ہے پھر روز بروز مجھے اور میرے ساتھیوں کو غیر معمولی طریقہ سے بڑھا رہا ہے۔ برابر میرے دعوے کی فعلی تصدیق کرتا ہے میری زبان پر اور ہاتھوں پر قدرت کے وہ خارق عادت نشان ظاہر کئے جاتے ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تمام جن وانس عاجز ہیں۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی یہ گواہی کافی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ
اور جو لوگ یقین لاتے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾
وہی ہیں نقصان پانے والے

سب سے بڑی بدبختی

آدمی کی بڑی شقاوت اور خسران یہ ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ کتنی ہی بدیہی البطلان ہو فوراً قبول کر لے اور سچی بات سے گو کتنی ہی صاف روشن ہو انکار کرتا رہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ
اور جلدی مانگتے ہیں تجھ سے آفت

یعنی اگر باطل پر ہیں تو ہم پر دنیا میں کوئی آفت کیوں نہیں آتی۔

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ
اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ مقررہ تو آ پہنچتی اُن پر آفت
وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾
اور البتہ آئے گی اُن پر اچانک اور اُن کی خبر نہ ہوگی

اس امت کے کافروں کا عذاب

یعنی ہر چیز اپنے وقت معین پر آتی ہے گھبراؤ نہیں، وہ آفت بھی آ کر رہے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس اُمت کا عذاب یہی تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونا اور پکڑے جانا۔ سو فتح مکہ میں مکہ کے لوگ بے خبر رہے کہ حضرت کا لشکر سر پر آ کھڑا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کا وقت

اَجَلٌ مُّسَمًّى کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سے میرا وہ وعدہ نہ ہوتا کہ آپ کی قوم کو عذاب نہیں دوں گا اور ان کی جڑ نہیں اکھاڑوں گا بلکہ قیامت تک

Marfat.com

کے لئے ان کے عذاب کو ملتوی رکھوں گا تو عذاب آ چکتا۔ اللہ نے فرمایا ہے بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے عذاب کے لئے مقرر ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ط
جلدی مانگتے ہیں تجھ سے عذاب

یہاں عذاب سے شاید آخرت کا عذاب مراد ہو۔ جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝
اور دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو

کافر عذاب میں گھرے ہوئے ہیں

یعنی آخرت کا عذاب تو فضول مانگتے ہیں، اس عذاب میں تو پڑے ہی ہیں۔ یہ کفر اور بُرے کام دوزخ نہیں تو اور کیا ہے جس نے ہر طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے، موت کے بعد حقیقت کھل جائے گی کہ دوزخ کس طرح جلاتی ہے جب یہی اعمال جہنم کی آگ اور سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس روز عذاب آئے گا اس روز جہنم کافروں کو گھیر لے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت بھی کافروں کو جہنم گویا گھیرے ہوئے ہے کیونکہ کفر اور معاصی ان کو گھیرے ہوئے ہیں اور یہ داخلہ جہنم کے موجبات ہیں تو گویا اس وقت بھی دوزخ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

جہنم کہاں ہے

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخضر ہے۔ ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اسی میں بے نور کر کے ڈال دیا جائے گا اور یہ بھڑک اُٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ
جس دن گھیر لے گا اُن کو عذاب اُن کے اوپر سے اور پاؤں کے
تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
نیچے سے اور کہے گا چکھو جیسا کچھ تم کرتے تھے

مال عذاب بنے گا

اللہ تعالیٰ کہے گا یا وہ عذاب ہی بولے گا جیسے زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال حدیث میں آیا ہے کہ سانپ ہو کر گلے میں پڑے گا۔ کلے چیرے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي
اے بندو میرے جو یقین لائے ہو میری زمین
وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ۝
کشادہ ہے سو مجھی کو بندگی کرو

ہجرت کا حکم

یعنی یہ مکہ کے کافر اگر تم کو تنگ کرتے ہیں تو خدا کی زمین تنگ نہیں دوسری جگہ جا کر خدا کی عبادت کرو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ مکہ میں ہی رہ گئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں تو بھوکے مر جانے کا خوف ہے (پردیس میں بھوکے مر جائیں گے) اللہ نے ان کا یہ عذر قبول نہیں فرمایا۔

مطرف بن عبداللہ نے کہا زمین فراخ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ میرا رزق وسیع ہے تم وطن چھوڑ دو (تم کو رزق میں دوں گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو کسی زمین سے اپنے دین کو لے کر دوسری زمین کی طرف بھاگا۔ خواہ وہ ایک ہی بالشت بھاگ سکا ہو تب بھی جنت کا مستحق ہو گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ابراہیم (صلے اللہ علیہما) کا رفیق (ساتھی) ہو گیا۔ رواہ الثعلبی من حدیث الحسن مرسلاً. (تفسیر مظہری)

مسئلہ: جس شہر یا ملک میں انسان کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی نہ ہو، وہ کفر و شرک یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی پر مجبور ہو وہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے شہر یا ملک میں جہاں دین پر عمل کی آزادی ہو چلا جانا بشرطیکہ قدرت ہو واجب ہے البتہ جس کو سفر پر قدرت نہ ہو یا کوئی ایسی جگہ میسر نہ ہو جہاں آزادی سے دین پر عمل کر سکے وہ شرعاً معذور ہے۔

مسئلہ: جس دار الکفر میں عام احکام دینیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو وہاں سے ہجرت فرض و واجب تو نہیں، مگر مستحب بہر حال ہے اور اس میں دار الکفر ہونا بھی ضروری نہیں، دار الفسق جہاں احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی اعلاناً ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے اگرچہ وہاں کے حکمران

Marfat.com

کے مسلمان ہونے کی بناء پر اس کو دارالاسلام کہا جاتا ہو، یہ تفصیل حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تحریر فرمائی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اور ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیرؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس شہر میں معاصی اور فواحشِ عام ہوں اس کو چھوڑ دو، اور امام تفسیر حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ جب تمہیں کسی شہر میں معاصی کے لئے مجبور کیا جائے تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہو (ابن جریری طبری فی التفسیر)۔ (معارف مفتی اعظم)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾
جو جی ہے سو چکھے گا موت پھر ہماری طرف پھر آؤ گے

آخر سب کچھ چھوڑنا ہے

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جب کافروں نے مکہ میں بہت زور باندھا تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا۔ چنانچہ اسی تراسی گھر حبشہ چلے گئے۔ اُس کو فرمایا کہ کوئی دنیا کی زندگی ہے جہاں بن پڑے وہاں کاٹ دو۔ پھر ہمارے پاس اکٹھے آؤ گے۔ اس میں مہاجرین کی تسلی کر دی تا کہ وطن چھوڑنا اور حضرت سے جُدا ہونا دل پر بھاری نہ گزرے گویا جتلا دیا کہ وطن، خویش و اقارب رفقاء اور چھوٹے بڑے آج نہیں کل چھوٹیں گے فرض کرو اس وقت مکہ سے ہجرت نہ کی تو ایک روز دنیا سے ہجرت کرنا ضروری ہے مگر وہ بے اختیار ہوگا۔ بندگی اس کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے اُن چیزوں کو چھوڑ دے جو پروردگار حقیقی کی بندگی میں مزاحم اور خلل انداز ہوتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
اور جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام اُن کو ہم جگہ دیں گے
مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
بہشت میں جھروکے نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ
سدا رہیں اُن میں خوب ثواب ملا کام والوں کو جنہوں
صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾
نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا

ایمان واعمال پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر

یعنی جو صبر و استقلال سے اسلام و ایمان کی راہ پر جمے رہے اور خدا پر بھروسہ کر کے گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اُن کو اس وطن کے بدلے وہ وطن ملے گا اور یہاں کے گھروں سے بہتر گھر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ مؤمن مکہ میں رہ گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاؤ ان لوگوں نے جواب دیا وہاں نہ ہمارا گھر ہے نہ مال ہے ہمارے کھانے پینے کا انتظام وہاں کون کرے گا اس پر آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا
اور کتنے جانور ہیں جو اُٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی اللہ روزی دیتا ہے اُن کو
وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾
اور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا جاننے والا

اللہ رازق ہے..... جانوروں کو بھی رزق ملتا ہے

یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کر دی کہ اکثر جانوروں کے گھر میں اگلے دن کا قوت نہیں ہوتا نیا دن اور نئی روزی (موضح) پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن اُس کے سامنے ہے کسی کی محنت وہاں رائیگاں نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ سامانِ معیشت ساتھ لے جانے کی فکر نہ کریں۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی کمر پر لادے نہیں پھرتے، پھر بھی رازق حقیقی اُن کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کوے کے بچوں کی پرورش

یہ مشہور ہے کہ کوے کے بچے جب نکلتے ہیں تو ان کے پَر و بال سفید ہوتے ہیں یہ دیکھ کر کوا اُن سے نفرت کر کے بھاگ جاتا ہے کچھ دنوں کے بعد ان پروں کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے۔ تب ان کے ماں باپ آتے ہیں اور انہیں دانہ وغیرہ بھراتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں جب کہ ماں باپ ان چھوٹے بچوں سے متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور ان کے پاس بھی نہیں آتے اس وقت اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے مچھر ان کے پاس بھیج دیتا ہے وہی ان کی غذا بن جاتے ہیں۔ عرب

Marfat.com

کے شعراء نے اسے نظم بھی کیا ہے۔

سفر وسیلۂ ظفر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے سفر کرو تا کہ صحت اور روزی پاؤ۔ اور روایت میں ہے کہ سفر کرو تا کہ صحت وغنیمت ملے۔ اور حدیث میں ہے سفر کرو نفع اُٹھاؤ گے روزے رکھو تندرست رہو گے، جہاد کرو غنیمت ملے گی اور روایت میں ہے جد والوں اور آسانی والوں کے ساتھ سفر کرو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا اور ان کی حرکات وسکنات کو جاننے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوائے انسان، چوہے اور چیونٹی کے کوئی مخلوق روزی جمع نہیں کرتی

یعنی بہت سے چوپائے اور پرندے جو غذا کے محتاج ہیں اپنے ساتھ اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اور نہ کل کے لئے جمع کرتے ہیں۔ سفیان بن علی بن ارقم نے کہا سواء انسان اور چوہے اور چیونٹی کے اور کوئی مخلوق روزی جمع کر کے نہیں رکھتی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ چوپائے اور پرندے جو کمزور ہیں اور اپنی روزی جمع کر کے نہیں رکھتے ان کو بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے اور تم طاقتور ہو رزق جمع کر کے رکھتے ہو اللہ ہی تم کو بھی روزی دیتا ہے روزی ملنے کے معاملہ میں تم اور جانور سب برابر ہو تم بھی (رزق کھا کر) جیتے ہو وہ بھی جیتے ہیں تم بھی (آخر) مرجاتے ہو وہ بھی مرجاتے ہیں۔ پھر تمہاری کوشش بیکار ہے اس لئے ہجرت کرنے کی صورت میں معاش کی طرف سے تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اوقات

عبد بن حمید۔ ابن ابی حاتم بیہقی اور ابن عساکر نے ضعیف سند سے نیز بغوی نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے باغات میں سے ایک باغ میں گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کھجوریں (تازہ خرمے) چن چن کر کھانے لگے اور فرمایا ابنِ عمر تم بھی کھاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خواہش نہیں ہے۔ فرمایا مجھے تو کھانے کی خواہش ہے یہ چوتھی رات کی صبح ہے چار دن ہو گئے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا نہ مجھے ملا میں نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ اَلْمُسْتَعَانُ فرمایا ابن عمر اگر میں اپنے رب سے مانگتا تو وہ مجھے کسریٰ اور قیصر کے ملک سے بھی کتنے ہی گنا زیادہ عنایت فرما دیتا لیکن میں ایک دن بھوکا رہتا ہوں اور ایک دن پیٹ بھرتا ہوں۔ (یعنی ایک روز کھانا کھاتا ہوں) ابنِ عمرؓ اگر تمہاری عمر ہوئی تو اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو سال بھر کا رزق چھپا کر رکھیں گے اور ان (کو اللہ کے رزاق ہونے کا) یقین کمزور ہوگا۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے واللہ ہم وہاں سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ ہٹنے کا ارادہ کیا تھا کہ آیت وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ الخ نازل ہوئی۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن کے لئے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔ (رواہ الترمذی وصححہ)

کامل توکل کا انعام

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اگر تم اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھتے تو وہ تم کو اسی طرح رزق عطا فرماتا جس طرح پرندوں کو عطا فرماتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

ہر ایک کو اپنا رزق ضرور ملے گا

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی چیز تم کو جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ میں نے اس (کو کرنے) کا تم کو حکم نہ دے دیا ہو اور کوئی چیز دوزخ سے قریب کرنے والی اور جنت سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ اس (کو کرنے) کی تم کو ممانعت نہ کر دی ہو روح القدس (جبرئیل) نے میرے دل میں یہ بات پھونک دی ہے کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنا رزق پورا نہ کر لے گا ہرگز نہیں مرے گا پس تم لوگ متنبہ ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں اچھائی اختیار کرو (یعنی پاک ذرائع سے کماؤ) رزق ملنے میں دیر ہو جانے سے تم کو گناہوں کے راستہ سے تحصیل رزق پر آمادہ نہ ہو جانا چاہئے کیونکہ اللہ کے پاس جو چیز ہے اس کو بغیر اللہ کی طاعت کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وذکرہ فی المعالم۔ (مظہری)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان اور زمین کو
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

Marfat.com

اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو تو کہیں اللہ نے پھر کہاں سے اُلٹ جاتے ہیں

رزق کے اسباب پر اللہ کا تصرف ہے

یعنی رزق کے تمام اسباب (سماویہ وارضیہ) اُسی نے پیدا کئے سب جانتے ہیں، پھر اُس پر بھروسہ نہیں کرتے کہ وہ ہی پہنچا بھی دے گا۔ مگر جتنا وہ چاہے نہ جتنا تم چاہو۔ یہ اگلی آیت میں سمجھا دیا ہے۔ (موضح)

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ
اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے
عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ
بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے جس کو چاہے

ناپ کر دیتا ہے یہ نہیں کہ بالکل نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾
بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے

یعنی یہ خبر اُسی کو ہے کہ کس کو کتنا دینا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

بندوں کے ایمان کی حفاظت

اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یعنی ہر چیز کی خوبیاں اور خرابیاں خوب جانتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک طویل حدیث بغوی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے جس کو ہم سورۂ شوریٰ میں بیان کریں گے اس حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے کچھ مؤمن بندے مجھ سے باب عبادت میں داخلہ کی دعا کرتے ہیں مگر باب عبادت میں داخل ہونے سے ان کو روک دیتا ہوں تا کہ ان میں اس سے غرور نہ آ جائے جو ان کو تباہ کر دے۔ میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ دولت ہی ان کے ایمان کو درست رکھتی ہے اگر میں ان کو مفلس کر دوں تو افلاس ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو سنبھالے رکھنے والا صرف افلاس ہوتا ہے اگر میں ان کو دولت مند بنا دوں تو دولت ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ تندرستی ہی ان کے ایمان کو صحیح رکھنے والی ہے اگر میں ان کو بیمار کر دوں تو بیماری ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کی درستی صرف بیماری سے ہوتی ہے۔ اگر میں ان کو تندرست کر دوں تو صحت ان کے ایمان کو بگاڑ دے میں بندوں کے دلوں کی حالت جانتا ہوں اور اسی علم کے مطابق اپنے بندوں کا انتظام کرتا ہوں۔ بلاشبہ میں جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ
اور جو تو پوچھے اُن سے کس نے اتارا آسمان سے
مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ
پانی پھر زندہ کر دیا اُس سے زمین کو اُس کے مر جانے کے بعد تو کہیں اللہ نے
قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾
تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے

یعنی مینہ بھی ہر کسی پر برابر نہیں برستا۔ اور اسی طرح حال بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ذرا دیر میں مفلس سے دولتمند کر دے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ
اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے
وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ
اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے زندہ رہنا
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾
اگر اُن کو سمجھ ہوتی

آخرت کی فکر ضروری ہے

یعنی آدمی کو چاہئے یہاں کی چند روزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے کہ اصلی و دائمی زندگی وہ ہی ہے۔ دنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہو کر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے۔ بلکہ یہاں رہ کر وہاں کی تیاری اور سفر آخرت کے لئے توشہ درست کرے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو خالص اسی پر رکھ کر
الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾
اعتقاد پھر جب بچا لایا اُن کو زمین کی طرف اُسی وقت لگے شریک بنانے

Marfat.com

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۶۶

تاکہ منکر تے رہیں ہمارے دیئے ہوئے سے اور مزے اُڑاتے رہیں سو عنقریب جان لیں گے

انسان کی احسان فراموش طبیعت

یعنی چاہیئے تو یہ تھا کہ آدمی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو اور آخرت کو فراموش نہ کرے لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بڑی عقید تمندی سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جہاں آفت سر سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا، اللہ کے احسانوں سے مکر کر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ گویا غرض یہ ہوئی کہ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اُڑاتے رہیں۔ خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں۔ عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اس بغاوت وشرارت احسان فراموشی اور ناسپاسی کا نتیجہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر بھی جس وقت اپنے آپ کو بے سہارا جان کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس وقت یہ یقین کرتا ہے کہ خدا کے سوا مجھے اس مصیبت سے کوئی نہیں چھڑا سکتا، تو اللہ تعالیٰ کافر کی بھی دعاء قبول فرما لیتے ہیں، کیونکہ وہ مضطر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعاء قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے (قرطبی وغیرہ) (معارف مفتی اعظم)

حقیقت ماننی پڑتی ہے

عکرمہ کا بیان ہے کہ دورِ جاہلیت والے جب سمندر میں سفر کرتے تھے تو اپنے بتوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن جب ہوا میں طوفان آتا تھا تو بتوں کو سمندر میں پھینک دیتے تھے اور پکارتے تھے۔ اے رب۔ اے رب۔ مطلب یہ کہ سخت مصائب کے وقت تو خالص طور پر دل سے اللہ کے اطاعت گزار ہو جاتے تھے اور شرک چھوڑ دیتے تھے اور نجات پا جاتے تو شرک کی طرف لوٹ آتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ

کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ اُچکے

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

جاتے ہیں اُن کے آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں

وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝۶۷

اور اللہ کا احسان نہیں مانتے

اہل مکہ کے لئے امن کی نعمت

مکہ کے لوگ اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے حالانکہ سارے ملک عرب میں فساد اور کشت وخون کا بازار گرم تھا۔ بتوں کے جھوٹے احسان مانتے ہیں اللہ کا یہ سچا احسان نہیں مانتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا

كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ

جھٹلائے سچی بات کو جب اُس تک پہنچے کیا دوزخ میں بسنے کی جگہ نہیں

مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸

منکروں کے لئے

سب سے بڑی ناانصافی

یعنی سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرائے۔ یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرے جو اُس کی شان کے لائق نہیں۔ یا پیغمبر جو سچائی لے کر آئے ہیں اُسے سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو ایسی بیبا کی اور بے حیائی سے عقل وانصاف کے گلے پر چھری پھیرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ

اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم بجھا دیں گے اُن کو اپنی راہیں

اللہ کیلئے جہاد کا ثمرہ

یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اُٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب ورضاء یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے۔ جوں جوں وہ ریاضات ومجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اُسی قدر ان کی معرفت وانکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور وہ باتیں

Marfat.com

سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو اُن کا احساس تک نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مجاہدہ یعنی ظاہری اور باطنی جہاد اور جدو جہد ضروری ہے اور لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں سے سبل سے خدا تعالیٰ کے قرب اور رضا کی راہیں مراد ہیں جس کا مال بہشت ہے۔

اگر در جستجوئے من شتابی مرادِ خود بزودی بازیابی

(معارف کاندھلوی)

الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا جہاد کا معنی ہے مقدور بھر کوشش کرنا۔ مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی انتہائی طاقت بھر کافروں سے لڑنے اور نفسانی خواہشات کی مخالفت کرنے کی کوشش کی۔

فِيْنَا ہمارے اندر یعنی ہماری مرضی کی طلب ہمارے دین کی مدد اور ہمارے اوامر ونواہی کی تعمیل کرنے میں۔

بارگاہِ الٰہی کا قرب

سُبُلَنَا اپنے راستوں کی یعنی اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے راستوں کی۔ اللہ کی بارگاہ تک رسائی بے کیف ہے (اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی) یا یہ معنی ہے کہ ہم نیکی کے راستے کو دکھا دیتے ہیں۔ اور ان راستوں پر چلنے کی توفیق عنایت کر دیتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى اور جو لوگ ہدایت پالیتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرمان کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اپنے جانے ہوئے راستوں پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں ہم ان کو (آگے) وہ راستے بتا دیتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے۔

جنید نے کہا جن لوگوں نے توبہ کی کوشش کی ہم ان کو اخلاص کے راستے بتا دیتے ہیں۔ حسن نے کہا سب سے اعلیٰ جہاد نفسانی خواہشات کی مخالفت ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص عمل کرتا ہے اس پر جس کو وہ جانتا ہے تو اللہ نامعلوم چیز کا علم اس کو عطا فرما دیتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع
اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے

یعنی اللہ کی حمایت ونصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (تم سورۃ العنکبوت فللّٰہ الحمد والمنہ) (تفسیر عثمانی)

بحمد اللہ

سورۃ العنکبوت ختم ہوئی

Marfat.com

سُوْرَۃُ الروم

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے دل میں نفاق ہے اور یہ خواب دیکھنے والا اگر بادشاہ ہے تو عالم ہو جائے گا اور اگر قاضی یا تاجر ہے تو بہت سے فوائد حاصل کرے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ الرُّوْمِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سِتُّوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ
سورۂ روم مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ساٹھ آیتیں ہیں اور چھ رکوع
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے
الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ
مغلوب ہو گئے ہیں رُومی ملتے ہوئے ملک میں

عرب سے قریب کی زمین

اَدنی الارض" (ملتے ہوئے ملک یا پاس والے ملک) سے مراد "اذرُعات" و "بُصریٰ" کے درمیان کا خطہ ہے جو "شام" کی سرحد پر "حجاز" سے ملتا ہوا مکہ کے قریب واقع ہوا ہے یا "فلسطین" مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا، یا "جزیرہ ابن عمر" جو فارس سے اقرب ہے ابن حجر نے پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ایرانیوں کی فتح پر مشرکین کی خوشی

ابن ابی حاتم نے ابن شہاب زہری کی روایت سے اور ابن جریر نے عکرمہ اور یحییٰ بن یعمر اور قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مسلمان جب مکہ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت نہیں کی تھی تو مشرک مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ تم شہادت دیتے ہو کہ رومی اہلِ کتاب ہیں لیکن (ایران کے) مجوسی ان پر غالب آ گئے۔ اسی طرح تمہارا خیال ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اتاری گئی ہے اور تم اس کتاب کی برکت سے ہم پر غالب آ جاؤ گے اگر تمہارا یہ خیال ہے تو بتاؤ رومی تو اہلِ کتاب ہیں ان پر مجوسی کیسے غالب آ گئے۔ پس جس طرح فارس والے رومیوں پر غالب آ گئے اسی طرح ہم تم پر غالب آئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ایک بہت عجیب وغریب قصہ امام سعید بن داؤد نے اپنی تفسیر میں یہ وارد کیا ہے کہ عکرمہ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان یا بادشاہ ہی ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ دو کہ کسے سردار بناؤں؟ اس نے کہا سنو میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔ دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔ یہ لشکروں کو لے کر چلا۔ رومیوں سے لڑا بھڑا اور اُن پر غالب آیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے اُن کے شہر اُجاڑ دیئے، اُن کے باغات برباد کر دیئے۔ اس سرسبز شاداب ملک کو ویران وغارت کر دیا۔ اذرعات اور بصریٰ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔ کفارِ قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہلِ کتاب ہو اور ہم اور فارسی اَن پڑھ ہیں۔ ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم بتلا دیں گے کہ تم ان اہلِ کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اُٹھاؤ گے۔ اس پر قرآن کی یہ آیتیں اُتریں۔

اہل روم کا تعارف

سورۂ بقرہ کی تفسیر کا شروع دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیص ابن اسحٰق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ بنو اسرائیل کے یہ چچازاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں۔ یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے، یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ تُرکوں کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ پرست تھے۔ ساتوں ستاروں کو مانتے اور پُوجتے تھے۔ انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قطبِ شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ دمشق کی بناء انہی کے ہاتھوں پڑی ہے وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت

Marfat.com

کے بعد تین سو (۳۰۰) سال تک رُومی اپنے پُرانے خیالات پر ہی رہے۔ان میں سے کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا اُسے قیصر کہا جاتا تھا۔سب سے پہلے رُومیوں کے بادشاہ قسطنطین ابن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔اس کی ماں کا نام مریم تھا، ہیلانیہ غسانیہ قانیہ تھی، حَران کی رہنے والی۔ پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کرلیا۔ یہ بڑا فلسفی، عقلمند اور مکار آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔اس کے زمانے میں نصرانی یہاں جمع ہو گئے۔ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلافات اور مناظرے چھڑ گئے۔عبداللہ بن اریوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی۔اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے جو درحقیقت خیانتِ حقیرہ ہے۔یہیں فقہی کتابیں اسی زمانے میں لکھی گئیں۔ان میں حلال وحرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا ان میں لکھا۔جس قدر جی میں آئی کمی زیادتی اصل دینِ مسیح میں کی اور اصل مذہب محرّف ومبدّل ہو گیا۔مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے۔بجائے ہفتہ کے اتوار کے دن کو بڑا دن بنایا۔صلیب کی پرستش شروع ہوگئی۔خنزیر کو حلال کرلیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کرلئے جیسے عیدِ صلیب، عید قداس، عیدِ غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے تسلسلے قائم کئے گئے ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے۔رہبانیت اور ترکِ دنیا کی بدعت بھی ایجاد کر لی۔کنیسے اور گرجے بہت سارے بنالئے گئے اور شہر قسطنطنیہ کی بنا رکھی گئی اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنائے۔ تین محرابوں سے بیتِ لحم بنا۔اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا۔ان لوگوں کو مِلکیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے۔ان کے بعد یعقوبیہ، پھر نسطوریہ یہ نسطور کے مقلد تھے۔پھر ان کے بہت سے گروہ تھے۔

رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ

جیسے حدیث میں ہے کہ ان کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے۔ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی، ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا آتا تھا یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا بہت بڑا عالم تھا، دانائی، زیرکی، دُوراندیشی اور دُور بینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔اس نے سلطنت بہت وسیع کرلی اور مملکت دُور دراز تک پھیلا دی۔ اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ سے کھڑا ہوا، اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ مجوسی لوگ تھے، آگ کو پُوجتے تھے۔

مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا۔ لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ آپ اس کے مقابلے پر گیا۔قیصر کو شکست ہوئی، یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا۔نصرانی اس کی بڑی عزت وتعظیم کرتے تھے، گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے پڑا رہا لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کرسکا۔ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس شہر کا نصف حصہ سمندر کی طرف تھا اور نصف حصہ خشکی سے ملا ہوا تھا۔تو شاہِ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی، آخر میں قیصر ایک چال چلا اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کرلیجئے۔کسریٰ اس پر خوش ہو گیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہیں تو جمع ہونا ناممکن تھا۔قیصر نے اسے بھی قبول کرلیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بے وقوفی کا پتہ چلالیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کو جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے، بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کرسکتی۔ قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت ملنی چاہئے کہ میں اپنے ملک شام میں چل پھر کر یہ دولت جمع کرلوں اور آپ کو سونپ دوں۔ اس نے یہ درخواست منظور کرلی۔اب شاہِ رُوم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جارہا ہوں اگر ایک سال کے اندر اندر آجاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کرلینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس (۱۰) سال تک بھی آپ واپس نہ لوٹیں تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری، احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک دھاوا بول دیا۔چونکہ یہاں کی فوجیں تو رُوم پہنچ چکی تھیں، عوام کہاں تک مقابلہ کرتے، اس نے قتل عام شروع کردیا جو

Marfat.com

سامنے پڑے تلوار کے کام آئے، یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کُرسی تھی وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا انہیں بھی قتل کر دیا اور چوطرف سے مال جمع کیا ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کے محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا اس کی دربار دار عورتیں وغیرہ بھی پکڑ لی گئیں اس کے لڑکے کا سر منڈا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام آپ نے مانگے تھے وہ حاضر ہیں۔ جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا۔ یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کُل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور بڑا سخت حملہ شہر پر کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی، اب یہ نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔ قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حیلہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑا اور آپ تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا۔ کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو گُٹی، چارہ، لید، گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسریٰ کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا۔ یہ اس لشکر کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا اِدھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے کو چل دیا۔

قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، نہ تو رُوم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا۔ حیرت میں رہ گیا اور رُومی غالب آ گئے۔ فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔ یہ کُل امور نو (۹) سال میں ہوئے اور رُومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آ گئے۔ اذرعات اور بصریٰ کے معرکے میں اہل فارس غالب آ گئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا۔

وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ﴿۳﴾
اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہونگے
فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ
چند برسوں میں

رومیوں کے غلبہ کی پیشگوئی

یعنی نو سال کے اندر اندر رُومی غالب ہو جائیں گے کیونکہ لغت میں اور حدیث میں ''بضع'' کا اطلاق تین سے نو تک ہوا ہے۔ ان آیات میں قرآن نے ایک عجیب و غریب پیشگوئی کی جو اُس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔

ابتدائے اسلام کے وقت کی بین الاقوامی طاقتیں

واقعہ یہ ہے کہ اُس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں ''فارس'' (جسے ''ایران'' کہتے ہیں) اور ''روم'' مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۴ء کے بعد تک اُن کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا کیا جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریحات سے ظاہر ہے ۵۷۰ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیے جاتے تھے۔ جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ مسرور ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئند توقعات باندھتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی طبعاً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں، اِدھر ان کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑے۔

فارسیوں کی فتح اور مشرکین کی چھیڑ بازی

آخر ۶۱۴ء کے بعد (جبکہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گذر چکے) خسرو پرویز (کے

Marfat.com

خسر ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ہرقل قیصر روم کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کر دیا اور رومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا، بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے۔ قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے اُبھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں۔ مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا، بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتی کہ بعض مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مشرکین سے شرط

اُس وقت قرآن نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہونگے اسی پیشینگوئی کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اُس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سو (۱۰۰) اونٹ تم کو دونگا، ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے ''بضع سنین'' کی میعاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعدۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ''بضع'' کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ اُدھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو ''حمص'' سے پیدل چل کر ''ایلیا'' (بیت المقدس) تک پہنچونگا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشینگوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر (یعنی ہجرت کا ایک سال گذرنے پر) عین بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے، یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا۔ اور اس ضمن میں مشرکین مکہ کو مزید خذلان و خسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشینگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سو (۱۰۰) اونٹ مشرکین مکہ سے وصول کئے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقہ کر دیے جائیں۔ فِللّٰہ الحمد علی نعمائہ الظاھرۃ والائہ الباھرۃ. (تفسیر عثمانی)

مسئلہ قمار

قمار یعنی جُوا از روئے نصوص قرآن حرام قطعی ہے، ہجرتِ مدینہ کے بعد جس وقت شراب حرام کی گئی اسی کے ساتھ قمار بھی حرام کر دیا گیا، اور اس کو شیطانی عمل قرار دیا، آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ میں میسر اور ازلام جوئے (قمار) ہی کی صورتیں ہیں جن کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور یہ دو طرفہ لین دین اور ہار جیت کی شرط جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن خلف کے ساتھ ٹھہرائی یہ بھی ایک قسم کا جُوا اور قمار ہی تھا، مگر یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جب قمار حرام نہیں تھا، اس لئے اس واقعہ میں جب یہ قمار کا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو کوئی مال حرام نہیں تھا، اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے صدقہ کر دینے کا حکم کیوں فرمایا، خصوصاً دوسری روایت میں جو اس کے متعلق لفظ سُحت آیا ہے جس کے مشہور معنی حرام کے ہیں یہ کیسے درست ہوگا، اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ یہ مال اگرچہ اس وقت حلال تھا مگر قمار کے ذریعہ اکتسابِ مال اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھا، اس لئے صدیق اکبرؓ کی شان کے مناسب نہ سمجھ کر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے شراب حلال ہونے کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔

فارسیوں کا مقابلہ اور ابی بن خلف کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بحث

بغوی نے لکھا ہے فارس اور روم میں جنگ تھی مشرک دل سے چاہتے تھے کہ اہلِ فارس رومیوں پر غالب آ جائیں کیونکہ فارس والے مجوسی تھے، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی فتحیاب ہو جائیں کیونکہ رومی اہلِ کتاب تھے۔ کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں نے ایک لشکر روم کی طرف بھیجا جس کی قیادت شہریزاد کے سپرد کی اور قیصر نے ایک لشکر یحلیس کی زیر سرکردگی روانہ

Marfat.com

کیا دونوں فوجوں کا مقابلہ اذرعات علاقہ شام و بصریٰ کے مقام پر ہوا (یہ شامی علاقہ ارض عرب کے بہت قریب تھا اور عجم سے بھی قریب تھا) آخر میں فارس والے رومیوں پر غالب آ گئے۔ مسلمانوں کو مکہ میں اس کی اطلاع پہنچی تو ان کو بڑا رنج ہوا، اور کفار مکہ اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوئے، اور مسلمانوں سے کہنے لگے تم بھی اہلِ کتاب ہو اور عیسائی بھی اہلِ کتاب ہیں اور ہم امی (یعنی بے کتاب) ہیں، ہمارے فارسی بھائی تمہارے رومی بھائیوں پر غالب آ گئے اگر تم ہم سے لڑو گے تو ہم بھی تم پر غالب آئیں گے، اُس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔ نزولِ آیت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کفار کے پاس گئے اور فرمایا اب تو تم اپنے بھائیوں کے غالب آ جانے سے بہت خوش ہو لیکن واللہ عنقریب رومی فارسیوں پر غالب آ جائیں گے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کی اطلاع دیدی ہے۔ اُبی بن خلف جمحی بولا تم جھوٹے ہو، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، دشمنِ خدا تو بڑا جھوٹا ہے، اُبی نے کہا،، ہمارے درمیان ایک معین مدت کی شرط کر لو میں دس اونٹنیوں کی شرط باندھتا ہوں۔ اگر رومی فارس والوں پر غالب آ گئے تو میں تاوان (یعنی دس اونٹنیاں) تم کو دوں گا اور اگر فارس والے رومیوں پر غالب رہے تو تم کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔ شرط طے ہوگئی اور تین سال کی میعاد مقرر کر دی گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خدمتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کر دیا (یہ واقعہ قمار کی حرمت سے پہلے کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے تو یہ نہیں بیان کیا تھا، بضع تو تین سے نو تک ہوتا ہے اب تم مال کی مقدار میں اضافہ کر دو اور میعاد بڑھا دو حضرت ابوبکر خدمتِ گرامی سے واپس آئے اُبی سامنے دکھائی دیا۔ ابی نے کہا اب تو شاید تم کو پشیمانی ہوئی ہوگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، پشیمانی نہیں بلکہ میں تو مال کی مقدار بڑھانا اور میعاد مقرر میں توسیع کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سو سو اونٹنیوں کی شرط ہوگئی اور نو سال کی مدت مقرر ہوئی۔ بعض روایات میں سات سال کی میعاد آئی ہے۔ اُبی نے کہا، میں نے مان لیا۔ کچھ مدت کے بعد ابی بن خلف کو جب یہ اندیشہ ہوا کہ ابوبکر مکہ سے چلے جائیں گے تو آ کر آپ سے چمٹ گیا اور بولا، مجھے اندیشہ ہے کہ تم مکہ سے چلے جاؤ گے اس لئے اپنا کوئی ضامن دو۔ (کہ جب میں شرط جیت جاؤں تو اس سے مال شرط وصول کر لوں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ضامن بنا دیا۔ حضرت عبداللہ ضامن ہو گئے۔

ابی بن خلف کی موت

اس کے بعد ابی بن خلف (مسلمانوں کے مقابل) احد کی جنگ میں گیا اور مقابلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مکہ میں آ کر مر گیا۔ اُدھر حدیبیہ کے دن رومی فارس پر غالب آ گئے بعض روایات میں آیا ہے کہ بدر کے دن رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہوا۔ یہ واقعہ یوم شرط سے ساتویں سال کے سرے پر پیش آیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جیت

شعبی نے لکھا ہے، یہ مقررہ مدت گذرنے نہیں پائی تھی کہ رومی فارس والوں پر غالب آ گئے، اور اپنے گھوڑے مدائن (ایرانیوں کی عراقی راجدھانی) میں لے جا کر باندھ دیئے (حرمتِ قمار سے پہلے کا یہ قصہ ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ابی بن خلف سے جیت گئے اور ابی بن خلف کے وارثوں سے آپ نے شرط کا مال وصول کر لیا اور خدمت گرامی میں لے کر حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو خیرات کر دو، ترمذی نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قصہ سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ دارالحرب میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تمام عقودِ فاسدہ جیسے سود کا لین دین وغیرہ جائز ہیں، اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ (حربی) کافروں کا مال ہر طرح سے لینا جائز ہے بشرطیکہ ذمہ داری کی شکست نہ ہو کافروں کو امان دے کر ان کا مال لینا جائز نہیں۔

رومیوں کے غلبہ کے اسباب

بغوی نے لکھا ہے کہ حسب بیان عکرمہ رومیوں کی فارس والوں پر غالب آنے کی صورت یہ ہوئی کہ شہریزاد رومیوں پر غالب آیا اور ان کے شہروں کو روندتا اجاڑتا ہوا خلیج تک پہنچ گیا۔ ایک روز شہریزاد کا بھائی فرخان شہریزاد کے تخت پر بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ (مستی کی حالت میں) اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کسریٰ کے تخت پر بیٹھنے والا ہوں یہ بات کسریٰ تک پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہریزاد کو لکھا جس وقت میری یہ تحریر تم کو پہنچے فوراً فرخان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدو۔ شہریزاد نے جواب میں لکھا، بادشاہ سلامت فرخان کے بڑے کارنامے ہیں اور دشمنوں پر اس کی دھاک ہے آپ کو ایسا شخص نہیں ملے گا۔ کسریٰ نے دوبارہ لکھا، فارس میں اور بہت سے لوگ ہیں جو اس سے بہتر ہیں فوراً میرے پاس اس کا سر بھیج

Marfat.com

دو۔ شہریزاد نے اس کا بھی ایسا ہی جواب لکھدیا جس سے کسریٰ غضبناک ہو گیا اور شہریزاد کو پھر کچھ نہیں لکھا بلکہ فوج کے پاس ڈاک سے یہ حکم بھیج دیا کہ میں نے شہریزاد کو ہٹا کر اس کی جگہ تمہارا آفیسر فرخان کو بنا دیا ہے، پھر ایک چھوٹا سا پرچہ ڈاک لے جانیوالے کو الگ سے دیدیا جس میں شہریزاد کو قتل کر دینے کا حکم لکھا ہوا تھا اور ڈاک والے سے کہا جب فرخان حکومت کا چارج لے لے اور اس کا بھائی اس کی اطاعت کر لے تو اس وقت یہ پرچہ فرخان کو دیدینا غرض شاہی حکم ملنے کے بعد شہریزاد نے بسر وچشم اس کو قبول کیا اور تخت سے اتر آیا اس کی جگہ فرخان بیٹھ گیا۔ اس وقت ڈاک والے نے وہ پرچہ فرخان کو دیا، فرخان نے فوراً شہریزاد کو بلوانے کا حکم دیا اور گردن مار دینے کے لئے پیشی میں طلب کیا۔ شہریزاد نے کہا جلدی سے کام نہ لیجئے مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں وصیت نامہ لکھدوں۔ فرخان نے کہا اچھا، شہریزاد نے بستہ منگوایا اور اس میں سے تین تحریریں نکال کر دکھائیں اور فرخان سے کہا میں نے آپ کے سلسلے میں کسریٰ سے یہ ساری مراسلت کی تھی اور آپ صرف ایک تحریر ملنے پر مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں۔ فرخان نے فوراً اقتدارِ حکومت شہریزاد کو واپس کر دیا۔

اس کے بعد شہریزاد نے قیصر روم کو لکھا مجھے آپ سے کام ہے لیکن وہ نہ پیام رساں کی معرفت زبانی کہلوایا جا سکتا ہے نہ تحریراً اس کو پہنچایا جا سکتا ہے ملاقات ہی ضروری ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر مجھ سے ملیں میرے ساتھ بھی اس وقت صرف پچاس ایرانی ہوں گے، قیصر نے یہ بات مان لی اور پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا لیکن اس کو اندیشہ لگا ہوا تھا کہ شاید شہریزاد نے کوئی فریب کیا ہو اس لئے اپنے آگے آگے اس نے کچھ جاسوس بھیج دیئے تا کہ صحیح اطلاع بہم پہنچائیں۔ جاسوسوں نے آ کر کہا کہ شہریزاد کے ساتھ بھی صرف پچاس آدمی ہیں قیصر روم شہریزاد کی جانب چل دیا۔ پھر دونوں کیلئے ایک ریشمی خیمہ لگوایا گیا اور دونوں کی ملاقات اس طرح ہوئی کہ ہر ایک کے پاس خنجر تھا اور دونوں کے درمیان ترجمان تھا، شہریزاد نے کہا آپ کے شہر جن لوگوں نے ویران کئے وہ میں اور میرا بھائی ہیں ہم نے ہی اپنی تدبیر اور بہادری سے آپ کا ملک اجاڑا۔ اس سے کسریٰ کو ہم پر حسد ہو گیا اور اس نے میرے بھائی کو میرے ہاتھ سے قتل کرا دینا چاہا، میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو کسریٰ نے میرے بھائی کو حکم دیا کہ وہ مجھے قتل کر دے ہم دونوں ساتھ پیدا ہوئے ہیں، (اس لئے ایک کے قتل ہو جانے سے دوسرا مر ہی جائے گا) اب ہم آپ کے ساتھ مل کر کسریٰ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ قیصر نے کہا، تم نے ٹھیک کیا، پھر ایک نے دوسرے سے (اشارۃً) کہا کہ راز دو آدمیوں کے درمیان رہتا ہے جب دو سے آگے بڑھتا ہے تو پھیل جاتا ہے۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے خنجروں سے ترجمانوں کو قتل کر دیا۔ اس وقت سے رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہو گیا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر رومیوں نے ایرانیوں کو قتل کر دیا۔ کسریٰ بھی مر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی اطلاع صلح حدیبیہ کے روز پہنچی جس کو سُن کر مسلمان اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ اسی قصہ کی طرف غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ اشارہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رُومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے، واللہ اعلم۔ پھر نو (۹) سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

قرآن کریم میں لفظ بِضْع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو (۹) تک ہوتا ہے۔ اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابنِ جریر والی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہیں احتیاطاً دس (۱۰) سال تک رکھنے چاہئے تھے کیونکہ بِضْع کے لفظ کا اطلاق تین سے لے کر نو (۹) تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد قَبْلُ اور بَعْدُ پر پیش اضافت کے ہٹا دینے کی وجہ سے ہے یعنی اس سے پہلے اور اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جبکہ رُوم فارس پر غالب آ جائے گا مسلمان خوشیاں منائیں گے اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی کے دن رُومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، سدیؒ، ثوریؒ اور ابوسعیدؒ یہی فرماتے ہیں، ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ کے سال ہوا تھا۔ عکرمہؒ زہریؒ اور قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے بعضوں نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ قیصر رُوم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکریہ میں پاپیادہ بیت المقدس تک جائیگا۔ چنانچہ اس نے نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔ یہ یہیں تھا جو اس کے پاس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پہنچا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی معرفت بصریٰ

Marfat.com

کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا۔ ہرقل نے نامۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اُموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر پوچھا کہ تم میں سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے؟ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھالیا اور ان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا اگر یہ کسی بات کا غلط جواب دے تو تم اسے جھٹلا دینا۔

ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو یہ لوگ اسے ظاہر کر دیں گے اور پھر اُس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و عادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ۔ انہی میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی، وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اور اُس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے۔

ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور قریش میں یہ بات بھی ٹھہری تھی کہ دس (۱۰) سال تک کوئی لڑائی آپس میں نہ ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ
اللہ کے ہاتھ ہیں سب کام پہلے اور پچھلے

یعنی پہلے فارس کو غالب کرنا، روم کو مغلوب کرنا، اور پیچھے حالات کو اُلٹ دینا، سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ صرف اتنی بات سے کسی قوم کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا تِلْکَ الایام ندا ولھا بین الناس .

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ
اور اس دن خوش ہونگے مسلمان اللہ کی مدد سے

مسلمانوں کی خوشی کا دن

یعنی ایک تو اس دن اپنی فتح کی خوشی اُس پر مزید خوشی یہ ہوئی کہ رومی اہل کتاب (جو نسبتہً مسلمانوں سے اقرب تھے) فارس کے مجوسیوں پر غالب آئے۔ قرآن کی پیشینگوئی کے صدق کا لوگوں نے مشاہدہ کرلیا کفار مکہ کو ہر طرح ذلت نصیب ہوئی۔

يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ ۵
مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا

یعنی جسے مغلوب کرنا چاہے تو کوئی زبردستی کر کے روک نہ سکے اور جس پر مہربانی فرمانا چاہے اُسے بے روک ٹوک غالب کر کے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ
اللہ کا وعدہ ہو چکا خلاف نہ کریگا اللہ اپنا وعدہ لیکن
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۶
بہت لوگ نہیں جانتے۔

اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے

یعنی اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ غالب یا مغلوب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں ہیں اور یہ کہ قدرت جب کوئی کام کرنا چاہے تو سب ظاہری رکاوٹیں دُور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اسی لئے اکثر ظاہر بیں بغیر اسباب ظاہری خدا پر بھروسہ نہیں رکھتے اور کسی کا عارضی غلبہ دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ ہی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ
جانتے ہیں اُوپر اُوپر دنیا کے جینے کو
وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۷
اور وہ لوگ آخرت کی خبر نہیں رکھتے۔

لوگوں کی ظاہر پرستی

یعنی یہ لوگ دنیوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کہ آسائش و آرائش، کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، بونا جوتنا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا بس یہ ہی اُن کے علم و تحقیق کی انتہائی جولانگاہ ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے بُرے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دُور ہے یہیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک

Marfat.com

قوم کبھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اُس کا آخری انجام ذلت وناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

معیشت میں پڑ کر آخرت سے غفلت دانائی نہیں

قرآن کریم اقوامِ دنیا کے عبرتناک قصوں سے بھرا ہوا ہے، جو مکاسبِ دنیا اور عیش وعشرت کے سامان جمع کرنے میں بڑے نام آور تھے، پھر ان کا انجامِ بد بھی دنیا ہی میں لوگوں کے سامنے آیا، اور آخرت کا دائمی عذاب ان کا حصہ بنا، اس لئے ان کو کوئی سمجھدار آدمی عقلاء یا حکماء نہیں کہہ سکتا، افسوس ہے کہ آجکل عقل وحکمت کا سارا انحصار اسی میں سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شخص زیادہ سے زیادہ مال جمع کرے اور اپنی عیش وعشرت کا سامان سب سے بہتر بنالے وہ سب سے بڑا عقلمند کہلاتا ہے، اگرچہ اخلاقِ انسانیت سے بھی کورا ہو، عقل وشرع کی رُو سے اس کو عقلمند کہنا عقل کی توہین ہے، قرآن کریم کی زبان میں عقل والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کو اور آخرت کو پہچانیں، اس کے لئے عمل کریں، دنیا کی ضروریات کو بقدرِ ضرورت رکھیں، اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائیں۔

دنیا کا چندروزہ قیام درحقیقت ایک مسافرانہ قیام ہے، انسان یہاں کا مقامی آدمی (نیشنل) نہیں، بلکہ دوسرے ملک آخرت کا باشندہ ہے، یہاں کچھ مدت کے لئے ویزا پر آیا ہوا ہے، اس کا اصلی کام یہ ہے کہ اپنے اصلی وطن کے لئے یہاں سے سامانِ راحت فراہم کر کے وہاں بھیجے، اور وہ سامانِ راحت ایمان اور عملِ صالح ہے، اس دوسرے رُخ سے بڑے بڑے عاقل کہلانے والے بالکل غافل اور جاہل ہیں۔ (مفتی اعظم رحمہ اللہ)

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ
کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں کہ اللہ نے جو بنائے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا
آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے
بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
سو ٹھیک سادھ کر اور اور وعدہ مقرر پر

تخلیق کائنات کا ایک مقصد ہے

یعنی عالم کا اتنا زبردست نظام اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں پیدا کیا، کچھ اس سے مقصود ضرور ہے وہ آخرۃ میں نظر آئیگا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی، لیکن اس کے تغیرات واحوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہٰذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہوگا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے آپ میں غور کرو

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا۔ یعنی کیا انہوں نے اپنے علم کو صرف ظاہری دنیا پر منحصر رکھا اور دلوں کے اندر باطن پر غور نہیں کیا کہ ان پر دنیا کے اندرونی گوشوں کا انکشاف ہوتا، یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے کیا اپنے نفسوں کے متعلق غور نہیں کیا باوجودیکہ ان کے نفوس اس سے اتنے قریب ہیں کہ دوسری کوئی چیز اتنی قریب نہیں اپنے نفس کے اندر غور کرنے والے کو وہ انکشافات ہوتے ہیں جو سارے عالمِ امکان پر غور کرنے والے کو ہوتے ہیں۔ انسان عالمِ صغیر ہے (اور عالم کبیر کا نمونہ ہے) اگر وہ اپنے دلوں میں غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا اور وہ کہہ اٹھتے کہ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اللہ نے آسمان وزمین اور ان کی درمیانی کائنات کو برحق ہی پیدا کیا ہے (یعنی حکمت ومصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے) اور یہ مقرر مدت (بقاء) کو اپنے ساتھ لئے ہوئے پیدا کئے گئے ہیں یعنی بے کار لاحاصل بغیر کسی کامل حکمت کے نہیں پیدا کئے اور ان کی تخلیق دوامی نہیں ہے بلکہ انکا بقاء ایک خاص مدت کے لئے ہے اس کے بعد قیامت آجائے گی اور حساب فہمی کا وقت آپہنچے گا اور سزا وجزا مل جائے گی۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ کیا تم یہ خیال کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا اور ہماری طرف تم کو نہیں لوٹایا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ کی طرف بازگشت نہ ہو اور اللہ سب کو یوں ہی چھوڑ دے تو تخلیق بیکار ہے لاحاصل ہے۔

غور وفکر کا حاصل

نظام عالم پر غور کرنے والے جانتے ہیں کہ اس کا خالق حکیم ہے اور حکیم بیکار کام نہیں کرتا تخلیقِ عالم کی حکمت خالق کی ذات وصفات کی معرفت ہے اب اگر قیامت نہ آئے اور جزا سزا نہ ملے تو عارف وکافر دونوں برابر ہیں۔ اس کائنات پر غور کرنے والا ہی آخرت کو جانتا ہے اور علم آخرت حاصل ہونے کے بعد اس کے دل سے غفلت دور ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ
اور بہت لوگ
بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸
اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے

وہ سمجھتے ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب و کتاب دینا پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ
کیا انہوں نے سیر نہیں کی ملک کی جو دیکھیں انجام
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا
کیسا ہوا ان سے پہلوں کا اُن سے
اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ
زیادہ تھے زور میں اور جوتا انہوں نے زمین کو اور بسایا اس کو
اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
اُن کے بسانے سے زیادہ اور پہنچے اُن کے پاس رسول اُن کے
بِالْبَيِّنٰتِ ؕ
لے کر کھلے حکم

ماضی کی طاقتور اقوام سے عبرت پکڑو

یعنی بڑی بڑی طاقتور قومیں (مثلاً عاد وثمود) جنہوں نے زمین کو بوجوت کر لالہ وگلزار بنایا، اُسے کھود کر چشمے اور کانیں نکالیں، ان منکرین سے بڑھ کر تمدن کو ترقی دی، لمبی عمریں پائیں اور زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا۔ وہ آج کہاں ہیں؟ جب اللہ کے پیغمبر کھلے نشان اور احکام لے کر آئے اور انہوں نے تکذیب کی تو کیا نہیں سنا کہ انجام کیا ہوا۔ کس طرح تباہ و برباد کیے گئے۔ اُن کے ویران کھنڈر آج بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں۔ کیا اُن میں اِن بیفکروں کے لئے کوئی عبرت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وہ لوگ ان سے زیادہ قوت والے تھے انہوں نے زمین کو الٹ کر رکھ دیا اور ان سے زیادہ زمین کو آباد کیا تھا (بڑی بڑی اونچی عمارتیں بکثرت بنائی تھیں)۔ زمین کو الٹنے کا یہ مطلب ہے کہ پانی نکالنے معاون برآمد کرنے اور کھیتی کرنے کے لئے انہوں نے زمین کو کھودا تھا۔

اہل مکہ کیلئے دعوتِ فکر

اہلِ مکہ ایسی زمین پر آباد تھے جہاں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی تھی بالکل وادی غیر زرع تھی۔ اِدھر اُدھر ان کا پھیلاؤ نہ تھا۔ آیت میں ایک طرح کا طعن ہے مکہ والوں پر، کہ وہ دنیا پر ریجھے ہوئے ہیں فریفتہ ہیں، غرور سے سرمست ہیں باوجودیکہ ان کا حال کمزور ہے۔ دنیا کی فراخی ان کو حاصل نہیں۔ دنیا نام ہے وسعتِ ملک کا، تسلطِ عام کا، تعمیرات کی کثرت کا اور ان کو کچھ بھی میسر نہیں ان کی بستی میں کسی چیز کی پیداوار نہیں اگر موسم سرما و گرما میں یمن و شام کا سفر نہ کریں اور وہاں سے غلہ کپڑا نہ لائیں تو بھوکے ننگے مر جائیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود اپنی حقیر دنیا پر پھولے نہیں سماتے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
سو اللہ نہ تھا ان پر ظلم کرنے والا لیکن وہ اپنا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۹ ؕ
آپ بُرا کرتے تھے

قومیں خود اپنے اوپر ظلم کرتی ہیں

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو ظلم کا امکان نہیں۔ ہاں یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنی جڑ پر کلہاڑی مارتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ بربادی ہو تو یہ اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے عدل و رحم کی کیفیت تو یہ ہے کہ بے رسول بھیجے اور بدون پوری طرح ہوشیار کیے کسی کو پکڑتا بھی نہیں۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰى اَنْ
پھر ہوا انجام بُرا کرنے والوں کا بُرا اس
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع
واسطے کہ جھٹلاتے تھے اللہ کی باتیں اور ان پر ٹھٹھے کرتے تھے

دنیا میں دیکھتا تھا پھر آخرت میں تکذیب واستہزاء کی جو سزا ہے وہ الگ رہی۔ موجودہ اقوام کو چاہئے کہ گذشتہ قوموں کے احوال سے عبرت پکڑیں

Marfat.com

کیونکہ ایک قوم کو جن باتوں پر سزا ملی سب کو وہی سزا مل سکتی ہے۔ سب کی فنا بھی ایک کی فنا سے سمجھو اور سب کی سزا بھی ایک کی سزا سے۔ (تفسیر عثمانی)

گناہ کا اثر

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہی کا ایک نکتہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور گناہ سے نکل آتا ہے اور مغفرت کا طلبگار ہو جاتا ہے تو (دل سے وہ سیاہ نکتہ دور ہو جاتا ہے) دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر مزید گناہ کرتا رہا تو سیاہی کا نکتہ بھی بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ (پورے) دل پر سیاہی چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اور فرمایا ہے كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ بلکہ جو اعمال وہ کرتے تھے ان کا زنگ ان کے دلوں پر چڑھ گیا۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ
اللہ بناتا ہے پہلی بار پھر اس کو دہرائے گا پھر اسی کی طرف
تُرْجَعُوْنَ ۝١١ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝١٢
پھر جاؤ گے اور جس دن برپا ہوگی قیامت آس توڑ کر رہ جائیں گے گنہگار
وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا
اور نہ ہوں گے ان کے شریکوں میں کوئی ان کے سفارش کرنے والے
وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝١٣
اور وہ ہو جائیں گے اپنے شریکوں سے منکر

جھوٹے معبودوں کا انجام

یعنی جن کو اللہ کا شریک بناتے تھے جب وقت پر کام نہ آئیں گے تو منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ واللہ ربنا ما کنا مشرکین (خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے)

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝١٤
اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن لوگ ہونگے قسم قسم

نیک و بد کے فیصلہ کا دن

یعنی نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ کر دیئے جائیں گے اور علیحدہ علیحدہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچا دیئے جائیں گے جس کی تفصیل اگلی آیت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یکے خنداں بصد عشرت یکے نالاں بصد عسرت
یکے در راحت و صلت یکے در شدت ہجراں

اہل جنت اہل جہنم سے جدا کر دیئے جائیں گے۔ (معارف کاندھلوی)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ
سو جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام سو
فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝١٥
باغ میں ہونگے ان کی آؤ بھگت ہوگی

نیکیوں کا انعام

یعنی انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے اور ہر قسم کی لذت و سرور سے بہرہ اندوز ہونگے۔ یہ نیکوں کا ٹھکانہ ہوا۔ آگے بدوں کی جگہ بتلاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں ایسی تفریق اور جدائی کر دی جائے گی جس سے بڑھ کر کوئی جدائی نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

تحبیر کا معنی و مطلب

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور میری قراءت کو سن رہے ہیں تو میں تحبیر سے کام لیتا، یعنی مزید خوش آوازی سے پڑھتا۔

بغوی نے بروایت اوزاعی یحییٰ بن کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ یحبرون جنت کے آسمان کا نام ہے ہنّاد اور بیہقی کی روایت میں بھی یحییٰ بن کثیر کا یہ قول آیا ہے۔

اوزاعی کا بیان ہے جب وہ گانا شروع کرتا ہے تو جنت کا کوئی درخت بغیر سرسبز ہوئے نہیں رہتا۔ یہ بھی امام اوزاعی کا بیان ہے کہ اللہ کی کوئی مخلوق اسرافیل سے زیادہ خوش آواز نہیں جب وہ گانا شروع کرتا ہے تو ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں کی نماز اور تسبیح ختم ہو جاتی ہے۔

جنت میں خوش کلامی

میں کہتا ہوں گانے سے اور شعر سے اس دنیا میں لذت اندوزی کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے اشعار میں محبوب کا ذکر ہو، کلام موزوں ہو، آواز میں حسن ہو، لیکن جنت والوں کے لئے اللہ سے بڑی مرغوب تو کوئی چیز نہ ہوگی اس کے جمال سے زیادہ کسی کا حسن بھی نہیں

Marfat.com

ہے اس لئے جب اس کے دیدار سے بہرہ ور ہوں گے تو اسی کی یاد خوش الحانی کے ساتھ سن کر لذت اندوز ہوں گے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ غزالہ چشم حوریں اپنے شوہروں کے سامنے ایسی حسین آوازوں سے گائیں گی جن کی مثل کسی نے کوئی گانا کبھی نہ سنا ہوگا۔ روایت میں آیا ہے کہ منجملہ دوسرے کلام کے یہ اشعار بھی گائیں گی، ترجمہ: ''ہم سب سے اعلیٰ ہیں ہم عزت والے لوگوں کی بیبیاں ہیں ہم ہمیشہ رہیں گی کبھی نہیں مریں گی ہم امن میں رہیں گی ہم کو کسی بات کا ڈر نہ ہوگا، ہم یہاں مقیم رہیں گی، کبھی یہاں سے کوچ نہیں کریں گی''۔ رواہ الطبرانی عن ابن عمر۔ مرفوعاً کذا اخرج الطبرانی والبیہقی وابن ابی الدنیا عن انسؓ۔

امام احمد نے الزہد میں مالک بن دینار کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمائے گا اسی خوش آوازی کے ساتھ میری مجد بیان کرو، داؤد ایسی آواز سے گانا شروع کر دیں گے جو جنت کی ساری نعمتوں پر غالب آجائے گی۔

اصبہانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اللہ جنت کے درخت کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو گانا سنا جنہوں نے میری یاد میں تمام گانوں اور باجوں کو چھوڑ رکھا تھا درخت اللہ کی تسبیح و تقدیس ایسی آوازوں سے گائے گا جس کی مثل کسی مخلوق نے کبھی نہیں سنی ہوں گی۔

گانا سننے کی سزا

اس موضوع کی احادیث بکثرت ہیں۔ حکیم نے نوادر الاصول میں حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے (دنیا میں) گانے کی آواز سنی اس کو روحانیات کی آواز سننے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ!، روحانی کون؟ فرمایا اہلِ جنت کے سامنے پڑھنے والے۔

دینوری نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جو لوگ اپنی آوازوں اور کانوں کو بیہودہ گانوں اور شیطانی مزامیر سے پاک رکھتے ہیں قیامت کے دن اللہ ان کو مشکی باغوں میں قیام پذیر کرے گا اور فرشتوں کو حکم دے گا میرے بندوں کو میری ثناء و مجد سناؤ اور ان کو اطلاع دیدو کہ آئندہ ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا نہ غمگین ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ سماع

کسی خوش الحان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کا سماع یا کسی ایسے اشعار کا سماع جو یاد آخرت میں ممد ہوں وہ جائز ہے بشرطیکہ وہ خوش الحان اور غزل خواں اجنبی عورت یا کم سن لڑکا نہ ہو اور بشرطیکہ طبلہ اور سارنگی نہ ہو۔ اس لئے کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے غزل کا تو ذکر ہی کیا ہے اور طبلہ اور سارنگی اور اس قسم کے گانے بجانے کے آلات تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام رہے ہیں البتہ اگر کسی کی بیوی خوش الحان ہو تو فقط اس کو اپنی بیوی کا سماع جائز ہے بشرطیکہ وہ خلوت اور تنہائی میں ہو اور کوئی نامحرم مرد اور نامحرم عورت وہاں موجود نہ ہو۔ اور جو سماع قواعدِ شریعت کے تحت جائز ہو اس کے متعلق حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کا یہ فتویٰ ہے

زندہ دلاں مردہ تناں رارداست　　مردہ دلاں زندہ تناں راخطاست

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

بگویم سماع اے برادر کہ چیست　　مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گران برج معنی بود طیر او　　فرشتہ فرو ماند از سیر او
دگر مرد لہوست وبازی دلاغ　　قوی تر شود لہوش اندر دماغ

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ میں سماع کی حقیقت جب بیان کروں کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ مستمع (سننے والا) کون ہے۔ آیا وہ سماع کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں اگر بوقت سماع مستمع کا مرغ روح عالمِ بالا کی طرف ایسی پرواز کرے کہ جہاں تک پہنچنے سے فرشتہ بھی عاجز ہو جائے تو اس کا حکم دوسرا ہے یہ شخص سماع کا اہل ہے اور نااہل وہ ہے کہ سماع سے اس کے لہو و لعب اور نفسانیت میں اور اضافہ اور ترقی ہو جائے تو ایسا سماع بلاشبہ حرام ہے خاص کر جب کہ گانے والی کوئی خوبصورت عورت ہو یا کوئی حسین لڑکا ہو اور طبلہ اور سارنگی بھی ہو اور شیرینی اور مٹھائی کی ٹوکریاں بھی ہوں اور طبلہ بجانے والی چھوکریاں بھی ہوں تو اس کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ
اور　جو منکر ہوئے　اور جھٹلائیں　ہماری باتیں اور ملنا
الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾
پچھلے گھر کا　سودہ　عذاب میں　پکڑے آئیں گے

Marfat.com

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

سو پاک اللہ کی یاد کرو جب شام کرو اور جب صبح کرو

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا

اور اُسی کی خوبی ہے آسمان میں اور زمین میں اور پچھلے وقت

وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور جب دوپہر ہو

یادِ الٰہی اور پانچ نمازیں

یعنی جنت چاہتے ہو تو اللہ پاک کی یاد کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے۔ نماز میں تینوں قسم کی یاد جمع کر دی گئی۔ اور اوقات فرض نماز کے یہ ہی ہیں جو آیت میں بیان ہوئے۔ یعنی صبح، شام (جس میں مغرب و عشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت (عصر) اور دوپہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں۔ اِن اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ آفتاب عالمِ اجسام میں سب سے بڑا روشن کُرہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے عالمِ اسباب میں شاید ہی کوئی مادّی مخلوق مستثنیٰ ہو (جیسا کہ ارج النجوم کے مصنف نے بہت شرح و بسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اُسے معبودِ اکبر قرار دیا تھا جسکی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ میں اشارہ ہے۔ اُس کے عجز و بیچارگی اور آفتاب پرستوں کی اُس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی اِن ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دوپہر ڈھلنے پر جبکہ اُس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی اور عصر کے وقت جبکہ اُس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آ گیا اور غروب کے بعد جب اُس کی نورانی شعاعوں کے اتصال سے اُس کے پجاری محروم ہو گئے۔ پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہو گئی اور روشنی کے ادنیٰ ترین آثار بھی اُفق پر باقی نہ رہے۔ اِن اوقات میں موحدین کو حکم ہوا کہ خدائے اکبر کی عبادت کریں۔ اور شروع صلوٰۃ ہی میں اللہ اکبر کہہ کر اُس موحّد اعظم (ابراہیم خلیل اللہ) کی اقتداء کرتے رہیں۔ جس نے هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ کے بعد فرمایا تھا اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ (انعام-رکوع۹) شاید آیت ہذا میں فرما کر یہ ہی یاد دلایا ہے کہ تسبیح و تنزیہ اور یاد کرنے کے لائق وہ ہی ذات ہو سکتی ہے جس کی خوبی آسمان و زمین کی کل کائنات زبانِ حال و قال سے بیان کر رہی ہے کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آگے اُسی خدائے اکبر کی بعض شئونِ عظیمہ اور صفاتِ کاملہ کا بیان ہے تا معبودیت کا استحقاق اور زیادہ واضح ہو جائے اسی ضمن میں بعث بعد الموت کے مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پانچ نمازوں کا ذکر قرآن میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے، تو فرمایا ہاں! اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا کہ حِيْنَ تُمْسُوْنَ میں نماز مغرب اور حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ میں نماز فجر اور عَشِيًّا میں نماز عصر اور حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ میں نماز ظہر کا ذکر صریح موجود ہے، اب صرف ایک نمازِ عَشِيًّا رہی، اس کے ثبوت میں دسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ (معارف مفتی اعظم)

بغوی نے لکھا ہے کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابنِ عباس سے پوچھا کیا پانچوں نمازوں کا ذکر قرآن مجید میں کہیں ہے۔ فرمایا، ہاں پھر یہی دونوں آیتیں پڑھ دیں اور فرمایا یہ آیت پانچوں نمازوں اور ان کے اوقات کو حاوی ہے۔

تمام گناہ معاف

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات دن میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھے گا اس کے (سارے) گناہ ساقط کر دیئے جائیں گے خواہ سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ (متفق علیہ)

سب سے بڑا عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح شام سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سو مرتبہ پڑھے گا قیامت کے دن اس سے بڑھ کر کوئی عمل اور کوئی نہیں لائے گا سواء اس شخص کے جس نے اسی کی طرح پڑھا ہو یا اس سے زائد پڑھا ہو۔ (متفق علیہ۔ رواہ ابو ہریرہ)

زبان پر ہلکے اور ترازو میں بھارے کلمے

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

Marfat.com

دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (آسانی کے ساتھ ادا ہو جاتے ہیں) میزان میں (یعنی قیامت میں باوزن میں) بھاری ہوں گے رحمٰن کو پیارے ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہِ الْعَظِیم. (متفق علیہ)

سبحان اللہ کیا ہے؟

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک روز فرمایا الحمدللّٰہ کو تو ہم جانتے ہیں لوگ ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہیں اور لاَاله الا اللّٰه کو بھی ہم جانتے ہیں اللہ کے سوا بتوں کی پوجا ہوتی ہی تھی اور اللّٰه اکبر کو بھی جانتے ہیں نمازی تکبیر کہتا ہی ہے لیکن سبحان اللّٰه کا کیا مطلب ہے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا اللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر عمر رضی اللہ عنہ اتنا بھی نہ جانے کہ اللہ اعلم ہے تو بڑا بدنصیب ہے (یعنی اللہ کا عالم کل ہونا تو میں بھی جانتا ہوں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر المؤمنین یہ ایسا نام ہے کہ اس کو کوئی مخلوق اپنے لئے استعمال نہیں کر سکتی۔ ساری مخلوق کا اسی کی طرف رجوع ہے اسی کے واسطے یہ کلمہ کہنا واجب ہے۔) (از مفسّر رحمۃ اللہ علیہ)

چار وزنی اور بڑھیا کلمے

حضرت جویریہ بنت الحارث جن کا نام برہ تھا مسجد میں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے ایک صبح کو اٹھ کر مسجد سے باہر چلے گئے پھر دن چڑھے واپس تشریف لائے اور فرمایا جب سے میں یہاں سے گیا ہوں اس وقت سے اب تک تم یہیں بیٹھی (وظیفہ پڑھ رہی) ہو۔ حضرت جویریہ نے کہا جی ہاں۔ فرمایا، میں نے تو تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین بار پڑھے تھے اگر تمہارے (وظیفہ کے) الفاظ سے ان کا موازنہ کیا جائے تو وہ بھاری پڑیں گے (چار کلمے یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰہِ وبِحَمْدِہٖ ، عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَا نَفْسِہٖ وَزِنَةَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ (رواہ مسلم)

حضرت سمرہ بن جندب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بڑھیا چار جملے ہیں: سُبْحَان اللّٰہِ اور الحَمْدُ للّٰہِ اور لاالہ الا اللّٰہُ اور اللّٰه اکبر .

دوسری روایت میں آیا ہے اللہ کو سب سے پیارے جملے چار ہیں: سُبْحَان اللّٰہِ اور الحَمْدُ للّٰہِ اور لاالہ الا اللّٰہُ اور اللّٰه اکبر ۔ جس سے شروع کرو کوئی حرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں) (رواہ مسلم)

سب سے اعلیٰ کلام

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب سے اعلیٰ کونسا کلام ہے فرمایا (افضل کلام) وہ ہی ہے جو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے (یعنی ملائکہ پڑھتے ہیں) سُبحان اللّٰہِ وبحمدِہٖ ۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے سُبحان اللّٰه العظیم وبِحمدِہٖ کہا اس کے لئے جنت کے اندر ایک درخت خرما بو دیا گیا (یعنی جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ان الفاظ کا بھی ہوگا۔) رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کا نام کیسے ملا؟

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ خدا تعالیٰ نے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کا نام خلیل وفادار کیوں رکھا؟ اس لئے کہ وہ صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ سے تُظْهِرُوْنَ تک کی دونوں آیتیں تلاوت فرمائیں۔

رات کے نقصان کا ازالہ

طبرانی کی حدیث میں ان دونوں آیتوں کی نسبت ہے کہ جس نے صبح شام یہ پڑھ لیں اس نے دن رات میں جو اس سے فوت ہوا ہو اُسے پالیا۔

نیند نہ آنے کا علاج

طبرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ راتوں کو میری نیند اُچاٹ ہو جایا کرتی تھی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو اللّٰهُمَّ غارَتِ النجوم وهَدَتِ العَيُون وأنْتَ حيّ قيومٌ ياحيُ ياقَيُومُ انتم عيني وَاهدِئ لَيْلِيْ میں نے جب اس دعا کو پڑھا تو نیند نہ آنے کی بیماری بفضلِ خدا دُور ہو گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو
مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے

Marfat.com

وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے

قدرتِ الٰہی کی کارسازیاں

یعنی انسان کو نطفہ سے، نطفہ کو انسان سے، جانور کو بیضہ سے اور بیضہ کو جانور سے، مؤمن کو کافر سے، کافر کو مؤمن سے پیدا کرتا ہے اور زمین جب خشک ہو کر مر جاتی ہے تو رحمت کے پانی سے پھر زندہ کر کے سبز و شاداب کر دیتا ہے۔ غرض موت و حیات حقیقی ہو یا مجازی، حسی ہو یا معنوی، سب کی باگ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر تم کو زندہ کر کے قبروں سے نکال کھڑا کرنا اُس کے نزدیک کیا مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے

اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

پھر اب تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے

مٹی سے تخلیق انسان

یعنی آدم کو مٹی سے بنایا، پھر دیکھو قدرت نے اُسے کتنا پھیلایا کہ ساری زمین پر اس کی ذرّیت چھا گئی اور زمین میں پھیل کر کیسی کیسی عجیب و غریب ہشیاریاں اس مٹی کے پتلے نے دکھلائیں۔ (تفسیر عثمانی)

پہلی آیت قدرت

انسان جیسے اشرف المخلوقات اور حاکم کائنات کو مٹی سے پیدا کرنا ہے جو اس دنیا کے عناصر ترکیبیہ میں سب سے زیادہ ادنیٰ درجہ کا عنصر ہے جس میں حس و حرکت اور شعور و ادراک کو کوئی شمہ نظر نہیں آتا، کیونکہ مشہور چار عناصر آگ، پانی، ہوا، اور مٹی کے سوا اور سب عناصر میں کچھ نہ کچھ حرکت تو ہے، مٹی اس سے بھی محروم ہے، قدرت نے تخلیقِ انسانی کے لئے اس کو منتخب فرمایا، ابلیس کی گمراہی کا سبب یہی بنا کہ اس نے آگ کے عنصر کو مٹی سے اشرف و اعلیٰ سمجھ کر تکبّر اختیار کیا، اور یہ نہ سمجھا کہ شرافت اور بزرگی خالق و مالک کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے بڑا بنا سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دیے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے

لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ

کہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں

توالد و تناسل کا نظام

یعنی اوّل مٹی سے ایک آدم کو پیدا کیا پھر اُسی کے اندر سے اُس کا جوڑا نکالا تا کہ اُس سے اُنس اور چین پکڑے اور پیدائشی طور پر دونوں صنفوں (مرد و عورت) کے درمیان خاص قسم کی محبت اور پیار رکھ دیا تا مقصود ازدواج حاصل ہو۔ چنانچہ دونوں کے میل جول سے نسل انسانی دنیا میں پھیل گئی۔ کما قال تعالیٰ: یٰاَیھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھازوجھا وَ بث منھما رجالا کثیرا ونساءً (تفسیر عثمانی)

دوسری آیت قدرت

یہ ہے کہ انسان ہی کی جنس میں اللہ تعالیٰ نے عورتیں پیدا کر دیں جو مردوں کی بیبیاں بنیں ایک ہی مادہ سے ایک ہی جگہ میں ایک ہی غذا سے پیدا ہونے والے بچوں میں یہ دو مختلف صورتیں پیدا فرما دیں۔ (معارف مفتی اعظم)

سامانِ راحت

لِّتَسْكُنُوْٓا یعنی تم عورتوں کی طرف مائل ہو اور ان سے انسیت کرو۔ اتحادِ جنسیت موجب انسیت ہے اور اختلافِ جنسیت باعثِ نفرت۔

بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان یعنی مردوں اور عورتوں کے درمیان یا افرادِ جنس کے درمیان۔ مودۃ ورَحْمَةً یعنی صنفی خواہش کے غلبہ کے وقت ازدواجی تعلق قائم کرنے کے ذریعہ سے۔ تمہارے اندر اللہ نے باہم محبت اور شفقت پیدا کر دی تا کہ معاشی نظم درست ہو جائے۔ یا باہمی رحمت و محبت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر تعاون موقوف ہے اور باہمی تعاون پر انسانی معیشت کا مدار ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون و راحتِ قلب ہے، جس گھر میں یہ موجود ہے وہ اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہے، جہاں قلبی سکون نہ ہو اور چاہے سب کچھ ہو وہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ناکام و نامراد ہے۔

Marfat.com

مرد وعورت کے باہمی معاملات کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ ان کے حقوق باہمی پورے ادا کرانے پر نہ کوئی قانون حاوی ہوسکتا ہے نہ کوئی عدالت ان کا پورا انصاف کرسکتی ہے اسی لئے خطبۂ نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی وہ آیات انتخاب فرمائی ہیں جن میں تقویٰ اور خوفِ خدا و آخرت کی تلقین ہے کہ وہی درحقیقت زوجین کے باہمی حقوق کا ضامن ہوسکتا ہے۔

ارشاد فرمایا؟ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط یعنی اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان صرف شرعی اور قانونی تعلق نہیں رکھا بلکہ ان کے دلوں میں مودّت اور رحمت پیوست کردی۔ وُدّ اور مَوَدَّت کے لفظی معنی چاہنے کے ہیں، جس کا ثمرہ محبت و الفت ہے، یہاں حق تعالیٰ نے دو لفظ اختیار فرمائے، ایک مودّت، دوسرے رحمت۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ اور منجملہ اس کی آیات قدرت کے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ذاتوں سے یعنی تمہاری جنس سے جوڑے پیدا کئے یعنی عورتیں تاکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے ان کی طرف میل کرو اور ان سے مل کر سکون حاصل کرو اور چین پکڑو اس لئے کہ ہم جنس ہونا میلان طبیعت اور رغبت کا سبب ہے اور خلاف جنس ہونا نفرت کا باعث ہے۔ نظم

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ — ندارد ہیچ کس از جنس خود ننگ
بجنس خویش وارد میل ہر جنس — فرشتہ با فرشتہ انس با انس!

(معارف کاندھلوی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری اور رنگ اس میں بہت نشانیاں
لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾
ہیں سمجھنے والوں کو

شکل وصورت اور بولیوں کا اختلاف

سب انسان ایک ماں باپ سے بنائے، ملا کر بسائے، پھر تمام روئے زمین پر اُن کو پھیلا دیا۔ سب کی جُدا جُدا بولیاں کردیں۔ ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جا کر زبان کے اعتبار سے محض اجنبی ہو گیا۔ پھر دیکھو کہ شروع دنیا سے آج تک کتنے بیشمار آدمی پیدا ہوئے مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا لب ولہجہ، تلفظ، طرز تکلم بالکل یکساں ہو۔ جس طرح ہر آدمی کی شکل وصورت اور رنگت وغیرہ دوسرے سے ممتاز ہے، آواز اور لب ولہجہ بھی بالکل الگ ہے کوئی دو شخص ایسے نہ ملیں گے جن کی آواز اور رنگ، روپ میں کوئی مابہ الامتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی نئی صورتیں اور بولنے کے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانہ میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا۔ حقیقت میں یہ کتنا بڑا نشان حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تیسری آیت قدرت

آسمان وزمین کی تخلیق اور انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب ولہجہ کا مختلف ہونا اور مختلف طبقات کے رنگوں میں امتیاز ہونا ہے، کہ بعض سفید ہیں بعض سیاہ بعض سرخ بعض زرد، اس میں آسمان وزمین کی تخلیق تو قدرت کا عظیم شاہکار ہے ہی، انسانوں کی زبانیں مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمۂ قدرت ہے، زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے، عربی، فارسی، ہندی، ترکی، انگریزی وغیرہ کتنی مختلف زبانیں ہیں جو مختلف خطوں میں رائج ہیں۔

اس آیتِ قدرت میں متعدد چیزیں آسمان، زمین، اختلافِ السنہ، اختلافِ اَلوان، اور ان کے ضمن میں اور بہت سی قدرت وحکمت کی نشانیاں ہیں، اور وہ ایسی کھلی ہوئی ہیں کہ کسی مزید غور وفکر کی بھی ضرورت نہیں، ہر آنکھوں والا دیکھ سکتا ہے، اس لئے اس کے ختم پر ارشاد فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ یعنی اس میں بہت سی نشانیاں ہیں سمجھ رکھنے والوں کے لئے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات اور دن میں
وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط
اور تلاش کرنا اس کے فضل سے

انسان کی دو حالتیں

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ انسان کی دو حالتیں بدلتی ہیں،

Marfat.com

سویا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا ہشیار کوئی نہیں۔ اصل تو رات ہے سونے کو اور دن تلاش کو پھر دونوں وقت دونوں کام ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مطلب ہے کہ رات میں تمہارا سونا اور دن میں روزی کو طلب اور تلاش کرنا قدرت و مصلحت کی نشانی ہے دو حروف عطف کے ساتھ دو فعلوں کو دو اوقات کے ساتھ ملا دیا تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اگر ایک فعل دن کے ساتھ اور ایک فعل رات کے ساتھ (عادتاً) مخصوص ہے لیکن ہر کام ہر وقت ہو سکتا ہے (رات کو کمائی اور دن کو نیند بھی ہو سکتی ہے) اس کی تائید دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے جو اسی مضمون کی حامل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

چوتھی آیت قدرت

انسانوں کا سونا رات میں اور دن میں، اسی طرح ان کی تلاش معاش ہے رات میں اور دن میں، اس آیت میں تو نیند کو بھی دونوں میں بیان فرمایا ہے اور تلاشِ معاش کو بھی، اور بعض دوسری آیات میں نیند کو صرف رات میں اور تلاش معاش کو دن میں بتلایا ہے، وجہ یہ ہے کہ رات میں اصل کام نیند کا ہے، اور کچھ تلاش معاش کا بھی چلتا ہے، اور دن میں اس کے برعکس اصل کام تلاش معاش کا ہے، اور کچھ سونے آرام کرنے کا بھی وقت ملتا ہے، اس لئے دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، بعض مفسرین تاویل کر کے اس آیت میں بھی نیند کو رات کے ساتھ اور تلاش معاش کو دن کے ساتھ مخصوص کیا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں۔

سونا اور تلاش معاش زہد و توکل کے منافی نہیں

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سونے کے وقت سونا اور جاگنے کے وقت تلاش معاش انسان کی فطرت بنائی گئی ہے، اور ان دونوں چیزوں کا حاصل کرنا انسانی اسباب و کمالات کے تابع نہیں، بلکہ درحقیقت یہ دونوں چیزیں خالص عطاء حق ہیں، جیسا کہ رات کا مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات نیند اور آرام کے سارے بہتر سے بہتر سامان جمع ہونے کے باوجود نیند نہیں آتی، بعض اوقات ڈاکٹری گولیاں بھی نیند لانے میں فیل ہو جاتی ہیں، اور جس کو مالک چاہتا ہے کھلی زمین پر دھوپ اور گرمی میں نیند عطا فرما دیتا ہے۔

یہی حال تحصیل معاش کا رات دن مشاہدہ میں آتا ہے کہ دو شخص یکساں علم و عقل والے برابر کے مال والے، برابر کی محنت والے تحصیلِ معاش کا یکساں ہی کام لیکر بیٹھتے ہیں ایک ترقی کر جاتا ہے دوسرا رہ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالمِ اسباب بڑی حکمت و مصلحت سے بنایا ہے، اس لئے تلاشِ معاش اسباب ہی کے ذریعہ کرنا لازم ہے مگر عقل کا کام یہ ہے کہ حقیقت شناسی سے دور نہ ہو ان اسباب کو اسباب ہی سمجھے اور اصل رازق اسباب کے بنانے والے کو سمجھے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۴﴾	
اس میں بہت پتے ہیں ان کو	جو سنتے ہیں

یعنی جو سُن کر محفوظ رکھتے ہیں کما فی تفسیر ابن کثیرؒ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''اپنے سونے کے احوال نظر نہیں آتا۔ سو لوگوں کی زبانی سُنتے ہیں۔'' (موضح) یہ لفظ یسمعون اختیار کرنے کا نکتہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا	
اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہے تم کو بجلی ڈر اور اُمید کے لئے	

بارش کا انتظام

بجلی کی چمک دیکھ کر لوگ ڈرتے ہیں کہیں کسی پر گر نہ پڑے۔ یا بارش زیادہ نہ ہو جائے جس سے جان و مال تلف ہوں۔ اور اُمید بھی رکھتے ہیں کہ بارش ہو تو دنیا کا کام چلے۔ مسافر کبھی اندھیرے میں اِسکی چمک کو غنیمت سمجھتا ہے کہ کچھ دُور تک راستہ نظر آ جائے اور کبھی خوف کھا کر گھبراتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ	
اور اتارتا ہے آسمان سے	پانی پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو
بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾	
مر گئے پیچھے	اس میں بہت پتے ہیں ان کے لئے جو سوچتے ہیں

یعنی اسی سے سمجھ لو کہ مَرے پیچھے تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ	
اور اس کی نشانیوں سے یہ ہے	کہ کھڑا ہے آسمان اور زمین اُس کے حکم سے

آسمان و زمین کا بقاء

پہلے آسمان و زمین کا پیدا کرنا مذکور ہوا تھا یہاں اُن کے بقاء و قیام کو بتلایا کہ وہ بھی اُسی کے حکم سے ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی اپنے مرکزِ ثقل سے ہٹ جائے۔ یا ایک دوسرے پر گر کر نظامِ کائنات کو درہم برہم کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ
پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین میں سے
اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾
اسی وقت تم نکل پڑو گے

یعنی زمین و آسمان جب تک اُس کا حکم ہے قائم رہیں گے۔ پھر جس وقت دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی ایک پکار پر تم سب قبروں سے نکلے چلے آؤ گے میدان حشر کی طرف۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے اُس خدا تعالیٰ کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر)

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾
سب اس کے حکم کے تابع ہیں

آسمان و زمین حکم صرف اللہ ہی کا ہے

یعنی آسمان و زمین کے رہنے والے سب اُسی کے مملوک بندے اور اُسی کی رعیت ہیں، کس کی طاقت ہے کہ اُس کے حکم تکوینی سے سرتابی کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا، ہر ایک (بغیر کسی اختیار کے) پیدا ہونے، جینے، مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے میں حکم کا بندہ ہے۔ خواہ حکمِ عبادت سے سرکشی کرتا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
اور وہ ہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا
وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ
اور وہ آسان ہے اس پر

اوّل و آخر پیدا کرنا برابر ہے

یعنی قدرت الٰہی کے سامنے تو سب برابر ہیں لیکن تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اوّل بار پیدا کرنے سے دوسری بار دہرا دینا آسان ہونا چاہئے پھر یہ عجیب بات ہے کہ اوّل پیدائش پر اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو مستبعد سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ مخلوق کے لئے دوبارہ پیدا ہو جانا پہلی مرتبہ پیدا ہو جانے سے سہل ہوگا کیونکہ وہ صرف ایک آواز سے اٹھ کر نکل آئیں گے۔ پہلی پیدائش دشوار تھی، نطفہ بنا پھر بستہ خون ہوا پھر بوٹی بنا پھر مرد یا عورت بنا پھر پیدا ہوا، حبان نے بحوالہ کلبی اور صالح کی روایت سے حضرت ابن عباس کا جو قول نقل کیا ہے اس کا یہی معنی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
اور اس کی شان سب سے اوپر ہے آسمان اور زمین میں
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع
اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا

اونچی شان اللہ کی ہے

یعنی اعلےٰ سے اعلےٰ صفات اور اونچی سے اونچی شان اُس کی ہے۔ آسمان و زمین کی کوئی چیز اپنے حُسن و خوبی میں اُسکی شان و صفت سے لگا و نہیں کھا سکتی۔ مساوی ہونا تو کجا، وہ تو اُس سے بھی بالا و برتر ہے جہاں تک مخلوق اُس کے جلال و جمال کا تصور کر سکتی ہے بلکہ جو خوبی کسی جگہ موجود ہے وہ اُسی کے کمالات کا ادنیٰ پرتو ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”آسمان کے فرشتے نہ کھائیں نہ پئیں نہ حاجت بشری رکھیں، سوائے بندگی کے کچھ کام نہیں اور زمین کے لوگ سب چیز میں آلودہ۔ پر اللہ کی صفت نہ اُن سے ملے نہ اِن سے، وہ پاک ذات ہے“ (موضح)

اے برتراز خیال وقیاس وگمان ووہم
وزہرچہ گفتہ اندشنیدیم وخواندہ ایم
منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

وللہ درّ من قال

اے بروں از وہم وقال وقیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من

(تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس کی مثل اعلیٰ یہی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی نہیں۔ عبدالرزاق نے بروایت ابن ابی حاتم اس آیت کی تشریح میں

Marfat.com

قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ مثل اعلیٰ لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے میں کہتا ہوں اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت مثل اعلیٰ ہے۔

شانِ نزول

طبرانی نے نقل کیا ہے کہ اہل شرک حج کی لبیک کہنے کے موقع پر لبیک کے ساتھ کہا کرتے تھے لاشریک لک اِلا شریکا ھولک تملکه وما ملک ،اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں سواء اس شریک کے جس کو تو نے شریک کرلیا ہے تو اس کا مالک ہے وہ تیرا مالک نہیں۔اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ
بتلائی تم کو ایک مثل تمہارے اندر سے دیکھو جو تمہارے
مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ
ہاتھ کے مال ہیں ان میں ہیں کوئی ساجھی
فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ
تمہارے ہماری دی ہوئی روزی میں کہ تم سب اس میں برابر رہو خطرہ رکھو انکا
كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
جیسے خطرہ رکھو اپنوں کا یوں کھول کر بیان کرتے ہیں ہم
لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾
نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں

شرک کی برائی کیلئے عام فہم مثال

یعنی شرک کا قبح وبُطلان سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہی احوال میں سے ایک مثال نکال کر بیان فرماتا ہے۔ وہ یہ کہ تمہارے ہاتھ کا مال (یعنی لونڈی غلام) جن کے تم محض ظاہری اور مجازی مالک ہو کیا اپنی روزی اور مال ومتاع میں جو حق تعالیٰ نے دے رکھی ہے، تم اُن کو برابر کا شریک تسلیم کر سکتے ہو جس طرح مشترک اموال وجائداد میں اپنے بھائی بند حصہ دار ہوتے ہیں اور ہر وقت کھٹکا رہتا ہے کہ مشترک چیز میں تصرف کرنے پر برہم ہو جائیں یا تقسیم کرانے لگیں یا کم از کم سوال کر بیٹھیں کہ ہماری اجازت اور مرضی کے بدون فلاں کام کیوں کیا۔ کیا ایسا ہی کھٹکا ایک آقا کو اپنے غلام یا نوکر کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر نہیں تو سمجھنا چاہئے کہ جب ایک جھوٹے مالک کا یہ حال ہے اُس سچے مالک کو اپنے غلام کی کیا پروا ہو سکتی ہے جس کو تم حماقت سے اُس کا ساجھی گنتے ہو۔ ایک غلام تو آقا کی ملک میں شریک نہ ہو سکے۔ حالانکہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور اُسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ مگر ایک مخلوق در مخلوق، خالق کی خدائی میں شریک ہو جائے؟ ایسی مہمل بات کوئی عقلمند قبول نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ جیسے تم کو اپنے لوگوں کا اندیشہ رہتا ہے جو تمہاری طرح آزاد ہیں۔ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں ہوتا اس کو تم اپنے لئے عار سمجھتے ہو، باوجودیکہ تم سب آدمی ہو پھر بھی غلاموں کے ساتھ مالی شرکت اور مساویانہ تصرف گوارا نہیں پھر تعجب ہے کہ ان پتھروں کو جو عاجز ترین مخلوق ہیں اس اللہ کا شریک قرار دیتے ہو جو زمین آسمان کا خالق ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ
بلکہ چلتے ہیں یہ بے انصاف اپنی خواہشوں پر بن سمجھے

خواہش پرستی کا نقصان

یعنی یہ بے انصاف لوگ ایسی صاف وواضح باتوں کو کیونکر سمجھیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اوہام و خواہشات کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ
سو کون سمجھائے جس کو اللہ نے بھٹکایا اور کوئی نہیں
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾
اُن کا مددگار

یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے اُس کی بے انصافی جہل اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی۔ اب کون طاقت ہے جو اُسے سمجھا کر راہِ حق پر لے آئے یا مدد کر کے گمراہی اور تباہی سے بچا لے لہٰذا ایسوں کی طرف سے زیادہ متحیر اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ اِن سے قطع نظر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف توجہ کیجئے۔ اور دین فطرت پر جمے رہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ
سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر

Marfat.com

آپ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہیں

یعنی جو گمراہی سے کسی طرح نکلنا نہیں چاہتا اُسے شرک کی دلدل میں پڑا رہنے دو اور تم ہر طرف سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہو اور اس کے سچے دین کو پوری توجہ اور یک جہتی سے تھامے رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ
وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو

فطرتِ انسانی

اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور بدءِ فطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اُس کے دل میں بطور تخم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گرد و پیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متأثر نہ ہو اور اصلی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق کو اختیار کرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ "عہدِ الست" کے قصہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرۃً (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے بعدہٗ ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو "حنفاء" پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے اغوا کر کے انہیں سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا۔ بہرحال دین حق دین حنیف اور دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اُس کی فطرت پر مخلی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اُسی کی طرف جھکے تمام انسانوں کی فطرۃ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ فرض کرو اگر فرعون یا ابوجہل کی اصلی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت نہ ہوتی تو اُن کو قبول حق کا مکلّف بنانا صحیح نہ ہوتا۔ جیسے اینٹ پتھر، یا جانوروں کو شرائع کا مکلّف نہیں بنایا۔ فطرتِ انسانی کی اسی یکسانیت کا یہ اثر ہے کہ دین کے بہت سے اصول مہمہ کو کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان تسلیم کرتے ہیں گو اُن پر ٹھیک ٹھیک قائم نہیں رہتے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اللہ سب کا مالک حاکم، سب سے نرالا، کوئی اُس کے برابر نہیں، کسی کا زور اس پر نہیں، یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ اُس پر چلنا چاہیے۔ ایسے ہی کسی کے جان و مال کو ستانا، ناموس میں عیب لگانا، ہر کوئی بُرا جانتا ہے۔ ایسے ہی اللہ کو یاد کرنا، غریب پر ترس کھانا، حق پورا دینا، دغا نہ کرنا ہر کوئی اچھا جانتا ہے۔ اِس (راستہ) پر چلنا وہ ہی دین سچا ہے (یہ امور فطری تھے مگر) ان کا بندوبست پیغمبروں کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے سکھلا دیا۔" (تفسیر عثمانی)

فطرت (بہ معنی پیدائش) سے مراد حضرت ابن عباس اور جماعتِ مفسرین کے نزدیک اسلام ہے۔ آیت میں براہِ راست خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذیل میں ساری امت کو ہے۔ فطرت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ساری مخلوق کے لئے اطاعتِ الٰہی لازم ہے۔

الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا، یعنی تمام لوگوں کے اندر صلاحیت اور استعداد پیدا کر دی ہے کہ فطرت کو جان سکتے ہیں اور اس پر چل سکتے ہیں (گویا فطرت سے مراد ہے فطری استعداد جو ہر شخص میں پیدائشی ہے) بعض علماء کے نزدیک فطرت سے وہ وعدہ مراد ہے جو اللہ نے حضرت آدم اور آپ کی ساری نسل سے کیا تھا اور فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، قَالُوْا بَلٰی تو سب نے جواب دیا کیوں نہیں (تو ہی ہمارا رب ہے) ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اسی ازلی اقرار پر پیدا ہوتا ہے یہ ہی حنیفیت ہے جس پر سارے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔ سورۃ آل عمران میں آیت مذکورہ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آئی ہوئی یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے سے چوپایہ سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم کسی کو پیدائشی نکٹا، بوچا پاتے ہو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ تلاوت فرمائی۔ (متفق علیہ)

اسلام دین فطرت ہے

ارشاد ربانی **فاقم وجهک للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله** (سورہ روم ع۴) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی **کل مولود یولد علی الفطرة** (او قال "علیه الاسلام") **فابواه یهود انه وینصر انه** (او کما قال صلی الله علیه وسلم) کا مفاد یہ ہے کہ ایمان وجودی چیز ہے جو فطرت انسان میں ودیعت ہوتی ہے، کفر اس کی نفی کا نام ہے۔ ایمان اور کفر میں تقابل عدم اور ملکہ کا ہے، کفر عارض ہے اور ایمان اصل، جیسے چراغ کی لو پر دھواں یا آگ کے گرد اگرد راکھ پس (آیت **ختم الله علی قلوبهم** میں) "ختم" سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فطری صلاحیت ودیعت ہوئی تھی مگر اس پر کفر و تمرد کا اتنا پردہ پڑ گیا کہ ایمان کی روشنی اندر نہیں پہنچ سکتی (از افادات مدنی رحمہ اللہ)

ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے

بخاری شریف میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے

Marfat.com

یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ ہوتا ہے کس کے کان لوگ کتر دیتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۔

مشرکوں کے بچے

مسند احمد میں ہے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کیا وہاں ہم بفضلِ خدا تعالیٰ غالب آ گئے اُس دن لوگوں نے بہت سے کفار کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا بات ہے کہ لوگ حد سے آگے نکل جاتے ہیں، آج بچوں کو بھی قتل کر دیا ہے۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ! آخر وہ بھی تو مشرکین کی ہی اولاد تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ یاد رکھو تم میں سے بہترین لوگ مشرکین کے بچے ہیں، خبردار بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا، نابالغوں کے قتل سے رُک جانا، ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی زبان سے کچھ کہے پھر اس کے ماں باپ اُسے یہود نصرانی بنا لیتے ہیں۔

جابر بن عبداللہ کی روایت سے مسند شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اُسے زبان آ جائے، اب یا تو شاکر بنتا ہے یا کافر۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ
بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو

فطرت کو مسخ نہ کرو

یعنی اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر و تبدل نہیں۔ ہر فرد انسان کی فطرت قبول حق کے لئے مستعد بنائی ہے یا یہ مطلب کہ اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا اُس کو تم اپنے اختیار سے بدل کر خراب نہ کرو۔ بیج تم نے ڈال دیا ہے اُسے بے توجہی یا بے تمیزی سے ضائع مت ہونے دو۔ (تفسیر عثمانی)

آخر کار فطری سعادت و بدبختی غالب آتی ہے

ایک روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ کی تشریح میں کہا ہر بچہ کو اس سرشت پر پیدا کیا جاتا ہے جو اللہ کے علم میں ہے یعنی (بموجب علم الٰہی) ہر بچہ کو خوش نصیب یا بدنصیب پیدا کیا گیا ہے۔ آخر میں ہر آدمی اسی سعادت یا شقاوت کی طرف لوٹ جاتا ہے جو اللہ نے اس کی سرشت میں پیدا کر دی ہے اور اس کا عمل فطرت کے مطابق (آخر میں) ہو جاتا ہے اس مطلب پر آیت لَا تَبْدِیْلَ لخلق اللّٰه کا معنی یہ ہوگا کہ جس سعادت یا شقاوت پر انسان کی فطری تخلیق ہوئی ہے وہ بدل نہیں سکتی سعید شقی نہیں ہو سکتا اور شقی سعید نہیں بن سکتا۔ حضرت ابن مسعود کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صادق مصدوق تھے فرمایا کہ تم میں سے (ہر) ایک کا (مادہ) تخلیق بصورت نطفہ ماں کے پیٹ میں جمع رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت خون بستہ کی شکل میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت بوٹی (یعنی گوشت کا لوتھڑا) رہتا ہے پھر اللہ چار باتوں کا حکم دے کر ایک فرشتہ کو اس کی طرف بھیجتا ہے۔ فرشتہ اس کے عمل، میعادِ زندگی مقدار رزق اور اس کا بدبخت یا سعادت مند ہونا لکھ دیتا ہے۔ پھر اس کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ آدمی (تمام عمر) جنت والوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا کہ اس کا (شکم مادر کے اندر کا) لکھا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کا عمل کرنے لگتا ہے آخر دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی (ساری عمر) دوزخیوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر وہی لکھا غالب آتا ہے اور وہ جنتیوں کا عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں چلا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

طبیعت نہیں بدل سکتی

حضرت ابو درداء کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تذکرہ کر رہے تھے کہ کیا ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا اور اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی اپنی جبلت (سرشت) سے بدل گیا ہے تو سچ نہ ماننا کیونکہ (آخر کار ہر) آدمی اسی کی طرف لوٹے گا جو اس کی سرشت ہے۔ رواہ احمد۔ اس تفسیر پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ نے ہر شخص کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے جس سے وہ بدل نہیں سکتا اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو خوش نصیب بنایا ہے لہٰذا اپنا رُخ دین کی طرف سیدھا کر لیجئے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

قبولِ حق کی استعداد

یہودی اور نصرانی ہو جانے کے بعد بھی قبول حق کی استعداد اور صلاحیت باقی رہتی ہے ورنہ اگر فرض کرو کہ فرعون اور ہامان اور ابوجہل اور ابولہب میں قبول حق اور قبول اسلام کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہوتی تو وہ ایمان اور اسلام کے مکلّف ہی نہ ہوتے اینٹ اور پتھر یا جانور کی طرح ہوتے اور اتباع شریعت کے مکلّف نہ ہوتے۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ
یہی ہے دین سیدھا اور لیکن
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
اکثر لوگ نہیں سمجھتے

یعنی سیدھا دین یہ ہی فطرت کی آواز ہے۔ پر بہت لوگ اس نکتہ کو سمجھتے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ
سب رجوع ہو کر اس کی طرف

یعنی اصل دین پکڑے رہو، اس کی طرف رجوع ہو کر۔ اگر محض دنیوی مصلحت کے واسطے یہ کام کیے تو دین درست نہ ہوگا۔ آگے دین فطرت کے چند اہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مثلاً اِتقاء (خدا سے ڈرتے رہنا) نماز قائم رکھنا، شرک جلی و خفی سے بیزار اور مشرکین سے علیحدہ رہنا، اپنے دین میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾
اور اس سے ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں
مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ
جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت فرقے
كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾
ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے

فرقہ پرستی دینِ فطرت کے خلاف ہے

من الذین فرقوا الخ یعنی دینِ فطرت کے اصول سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں نے اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی، بہت سے فرقے بن گئے۔ ہر ایک کا عقیدہ الگ، مذہب و مشرب جُدا، جس کسی نے غلط کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا یا کوئی طریقہ ایجاد کر لیا، ایک جماعت اُسی کے پیچھے ہو گئی، تھوڑے دن بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول و عقائد پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتوں ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اُس کے تصور میں نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

اہل بدعت

بعض لوگوں کا قول ہے کہ دین کو ٹکڑے کرنے والوں سے مراد ہیں اس امت کے اہلِ بدعت جنہوں نے دینِ حق کو چھوڑ کر اپنی اپنی خواہشات کا اتباع اختیار کر لیا ہے۔ ان کو مشرک اس وجہ سے فرمایا کہ ان کے ہر گروہ نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

اہلسنت والجماعت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوا ایک فرقہ کے باقی سب لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ عرض کیا گیا، وہ کونسا فرقہ ہوگا، فرمایا جس (طریقہ) پر میں اور میرے صحابہ ہیں (اس پر چلنے والا فرقہ نجات یافتہ ہوگا) رواہ الترمذی۔

شیطان کا حربہ

دارمی بحوالۂ ابراہیم بن اسحاق بروایت ابن مبارک اوزاعی کا قول نقل کیا ہے کہ ابلیس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم اولاد آدم کے پاس (بہکانے کے لئے) کس طریقے سے جاتے ہو، ساتھیوں نے کہا ہر طریقہ سے۔ ابلیس نے کہا استغفار کے راستہ سے بھی جاتے ہو۔ ساتھیوں نے کہا یہ بات نہیں ہو سکتی، استغفار تو توحید سے وابستہ ہے۔ (یعنی ہر مؤمن استغفار کرتا ہے) ابلیس نے کہا میں ان کے اندر ایسی چیز پھیلا دوں گا جس سے وہ بھی استغفار نہیں کریں گے (کیونکہ اس چیز کو وہ گناہ نہیں خیال کریں گے بلکہ حق سمجھیں گے) چنانچہ ابلیس نے اولاد آدم کے اندر خواہشات (کا اختلاف) پھیلا دیا۔ (تفسیر مظہری)

مشرکین کی گروہ بندی

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دینِ فطرت اور دینِ حق میں تفریق پیدا کر دی، یا یہ کہ دینِ فطرت سے مفارق اور الگ ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مختلف

Marfat.com

پارٹیوں میں بٹ گئے، شِیَعًا، شیعہ کی جمع ہے، ایسی جماعت جو کسی مقتداء کی پیرو ہو، اس کو شیعہ کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ دینِ فطرت تو توحید تھا جس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ سب انسان اس کو اختیار کر کے ایک ہی قوم ایک ہی جماعت بنتے مگر انہوں نے اس توحید کو چھوڑا، اور مختلف لوگوں کے خیالات کے تابع ہو گئے اور انسانی خیالات اور رایوں میں اختلاف ایک طبعی امر ہے، اس لئے ہر ایک نے اپنا اپنا ایک مذہب بنالیا، عوام ان کے سبب مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے، اور شیطان نے ان کو اپنے اپنے خیالات و معتقدات کو حق قرار دینے میں ایسا لگا دیا کہ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ یعنی ان کی ہر پارٹی اپنے اپنے اعتقادات و خیالات پر مگن اور خوش ہے اور دوسروں کو غلطی پر بتاتی ہے، حالانکہ یہ سب کے سب گمراہی کے غلط راستوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ
اور جب پہنچے لوگوں کو کچھ سختی تو پکاریں اپنے رب
مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً
کو اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جہاں چکھائی ان کو اپنی طرف سے کچھ مہربانی
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا
اسی وقت ایک جماعت ان میں اپنے رب کا شریک لگی بتانے کہ منکر ہو جائیں
بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾
ہمارے دیے ہوئے سے سو مزے اڑا لو اب آگے جان لو گے

مصیبت کے وقت اللہ یاد آتا ہے

یعنی جیسے بھلے کام ہر انسان کی فطرت پہچانتی ہے، اللہ کی طرف رجُوع ہونا بھی ہر ایک کی فطرت جانتی ہے۔ چنانچہ خوف اور سختی کے وقت اُس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے۔ اُس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ وہ ہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی تھی۔ مگر افسوس کہ انسان اس حالت پر دیر تک قائم نہیں رہتا۔ جہاں خدا کی مہربانی سے مصیبت دُور ہوئی، پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے بھجن گانے لگا۔ گویا اُس کے پاس سب کچھ اُن ہی کا دیا ہوا ہے! خدا نے کچھ نہیں دیا! (العیاذ باللہ) اچھا چند روز مزے اُڑا لے، آگے چل کر معلوم ہو جائیگا کہ اس کفر اور ناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر آدمیت ہوتی تو سمجھتا کہ اُس کا ضمیر جس خدا کو سختی اور مصیبت کے وقت پکار رہا تھا وہ ہی اس لائق ہے کہ ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بندوں کی حالت

حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت ہے کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی۔ نماز ختم کرنے کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ نے جواب دیا اللہ جانے اور اللہ کا رسول۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے فرمایا ہے کہ صبح کو میرے بندوں میں سے کوئی مؤمن رہا کوئی کافر (یعنی میری نعمت کا منکر) ہو گیا جس نے کہا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں کا منکر ہے اور جس نے کہا ہم پر فلاں ستارے کے نکلنے سے بارش ہوئی وہ میرا منکر ہے اور ستاروں پر یقین رکھنے والا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین)۔ (تفسیر مظہری)

مؤمن کی حالت

صحیح حدیث میں ہے کہ مؤمن پر تعجب ہے اس کے لئے خدا تعالیٰ کی ہر قضا بہتر ہی ہوتی ہے، راحت پر شکر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور مصیبت پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ
کیا ہم نے ان پر اتاری ہے کوئی سند سو وہ بول رہی ہے
بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾
جو یہ شریک بتاتے ہیں

شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے

یعنی عقل سلیم اور فطرت انسانی کی شہادت شرک کو صاف طور پر رَد کرتی ہے تو کیا اس کے خلاف وہ کوئی حجت اور سند رکھتے ہیں، جو بتلاتی ہو کہ خدا کی خدائی میں دوسرے بھی اسکے شریک ہیں (معاذ اللہ) اگر نہیں تو اُنہیں معبود بننے کا استحقاق کہاں سے ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ
اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو کچھ مہربانی اُس پر پھولے نہیں سماتے

Marfat.com

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ
اور اگر آ پڑے اُن پر کچھ بُرائی اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے پر
اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾
تو آس توڑ بیٹھیں

مشرک اور مؤمن کا فرق

یعنی اُن لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جب اللہ کی مہربانی اور احسان سے عیش میں ہوں تو پھولے نہ سمائیں ایسے اِترانے لگیں اور آپے سے باہر ہو جائیں کہ محسنِ حقیقی کو بھی یاد نہ رکھیں۔ اور کسی وقت شامتِ اعمال کی بدولت مصیبت کا کوڑا پڑا تو بالکل آس توڑ کر اور نا اُمید ہو کر بیٹھ رہیں۔ گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کے دُور کرنے پر قادر ہو۔ مؤمن کا حال اُس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ عیش و راحت میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے اُس کے فضل و رحمت پر خوش ہو کر زبان و دل سے شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں پھنس جائے تو صبر و تحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور اُمید رکھتا ہے کہ کتنی ہی سخت مصیبت ہو اور ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اُس کے فضل سے سب فضا بدل جائے گی۔ (تنبیہ) ایک آیت پہلے فرمایا تھا کہ ''لوگ سختی کے وقت خالص خدا کو پکارنے لگتے ہیں''۔ یہاں فرمایا کہ ''بُرائی پہنچتی ہے تو آس توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں''۔ دونوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ پہلی حالت یعنی خدا کو پکارنا، ابتدائی منزل ہے۔ پھر جب مصیبت اور سختی میں امتداد ہوتا ہے تو آخر گھبرا کر ناامید ہو جاتا ہے۔ یا بعض لوگوں کا وہ حال ہو بعض کا یہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ پھیلا دیتا ہے روزی کو جس پر چاہے
وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾
اور ماپ کر دیتا ہے جس کو چاہے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں

ہر حال میں راضی رہنا چاہیے

یعنی ایمان و یقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا بڑھانا گھٹانا سب اُسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا جو حال آئے بندہ کو صبر و شکر سے رضا بقضاء رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گذار رہے، اور ڈرتا رہے کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور اُمید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے سختیوں کو دُور فرما دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی کوئی وجہ نہیں کہ فراخیٔ حال میں تو اِترانے لگیں اور ناشکری کریں اور تنگ حالی میں ناامید ہو جائیں اللہ کی طرف نہ لوٹیں اور گناہوں پر پشیمان ہو کر توبہ نہ کریں اور گناہوں کو نہ چھوڑیں اور مؤمنوں کی طرح صبر نہ کریں اور مصیبت پڑنے پر ثواب کی امید نہ رکھیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ
سو تو دے قربت والے کو اُس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو
ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۖ وَاُولٰٓئِكَ
یہ بہتر ہے ان کے لئے جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ اور وہی ہیں
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾
جن کا بھلا ہے

ضرورت مندوں کی خبر گیری

یعنی جب فطرت کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی مالک و رب وہ ہی اللہ ہے۔ دنیا کی نعمتیں سب اُسی کی عطا کی ہوئی ہیں۔ تو جو لوگ اُس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اُس کی لقاء و دیدار کے آرزومند ہیں چاہیئے کہ اُسکے دیے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ مسافر محتاج اور غریب رشتہ داروں کی خبر لیں، اہل قرابت کے حقوق درجہ بدرجہ ادا کرتے رہیں ایسے ہی بندوں کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس مسافر کے پاس پردیس میں کچھ نہ ہو اور وطن میں مال ہو اس کو اور دوسرے مسکینوں کو زکوٰۃ کے مال میں سے دو۔ (تفسیر مظہری)

مال کے مستحقین

آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بقول حسن بصری ہر مخاطب انسان کو جس کو اللہ نے مال میں وسعت دی ہو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو مال اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں بخل نہ کرو بلکہ اس کو ان کے مصارف میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو اس سے تمہارے مال اور رزق میں کمی نہیں آئے گی، اور اس حکم کے ساتھ اس آیت میں مال کے چند مصارف بھی بیان کر دیئے، اوّل ذوی القربیٰ دوسرے مساکین تیسرے مسافر، کہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے ان لوگوں

Marfat.com

کو دو اور ان پر خرچ کرو، اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ یہ ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ نے تمہارے مال میں شامل کر دیا ہے اس لئے ان کو دینے کے وقت ان پر کوئی احسان نہ جتلاؤ، کیونکہ حق والے کا حق ادا کرنا مقتضائے عدل وانصاف ہے کوئی احسان وانعام نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ	
اور جو دیتے ہو	بیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں
فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ	
سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں	اور جو دیتے ہو پاک دل سے
تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾	
چاہ کر	رضامندی اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کے دونے ہوئے

زکوٰۃ اور سود کا فرق

یعنی سُود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے، لیکن حقیقت میں گھٹ رہا ہے جیسے کسی آدمی کا بدن ورم سے پھول جائے وہ بیماری یا پیام موت ہے اور زکوٰۃ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہوگا فی الحقیقت وہ بڑھتا ہے جیسے کسی مریض کا بدن مُسہل وتنقیہ سے گھٹتا دکھائی دے مگر انجام اُس کا صحت ہو۔ سُود اور زکوٰۃ کا حال بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی سمجھ لو۔ یمحق اللّٰہُ الرّبٰوا وَیُربی الصَّدَقَات (بقرہ۔ رکوع ۳۸) حدیث میں ہے کہ ایک کھجور جو مؤمن صدقہ کرے قیامت کے دن بڑھ کر پہاڑ کی برابر نظر آئیگی۔

(تنبیہ) بعض مفسرین نے "ربا" سے یہاں سُود بیاج مراد نہیں لیا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو آدمی کسی کو کچھ دے اس غرض سے کہ دوسرا اس سے بڑھ کر احسان کا بدلہ کریگا تو یہ دینا اللہ کے ہاں موجب برکت وثواب نہیں۔ گو مُباح ہو۔ اور پیغمبر علیہ السلام کے حق میں تو مُباح بھی نہیں۔ لقولہٖ تعالیٰ ولا تمنن تستکثرُ (مدثر۔ رکوع) واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سُود یعنی نفع کی دو صورتیں ہیں ایک تو بیوپار تجارت میں بیاج یہ تو حرام محض ہے۔ دوسرا سُود یعنی زیادتی جس میں کوئی حرج نہیں وہ کسی کو اس ارادہ سے ہدیہ تحفہ دینا ہے کہ یہ مجھے اس سے زیادہ دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے پاس تو ثواب زکوٰۃ کے ادا کرنے کا ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں کو بہت برکتیں ہوتی ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقہ میں دے لیکن ہو حلال طور سے حاصل کی ہوئی تو اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اُونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہی ایک کھجور اُحد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق ورازق ہے۔ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا، بے علم، بے کان، بے آنکھ، بے طاقت نکلتا ہے پھر خدا تعالیٰ اسے سب چیزیں عطا فرماتا ہے۔ مال بھی، ملکیت بھی، کمائی بھی، تجارت بھی، غرض بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی

دو صحابیوں کا بیان ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو سَر ہلنے لگے تب تک بھی روزی سے کوئی محروم نہیں رہتا۔ انسان ننگا بھوکا دنیا میں آتا ہے، ایک چھلکا بھی اس کے بدن پر نہیں ہوتا، پھر رب تعالیٰ ہی اُسے روزیاں دیتا ہے۔ وہ اس حیات کے بعد تمہیں مار ڈالے گا پھر قیامت کے دن زندہ کر دے گا۔ خدا تعالیٰ کے سوا تم جن جن کی عبادت کر رہے ہو اُن میں سے ایک بھی ان باتوں میں سے کسی ایک پر قابو نہیں رکھتا۔

عدل وانصاف کی برکت

مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں ہے کہ زیاد کے زمانہ میں ایک تھیلی پائی گئی جس میں کھجور کی بڑی گٹھلی جیسے گیہوں کے دانے تھے اور اُس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اُس زمانے میں اُگتے تھے جس میں عدل وانصاف کو کام میں لایا جاتا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اعمال کا مدار نیت پر ہے جس شخص کی جو نیت ہوگی وہی اس کو ملے گا جس شخص نے ہجرت اللہ اور رسول کے لئے کی ہوگی اس کی جرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی (یعنی وہ ثواب کا مستحق ہوگا) اور جس شخص نے دنیا پانے یا عورت سے نکاح کرنے کے لئے کی ہوگی اس کی ہجرت (اللہ اور رسول کے لئے نہیں بلکہ) اسی چیز کے لئے قرار پائے گی جس کے لئے اس نے کی ہوگی۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

Marfat.com

خاندانوں کی ایک باہمی رسم کی اصلاح

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ اس آیت میں ایک بُری رسم کی اصلاح کی گئی ہے جو عام خاندانوں اور اہلِ قرابت میں چلتی ہے، وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ رشتہ کے لوگ جو کچھ دوسرے کو دیتے ہیں اس پر نظر رکھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے وقت میں کچھ دے گا بلکہ رسمی طور پر کچھ زیادہ دے گا، خصوصاً نکاح، شادی وغیرہ کی تقریبات میں جو کچھ دیا لیا جاتا ہے اس کی یہی حیثیت ہوتی ہے جس کو عرف میں نوتہ کہتے ہیں، اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ اہلِ قرابت کا جو حق ادا کرنے کا حکم پہلی آیت میں دیا گیا ہے اس کو یہ حق اس طرح دیا جائے کہ نہ اُن پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے، اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ ان کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں اور قرآن کریم نے اس زیادتی کو لفظ ربٰو سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سود کی سی ہوگئی۔

مسئلہ: ہدیہ اور ہبہ دینے والے کو اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا یہ تو ایک بہت مذموم حرکت ہے، جس کو اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے، لیکن بطور خود جس شخص کو کوئی ہبہ عطیہ کسی دوست عزیز کی طرف سے ملے اس کے لئے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ بھی جب اس کو موقع ملے اس کی مکافات کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو ہدیہ دیتے تھے، (کذا روی عن عائشہؓ قرطبی) ہاں اس مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے ہدیہ کا بدلہ دے رہا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
اللہ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے
ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ
پھر تم کو جلائے گا کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو کر سکے ان
ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾
کاموں میں سے ایک کام وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اُس سے کہ شریک بتلاتے ہیں

مارنا، جلانا اللہ ہی کا کام ہے

یعنی مارنا جلانا، روزی دینا، سب کام تو تنہا اس کے قبضہ میں ہوئے۔ پھر دوسرے شریک کدھر سے آ کر الوہیت کے مستحق بن گئے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ
پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی
اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ
کمائی سے چکھانا چاہیے ان کو کچھ مزہ ان کے
عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾
کام کا تاکہ وہ پھر آئیں

بحر و برّ کا فساد

یعنی لوگ دین فطرت پر قائم نہ رہے کفر و ظلم دنیا میں پھیل پڑا اور اُس کی شامت سے ملکوں اور جزیروں میں خرابی پھیل گئی نہ خشکی میں امن و سکون رہا نہ تری میں، رُوئے زمین کو فتنہ و فساد نے گھیر لیا۔ بحری لڑائیوں اور جہازوں کی لُوٹ مار نے سمندروں میں بھی طوفان بپا ہو گیا۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جائے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلا دیں، ممکن ہے بعض لوگ ڈر کر راہِ راست پر آ جائیں۔ (تنبیہ) بندوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہیگا۔ لیکن جس خوفناک عموم و شمول کے ساتھ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق و مغرب اور برّ و بحر پر چھا گئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یورپ کے محققین نے اُس زمانہ کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اُس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مؤرخ بھی اِس مشہور و معروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکے (دیکھو دائرۃ المعارف فرید وجدی مادہ حمد) شاید اسی عموم فتنہ و فساد کو پیش نظر رکھ کر قتادہ رحمہ اللہ نے آیت کا محمل زمانۂ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

برّ و بحر کا مطلب

بغوی نے لکھا ہے بَرّ سے مراد ہے صحراء بیابان اور بحر سے مراد ہیں وہ شہر اور بستیاں جو نہروں اور دریاؤں کے کنارے پر آباد ہیں۔

Marfat.com

عطیہ نے کہا، روئے زمین پر جو شہر وغیرہ ہیں وہ بر ہیں اور بحر تو معروف ہی ہے (یعنی سمندر) بارش کی کمی کا اثر جس طرح خشکی پر پڑتا ہے اسی طرح سمندر پر بھی پڑتا ہے۔

ہابیل کے قتل کا اثر

ضحاک نے کہا زمین پہلے سرسبز اور شاداب تھی، جس درخت کے پاس آدمی جاتا تھا اس کو بار آور پاتا تھا۔ اور سمندر کا پانی پہلے میٹھا تھا اور شیر گائے بکری کو قتل کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا تھا، لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو زمین خشک ہوگئی درخت پر خار ہو گئے اور سمندر کا پانی شور ہو گیا اور جانور ایک دوسرے کو پھاڑنے لگے۔ یعنی ان کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے یا ان کے برے عمل کرنے کی وجہ سے۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ مکہ جو قحط میں مبتلا ہوئے ہڈیاں اور مردار تک کھا گئے، یہ انہی کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہوا۔ (تفسیر مظہری)

فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض ہیں

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ''یعنی خشکی اور دریا میں سارے جہان میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اعمالِ بد کی وجہ سے'' تفسیر روح المعانی میں ہے کہ فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض اور آگ لگنے اور پانی میں ڈوبنے کے واقعات کی کثرت اور ہر چیز کی برکت کا مٹ جانا، نفع بخش چیزوں کا نفع کم نقصان زیادہ ہو جانا وغیرہ آفات ہیں، اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان دنیوی آفات کا سبب انسانوں کے گناہ اور اعمالِ بد ہوتے ہیں جن میں شرک و کفر سب سے زیادہ اشد ہیں، اس کے بعد دوسرے گناہ ہیں۔

گناہوں پر تنبیہ

لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا یعنی تاکہ چکھا دے اللہ تعالیٰ کچھ حصہ ان کے بُرے اعمال کا، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اعمالِ بد اور گناہوں کی وجہ سے جو مصیبت و آفت دنیا میں بھیجی جاتی ہے وہ بھی غور کرو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہی ہے، کیونکہ مقصود اس دنیا کی مصیبت سے یہ ہوتا ہے کہ غافل انسان کو تنبیہ ہو جائے اور وہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے باز آجائے جو انجام کار اس کے لئے مفید اور بڑی نعمت ہے، جیسا کہ آخر آیت میں فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾

آفتیں اور مصائب گناہوں کے سبب سے آتے ہیں

اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ جو انسان کوئی گناہ کرتا ہے وہ ساری دنیا کے انسانوں چوپایوں اور چرندے و پرندے جانوروں پر ظلم کرتا ہے، کیونکہ اس کے گناہوں کے وبال سے جو بارش کا قحط اور دوسرے مصائب دنیا میں آتے ہیں اس سے سب ہی جان دار متاثر ہوتے ہیں، اس لئے قیامت کے روز یہ سب بھی گناہگار انسان کے خلاف دعویٰ کریں گے۔

مصائب کے وقت ابتلاء و امتحان یا سزاء و عذاب میں فرق

اس کی پہچان حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ لکھی ہے کہ جو نیک لوگ بطور ابتلاء و امتحان کے گرفتار مصائب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو مطمئن کر دیتے ہیں، اور وہ ان مصائب و آفات پر ایسے ہی راضی رہتے ہیں جیسے بیمار کڑوی دواء یا آپریشن پر باوجود تکلیف محسوس کرنے کے راضی ہوتا ہے، بلکہ اس کے لئے مال بھی خرچ کرتا ہے، سفارشیں مہیا کرتا ہے، بخلاف اُن گنہگاروں کے جو بطور سزا مبتلا کئے جاتے ہیں ان کی پریشانی اور جزع و فزع کی حد نہیں رہتی، بعض اوقات ناشکری بلکہ کلماتِ کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔

سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے ایک پہچان یہ بتلائی کہ جس مصیبت کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اپنے گناہوں پر تنبہ اور توبہ و استغفار کی رغبت زیادہ ہو جائے وہ علامت اس کی ہے کہ یہ قہر نہیں بلکہ مہر اور عنایت ہے، اور جس کو یہ صورت نہ بنے بلکہ جزع و فزع اور معاصی میں اور زیادہ انہماک بڑھ جائے وہ علامت قہرِ الٰہی اور عذاب کی ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام
الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾
پہلوں کا بہت اُن میں تھے شرک کرنے والے

شرک کی شامت

یعنی اکثروں کی شامت شرک کی وجہ سے آئی۔ بعضوں پر دوسرے گناہوں کی وجہ سے آئی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ
سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ سیدھی راہ پر

فساد کا علاج

یعنی دنیا میں فساد پھیل گیا تو تم دینِ قیم پر جو دینِ فطرت ہے ٹھیک

Marfat.com

ٹھیک قائم رہو۔ سب خرابیوں کا ایک یہ ہی علاج ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ
اس سے پہلے کہ آپہنچے وہ دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کی طرف سے

قیامت کا دن

یعنی اللہ کی طرف سے اُس دن کا آنا اٹل ہے نہ کوئی طاقت اُسے پھیر سکتی ہے نہ خود خدا ملتوی کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾
اُس دن لوگ جُدا جُدا ہوں گے

نیک و بد کا امتیاز

یعنی نیک جنت میں اور بد دوزخ میں بھیجدیے جائیں گے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿شوریٰ- رکوع ۱﴾ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کو دنیا کے احوال پر حمل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''یعنی دین کا غلبہ ہو سزا پانیوالے الگ ہوں اور اللہ کے مقبول بندے الگ۔'' (تفسیر عثمانی)

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ
جو منکر ہوا سو اس پر پڑے اس کا منکر ہونا

یعنی انکار کا وبال اسی پر پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾
اور جو کوئی کرے بھلے کام سو وہ اپنی راہ سنوارتے ہیں

یعنی جنت میں آرام کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ
تا کہ وہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے اور کام کئے بھلے اپنے فضل سے

یعنی کتنا ہی بڑا نیک ہو اُسے بھی اللہ کے فضل سے جنت ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

نیک عمل کا ثواب

حضرت ابن عباس نے فرمایا تا کہ اعمال صالحہ سے زیادہ ان کو ثواب عنایت کرے (یعنی جتنے ثواب کے وہ اللہ کے مقرر کردہ قانون سے وہ مستحق قرار پاتے ہیں اس سے زیادہ اپنے فضل سے ان کو عطا کرے) صرف ثوابِ اعمال کا آیت میں ذکر کیا (سزائے کفر نہیں بیان کی)۔

اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اللہ ثواب دینا ہی چاہتا ہے ہاں جو شخص خود انکار و کفر کر کے عذابِ آخرت کو پسند کرے تو اللہ بھی ان کو عذاب دے گا۔

اعمال پر مغرور نہ ہو جاؤ

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابو الحارث کی روایت سے امام احمد نے الزہد میں بیان کی ہے کہ اللہ نے حضرت داؤدؑ کے پاس وحی بھیجی۔ میرے نیک بندوں کو ڈراؤ وہ مغرور نہ ہو جائیں اور اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرلیں۔ کیونکہ میرے بندوں میں کوئی ایسا بندہ نہ ہوگا کہ میں اس کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں اور اس کے معاملہ میں عدل سے کام لوں (اور وہ میرے عذاب سے بچ جائے بلکہ جس نیک بندے کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں گا اور عدل سے کام لوں گا) تو ضرور اس کو عذاب دونگا۔

ابو نعیم نے حضرت علی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے ان بندوں سے جو اطاعت گذار ہیں کہدو کہ اپنے (نیک) اعمال پر بھروسہ نہ کرلیں۔ کیونکہ قیامت کے دن میں جس بندے کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو عذاب دوں گا (اور یہ ظلم نہ ہوگا عدل ہوگا) اور اپنی امت کے گناہگاروں سے کہدو کہ وہ مایوس نہ ہو جائیں میں بڑے بڑے گناہوں کو بخشتا ہوں اور مجھے (کسی کے گناہ کی) پرواہ نہیں ہوتی۔

نعمتوں کے مقابلہ میں اعمال کچھ نہیں

طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک ایسے بندے کو اٹھائے گا جس کا کوئی گناہ ہی نہیں ہوگا اور اس سے فرمائے گا (بتا) تجھے دو باتوں میں سے کونسی بات پسند ہے کیا تو اپنے عمل کا بدلہ چاہتا ہے یا میرے فضل کا خواستگار ہے، بندہ عرض کرے گا تو خوب واقف ہے کہ میں نے تیری نافرمانی نہیں کی اللہ فرمائے گا میرے بندے (کے اعمال) کا میری ایک نعمت سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ (جب نعمت کا مقابلہ عمل سے کیا جائے گا تو) تمام نیکیوں کو اللہ کی ایک نعمت (مقابلہ کے وقت) اپنے اندر سمالے گی اور کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی آخر بندہ عرض کرے گا تیرے فضل و رحمت سے (میں مغفرت کا طلبگار ہوں)

Marfat.com

بزار نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر سامنے لائے جائیں گے۔ ایک رجسٹر میں ساری نیکیوں کا اندراج ہوگا دوسرے رجسٹر میں سارے گناہ لکھے ہوں گے اور تیسرے رجسٹر میں اللہ کی نعمتیں درج ہونگی اللہ نعمتوں کے رجسٹر سے سب سے چھوٹی نعمت کو لے کر فرمائے گا اس بندہ کے تمام نیک اعمال کا مقابلہ کر چنانچہ ایک چھوٹی نیکی تمام اعمال کو گھیر لے گی۔ نعمتوں کا رجسٹر کہے گا تیری عزت کی قسم میں نے ابھی پورا پورا احاطہ کیا بھی نہیں ہے کہ سارے نیک اعمال ختم ہو گئے اور گناہ باقی ہیں۔ لیکن جب اللہ کسی بندے پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا، میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند در چند کر دی ہیں (یعنی ہزاروں گنا کر دیں) اور تیرے گناہوں سے درگذر کر لی اور اپنی نعمتیں تجھے بخش دیں۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کہہ لیا (یعنی یقین کے ساتھ اقرار کر لیا) اللہ کے نزدیک اس کے لئے (جنت میں) داخل (کرنے کا) ایک پختہ وعدہ ہو گیا۔ اور جس نے سبحان اللہ کہا (یعنی اللہ کو ہر عیب اور برائی سے پاک سمجھا اور اس کا اقرار کیا) اس کے لئے اس کلمہ کی وجہ سے ایک لاکھ نیکیاں لکھدی جائیں گی، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر ہم ہلاک کیسے ہو سکتے ہیں (یعنی پھر ہم کو عذاب نہیں ہو سکتا) فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت کے دن آدمی ایسے وزنی) اعمال لے کر آئے گا جو پہاڑ پر بھی بھاری ہوں گے لیکن اللہ کی نعمتوں میں سے ایک ہی نعمت کے مقابلہ میں سب ختم ہو جائیں گے، یہ سارا کچھ تو اس روز اللہ کی مہربانی سے ہوگا اللہ اس روز اپنی رحمت سے (جس پر چاہے گا) مہربانی فرمائے گا۔

اللہ کی رحمت جنت میں لے جائے گی

بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سیدھی چال رکھو اور لگے لگے چلو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ جنت کے اندر کسی کو اس کے اعمال نہیں لے جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا کیا آپ بھی یا رسول اللہ! (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا اور نہ میں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانک لے۔ مسلم نے یہ حدیث حضرت جابر کی روایت سے بھی بیان کی ہے، اور بزار نے حضرت ابو موسیٰ کے بیٹے اور شریک بن طارق کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اور طبرانی نے شریک بن طریف اور اسامہ بن شُریک اور اسد بن کرز کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا، تم پل صراط سے اللہ کے عفو کی وجہ سے پار ہو جاؤ گے اور جنت کے اندر اللہ کی رحمت سے داخل ہو گے اور درجات جنت کی تقسیم تمہارے اعمال کے مطابق ہوگی۔ ابو نعیم نے عون بن عبداللہ کی روایت سے بھی یہ قول نقل کیا ہے۔

مسلمان کی آبرو کی حفاظت

حضرت ابو درداء کا بیان ہے، میں نے خود سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو مسلم اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرتا ہے اللہ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس کی طرف سے لوٹا دے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ طبرانی اور اسحاق بن راہویہ نے یہ حدیث حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۵﴾
بیشک اس کو نہیں بھاتے انکار والے

جو اس سچے مالک کو نہ بھائے اس کا کہاں ٹھکانا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ
اور اس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں
وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ
اور تا کہ چکھائے تم کو کچھ مزہ اپنی مہربانی کا

یعنی بارانِ رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر خدا کی مہربانی سے مینہ برستا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء سے بارش

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے اہل و عیال بھوکے ہیں آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر باران رحمت نازل فرمائے

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ حضرت انس کہتے ہیں واللہ اس وقت سوائے آفتاب کی تمازت کے آسمان میں ابر کا نام ونشان نہ تھا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا فرمائی کہ یکا یک کوہ صلع کی طرف سے ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور پھیل کر آسمان کو محیط ہو گیا اور بارش شروع ہو گئی اور نماز سے فارغ ہو کر اسی بارش میں ہم اپنے گھروں کو واپس ہوئے اسی طرح وہ پانی آٹھ روز تک مسلسل برستا رہا۔ یہانتک کہ دوسرے جمعہ میں وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص اثناء خطبہ کھڑا ہوا جس نے پہلے جمعہ کو بارش کی التجا کی تھی اس نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کثرت بارش سے راستے بند ہو گئے اور مکانات منہدم ہو گئے۔ آپ نے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اللّٰھم حوالینا ولا علینا اے اللہ ہمارے اردگرد پہاڑوں اور ٹیلوں پر بارش ہو اور ہم پر نہ ہو۔ اسی وقت بادل کھل گیا اور بارش بند ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ یہ اسباب ظاہری جن کے فلاسفہ مدعی ہیں اگر ثابت ہو جائیں تو کوئی مستقل اور قطعی چیز نہیں، اصل سبب اللہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور مشیت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ
اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس
فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ
سو پہنچے ان کے پاس نشانیاں لے کر پھر بدلہ لیا ہم نے اُن سے جو
اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾
گنہگار تھے اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی

دنیا میں بھی حق و باطل کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے

پہلے فرمایا تھا کہ مقبول اور مردود جدا کر دیئے جائیں گے منکروں پر انکے انکار کا وبال پڑیگا۔ وہ اللہ کو اچھے نہیں لگتے۔ اب بتلاتے ہیں کہ اس کا اظہار دنیا ہی میں ہو کر رہیگا۔ کیونکہ اللہ کی عادت اور وعدہ ہے کہ مجرمین و مکذبین سے انتقام لے اور مؤمنین کاملین کو اپنی امداد و اعانت سے دشمنوں پر غالب کرے بیچ میں ہوا کا ذکر اس واسطے آیا کہ جیسے بارانِ رحمت کے نزول سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں اسی طرح دین کے غلبہ کی نشانیاں روشن ہوتی جاتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمنین کی مدد اور اس کی شرط

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ ”ہم نے مجرموں کافروں سے انتقام لے لیا، اور ہمارے ذمہ تھا کہ ہم مؤمنین کی مدد کرتے“ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمنین کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لیا ہے، اس کا تقاضا بظاہر یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں کبھی شکست نہ ہو، حالانکہ بہت سے واقعات اس کے خلاف بھی ہوئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں، اس کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے کہ مؤمنین سے مراد وہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں جو خالص اللہ کے لئے کفار سے جنگ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا ہی انتقام اللہ تعالیٰ مجرمین سے لیتے ہیں اور ان کو غالب کرتے ہیں، جہاں کہیں اس کے خلاف کوئی صورت پیش آتی ہے وہاں عموماً مجاہدین کی کوئی لغزش ان کی شکست کا سبب بنتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ
اللہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر پھیلا دیتا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ حضرت انس کہتے ہیں واللہ اس وقت سوائے آفتاب کی تمازت کے آسمان میں ابر کا نام ونشان نہ تھا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا فرمائی کہ یکا یک کوہ صلع کی طرف سے ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور پھیل کر آسمان کو محیط ہو گیا اور بارش شروع ہو گئی اور نماز سے فارغ ہو کر اسی بارش میں ہم اپنے گھروں کو واپس ہوئے اسی طرح وہ پانی آٹھ روز تک مسلسل برستا رہا۔ یہانتک کہ دوسرے جمعہ میں وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص اثناء خطبہ کھڑا ہوا جس نے پہلے جمعہ کو بارش کی التجا کی تھی اس نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کثرت بارش سے راستے بند ہو گئے اور مکانات منہدم ہو گئے۔ آپ نے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اللّٰھم حوالینا ولا علینا اے اللہ ہمارے اردگرد پہاڑوں اور ٹیلوں پر بارش ہو اور ہم پر نہ ہو۔ اسی وقت بادل کھل گیا اور بارش بند ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ یہ اسباب ظاہری جن کے فلاسفہ مدعی ہیں اگر ثابت ہو جائیں تو کوئی مستقل اور قطعی چیز نہیں، اصل سبب اللہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور مشیت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ
اور تا کہ چلیں جہاز اس کے حکم سے

بحری راستے

یعنی بادبانی جہاز اور کشتیاں ہوا سے چلتی ہیں اور دُخانی اسٹیمروں کی رفتار میں بھی بادموافق مدد دیتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾
اور تا کہ تلاش کرو اس سے فضل سے اور تا کہ تم حق مانو

یعنی جہازوں کے ذریعہ سے تجارتی مال سمندر پار منتقل کر سکو۔ اور اللہ کی فضل سے خوب نفع کماؤ۔ پھر ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔ (تنبیہ) پہلے خشکی تری میں فساد پھیلنے کا ذکر تھا اس کے مقابل یہاں بشارت ونعمت الٰہی کا تذکرہ ہوا۔ شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ آندھی اور غبار پھیل جانے کے بعد اُمید رکھو کہ بارانِ رحمت آیا چاہتی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل پڑی ہیں جو رحمت وفضل کی خوشخبری سنا رہی ہیں کافروں کو چاہیے کہ شرارت اور کفرانِ نعمت سے باز آ جائیں اور خدا کی مہربانیوں کو دیکھ کر شکر گذار بندے بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

Marfat.com

فِی السَّمَآءِ کَیۡفَ یَشَآءُ
اس کو آسمان میں جس طرح چاہے

بارش کے نظام سے عبرت

یعنی پہلے کسی طرف پیچھے کسی طرف، اسی طرح دین بھی پھیلائیگا۔ چنانچہ پھیلا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَیَجۡعَلُہٗ کِسَفًا فَتَرَی الۡوَدۡقَ یَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِہٖ ۚ
اور رکھتا ہے اس کو تہ بہ تہ پھر تو دیکھے مینہ کو کہ نکلتا ہے اس کے بیچ میں سے
فَاِذَاۤ اَصَابَ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ
پھر جب اس کو پہنچاتا ہے جس کو کہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں
اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾
تبھی وہ لگتے ہیں خوشیاں کرنے

اسی طرح جو ایمانی اور روحانی بارش سے منتفع ہونگے وہ خوشیاں منائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ
اور پہلے سے ہو رہے تھے اس کے اترنے سے
مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَمُبۡلِسِیۡنَ ﴿۴۹﴾
پہلے ہی ناامید

یعنی پہلے سے لوگ ناامید ہو رہے تھے۔ حتی کہ بارش آنے سے ذرا پہلے تک بھی اُمید نہ تھی کہ مینہ برس کر ایسی جگ پَرلو ہو جائے گی۔ انسان کا حال بھی عجیب ہے۔ ذرا دیر میں نا اُمید ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر ذرا سی دیر میں خوشی سے کِھل پڑتا ہے۔

فَانۡظُرۡ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰہِ کَیۡفَ
سو دیکھ لے اللہ کی مہربانی کی نشانیاں کیونکر
یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ
زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے

رحمتِ الٰہی کے کرشمے

یعنی چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک، بے رونق اور مُردہ پڑی تھی ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اُس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلد اُبھار دیا۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا سمجھو، اُس سے مُردہ دلوں میں جان پڑ یگی اور خدا کی زمین ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ والی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائیگی۔ ہر طرف رحمت الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئیں گے جو قابلیتیں مدت سے مٹی میں مل رہی تھیں، بارانِ رحمت کا ایک چھینٹا اُن کو اُبھار کر نمایاں کر دیگا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے یہ جلوہ دنیا کو دکھلا دیا۔ ہمارے صوبہ کے شاعر حکیم نے کیا خوب کہا ہے

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما اُبھار کر
اکبر اسی کا وِرد تو صدق سے بے شمار کر
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۚ وَہُوَ
بیشک وہی ہے مردوں کو زندہ کرنے والا اور وہ
عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾
ہر چیز کر سکتا ہے

مردہ روحوں اور مردہ جسموں کی زندگی

یعنی یہاں مُردہ دلوں کو روحانی زندگی عطا فرمائے گا اور قیامت کے دن مُردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈالیگا۔ اُس کی قدرت کاملہ کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنۡ اَرۡسَلۡنَا رِیۡحًا فَرَاَوۡہُ مُصۡفَرًّا
اور اگر ہم بھیجیں ایک ہوا پھر دیکھیں وہ کھیتی کو کہ زرد
لَّظَلُّوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ یَکۡفُرُوۡنَ ﴿۵۱﴾
پڑ گئی تو لگیں اس کے پیچھے ناشکری کرنے

یعنی پہلے ناامید تھے، بارش آئی، زمین جی اُٹھی، خوشیاں منانے لگے۔ اب اگر اس کے بعد ہم ایک ہوا چلا دیں جس سے کھیتیاں خشک ہو کر زرد پڑ جائیں تو یہ لوگ فوراً پھر بدل جائیں اور اللہ کے سب

Marfat.com

احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں۔ غرض اِن کا شکر اور ناشکری سب دنیوی اغراض کے تابع ہے اور یہاں اس پر فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے مُراد پا کر بندہ نڈر نہ ہو جائے اُس کی قدرت رنگا رنگ ہے۔ معلوم نہیں دی ہوئی نعمت کب سلب کر لے۔ اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ دین کی کھیتی دنیا میں سرسبز و شاداب ہونے کے بعد پھر بادمخالف کے جھونکوں سے مُرجھا کر زرد پڑ جائیگی۔ اُس وقت مایوس ہو کر ہمت ہارنی نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ
سو تو سُنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا
اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ
جبکہ پھریں پیٹھ دے کر اور نہ تو راہ سُجھائے اندھوں کو ان کے
ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ
بھٹکنے سے تُو تو سُنائے اُسی کو جو یقین لائے
بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع
ہماری باتوں پر، سو وہ مسلمان ہوتے ہیں

کوئی نہ مانے تو پیغمبر پر کوئی عذر نہیں

یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، مُردہ کو زندہ کر دے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مُردوں سے اپنی بات منوا سکو یا بہروں کو سنا دو۔ یا اندھوں کو دکھلا دو، خصوصاً جب وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ کریں پس آپ اِن کے کفر و ناسپاسی سے ملول و غمگین نہ ہوں۔ آپ صرف دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار ہیں کوئی بدبخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے آپ کی بات وہ ہی سنیں گے وہ ہماری باتوں پر یقین کر کے تسلیم و انقیاد کی خُو اختیار کرتے ہیں۔

سماع موتیٰ کا مسئلہ

(تنبیہ) اسی قسم کی آیت سورۂ ''نمل'' کے آخر میں گذر چکی، اُس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ مفسرین نے اس موقع پر ''سماع مَوتیٰ'' کی بحث چھیڑ دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آتا ہے اور دونوں جانب سے نصوص قرآن و حدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدوں نہیں ہو سکتا مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر باختیار خود کرے وہ اُس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہو جائے اُسے براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا یہ اُس قاتل کا فعل کہلائیگا۔ اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا، اُسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا باوجودیکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اُسی کی قدرت کا کام ہے۔ ورنہ اُس کی مشیت کے بدون گولی یا گولا کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (انفال ع ۲) یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے ''قتل'' و ''رمی'' کی نفی کر کے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی گئی۔ ٹھیک اسی طرح انک لاتسمع الموتی کا مطلب سمجھو۔ یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مُردے کو سنا دو۔ کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مُردہ سن لے اس کا انکار کوئی مؤمن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائیگا اُسی حد تک ہم کو سماع موتیٰ کا قائل ہونا چاہئے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لا سکتے۔ بہرحال آیت میں ''اِسماع'' کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مسلم نے حضرت انس بن مالک کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولوں کو یونہی تین روز پڑا رہنے دیا جب ان کی لاشوں میں عفونت آ گئی تو ان کی طرف تشریف لے گئے اور (ان کو خطاب کر کے) پکار کر فرمایا، اے امیہ بن خلف اے ابوجہل بن ہشام اے عتبہ بن ربیعہ کیا تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ تم نے صحیح پالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن کر فوراً آ گئے اور عرض کیا ''اے اللہ کے رسول تین روز کے بعد بھی آپ ان کو پکار رہے ہیں کیا یہ سن رہے ہیں، اللہ نے تو فرمایا ہے انک لاتسمع الموتی حضور نے فرمایا ''قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے''۔ حضرت ابن عمر سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردے زندوں کی

Marfat.com

کلام سنتے ہیں تو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنے اختیار وقوت سے مُردوں کو نہیں سنا سکتے (کہ جب چاہو مردوں کو اپنا کلام سنادو) بلکہ اللہ جب چاہتا ہے مردوں کو زندوں کا کلام سنا دیتا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ تم مردوں کو ایسی بات نہیں سنا سکتے جو ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکے (کیونکہ ہر ہدایت پر عمل کرنے کا وقت گذر گیا)۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ
اللہ ہے جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا
مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ
کمزوری سے پیچھے زور پھر دے گا زور کے پیچھے
ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾
کمزوری اور سفید بال بناتا ہے جو کچھ چاہے اور وہ ہے سب کچھ جانتا کر سکتا

انسانی زندگی کے اُتار چڑھاؤ

یعنی بچہ شروع میں پیدائش کے وقت بیحد کمزور و ناتوان ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ قوت آنے لگی ہے حتی کہ جوانی کے وقت اُس کا زور انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور تمام قوتیں شباب پر ہوتی ہیں، پھر عمر ڈھلنے لگتی ہے اور زور وقوت کے پیچھے کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں جس کی آخری حد بڑھاپا ہے۔ اُس وقت تمام اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے اور قویٰ معطل ہونے لگتے ہیں۔ قوت وضعف کا یہ سب اُتار چڑھاؤ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرح چاہے کسی چیز کو بنائے۔ اور قوت وضعف کے مختلف اَدوار میں گذارے۔ اُسی کو قدرت حاصل ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت تک کن حالات میں رکھنا مناسب ہے۔ لہٰذا اُسی خدا کی اور اُس کے پیغمبروں کی باتیں ہمیں سننی چاہئیں۔ شاید اس میں یہ بھی اشارہ کر دیا کہ جس طرح تم کو کمزوری کے بعد زور دیا، مسلمانوں کو بھی ضعف کے بعد قوت عطا کریگا اور جو دین بظاہر اِس وقت کمزور نظر آتا ہے کچھ دنوں بعد زور پکڑیگا اور اپنے شباب وعروج کو پہنچے گا۔ اُس کے بعد پھر ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ مسلمانوں کے ضعف کا آئے سو یاد رکھنا چاہئے کہ خدائے قادر وتوانا ہر وقت ضعف کو قوت سے تبدیل کر سکتا ہے۔ ہاں ایسا کرنے کی خاص صورتیں اور اسباب ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ
اور جس دن قائم ہوگی قیامت قسمیں کھائیں گے گنہگار
مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ
کہ ہم نہیں رہے تھے ایک گھڑی سے زیادہ

قیامت آئے گی تو دنیا کی زندگی کی حقیقت کھلے گی

یعنی قبر میں یا دنیا میں رہنا تھوڑا معلوم ہوگا جب مصیبت سر پر کھڑی نظر آئے گی کہیں گے کہ افسوس بڑی جلدی دنیا کی اور برزخ کی زندگی ختم ہوگئی۔ کچھ بھی مہلت نہ ملی جو ذرا سی دیر اور اس عذاب الیم سے بچے رہتے۔ یا دنیا میں کچھ زیادہ مدت ٹھہرنے کا موقع ملتا تو اس دن کے لئے تیاری کرتے یہ تو ایک دم مصیبت کی گھڑی سامنے آ گئی۔ (تفسیر عثمانی)

برزخی زندگی

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے مراد قبر اور برزخ کا قیام ہو، اور مطلب یہ ہو کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ قبر یعنی عالمِ برزخ میں قیام بہت طویل ہوگا اور قیامت بہت زمانہ کے بعد آئے گی، مگر معاملہ برعکس ہو گیا، کہ ہم برزخ میں تھوڑے ہی دیر ٹھہرنے پائے تھے کہ قیامت آ گئی، اور یہ جلدی آنا ان کو اس بناء پر محسوس ہوگا کہ قیامت میں ان کے لئے کوئی خوشی وراحت کی چیز تو تھی نہیں، مصیبت ہی مصیبت تھی، اور انسانی فطرت یہ ہے کہ مصیبت آنے کے وقت پچھلی راحت کے زمانے کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے، اور کافروں کو اگرچہ قبر و برزخ میں بھی عذاب ہوگا مگر قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں وہ بھی راحت محسوس ہونے لگے گا، اور اس زمانے کو مختصر سمجھ کر قسم کھائیں گے کہ قبر میں ہمارا قیام بہت مختصر ایک گھڑی کا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾
اسی طرح تھے اُلٹے جاتے

مشرکین کی غلط سوچ

یعنی جیسے اُس وقت یہ کہنا جھوٹ اور غلط ہوگا اسی طرح سمجھ لو کہ دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور الٹی باتیں کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ
اور کہیں گے جن کو ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا

Marfat.com

لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا
ٹھہرانا تھا اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے دن تک سو یہ ہے
یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾
جی اٹھنے کا دن پر تم نہیں تھے جانتے

مشرکین کے خیال کی تردید

یعنی مؤمنین اور ملائکہ اُس وقت اُن کی تردید کریں گے کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ قبر میں یا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا۔ تم ٹھیک اللہ کے علم اور اُس کی خبر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق قیامت کے دن تک ٹھہرے، ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آ پہنچا۔ اب وہ دیکھ لو جسے تم جانتے اور مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے تو تیار ہو کر آتے اور یہاں کی مسرتیں دیکھ کر کہتے کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ بڑے انتظار و اشتیاق کے بعد آیا۔ جیسا کہ مؤمنین سمجھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قبر میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا

قبر کے سوال و جواب میں احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ جب کافر سے پوچھا جائے گا کہ تیرا رب کون ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ تو وہ کہے گا، هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِیْ، ''ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا'' اگر وہاں جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو کیا مشکل تھا کہہ دیتا کہ میرا رب اللہ ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، تو یہ ایک عجیب بات ہے کہ کافر لوگ اللہ کے سامنے تو جھوٹ بولنے پر قادر ہوں اور فرشتوں کے سامنے جھوٹ نہ بول سکیں، مگر غور کیا جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں، وجہ یہ ہے کہ فرشتے نہ تو عالم الغیب ہیں، نہ ان کو اختیار ہے کہ ہاتھ پاؤں کی گواہی لے کر اس پر حجت تمام کر دیں، اگر ان کے سامنے جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو سب کافر فاجر عذاب قبر سے بے فکر ہو جاتے، بخلاف اللہ جل شانہ کے کہ وہ دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں، اور اعضاء و جوارح کی شہادت سے اس کا جھوٹ کھول دینے پر قادر بھی ہیں، اس لئے محشر میں یہ آزادی دیدینا عدالتی انصاف میں کوئی خلل پیدا نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

فَیَوْمَىِٕذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ
سو اُس دن کام نہ آئے گا ان گنہگاروں کو قصور بخشوانا
وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾
اور نہ ان سے کوئی سنانا چاہے

کوئی عذر و معذرت بھی نہ ہو سکے گی

یعنی نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے جو کام آئے اور نہ اُن سے کہا جائیگا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اپنے پروردگار کو راضی کر لو، کیونکہ اس کا وقت گذر چکا اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ
اور ہم نے بٹھلائی ہے آدمیوں کے واسطے اس قرآن میں ہر ایک
كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ
طرح کی مثل اور جو تو لائے ان کے پاس کوئی آیت تو ضرور کہیں
الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾
وہ منکر تم سب جھوٹ بناتے ہو

تفہیم قرآن

یعنی اُس وقت پچھتائیں گے اور آج خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع ہے قرآن کریم کیسی عجیب مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح اُن کو سمجھاتا ہے، پر اُن کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی، کیسی ہی آیتیں پڑھ کر سنایئے یا صاف سے صاف معجزے دکھلایئے وہ سن کر اور دیکھ کر یہ ہی کہہ دیتے ہیں کہ تم (پیغمبر اور مسلمان) سب مل کر جھوٹ بنا لائے ہو۔ ایک نے چند آیتیں بنا لیں دوسروں نے تصدیق کر دی۔ ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اُس پر ایمان لانے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح ملی بھگت کر کے اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾
یوں مہر لگا دیتا ہے اللہ ان کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے

Marfat.com

ضد وعناد کا انجام

یعنی جو آدمی نہ سمجھے نہ سمجھنے کی کوشش کرے اور ضد وعناد سے ہر بات کا انکار کرتا رہے اسی طرح شدہ شدہ اُس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور آخر کار ضد وعناد سے دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ العیاذ باللہ! (تفسیر عثمانی)

لَایَعْلَمُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی توحید سے ناواقف ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان کو علم کی طلب ہی نہیں ہے اپنے بیہودہ عقائد پر جمے ہوئے ہیں، جہلِ مرکب معرفتِ حق سے روکتا اور تکذیبِ حق پر آمادہ کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا
سو تو قائم رہے بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور
يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾
اُکھاڑ نہ دیں تجھ کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے

دعوت کیلئے صبر وتحمل ضروری ہے

یعنی جب ان بدبختوں کا حال ضد وعناد کے اس درجہ پر پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکی شرارتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ پیغمبرانہ صبر وتحمل کے ساتھ اپنے دعوۃ واصلاح کے کام میں لگے رہیں۔ اللہ نے جو آپ سے فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کر کے رہیگا۔ اُس میں رتی برابر تفاوت وتخلف نہیں ہوسکتا۔ آپ اپنے کام پر جمے رہئے۔ یہ بدعقیدہ اور بے یقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔ تمت سورۃ الروم وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

کامل وضوء نہ کرنے کا اثر

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے اسی سُورت کی قراءت کی۔ اثناء قراءت میں آپ کو وہم سا ہو گیا فارغ ہو کر فرمانے لگے تم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن باقاعدہ ٹھیک ٹھیک وضوء نہیں کرتے۔ تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو اُسے اچھی طرح وضوء کرنا چاہیے۔ (مسند احمد) اس کی اسناد حسن ہے، متن بھی حسن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بحمد اللہ تمت

سورۃ الروم ختم ہوئی

Marfat.com

سُوْرَۃُ لُقْمَان

یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت و ہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت وفہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت و رحمت بن کر آتی ہے۔

سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ لقمان مکہ میں نازل ہوئی اس کی چونتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾
یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی
هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۳﴾
ہدایت ہے اور مہربانی نیکی کرنے والوں کے لئے

سرمایہ ہدایت ورحمت

یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت و ہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت وفہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت و رحمت بن کر آئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۚ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى
اور وہ ہیں جو آخرت پر اُن کو یقین ہے انہوں نے پائی
هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾
ہے راہ اپنے رب کی طرف سے اور وہی مراد کو پہنچے

سورۂ بقرہ کے شروع میں اسی طرح کی آیات گزر چکی ہیں وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حکم زکوٰۃ

یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اس آیت میں زکوٰۃ کا حکم ہے، حالانکہ آیت مکی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل زکوٰۃ کا حکم مکہ معظمہ ہی میں ہجرت سے پہلے آ چکا تھا، اور یہ جو مشہور ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے دوسرے سال میں نافذ ہوا اس سے مراد نصابوں کا تقرر اور مقدار واجب کی تفصیلات اور حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے اس کی وصول یابی اور مصرف پر خرچ کرنے کا انتظام ہے، یہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ
اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے
لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا
تاکہ بچلائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں
هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾
اُسی کو ہنسی وہ جو ہیں اُن کو ذلت کا عذاب ہے

فضولیات کے خریدار

سعدائے مفلحین کے مقابلہ میں یہ اُن اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر ناچ رنگ کھیل تماشے یا دوسری واہیات وخرافات میں مستغرق ہیں چاہتے ہیں، کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل وتفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اُس کی یاد سے برگشتہ کردیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں حضرت حسن لَهْوَ الْحَدِيْثِ کے متعلق فرماتے ہیں "کل ماشغلک عن عبادة الله وذکره من السمر والاضاحیک والخرافات والغناء ونحوها" (روح المعانی) یعنی لہو الحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو۔ مثلاً فضول قصہ گوئی ہنسی مذاق کی باتیں واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ)

Marfat.com

قریش کا سردار نضر بن حارث

روایت میں ہے کہ نضر بن حارث جو رُوسائے کفار میں تھا بغرض تجارت فارس جاتا تو وہاں سے شاہانِ عجم کے قصص وتواریخ خرید کر لاتا اور قریش سے کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں۔ آؤ میں تم کو رُستم واسفندیار اور شاہانِ ایران کے قصے سناؤں بعض لوگ اُن کو دلچسپ سمجھ کر اُدھر متوجہ ہو جاتے۔ نیز اُس نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی، جس کو دیکھتا کہ دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکا، اُس کے پاس لے جاتا اور کہہ دیتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سُنا پھر اُس شخص کو کہتا کہ دیکھو یہ اُس سے بہتر ہے جدھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور جان مارو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تنبیہ) شان نزول گو خاص ہو مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔ جو لَہو (شغل) دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو۔ حرام بلکہ کفر ہے۔ اور جو احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا سبب معصیت بنے وہ معصیت ہے، ہاں جو لہو کسی امر واجب کا مفوت (فوت کرنے والا) نہ ہو اور کوئی شرعی غرض ومصلحت بھی اُس میں نہ ہو وہ مُباح لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولےٰ ہے۔ گھوڑ دوڑ، یا تیراندازی اور نشانہ بازی یا زوجین کی ملاعبت (جو حدِ شریعت میں ہو) چونکہ معتد بہ اغراض ومصالح شرعیہ پر مُشتمل ہیں اس لئے لہو باطل سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں۔ رہا غِناء وسماع کا مسئلہ اُس کی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنی چاہیے۔ مزامیر وملاہی کی حُرمت پر تو صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ البتہ نفسِ غناء کو ایک درجہ تک مُباح لکھتے ہیں اُس کی قیود وشروط بھی کتابوں میں دیکھ لی جائیں۔ صاحب روح المعانی نے آیت ہذا کے تحت میں مسئلہ غِنا وسماع کی تحقیق نہایت شرح وبسط سے کی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابنِ عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ایک قریشی شخص کے حق میں ہوا جس نے ایک مغنیہ باندی خریدی تھی۔

گانا سکھانے کا پیشہ

بغوی نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانے والی عورتوں کو (گانے کی) تعلیم دینی جائز نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے (یعنی ان کو فروخت کرنا ناجائز ہے) اور ایسے ہی شخص کی بابت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الخ نازل ہوئی ہے۔

گانا گانے کی سزا

جو آدمی گانے کے لئے آواز اٹھاتا ہے اللہ دو شیطان اس پر مسلط کر دیتا ہے ایک اس مونڈھے پر اور دوسرا اس مونڈھے پر بیٹھے اپنی لاتیں اس وقت تک اس پر مارتے رہتے ہیں جب تک وہ خود ہی خاموش نہ ہو جائے۔ ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گانے والی (باندیوں) کو نہ بیچو نہ خریدو ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں، ان کی قیمت حرام ہے اور ایسے ہی شخص کی بابت آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔

حضرت مکحولؒ کا تقویٰ

مکحول کا قول ہے کہ جس نے گانے بجانے کی غرض سے کسی گانے بجانے والی باندی کو خریدا اور اس پر مرتے دم تک قائم رہا اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھوں گا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الخ۔

حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابنِ عباسؓ حسن عکرمہؓ اور سعید بن جبیرؒ کے نزدیک لہو الحدیث سے گانا سننا مراد ہے اور غنا ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوالصہباء بکری کا بیان ہے میں نے حضرت ابنِ مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا حضرت ابنِ مسعودؓ نے تین بار فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) غناء ہے۔ ابن جریج کے نزدیک لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے طبل (ڈھول، طبلہ) مراد ہے۔

میں کہتا ہوں مورد نزول اگرچہ کوئی خاص چیز ہو غنا (گانا سننا) ہو یا عجمی قصے، داستانیں لیکن الفاظ عام ہیں اور عموم الفاظ ہی قابلِ اعتبار ہیں اسی لئے قتادہ نے کہا کہ آیت میں ہر لہو ولعب مراد ہے اور ضحاک کے نزدیک شرک مراد ہے۔

مسئلہ: باتفاق فقہاء ہر قسم کا باجا طبلہ ڈھول وغیرہ خواہ بغیر تار کے بجایا جائے یا تار کے ساتھ بہر حال حرام ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور بانسری وبین کی کمائی سے منع فرمایا ہے، رواہ البغوی حضرت ابومالک اشعری کا بیان ہے، میں نے خود سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میری امت کے کچھ لوگ شرابیں پئیں گے اور ان کا نام کچھ اور رکھ دیں گے۔ ان کے

Marfat.com

سامنے باجے بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کو بندر اور سور بنا دے گا۔ رواہ ابن ماجۃ ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اس کی اصل صحیح بخاری میں موجود ہے، حضرت علی ابن ابی طالب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب میری امت پندرہ باتیں کرے گی تو اس پر مصائب کا نزول ہوگا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا باتیں ہیں؟ حضور نے فرمایا،

(۱) جب مالِ غنیمت کو دولت سمجھ لیا جائے گا۔
(۲) جب امانت کے مال کو غنیمت کا مال سمجھا جائے گا۔
(۳) جب زکوٰۃ کو ڈانڈ سمجھا جائے گا۔
(۴) جب مرد اپنی بیوی کا فرماں بردار بن جائے گا۔
(۵) اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔
(۶) اور دوست سے اچھا سلوک کرے گا۔
(۷) اور باپ پر ظلم کرے گا۔
(۸) اور جب مسجدوں میں آوازیں اٹھنے لگیں گی۔
(۹) اور سب سے رزیل آدمی قوم کا سردار بن جائے گا۔
(۱۰) اور (شریر) آدمی کی عزت اس لئے کی جائے گی کہ اس کی شر سے حفاظت ہو جائے۔
(۱۱) اور شراب پی جائے گی۔
(۱۲) اور ریشمی کپڑے پہنے جائیں گے (یعنی مرد پہننے لگیں گے، مترجم)
(۱۳) اور گانے والیاں رکھی جائیں گی۔
(۱۴) اور باجے ڈھولک طبلہ استعمال کئے جائیں گے۔
(۱۵) اور پیچھے آنے والے لوگ اسلاف پر لعنت بھیجیں گے۔

ایسے وقت میں لوگوں کو سرخ آندھی اور زمین میں دھنسائے جانے کا انتظار کرنا چاہیے (ایسا ضرور ہو کر رہے گا)۔

(رواہ الترمذی وقال غریب)

مسئلہ: فقہاء نے کہا اس آیت کی رو سے اور دوسری احادیث کی وجہ سے گانا سننا حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)

اطلاعی ڈھول

المتفق میں ہے باجا بجانا اور سننا حرام ہے۔ فتاویٰ کبری میں ہے طبل بجانا اور سننا حرام ہے کیونکہ ڈھول آلۂ لہو ہے ہاں لڑائی کے موقع پر یا قافلہ کے لئے اطلاعی ڈھول پیٹنا جائز ہے مجاہدین کو رفقاء قافلہ کو نقارہ سے اطلاع دینا موجب ثواب ہے۔ ملتقط میں ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خوشی کے موقع پر اور شادی کی تقریب میں گانا جائز ہے۔

دیکھو نکاح کے موقع پر دف بجانا جائز ہے، دف بھی ایک قسم کا لہو ہی ہے لیکن اس کا مقصد ہوتا ہے اعلانِ نکاح اس لئے جائز ہے، اعلانِ نکاح کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے نکاح کا اعلان کرو خواہ دف ہی کے ذریعہ سے ہو۔ اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ ذخیرہ میں ہے کچھ لوگ کہتے ہیں عید میں دف بجانے میں کوئی گناہ نہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف فرما تھے، عید کا دن تھا، دہلیز پر دو نو عمر لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر (باہر سے) آ گئے اور فرمایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلیز پر گا رہی ہو۔ حضورِ اقدس نے فرمایا (ابوبکر رضی اللہ عنہ) ان کو رہنے دو آج عید کا دن ہے۔

مسئلہ سماع

شرح کافی میں ہے ہمارے علماء کے نزدیک وہ سماع مکروہ ہے جو گناہ کے ارادے بطور لہو ہو، کچھ فاسق لوگ جمع ہو جائیں جو نماز اور تلاوتِ قرآن کے تارک ہوں اور سب اکٹھے ہو کر گانا سنیں۔ لیکن جو لوگ نمازی متقی اور عامل بالقرآن ہوں ان کے لئے باتفاق علماء سماع جائز ہے کیونکہ اس سماع سے ان کا مقصد توجہ الی اللہ اور حضورِ قلب ہوتا ہے، وہ آخرت کے خوف سے اللہ کی یاد کرتے ہیں اور یہ تمام امور مستحسن ہیں ان میں کوئی خرابی نہیں اسی غرض سے وجد اور رقص بھی مذموم نہیں۔

الاقناع میں ہے کہ سماع سے دل میں رقت اور خشوع پیدا ہوتا ہے، اللہ کے دیدار کا شوقِ برانگیختہ ہوتا ہے اللہ کی ناراضگی کا ڈر اور اس کے عذاب کا خوف دل پر چھا جاتا ہے۔ اس طرح کے سماع میں ہواء، نفسانی اور لہو خاطر کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔

بعض علماء قائل ہیں کہ گانا ہر طرح مکروہ ہے امام خواہر زادہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

جامع المضمرات میں النافع اور ذخیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر مغنی دوسروں کو سنانے کے لئے نہ گائے بلکہ اپنی کبیدگی اور وحشتِ خاطر کو دور کرنے کے لئے گائے تو کوئی حرج نہیں۔ میں نے امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی سنا ہے کہ اپنی لونڈی کا گانا بھی اگر (وحشتِ خاطر دور کرنے کے لئے) سنے تو کوئی گناہ نہیں۔ اس قول کو واقعات حسامیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ عوارف میں لونڈی کے ساتھ

Marfat.com

اپنی بی بی کا لفظ بھی مذکور ہے (یعنی اگر اپنی بی بی سے بھی گانا سن لیا جائے تو مباح ہے۔ فتاوی ابراہیم شامی میں بھی اسی طرح مذکور ہے

___ محیط میں (سرخسی نے ذکر کیا) ہے کہ امام محمد نے سیر کبیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ اپنے بھائی براء بن مالک کے پاس گئے اس وقت وہ گا رہے تھے۔

غیر واقعی کلام ممنوع ہے

حضرت ربیع کا بیان ہے کہ میری شادی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس طرح میرے پاس بیٹھ گئے جیسے تم میرے قریب بیٹھے ہو، کچھ لڑکیاں دف بجا کر ان لوگوں کا مرثیہ گانے لگیں جو بدر کے دن مقتول ہوئے تھے ایک لڑکی نے یہ مصرعہ گایا وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَافِیْ غَدٍ ہمارے اندر ایک ایسا نبی ہے جو آنے والے کل کی باتیں جانتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے فرمایا، اس کو چھوڑ، جو کہہ رہی تھی وہی کہہ۔ رواہ البخاری، ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ بات مت کہو آنے والے کل کی بات سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک انصاری شخص سے ایک عورت کی شادی ہوئی اور وہ وداع ہو کے شوہر کے گھر گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے پاس کوئی لہو (گانا بجانا) نہیں ہے ان کو لہو پسند ہوتا ہے۔ (رواہ البخاری)

شادی کے موقع کی خوشی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نکاح کا اعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کرو اور اس پر دف بجاؤ (یعنی خوب شہرت دو) (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب)

حضرت عائشہ کا بیان ہے میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی میں نے اس کا نکاح کرا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! کیا کوئی غِنا نہیں ہے، انصاریوں کا یہ قبیلہ تو غنا کو پسند کرتا ہے، رواہ ابن حبان فی صحیح ___ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنی کسی قرابتدار (لڑکی) کا کسی انصاری سے نکاح کرا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اندر) تشریف لائے تو فرمایا، کیا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا، حاضرین نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والے (یا گانے والی) کو بھیجا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا نہیں۔ فرمایا، انصاری لوگوں کے اندر تغزل ہے (یعنی ان کو غِناء پسند ہے) اگر تم لڑکی کے ساتھ کسی کو یہ گانے کے لئے بھیج دیتے اتینا کم اتینا کم فحیانا وحیاکم (تو بہتر ہوتا) ہم تمہارے پاس آ گئے اللہ ہم کو بھی مبارک کرے اور تم کو بھی۔ (رواہ ابن ماجہ)

عامر بن سعد راوی ہیں کہ ایک شادی میں میں شریک ہوا، وہاں حضرت قرظ بن کعبؓ اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ بھی موجود تھے اور لڑکیاں گا رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا، اے رسول خدا کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور اے اہلِ بدر تمہارے سامنے یہ کیا کیا جا رہا ہے، دونوں نے جواب دیا، اگر تم چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ تم بھی سنو۔ اور اگر جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ، ہم کو شادی میں لہو (گانا سننے) کی اجازت دے دی گئی ہے۔

عید کی خوشی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میرے پاس حضرت ابو بکر تشریف لائے، حج (یعنی عید) کا زمانہ تھا، میرے پاس دو لڑکیاں بیٹھی دَف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہرے پر کپڑا ڈالے (لیٹے) ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لڑکیوں کو جھڑکا، حضورِ والا نے چہرہ کا کپڑا کھول دیا اور فرمایا ابو بکر ان کو رہنے دو یہ عید کے دن ہیں۔ رواہ البخاری۔ ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ہر قوم کا تہوار ہوتا ہے اور ہمارا یہ تیوہار ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ (جب آپ تشریف لے آئیں گے تو اس خوشی میں) آپ کے سر پر دف بجاؤں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی منت پوری کر لو۔ (رواہ ابوداؤ)

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا، اللہ کی نافرمانی کی نذر کو پورا نہ کیا جائے (اگر دف بجانا معصیت ہوتا تو آپ اجازت نہ دیتے) رواہ مسلم ___ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور بنی نجار (کے محلّہ) میں فروکش ہوئے تو بنی نجار کی لڑکیاں یہ شعر گانے اور کہنے لگیں۔

نحن جوارٍ مِّنْ بنی نجارٍ یاحَبَّذَا مُحمّداً مِنْ جَارٍ

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مہمان ہیں)

رواہ ابن ماجۃ عن انس۔

اسی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب

Marfat.com

میں) فرمایا، اللہ واقف ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو عورتیں لونڈیاں اور بچے یہ شعر گانے لگے، طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا مادع للّٰہ داع.

وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا
ہم پر اس کا شکر ادا کرنا ہمیشہ واجب ہے
اے نبی مبعوث آپ واجب التعمیل احکام لے کر آئے۔

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں حبشیوں نے چھوٹے چھوٹے برچھوں کا کھیل کیا۔

محمد بن حاطب جمحی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گانا اور نکاح میں دف بجانا حلال وحرام میں امتیاز (کی علامت) ہے۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والنسائی)

تقریر مذکورۂ بالا سے ظاہر ہو گیا کہ گانا (سننا اور گانا) وہ حرام ہے جو گناہ کی دعوت دے رہا ہو اور اللہ کی یاد سے غافل بنا رہا ہو اگر ایسا نہ ہو تو حلال ہے حرام نہیں ہے۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم کا گانا سننا اور قربت الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرار دینا ثابت نہیں ہے اسی لئے اکابر نقشبندی گانا نہیں سنتے لیکن اس کی تردید بھی نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری)

گانا اور اس سے متعلقہ چیزیں حرام ہیں

جو غنا تحریک اصوات اور تحسین نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں لہو الحدیث سے قصے کہانیاں اور گانے بجانے کا سامان مراد ہے جیسے باجا اور بانسری اور موسیقی اور ستار اور سارنگی اور خرافات اور مضحکہ خیز باتیں اور ناول اور افسانہ جات اور گانے بجانے والی لڑکیاں یہ سب چیزیں لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہیں اور یہ سب چیزیں باجماع صحابہ وتابعین و باتفاق ائمہ مجتہدین حرام ہیں جن کے حرام ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں اور گانا بجانا تو تمام ملتوں اور دینوں میں حرام رہا ہے یہ نفسانی اور شہوانی چیزیں کسی دین میں کبھی بھی جائز نہیں ہوئیں اور غنا اور مزامیر کی حرمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کو علامہ ابن حجر مکی نے کتاب الزواجر میں ذکر کیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس قسم کے ہنوات اور خرافات اور ناولوں اور افسانوں کا پڑھنا بلاشبہ حرام ہے اور جبکہ اس سے مقصود استماع حق اور سماعت قرآن سے روکنا ہو تو وہ بلاشبہ کفر ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اور سنن بیہقی میں ہے کہ اشتراء لہو الحدیث سے مراد گانے بجانے والے مرد یا عورت کو خریدنا یا اس کے امثال ایسی بیہودہ چیزوں کو خریدنا ہے جو اللہ کی یاد سے غافل کریں، ابن جریر نے بھی اسی عام معنی کو اختیار فرمایا ہے (روح ملخصا) اور ترمذی کی ایک روایت سے بھی یہی عموم ثابت ہوتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ گانے والی لونڈیوں کی تجارت نہ کرو، اور پھر فرمایا وفی مثل ھٰذا انزلت ھذہ الآیۃ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ الخ.

لہو ولعب اور اس کے سامان کے شرعی احکام

ان احکام کی پوری تفصیل قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ احقر کے مستقل رسالہ السعی الحثیث فی تفسیر لہو الحدیث میں مذکور ہے، جس میں غناء ومزامیر پر بھی مفصل کلام قرآن وحدیث سے پھر فقہاء امت اور صوفیائے کرام کے اقوال سے مذکور ہے، یہ رسالہ بزبانِ عربی احکام القرآن حزب خامس میں شائع ہو چکا ہے، اہلِ علم اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، عوام کے لئے اس کا خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

پہلی بات قابلِ نظر یہ ہے کہ قرآن کریم نے جتنے مواقع میں لہو یا لعب کا ذکر کیا ہے وہ مذمت اور بُرائی ہی کے مواقع ہیں، جس کا ادنیٰ درجہ کراہت ہے (روح المعانی وکشاف) اور آیت مذکورہ لہو کی مذمت میں بالکل واضح اور صریح ہے۔

جائز کھیل

اور مستدرک حاکم کتاب الجہاد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کُلُّ شَیْءٍ مِنْ لَھْوِ الدُّنْیَا بَاطِلٌ اِلَّا ثَلٰثَۃ اِنتِضَالُکَ بِقَوْسِکَ وَتَادِیْبُکَ لِفَرَسِکَ ..... و مَلَاعبتک لِاَھْلِکَ فَاِنَّھُنَّ مِنَ الْحَقِّ،

"یعنی دنیا کا ہر لہو (کھیل) باطل ہے مگر تین چیزیں ایک یہ کہ تم تیر کمان سے کھیلو دوسرے اپنے گھوڑے کو سدھانے کے لئے کھیلو، تیسرے اپنی بی بی کے ساتھ کھیل کرو۔"

حاکم نے اس حدیث کو صحیح علیٰ شرط مسلم کہا ہے۔

Marfat.com

حدیث میں تین کھیلوں کو ممانعت سے مستثنیٰ کرنا اوپر گزر چکا ہے، تیر اندازی گھوڑے کی سواری، اپنے اہل کے ساتھ ملاعبت، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث میں ہے: **خیر لهو المؤمن السباحة وخير لهو المرأة. المغزل** (جامع صغير برمز ابن عدی باسناد ضعيف) یعنی مؤمن کا اچھا کھیل تیراکی ہے اور عورت کا اچھا کھیل چرخہ ہے"۔

صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انصار مدینہ میں ایک صاحب دوڑ میں بڑے ماہر تھے، کوئی ان سے سبقت نہ لے جا سکتا تھا، انہوں نے ایک روز اعلان کیا کہ کوئی ہے جو میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کرے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں مقابلہ کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تو میں مقابلہ میں آگے بڑھ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ پیادہ دوڑ کی مشق کرنا بھی جائز ہے۔

ایک مشہور پہلوان رکانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی ٹھہرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کشتی میں پچھاڑ دیا (ابو داؤد فی المراسیل)۔

حبشہ کے کچھ نوجوان مدینہ طیبہ میں فنِ سپہ گری کی مشق کرنے کے لئے نیزوں وغیرہ سے کھیلتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کھیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی پشت کے پیچھے کھڑا کر کے دکھلایا اور ان لوگوں کو فرمایا کہ اِلْهُوْا وَالْعَبُوْا "یعنی کھیل کود کرتے رہو" (رواه البيهقی فی الشعب كذافی الكنز من باب اللهو) اور بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی آئے ہیں فَاِنِّیْ اَكْرَهُ اَنْ يَرٰى فِیْ دِيْنِكُمْ غِلْظَةً "یعنی میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دین میں خشکی اور شدت دیکھی جائے"۔

اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ جب وہ قرآن وحدیث کے مشاغل میں تھک جاتے تو بعض اوقات عرب کے اشعار یا تاریخی واقعات سے دل بہلاتے تھے (ذکرہ عن ابن عباسؓ فی کف الرعاع)

ایک حدیث میں ارشاد ہے: رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً فَسَاعَةً اخرجه ابو داؤد فی مراسيله عن ابن شهاب مُرسَلاً، "یعنی تم اپنے قلوب کو کبھی کبھی آرام دیا کرو" جس سے قلب ودماغ کی تفریح اور اس کے لئے کچھ وقت نکالنے کا جواز ثابت ہوا۔

شراب، جوا اور طبلہ سارنگی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جُوئے اور طبلہ وسارنگی کو حرام کیا ہے، اور فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے، (رواہ الامام احمد وابوداؤد وابن حبان)

خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر کے مفید اشعار

بعض صوفیائے کرام سے جو سماعِ غنا منقول ہے وہ اسی قسم کے جائز غنا پر محمول ہے، کیونکہ ان کا اتباع شریعت اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب کی طرح یقینی ہے، ان سے ایسے گناہ کے ارتکاب کا گمان نہیں کیا جا سکتا، محققین صوفیائے کرام نے خود اس کی تصریح فرمائی ہے۔

قرآن سے اعراض

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا

اور جب سُنائے اُس کو ہماری آیتیں پیٹھ دی جائے غرور سے گویا اُن کو سنا ہی نہیں

كَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

گویا اُس کے دونوں کان بہرے ہیں سو خوشخبری دے اُس کو دردناک عذاب کی

یعنی غرور وتکبر سے ہماری آیتیں سُننا نہیں چاہتا بالکل بہرا بن جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝

جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام اُن کے واسطے ہیں نعمت کے باغ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ہمیشہ رہا کریں اُن میں وعدہ ہو چکا اللہ کا سچا اور زبردست ہے حکمتوں والا

یعنی کوئی قوت اُس کو ایفائے وعدہ سے روک نہیں سکتی نہ کسی سے بے موقع وعدہ کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

بنائے آسمان بغیر ستونوں کے تم اُس کو دیکھتے ہو

اس لفظ کی تفسیر سورہ رعد کے شروع میں گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

اور رکھ دیئے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے

Marfat.com

زمین کی مضبوطی

یعنی سمندر کی موجوں اور سخت ہوا کے جھٹکوں سے یا دوسرے اسباب طبیعہ سے مُرتعش ہو کر جھک نہ پڑے، اس کا انتظام بڑے بڑے پہاڑ قائم کر کے کر دیا گیا۔ سورۂ ''نحل'' کے اوائل میں یہ مضمون گزر چکا ہے، باقی پہاڑوں کے پیدا کرنے کی حکمت کچھ اسی میں منحصر نہیں۔ دوسرے فوائد اور حکمتیں ہوں گی جو اللہ کو معلوم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ
اور بکھیر دیئے اُس میں سب طرح کے جانور اور اُتارا ہم نے آسمان سے
مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝
پانی پھر اُگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے

زمین کا حُسن

یعنی ہر قسم کے پُر رونق، خوش منظر اور نفیس و کارآمد درخت زمین سے اُگائے۔ سورۂ شعراء کے شروع میں اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ
یہ سب کچھ بنایا ہوا ہے اللہ کا اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اُس کے سوا ہیں

مشرکین کے معبود جھوٹے ہیں

جب نہیں دکھلا سکتے تو کس منہ سے اُن کو خدائی کا شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہ ہی ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو۔ یہاں ایک ذرّہ کے پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
کچھ نہیں پر بے انصاف صریح بھٹک رہے ہیں

ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں۔ اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ آگے شرک و عصیان کی تقبیح کے لئے حضرت لقمان کی نصیحتیں نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے اللہ کی طرف سے دانائی پا کر اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ
اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی

حضرت لقمان کی باتیں

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ہاں ایک پاکباز متقی انسان تھے جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل و فہم اور متانت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں، جو پیغمبروں کے احکام و ہدایات کے موافق تھیں۔ اُن کی عقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں۔ ربُّ العزت نے ایک حصہ قرآن میں نقل فرما کر اُن کا مرتبہ اور زیادہ بڑھا دیا، شاید مقصود یہ جتلانا ہو کہ شرک وغیرہ کا قبیح ہونا جس طرح فطرت انسانی کی شہادت اور انبیاءؑ کی وحی سے ثابت ہے، دنیا کے منتخب عقلمند بھی اپنی عقل سے اُس کی تائید و تصدیق کرتے رہے ہیں۔ پس توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا ضلال مبین نہیں تو اور کیا ہے؟ (تنبیہ) حضرت لقمان کہاں کے رہنے والے تھے؟ اور کس زمانہ میں ہوئے؟ اس کی پوری تعیین نہیں ہو سکی، اکثر کا قول ہے کہ حبشی تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ہوئے۔ ان کے بہت سے قصے اور اقوال تفاسیر میں نقل کئے ہیں۔ **فاللّٰہ اعلم بصحتھا.** (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے لقمان بن باعور بن ناخور بن تارخ۔ تارخ ہی کو آزر کہا جاتا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا لقمان حضرت ایوب کے بھانجے تھے مقاتل نے کہا خالہ کے بیٹے تھے، بیضاوی نے لکھا ہے لقمان حضرت داؤد کے زمانہ تک زندہ تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے لیکن حضرت داؤد کی بعثت کے بعد فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا اب میری ضرورت نہیں پھر کیوں فتویٰ دینے سے باز نہ رہوں۔ واقدی نے کہا لقمان بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ تفسیر دُرِ منثور میں ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے اور امام احمد نے الزہد میں بھی اس کو بیان کیا ہے اور کتاب المملوکین میں ابن ابی الدنیا نے بھی یہ لکھا ہے۔ نیز ابن جریر۔ ابن المنذر اور ابن ابی حاتم کا بھی بیان ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لقمان ایک حبشی غلام تھے جو بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی خوش گفتاری

بغوی نے لکھا ہے لقمان دوپہر کو سو رہے تھے۔ خواب میں ہاتف نے

Marfat.com

ندا دی لقمان کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنادے اور لوگوں پر تم صحیح حکومت کرتے رہو؟ خواب ہی میں لقمان نے ہاتف کو جواب دیا، اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے تو مجھے عافیت پسند ہے (میں حکومت کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا) اور اگر یہ اللہ کا قطعی حکم ہے تو بسر وچشم۔ کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ جب اللہ کا یہ قطعی حکم میرے لئے ہوگا تو وہی فیصلہ کرنے میں میری مدد بھی کرے گا اور (غلطی سے) مجھے محفوظ رکھے گا۔ ہاتف نے پردۂ غیب سے آواز دی لقمان ایسا تم نے کیوں اختیار کیا (یعنی عافیت کو کیوں پسند کیا؟) لقمان نے کہا، سخت ترین اور الجھے ہوئے غیر واضح مقامات میں فیصلہ پر ہر طرف سے تاریکی چھائی ہوتی ہے ایسے مقام پر اگر لقمان کا فیصلہ صحیح پڑ گیا تو وہ نجات کا مستحق ہے اور اگر اس سے فیصلہ میں غلطی ہوگئی تو جنت کا راستہ کھو گیا۔ دنیا میں نیچا رہنا، سردار ہونے سے بہتر ہے جو شخص آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے اس کے ہاتھ سے دنیا بھی جاتی ہے اور آخرت بھی ہاتھ نہیں آتی۔ ملائکہ کو لقمان کی خوش گفتاری پر تعجب ہوا۔ اس کے بعد لقمان کو کسی روز سوتے میں اللہ نے حکمت عطا فرمادی اور بیدار ہونے کے بعد آپ (ہر) بات پُر حکمت کرنے لگے۔

خاموش رہنا حکمت ہے

حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ لقمان حضرت داؤد کے غلام تھے، حضرت داؤد زرہیں بناتے تھے لیکن حضرت لقمان حضرت داؤد سے اس کی بابت کوئی سوال نہیں کرتے۔ جب حضرت داؤد نے زرہ بنالی اور اس کو پہن لیا تو فرمایا یہ بہترین جنگی لباس ہے اس پر حضرت لقمان نے فرمایا خاموش رہنا حکمت ہے (بغیر دریافت کئے زرہ بنانے کی حکمت اور غرض حضرت لقمان کو معلوم ہوگئی) لیکن ایسا کرنے والے کم ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا سب سے بُرا کون آدمی ہے؟ فرمایا ''وہ آدمی سب سے بُرا ہے جو اس بات کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ لوگ مجھے گناہ کرتے دیکھ رہے ہیں'' یعنی علی الاعلان بدکار)۔ (تفسیر مظہری)

لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے ہیں اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے کہ لقمان ایک حبشی غلام تھے، نجاری کا کام کرتے تھے (اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد فی الزہد وابن جریر وابن المنذر وغیرہ) اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ان کے حالات دریافت کئے گئے تو فرمایا کہ پست قد پست ناک کے حبشی تھے، اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ حبشی غلام موٹے ہونٹ والے پھٹے ہوئے قدموں والے تھے (ابن کثیر)

تین کالے بزرگ

ایک سیاہ رنگ حبشی حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے کیلئے حاضر ہوا تو حضرت سعید نے اسکی تسلی کیلئے فرمایا کہ تم اپنے کالے ہونے پر غم نہ کرو، کیونکہ کالے لوگوں میں تین بزرگ ایسے ہیں جو لوگوں میں سب سے بہتر تھے حضرت بلال حبشی رحمہ اللہ اور مہجع حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور حضرت لقمان علیہ السلام۔

حکمت تک پہنچانے والے اعمال

حضرت لقمان ایک روز ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سُنا رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کیا تم وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چَرایا کرتے تھے، لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں، اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلقِ خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لئے دُور دور سے جمع ہوتی ہے، لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا سبب میرے دو کام ہیں ایک ہمیشہ سچ بولنا، دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت لقمان نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا، اگر تم اختیار کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہوجائے گا، وہ کام یہ ہیں، اپنی نگاہ کو پست رکھنا اور زبان کو بند رکھنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا، بات میں سچائی پر قائم رہنا، عہد کو پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا، پڑوسی کی حفاظت کرنا، اور فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا (ابن کثیر)۔ (معارف مفتی اعظم)

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ
کہ حق مان اللہ کا اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾
اور جو کوئی منکر ہوگا تو اللہ بے پرواہ ہے سب تعریفوں والا

نعمتوں کی شکر گذاری

یعنی اس احسان عظیم اور دوسرے احسانات پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرنا

Marfat.com

اور حق ماننا ضروری ہے لیکن واضح رہے کہ اس حق شناسی اور شکر گزاری سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جو کچھ فائدہ ہے خود شاکر کا ہے کہ دنیا میں مزید انعام اور آخرت میں اجر وثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگر ناشکری کی تو اپنا نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے شکریہ کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ اُس کی حمد وثنا تو ساری مخلوق زبانِ حال سے کر رہی ہے اور بفرض محال کوئی تعریف کرنے والا نہ ہو تب بھی جامع الصفات اور منبع الکمالات ہونے کی بنا پر وہ بذاتِ خود محمود ہے کسی کے حمد وشکر کرنے یا نہ کرنے سے اس کے کمالات میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

حکمت اور شکر

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ کہ اللہ کا شکر کر یعنی ہم نے لقمان کو حکمت دی اور کہا کہ اس عطیۂ حکمت کا شکر ادا کر اکثر اہلِ تفسیر نے اَن کو مفسرہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ عطائے حکمت میں قول کا معنی آ جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں، عطائے حکمت کا مطلب ہے حکمت سکھانا اور تعلیمِ حکمت اکثر قول ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس صورت میں حکمت دینے کا معنی ہوگا شکر گزاری کا حکم دینا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمت ہی شکر ہے اور حکمت ادا کرنے کا معنی ہی شکر ادا کرنے کا حکم دینا ہے۔

ذاتِ الٰہی کا علم بہت ہی خاص خاص لوگوں کو ہوتا ہے۔

شکر کے حکم کی نوعیت

آیت میں امر سے مراد ہے تکوینی (تخلیقی، فطری) حکم۔ کیونکہ تکلیفی (اور تشریعی) حکم تو سب ہی لوگوں کو دیا گیا ہے، لقمان ہی کی خصوصیت نہیں پھر شکر گذاری کا حکم دینا (یعنی تکلیفی حکم دینا) اس بات کا قطعاً موجب نہیں کہ ہر شخص ادا کرنے پر مجبور ہو اور ضرور ہی شکر کرے۔ البتہ تکوینی امر کے لئے مامور کا وجود ضروری ہے اگر امر تکوینی مراد ہو تو پھر شکر گزاری لازم ہوگی جس طرح عطائے حکمت کے بعد حصول حکمت لازم ہے اسی طرح شکر کے امر تکوینی کے بعد لقمان کا شکر گذار ہو جانا ضروری ہے۔

حکمت سے شکر مراد لینا بطور مجاز ہے کیونکہ شکر حکمت کے لئے لازم ہے اور ملزوم سے لازم یا لازم سے ملزوم مراد ہو سکتا ہے۔

شکر کا معنی اور اقسام

شکر کا معنی ہے منعم کی نعمت کا (اقرار و) اظہار۔ اور کفران کا معنی ہے منعم کی نعمت پر پردہ ڈال دینا، چھپا دینا، (منعم کو منعم نہ قرار دینا)۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے، شکر کا معنی ہے احسان شناسی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ شکر اصل میں کشر تھا، کشر کے حروف کو مقدم مؤخر کر کے شکر کر دیا گیا، کشر کا معنی ہے کھول دینا، شکر کا معنی بھی نعمت کو ظاہر کرنا ہے۔

شکر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) دل سے شکر کرنا یعنی منعم کے انعام کا تصور کرنا۔

(۲) زبان سے شکر کرنا یعنی منعم کی نعمت پر اس کی ثناء کرنا۔

(۳) اعضاء جسم سے شکر کرنا یعنی نعمت کے بدلہ میں منعم کی اطاعت کرنا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ شکر عَیْنٌ شکرٌ (بھرا ہوا چشمہ) سے ماخوذ ہے اس قول پر شکر کا معنی ہوگا منعم کی نعمتوں کی یاد سے بھر جانا۔ اسی بنیاد پر اللہ نے فرمایا ہے وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ قرآن مجید میں اللہ نے دو شخصوں کو شکر گزار بندہ فرمایا ہے ایک حضرت ابراہیم جن کے متعلق فرمایا ہے۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ دوسرے حضرت نوح علیہ السلام جن کے متعلق فرمایا ہے اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

زبان وعمل سے شکر

نہایہ میں جزری نے لکھا ہے، نعمت کے مقابلہ میں شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور عمل سے بھی اور نیت سے بھی زبان سے بھی منعم کی تعریف کرنی چاہیے اور اپنے اعضاء کو بھی ہمیشہ اس کی طاعت میں لگا دیا جائے اور یقین بھی رکھا جائے کہ منعم ہی میرا مولیٰ ہے۔ لفظ شکر شَكَرَتِ الْاِبِلُ شَكْرًا (اونٹ خوب چر کر موٹے ہو گئے) سے ماخوذ ہے۔

شکر کا فائدہ

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ جو شکر کرے گا وہ صرف اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرے گا۔

شکر کرنے سے موجودہ اور حاصل شدہ نعمت زوال سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور آئندہ مزید نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ کے قرب اور دوامی جنت کا حصول ہو جاتا ہے، اللہ نے فرمایا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات وافعال میں بذاتِ خود حمید اور پسندیدہ ہے اس کا کمال وجمال کسی کی حمد اور ستائش کا محتاج نہیں۔

ع عشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است

(معارف کاندھلوی)

Marfat.com

جسم کے دو بہترین اور بدترین اعضاء

حضرت خالد ربعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت لُقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے۔ کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے یہی حکم دیا اور کہا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے جو بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں وہ لا دو۔ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے۔ مالک نے پوچھا اس کی کیا وجہ کہ بہترین ٹکڑے تجھ سے مانگے تو تُو یہی دو لایا اور بدترین ٹکڑے مانگے تو تُو نے یہ لا دیئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ بُرے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے، نیک بندے تھے، سیاہ فام غلام تھے، موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی بھلی عادتیں

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے امیر اور بہت زیادہ کُنبے والے نہ تھے۔ ہاں اُن میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش خُلق، خاموش، غور و فکر کرنے والے گہری نظر والے، دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے لغو کاموں سے دُور رہتے تھے، ہنستے نہ تھے جو کلام کرتے تھے حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا، جس وقت ان کی اولاد فوت ہوئی یہ بالکل نہ روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔ حضرت قتادہؒ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت و نبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی۔ راتوں رات ان پر حکمت برسا دی گئی اور رگ و پے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو ان کی باتیں اور ان کی عادتیں سب حکیمانہ ہو گئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے نبی بنا دیتا تو اور بات تھی ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں، اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ
اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ
اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا

حضرت لقمان علیہ السلام کا بیٹا

معلوم نہیں بیٹا مشرک تھا؟ سمجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا؟ اُسے توحید پر خوب مضبوط کرنے اور جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی؟ (تفسیر عثمانی)

حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحتیں

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان حکیم یہ کہا کرتا تھا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے (رواہ احمد) لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ اپنا ایمان اور اسلام اللہ کے پاس ودیعت رکھ دے تا کہ وہ شیطان کی دستبرد سے محفوظ ہو جائے۔ (معارف القرآن)

(۲) قاسم بن مغیرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ اے بیٹے تقنع سے بچنا (تقنع کے معنی سر کے اوپر اس طرح چادر لپیٹنا کہ گھونگٹ کی طرح ہو جائے) اس لئے کہ تقنع سے رات میں ٹھوکر کھا جانے کا ڈر ہے اور دن میں مذمت کا ڈر ہے کہ لوگ اس ہیئت کو بُرا سمجھیں گے اور برا کہیں گے۔ اخرجہ ابن ابی حاتم ورجالہ ثقات ولکنہ مرسل۔

(۳) عون بن عبداللہ سے روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تو کسی مجلس میں جائے تو ان پر اسلام کا تیر چلا یعنی ان پر سلام کر پھر ایک گوشہ میں خاموش بیٹھ جا اور ان کو دیکھتا رہ۔ پس جب وہ بولیں تو اگر ذکر الٰہی کی باتیں شروع کریں تو تو بھی ان میں حصہ لے اور اگر ادھر ادھر کی باتیں کریں تو وہاں سے نکل کر اور اٹھ کر کہیں اور چلا جا (ابن ابی حاتم) یہ تینوں روایتیں تفسیر ابن کثیر ۴۴۷ ج ۳ سے لی گئی ہیں۔

امام خلیل بن احمد کی دعاء

امام نحو یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھم اجعلنی عنک مِنْ اَرْفَعِ

Marfat.com

خَلْقِکَ وَاجْعَلْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ مِنْ اَوْضَعِ خَلْقِکَ وعِنْدَ النَّاسِ مِنْ اَوْسَط، خَلْقِکَ ۔(تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۸ ج ۳)

اے اللہ مجھ کو اپنے نزدیک بلند ترین مخلوق میں سے بنا اور میرے نفس سے مجھ کو کمترین مخلوق میں سے بنا کہ میں اپنے دل میں اپنے آپ کو حقیقۃً سب سے حقیر اور کمتر جانوں (نہ یہ کہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ اور ناچیز کہوں) اور اے اللہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک متوسط درجہ کی مخلوق میں سے بنا۔ آمین

خطیب شربینی نے اپنی تفسیر سراج منیر میں مختصر طریق پر بلاسند کے ان نصائح کو ذکر کیا ہے کہ جو لقمان حکیم کی طرف منسوب ہیں جو بلاشبہ خزینہ حکمت اور گنجینہ معرفت ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطیب شربینی کی طرح ہم بھی ان نصائح کا ترجمہ اپنی تفسیر میں ذکر کریں۔

(۱) اے پسر اللہ کے تقویٰ کو اپنی تجارت بنا بغیر سرمایۂ مال کے تجھ کو نفع حاصل ہوگا۔

(۲) اے پسر جنازوں پر حاضر ہوا کر اور شادیوں کی محفل میں مت جایا کر۔ کیونکہ جنازے تجھ کو آخرت یاد دلائیں گے اور شادی کی محفلیں تجھ کو دنیا یاد دلائیں گی کہ دنیا ایسی ہوتی ہے۔

(۳) اے پسر پیٹ بھر کر نہ کھانا۔ کتے کے سامنے ڈال دینا زیادہ کھانے سے بہتر ہے۔

(۴) اے پسر مرغ کو دیکھ کہ صبح کو اُٹھ کر اذان دیتا ہے اور تو بستر پر سویا ہوا ہوتا ہے لہذا مرغ سے زیادہ عاجز نہ بن۔

(۵) اے پسر توبہ میں تاخیر نہ کر کیونکہ موت اچانک آتی ہے خبر کر کے نہیں آتی۔

(۶) اے پسر تو مرد جاہل سے دوستی کرنے کی طرف راغب نہ ہو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ تو بھی اسی کے عمل اور طریقہ سے راضی ہے تو تیری وجہ سے لوگ دھوکہ میں پڑیں گے۔

(۷) اے پسر اللہ سے ڈرتا رہ اور اس کے تقویٰ کو لازم پکڑ۔ مگر اس طرح رہ کہ لوگوں پر تیرا تقویٰ ظاہر نہ ہو اور لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس لئے تیرا اکرام کریں اور حالانکہ اندر سے تیرا دل بدکار ہو۔

(۸) اے پسر خاموشی کو لازم پکڑ۔ خاموشی پر کبھی تجھ کو ندامت نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر تیرا کلام چاندی کا ہے تو تیری خاموشی خالص سونا ہے۔

(۹) اے پسر شر سے علیحدہ اور دور رہ۔ ایک شر دوسرے شر کا خلیفہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اے پسر شدت غضب سے پرہیز کرنا۔ شدت غضب دل کو خراب کر دیتا ہے اور شدت غضب سے حکیم کے دل کا نور مٹ جاتا ہے۔

(۱۱) اے پسر علماء کی مجلس کو لازم پکڑ اور حکماء کا کلام سُنا کر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نور حکمت سے مردہ دل کو زندہ کر دیتا ہے جیسا کہ مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اور جو جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور بدخلق آدمی کو غم بہت لاحق ہو جاتا ہے اور پہاڑ سے پتھر لانا آسان ہے بہ نسبت نادان اور بے عقل کے سمجھانے کے۔

(۱۲) اے پسر کسی نادان اور بے عقل کو ایلچی بنا کر نہ بھیج اور اگر تجھ کو کوئی دانا میسر نہ آئے تو خود چلا جا۔

(۱۳) اے پسر کسی کی باندی سے نکاح نہ کرنا کہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کی غلامی کے غم میں ڈال دے۔

(۱۴) اے پسر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں علم اور حلم والے کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہوگی۔

(۱۵) اے پسر وہ مجلس اختیار کر جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہو کیونکہ ان پر جو اللہ کی رحمت آئے گی اس میں سے تو بھی حصہ پائے گا اور اس مجلس میں نہ بیٹھنا جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو کیونکہ اگر ان پر کوئی غضب الٰہی آیا تو تو بھی ان کے ساتھ اس میں پس جائے گا۔

(۱۶) اے پسر چاہیے کہ تیرا کھانا صرف متقی اور پرہیز گار لوگ کھائیں برے لوگوں کو اپنا کھانا نہ کھلا۔

(۱۷) اہلِ علم اور اہلِ فہم سے مشورہ کر۔

(۱۸) اے پسر دنیا بحر عمیق ہے یعنی بڑا گہرا دریا ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہو گئے پس اگر تو نجات چاہتا ہے تو اللہ کے تقویٰ کو اپنی کشتی بنا اور اس کو ایمان کے سامان سے بھر لے اور اللہ پر توکل اس کا لنگر بنا دے تو امید ہے کہ تو ڈوبنے سے بچ جائے گا۔

(۱۹) اے پسر میں نے بڑے بڑے پتھر اور بڑے بڑے لوہے اُٹھائے ہیں مگر بُرے پڑوسی سے زیادہ کسی کو ثقیل اور بوجھل نہیں پایا۔

(۲۰) اور میں نے بڑی بڑی تلخیاں چکھی ہیں مگر فقیری اور محتاجی سے بڑھ کر کوئی تلخ چیز نہیں دیکھی۔

Marfat.com

(۲۱) اے پسر علم اور حکمت نے فقراء اور مساکین کو ملوک اور سلاطین کی جگہ پر بٹھلا دیا۔

(۲۲) اے پسر تو ان لوگوں میں سے نہ ہونا کہ جو اپنی تعریف کے طلبگار رہتے ہیں۔

(۲۳) اے پسر جب علم حاصل کرو تو اس پر عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کرو (علم بغیر عمل کے ہیچ ہے)

(۲۴) اے پسر علماء اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑ اور دوزانو ان کے سامنے بیٹھا کر۔

(۲۵) اے پسر جب کسی سے دوستی کرنا مقصود ہو تو اس کا امتحان کرلو کہ اس کو غضب ناک کرو اور دیکھو کہ وہ اس غصہ کی حالت میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے اگر وہ انصاف کرتا ہے تو وہ دوستی کے لائق ہے ورنہ اس سے پرہیز کرنا۔

(۲۶) اے پسر قرضہ سے بچنا۔ قرضہ دن میں ذلت ہے اور رات میں فکر اور غم ہے۔

(۲۷) اے پسر جب سے تو دنیا میں اترا ہے تو تیری پشت دنیا کی طرف ہے اور منہ تیرا آخرت کی طرف ہے پس جس گھر کی طرف تو جا رہا ہے وہ اس گھر سے کہیں زیادہ قریب ہے جس سے تو دور ہوتا جا رہا ہے۔

(۲۸) اے پسر اپنی زبان کو اَللّٰھُم اغفِرلِیْ کا عادی اور خوگر بنالے کیونکہ دن رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں دعا رد نہیں ہوتی۔

(۲۹) اے پسر اللہ تعالیٰ سے امید لگائے رکھ مگر ایسی امید نہ ہو کہ جو تجھے گناہوں پر جری اور دلیر بنا دے اور اللہ سے ڈرتا رہ مگر وہ خوف ایسا نہ ہو کہ جو تجھ کو اللہ کی رحمت سے نا اُمید بنا دے۔

لقمان حکیم کی حکمتوں اور نصیحتوں کی تو کوئی شمار نہیں یہ چند نصائح میں نے تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی ص ۱۵۰ ج ۳ اور حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۵۵ ج ۳ سے نقل کر دی ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو اور ناظرین کو ان سے نفع دے آمین یارب العالمین۔ (معارف کاندھلویؒ)

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾
بیشک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے

شرک سب سے بڑی ناانصافی ہے

اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دے دیا جائے اور اس سے زیادہ حماقت اور ظلم اپنی جان پر کیا ہوگا کہ اشرف المخلوقات ہو کر خسیس ترین اشیاء کے آگے سر عبودیت خم کر دے۔ لاحول ولا قوۃ اِلاّ باللّٰہ. (تفسیر عثمانی)

اور یاد کرو جب لقمن نے اپنے بیٹے سے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا، میرے پیارے بیٹے! اللہ کا کسی کو ساجھی مت قرار دینا شرک بڑا ظلم ہے۔

لقمان کے بیٹے کا نام انعم یا اشکم یا ماثان تھا بعض اقوال میں آیا ہے کہ لقمان کا بیٹا مشرک تھا پھر باپ کی نصیحت کی وجہ سے مؤمن ہوگیا۔

ظلم کیا ہے

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مخصوص (مناسب) مقام کے علاوہ کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔ خواہ اس میں کمی کر دی جائے یا بیشی یا مکان میں تغیر کر دیا جائے یا وقت بدل دیا جائے۔ ظلم کا اطلاق حق سے تجاوز کرنے پر بھی ہوتا ہے۔ تجاوز تھوڑا ہو یا بہت اسی لئے چھوٹے گناہ کو ظلم کہا جاتا ہے اور بڑے گناہ کو بھی اور ظاہر ہے کہ شرک (بڑا گناہ ہے اس لئے) بڑا ظلم ہے جس میں معبود ہونے کی صلاحیت نہ ہو اس کی عبادت کرنا یقیناً حق سے تجاوزِ عظیم ہے حقیقی منعم کو اس شخص کے ساتھ برابر قرار دینا جو منعم ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا بڑا ظلم (اور بڑی بے جا حرکت) ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ
اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اُس کے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اُس کو اُس کی ماں
وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ
نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اُس کا دو برس میں کہ حق مان میرا
وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾
اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے

والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک

یعنی ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ وہ مہینوں تک اس کا بوجھ پیٹ میں اُٹھائے پھری، پھر وضع حمل کے بعد دو برس تک دودھ پلایا۔ اس دوران میں نہ معلوم کیسی کیسی تکلیفیں اور سختیاں جھیل کر بچہ کی تربیت کی۔ اپنے آرام کو اس کے آرام پر قربان کیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی

Marfat.com

اوّلاً خدا تعالیٰ کا اور ثانیاً اپنے ماں باپ کا، خصوصاً ماں کا حق پہچانے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ماں باپ کی خدمت واطاعت میں بقدر استطاعت مشغول رہے جہاں تک اللہ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ اس کا حق سب سے مقدم ہے اور اُسی کے سامنے سب کو حاضر ہونا ہے۔ انسان دل میں سوچ لے کہ کیا مُنہ لے کر وہاں جائے گا۔

بچہ کا دودھ چھڑانے کی مدت

(تنبیہ) دُودھ چھڑانے کی مُدت جو یہاں دو سال بیان ہوئی باعتبار غالب اور اکثری عادت کے ہے۔ امام ابوحنیفہؒ جو اکثر مُدت ڈھائی سال بتاتے ہیں اُن کے پاس کوئی اور دلیل ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دو ہی سال ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا میرے حسنِ معاشرت (یعنی حسنِ سلوک) کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے فرمایا، تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیری ماں پھر تیرا باپ اس کے بعد اقارب حسبِ درجہ۔ (متفق علیہ)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے تمہارے لئے ماؤں کی نافرمانی حرام کردی ہے۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عباس نے وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ کا ترجمہ، سختی پر سختی کیا ہے۔ ضحاک نے ضعفِ بالائے ضعف اور مجاہد نے مشقت بر مشقت۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو اس پر کمزوری اور مشقت طاری ہو جاتی ہے۔ حمل کا ضعف خون چھوٹنے (وضع حمل) کا ضعف اور دودھ پلانے کا ضعف (اسی طرح ضعف پر ضعف بڑھتا جاتا ہے)۔

وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اور اس کی دودھ چھڑائی دو سالوں (کے اختتام) میں ہے

اس آیت سے امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد نے استدلال کیا ہے کہ دودھ پلانے کی (زیادہ سے زیادہ) مدت دو سال ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ الخ کی تفسیر کے ذیل میں مسئلہ رضاعت کو مفصل بیان کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور والدین کا شکر

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا۔

اس آیت کی تفسیر میں سفیان بن عیینہ نے کہا جس نے پانچوں نمازیں پڑھ لیں اس نے اللہ کا شکر ادا کر دیا۔ اور جس نے نمازوں کے بعد ماں باپ کے لئے دعائے خیر کی اس نے ماں باپ کا شکر کیا۔

اِلَيَّ الْمَصِيْرُ میری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اس فقرہ میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی یعنی میں شکر اور ناشکری دونوں کا بدلہ دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ

ابنِ ابی حاتم میں ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنا کر بھیجا آپ نے وہاں پہنچ کر سب سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا میں تمہاری طرف رسول اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں یہ پیغام لے کر کہ تم ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، میری باتیں مانتے رہو میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ سب کو لَوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔ پھر یا تو جنت مکان بنے گی یا جہنم ٹھکانا ہوگا۔ پھر وہاں سے نہ نکلنا ہو نہ مَوت آئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ
اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا
مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا
اُس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا مت مان

شرک وگناہ میں والدین کی فرمانبرداری ناجائز ہے

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ شریک نہ مان جو تجھے معلوم نہیں یعنی شبہ میں بھی نہ مان اور یقین سمجھ کر تو کیوں مانے۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یعنی جس معبودِ باطل کے شریکِ الوہیت ہونے کا تجھے علم بھی نہ ہو اس کو اللہ کی معبودیت میں شریک بنانے پر اگر ماں باپ حکم دیں تو ان کا کہنا نہ مان۔ چہ جائیکہ ادلۂ قطعیہ سے شرک کا باطل ہونا جب تجھے معلوم ہے تو ایسی حالت میں ماں باپ کا حکم نہ ماننا تو بدرجۂ اولیٰ لازم ہے۔ اللہ کا حق ہر مخلوق کے حق پر غالب ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالق کی نافرمانی (کی صورت) میں مخلوق کا حکم ناقابلِ اطاعت ہے۔ رواہ احمد والحاکم عن عمران والحکیم ابن عمرو الغفاری حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے صحیحین، سنن ابوداؤد اور نسائی میں ایسی ہی حدیث حضرت علی کی روایت سے آئی ہے۔

Marfat.com

حضرت سعد بن مالک اوران کی والدہ کا قصہ

طبرانی کی کتاب العشرۃ میں ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اوران کا پورا اطاعت گزار تھا۔ جب مجھے خدا تعالیٰ نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں اور کہنے لگیں بچے! یہ نیا دین تُو کہاں سے نکال لایا۔ سُنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھُوکی مرجاؤں گی۔ میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور چوطرف سے مجھ پر آوازہ کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی دل تنگ ہوا اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا، خوشامدیں کیں سمجھایا کہ خدا تعالیٰ کے لئے اپنی ضد سے باز آجاؤ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی کشمکش بحثا میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور اس کی حالت بہت ہی خراب ہوگئی تو میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا میری اچھی اماں جان سُنو! تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو لیکن میرے دین سے زیادہ عزیز نہیں ہو۔ واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں ہوں اور اسی بھُوک پیاس میں ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تو بھی میں آخری لمحہ تک اپنے سچے دین اسلام کو نہ چھوڑوں گا پر نہ چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہوگئیں اور کھانا پینا شروع کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ز
اور ساتھ دے اُن کا دنیا میں دستور کے موافق

والدین سے حُسنِ سلوک کی حدود

یعنی دین کے خلاف ماں باپ کا کہنا نہ مان۔ ہاں دنیوی معاملات میں اُن کے ساتھ نیکی اور سلوک کرتا رہ، اسی مضمون کی آیت سورۂ عنکبوت میں گزر چکی وہاں کا فائدہ دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا اور دنیا میں ماں باپ کے ساتھ اچھے طور پر (جو عقلاً اور شرعاً پسندیدہ ہو) رہو۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ خواہ کافر ہوں لیکن اگر صاحب احتیاج ہیں تو ان کی مالی مدد کرنی اور قرابتداری کو نہ توڑنا واجب ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے میرے پاس میری ماں آئی اس زمانہ میں وہ مشرک تھی قریش کے حلقہ میں داخل تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں آئی ہے اور (مدد کی) خواہشمند ہے کیا میں اس کے ساتھ قرابتداری کا سلوک کر سکتی ہوں، فرمایا، ہاں اس سے قرابت کا تعلق جوڑے رکھو۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اگر والدین فریضہ خداوندی کو ترک کرنے یا فعل حرام کا ارتکاب کرنے کا حکم دیں تو ان کا کہا ماننا ناجائز ہے۔ اللہ کے حکم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ اس کے مخالف مخلوق کے حکم کو ماننا شرک معنوی ہے۔ ہم حدیث مبارک نقل کر چکے ہیں کہ خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کے حکم کو ماننا ناجائز ہے، ہاں والدین کے حکم کو ماننا اس وقت واجب ہے جب وہ کسی ایسے مباح کام کا حکم دیں جو خلاف عقل وشرع نہ ہو۔

اگر والدین کثرتِ ذکر ونوافل کو روکیں یا ضرورت سے زائد مال کمانے کا حکم دیں تو کیا ان کی بات ماننی واجب ہے؟

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ایسے حکم کو ماننا واجب نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوران کے والد کا واقعہ

حاکم نے بوساطت عامر بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن زبیر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر نے فرمایا ابوقحافہ (حضرت ابوبکر کے والد) نے حضرت ابوبکر سے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور باندی غلاموں کو آزاد کرتے ہو اگر طاقتور غلاموں کو آزاد کرتے تو بہتر ہوتا کہ وہ تمہاری حفاظت کر سکتے، اور تمہاری طرف سے (دشمنوں کے مقابلہ میں) کھڑے ہو سکتے۔

حضرت ابوبکر نے فرمایا، ابا میں اس ثواب کا طلبگار ہوں جو اللہ کے پاس ہے اس پر آیت وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى نازل ہوئی، یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے، جب حضرت ابوبکر نے حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ حضرت ام عمیس اور حضرت زبیرہ وغیرہ کو (خرید کر) آزاد کیا تھا۔

حضرت ابوبکر نے چار ہزار درہم ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ہجرت کی تھی گھر والوں کے لئے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے تھے اور یہ بات باپ کی مرضی کے خلاف تھی۔ سورۃ توبہ کی آیت إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ الخ کی تفسیر میں ہم نے ہجرت کی تفصیل لکھ دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

والدین کی خدمت اور ادب ضروری ہے

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا یعنی دین میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو، مگر دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی خدمت یا مالی اخراجات وغیرہ اس میں کمی نہ ہونے دو، بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو ان کی بے ادبی نہ کرو، ان کی بات کا جواب ایسا نہ دو جس سے بلاضرورت دل آزاری ہو، مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک وکفر کے معاملہ میں نہ ماننے سے جو اُن کی دل آزاری ہوگی وہ تو مجبوری کے لئے برداشت کرو، مگر ضرورت کو ضرورت کی حد میں رکھو، دوسرے معاملات میں ان کی دل آزاری سے پرہیز کرتے رہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ
اور راہ چل اُس کی جو رجوع ہوا میری طرف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اتباع کرو

یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل! دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا اطاعت مت کر۔ (تفسیر عثمانی)

سَبِيْلَ سے مراد دین ہے اور مَنْ اَنَابَ سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام۔ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ سے اللہ کی مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات ہے، واقعہ یوں ہوا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو حضرت عثمان طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ (مسلمان ہو گئے اور) اس شخص پر ایمان لائے اور اس کو سچا سمجھ لیا۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا، ہاں وہ سچے ہیں تم بھی ان پر ایمان لے آؤ پھر آپ سب کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے، یہ ہی لوگ اسلام کے پیش رو جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی راہنمائی سے مسلمان ہوئے اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے متعلق فرمایا وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾
پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر اولاد اور والدین سب کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کی زیادتی یا تقصیر تھی (تنبیہ) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ سے یہاں تک حق تعالیٰ کا کلام ہے پہلے لقمان کی وصیت بیٹے کو تھی۔ اور آگے بھی يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ الخ سے اُسی وصیت کا سلسلہ ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ضروری تنبیہ فرما دی یعنی شرک اتنی سخت قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں لقمان نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت سے پیچھے اور دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق فرما دیا کہ بعد اللہ کے حق کے ماں باپ کا حق ہے۔ باپ نے اللہ کا حق بتایا۔ اللہ نے باپ کا۔ باقی پیغمبر یا مرشد وہادی کا حق بھی حق اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ اُسی کے نائب ہوتے ہیں۔ (موضح بتغیر یسیر) (تفسیر عثمانی)

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ
اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانہ کی
فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ
پھر وہ ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین میں
يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾
لا حاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو خبردار ہے

چھوٹے سے چھوٹا اور خفیہ سے خفیہ عمل بھی حاضر کیا جائے گا

یعنی کوئی چیز یا کوئی خصلت اچھی یا بری اگر رائی کے دانہ کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہیے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھے کہ ہزار پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا، اللہ کے سامنے ہے۔ چنانچہ نیکی یا بدی کیسی ہی چھپ کر کی جائے اُس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے جسے اہلِ نظر بے تکلف محسوس کر لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لقمان کے بیٹے کا خیال

حضرت لقمان کے بیٹے نے حضرت لقمان سے کہا تھا اے میرے باپ! اگر میں چھپ کر کوئی گناہ کروں کہ کسی کو اطلاع نہ ہو تو اس کو خدا کیسے جان لے گا اس کے جواب میں اِنَّهَآ اِنْ تَكُ الخ

Marfat.com

حضرت لقمان نے فرمایا، جس کو اللہ نے اس جگہ نقل فرما دیا۔

دانے اور پتھر سے مراد

حبۂ خردل سے مراد ہے حقیر ترین مقدار۔ پتھر یا آسمان یا زمین کے اندر ہونے سے مراد ہے پوشیدہ ترین انتہائی محفوظ مقام میں ہونا، جیسے پتھر کا جوف یا سب سے اونچا مقام آسمان یا زمین کی انتہائی پست ترین گہرائی۔

قتادہ نے کہا صخرہ (پتھر) سے مراد ہے پہاڑ حضرت ابن عباس نے فرمایا، صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتوں زمینوں کے نیچے ہے، جس میں کافروں اور بدکاروں کے اعمال کا اندراج ہوتا ہے۔ آسمان کی نیل گونی اسی کے (عکس کی) وجہ سے ہے۔ سدی نے کہا، اللہ نے زمین کو مچھلی کے اوپر پیدا کیا یہ مچھلی وہی نون (مچھلی) ہے جو آیت نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ میں مذکور ہے۔ یہ مچھلی پانی کے اندر پتھر کی ایک چٹان کے اوپر اور چٹان ایک فرشتے کی پشت پر رکھی ہوئی ہے اور فرشتہ ایک پتھر پر قائم ہے۔ یہ وہی پتھر ہے جس کا ذکر حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے کے ذیل میں کیا ہے۔ یہ پتھر نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں بلکہ ہوا پر ہے۔

يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اللہ اس کو لا کر حاضر کر دے گا، یعنی اس کی حساب فہمی کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
اے بیٹے قائم رکھ نماز اور سکھلا بھلی بات
وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ
اور منع کر برائی سے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

یعنی خود اللہ کی توحید اور بندگی پر قائم ہو کر دوسروں کو بھی نصیحت کر کہ بھلی بات سیکھیں اور برائی سے رُکیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ
اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے بیشک یہ ہیں
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝
ہمت کے کام

دعوت حق کی مشکلات کو برداشت کرو

یعنی دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں جن کا پیش آنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اغلب ہے اُن کو تحمل اور اولوالعزمی سے برداشت کر۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مند بہادروں کا کام نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صبر واستقامت کی اہمیت

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ بلاشبہ یہ (ثبات وصبر) فرائض میں سے ہے یعنی ان امور میں سے ہے جو اللہ نے فرض کر دیئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خَيْرُ الامور عَوَاز مها یعنی بہترین امور وہ ہیں جن کا کرنا اللہ نے فرض کر دیا ہے۔

لغت میں عزم کے معنی ہے، کسی کام کو کرنے کا اٹل ارادہ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ
اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف

تکبر وبدخلقی نہ کرو

یعنی غرور سے مت دیکھ اور لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح بات نہ کر۔ بلکہ خندہ پیشانی سے مل۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدخلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بداخلاقیاں نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں جیسے شہد کو سرکہ خراب کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے لیکن خوش اخلاقی سے لوگ بہت سے گرویدہ اور فدائی ہو سکتے ہیں۔ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اچھا خُلق دین کی مدد ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان

امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دربار داری میں اُس وقت دو لاکھ انسان تھے اور دو لاکھ جن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان تک پہنچایا گیا۔ یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز کان میں آنے لگی اور پھر زمین تک لایا گیا یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بھیگ گئے۔ پھر

Marfat.com

ہاتفِ غیب نے ندا دی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اُونچا گیا تھا اس سے زیادہ نیچے دھنسا دیا جاتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں انسان کی پیدائش کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے اس طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے گھن کرنے لگے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقولہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے وہ کس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کا وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ ضحاک بن سفیان رحمہ اللہ سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی دینا مروی ہے جو انسان سے نکلتی ہے۔

تکبر عقل کا دشمن

امام محمد بن حسین بن علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس دل میں جتنا تکبر اور گھمنڈ ہوتا ہے اتنی ہی عقل اس کی کم ہو جاتی ہے۔

تکبر و نفاق کا علاج

یونس بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کا حضرت عمر بن عبدالعزیز کو عار دلانا

بنی اُمیہ مار مار کر اپنی اولاد کو اکڑ کر چلنا سکھاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتی ہوئی دیکھ کر حضرت طاوس رحمہ اللہ نے ان کے پہلو میں ایک چُوکا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے! حضرت عمر رحمہ اللہ بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے معاف فرمایئے ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈلوائی گئی ہے۔

متکبر کو اللہ نہیں دیکھے گا

فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ			
اور مت چل	زمین پر	اِتراتا	بیشک اللہ کو
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾			
نہیں بھاتا کوئی اِتراتا بڑائیاں کرنے والا			

یعنی اِترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی کچھ عزت نہیں بڑھتی بلکہ ذلیل و حقیر ہوتا ہے۔ سامنے نہیں تو پیچھے لوگ بُرا کہتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا رونا

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے دیکھ کر دریافت فرمایا۔ تو جواب دیا کہ صاحبِ قبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، فرماتے تھے تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہیں، جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں جو کسی گنتی میں نہیں آتے، اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پُرسانِ حال نہیں اگر آ جائیں تو کوئی آؤ بھگت نہیں لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نُور حاصل کر لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ مَیلے کُچیلے کپڑوں والے جو ذلیل گِنے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ پوری کر دے گو انہیں خدا تعالیٰ نے دنیا نہیں دی لیکن اگر ان کی زبان سے پوری جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ تعالیٰ پورا کر لیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اُمت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آ کر وہ لوگ ایک دینار (اشرفی) ایک درہم (روپیہ) بلکہ ایک فلوس (پیسہ) بھی مانگیں تو تم نہ دو لیکن خدا تعالیٰ کے وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار دیدے، ہاں دُنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لئے کہ یہ کوئی قدر کے قابل چیز نہیں۔ یہ مَیلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں اگر کسی موقعہ پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو خدا تعالیٰ پوری اُتارتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تصنع سے بچو

آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ تصنع سے بچ یہ رات کے وقت ڈراؤنی چیز ہے اور دن کو مذمت و بُرائی والی چیز ہے۔

Marfat.com

حضرت لقمان کی کچھ اور نصیحتیں

آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو۔ اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم اُن میں سب سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو اور اگر گپ شپ شروع کر دیں تو تم اُس مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو نصیحت کرنے کے لئے جب بیٹھے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی تھی اور ہر ہر نصیحت کے بعد ایک دانہ اُس میں سے نکال لیتے یہاں تک کہ تھیلی خالی ہو گئی، تو آپ نے فرمایا بچے اگر اتنی نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ		
اور چل بیچ کی چال	اور نیچی کر	آواز اپنی
اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾		
بیشک بُری سے بُری	آواز	گدھے کی آواز ہے

میانہ روی اختیار کرو

یعنی تواضع، متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کر، بے ضرورت مت بول، کلام کرتے وقت حد سے زیادہ نہ چلا۔ اگر اونچی آواز سے بولنا ہی کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو، وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے مگر کس قدر کریہ و کرخت ہوتی ہے۔ بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات آدمی کی آواز بھی ایسی ہی بے ڈھنگی اور بے سُری ہو جاتی ہے۔ (ربط) لقمان کا کلام یہاں تک تمام ہوا۔ آگے پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال اور احسان وانعام یاد دلا کر توحید وغیرہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ اور اپنی چال درمیانی رکھو یعنی نہ رینگتے چلو کہ یہ غرور کی علامت ہے اور اہلِ غرور کی چال ہے۔ نہ بہت لپک کر چلو کہ یہ چھچھوروں کی چال ہے۔ وقار کو زائل کرتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سرعت رفتار مؤمن کے وقار کو زائل کر دیتی ہے۔ اخرجہ ابن عدی و ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی ہریرۃ و اخرجہ ابن عدی من حدیث ابی سعید و ابن عمر۔

جس تیز رفتاری کی ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد وہ سرعت رفتار ہے جو طبعی چال سے بڑھ کر کوشش کر کے اختیار کی جائے۔ معمولی تیز رفتار، جس کی عادت ہو وہ تو مستحب ہے۔ ابن سعد نے حضرت یزید بن مرثد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو اتنی تیزی سے چلتے تھے کہ آپ کے پیچھے لپکنے والا آپ تک پہنچ نہ سکتا تھا۔ طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وقار کو (چال میں) قائم رکھو اور جنازے لے جانے میں میانہ روی کو اختیار کرو۔ صحاح ستہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنازے کو تیز لے جاؤ کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو تم اس کو پہلے پہنچا دو گے اور اگر بد ہے تو اپنے کندھوں سے (جلد) اتار دو گے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتار کی تیزی حسب عادت قبیح نہیں ہے اور قصد سے مراد تیزی رفتار ہی ہے جو دوڑ سے کم درجہ کی ہو۔

اُونچی آواز سے پرہیز

اغضض کا ترجمہ کیا ہے پست رکھ۔ یعنی گدھوں کی آواز بہت ہی مکروہ ہوتی ہے بالکل پھٹی ہوئی۔ دوزخیوں کی آواز بھی گدھوں کی طرح ہوگی ابتداء میں زفیر اور اختتام میں شہیق۔ (سینہ کے اندر ہی اندر گڑگڑ کی آواز)

سفیان ثوری نے آیت مذکورہ کی تشریح میں کہا اس سے مراد چیخنک کی دہشت ناک قبیح آواز ہے۔ وہب نے کہا لقمان نے اپنے کلام میں حکمت کے بارہ ہزار دروازے کھول دیئے (یعنی بارہ ہزار پُر حکمت مقولے لقمان کے ہیں) جن کو لوگوں نے اپنے کلام اور معاملات میں شامل کر لیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یعنی چوپاؤں میں سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے جو بہت شور کرتا ہے۔

آدابِ معاشرت

یہاں آدابِ معاشرت میں چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں، اول لوگوں سے گفتگو اور ملاقات میں متکبرانہ انداز سے رُخ پھیر کر بات کرنے کی ممانعت، دوسرے زمین پر اترا کر چلنے کی ممانعت تیسرے درمیانی چال چلنے کی ہدایت، چوتھے بہت زور سے شور مچا کر۔ بولنے کی ممانعت۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصاف مبارک

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و شمائل میں یہ سب

Marfat.com

چیزیں جمع تھیں، شمائل ترمذی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو آپس میں آپ کا کیا طرز ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا:

''کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خوش وخرم معلوم ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں نرمی اور برتاؤ میں سہولت مندی تھی ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سخت نہ تھی بات بھی درشت نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ شور مچانے والے تھے نہ فحش گو تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے، نہ بخل کرتے تھے، جو چیز دل کو نہ بھاتی اس کی جانب سے غفلت برتتے تھے (مگر) دوسرے کو اس کی طرف سے ناامید بھی نہ کرتے تھے، (اگر حلال ہو اور اس کی رغبت ہو) اور جو چیز اپنی مرغوب نہ ہو دوسرے کے حق میں اس کی کاٹ نہ کرتے تھے، (بلکہ خاموشی اختیار فرماتے تھے) تین چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل چھوڑ رکھی تھیں۔

(۱) جھگڑنا (۲) تکبر کرنا

(۳) جو چیز کام کی نہ ہو اس میں مشغول ہونا''

یہود و نصاریٰ کی بے راہ روی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحابۂ کرام کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا، اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی، اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رفتار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی شخص کو بہت آہستہ چلتے دیکھا جیسے ابھی مر جائے گا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ ایسے کیوں چلتا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ قُرَّاء میں سے ہے، قرّاء قاری کی جمع ہے، اس زمانے میں قاری اس کو بھی کہا جاتا تھا جو تلاوتِ قرآن کی صحت و آداب کے ساتھ قرآن کا عالم بھی ہو، مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا قاری عالم ہے، اس لئے ایسا چلتا ہے، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس سے زیادہ قاری تھے، مگر ان کی عادت یہ تھی کہ جب چلتے تو تیز چلتے تھے (مراد وہ تیزی نہیں جس کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ اس کے بالمقابل تیزی ہے) اور جب وہ کلام کرتے تھے تو اس طرح کہ لوگ اچھی طرح سُن لیں (ایسی پست آواز نہ ہوتی تھی کہ سننے والوں کو پوچھنا پڑے کہ کیا فرمایا)۔ (معارف مفتی اعظم)

گدھے کی آواز کی قباحتیں

سفیان ثوری فرماتے ہیں حیوانات میں گدھے کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ہر حیوان کی آواز اللہ کی تسبیح ہے۔ مگر گدھے کی آواز شیطان کے دیکھنے کے سبب سے ہوتی ہے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جب گدھے کی آواز سنو۔ تو **اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم** پڑھو۔ اس لئے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے (اس لئے وہ چیخ رہا ہے) اور بعض بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ گدھے کا چیخنا اور چلانا گھاس اور پانی کے لئے ہوتا ہے یا شہوت جھاڑنے کے لئے ہوتا ہے یا دوسرے گدھے سے لڑنے کے لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو آواز بہیمیت اور سبعیت کے سبب پیدا ہوگی وہ سب آوازوں سے بدتر ہوگی۔ اور اسی وجہ سے حدیث میں گدھے کے نماز کے سامنے سے گزرنے کو قاطع صلاۃ قرار دیا ہے نیز قرآن کریم میں جہنمیوں کے چیخنے اور چلانے کے متعلق یہ آیا ہے لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ آیا ہے اور زفیر اور شہیق لغت میں گدھے کی باریک آواز اور بلند آواز کو کہتے ہیں اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

ایشاں را آنجا مانند زیر و بم خر باشد (معارف کاندھلوی)

حضرت لقمان علیہ السلام پر ہیبتِ خداوندی کا غلبہ

بغوی نے لکھا ہے بعض کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت لقمان کے یہ آخری الفاظ تھے، اس جملہ کے زبان سے نکلتے ہی ان پر ایسی دہشت اور ہیبت طاری ہوئی کہ پتہ پھٹ گیا۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان
وَمَا فِي الْاَرْضِ
اور زمین میں

تسخیر کائنات

یعنی آسمان و زمین کی کل مخلوق تمہارے کام میں لگا دی ہے پھر تم اُس کے کام میں کیوں نہیں لگتے۔ (تفسیر عثمانی)

سورج کا سجدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ سُورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اور اُس کا رسول۔ خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ جا کر خدا تعالیٰ کے عرش کے نیچے سجدے میں گر پڑتا ہے اور اپنے رب تعالیٰ سے اجازت چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے جہاں سے آیا ہے وہیں کو لوٹ جا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورج بمنزلہ ساقیہ کے ہے۔ دن کو اپنے دَوران میں جاری رہتا ہے غروب ہو کر رات کو پھر زمین کے نیچے گردش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی مشرق سے ہی طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ
اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی

ظاہری اور باطنی نعمتیں

کھلی نعمتیں وہ جو حواس سے مُدرک ہوں یا بے تکلف سمجھ میں آ جائیں چھپی وہ جو عقلی غور و فکر سے دریافت کی جائیں۔ یا ظاہر سے مادی و معاشی اور باطنی سے روحانی و معادی نعمتیں مراد ہوں۔ گویا پیغمبر بھیجنا کتاب اُتارنا، نیکی کی توفیق دینا، سب باطنی نعمتیں ہوں گی۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

ظاہری نعمتوں سے مراد ہیں محسوس نعمتیں خوبصورتی اعضاء کی درستی رزق، عافیت اور دوسری دنیوی نعمتیں۔ ان کے علاوہ دشمنوں پر غلبہ۔ اسلام۔ رسول۔ قرآن۔ ضوابط شریعت کا ثقیل نہ ہونا۔ اتباعِ رسول کی توفیق۔ اسلام کا غلبہ وغیرہ، یہ سب بھی ظاہری نعمتوں میں شامل ہیں۔

باطنی نعمتوں سے مراد ہے دل، عقل، باطنی حواس، حسن اخلاق، اعتقادِ حق، دل میں صحیح اعتقاد ڈال دینا، گناہوں کی فوری پکڑ نہ ہونا، ملائکہ کے ذریعہ سے مدد پہنچانا، معرفت الٰہی کا نور اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت، رسول کی شفاعت وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً: اسباغ کے معنی مکمل کرنے کے ہیں معنی یہ ہیں کہ مکمل کر دیا اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی ظاہری نعمتوں کو اور باطنی نعمتوں کو، ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان اپنے حواسِ خمسہ سے محسوس اور معلوم کر لیتا ہے، مثلاً حُسنِ صورت اعضائے انسانی کا اعتدال اور ہر عضو کو ایسے تناسب سے بنانا جو انسان کے عمل میں زیادہ سے زیادہ معین بھی ہو اور اس کی شکل و صورت کو بھی نہ بگاڑے، اسی طرح رزق مال و دولت، اسباب معیشت، تندرستی اور عافیت یہ سب ظاہری نعمتیں اور محسوس نعمتیں ہیں، اسی طرح دینِ اسلام کو سہل کر دینا اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق ہونا اور اسلام کا دوسرے ادیان پر غالب آنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد ہونا بھی انہی نعمائے ظاہرہ میں داخل ہیں، اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جو انسان کے قلب سے متعلق ہوں، جیسے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علم و عقل، حُسنِ اخلاق، گناہوں کی پردہ پوشی، اور جرائم پر فوری سزا نہ ملنا وغیرہ ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں نہ سمجھ رکھیں
وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾
نہ سُوجھ اور نہ روشن کتاب

بے سند جھگڑے

یعنی ایسے کھُلے ہوئے انعام و احسان کے باوجود بعض لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کی وحدانیت میں یا اُس کی شؤن و صفات میں یا اُس کے احکام و شرائع میں جھگڑتے ہیں اور محض بے سند جھگڑتے ہیں۔ نہ کوئی علمی اور عقلی اصول اُن کے پاس ہے نہ کسی ہادی برحق کی ہدایت۔ نہ کسی مستند اور روشن کتاب کا حوالہ محض باپ دادوں کی اندھی تقلید ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔ (تنبیہ) ترجمہ سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ غالباً مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے ''علم'' سے عقلی طور پر سمجھنا مراد لیا ہے اور ''ہدیٰ'' سے ایک طرح کی بصیرت مُرادلی ہے جو سلامتی ذوق و وِجدان اور ممارست عقل و فکر سے ناشی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو نہ معمولی سمجھ ہے نہ وجدانی بصیرت حاصل ہے نہ روشن کتاب یعنی نقلی دلیل رکھتے ہیں۔ یہ معنی بہت لطیف ہیں۔ ہم نے آیت کی جو تقریر اختیار کی محض تسہیل کی غرض سے کی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ
اور جب اُن کو کہیے چلو اُس حکم پر جو اُتارا اللہ نے کہیں نہیں ہم تو چلیں گے اُس پر
مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ
جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اور جو شیطان

Marfat.com

يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾
بُلاتا ہواُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی

اندھی تقلید

یعنی اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لئے جارہا ہو، تب بھی تم اُن کے پیچھے چلو گے؟ اور جہاں وہ گرینگے وہیں گروگے؟ (تفسیر عثمانی)

اتباع کی قسمیں

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کا اتباع بلاشبہ فرض ہے لیکن اس کے اتباع کی دوصورتیں ہیں۔ ایک بالذات اور ایک بالغیر جو شخص خود عالم اور فاہم ہو اور قواعد عربیت اور قواعد شریعت سے واقف ہو وہ بذات خود کتاب الٰہی کا اتباع کرے اور جو شخص خود عالم نہ ہو اور نہ وہ عربی زبان جانتا ہو تو وہ اہلِ علم سے پوچھ کر حکم خداوندی کا اتباع کرے کما قال تعالیٰ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ .....اور یہ اتباع درحقیقت اس عالم کا اتباع نہیں بلکہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کا اتباع ہے مگر عالم کے واسطہ سے ہے تو یہ بھی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا اتباع ہے لیکن بالغیر ہے یعنی خود نہیں بلکہ بواسطہ عالم شریعت کے ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے یہی معنی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی ان علماء ربانیین کے علم اور فہم کے مطابق کی جائے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ کسی حنفی اور شافعی نے ابوحنیفہ اور شافعی کو اپنا رب قرار نہیں دیا جو یہ کہا جائے کہ مقلدین اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے مصداق ہیں۔ منکرین تقلید کا عجب حال ہے کہ تقلید کے معنی تو سمجھتے نہیں اور بے سوچے سمجھے مشرکین کی آیات مقلدین پر چسپاں کرتے ہیں سب کو معلوم ہے کہ ہر شخص عربی زبان نہیں جانتا اور اگر کچھ جانتا بھی ہے تو مرتبہ اجتہاد کی اس میں صلاحیت نہیں تو پھر وہ بذات خود کتاب وسنت کو سمجھ کر کیسے اللہ اور اس کے رسول کا اتباع کرسکتا ہے۔ لامحال کسی عالم دین سے پوچھ کر ہی کرے گا اور ظاہر ہے کہ وہ عالم دین اس جاہل کو یہ نہیں بتلاسکتا کہ یہ آیت قطعی الدلالت ہے یا ظنی الدلالت ہے اور یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے یا غریب ہے یا شاذ ہے یا منکر ہے۔ لامحالہ وہ جاہل بغیر دلیل معلوم کئے ہی اس عالم کا اتباع کرے گا اور اسی کا نام تقلید ہے۔ عجب نہیں کہ منکرین تقلید کی اس قسم کی بے سروپا باتیں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۸﴾ میں داخل نہ ہوں۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
اور جو کوئی تابع کرے اپنا منہ اللہ کی طرف اور وہ ہو نیکی پر
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ
سو اُس نے پکڑ لیا مضبوط کڑا

مضبوط حلقہ

یعنی جس نے اخلاص کے ساتھ نیکی کا رستہ اختیار کیا اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیا، سمجھ لو کہ اُس نے بڑا مضبوط حلقہ ہاتھ میں تھام لیا ہے جب تک یہ کڑا پکڑے رہے گا، گرنے یا چوٹ کھانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ یعنی جو اپنی توجہ اللہ کی طرف کردے اور کامل طور پر ہمہ تن اللہ کا ہو جائے اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کردے ہر کام کو کرنے یا نہ کرنے میں اللہ کی خوشنودی کا حصول اس کے پیش نظر ہو۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ اور اپنے تمام اعمال میں مخلص ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! احسان (اعمال کی خوبی) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا (عبادت کے وقت وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور) تم اس کو دیکھ رہے ہو یعنی کامل حضورِ قلب کے ساتھ۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ یعنی اس نے مضبوط ترین قبضہ پکڑ لیا اور ایسا محکم ذریعہ اپنی گرفت میں لے لیا جس کے ٹوٹنے کا احتمال بھی نہ ہو۔ یہ نہایت لطیف تشبیہ ہے متوکل کو اس شخص سے تشبیہ دی ہے جس نے کوئی مضبوط قبضہ پکڑ رکھا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾
اور اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا

یعنی جس نے یہ کڑا مضبوط تھامے رکھا وہ آخر اس کے سہارے سے اللہ تک پہنچ جائے گا اور خدا اُس کا انجام درست کردے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
اور جو کوئی منکر ہوا تو تو غم نہ کھا اُس کے انکار سے ہماری طرف پھر آنا ہے اُن کو

Marfat.com

فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

پھر ہم جتلا دیں گے اُن کو جو انہوں نے کیا ہے البتہ اللہ جانتا ہے جو بات ہے دلوں میں

کسی کی تکذیب کی پرواہ نہ کرو

یعنی تم اپنا علاقہ خدا تعالیٰ سے جوڑے رکھو، کسی کے انکار و تکذیب کی پروانہ کرو۔ منکرین کو بھی بالآخر ہمارے ہاں آنا ہے۔ اُس وقت سب کیا دھرا سامنے آجائے گا۔ کسی جُرم کو اللہ سے چھپا نہ سکیں گے وہ تو دلوں تک کے راز جانتا ہے۔ سب کھول کر رکھ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

کام چلا دیں گے ہم اُن کا تھوڑے دنوں پھر پکڑ بلائیں گے اُنکو گاڑھے عذاب میں

تھوڑے دن کی مہلت ہے

یعنی تھوڑے دن کا عیش اور بیفکری ہے۔ مہلت ختم ہونے پر سخت سزا کے نیچے کھنچے چلے آئیں گے۔ مجال ہے کہ چھوٹ کر بھاگ جائیں؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور اگر تو پوچھے اُن سے کس نے بنائے آسمان اور زمین

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے

اللہ تعالیٰ تمام صفات وقدرت کا مالک ہے

یعنی الحمدللہ اتنا تو زبان سے اعتراف کرتے ہو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا بجز اللہ کے کسی کا کام نہیں، پھر اب کون سی خوبی رہ گئی جو اُس کی ذات میں نہ ہو۔ کیا ان چیزوں کا پیدا کرنا اور ایک خاص محکم نظام پر چلانا بدون اعلیٰ درجہ کے علم و حکمت اور زور و قدرت کے ممکن ہے؟ لامحالہ ''خالق السمٰوات والارض'' میں تمام کمالات تسلیم کرنے پڑیں گے۔ اور یہ بھی اُسی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے کہ تم جیسے منکرین سے اپنی عظمت و قدرت کا اقرار کرا دیتا ہے۔ جس کے بعد تم ملزم ٹھہرتے ہو کہ جب تمہارے نزدیک خالق تنہا وہ ہے تو معبود دوسرے کیونکر بن گئے۔ بات تو صاف ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے اور یہاں پہنچ کر اٹک جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں بیشک اللہ

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

وہی ہے بے پرواسب خوبیوں والا

ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے

یعنی جس طرح آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ ہے ایسے ہی آسمان و زمین میں جو چیزیں موجود ہیں سب بلاشرکت غیرے اسی کی مخلوق و مملوک اور اُسی کی طرف محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کیونکہ وجود اور توابع وجود یعنی جملہ صفات کمالیہ کا مخزن و منبع اُسی کی ذات ہے۔ اُس کا کوئی کمال دوسرے سے مستفاد نہیں۔ وہ بالذات سب عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے۔ پھر اُسے کسی کی کیا پرواہوتی؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ

اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر ہو اُس کی سیاہی

مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ

اُس کے پیچھے ہوں سات سمندر نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

بیشک اللہ زبردست ہے حکمتوں والا

اللہ کی صفات ختم ہونے والی نہیں ہیں

یعنی اگر تمام دنیا کے درختوں کو تراش کر قلم بنالیں اور موجودہ سمندر کی سیاہی تیار کی جائے، پھر پیچھے سے سات سمندر اور اُس کی کمک پر آ جائیں اور فرض کرو تمام مخلوق اپنی اپنی بساط کے موافق لکھنا شروع کرے، تب بھی اُن باتوں کو لکھ کر تمام نہ کر سکیں گے جو حق تعالیٰ کے کمالات اور عظمت و جلال کو ظاہر کرنے والی ہیں، لکھنے والوں کی عمریں تمام ہو جائیں گی۔ قلم گھِس گھِس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی ختم ہو جائے گی پر اللہ کی تعریفیں اور اُس کی خوبیاں ختم نہ ہوں گی، بھلا محدود متناہی قوتوں سے لامحدود اور غیر متناہی کا سرانجام کیونکر ہو۔ اللھم لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک. (تفسیر عثمانی)

اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم ہو جائیں اور (محیط کل) سمندر کو اس کے پیچھے سے مزید سات سمندر مدد پہنچائیں (یعنی سب سیاہی بن جائیں اور اللہ کے معلومات لکھے جائیں تو قلم گھس کر ختم ہو جائیں گے اور روشنائی تمام ہو جائے گی مگر) اللہ کے کلمات

Marfat.com

معلومات ختم نہیں ہوں گے۔

یَمُدُّہٗ یعنی اس محیطِ کل سمندر میں پیچھے سے مزید سات سمندر روشنائی بڑھائیں اور اس میں آ کر گریں۔ یَمُدُّہٗ مَدَّالدوات سے مشتق ہے۔ دوات میں روشنائی پڑنے کو مَدِ دوات کہتے ہیں۔

کَلِمٰتُ اللّٰہِ یعنی اللہ کی معلومات (غیر متناہی ہیں کتنے ہی قلم ہوں اور کتنی ہی روشنائی ہو اللہ کے قلیل معلومات لکھنے کے لئے کافی نہیں کثیر معلومات کا تو ذکر ہی کیا ہے)۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ بلاشبہ اللہ غالب ہے (اس کو کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی) حکمت والا ہے (اس کے علم و حکمت کے دائرے سے کوئی چیز باہر نہیں۔

شانِ نزول

ابن جریر نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اہلِ کتاب (یعنی یہودیوں) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی بابت دریافت کیا تو آیت وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا نازل ہوئی۔ اہلِ کتاب نے کہا آپ کا ہمارے متعلق یہ خیال ہے کہ ہم کو قلیل علم دیا گیا ہے حالانکہ ہم کو توریت عطا کی گئی جو سراسر حکمت و علم ہے اور جس کو حکمت عطا کر دی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دی گئی (پھر ہمارا علم ناقص اور قلیل کیسے ہو سکتا ہے) اس پر آیت مذکورہ زیرِ تفسیر نازل ہوئی۔ مندرجہ بالا روایات کی بناء پر آیت کو مدنی کہا جائے گا۔

لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ مکی ہے یہودیوں نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق دریافت کریں۔ اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ نہیں چھوڑا تھا۔

ابن جریر نے نیز ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا یہ کلام (قرآن مجید) عن قریب ختم ہو جائے گا اس پر آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی نعمتوں اور تصرفات کی ایک مثال

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات اور اپنی نعمتوں کی ایک مثال دی ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں، نہ کسی زبان سے وہ سب ادا ہو سکتے ہیں نہ کسی قلم سے سب کو لکھا جا سکتا ہے، مثال یہ فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان کی سب شاخوں کے قلم بنائے جائیں اور ان کے لکھنے کے لئے سمندر کو روشنائی بنا دیا جائے اور یہ سب قلم حق تعالیٰ کی معلومات اور تصرفاتِ قدرت کو لکھنا شروع کریں تو سمندر ختم ہو جائے گا اور معلومات و تصرفات ختم نہ ہوں گے، اور ایک سمندر نہیں اس جیسے سات سمندر اور بھی شامل کر دیئے جائیں، جب بھی سب سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، کلمات اللہ سے مراد اس کے علم و حکمت کے کلمات ہیں (روح و مظہری) اور شیونِ قدرت اور نعمائے الٰہیہ بھی اس میں داخل ہیں، اور سات سمندر سے مطلب یہ نہیں کہ کہیں سات سمندر موجود ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک سمندر کے ساتھ فرض کر لو اور سات سمندر مل جائیں جب بھی ان سب سے سب کلمات اللہ کو ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا، اور سات کا عدد بھی بطور مثال ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ
تم سب کا بنانا اور مرے پیچھے جلانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جی کا

اللہ تعالیٰ کیلئے تخلیق کی آسانی

یعنی سارے جہان کا پیدا کرنا اور ایک آدمی کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کے لئے دونوں برابر ہیں۔ نہ اس میں کچھ دقت نہ اُس میں کچھ تعب۔ ایک "کُن" سے جو چاہے کر ڈالے اور لفظ "کُن" کہنے پر بھی موقوف نہیں۔ یہ ہم کو سمجھانے کا ایک عنوان ہے بس اُدھر ارادہ ہوا ادھر وہ چیز موجود۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کے نزدیک تم سب کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا اور اٹھانا اس کی ذاتی قدرت سے جب اس کے ارادہ کا تعلق ہو جائے تو سب کو پیدا کرنے اور اٹھانے کے لئے بس یہی کافی ہے ایسا نہیں ہے کہ ایک کام میں مشغول ہونے کے وقت دوسرے کام سے غافل ہو جائے آن کی آن میں جس طرح ایک کی تخلیق اس کے ارادے سے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک پل میں سب کی تخلیق بھی اس کے ارادے سے ہو سکتی ہے وہ ہر سنی جانے والی آواز کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے ایک شے کی شنوائی اور بینائی اس کو دوسری چیزوں کی شنوائی اور بینائی سے مانع نہیں ہو سکتی۔

یا سَمِیْعٌ . بَصِیْرٌ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مشرک جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اللہ ان کے اس انکارِ قولی کو سننے والا اور ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝
بیشک اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے

بے مثال صفاتِ الٰہی

یعنی جس طرح ایک آواز کا سُننا اور بیک وقت تمام جہان کی آوازوں کا سننا، یا ایک چیز کا دیکھنا اور بیک وقت تمام جہان کی چیزوں کو دیکھنا، اس کے لئے برابر ہے۔ ایسے ہی ایک آدمی کا مارنا، جلانا اور سارے جہان کا مارنا جلانا اس کی قدرت کے سامنے یکساں ہے پھر دوبارہ جلانے کے بعد بیک وقت تمام اولین و آخرین کے اگلے پچھلے اعمال کا رتی رتی حساب چُکا دینے میں بھی اُسے کوئی دقت نہیں ہوسکتی کیونکہ، ہمارے تمام اقوال کو سنتا اور تمام افعال کو دیکھتا ہے۔ کوئی چھپی کھلی بات وہاں پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ
تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا
النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ
ہے دن کو رات میں اور کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ایک مقرر وقت تک

پابندی وقت

مقرر وقت سے قیامت مراد ہے یا چاند سورج میں سے ہر ایک کا دَورہ۔ کیونکہ ایک دَورہ پورا ہونے کے بعد گویا از سرِ نو چلنا شروع کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۹
اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے اُس کی جو تم کرتے ہو

اللہ تعالیٰ کا علم محیط

یعنی جو قوت رات کو دِن اور دِن کو رات کرتی اور چاند سورج جیسے کُرات عظیمہ کو ادنیٰ مزدور کی طرح کام میں لگائے رکھتی ہے۔ اُسے تمہارا مرے پیچھے زندہ کر دینا کیا مشکل ہوگا۔ اور جب ہر ایک چھوٹے بڑے عمل سے پوری طرح باخبر ہے تو حساب کتاب میں کیا دشواری ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ
یہ اس لئے کہا کہ اللہ وہی ہے ٹھیک اور جس کسی کو پکارتے ہیں
مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ
اُس کے سوائے سو وہی جھوٹ ہے

اللہ کی صفات کے ذکر کا مقصد

یعنی حق تعالیٰ کی یہ شئون عظیمہ اور صفات قاہرہ اس لئے ذکر کی گئیں کہ سُننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا کو ماننا اور صرف اس کی عبادت کرنا ہی ٹھیک راستہ ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے یا کیا جائے باطل اور جھوٹ ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کا موجود بالذات اور واجب الوجود ہونا جو "بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ" سے سمجھ میں آتا ہے اور دوسروں کا باطل و ہالک الذات ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اکیلے اُسی خدا کے واسطے یہ شئون و صفات ثابت ہوں پھر جس کے لئے یہ شئون و صفات ثابت ہوں گی وہ ہی معبود بننے کا مستحق ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۳۰
اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا

لہٰذا بندہ کی انتہائی پستی اور تذلل (جس کا نام عبادت ہے) اُسی کے لئے ہونا چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ
تو نے نہ دیکھا کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں
بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ
اللہ کی نعمت لے کر تا کہ دکھلائے تم کو کچھ اپنی قدرتیں

بحری جہاز

یعنی جہاز بھاری بھاری سامان اُٹھا کر خدا کی قدرت اور فضل و رحمت سے کس طرح سمندر کی موجوں کو چیرتا پھاڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۱
البتہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک تحمل کرنے والے احسان ماننے والے کے واسطے

صبر و شکر کا موقع

یعنی اس بحری سفر کے احوال و حوادث میں غور کرنا انسان کے لئے

Marfat.com

صبر وشکر کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ جب طوفان اُٹھ رہے ہوں اور جہاز پانی کے تھپیڑوں میں گھرا ہو، اُس وقت بڑے صبر وتحمل کا کام ہے اور جب اللہ نے اس کشمکش موت وحیات سے صحیح وسالم نکال دیا تو ضروری ہے کہ اُس کا احسان مانے۔ (تفسیر عثمانی)

صبر وشکر والے لوگ

صَبَّارٍ سے وہ شخص مراد ہے جو آفاق اور انفس (یعنی اندرون و بیرون یا اپنی ذات اور سارے جہان) کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سوچ وبچار میں تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ اور شکور وہ شخص جو اللہ کی نعمتوں کو پہچانتا اور نعمتیں عطا فرمانے والے کا شکر ادا کرتا ہے۔ یا صبار و شکور سے مراد ہیں اہلِ ایمان کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان کے دو نصف ہیں، آدھا ایمان صبر میں ہے اور آدھا شکر میں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، یعنی مؤمن سُکھ میں شکر کرتا ہے اور دکھ میں صبر کرتا ہے (اور انسان کی زندگی دکھ اور سکھ کا ہی نام ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ
اور جب سر پر آئے اُن کے موج جیسے بادل پکارنے لگیں اللہ کو
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ
خالص کر کر اُسی کے لئے بندگی

سمندر کی موجوں میں مشرک بھی اللہ کو پکارتا ہے

اُوپر دلائل وشواہد سے سمجھایا تھا کہ ایک اللہ ہی کا ماننا ٹھیک ہے اس کے خلاف سب باتیں جھوٹی ہیں۔ یہاں بتلایا کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کٹر سے کٹر مشرک بھی بڑی عقیدتمندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے کو نہیں پکارتے کیونکہ ان کے دماغوں میں فطری طور پر یہ بات جمی ہوئی ہے کہ مصیبتوں کو دور کرنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں سخت خطرے اور خوف کے وقت وہ میلانِ نفسانی اور تقلید اسلاف جو فطرت پر پردہ ڈالے ہوئے تھی یکدم زائل ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ
پھر جب بچا دیا اُن کو جنگل کی طرف تو کوئی ہوتا ہے اُن میں بیچ کی چال پر

مشکل کشائی کے بعد کی حالت

یعنی جب خدا تعالیٰ طوفان سے نکال کر خشکی پر لے آیا تو تھوڑے نفوس ہیں جو اعتدال وتوسط کی راہ پر قائم رہیں ورنہ اکثر تو دریا سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ کا ترجمہ کیا "تو کوئی ہوتا ہے اُن میں بیچ کی چال پر" حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ یعنی جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا نہیں، مگر بالکل بھول بھی نہ جائے۔ ایسے بھی کم ہیں نہیں تو اکثر قدرت سے منکر ہوتے ہیں۔ اپنے بچ نکلنے کو تدبیر پر رکھتے ہیں یا کسی ارواح وغیرہ کی مدد پر۔ (تفسیر عثمانی)

مقتصدٌ سے مراد ہے درمیانی راہ پر قائم رہنے والا یعنی توحید پر برقرار رہنے والا، قصد السبیل درمیانی راہ چھوٹا راستہ صراطِ مستقیم یعنی راہ توحید اس تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ آیت کا نزول حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہوا۔ فتح مکہ کے وقت حضرت عکرمہ بن ابو جہل مکہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے پہنچ گئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستہ میں طوفان آ گیا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر اللہ مجھے اس طوفان سے محفوظ رکھ کر کنارے پر پہنچا دے گا تو میں اپنا ہاتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جا کر دے دوں گا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے طوفان رک گیا اور عکرمہ مکہ واپس آ کر مسلمان ہو گئے اس تشریح پر پورا کلام اس طرح ہوگا۔ کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں اور کچھ کافر ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝
اور منکر وہی ہوتے ہیں ہماری قدرتوں سے جو قول کے جھوٹے ہیں حق نہ ماننے والے

جھوٹے عہد

یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول وقرار اللہ سے کر رہے تھے سب جھوٹے نکلے۔ چند روز بھی اس کے انعام واحسان کا حق نہ مانا اس قدر جلد قدرت کی نشانیوں سے منکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ
اے لوگو بچتے رہو اپنے رب سے اور ڈرو اُس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی باپ

Marfat.com

عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ

اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو جو کام آئے اپنے باپ کی جگہ کچھ بھی

قیامت کی وحشت سے بچاؤ کا سامان کرو

طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں سخت افراتفری ہوتی ہے ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ تاہم ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بالکل غافل نہیں ہو جاتی۔ ایک دوسرے کے بچانے کی تدبیر کرتا ہے بلکہ بسا اوقات والدین کی شفقت چاہتی ہے کہ ہو سکے تو بچہ کی مصیبت اپنے سر لے کر اُس کو بچالیں لیکن ایک ہولناک اور ہوشربا دن آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کر کے دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا۔ اور تیار بھی ہو تو یہ تجویز چل نہ سکے گی۔ چاہئے کہ آدمی اس دن سے ڈر کر غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرے۔ آج اگر سمندر کے طوفان سے بچ گئے تو کل اُس سے کیونکر بچو گے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی مؤمن باپ کافر بیٹے کی طرف سے اور مؤمن بیٹا کافر باپ کی جانب سے معاوضہ نہیں دے گا البتہ مؤمن مؤمن کی شفاعت کرے گا، اللہ نے فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۔

نکتہ: بجائے وَلَد کے مَولُوْد کا لفظ ذکر کرنے سے مقصود نفی معاوضہ کا پر زور اظہار ہے کیونکہ مولود تو صرف بیٹے کو کہتے ہیں اور وَلَد کا اطلاق پوتے پڑپوتے پر بھی ہوتا ہے۔ پس جب صلبی حقیقی بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آئے گا تو پوتے کا اپنے دادا کے کام نہ آنا ظاہر ہی ہے وَلَدٌ کا اطلاق بیٹے پوتے پڑپوتے بلکہ پوتی پڑپوتی پر بھی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

کوئی لب نہ ہلا سکے گا

ابن ابی حاتم میں ہے عُزیر علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی تکلیف ملاحظہ کی اور غم و رنج بہت بڑھ گیا نیند اُچاٹ ہو گئی تو اپنے رب کی طرف جھک پڑے۔ فرماتے ہیں میں نے نہایت تضرع وزاری کی، خوب رویا، گڑگڑایا، نمازیں پڑھیں روزے رکھے، دعائیں مانگیں، ایک مرتبہ رو رو کر تضرع کر رہا تھا کہ میرے سامنے ایک فرشتہ آ گیا، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا نیک لوگ بُروں کی شفاعت کریں گے؟ یا باپ بیٹوں کے کام آئیں گے؟ اس نے فرمایا قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے اُس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہوگا، کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا، کسی کو دوسرے کے بارے میں نہ پکڑا جائے گا، نہ باپ بیٹے کے بدلے نہ بیٹا باپ کے بدلے نہ بھائی بھائی کے بدلے نہ غلام آقا کے بدلے نہ کوئی کسی کا غم و رنج کرے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہو گی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف سے پکڑا جائے گا، ہر شخص آپا دھاپی میں ہوگا، ہر ایک اپنا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہو گا نہ کسی اور کا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ: یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس آیت میں باپ، بیٹے کو نفع نہ پہنچا سکے گا یہاں تو جملہ فعلیہ کی صورت میں لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ کے الفاظ سے ذکر فرمایا اور دوسری جانب میں دو تغیر کئے گئے، ایک یہ کہ اس کو جملہ اسمیہ کی صورت میں بیان فرمایا، دوسرے اس میں وَلَد کے بجائے لفظ مَوْلُوْد اختیار فرمایا، حکمت اس میں یہ ہے کہ جملہ اسمیہ بہ نسبت فعلیہ کے زیادہ مؤکد ہوتا ہے، اس تغیر جملہ میں اس فرق کی طرف اشارہ کر دیا جو باپ اور اولاد میں ہے کہ باپ کی محبت اولاد کے ساتھ اشد ہے، اس کے برعکس اولاد کی محبت کا یہ درجہ دنیا میں بھی نہیں ہوتا محشر میں نفع رسانی کی نفی تو دونوں سے کر دی گئی، مگر اولاد کی عدم نفع رسانی کو مؤکد کر کے بیان فرمایا، اور لفظ وَلَدٌ کے بجائے مَوْلُوْد اختیار کرنے میں یہ حکمت ہے کہ مولود صرف اولاد کو کہا جاتا ہے اور لفظ وَلَدٌ عام ہے اولاد کی اولاد کو بھی شامل ہے، اس میں دوسرے رُخ سے اسی مضمون کی تائید اس طرح ہو گئی کہ خود صلبی بیٹا بھی باپ کے کام نہ آئے گا، تو پوتے پڑپوتے کا حال معلوم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، سو تم کو نہ بہکائے دنیا کی زندگانی

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

اور نہ دھوکا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز

دھوکے میں نہ پڑو قیامت آ کر رہے گی

یعنی وہ دن یقیناً آ کر رہے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ لہٰذا دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا نہ کھاؤ کہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ اور یہاں آرام سے ہو تو وہاں بھی آرام کرو گے؟ نیز اُس دغا

Marfat.com

باز شیطان کے اغواء سے ہوشیار رہو جو اللہ کا نام لے کر دھوکا دیتا ہے۔ کہتا ہے میاں اللہ غفور رحیم ہے خوب گناہ سمیٹو، مزے اُڑاؤ، بوڑھے ہو کر اکٹھی توبہ کر لینا۔ اللہ سب بخش دے گا۔ تقدیر میں اگر اُس نے جنت لکھ دی ہے تو گناہ کتنے ہی ہوں ضرور پہنچ کر رہو گے اور دوزخ لکھی ہے تو کسی طرح بچ نہیں سکتے پھر کاہے کے لئے دنیا کا مزہ چھوڑا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ
بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اُتارتا ہے مینہ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ
اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ
مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ
کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں
تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝
مرے گا تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے

پانچ چیزیں جن کا یقینی علم اللہ کے پاس ہے

یعنی قیامت آ کر رہے گی کب آئے گی؟ اس کا علم خدا کے پاس ہے نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے۔ آدمی دنیا کے باغ و بہار اور وقتی تروتازگی پر ریجھتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مینہ نہ برسے تو ہر طرف خاک اُڑنے لگے۔ نہ سامانِ معیشت رہیں نہ اسباب راحت، پھر تعجب ہے کہ انسان دنیا کی زینت اور تروتازگی پر فریفتہ ہو کر اُس ہستی کو بھول جائے جس نے اپنی بارانِ رحمت سے اُس کو تروتازہ اور پُر رونق بنا رکھا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اُس کا کتنا حصہ ہے۔ بہت سے لوگ کوشش کر کے اور ایڑیاں رگڑ کر مر جاتے ہیں لیکن زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا۔ بہت ہیں جنہیں بے محنت دولت مل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر بھی کوئی آدمی جو دین کے معاملہ میں تقدیر الٰہی پر بھروسہ کئے بیٹھا ہو، دنیوی جدوجہد میں تقدیر پر قانع ہو کر ذرہ برابر کمی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہیے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عموماً کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا کو ہے کہ فی الواقع ہماری تقدیر کیسی ہوگی اور صحیح تدبیر بن پڑے گی یا نہیں۔ یہ ہی بات اگر ہم دین کے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آئیں۔ بیشک جنت دوزخ جو کچھ ملے گی تقدیر سے ملے گی جس کا علم خدا کو ہے مگر عموماً اچھی یا بُری تقدیر کا چہرہ اچھی یا بری تدبیر کے آئینہ میں نظر آتا ہے اس لیے تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی۔ جنتی ہے یا دوزخی، مفلس ہے یا غنی، لہذا ظاہری عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہوئی جس سے عادۃً ہم کو نوعیت تقدیر کا قدرے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اُس کی عمر کیا ہو۔ روزی کتنی ملے۔ سعید ہو یا شقی، اسی کی طرف **ویعلم ما فی الارحام** میں اشارہ کیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اُڑا لو، پھر توبہ کر کے نیک بن جانا، اس کا جواب وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا الخ میں دیا ہے یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لئے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آ جائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کر لے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اُسی علیم و خبیر کو ہے۔ (تنبیہ) یاد رکھنا چاہیے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے، پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی، اور زمانی کی باعتبار ماضی، مستقبل حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الیٰ آخر الآیۃ (جن۔ رکوع ۲) جس کی جزئیات کی تفصیل وتبویب اذکیائے اُمت نے کی۔ اور اکوان غیبیہ کی کلیات واصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔ آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان

Marfat.com

غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ میں غیوب مکانیہ مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا میں زمانیہ مستقبلہ "مَافِی الْاَرْحَام" میں زمانیہ حالیہ اور یُنَزِّلُ الْغَیْثَ میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے۔

یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی۔ ماں بچہ کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اُسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے۔ لڑکا یا لڑکی؟ انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقع ہوگی؟ اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیوی زندگی پر مفتوں ہو کر خالق حقیقی کو اور اُس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔ بہرحال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سُوال انہی پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کما فی الحدیث۔ پہلے سورۂ انعام اور سورۂ نمل میں بھی ہم علم غیب کے متعلق کچھ لکھ چکے ہیں۔ ایک نظر ڈال لی جائے، تم سورۃ لقمان بمنه وَکرمه۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحرانشین لوگوں میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، بغوی نے اس شخص کا نام حارث بن عمرو بن حارث بن محارب بن حفصہ بتایا ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق دریافت کیا یعنی یہ پوچھا کہ قیامت کب ہوگی۔ اس شخص نے یہ بھی کہا کہ میری بی بی حاملہ ہے بتایئے کیا پیدا ہوگا (لڑکا یا لڑکی) اور ہمارا ملک خشک سالی میں مبتلا ہے بتایئے بارش کب ہوگی؟ اور جس زمین پر میں پیدا ہوا تھا وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن کس جگہ مروں گا یہ آپ بتایئے۔ اس پر آیاتِ ذیل نازل ہوئیں۔

غیب کے پانچ خزانے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیب کے خزانے پانچ ہیں جن سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں، سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ رحم کے اندر کیا ہے؟ سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں کہ قیامت کب برپا ہوگی۔ سوائے خدا کے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُس کی موت کس سرزمین پر آئے گی۔ اور سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی۔ (رواہ احمد والبخاری)

بغوی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر میں حدیث مذکور الفاظ ذیل کے ساتھ بیان کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غیب کے خزانے (یا کنجیاں) پانچ ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ـــ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ـ تک تلاوت فرمائی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سوال جبرئیل علیہ السلام والی حدیث میں آیا ہے۔ یہ پانچ چیزوں میں سے ہے یعنی قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جو آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ میں مذکور ہیں۔

حضرت سلیمان کے درباری کی موت کا عجیب واقعہ

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں خیثمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص کی طرف گھور کر دیکھنے لگے اس شخص نے پوچھا یہ کون شخص ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ملک الموت ہے اس شخص نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجھے مارنا چاہتا ہے آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے اٹھا کر ہندوستان پہنچا دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دے دیا (ہوا نے اس شخص کو ہندوستان پہنچا دیا) ملک الموت نے کہا "میں تعجب سے اس شخص کو برابر دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ آپ کے پاس موجود تھا اور مجھے حکم دیا گیا تھا کہ ہندوستان میں اس کی روح قبض کروں۔ (واللہ اعلم)

خلیفہ منصور کا خواب

ایک حکایت ہے کہ منصور (عباسی خلیفہ) نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا، منصور نے اس سے اپنی عمر کی مدت دریافت کی، ملک الموت نے اپنی پانچ انگلیاں دکھا دیں، اہلِ تعبیر سے تعبیر دریافت کی تو کسی نے کہا پانچ برس، کسی نے کہا پانچ مہینے، کسی نے کہا پانچ دن۔

امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف کہ یہ پانچوں چیزیں سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

Marfat.com

بحمد اللہ سورہ لقمٰن کی تفسیر ۲۲ رجب ۱۲۰۶ھ اور اس کا ترجمہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کو ختم ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم

اور حدیث میں جو بروایت ابن عمر ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ ارشاد آیا ہے کہ اُوْتِیْتُ مَفَاتِحَ کُلِّ شَیٍ اِلَّا الْخَمس (اخرجہ الامام احمد، ابن کثیر) اس میں لفظ اُوتیتُ نے خود یہ بات واضح کر دی کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جن غائبات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی دیا گیا تھا، اس لئے وہ علمِ غیب کی تعریف میں شامل نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی .....اور اولیاء کو بذریعہ الہام جو غیب کی چیزوں کی خبریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دی جاتی ہیں وہ حقیقت کے اعتبار سے علمِ غیب نہیں، جس کی بناء پر ان کو عالم الغیب کہا جا سکے بلکہ وہ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ یعنی غیب کی خبریں ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اپنے فرشتوں اور رسولوں اور مقبول بندوں کو عطا فرما دیتا ہے، قرآن کریم میں ان کو اَنْبَآءِ الْغَیْبِ فرمایا گیا ہے مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ.

اس لئے مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایسا مخصوص فرمایا ہے کہ بطور انبیاء غیب کے بھی فرشتے اور رسول کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔

غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک احکام غیب ہیں جیسے احکام شرائع جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم بھی دیا جاتا ہے جس کو علمِ عقائد کہا جاتا ہے اور وہ تمام احکام شرعیہ بھی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سے کام پسند ہیں کون سے ناپسند، یہ سب چیزیں غیب ہی کی ہیں۔

دوسری قسم اَکْوَانِ غیبیہ یعنی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کا علم، پہلی قسم کے غائبات کا علم حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کو عطا فرمایا ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں اسی طرح آیا ہے فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتے، بجز اس رسول کے جس کو اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے پسند فرمالیں۔

اور دوسری قسم یعنی اکوانِ غیبیہ، ان کا علم کلی تو حق تعالیٰ کسی کو عطا نہیں فرماتے وہ بالکل ذاتِ حق کے ساتھ مخصوص ہے، مگر علم جزئی خاص خاص واقعات کا جب چاہتا ہے جس قدر چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے، اس طرح اصل علم غیب تو سب کا سب حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، پھر وہ اپنے علم غیب میں سے احکامِ غیب کا علم تو عادۃً انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی بتلاتے ہی ہیں، اور یہی علم ان کی بعثت کا مقصد ہے،

اکوانِ غیب کا علم جزئی بھی انبیاء اولیاء کو بذریعہ وحی یا الہام جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عطا فرما دیتا ہے، جو منجانب اللہ عطا کیا ہوا علم ہے، اس کو حقیقی معنی کے اعتبار سے علم الغیب نہیں کہا جا سکتا، بلکہ غیب کی خبریں (انباء الغیب) کہا جاتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ آخری دو چیزیں یعنی آئندہ کل میں انسان کیا کمائے گا اور یہ کہ وہ کس زمین میں مرے گا خود انسان کی ذات کے متعلق حالات ہیں ان میں احتمال ہو سکتا تھا کہ انسان ان کا علم حاصل کرے اس لئے ان دونوں میں خصوصیت سے غیر اللہ کے علم کو منفی کر کے بیان فرمایا گیا، جس سے پہلی تین چیزوں کا علم غیر اللہ کے لئے نہ ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا کہ جب انسان خود اپنے اعمال ومکاسب کو اور ان کی انتہا یعنی موت اور اس کی جگہ نہیں جانتا تو آسمان اور نزولِ مطر اور شکم مادر کی اندھیریوں میں مخفی چیز کو کیا جانے گا، اور آخری چیز میں صرف مکانِ موت کا علم انسان کو نہ ہونا بیان فرمایا ہے حالانکہ مکانِ موت کی طرح زمانِ موت بھی انسان کے علم میں نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

منتہائے حیات اور منتہائے معاد کا علم

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ سے انسان کے منتہائے حیات کی طرف اشارہ ہے اور عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ سے تمام عالم کے معاد کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کل عالم کے مبداء اور معاد اور معاش کا علم کلی اور تفصیلی اور بہمہ وجوہ محیط اور قطعی اور یقینی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ اَکْوانِ غیبیہ کا علم کلی اور تفصیلی اور محیط اللہ رب العزۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اگر کسی نبی کو بذریعہ وحی کے اور کسی نبی کو بذریعہ الہام کے اور کسی مرد صالح کو بذریعہ خواب کے کسی کی موت اور حیات کا کچھ علم ہو جائے تو وہ ایک علم جزئی اور ناتمام ہے جس کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہو اور بعض اوقات کافروں کو بھی بذریعہ خواب یا کشف کچھ امور دکھلا دیئے جاتے ہیں جو واقع کے مطابق ہوتے ہیں جیسا کہ دجال کی حدیث میں اس قسم کے امور کا ذکر آیا ہے تو وہ بطور استدراج ہے نہ کہ بطریق کرامت۔ (معارف کاندھلوی)

Marfat.com

سورۃ السجدہ

اگر خواب میں دیکھے کہ سورۂ سجدہ پڑھتا ہے تو یہ دلیل ہے کہ سجدہ کرتا ہوا دنیا سے رحلت کرلے گا اور حق تعالیٰ کو بہت سجدے کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی اس کی تیس آیتیں ہیں اور تین رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾
اُتارنا کتاب کا اس میں کچھ دھوکا نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے

شک وشبہ سے پاک کتاب

بلاشبہ یہ کتاب مقدس رب العالمین نے اتاری ہے نہ اس میں کچھ دھوکا ہے نہ شک وشبہ کی گنجائش۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے الٓمّٓ تنزیل السجدہ اور تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ پڑھ لیا کرتے تھے۔ (اخرجہ الامام احمد والترمذی والنسائی وغیرھم عن جابر رضی اللہ عنہ)

ربط

گذشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید اور دلائل حشر ونشر ذکر کر کے اس سورت کا آغاز بھی قرآن کی حقانیت سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید و دلائل حشر ونشر ذکر کر کے پہلی سورت کی طرح سعداء اور اشقیاء کا حال اور مآل ذکر کیا اور پھر حسب سابق اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے ادلۂ توحید کا ذکر شروع کیا۔ اسی طرح سلسلہ کلام آخر سورت تک چلا گیا۔ (معارف کاندھلوی)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ
کیا کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ باندھ لایا ہے کوئی نہیں وہ ٹھیک ہے
مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ
تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو ڈر سنا دے اُن لوگوں کو جنکے پاس نہیں آیا ڈرانے والا
مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾
تجھ سے پہلے تاکہ وہ راہ پر آئیں

کافروں کی بے ہودہ باتوں کا تجزیہ

یعنی جس کتاب کا معجز من اللہ ہونا اس قدر واضح ہے کہ شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں، کیا اُس کی نسبت کفار کہتے ہیں کہ پیغمبر اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے اور معاذ اللہ جھوٹ طوفان خدا کی طرف نسبت کرتا ہے؟ حد ہو گئی جب ایسی روشن چیز میں بھی شبہات پیدا کئے جانے لگے، ذرا غور و انصاف کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب ٹھیک پروردگار عالم کی طرف سے آئی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے آپ اس قوم کو بیدار کرنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے پاس قرنون سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی اپنی طرف سے وہ ہی چیز بنا کر لاتا ہے یا بنا سکتا ہے جس کی کوئی نظیر یا زبردست خواہش اُس کے ماحول میں پائی جاتی ہو کسی ملک میں ایسی بات دفعۃً منہ سے نکال دینا جو اُن کی سینکڑوں برس کی مسخ شدہ ذہنیت اور مذاق کے یکسر مخالف ہو اور جس کے قبول کی ادنیٰ ترین استعداد بھی بظاہر نہ پائی جائے کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کسی کو مامور کرے وہ الگ بات ہے پس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم جن کا اعقل الناس ہونا اُن کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے جو آپ کو (معاذ اللہ) مفتری کہتے ہیں، اگر کوئی بات بنا کر لاتے تو یقیناً ایسی لاتے جو عرب کی اُس فضا کے مناسب اور عام جذبات کے موافق ہوتی اور جس کا کوئی نمونہ اُن کے گرد وپیش پایا جاتا یہ ہی بات ایک انصاف پسند کو یقین دلا سکتی ہے کہ وہ خود اپنی ذاتی خواہش سے کھڑے نہیں ہوئے اور نہ جو پیغام لائے وہ اُن کی تصنیف کیا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان وتوحید کی دعوت ہر دور میں رہی ہے

اس آیت میں لفظ نذیر اپنے عام لغوی معنی میں ہے یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والا وہ خواہ رسول اور پیغمبر ہو یا ان کا کوئی نائب

Marfat.com

خلیفہ یا عالم دین، تو اس آیت سے تمام امتوں اور جماعتوں تک توحید کی دعوت پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے وہ اپنی جگہ صحیح و درست اور حق تعالیٰ کی رحمتِ عامہ کا مقتضا ہے جیسا کہ ابوحیان نے فرمایا کہ توحید اور ایمان کی دعوت کسی زمانے اور کسی مکان اور کسی قوم میں کبھی منقطع نہیں ہوتی، اور جب کہیں نبوت پر زمانہ دراز تک گزر جانے کے بعد اس نبوت کا علم رکھنے والے علماء بہت کم رہ گئے تو کوئی دوسرا نبی و رسول مبعوث ہو گیا، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اقوامِ عرب میں بھی ضرورت توحید کی دعوت پہلے سے ضرور پہنچی ہوگی، مگر اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ یہ دعوت خود کوئی نبی و رسول لے کر آیا ہو، ہوسکتا ہے کہ ان کے نائبین علماء کے ذریعہ پہنچ گئی ہو، اس لئے اس سورۃ اور سورۃ یٰسین وغیرہ کی وہ آیتیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریش عرب میں آپ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا، ضروری ہے کہ اس میں نذیر سے مراد اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رسول و نبی ہو، اور مراد یہ ہو کہ اس قوم کے اندر آپ سے پہلے کوئی نبی و رسول نہیں آیا اگرچہ دعوتِ ایمان و توحید دوسرے ذرائع سے یہاں بھی پہنچ چکی ہو،

زمانۂ فترت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بہت سے حضرات کے متعلق یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ دینِ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام پر قائم تھے، توحید پر ان کا ایمان تھا، بت پرستی اور بتوں کے لئے قربانی دینے سے متنفر تھے۔

عمرو بن نفیل

روح المعانی میں موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی مغازی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن نفیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبوت سے پہلے آپ سے ملے بھی تھے، مگر نبوت سے پہلے ان کا انتقال اس سال میں ہو گیا جس میں قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے، ان کا حال موسیٰ بن عقبہ نے یہ نقل کیا ہے کہ قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے، اور بتوں کے نام پر قربانی دینے کو بہت بُرا کہتے تھے، اور مشرکین کے ذبائح کا گوشت نہ کھاتے تھے۔

اور ابوداؤد طیالسی نے عمرو بن نفیل کے صاحبزادے حضرت سعید بن عمرو رضی اللہ عنہ سے جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے والد کا جو کچھ حال تھا وہ آپ کو معلوم ہے کہ توحید پر قائم کے منکر تھے، تو کیا میں ان کے لئے دعائے مغفرت کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کے لئے دعاء مغفرت جائز ہے، وہ قیامت کے روز ایک مستقل امت ہو کر اٹھیں گے۔ (روح)

ورقہ بن نوفل

اس طرح ورقہ بن نوفل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت شروع ہونے اور نزولِ قرآن کی ابتداء کے وقت موجود تھے توحید پر قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا، مگر فوراً بعد ہی ان کی وفات ہو گئی، یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اقوامِ عرب بھی دعوتِ الٰہیہ اور دعوتِ ایمان و توحید سے محروم تو تھیں، مگر خود ان کے اندر کوئی نبی نہیں آیا تھا، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین
وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ
اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے چھ دن کے اندر پھر قائم ہوا عرش پر

اس کا بیان سورۂ اعراف میں آٹھویں پارہ کے اختتام کے قریب گذر چکا، ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ
کوئی نہیں تمہارا اُس کے سوائے حمایتی اور نہ سفارشی
اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴
پھر تم کیا دھیان نہیں کرتے

کہاں بھاگ سکتے ہو؟

یعنی دھیان نہیں کرتے کہ اُس کے پیغامبر کو جھٹلا کر کہاں جاؤ گے۔ تمام زمین و آسمان میں عرش سے فرش تک اللہ کی حکومت ہے۔ اگر پکڑے گئے تو اُس کی اجازت و رضاء کے بدوں کوئی حمایت اور سفارش کرنے والا بھی نہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ
تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے
اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵
وہ کام اس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں

Marfat.com

احکامِ الٰہیہ کی تنفیذ اور نظام کائنات کی ترتیب

بڑے کام اور اہم انتظامات کے متعلق عرش عظیم سے مقرر ہو کر نیچے حکم اترتا ہے۔ سب اسباب حسی و معنوی ظاہری و باطنی، آسمان و زمین سے جمع ہو کر اُس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں، آخر وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت و حکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اُٹھ جاتا ہے۔ اُس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اُترتا ہے جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا، یا کسی بڑی قوم میں سرداری جونسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضح بتغییر یسیر) مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات و تدابیر فرشتوں کو القاء کرتا ہے۔ اور یہ اُس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں، آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرما دیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں کے اوپر سے زمین تک آتا ہے، پھر جو کارروائیاں اس کے متعلق یہاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں جو سمائے دنیا کے محدب پر واقع ہے۔ اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار سال کا ہے جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ جُداگانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم میں قطع کر لے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اس کے مبادی و اسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اُس وقت جو نتائج و آثار اُس کے ظہور پذیر ہوتے ہیں بارگاہِ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یوم سے یومِ قیامت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہو گا۔ اُس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار سال کے برابر ہے۔ بہرحال فی یوم کو بعض نے یُدبِر کے اور بعض نے یعرُج کے متعلق کیا ہے اور بعض نے تنازع فعلین مانا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور آسمانوں کے درمیان کی مسافت

کَانَ مِقْدَارُہٗ یعنی اس کے عروج و نزول کی مدت تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہوتی ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی آدمی اس مسافت کو طے کرے تو ہزار برس سے کم میں طے نہیں کر پائے گا لیکن اللہ کی قدرت کے کمال کے زیرِ اثر اس کا عروج و نزول پل بھر میں ہو جاتا ہے۔

میرے نزدیک دونوں آیتوں میں زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی مسافت مراد ہو سکتی ہے لیکن ایک ہزار اور پچاس ہزار کی گنتی کا اختلاف چلنے والوں کی رفتار کی بناء پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ ترمذی نے حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین اور آسمان کے درمیان کی مسافت اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کی راہ کے برابر ہے۔ نیز ترمذی اور احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین اور آسمان کے درمیان اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کی راہ ہے۔ یہاں بھی اختلافِ مدت محض چلنے والوں کی رفتار کے تفاوت کی بناء پر ظاہر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت جو ترمذی نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نادار لوگ مالداروں سے پانچ سو برس اور آدھا دن پہلے (یعنی قیامت کے آدھے دن کی بقدر پہلے) جنت میں داخل ہوں گے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا

بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو خزانے والا اپنے خزانے کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اس کا خزانہ جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کی چٹانیں بنائی جائیں گی اور چٹانوں سے اس شخص کے دونوں پہلوؤں اور پیشانی پر داغ لگائے جائیں گے (اور ایسا) اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک اللہ اپنے بندوں کا فیصلہ اس دن کرے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی مدت کے برابر ہو گی۔

بعض لوگوں کے لئے وہ پچاس ہزار برس کا دن ہو گا اور بعض کے لئے ایک ہزار برس کا اور بعض لوگوں کے لئے دنیا کے اس دن سے بھی کم مدت محسوس ہو گی۔ حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کیا ہے کہ مومنوں کے لئے قیامت کے دن کا طول اتنا ہو گا جتنی مدت ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے۔

Marfat.com

مؤمن پر قیامت کی آسانی

بغوی نے ابراہیم تیمی کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور ابو یعلی و ابن حبان و بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابوسعید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مدت پچاس ہزار برس کی ہوگی اور عرض کیا گیا یہ تو بڑا لمبا دن ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مؤمن کے لئے تو وہ اس فرض نماز سے بھی زیادہ خفیف ہوگا جو دنیا میں وہ پڑھا کرتا تھا۔

جلال الدین محلی نے اپنی تفسیر میں اسی روایت کو پسند کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝
یہ ہے جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست رحم والا

اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت

یعنی ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان انتظام وتدبیر کا قائم کرنا اسی پاک ہستی کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر و پوشیدہ کی خبر رکھے، زبردست اور مہربان ہو۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ
جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش
مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝
ایک گارے سے پھر بنائی اس کی اولاد نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے

یعنی نطفہ جو بہت سی غذاؤں کا نچوڑ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حسین بنائی ہے

اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کی خلقت کو حسین اور بہتر بنایا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا وہ حکمت اور مصالحِ عالم کے اقتضاء سے بنایا ہے، اس لئے ہر چیز اپنی ذات کے اعتبار سے ایک حُسن رکھتی ہے، اور ان سب سے زیادہ حسین اور بہتر انسان کو بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ یعنی ہم نے انسان کو سب سے زیادہ حسین تقویم اور بہتر شکل وصورت میں پیدا کیا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تقریر

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کل شیٔ میں تمام جواہر اور اعراض داخل ہیں یعنی وہ چیزیں بھی جو وجود جوہری رکھتی ہیں جیسے حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ اور اعراض بھی جن میں اخلاق واعمال بھی داخل ہیں، یہاں تک کہ جو اخلاق بُرے بتلائے جاتے ہیں جیسے غصہ، حرص، شہوت وغیرہ یہ بھی اپنی ذات میں بُرے نہیں، ان کی بُرائی غیر مصرف میں صرف کرنے اور بے محل استعمال کرنے سے ہوتی ہے، اپنے محل میں رہیں تو ان میں کوئی چیز بُری نہیں، لیکن مراد اس سے ان اشیاء کی جہت تخلیق وتکوین ہے، کہ وہ خیر ہی خیر اور حسن ہی حسن ہے اور اعمال کی دوسری جہت انسان کا کسب واکتساب ہے، یعنی اپنے اختیار کو کسی کام کے کرنے میں صرف کرنا، تو اس حیثیت سے سب حسن نہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کی اجازت نہیں دی وہ حسن نہیں، قبیح ہیں، واللہ اعلم۔

قدرت کاملہ کا ثبوت

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ اس سے پہلے یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی ہر چیز کو حسن بنایا ہے، اس کے بعد انسان کا ذکر فرمایا جو ان سب میں زیادہ حسین ہے، اس کے ساتھ کمالِ قدرت کے اظہار کے لئے یہ بھی بتلا دیا کہ جس انسان کو ہم نے سب مخلوق سے زیادہ بہتر بنایا ہے وہ یہ نہیں کہ اس کا مادہ تخلیق کچھ سب سے زیادہ اشرف واعلیٰ اور بہتر لیا گیا، اس لئے سب سے بہتر ہو گیا، بلکہ مادۂ تخلیق تو اس کا سب سے کمتر چیز یعنی منی کو بنایا گیا، پھر قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ نے اس کمترین چیز کو کہاں سے کہاں پہنچایا۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ سَوّٰىهُ
پھر اسکو برابر کیا

یعنی شکل، صورت اعضاء موزوں ومتناسب رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ
اور پھونکی اُس میں اپنی ایک جان

Marfat.com

مخلوق کی عزت افزائی

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جو مخلوق ہے اسی کا مال ہے مگر جس کی عزت بڑھائی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ حالانکہ سب خدا کے بندے ہیں کما قال اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا سو انسان کی جان عالم غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں بنی۔ اس کو اپنا کہا۔ ورنہ اللہ کی جان کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو مثلاً آدمی کی جان کا لیتے ہیں تو چاہے جان کسی بدن میں ہو، بدن ہوا تو ترکیب آئی، ترکیب آئی تو حدوث آیا، ذات پاک کہاں رہی (موضح بتغیر) (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ
اور بنا دیئے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل
قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹
تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو

نعمتوں کا شکریہ

ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ آنکھوں سے اُس کی آیات تکوینیہ کو بنظرِ امعان دیکھتے۔ کانوں سے آیت تنزیلیہ کو توجہ وشوق کے ساتھ سنتے۔ دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے پھر سمجھ کر اُس پر عامل ہوتے۔ مگر تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ
اور کہتے ہیں کیا جب ہم رُل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بننا
جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآىِٕ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰
ہے کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں

کافروں کے شبہات

یعنی اس پر غور نہ کیا کہ اللہ نے اُن کو اول مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اُلٹے شبہات نکالنے لگے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے۔ اور شبہ یا استبعاد ہی نہیں بلکہ صاف طور پر یہ لوگ بعث بعد الموت سے منکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا ہم نئے جنم میں آئیں گے۔ یعنی جب ہم زمین میں غائب ہو جائیں گے اور مٹی بن کر مٹی میں مل جائیں گے زمین کی خاک میں اور ہماری خاک میں کوئی فرق نہیں رہے گا تو کیا ہم کو دوبارہ از سرِ نو زندہ کیا جائے گا۔ ضَلَّ الْمَآءُ فِی اللَّبَنِ عرب کا محاورہ ہے، یعنی دودھ میں پانی اس طرح مل کر کھو گیا کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ
تو کہہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو
وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱ ع
تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے

موت کا فرشتہ

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی تم آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رَل مِل کر برابر ہو گئے۔ ایسا نہیں تم حقیقت میں جان ہو جسے فرشتہ لے جاتا ہے بالکل فنا نہیں ہو جاتے۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

موت کے قاصد

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام درد، دُکھ موت کے قاصد ہیں۔ جب وقت مقرر آ جاتا ہے تو موت کا فرشتہ آ پہنچتا ہے اور کہتا ہے اے بندے کتنی ہی خبروں کے بعد خبریں آتی رہیں، قاصدوں کے بعد قاصد اور پیاموں کے بعد پیام بھی آتے رہے۔ اب میں آخری خبر ہوں میرے بعد (تیرے پاس) کوئی خبر نہیں آئے گی میں (آخری) قاصد ہوں میرے بعد کوئی قاصد نہیں آئے گا۔ اب چار و ناچار حکم رب پر تجھے لبیک کہنا ہے۔ جب موت کا فرشتہ روح قبض کر لیتا ہے اور (اقرباء اعزہ) اس پر چیختے پیٹتے ہیں تو موت کا فرشتہ کہتا ہے تم کس پر چیختے ہو، کس پر رو رہے ہو۔ خدا کی قسم میں نے اس کی مدتِ حیات میں کوئی کمی نہیں کی، نہ میں نے اس کا رزق کھایا، بلکہ اس کے رب نے اس کو بلا لیا ہے رونے والا اپنے اوپر روئے خدا کی قسم میرے بار بار لوٹ لوٹ کر پھیرے ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ میں تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔

مسئلہ: ملک الموت کو کسی کے مرنے کا مقرر وقت معلوم نہیں جب کسی کی روح قبض کرنے کا اس کو حکم ہوتا ہے اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

ابن ابی الدنیا نے ابن جریج کا قول نقل کیا ہے ہم تک یہ بات (یعنی حدیث) پہنچی ہے کہ ملک الموت سے کہا جاتا ہے، فلاں شخص کی روح فلاں وقت فلاں دن قبض کر لے۔

مسئلہ: موت کا فرشتہ مومن کے سامنے (مرنے کے وقت) خوبصورت ترین شکل میں آتا ہے اور کافر کے سامنے بدترین شکل میں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملک الموت کی ملاقات

ابن ابی الدنیا کا بیان کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل چن لیا تو ملک الموت نے (بارگاہِ الٰہی میں) درخواست کی کہ مجھے اجازت عطا فرمائی جائے میں ابراہیم علیہ السلام کو جا کر یہ بشارت دے دوں۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرما دی۔ ملک الموت نے جا کر ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت سنائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، الحمد للہ، پھر فرمایا اے فرشتہ موت مجھے دکھا دے تو کافروں کی روحیں کیسے قبض کرتا ہے۔ ملک الموت نے کہا آپ اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کیوں نہیں فرشتۂ موت نے اپنا منہ ابراہیم کی طرف پھیر لیا۔ اور فوراً پھر ابراہیم کی طرف رخ کیا تو ابراہیم نے دیکھا ایک سیاہ فام شخص سامنے کھڑا ہے جس کا سر آسمان کو چھو رہا ہے اور اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور اس کے بدن کے ہر رونگٹے سے آدمی کی ایک شکل نمودار ہو رہی ہے جس کے منہ اور ہر رونگٹے سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں یہ منظر دیکھ کر حضرت ابراہیم بیہوش ہو گئے کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو دیکھا کہ ملک الموت اپنی پہلی شکل میں آ چکا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اے ملک الموت اگر (مرنے کے وقت) کوئی کافر سواء آپ کی اس (ہیبت ناک) صورت کے کسی اور مصیبت وغم سے دوچار نہ بھی ہو تب بھی (اس کی مصیبت وغم کے لئے) یہ صورت ہی کافی ہے۔ اچھا اب بتایئے آپ مومنوں کی روحیں کیسے قبض کرتے ہیں۔ ملک الموت نے اپنا منہ پھیر لیا پھر فوراً (دوبارہ حضرت ابراہیم کی طرف) رخ موڑا تو ابراہیم نے دیکھا کہ وہ نہایت حسین جوان مرد تھے خوشبو پاکیزہ (مہک رہی تھی) اور لباس سفید تھا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، اے فرشتہ موت اگر (مرنے کے وقت) مومن آپ کی اس (حسین پاکیزہ) صورت کے سوا کوئی اور چشم نواز خنکی اور عزت نہ بھی دیکھے، تب بھی اس کے لئے یہ حسین صورت کافی ہوگی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو ملک الموت نے اپنی وہ حسین صورت دکھائی جو مومن کی روح قبض کرتے وقت ان کی ہوتی ہے تو ان کی صورت پر ایسی چمک دمک اور رونق دیکھی جس کی کیفیت سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور کافروں، فاجروں کی روح قبض کرنے کے وقت جو صورت ان کی ہوتی ہے جب وہ دکھائی تو ابراہیم خوف زدہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے شانے لرزنے لگے اور پیٹ زمین کو لگا دیا، قریب تھا کہ آپ کی جان نکل جائے۔

جانوروں کی موت کس طرح ہوتی ہے

ابو الشیخ اور دیلمی نے اور عقیلی نے الضعاء میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوپایوں اور زمین کے کیڑوں مکوڑوں کی مدت زندگی اللہ کی پاکی بیان کرنے سے رہتی ہے۔ جب ان کی تسبیح ختم ہو جاتی ہے تو اللہ (خود) ان کی جانیں قبض کر لیتا ہے موت کے فرشتہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ایک اور سند سے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے خطیب نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ ابن عطیہ اور قرضی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک الموت کے دخل کے بغیر اللہ خود ان کی زندگیاں ختم کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں آدمیوں کی روحیں قبض کرنے کے لئے ملک الموت اور اس کے مددگاروں کی وساطت مؤمنوں کی عزت افزائی اور کافروں کی توہین وسزا کے لئے قائم کی گئی ہے۔

موت کے چار فرشتے

خطیب نے اپنی تفسیر میں بوساطتِ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ملک الموت کو آدمیوں کی روحیں قبض کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ایک فرشتہ جنات کے لئے مقرر ہے اور ایک فرشتہ شیاطین (کی موت) پر اور ایک فرشتہ چرندوں، پرندوں، درندوں، مچھلیوں اور چیونٹیوں (کی موت) کے لئے مقرر ہے، یہ چار فرشتے ہیں (تمام) فرشتے پہلی بے ہوشی میں (یعنی پہلا صور پھونکتے ہی) مر جائیں گے۔ ملک الموت ان کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہے پھر ملک الموت (خود) مر جائے گا۔

سمندر کے شہیدوں کی روح افزائی

لیکن (جہاد پر جانے والے) وہ لوگ جو سمندر میں شہید ہوتے ہیں اللہ ان کی روحیں خود قبض کرتا ہے ان کی عزت افزائی کے پیش نظر

Marfat.com

ملک الموت کو ان کا معاملہ سپرد نہیں کرتا وہ راہِ خدا میں نکلنے والے ہوتے ہیں جو سمندر میں شہید ہو جاتے ہیں، اس روایت کی سند میں جویبر انتہائی ضعیف راوی ہے پھر ضحاک کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے انقطاع بھی ہے، البتہ اثرِ مذکور کے آخری حصہ کا ایک شاہد مرفوع ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے ملک الموت کو سواء شہداء بحر کے سب کی روحیں قبض کرنے پر مقرر فرمایا ہے۔ شہداء بحر کی روحیں قبض کرنے کی ذمہ داری اللہ نے خود (اپنے ہاتھ میں) لی ہے۔ میں کہتا ہوں عشق و معرفت کے سمندر میں ڈوبنے والے تو اس عزت افزائی کے زیادہ مستحق ہیں۔ واللہ اعلم۔

موت کے بعد روحوں کا مقام

ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ پھر تم سب اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

یعنی مرنے کے بعد مؤمن کی روح کو رحمت کے فرشتے آسمانوں پر چڑھا لے جائیں گے یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیں گے، اور کافر کی روح کو عذاب کے فرشتے لے کر چڑھیں گے اور جب پہلے ہی آسمان تک پہنچ کر (دروازہ) کھلوانا چاہیں گے تو کافر کی روح کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جائے گا، بلکہ اوپر سے اس کو پھینک دیا جائے گا (کہ وہ مقام سجین میں پہنچ جائے گی) پوری حدیث سورہ انعام میں نقل کی جا چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک الموت سے ملاقات

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی کے سرھانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا کہ میرے صحابی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو، ملک الموت علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ مطمئن رہیں، میں ہر مؤمن کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں اور فرمایا کہ جتنے آدمی شہروں میں یا دیہات اور جنگلوں پہاڑوں میں یا دریا میں آباد ہیں، میں ان میں سے ہر ایک کو دن میں پانچ مرتبہ دیکھتا ہوں، اس لئے میں ان کے ہر چھوٹے بڑے سے بلا واسطہ واقف ہوں، پھر فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جو کچھ ہے اللہ کے حکم سے ہے ورنہ میں اگر ایک مچھر کی روح بھی قبض کرنا چاہوں تو مجھے اس پر قدرت نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ ہی کا امر اس کے لئے نہ آ جائے۔

عزرائیل علیہ السلام کی الزام سے براءت

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کے سپرد ساری دنیا کی موت کا معاملہ کیا تو انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار آپ نے مجھے ایسی خدمت سپرد کی کہ ساری دنیا اور سب بنی آدم مجھے بُرا کہیں گے، اور جب میرا ذکر آئے گا بُرائی سے کریں گے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کا تدارک اس طرح کر دیا ہے کہ دنیا میں موت کے کچھ ظاہری اسباب اور امراض رکھ دیئے ہیں جن کے سبب سب لوگ موت کو ان اسباب و امراض کی طرف منسوب کریں گے آپ ان کی بدگوئی سے محفوظ رہیں گے (قرطبی فی التفسیر والتذکرہ)۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ
اور کبھی تو دیکھے جس وقت کہ منکر سر ڈالے ہوئے ہوں گے اپنے رب کے سامنے

یعنی ذلت و ندامت سے محشر میں۔ (تفسیر عثمانی)

مجرموں کی رسوائی

نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اور (اے محمد) اگر آپ (وہ منظر) دیکھیں گے (تو بڑا ہیبت ناک منظر آپ کو دکھائی دے گا) جب کہ مجرم (یعنی وہ مشرک جو کہا کرتے تھے کہ جب ہم خاک میں مل جائیں گے تو کیا نئے جنم میں اُٹھ سکیں گے ندامت اور غم کے مارے) اپنے رب کے سامنے سر جھکائے حاضر ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ
اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا اب ہم کو پھر بھیج دے کہ ہم کریں
صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾
بھلے کام ہم کو یقین آ گیا

بے کار حسرت

یعنی ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں۔ پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے اُن کا یقین آ گیا۔ بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عمل صالح ہی خدا کے ہاں کام دیتا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے دیکھئے کیسے نیک کام کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سَمِعْنَا یعنی تو نے اپنے پیغمبروں کی تصدیق کر دی جن کو ہم جھوٹا

Marfat.com

کہتے تھے۔ ہم نے آج تیری طرف سے تصدیق سن لی۔ ابْصَرْنَا اور سمعنا کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے اپنے گناہ دیکھ لئے اور ہمارے متعلق جو کہا گیا ہم نے سن لیا۔

یعنی جس چیز میں ہم کو پہلے شک تھا آج اس کا یقین آ گیا (تفسیر مظہری)

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ
اور اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر جی کو اُس کی راہ لیکن
حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
ٹھیک پڑ چکی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾
اور آدمیوں سے اکٹھے

حکمتِ الٰہی کے تقاضے

دوسری جگہ فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (انعام۔ رکوع ۳) یعنی جھوٹے ہیں اگر دنیا کی طرف لوٹائے جائیں پھر وہ ہی شرارتیں کریں۔ اُن کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغواء کو قبول کرلیں اور اللہ کی رحمت سے دُور بھاگیں بیشک ہم کو قدرت تھی چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو زبردستی اسی راہِ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور وطریق اختیار کرنے کے لئے مضطر کر دینا حکمت کے خلاف تھا جس کا بیان کئی جگہ پہلے ہو چکا ہے۔ لہذا وہ بات پوری ہونی تھی جو ابلیس کے دعوے "لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ" (ص آ۔ رکوع ۵) کے جواب میں فرمائی تھی "فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (ص آ۔ رکوع ۵) معلوم ہوا کہ یہاں جن وانس سے مراد وہ ہی شیاطین اور ان کے اتباع ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے کچھ لوگوں کو پیدائشی جنتی بنایا، جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اسی وقت ان کو جنت کے لئے بنا دیا تھا اور کچھ لوگوں کو پیدائشی دوزخی بنایا جب وہ پشتِ پدر میں تھے اسی وقت ان کو دوزخ کے لئے بنا دیا تھا۔ (رواہ مسلم)

ہر ایک کے دو ٹھکانے

حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے دوزخ میں ٹھکانا یا جنت میں ٹھکانا (پہلے سے) لکھ دیا گیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر ہم اسی تحریر پر بھروسہ کیوں نہ کرلیں اور کیوں نہ عمل ترک کر دیں؟ فرمایا عمل کئے جاؤ۔ ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو خوش نصیب (لکھ دیئے گئے) ہیں ان کے لئے اہلِ سعادت کے عمل آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جو بد بخت (لکھ دیئے گئے) ہیں ان کو بدنصیبوں کے اعمال کی توفیق دی جاتی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الخ تلاوت فرمائی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

جنتیوں اور دوزخیوں کی فہرست

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک میں دو تحریریں لئے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دونوں تحریریں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا ہم کو کچھ علم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا۔ یہ رب العالمین کی تحریر ہے اس میں (تمام) جنتیوں کے نام مع ان کے آباء قبائل کے لکھے ہوئے ہیں پھر اس کو بند کر دیا گیا ہے آئندہ کبھی اس میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی اور بائیں ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا یہ تحریر بھی رب العالمین کی ہے اس میں دوزخیوں کے نام ان کے آباء وقبائل سمیت لکھے ہوئے ہیں پھر آخر میں اس کو بند کر دیا گیا۔ آئندہ کبھی اس میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ جب معاملہ طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کس غرض سے کیا جائے فرمایا سیدھی چال چلتے رہو اور لگے لگے چلو جنتی کا خاتمہ اہلِ جنت کے عمل پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کوئی عمل بھی کیا ہو اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کچھ بھی کیا ہو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریروں کی طرف اشارہ کر کے پھینک دیا (یعنی ایسا اشارہ کیا جیسا کوئی پھینکنے والا کرتا ہے اور وہ تحریریں غائب ہو گئیں) پھر فرمایا تمہارا رب بندوں (کے فیصلے) سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فریق جنتی اور دوسرا فریق دوزخی ہے۔ (رواہ الترمذی)۔ (تفسیر مظہری)

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ
سو اب چکھو مزہ جیسے تم نے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کے ملنے کو

Marfat.com

هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ
ہم نے بھی بھلا دیا تم کو

ہم نے بھی تم کو بھلا دیا یعنی کبھی رحمت سے یاد نہیں کئے جاؤ گے۔ آگے مجرمین کے مقابلہ میں مومنین کا حال و مال بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
اور چکھو عذاب سدا کا عوض اپنے کئے کا
اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا
ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب اُن کو سمجھایئے اُن سے گر پڑیں
سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ۩
سجدہ کر کر اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کیساتھ اور وہ بڑائی نہیں کرتے

اہل ایمان کا خوف

یعنی خوف وخشیت اور خشوع وخضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، زبان سے اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں، دل میں کبر وغرور اور بڑائی کی بات نہیں رکھتے جو آیات اللہ کے سامنے جھکنے سے مانع ہو۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
جُدا رہتی ہیں اُن کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے

مؤمنوں کی نمازیں

یعنی میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ مراد تہجد کی نماز ہوئی جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ اور بعض نے صبح کی یا عشاء کی نماز یا مغرب وعشاء کے درمیان کے نوافل مراد لی ہیں۔ گو الفاظ میں اس کی گنجائش ہے لیکن راجح وہ ہی پہلی تفسیر ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

خواب گاہوں سے پہلو دور رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں۔

مخصوص حضرات کیلئے اعلان

حضرت اسماء بنت یزید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن اللہ ایک ہموار میدان میں لوگوں کو جمع کرے گا، پکارنے والے کی آواز سب کو (ایک جیسی) سنائی دے گی (اور چونکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوگی اور نشیب وفراز نہیں ہوگا اس لئے) نظر سب کے پار جائے گی۔ منادی پکارے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو دکھ سکھ میں اللہ کی حمد کرتے تھے یہ آواز سن کر کچھ تھوڑے سے کھڑے ہو جائیں گے اور بلا حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر منادی پکارے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے تھے یہ آواز سن کر کچھ تھوڑے سے لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور بلا حساب کے جنت میں چلے جائیں گے اس کے بعد باقی مخلوق اُٹھے گی اور ان سے حساب لیا جائے گا (ہناد) ابن راہویہ اور ابو یعلی نے اپنی مسندوں میں بھی حضرت اسماءؓ کی روایت سے حدیث مذکور اسی طرح بیان کی ہے اس روایت میں اتنا تغیر ہے کہ منادی اول ایسی آواز سے جو سب لوگوں کو سنائی دے گی یہ الفاظ پکار کر کہے گا اس سے مجمع والوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ کرم کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔

حسن بصری، مجاہد، امام مالک اور اوزاعی اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ میں تہجد گزار لوگ مراد ہیں جو تہجد کی نماز کے لئے اُٹھتے ہیں۔

جنت میں لے جانے والا عمل

امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ اور حاکم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور رکھے، فرمایا تو نے بڑی بات دریافت کی اور اللہ جس کو توفیق دے اس کے لئے دشوار بھی نہیں ہے۔ تو اللہ (ہی) کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دے۔ نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر رمضان کے روزے رکھ، اور کعبہ کا حج کر، پھر فرمایا کیا میں تجھے خیر کے دروازے نہ بتا دوں (سُن) روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے اور دوزخ سے بچانے والا۔ مترجم) خیرات گناہوں کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو۔ اور وسطِ رات میں نماز پڑھنی بھی خیر کا دروازہ ہے) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ ـــــ يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔

امر کا سر، ستون، کوہان اور جڑ

پھر فرمایا کیا میں تجھے امر کا سر اور ستون اور کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا امر کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ اس کے بعد فرمایا،

Marfat.com

کیا میں تجھے اس سب کی جڑ نہ بتادوں! میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا، اس کو روکے رکھ۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا زبان سے بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، فرمایا معاذ رضی اللہ عنہ تجھے تیری ماں روئے منہ کے بل یا ناک کے بل لوگوں کو دوزخ میں ڈالنے والے کی زبانوں کے نتائج (یعنی الفاظ) ہی تو ہوں گے۔

افضل نفلی نماز اور روزے

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رمضان کے بعد سب سے افضل روزے خدا کے مہینے یعنی محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (رواہ مسلم)

اللہ کے دو محبوب بندے

بغوی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ دو آدمیوں کو بہت پسند فرماتا ہے ایک تو وہ جو اپنے بستر و لحاف میں سے نکل کر محبوب بیوی بچوں کو چھوڑ کر نماز کو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو جو اپنے بستر و لحاف کے اندر سے نکل کر محبوب بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر میرے ثواب کا امیدوار ہو کر اور میرے عذاب سے ڈر کر اُٹھ کھڑا ہوا ہے دوسرا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔ پھر شکست پا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر فرار کی حالت میں اس کو خیال آتا ہے کہ جہاد سے بھاگنا کتنا بڑا جرم ہے اور لوٹ کر جہاد میں شریک ہونا کتنی بڑی نیکی ہے یہ خیال کرتے ہی وہ لوٹ پڑتا ہے (جہاد میں جا کر شریک ہوتا ہے) آخر اس کا خون بہا دیا جاتا ہے (یعنی شہید ہو جاتا ہے) اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو کہ کس طرح وہ میرے ثواب کی طلب میں اور میرے عذاب سے ڈر کر (جہاد کی طرف) لوٹ پڑا یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نعتیہ اشعار

بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حضرت (عبداللہ) ابن رواحہ رضی اللہ عنہ (خزرجی انصاری صحابی) کے یہ شعر نقل کئے ہیں۔

وفینا رسول اللّٰہ یتلو کتابَہٗ
اذا انشق معروف من الفجر ساطع
أرانا الهدى بعد العمىٰ فقلو بنا
به موقنات ان ماقال واقع
يبيت يجافى جنبه عن فراشه
اذا استثقلت بالكافرين المضاجع

ہم میں اللہ کے رسول ہیں کہ صبح کو پو پھٹنے کے وقت وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں ہمارے اندھے پن کے بعد انہوں نے ہمیں راستہ دکھایا۔ ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ سچ ہے وہ رات کو اپنا پہلو بستر سے جدا رکھتے ہیں جب کہ کافروں کے بستر کافروں (کے بار) سے بوجھل پڑے ہوتے ہیں۔

سورۃ مزمل کی تفسیر میں ہم نے نمازِ تہجد کی فضیلت کو ظاہر کرنے والی حدیثیں ذکر کر دی ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان

ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو (مغرب کی نماز پڑھ کر) عتمہ یعنی عشاء کی نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔

بغوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ آیت ہمارے گروہ انصار کی بابت نازل ہوئی ہم مغرب کی نماز پڑھ کر گھروں کو نہیں لوٹتے تھے (اور مسجد میں انتظار کرتے رہتے تھے) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے تھے (پھر گھروں کو لوٹتے تھے)

یہ بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ اس آیت کا نزول کچھ صحابہ کے متعلق ہوا تھا جو مغرب کی نماز پڑھ کر عشاء کی نماز تک (مسجد میں ہی رہتے تھے) یہ روایت ابن مردویہ نے نقل کی ہے اس کی اصل سنن ابوداؤد میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن منکدر کا بھی یہی قول ہے ان دونوں بزرگوں کا قول ہے کہ (آیت میں جس نماز کا ذکر ہے) وہ صلوٰۃ اوابین ہے۔

بزار نے کمزور سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے اور کچھ صحابی مغرب سے عشاء تک نماز پڑھتے رہتے تھے اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

Marfat.com

عشاء وفجر کی جماعت کی فضیلت

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ عشاء اور فجر کی نماز (رسول اللہ کے ساتھ جماعت سے پڑھتے تھے۔ مسلم اور امام احمد نے حضرت عثمان کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے آدھی رات نماز پڑھی اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا پوری رات نماز میں گزاری۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں شریک ہونے کا ثواب جانتے اور پھر بغیر قرعہ اندازی اذان دینا اور پہلی صف میں شریک ہونا ان کو میسر نہ آتا تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے۔ اور اگر ظہر کی (باجماعت) نماز کا ثواب ان کو معلوم ہو جائے تو دوڑتے ہوئے پہلے پہنچنے کی کوشش کریں اور اگر (باجماعت) عشاء اور فجر کی نمازوں کے ثواب سے وہ واقف ہو جائیں تو سرینوں کے بل گھسٹ کر بھی پہنچیں۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد والنسائی) (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے ایک تو وہ جو رات کو میٹھی نیند سویا ہوا ہے لیکن دفعۃً اپنے رب کی نعمتیں اور اس کی سزائیں یاد کر کے اُٹھ بیٹھتا ہے اپنے نرم وگرم بستر کو چھوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو ایک غزوے میں ہے کافروں سے لڑتے لڑتے مسلمانوں کا پانسہ کمزور پڑ جاتا ہے لیکن یہ شخص یہ سمجھ کر کہ بھاگنے میں خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور آگے بڑھنے میں رب تعالیٰ کی رضامندی ہے میدان کی طرف لوٹتا ہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے یہاں تک کہ اپنا سر اس کے نام پر تصدق کر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز
پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے

اللہ سے لالچ اور اللہ سے ڈر

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اللہ سے لالچ اور ڈر بُرا نہیں، دنیا کا ہو یا آخرت کا۔ اور اس واسطے بندگی کرے تو قبول ہے ہاں اگر کسی اور کے خوف ورجاء سے بندگی کرے تو ریاء ہے کچھ قبول نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ
اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں سو کسی جی کو معلوم نہیں
مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا
جو چھپا دھری ہے اُن کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اُس کا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾
جو کرتے تھے

راتوں کی عبادت کا انعام

جس طرح راتوں کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر انہوں نے بے ریا عبادت کی۔ اُس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ چیز چھپا رکھی ہے جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی بشر کے دل میں گزری۔ (تنبیہ) سرسید وغیرہ نے اس حدیث کو لے کر جنت کی نعمائے جسمانی کا انکار کیا ہے۔ میرا ایک مضمون ہدیہ سنیہ کے نام سے چھپا ہے اُس میں جواب دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

جنتیوں کی حوریں

حضرت عامر بن عبدالواحدؒ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک جنتی اپنی حُور کے ساتھ محبت پیار میں ستر سال تک مشغول رہے گا کسی دوسری چیز کی طرف اس کا التفات ہی نہ ہوگا، پھر جو دوسری طرف التفات ہوگا تو دیکھے گا کہ پہلی سے بہت زیادہ خوبصورت اور نورانی شکل کی ایک اور حور ہے وہ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر خوش ہو کر کہے گی کہ اب میری مراد بھی پوری ہوگی۔ یہ کہے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گی میں مزید میں سے ہوں۔ اب یہ سراپا اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا پھر ستر سال تک دوسری طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ اتنی مدت کے بعد پھر جو اس کا التفات اور جانب ہوگا تو دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھی ایک اور حُور ہے۔ وہ کہے گی اب وقت آ گیا کہ آپ میں میرا حصہ بھی ہو۔ یہ پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی میں اُن میں سے ہوں جن کی نسبت جناب باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کوئی نہیں جانتا کہ اُن کے لئے خدا تعالیٰ نے اُن کی آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے۔ حضرت

Marfat.com

سعید ابن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دن کے اندازے سے ہر دن میں تین تین بار جنتِ عدن کے خدائی تحفے لے کر جائیں گے جو ان کی جنت میں نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَن دیکھی و اَن سنی نعمتیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں کان نے اُس کا ذکر سنا نہ کسی انسان کے دل میں ان کا تصور آیا اگر تم چاہتے ہو تو پڑھو فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ الخ (متفق علیہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ وہ (نعمت) ہے جس کی کوئی تشریح نہیں (بیان کی گئی)۔ (تفسیر مظہری)

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾
بھلا ایک جو ہے ایمان پر برابر ہے اس کے جو نافرمان ہے نہیں برابر ہوتے

اگر ایک ایماندار اور بے ایمان کا انجام برابر ہو جائے تو سمجھو خدا کے ہاں بالکل اندھیر ہے (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ ﴿۱۹﴾
سو وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے کام بھلے تو ان کے لئے
جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۭ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
باغ ہیں رہنے کے مہمانی اُن کاموں کی وجہ سے جو کرتے تھے

یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن کے عمل جنت کی مہمانی کا سبب بن جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ
اور وہ لوگ جو نافرمان ہوئے سو اُن کا گھر ہے آگ جب چاہیں کہ
يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا
نکل پڑیں اُس میں سے اُلٹا دیئے جائیں پھر اُسی میں اور کہیں اُن کو چکھو
عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾
آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے

جہنمیوں کی سزا

کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازہ کی طرف پھینکیں گے۔ اُس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں۔ فرشتے پھر اُدھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو۔ جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اُس کا مزہ چکھو (اَللّٰهُمَّ اَعِذْنِي مِنَ النَّارِ وَاَجِرْنِي مِنْ غَضَبِكَ). (تفسیر عثمانی)

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ
اور البتہ چکھائیں گے ہم اُن کو تھوڑا عذاب ورے
الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾
اُس بڑے عذاب سے تاکہ وہ پھر آئیں

دنیا کا عذاب

یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے قبل دنیا میں ذرا کم درجہ کا عذاب بھیجیں گے تاجسے رجوع کی توفیق ہو ڈر کر خدا کی طرف رجوع ہو جائے۔ کم درجہ کا عذاب یہ ہی دنیا کے مصائب بیماری، قحط، قتل، قید، مال اولاد وغیرہ کی تباہی وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ
اور کون بے انصاف زیادہ اُس سے جس کو سمجھایا گیا اس کے رب کی باتوں سے
ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ
پھر اُن سے منہ موڑ گیا

یعنی سمجھنے کے بعد پھر گیا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾
مقرر ہم کو ان گنہگاروں سے بدلہ لینا ہے

جب تمام گنہگاروں اور ظالم مجرموں سے بدلہ لینا ہے تو یہ اظلم کیونکر بچ سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظلم و اعراض سے دلگیر نہ ہوں۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوئی۔ اور اُس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہو گزرے۔ آپ کو بھی بلاشبہ اللہ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی۔ اور بنی اسرائیل سے بڑھ

Marfat.com

کر آپ کی اُمت میں امام اور سردار اُٹھیں گے۔ رہے منکر، اُن کا فیصلہ حق تعالیٰ خود کردے گا۔ (تفسیر عثمانی)

تین گناہوں کی نقد سزا

روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے، ایک حق کے خلاف جھنڈوں اور نعروں کے ساتھ اعلاناً کوشش کرنا، دوسرے والدین کی نافرمانی، تیسرے ظالم کی امداد، (رواہ ابن جریر عن معاذ بن جبلؓ) (معارف مفتی اعظم)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرو ایسا کرنے والے بے عزت، بے وقعت اور بڑے گنہگار ہیں۔ یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ ایسے گنہگاروں سے ہم ضرور انتقام لیں گے۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تین کام جس نے کئے وہ مجرم ہوگیا، جس نے بے وجہ کوئی جھنڈا باندھا، جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی، جس نے ظالم کے ظلم میں اس کا ساتھ دیا۔ یہ مجرم لوگ ہیں اور خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم مجرموں سے باز پُرس کریں گے اور اُن سے پورا بدلہ لیں گے (ابن ابی حاتم)۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ
اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ
فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ
دھوکے میں اُس کے ملنے سے

یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بے شک وشبہ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی اور آپ کو بھی اسی طرح کی کتاب ملی اس میں کوئی دھوکا اور فریب نہیں۔ یا موسیٰ کے ذکر پر فرمادیا کہ تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی نقل کیا ہے تم شک نہ کرو کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے ملے تھے۔

شب معراج کے نظارے

شیخین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج میں میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا گندمی رنگ دراز قامت گھونگریالے بال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ (قبیلۂ ازد) شنوأۃ کے ایک مرد ہیں۔ میں نے عیسیٰؑ کو بھی متوسط القامت سرخی سفیدی مائل رنگ اور سیدھے بالوں والا پایا، میں نے منجملہ دوسری آیاتِ قدرت کے جو اللہ نے مجھے دکھائیں، دوزخ کے داروغہ مالک کو اور دجال کو بھی دیکھا فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان مذکور کے بعد تلاوت فرمائی)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت یونس علیہ السلام سے ملاقات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ایک سفر میں ایک وادی کی طرف سے ہمارا گذر ہوا حضور نے فرمایا یہ کون سی وادی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا وادیٔ ارزق ہے، فرمایا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آ گیا کہ جب میں (شبِ معراج میں) اس وادی سے گزر رہا تھا تو موسیٰ میری نظر کے سامنے دونوں کانوں میں انگلیاں دیئے لبیک کہہ رہے تھے اور اللہ کو پکار رہے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پھر ہم آگے چلتے چلتے ایک گھاٹی پر پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کون سی گھاٹی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا مرشا۔ فرمایا وہ سین میری نظروں کے سامنے ہے کہ یونس علیہ السلام سُرخ اونٹنی پر سوار چغہ پہنے اونٹنی کی مہار پکڑے اس وادی میں لبیک کہتے ہوئے گزر رہے تھے۔ (رواہ مسلم)

سورۂ بنی اسرائیل میں حدیث معراج کے بیان میں ذکر کردیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں دیکھا اور نماز کی (تخفیف کی) بابت گفتگو کی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے رات کو آسمان کی طرف لے جایا گیا تو (اثناء راہ میں) میں نے موسیٰؑ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ
اور کیا ہم نے اُس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے اور کیے ہم نے اُن میں
اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۖ
پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے

دنیا کے شدائد اور منکرین کے جور وستم پر۔ (تفسیر عثمانی)

صبر امامت دلاتا ہے

لما صبروا جب کہ انہوں نے اپنے (دین پر اور مصر کی سکونت کی

Marfat.com

حالت میں دشمن کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں پر) صبر کیا تھا۔ اس لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ صبر موجب امامت ہے (شدائد و مصائب پر صبر کرنے والے لوگوں کے پیشوا بن جاتے ہیں) (تفسیر مظہری)

کسی قوم کا مقتداء و امام بننے کے لئے دو شرطیں

اس آیت میں علماء بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت و پیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دو سبب ذکر فرمائے ہیں اول صبر کرنا، دوسرے آیاتِ الٰہیہ پر یقین کرنا، صبر کرنے کا مفہوم عربی زبان کے اعتبار سے بہت وسیع اور عام ہے، اس کے لفظی معنی باندھنے اور ثابت رہنے کے ہیں، اس جگہ صبر سے مراد احکامِ الٰہیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنا اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے جس میں تمام احکامِ شریعت کی پابندی آ جاتی ہے، اور یہ بہت بڑا عملی کمال ہے، دوسرا سبب ان کا آیاتِ الٰہیہ پر یقین رکھنا ہے، اس میں آیات کے مفہوم کو سمجھنا پھر سمجھ کر اس پر یقین کرنا دونوں داخلِ ہیں، یہ بہت بڑا کمال علمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامت و پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی، اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال سے مقدم بیان فرمایا ہے کہ ترتیب طبعی میں علم عمل سے مقدم ہوتا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علم قابلِ اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾
اور رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے

مسلمانوں کو تنبیہ

یعنی مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں اور سختیوں پر صبر کر کے اپنے کام پر جمے رہیں تو اُن کے ساتھ بھی خدا کا یہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ ہوا اور خوب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
تیرا رب جو ہے وہی فیصلہ کرے گا اُن میں دن قیامت کے
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾
جس بات میں کہ وہ اختلاف کرتے تھے

حق و باطل کا فیصلہ

یعنی اہلِ حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ ہاں دنیا میں بھی کوئی مثالیں ایسی دکھلائی جا چکی ہیں کہ آدمی اُنہیں دیکھ کر سمجھ اور عبرت حاصل کر سکتا ہے کیا عاد و ثمود کی بستیوں کے تباہ شدہ کھنڈر اور نشان ان منکروں نے نہیں دیکھے؟ جن پر شام وغیرہ کے سفر میں ان کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ اور کیا اُن کی ہلاکت کی داستانیں نہیں سُنیں۔ مقامِ تعجب ہے کہ وہ چیزیں دیکھنے سننے کے بعد بھی ان کو تنبیہ ہو اور نجات و فلاح کا راستہ نظر نہ آیا۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں صحابہ کی مراد یہ تھی کہ اللہ قیامت کے دن بندوں کا فیصلہ کر دے گا۔ کلبی نے کہا صحابہ کی عنقریب فیصلہ کر دینے سے مراد تھی مکہ کی فتح۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
کیا اُن کو راہ نہ سوجھی اس بات سے کہ کتنی غارت کر ڈالیں ہم نے اُن سے پہلے
مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ
پہلے جماعتیں کہ پھرتے ہیں یہ اُن کے گھروں میں اس میں
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾
بہت نشانیاں ہیں کیا وہ سنتے نہیں

یعنی نہروں اور دریاؤں کا پانی یا بارش کا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ
کیا دیکھا نہیں انہوں نے کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی کو ایک زمین چٹیل کی طرف

بنجر زمین کی آبادکاری کا بندوبست

ارضِ جُرز سے ہر ایک خشک زمین جو نباتات سے خالی ہو مُراد ہے بعض نے خاص سرزمینِ مصر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور نَسُوق الماءَ سے دریائے نیل کا پانی مراد لیا ہے۔ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔ کما نبہ علیہ ابن کثیر رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

سرزمین مصر کی آبادی کا انتظام

صحیح یہ ہے کہ یہ مضمون ایسی تمام زمینوں کو شامل ہے اور مصر کی زمین خصوصیت سے اس میں شامل ہے، جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے، مگر بلادِ حبشہ افریقہ کی بارشوں کا پانی دریائے نیل کے ذریعہ مصر میں آتا ہے، اور وہاں کی سُرخ مٹی ساتھ لاتا ہے، جس میں انبات کا مادہ زیادہ ہے، اس لئے مصر کے لوگ اپنے ملک میں بارش نہ ہونے کے باوجود

Marfat.com

ہر سال نئے پانی اور نئی مٹی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، فتبارک اللہ احسن الخالقین (معارف مفتی اعظم)

دریائے نیل کی بھینٹ کی رسم

روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بوونہ مہینے میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینے کی بارھویں تاریخ کو ہم ایک باکرہ لڑکی کو لیتے ہیں جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہو اس کے والدین کو دے دلا کر رضامند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر، بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں تو اسی کا بہاؤ چڑھتا ہے ورنہ پانی چڑھتا ہی نہیں، سپہ سالارِ اسلام حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر نے جواب دیا کہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ رسم ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے، تم ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے۔

دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا، مینہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک پڑا ہوا ہے۔ لوگ تنگ آ کر ارادے کرنے لگے کہ مصر کو چھوڑ دیں یہاں کی بود وباش ترک کر دیں۔

دریاء کے نام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خط

اب فاتح مصر کو خیال گزرتا ہے اور دربارِ خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔ اسی وقت خلیفۃ المسلمین امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا اچھا کیا اب میں اپنے اس خطہ میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں تم اسے لے کر نیل کے دریا میں ڈال دو۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اُس میں تحریر تھا کہ یہ خط ہے خدا تعالیٰ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے اہلِ مصر کے دریائے نیل کی طرف، بعد حمد وصلوٰۃ کے مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تو خیر نہ چل اور اگر اللہ تعالیٰ واحد وقہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔ یہ پرچہ لے کر حضرت امیرِ عسکر نے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ابھی ایک رات بھی گزرنے نہیں پائی تھی جو دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی تر سالی سے، گرانی ارزانی سے بدل گئی۔ خط کے ساتھ ہی خطہ کا خطہ سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی وہ بچ گئی وہ مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا (کتاب السنۃ للحافظ ابوالقاسم اللالکائی)۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
پھر ہم نکالتے ہیں اُس سے کھیتی کہ کھاتے ہیں اُس میں سے اُن کے چوپائے
وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾
اور خود وہ بھی پھر کیا دیکھتے نہیں

دعوت غور وفکر

یعنی ان نشانات کو دیکھ کر چاہئے تھا کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور رحمت وحکمت کے قائل ہوتے اور سمجھتے کہ اسی طرح مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دینا بھی اُس کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ نیز اللہ کی نعمتوں کے جان ودل سے شکر گزار بنتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو

منکرین کی جلد بازی

پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اُس پر منکرین کہتے ہیں کہ قیامت قیامت کہے جاتے ہو، اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ دن کب آ چکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی دھمکیاں ہیں قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
کہہ کہ فیصلہ کے دن کام نہ آئے گا منکروں کو
اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾
اُن کا ایمان لانا اور نہ اُن کو ڈھیل ملے گی

ابھی موقع ہے فائدہ اٹھالو

یعنی ابھی موقع ہے کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر یقین کرو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کر لو ورنہ اُس کے پہنچ جانے پر نہ

Marfat.com

ایمان لانا کام دے گا نہ سزا میں ڈھیل ہوگی اور نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ استہزاء وتکذیب میں رائیگاں مت کرو جو گھڑی آنے والی ہے یقیناً آ کر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾
سو تو خیال چھوڑ اُن کا اور منتظر رہ وہ بھی منتظر ہیں

آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں

یعنی جو ایسے بے فکرے اور بے حس ہیں کہ باوجود انتہائی مجرم اور مستوجب سزا ہونے کے فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اُن کے راہِ راست پر آنے کی کیا توقع ہے۔ لہٰذا آپ فرض دعوت وتبلیغ ادا کرنے کے بعد ان کا خیال چھوڑیئے اور ان کی تباہی کے منتظر رہیئے جسے وہ اپنے زعم میں معاذ اللہ آپ کی تباہی کے منتظر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الٓمّٓ تَنْزِیْلُ اور ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ پڑھتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک الم تنزیل اور تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ نہ پڑھ لیتے تھے۔ رواہ احمد والترمذی والدارمی ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے

گناہگار کی بخشش

حضرت خالد بن معدان کا بیان ہے کہ الم تنزیل کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے اور یہی اطلاع تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ کے متعلق بھی ملی ہے کہ ایک شخص یہی دونوں سورتیں پڑھتا تھا اور کچھ نہیں پڑھتا تھا اور تھا بڑا گنہگار (مرنے کے بعد) انہی سورتوں نے (اس کو اپنے سایہ میں لے لیا) اس پر اپنے پَر پھیلا دیئے اور دعا کی اے رب اس کو بخشدے یہ مجھے بہت پڑھا کرتا تھا اللہ نے ان سورتوں کی شفاعت قبول فرمالی (اور اس کو بخشدیا) اور فرمایا ہر بدی کے عوض) اس شخص کے لئے نیکی لکھ دو اور اس کے درجہ کو اونچا کر دو۔

سورہ کی وکالت

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ یہ سورت قبر کے اندر اپنے پڑھنے والے کی طرف سے وکالت کرے گی اور عرض کرے گی (اے رب) اگر میں تیری کتاب کی سورت ہوں تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب کا حصہ نہیں ہوں تو مجھے کتاب کے اندر سے مٹا دے یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے پر اپنے پَر پھیلا دے گی اس کو اپنے سایہ میں لے لے گی اس کے لئے شفاعت کرے گی اور عذاب قبر سے اس کو بچالے گی۔

تمام سورتوں پر فضیلت

یہ بھی روایت ہے کہ قرآن کی ہر سورت پر ان دونوں سورتوں کی فضیلت ساٹھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (رواہ الدارمی)

شب قدر کی عبادت کا ثواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے الٓمّٓ تَنْزِیْلُ اور تَبٰرَكَ الَّذِیْ پڑھی اس کو اتنا ثواب ملا کہ گویا شب قدر میں اس نے رات بھر عبادت کی۔ رواہ الثعلبی وابن مردویہ۔ ابن مردویہ نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح بیان کی ہے۔ سیوطی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورت سجدہ ختم ہوئی۔

الحمد للہ

سورت سجدہ ختم ہوئی۔

Marfat.com

سُوْرَۃُ الاحزاب

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کی تعریف کرنے والا ہوگا اس کی عمر زیادہ ہوگی اور دوستوں کے ساتھ مکر زیادہ کرے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّتِسْعُ رُکُوْعَاتٍ
سورۂ احزاب مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تہتر آیتیں ہیں اور نو رکوع
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ
اے نبی ڈر اللہ سے اور کہا نہ مان منکروں کا
وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ
اور دغابازوں کا مقرر اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا اور چل
مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ
اُسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بیشک اللہ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ
تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے اور بھروسہ رکھ اللہ پر
وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۳﴾
اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا

کافروں کیلئے کبھی لچک دکھانے کی ضرورت نہیں ہے

یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہا نہ مانیے یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا بنالیں، سازشیں کریں، جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں عیارانہ مشورے دیں، اپنی طرف جھکانا چاہیں، آپ اصلا پروانہ کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ اُسی اکیلے پروردگار کی بات مانیے اُسی کے آگے جھکیے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہوکر آجائے اُس کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ سب احوال کا جاننے والا ہے۔ وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا۔ اسی میں تمہاری اصلی بہتری ہوگی۔ جب اُس کے حکم پر چلتے رہو گے اور اُسی پر بھروسہ رکھو گے تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنا دے گا۔ تنہا اُسی کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔ جو سارے دل سے اُس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا۔ دوسرا دل ہو تو دوسری طرف جائے لیکن ع سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ کافر چاہتے تھے اپنی طرف نرم کرنا اور منافق چاہتے تھے اپنی چال سکھانا اور پیغمبر کو صرف اللہ پر بھروسہ ہے۔ اُس سے زیادہ دانا کون۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ احزاب کی آیات

حضرت اُبی بن کعب نے حضرت زر سے فرمایا سورۃ احزاب کی گنتی آپ کے نزدیک کتنی ہے؟ حضرت زر نے جواب دیا تہتر۔ حضرت اُبی نے فرمایا، قسم ہے اس خدا کی جس کی قسم ابی کھایا کرتا ہے کہ یہ سورۃ سورۂ بقرۃ کے برابر یا اس سے بڑی تھی ہم نے اس سورۃ میں یہ آیت بھی پڑھی تھی الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما نکالا مِّن اللّٰہ واللّٰہ عزیز حکیم.

تقویٰ کی اہمیت

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ اے نبی اللہ سے ڈرتے رہو نبی کے لفظ سے خطاب کر کے تقویٰ کا حکم دیا، محمد نہیں فرمایا اس سے تقویٰ کی اہمیت اور عظمت بتانا مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ سے ڈرنا اور تقویٰ رکھنا ضروری ہے۔

شانِ نزول

بغوی نے لکھا ہے ان آیات کا نزول ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابوجہل اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی کے حق میں ہوا۔ جنگِ اُحد کے بعد یہ تینوں شخص مدینہ میں آکر سرگروہ منافقین عبداللہ بن ابی کے پاس ٹھیرے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کی درخواست کی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی چنانچہ عبداللہ بن ابی سعد اور طعمہ بن ابیرق خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ لات عزیٰ اور مناۃ کا تذکرہ

Marfat.com

چھوڑ دیجئے ہمارے ان معبودوں کا ذکر (برائی کے ساتھ) نہ کیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ جو شخص ان کو پوجے گا یہ معبود اس کی شفاعت کریں گے اگر آپ ایسا کرلیں گے تو ہم آپ کا اور آپ کے رب کا ذکر (بُرائی کے ساتھ) نہیں کریں گے (اور آپ کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے) اس وقت حضرت عمر بن خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی یہ بات بہت شاق گزری۔ حضرت عمر نے فرمایا، یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں ان کو قتل کردوں، فرمایا میں ان کو امن دے چکا ہوں۔ پھر فرمایا نکل جاؤ تم پر اللہ کی لعنت اور غضب۔ چنانچہ حضور نے ان کو مدینہ سے نکال دینے کا حکم دے دیا اس پر اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہے کیونکہ تقویٰ کے حکم کا روئے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت سب کی طرف تھا اگرچہ صیغہ مفرد کا استعمال کیا گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ کے مضامین

یہ مدنی سورۃ ہے اس کے بیشتر مضامین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور خصوصیت عنداللہ پر مشتمل ہیں، جس میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور آپ کی ایذاء رسائی کا حرام ہونا مختلف عنوانات سے بیان ہوا ہے، اور باقی مضامین سورۃ بھی انہی کی تکمیل واتمام سے مناسبت رکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اعزاز و اکرام ہے کہ پورے قرآن میں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر خطاب نہیں کیا گیا، جیسا کہ دوسرے انبیاء کے خطابات میں یا اٰدم، یا نوح یا ابراھیم یا موسیٰ وغیرہ بار بار آیا ہے، بلکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے قرآن میں جہاں خطاب کیا گیا وہ کسی لقب نبی یا رسول وغیرہ سے خطاب کیا گیا، صرف چار مواقع جن میں یہی بتلانا منظور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر کیا گیا ہے جو ضروری تھا۔

صرف وحی کی اتباع کریں

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا یہ پہلے ہی حکم کا تکملہ ہے کہ آپ کفار ومنافقین کی باتوں میں نہ آئیں، اُن کی بات نہ مانیں بلکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی کا اتباع کریں، چونکہ اس خطاب میں صحابۂ کرام اور عام مسلمان بھی شامل ہیں، اس لئے آخر میں بصیغہ جمع بِمَا تَعْمَلُوْنَ فرما کر تنبیہ کردی گئی۔

بھروسہ فقط اللہ پر رکھیں

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا یہ بھی اسی حکم کی تکمیل ہے، اس میں ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں، اپنے مقصد کی کامیابی میں صرف اللہ پر بھروسہ کریں، کہ وہ ہی کافی کارساز ہے، اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی رواداری کی ضرورت نہیں،

مسئلہ: آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امورِ دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں، دوسرے امور جن کا تعلق تجربہ وغیرہ سے ہو ان میں مشورہ لینے میں مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

پچھلی سورۃ سے ربط

گزشتہ سورت کے اخیر میں کفار کو قریبی عذاب کی دھمکی دی گئی تھی۔ وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ اس سورت میں اسی قریبی عذاب کا ذکر ہے یعنی غزوۂ احزاب میں کفار کی شکست کا بیان ہے جو عذابِ ادنیٰ کا ایک ادنیٰ مصداق ہے۔

سورۃ احزاب کی منسوخ شدہ آیات

یہ سورت جب ابتداء میں نازل ہوئی تو قریب قریب سورۂ بقرہ کے تھی اور اس میں آیت رجم بھی تھی یعنی الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللّٰہ و اللّٰہ عزیز حکیم یعنی بیاہا ہوا مرد اور بیاہی ہوئی عورت یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ضرور بضرور ان کو سنگسار کردو، اللہ کی طرف سے بطور عقوبت یہ حکم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمتوں والا ہے پھر اللہ نے اس سورت میں سے جس قدر حصہ چاہا اٹھالیا۔ (رواہ احمد والنسائی عن ابی بن کعب واسنادہ حسن)۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی اس سورت کا بیشتر حصہ عہدِ رسالت میں اُٹھالیا گیا اور سینوں میں سے نکال لیا گیا اور ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی مگر اس میں سے ایک آیت رجم تو ایسی ہے کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہوگئی مگر اس کا حکم تاہنوز باقی ہے اور اس پر عمل جاری ہے اور تا قیامت اس پر عمل جاری رہے گا۔

چنانچہ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ممبر پر حمد وصلاۃ کے بعد اپنے خطبہ میں یہ فرمایا۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور آپ پر کتاب مجید نازل

Marfat.com

کی پس اس میں آیت رجم بھی تھی جسے ہم نے پڑھا اور خوب یاد کیا اور یہ آیت پڑھی۔ الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھا نکالا من اللّٰہ و اللّٰہ عزیز حکیم یعنی شادی شدہ مرد اور شادہ شدہ عورت جب زنا کریں تو قطعاً دونوں کو سنگسار کر ڈالو۔ اللہ کے حکم سے بطور عقوبت وسزاء کے بے شک اللہ عزیز اور حکیم ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ
اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اُس کے اندر
وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ
اور نہیں کیا تمہاری جوروؤں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچی مائیں تمہاری
وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
اور نہیں کیا تمہاری لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے
بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝
اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سُجھاتا ہے راہ

رسوم جاہلیت کی تردید

یعنی جس طرح ایک آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کی حقیقۃً دو مائیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر کے لئے اُس سے جُدا ہو جاتی۔ گویا اس لفظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی۔ اور کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیتا تو سچ مچ بیٹا سمجھا جاتا تھا اور سب احکام اُس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔ قرآن کریم نے اس لفظی ومصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی تعلق سے جُدا کرنے کے لئے اِن رسوم ومفروضات کی بڑی شدومد سے تردید فرمائی اُس نے بتلایا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے اگر واقعی وہ ماں بن جاتی ہے تو کیا یہ دو ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے؟ ایک وہ جس نے اوّل جنا تھا، اور دوسری یہ جس کو ماں کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح کسی نے زید کو بیٹا بنالیا تو ایک باپ تو اس کا پہلے سے موجود تھا جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ کیا واقعی اب یہ ماننا چاہیئے کہ یہ دو باپوں سے الگ الگ پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں تو حقیقی ماں باپ اور اولاد کے احکام ان پر جاری نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ بیوی کو ماں کہنے کا حکم سورۂ تحریم میں آئے گا۔ اور لے پالک (منہ بولے بیٹے) کا حکم آگے بیان ہوتا ہے۔ ان دو باتوں کے ساتھ تیسری بات (بطور تمہید وتشریح کے) یہ بھی سُنادی کہ ایسی باتیں زبان سے کہنے کی بہتیری ہیں جن کی حقیقت واقع میں وہ نہیں ہوتی جو الفاظ میں ادا کی جاتی ہے جیسے کسی غیر مستقل مزاج یا دو غلے آدمی کو یا کسی قوی الحفظ اور قوی القلب یا ایسے شخص کو جو ایک وقت میں دو مختلف چیزوں کی طرف متوجہ ہو کہہ دیتے ہیں کہ اس کے دو دل ہیں۔ حالانکہ سینہ چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا۔ اسی طرح ماں کے علاوہ کسی کو ماں یا باپ کے سوا کسی کو باپ یا بیٹے کے سوا کسی کو بیٹا کہہ دینے سے واقع میں وہ نسبت ثابت نہیں ہو جاتی جو بدوں ہمارے زبان سے کہے قدرت نے قائم کر دی ہے۔ لہٰذا مصنوعی اور حقیقی تعلقات میں خلط مَلط نہیں کرنا چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک آدمی کے دو دِل نہیں ہو سکتے

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔

دل روحِ حیوانی اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے اسی وجہ سے ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اگر بالفرض دو دل ہوں تو وہ یا ایک دل سے سارے قلبی افعال سرانجام دے گا اس صورت میں دوسرا دل بیکار ہوگا یا دونوں دلوں سے ایک ہی کام کرے گا تب بھی دو ہونے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی یا ایک دل سے ایک کام اور دوسرے دل سے پہلے کام کے خلاف کام لے گا اس سے افعال قلبی میں کھلا ہوا تناقص پیدا ہو جائے گا۔

ابو معمر فہری

بغوی اور ابن ابی حاتم نے سدی اور ابن نجیح کی روایت سے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ ایک شخص تھا ابو معمر جمیل بن معمر فہری اس شخص کی سمجھ بھی تیز تھی اور حافظہ بھی اتنا قوی کہ جو کچھ سنتا تھا یاد کر لیتا تھا قریش کہتے تھے ابو معمر کا جو حافظہ اتنا قوی ہے اس کی وجہ سواء اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کے دو دل ہیں وہ خود بھی کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں محمد جو کچھ سمجھتے ہیں اس سے زیادہ سمجھ تو میرے ہر ایک دل میں ہے میں ایک دل سے بھی ان سے زیادہ جانتا اور بہتر سمجھتا ہوں اسی کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

بدر کے دن جب قریش کو شکست ہوگئی تو ابو معمر بھی بھاگ کھڑا ہوا ایک پاؤں میں جوتی تھی اور دوسری جوتی ہاتھ میں تھی۔ اسی حالت میں ابو سفیان کا سامنا ہو گیا ابو سفیان نے پوچھا ابو معمر لوگوں کا کیا حال ہے۔ ابو معمر نے کہا شکست کھا گئے۔

ابو سفیان نے کہا تیرا یہ کیا حال ہے کہ ایک جوتی پاؤں میں اور ایک

Marfat.com

ہاتھ میں ہے ابو معمر نے کہا ارے میں تو دونوں جوتیاں پاؤں میں سمجھا تھا، اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس کے دو دل نہیں ہیں اگر دو دل ہوتے تو ہاتھ میں پکڑی ہوئی جوتی کو نہ بھولتا۔

ابن ابی حاتم نے بسند ضعیف سعید بن جبیر اور مجاہد اور عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص تھا جس کو دو دل والا کہا جاتا تھا اسی کے بارے میں اس آیت کا نزول ہوا۔ ابن جریر نے بوساطت عوفی حضرت ابن عباس اور بوساطت قتادہ حسن بصری کا بھی یہی بیان نقل کیا ہے۔ اس بیان میں اتنا زائد ہے کہ وہ شخص کہتا تھا کہ میرا ایک دل مجھے (کسی کام کو) کرنے کا حکم دیتا ہے اور دوسرا دل منع کرتا ہے۔

منافقوں کی قیاس آرائی کی تردید

ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ (ایک بار) کھڑے ہوئے اس وقت آپ کے دل میں کسی بات کا خطرہ پیدا ہوا، منافق جو آپ کے پاس اس وقت موجود تھے کہنے لگے دیکھو اس شخص کے دو دل ہیں، ایک تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے رفیقوں کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ظہار کا حکم

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ دورِ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی شریعت میں (طلاق نہیں قرار دیا گیا بلکہ) ظہار کرنے والا جب تک کفارہ ادا نہ کرے اس وقت تک بیوی سے قربت صنفی کی ممانعت کر دی۔

ظہار کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کو کہہ دے تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ ظہار کے مسائل ہم نے سورۃ مجادلہ میں بیان کر دیئے ہیں۔

لے پالک بیٹے

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ کسی کو بیٹا بنانے سے حقیقی بیٹے کے احکام اس پر جاری نہیں ہو جاتے۔ نہ وہ میراث کا مستحق قرار پاتا ہے۔ نہ اس سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں عرب کے ان جاہلی اقوال کی تردید کر دی گئی ہے کہ دانشمند قوی حافظہ والے کے دو دل ہوتے ہیں، اور ظہار کرنے سے طلاق بائنہ پڑ جاتی ہے، اور عورت شوہر کے لئے ہمیشہ کے واسطے ماں کی طرح حرام ہو جاتی ہے اور بنایا ہوا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح ہو جاتا ہے میراث کا بھی مستحق بن جاتا ہے اور اس سے نکاح بھی حرام ہو جاتا ہے اور بناوٹی بیٹے کے وہ تمام رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں جو حقیقی بیٹے کے ہوتے ہیں اور حرام ہوتے ہیں (جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی بہن وغیرہ) نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ بن شرجیل کلبی کو آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سے ان کا رشتہ اُخوت قائم کر دیا تھا۔ حضرت زید نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی اور رسول اللہ نے ان سے نکاح کر لیا، منافق کہنے لگے کہ محمد نے خود تو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اور دوسروں کو منع کرتے تھے اس پر آیت ذیل اللہ نے نازل فرمائی اور فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کی بیوی سہلہ بنت سہل بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام جس کو ابو حذیفہ نے بیٹا بنا لیا ہے ہمارے گھر میں آتا ہے اور میں اس وقت ایک کپڑا پہنے ہوتی ہوں ہم سالم کو بیٹا ہی سمجھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

جس طرح ایک انسان کے پہلو میں دو دل نہیں ہوتے، اور جس طرح بیوی کو ماں کے مثل کہنے سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح مُنہ بولا بیٹا تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا، یعنی دوسرے بیٹوں کے ساتھ نہ وہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت نکاح کے مسائل اس پر عائد ہوں گے کہ بیٹے کی مطلقہ بیوی باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو متبنی کی بیوی بھی حرام ہو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ محض شفقت کی وجہ سے ہو متبنی قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ اگرچہ جائز ہے، مگر پھر بھی بہتر نہیں کہ صورۃً ممانعت میں داخل ہے (کذا فی الروح عن الخفاجی علی البیضاوی) (معارف مفتی اعظم)

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ
پکارو لے پالکوں کو اُن کے باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں

یعنی ٹھیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اُس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے کسی نے لے پالک بنا لیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا یوں شفقت و محبت سے کوئی کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکار لے وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ نسبی تعلقات اور اُن کے احکام میں اشتباہ والتباس واقع نہ ہونے پائے۔ ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم نے زید بن حارثہ کو آزاد کر کے متبنی کر لیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انہیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارنے لگے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو۔ یعنی حقیقی باپوں سے ان کا نسب ملاؤ۔

هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ یہی بات اللہ کے نزدیک بڑے انصاف کی ہے۔ اقسط اسم تفضیل کا صیغہ ہے لیکن نسبتی زیادتی مراد نہیں ہے بلکہ فی نفسہٖ عدل کی زیادتی مراد ہے یعنی کامل سچی بات۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

بخاری نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے ہم زید کو زید بن حارثہ نہیں کہتے تھے بلکہ زید بن محمد کہتے تھے یہاں تک کہ آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی (اس کے بعد ہم زید بن حارثہ کہنے لگے) (تفسیر مظہری)

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ
پھر اگر نہ جانتے ہو اُن کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں
فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ ؕ
دین میں اور رفیق ہیں

یعنی اگر باپ معلوم نہ ہو تو بہر حال تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں ان ہی القاب سے یاد کرو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو فرمایا۔ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا ۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ
اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝
جو دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

بھول چوک معاف ہے

یعنی بھول کر یا نادانستہ اگر غلط کہہ دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں، وہ معاف ہے۔ بھول چوک کا گناہ کسی چیز میں نہیں، ہاں ارادہ کا ہے۔ اس میں بھی اللہ چاہے تو بخش دے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرے کی طرف غلط نسبت کی سزا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جانتے ہوئے (اپنے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ ظاہر کیا اس پر جنت حرام ہے (رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد وابوداؤد وابن ماجۃ)

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے (اپنے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ بتایا یا کسی (آزاد کردہ غلام) نے اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنا مولیٰ ہونے کی نسبت کی اس پر قیامت کے دن تک اللہ کی مسلسل لعنت۔ رواہ ابوداؤد۔ سیوطی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی آقا نے اپنے غلام کو جو عمر میں آقا سے کم ہو یا زیادہ یہ بات کہہ دی کہ یہ میرا بیٹا ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور آقا کے کلام کو درست قرار دینے کے لئے مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا یا آقا نے جو غلام کے متعلق کہا یہ میرا بیٹا ہے اس کا مجازی معنی یہ ہے کہ یہ آزاد ہے سبب بول کر مجازاً مسبب مراد لیا جا سکتا ہے بُنوت (بیٹا ہونا) آزادی کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اپنے محرم قرابتدار کا (وراثۃً یا خرید کر یا بطور ہبہ) مالک ہو گیا تو وہ محرم آزاد ہو جائے گا۔ رواہ احمد واصحاب السنن۔ (تفسیر مظہری)

مجتہد کی خطاء

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا صحیح بخاری شریف میں ہے جب حاکم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے اپنے اجتہاد میں صحت کو پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر خطا کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کو اُن کی خطائیں بھول چوک اور جو کام ان سے زبردستی کرائے جائیں ان سے درگزر فرما لیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے

مؤمن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اُس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے۔ بنابریں مومن (من حیث ہو

Marfat.com

مومن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اُس کو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے اور اگر اس روحانی تعلق کی بنا پر کہہ دیا جائے کہ مؤمنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہوگا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں انما انا لکم بمنزلة الوالد الخ اور ابی بن کعب وغیرہ کی قراءت میں آیت ہذا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الخ کے ساتھ وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اُس کا حاصل یہ ہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت وشفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور اُمتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً اُمتی کا ایمانی وروحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتو اور ظل ہوتا ہے اور جو شفقت وتربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اُس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی۔ لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت وتربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کرسکتا۔ اسی لئے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ نبی نائب ہے اللہ کا اپنی جان ومال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے دے تو فرض ہو جائے۔ ان ہی حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے نزدیک باپ، بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اُس کی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے

یعنی مومنوں کو جو تعلق ایک دوسرے کے ساتھ ہے ان سب سے زیادہ نبی کا مومنوں سے تعلق ہے اسی تعلق کی وجہ سے نبی کا حکم مومنوں پر نافذ ہے اور پیغمبر کی اطاعت سب پر واجب ہے ماں باپ کا حکم بھی اگر نبی کے حکم کے خلاف ہو تو اس کی مخالفت بھی لازم ہے پس پیغمبر کو ہی جہاد پر بھیجنے اور راہِ خدا میں جان خرچ کرنے کا حکم دینے کا حق حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنی مرضی پر مقدم ہے

حضرت ابن عباس اور عطاء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب نبی کسی کو کسی کام کی دعوت دیں اور اس کا نفس کسی دوسری بات کا خواہش مند ہو تو نفس کی اطاعت سے نبی کی اطاعت اولیٰ ہے کیونکہ نبی تمام مسلمانوں کے مصالح اور مفاسد سے بوحی الٰہی خوب واقف ہیں نبی مومنوں کے لئے اسی بات کو پسند کرتے اور اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس میں مومنوں کی بہبودی اور کامیابی ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

انسان کا نفس ہمیشہ بدی کا حکم دیتا ہے سواء اس کے جس پر اللہ کا کرم ہو انسان کا نفس بڑا ناحق کوش اور بہت ہی نادان ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مومنوں کو اللہ کے رسول کی محبت اپنے نفسوں سے بھی زیادہ ہو اور اللہ کے رسول کا حکم نفس کی حکومت پر غالب ہو اور رسولِ خدا کی مومنوں پر شفقت اتنی ہو کہ خود ان کی اپنے نفوس پر نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ میں اس کی نظر میں اس کے باپ اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (رواہ البخاری ومسلم فی صحیحیہما عن انسؓ)

مؤمن دنیا وآخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہے

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہر مومن سے دنیا و آخرت میں میرا تعلق سب سے زیادہ ہے اگر اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھو آیت پس جو مومن مال چھوڑ کر مرے تو اس کے مال کے وارث اس کے عصبات ہوں گے جو بھی ہوں۔ اور جو مومن نادار بیوی بچوں کو چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آجائیں میں ان کا متولی ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ
اور اُس کی عورتیں اُن کی مائیں ہیں

ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین ہیں

یعنی دینی مائیں ہیں تعظیم واحترام میں اور بعض احکام میں جو اُن کے لئے شریعت سے ثابت ہوں۔ کل احکام میں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، یعنی ان کا حق (ماؤں کی طرح) بڑا ہے ان سے ہمیشہ کے لئے (ہر مومن کا) نکاح حرام ہے یہ مطلب نہیں ہے جس طرح ماؤں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی

Marfat.com

میں بیٹھنا جائز ہے اسی طرح پیغمبر کی بیبیوں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے۔ امہات المومنین کو دیکھنا اور خلوت میں ان کے ساتھ بیٹھنا تو ایسا ہی ناجائز ہے جیسے اجنبی عورتوں کے ساتھ اللہ نے فرمایا ہے وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ اگر امہات المومنین سے تم کو کوئی سامان مانگنا ہو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو۔

امہات المؤمنین کی دیگر رشتہ دار

امہات المومنین کی بیٹیوں کو امت کی بہنیں نہیں کہا جاتا، نہ اس کے بہن بھائی امت کی خالائیں اور ماموں ہیں (نسبی رشتہ نہیں ہے) امام شافعی نے فرمایا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسماء رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اسماء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں لیکن کسی نے نہیں کہا کہ حضرت اسماء مومنوں کی خالہ تھیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا (اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں امت کی بہنیں ہوتیں تو ان سے کسی کا نکاح نہیں ہوتا)۔

ازواجِ مطہرات سے امتی کا نکاح حرام ہے

شعبی نے مسروق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اماں کہا، آپ نے فرمایا، میں تمہاری ماں نہیں ہوں تمہارے مردوں کی ماں ہوں۔ بیہقی نے سنن میں بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ماؤں کی طرح ازواج مطہرات سے امت کا نکاح حرام ہے۔ حضرت اُبی بن کعب کی قراءت میں آیا ہے وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے دینی باپ تھے ہر پیغمبر اپنی امت کا دینی باپ ہوتا ہے۔ سب کی ابدی زندگی کی جڑ پیغمبر ہی ہوتا ہے اسی لئے سب مومن آپس میں دینی بھائی قرار دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ
اور قرابت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا
سب ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ کرنا چاہو اپنے رفیقوں سے احسان

نسبی رشتہ داری

حضرت کے ساتھ جنہوں نے وطن چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے، آپ نے اُن مہاجرین اور انصار مدینہ میں سے دو دو آدمیوں کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا۔ بعدہٗ مہاجرین کے دوسرے قرابتدار مسلمان ہو گئے تب فرمایا کہ قدرتی رشتہ ناطہ اُس بھائی چارہ سے مقدم ہے میراث وغیرہ رشتہ ناطے کے موافق تقسیم ہوگی۔ ہاں سلوک احسان ان رفیقوں سے بھی کئے جاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

دینی اخوۃ وموالات کی بنیاد پر وراثت منسوخ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ میں مِنْ تفضیلیہ ہے ابتداء اسلام میں مہاجر مہاجر کا وارث ہوتا یا دینی موالات (انصار و مہاجرین کی اخوت دینی) موجب میراث تھی اس آیت سے وہ حکم منسوخ ہو گیا (اور دوسرے مہاجرین و مومنین کے مقابلہ میں قرابتدار اپنے قرابت دار کی میراث کا مستحق قرار دیا گیا) قتادہ نے کہا مسلمان ہجرت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے (بغوی) کلبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں باہم رشتہ اُخوت قائم کرا دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو دو مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیتے تھے آخر یہ آیت نازل ہوئی (تو پچھلا دستور منسوخ ہو گیا)۔ (تفسیر مظہری)

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝
یہ ہے کتاب میں لکھا ہوا

یعنی قرآن میں یہ حکم ہمیشہ کو جاری رہا۔ یا تورات میں بھی ہو گا یا ''کتاب'' سے ''لوح محفوظ'' مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
اور جب لیا ہم نے نبیوں سے اُن کا قرار اور تجھ سے
وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى
اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے
ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝
جو بیٹا مریم کا اور لیا ہم نے اُن سے گاڑھا قرار

انبیاء سے میثاق

یعنی یہ قول و قرار کو ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرے گا۔ اور

Marfat.com

دین کے قائم کرنے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے گا۔ ''آلِ عمران'' میں اس میثاق کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اوپر پیغمبر کے حق میں فرمایا تھا کہ مومنین پر اُن کی جان سے زیادہ تصرف رکھتا ہے، یہاں اشارہ کر دیا کہ یہ درجہ نبیوں کو اس لئے ملا کہ اُن پر محنت (اور ذمہ داری بھی) سب سے زیادہ ہے۔ اکیلے ساری خلق سے مقابل ہونا اور کسی سے خوف و رجاء نہ رکھنا۔ پیغمبروں کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے لئے اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ اُن کی ہدایت کا اثر ہزاروں برس رہا اور جب تک دنیا ہے رہے گا۔ ان میں پہلے نام لیا ہمارے نبی کا۔ حالانکہ عالم شہادت میں آپ کا ظہور سب کے بعد ہوا ہے۔ مگر درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہیں اور وجود بھی آپ کا عالمِ غیب میں سب سے مقدم ہے۔ کما ثبت فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

عہد کس وقت لیا گیا

یہ عہد اس وقت لیا گیا تھا جب پشتِ آدم سے سب کو برآمد کیا گیا تھا۔ اللہ نے سب سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں گے دوسروں کو بھی اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دیں گے اپنی اپنی امت کے بہی خواہ رہیں گے اور ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔

میثاق تمام انبیاء سے لیا گیا

النَّبِیّٖنَ کا لفظ تمام انبیاء کو شامل ہے سب ہی پیغمبر اس میں آ گئے لیکن اس کے بعد چند پیغمبروں کا نام بنام خصوصی تذکرہ اس لئے کیا کہ یہ پیغمبر اولوالعزم تھے ان پر کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے تھے ان کو الگ الگ مستقل شریعتیں دی گئی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان ظاہر کرنے کے لئے دوسرے پیغمبروں کے ذکر سے پہلے آپ کا ذکر (بطور خطاب) کیا گیا اس تقدیم ذکر سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ پیدائش کے آغاز کے لحاظ سے سب لوگوں سے مقدم ہوں اور بعثت و نبوت کے لحاظ سے سب سے پیچھے (آیا ہوں) رواہ سعد عن قتادہ مرسلاً۔ ولکن رواہ البغوی عن قتادہ عن الحسن عن ابی ہریرۃ متصلاً (بروایت بغوی) قتادہ نے (حدیث مذکور بیان کرنے کے بعد) کہا یہ ہی (مضمون) ہے آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ الخ اس میں اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نوح ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ سے پہلے کیا ہے۔

ابن سعد نے اور ابونعیم نے حلیہ میں میسرہ فجر بن سعد کی وساطت سے بروایت ابوالجد عاء اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان (کشاکش میں) تھے۔

میثاق غلیظ پکا وعدہ۔ عظیم الشان عہد۔ یا وہ وعدہ جس کو ایمان کے ساتھ پختہ کیا گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ
تاکہ پوچھے اللہ سچوں سے اُن کا سچ اور تیار رکھا ہے
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝
منکروں کے لئے دردناک عذاب

میثاق کا مقصد

یعنی قول و قرار کے مطابق اُن پیغمبروں کی زبانی اپنے احکام خلق کو پہنچائے اور حجت تمام کر دے تب ہر ایک سے پوچھ پاچھ کرے گا، تاکہ سچوں کا سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔ آگے جنگِ احزاب کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے سچے پیغمبر اور مومنین اور اُن کے بالمقابل جھوٹے منافقوں اور منکروں کے کچھ احوال اور ان کے ظاہری ثمرات و نتائج ذکر کئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ایسا کرنے کی غرض یہ تھی کہ انبیاء صادقین سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے اپنی اپنی امتوں سے کیا کہا تھا یا کافروں کو ذلیل کرنے اور لاجواب بنانے کے لئے کافروں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے انبیاء کی تصدیق کی تھی یا انبیاء کی تصدیق کرنے والوں سے ان کی تصدیق کے متعلق پوچھا جائے گا (کہ کیا تم نے انبیاء کی تصدیق کی تھی) کیونکہ سچے کی تصدیق کرنے والا بھی سچا ہوتا ہے یا ان مومنوں سے جنہوں نے اپنے وعدوں کو سچ کر دکھایا تھا ان کے صدق کی باز پرس ہوگی یہاں تک کہ ان کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا

Marfat.com

عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی اُن پر
رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ
ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں

غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی غیبی مدد

یعنی فرشتوں کی فوجیں جو کفار کے دلوں میں رُعب ڈال رہی تھیں۔(تفسیر عثمانی)

جُنُوْدٌ سے مراد ہیں کفارِ قریش۔ بنی غطفان اور قبیلۂ بنی قریظہ کے یہودی جن کی مجموعی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی، مدینہ کے مسلمانوں کا ان سب نے آ کر محاصرہ کرلیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد ایک خندق کھدوالی تھی۔

رِیْحاً، یہ پروا ہوا تھی، موسم بھی سردی کا تھا، رات بھی بہت سرد تھی پروا ہوا کا ایک طوفان آیا جو انتہائی سرد تھا جس کی وجہ سے ڈیروں اور خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں رسیاں ٹوٹ گئیں آگ (جو حملہ کرنے والوں نے اپنی فرودگاہ میں کھانا پکانے اور تاپنے کے لئے روشن کر رکھی تھی) بجھ گئی۔ ہانڈیاں الٹ گئیں گھوڑے رسیاں توڑ کر بھاگ نکلے۔

جُنُوْداً یعنی ملائکہ کا لشکر (جو غیبی امداد کے لئے بھیجا گیا تھا اور) جو لشکر کے گرداگرد تکبیر کی آوازیں بلند کر رہے تھے کافروں پر رعب چھا گیا خوف زدہ ہو گئے ہر قبیلہ کے سردار نے اپنے قبیلہ کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا جب سب آ گئے تو کہا جلد بھاگو جلد بھاگو نتیجہ میں بغیر لڑائی کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس روز فرشتوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا صرف مسلمانوں کو اطمینان دلانے اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔(تفسیر مظہری)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ ۹
اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا

غزوۂ خندق کا مختصر حال

ہجرت کے چوتھے پانچویں سال یہود بنی نضیر جو مدینہ سے نکالے گئے تھے (اُس کا ذکر سورۃ حشر میں آئے گا) ہر قوم میں پھرے۔ اور اُبھارا کسا کر قریش مکہ بنی فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل عرب کی متحدہ طاقت کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ تقریباً بارہ ہزار کا لشکر جرار پورے ساز و سامان سے آراستہ اور طاقت کے نشہ میں چُور تھا، یہود بنی قریظہ جن کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی شرقی جانب تھا پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ نضیری یہود کی ترغیب و تربیت سے آخر کار وہ بھی معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی۔ جن میں ایک بڑی تعداد اُن دغاباز منافقوں کی تھی جو سختی کا وقت آنے پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے میدانِ جنگ سے کھسکنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ آخر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے گرد جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا خندق کھودی گئی۔ سخت جاڑے کا موسم تھا غلہ کی گرانی تھی بھوک کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ کو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مگر عشقِ الٰہی کے نشہ میں سرشار سپاہی اور اُن کے سالار اعظم اُس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز قوت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول تھے مجاہدین پتھریلی زمین پر کدال مارتے، اور کہتے نَحْنُ الذین بَایعُوْا مُحمداً عَلیَ الجِھَادِ مَابقینَا اَبَداً اُدھر سرکار محمدی سے جواب ملتا اَللّٰھُمَّ لَاعَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الاٰخِرۃ فَاغفِرِ لِلْاَنْصَارِ وَالمھاجِرَۃ خندق تیار ہو گئی تو اسلامی لشکر نے دشمن کے مقابل مورچے جما دیئے۔ تقریباً بیس پچیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں درمیان میں خندق حائل تھی۔ باوجود کثرت تعداد کے کفار سے بن نہ پڑا کہ شہر پر عام حملہ کر دیتے۔ البتہ دُور سے تیر اندازی ہوتی رہی اور گاہ بگاہ فریقین کے خاص خاص افراد میدانِ مبارزۃ میں بھی دو دو ہاتھ دکھانے لگتے تھے۔ مشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان مسلمانوں کی جمعیت محصورین کی حیثیت رکھتی تھی تاہم انہوں نے سب عورتوں بچوں کو شہر کی مضبوط و محفوظ حویلیوں میں پہنچا کر خود بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ شہر کی حفاظت و مدافعت کا فرض انجام دیا۔ آخر کار نعیم ابن مسعود الاشجعیؓ کی ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے مشرکین اور یہود بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی، اُدھر کفار کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا غیر مرئی لشکر مرعوب کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات سخت خوفناک جھکڑ ہوا کا چلا دیا۔ پروا ہوا سے ریت اور سنگریزے اُڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ اُن کے چولھے بُجھ گئے،

Marfat.com

دیگچے زمین پر جا پڑے، کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہوا کے زور سے خیمے اکھڑ گئے گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے لشکر پریشان ہو گیا، سردی اور اندھیری ناقابل برداشت بن گئی آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی طبل رحیل بجا دیا۔ ناچار سب اُٹھ کر بے نیل و مرام واپس چل دیئے۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا یہ جنگ احزاب کہلاتی ہے اور ''جنگِ خندق'' بھی کہتے ہیں۔ سخت جاڑے کے موسم اور فاقہ کشی کی حالت میں خندق کھودنا اور اتنے دشمنوں کے بیچ میں گھر کر لڑائی لڑنا یہ وہ حالات تھے جن میں منافق دل کی باتیں بولنے لگے اور مومن ثابت قدم رہے۔ اسی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے چنانچہ یہ ہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا اور (اے مسلمانوں) تم جو (لڑائی کی تیاری خندق کی کھدائی) کر رہے تھے اللہ اس کو دیکھ رہا تھا۔

امداد کی ہوا اور ہلاکت کی ہوا

بخاری نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پُروا ہوا سے میری مدد کی گئی اور پچھی ہوا سے قومِ عاد کو تباہ کیا گیا۔

غزوۂ خندق کب پیش آیا

غزوۂ خندق کا واقعہ ماہ شوال ۴ھ میں ہوا مواہب لدنیہ کے مصنف نے یہی لکھا ہے اور موسیٰ بن عقبہ کو اس کا راوی کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا تھا ان کی جلاوطنی سے آٹھ ماہ کے بعد یہ واقعہ ہوا تھا، بنی نضیر مدینہ سے نکل کر اطرافِ ملک میں گھومتے پھرے، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع اور حیی بن اخطب ربیع الاول ۴ھ میں خیبر میں پہنچے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربیع الاول یا اس کے کچھ بعد کا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ شوال ۵ھ میں غزوۂ خندق کا واقعہ ہوا (کذا قال محمد بن اسحاق)۔ (تفسیر مظہری

مشہور پہلوان کا قتل

عمرو بن عبدوُد عامری جو عرب کا مشہور شجاع پہلوان اور فنِ سپہ سالاری میں یکتا تھا ساتھ ہی بہادر جیوٹ اور قوی تھا ایک مرتبہ ہمت کر کے اپنے ساتھ چند جاں باز پہلوانوں کو لے کر خندق سے اپنے گھوڑوں کو کدالایا۔ یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا، لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں تیار نہ پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلہ پر جاؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ گئے تھوڑی دیر تک تو دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی لیکن بالآخر شیرِ خدا نے کفر کے اس دیو کو تہِ تیغ کیا جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہودیوں کو تعصب نے جاہل کر دیا

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے کہا مجھ سے یزید بن رومان نے (جو خاندان زبیر کے آزاد کردہ غلام تھے) عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا اور عبداللہ بن کعب بن مالک اور زہری اور عاصم بن عمرو بن قتادہ نیز عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور محمد بن کعب قرظی کا بھی بیان ہے اور یہ تمام روایات باہم ملتی جلتی ہیں (جن کا خلاصہ یہ ہے کہ) یہودیوں کی ایک جماعت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قبائلِ عرب کو مدینہ پر چڑھا کر لانے والے سلام بن ابی الحقیق اور حُیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور ھودہ بن قیس اور ابو عامر الوائی شامل تھے اور بنی نضیر و بنی وائل کے لوگوں کی کچھ تعداد بھی ساتھ تھی مدینہ سے نکل کر مکہ میں قریش کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی ان کو دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیخ کنی کرنے میں ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔ قریش نے جواب دیا، اے گروہ یہود تم اہلِ علم ہو۔ تمہاری کتاب سابق ہے، ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی اختلاف ہے تم یہ بتاؤ کہ ہمارا مذہب بہتر ہے یا محمد کا یہودیوں نے جواب دیا تمہارا مذہب بہتر ہے تم حق پر ہو انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ..... وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا یہودیوں کا یہ فیصلہ سن کر قریش خوش ہو گئے اس کے بعد یہ یہودی قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے قبیلہ غطفان، قیس بن غیلان کی ایک شاخ تھی ان کو بھی وہی دعوت دی جو قریش کو دی تھی اور ان سے بھی کہا ہم تمہارے ساتھ شریک رہیں گے اور یہ بھی بتا دیا کہ قریش سے ہمارا اس پر معاہدہ ہو چکا ہے قریش نے مان لیا ہے یہ سن کر قبیلہ غطفان نے بھی ان کی دعوت قبول کر لی۔

Marfat.com

یہودیوں اور مشرکوں کا پختہ معاہدہ

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ بنی نضیر اور بنی وائل کے تقریباً بیس آدمیوں کی جماعت قریش کے پاس گئی ابوسفیان نے ان کو خوش آمدید کہا اور یہ بھی کہا، تم سب سے زیادہ ہمارے منظورِ نظر ہو تم نے محمد کے خلاف ہم سے معاہدہ کیا ہے یہودیوں نے ابوسفیان سے کہا قبیلہ قریش میں سے تم پچاس آدمی منتخب کرلو اور تم بھی ان کے ساتھ شامل رہو پھر ہم تم سب مل کر کعبہ کے پردوں کے اندر گھس کر کعبہ کی دیواروں سے سینہ چمٹا کر اس بات کی قسمیں کھائیں کہ محمد کی عداوت پر ہم سب متفق اور یک زبان رہیں گے ہم باہم عہد کریں کہ جب تک ہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ رہے گا ہم محمد سے لڑتے رہیں گے، حسب مشورہ سب نے یہ معاہدہ کرلیا۔

یہودیوں کا بنی غطفان سے معاہدہ

قریش سے معاہدہ کرنے کے بعد یہودی قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر ابھارا اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر تم ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرو گے تو خیبر کے درختوں پر جتنے پھل ایک سال یا چھ ماہ تک آئیں گے وہ سب ہم تم کو دے دیں گے (یعنی نخلستان خیبر کی پوری فصل یا آدھی فصل تمہاری ہوگی) قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصین فزاری نے شرط مذکور پر یہودیوں کی بات مان لی اور بنی اسد میں جو عیینہ کے حلیف (معاہد) تھے ان کو بھی بلوالیا۔

لشکروں کی روانگی

اس کے بعد قریش کو لے کر ان کا کمانڈر ابوسفیان بن حرب اور بنی غطفان کو مع بنی فزارہ کے لے کر ان کا قائد عیینہ بن حصین بن حذیفہ بدر اور بنی مرہ کو لے کر حارث بن عوف بن ابی حارثہ اور بنی اشجع میں سے اپنے ساتھیوں کو لے کر مسعر بن رحیلہ بن نویرہ بن طریف نکل کھڑے ہوئے۔

ابوسفیان نے چار ہزار کا لشکر جمع کیا اور اس لشکر کا جھنڈا عثمان بن ابی طلحہ کو دیا مکہ سے برآمد ہونے کے وقت اس کے لشکر میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے یہ لشکر مکہ سے چل کر مرّ الظہران پہنچ کر اتر پڑا اسی جگہ بنی اسلم بنی اشجع بنی مرہ بنی کنانہ، بنی فزارہ اور بنی غطفان کے لشکر آ پہنچے یہ ساری فوج دس ہزار ہوگئی مرّ الظہران سے روانہ ہو کر سب مدینہ کو چل دیئے۔ (چونکہ مختلف جماعتیں اور گروہ اس لشکر میں شامل تھے) اسی لئے اس جنگ کا نام غزوۂ احزاب ہوگیا۔

مسلمانوں کے انتظامات

بغوی نے لکھا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے جمع ہونے اور معاہدہ کر کے چلنے کی خبر سنی تو مدینہ کے باہر آپ نے ایک خندق کھدوائی۔ خندق کھدوانے کا مشورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرتِ سلمان فارسی نے دیا تھا۔

حضرت سلمان اس زمانہ میں آزاد تھے (غلام نہیں تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ کر شریک معرکہ ہونے کا آپ کے لئے پہلا موقع تھا۔ حضرت سلمان نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! ہم جب فارس میں تھے اور دشمن ہمارا محاصرہ کر لیتا تھا تو ہم اپنے گرداگرد خندق کھود لیا کرتے تھے (دشمن کی پیش قدمی روکنے کی یہ تدبیر تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو مان لیا اور خندق کو مضبوط کر دیا۔

میں کہتا ہوں روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب کے متفق ہو کر چڑھائی کرنے کی خبر سنی تو فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہی ہمارا اچھا کارساز ہے، پھر آپ نے مہاجرین وانصار کے سرداروں کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا، حضرت سلمان نے خندق کھدوانے کا مشورہ دیا، حضور نے یہ مشورہ پسند فرمایا، مدینہ (کے انتظام) پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا جانشین بنایا اور خود جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے تین ہزار مہاجر اور انصار آپ کے ساتھ نکلے۔ حضرت زید بن حارثہ کو مہاجرین کا اور حضرت سعد بن عبادہ کو انصار کا جھنڈا عطا فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

میں کہتا ہوں روایت میں آیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت (صرف) ۳۶ گھوڑے تھے۔ کچھ نابالغ لڑکے بھی جہاد میں شریک ہونے کے لئے آپ کے ساتھ نکلے آپ نے پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو واپس کر دیا اور پندرہ سال کی عمر کے لڑکوں کو جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دے دی ان بالغوں میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ حضرت زید بن ثابت حضرت ابوسعید خدری اور حضرت براء بن عازب بھی تھے پھر حضور نے خندق کھدوانے کے لئے مدینہ کے بعض اطراف میں جگہ تلاش کرائی آخر کوہ سلع کے قریب ایک جگہ مقرر کر دی گئی ـــــ پہاڑ کو لشکر کے عقب میں رکھا گیا اور خندق کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خط کھینچ دیئے۔

Marfat.com

خندق کے کام کی تقسیم

بغوی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عوف کے والد نے بیان کیا کہ جنگِ احزاب کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لائنیں ڈالی تھیں اور ہر دس آدمیوں کے لئے چالیس گز (شرعی یعنی چالیس ہاتھ) زمین (کھودنے کے لئے) کاٹ دی تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان قوی آدمی تھے مہاجرین وانصار کے درمیان حضرت سلمان کے متعلق کچھ اختلاف ہو گیا مہاجرین نے کہا سلمان ہم میں سے ہیں اور انصار نے کہا سلمان ہمارے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان ہم میں سے یعنی ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں۔

ایک سخت چٹان

عمرو بن عوف نے فرمایا، میں اور سلمان اور حذیفہ اور نعمان بن مقرن مزنی اور چھ انصاری چالیس گز زمین کھودنے میں شریک تھے چنانچہ ہم نے کھودنا شروع کر دیا اچانک بحکم خدا خندق کے اندر ایک سخت ترین چٹان آ گئی جس کو توڑنا ہمارے لئے سخت دشوار ہو گیا ایسی سخت چٹان تھی کہ اس نے ہمارے لوہے کے اوزاروں کو توڑ دیا میں نے کہا سلمان ذرا اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چٹان کی کیفیت بتاؤ اگر حضور مناسب سمجھیں گے تو ہم اس پتھر کی طرف سے کھدائی کا رُخ موڑ دیں گے، موڑنے کا مقام قریب ہی ہے یا جو بھی حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈالے ہوئے خط سے ہٹنا ہم نہیں چاہتے سلمان اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپ اس وقت ترکی خیمہ کے نیچے فروکش تھے۔ سلمان نے کہا یا رسول اللہ خندق کے اندر ایک سخت سفید چٹان نکل آئی جس نے ہمارے آہنی اوزار کو توڑ ڈالا ہمارے لئے سخت دشواری ہو گئی کچھ بھی تو اس پر اثر نہیں ہوا نہ زیادہ نہ کم۔ اب حضور کا کیا حکم ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈالے ہوئے خط سے ہٹنا پسند نہیں کرتے۔

چٹان سے روشنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور جا کر) خندق کے اندر اتر گئے۔ سلمان بھی ساتھ تھے اور خندق کے اندر نو آدمی اور تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک سخت ضرب لگائی فوراً پتھر میں شگاف ہو گیا اور پتھر سے ایک ایسی چمک نکلی جس سے مدینہ کے دونوں کنارے روشن ہو گئے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی تاریک ترین کوٹھری میں چراغ روشن کر دیا گیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر فتح کہی مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اس کے بعد آپ نے دوسری جانب ضرب لگائی پتھر ٹوٹ گیا اور ایک بجلی چمکی جس سے مدینہ کے دونوں کنارے چمک اٹھے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی تاریک کوٹھری میں چراغ روشن کر دیا گیا ہو، حضور نے تکبیر فتح کہی اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا حضور نے پھر پتھر پر ایک ضرب لگائی پھر سلمان کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھ آئے۔

فتوحات کی پیشن گوئی

سلمان نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ قربان میں نے (آج) ایک بات دیکھی جو کبھی نہیں دیکھی تھی، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا تم نے دیکھا سلمان کیا کہہ رہے ہیں صحابہ نے عرض کیا جی ہاں (صحیح کہہ رہے ہیں) فرمایا، میں نے پہلی ضرب جو ماری تھی اور تم نے اس سے بجلی پیدا ہوتی دیکھی تھی اس کی روشنی میں حیرہ (یعنی شاہان عراق کے جن کی تخت گاہ حیرہ تھی) کے محلات اور کسریٰ کی (تخت گاہ) مدائن میرے سامنے آ گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتوں کے نوکیلے دانت ہیں جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت وہاں (یعنی حیرہ اور مدائن) تک غالب آئے گی۔ پھر میں نے دوسری ضرب لگائی جس سے بجلی کوندتی تم نے دیکھی اس کی چمک میں میں نے رومی سرخوں کے محلات دیکھ لئے جیسے کتوں کے نوکیلے دانت اور جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان محلات پر قابض ہو جائے گی تم کو اس کی خوش خبری ہو یہ کلام سن کر مسلمانوں کے چہرے کِھل گئے اور سب نے کہا ہر ستائش اسی اللہ کے لئے ہے جس کا وعدہ سچا ہے اس نے محصور ہونے کے بعد ہم سے فتح کا وعدہ کیا۔

منافقوں کے دل کا کھوٹ

منافق کہنے لگے لوگو کیا تمہارے لئے یہ بات اچنبے کی نہیں ہے کہ محمد تم کو آرزومند کر رہے ہیں تم سے جھوٹے وعدے کر رہے ہیں اور تم کو خبر دے رہے ہیں کہ یثرب سے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کا مدائن ان کو دکھائی دے رہے ہیں اور ان سب پر تمہارا قبضہ ہو گا تمہارے اندر اتنی طاقت تو ہے نہیں کہ میدان میں نکلو۔ ڈر کے مارے خندق کھود رہے ہو۔ راوی کا بیان ہے اس پر آیت وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ

Marfat.com

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا نازل ہوئی اور اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ نے فرمایا، قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ الخ۔

حالات کی سختی

بخاری نے صحیح میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف تشریف لے گئے صبح سردی کی تھی مہاجرین اور انصار خود خندق کھود رہے تھے، غلام خادم ان کے پاس یہ کام کرنے کے لئے تھے نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک اور تھکن کو ملاحظہ کیا تو فرمایا:-

اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنصار والمهاجره

درحقیقت زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اے اللہ انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔ صحابہ نے اس (شعر) کے جواب میں کہا۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّداً عَلَیَ الْجِهَادِ مَابَقِیْنَا اَبَداً

ہم وہی تو ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لئے جب تک زندہ ہیں جہاد کرنے کی بیعت کی ہے۔

صحیح میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت براء بن عازب نے فرمایا، جنگ احزاب کا زمانہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھدوائی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود خندق کی مٹی نکال رہے ہیں اور غبار کی وجہ سے شکمِ مبارک کی جلد گرد آلود ہو کر چھپ گئی ہے حضور کے پیٹ پر بال بہت تھے آپ مٹی ڈھونے میں ابن رواحہ کے یہ شعر بطور رجز کے پڑھ رہے تھے اور شعر کے قافیہ پر آواز کو کھینچتے تھے (یعنی کھینچ کر ادا کرتے تھے)۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلا اَنْتَ مَااهْتَدَیْنَا وَلاتَصَدَّقْنَا وَلاَ صَلَّیْنَا

اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہو تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے نہ زکوٰۃ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَةً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لاقَیْنَا

ہم پر طمانیت خاطر نازل فرما۔ اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدم جمائے رکھ۔

اِنَّ الاُلیٰ قَدْ بَغَوا عَلَیْنَا اِذَا اَرَادُوْا فتنَةً اَبَیْنَا

انہی لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے جب انہوں نے فساد برپا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ہم نے انکار کر دیا۔ دوسری روایت میں پہلا مصرع اس طرح آیا ہے۔

وَاللّٰهِ لَوْلاَ اللّٰهُ مَااهْتَدَیْنَا

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو نظر لگنا

روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلمان قوی آدمی تھے خندق میں دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ تنہا پانچ ہاتھ گہرا اور پانچ ہاتھ لمبا چوڑا خندق روز کھودتے تھے۔ قیس بن ابی صعصعہ کی نظر آپ کو لگ گئی فوراً بیہوش ہو کر گر گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کو حکم دیا کہ کسی برتن میں وضو کرو اور اس پانی سے سلمان کو غسل دو پھر اس برتن کو اپنی پشت کی طرف اوندھا کر کے پھینک دو حکم کی تعمیل کی گئی اور حضرت سلمان اچھے ہو گئے۔

حضرت عبداللہ کی طرف سے دعوت کا انتظام

بخاری نے صحیح میں نیز امام احمد نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا ہم خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے خندق کھودتے میں ایک بہت سخت پتھر آ گیا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا پہاڑ کا یہ سخت پتھر سامنے آ گیا (اب کیا کیا جائے) فرمایا میں خود اندر اتروں گا یہ فرماتے ہی کھڑے ہو گئے اس وقت فاقہ کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا تھا، تین روز سے ہم کو بھی کوئی چیز چکھنے تک کو نہیں ملی تھی، حضور نے کدال ہاتھ میں لے کر پتھر پر ضرب لگائی، پتھر ریزہ ریزہ ریگ رواں کی طرح ہو گیا پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے گھر جانے کی اجازت عطا فرما دیجئے، اجازت لے کر میں گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے مجھ سے یہ دیکھ کر صبر نہ ہو سکا کیا تمہارے پاس کچھ ہے بیوی ایک تھیلا نکال کر لائی جس میں چار سیر جَو تھے ہمارا ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ بھی تھا، میں نے اس کو ذبح کیا اور بیوی نے آٹا گوندھا جتنی دیر میں میں فارغ ہوا وہ بھی فارغ ہو گئی پھر میں گوشت ٹکڑے کر کے ہانڈی میں ڈالے اتنے میں گوندھا ہوا آٹا لس پا کر ٹھیک ہو گیا، گوشت کی ہانڈی پتھروں کے چولھے پر چڑھا دی جب ہانڈی پک چکنے کے قریب ہو گئی تو میں لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

بیوی نے مجھ سے کہہ دیا کہ (زیادہ آدمیوں کو لا کر) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے رسوا نہ کرنا خدمت

Marfat.com

گرامی میں پہنچ کر میں نے چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کر دیا اور کہہ دیا یا رسول اللہ بہت تھوڑا کھانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلیں اور ایک یا دو آدمی اور بھی ساتھ لے لیں فرمایا کتنا کھانا ہے، میں نے بتا دیا، فرمایا، بہت ہے پاکیزہ ہے تم بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں نہ پہنچ جاؤں ہانڈی چولھے سے نہ اتارے اور روٹی تنور سے نہ نکالے (یعنی نہ پکائے) پھر آواز دے کر فرمایا، خندق والو، جابر نے تمہارے لئے کچھ کھانا تیار کیا ہے اور تمہاری دعوت کی ہے جلدی چلو، میں نے اپنی بیوی سے جا کر کہا، اری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو لے کر آ رہے ہیں (اب کیا ہوگا) بیوی نے کہا اللہ کا حکم تمہارے متعلق یہ ہی ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے (کھانے کی مقدار بھی) دریافت کی تھی، میں نے کہا ہاں بیوی نے کہا تو اللہ اور رسول (ہماری حالت کو) خوب جانتے ہیں۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے آئے اور صحابہ سے فرمایا، تم بھی اندر آ جاؤ لیکن بھیڑ نہ کرنا کسی کو دبانا نہیں، میں نے گوندھا ہوا آٹا لا کر رکھ دیا۔ آپ نے اس میں تھوتھو کر دیا اور برکت کی دعا کی پھر ہانڈی کے پاس گئے اس میں تھوتھو کیا اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا جابر پکانے والی کو بلاؤ وہ آ کر پکانا شروع کرے اور تم ہانڈی سے سالن نکالو لیکن ہانڈی کو نیچے نہ اتارنا، حضور خود روٹی کے ٹکڑے کرنے لگے اور روٹی پر گوشت رکھنے لگے مگر اس مدت میں ہانڈی کو اور چولھے کو ڈھانکے رکھا نکالتے جاتے تھے اور صحابہ کی طرف بڑھاتے جاتے تھے پھر نکالتے تھے اور صحابہ کو دیتے تھے یہاں تک کہ ایک ہزار آدمی تھے سب سیر ہو گئے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے اتنا کھایا کہ کھاتے کھاتے چھوڑ دیا اور رُخ موڑ کر چل دیئے لیکن ہانڈی میں ویسا ہی ابال آتا رہا جیسا آ رہا تھا اور روٹی بھی برابر پکتی ہی رہی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا، اب تو بھی کھالے اور دوسرے لوگوں کو بھی بھیج دے لوگ سخت بھوکے ہیں چنانچہ ہم کھانے لگے اور دن بھر دوسروں کو بھی بھیجتے رہے میں کہتا ہوں صحیح روایت میں آیا ہے کہ خندق کھودنے سے صحابہ چھ روز میں فارغ ہوئے تھے۔

کافروں کی چڑھائی

بغوی نے (اس کے بعد) لکھا ہے اب ہم پھر ابن اسحاق کے بیان کی طرف لوٹتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق (کی تکمیل) سے فارغ ہو چکے تھے کہ قریش اپنے احابیش اور دوسرے اہل تہامہ کو ساتھ لے کر دس ہزار کی تعداد میں آ کر مجمع الاسبال میں فروکش ہو گئے اور بنی غطفان اپنے نجدی ساتھیوں کے ساتھ کوہ احد کے ایک جانب نقمی کے پچھلے حصہ میں اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ برآمد ہوئے اور کوہِ سلع کو اپنی پشت پر لے کر حضور نے اپنی لشکر گاہ بنائی خندق آپ کے اور دشمنوں کے درمیان حائل تھی مسلمانوں نے حسب الحکم بچوں اور عورتوں کو پہاڑیوں کے اوپر پہنچا دیا۔

کعب بن اسد کی عہد شکنی

دشمن خدا حیی بن اخطب نضیری اپنے مقام سے اٹھا اور کعب بن اسد قرظی کی طرف چل دیا کعب نے بنی قریظہ کی طرف سے اپنی قوم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (امن کا) معاہدہ کر لیا تھا اور مصالحت کر لی تھی اس لئے حیی کے لئے اس نے اپنی گڑھی کا دروازہ نہیں کھولا، کھولنے سے صاف انکار کر دیا حیی نے ہر چند دروازہ کھلوانے کی استدعا کی لیکن کعب ہرگز نہ مانا اور کہنے لگا حیی یہ بڑی بدبختی ہے میں محمد سے معاہدہ کر چکا ہوں اپنا معاہدہ ہرگز نہیں توڑوں گا محمد کی طرف سے میں نے ہمیشہ عہد کی پابندی اور سچائی ہی پائی ہے اس لئے میں بھی نقضِ عہد کرنے والا نہیں۔ حیی نے کہا دروازہ تو کھولو میں تم سے بات کروں گا، کعب نے کہا میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ حیی نے کہا کعب تم مجھے باہر چھوڑ کر دروازہ بند کئے بیٹھے ہو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم کو اندیشہ ہے کہ اگر میں اندر آ جاؤں گا تو تمہارے ساتھ حصہ بانٹ کر لوں گا کعب کو یہ بات سن کر غصہ آ گیا اور (جوش میں آ کر) دروازہ کھول دیا حیی اندر آ گیا اور کہا کعب میں زمانہ بھر کی عزت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں لہریں مارتا ہوا ایک سمندر چڑھا لایا ہوں۔ میں نے قریش کو ان کے کمانڈروں اور سرداروں کے ساتھ لا کر دومۃ الجندل کے مقام مجتمع الاسبال میں اتار دیا ہے اور بنی غطفان کو ان کے سرداروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ لا کر کوہِ اُحد کے ایک پہلو پر نقمی کے پچھلے حصہ میں شام کو پڑاؤ ڈلوا دیا ہے ان سب نے مجھ سے معاہدہ اور پختہ وعدہ کر لیا کہ جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیں گے یہاں سے نہیں ہٹیں گے کعب بن اسد نے کہا خدا کی قسم تم ابدی ذلت لے کر آئے یہ ایک ایسا بادل ہے جس کا پانی برس چکا ہے

Marfat.com

اب اس میں سواء گرج اور چمک کے اور کچھ بھی نہیں ہے تم محمد کے سلسلہ میں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں نے محمد کی طرف سے سواء سچ او رپابندی عہد کے کبھی غداری نہیں دیکھی حیيُ بن اخطب کعب کو برابر اتار چڑھاؤ اور فریب دیتا رہا یہاں تک کہ حیيُ نے کعب کے سامنے اللہ کی پختہ قسم کھائی کہ اگر قریش محمد پر کامیابی حاصل کئے بغیر واپس چلے گئے تو تمہاری اس گڑھی کے اندر میں بھی آبسوں گا تا کہ جو دکھ تم کو پہنچے اس میں تمہارا شریک رہوں آخر کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور پابندی عہد جو اس پر لازم تھی اس سے الگ ہو گیا۔

اطلاعی رسالہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو جب یہ اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ اشہلی سردار اوس اور سعد بن عبادہ ساعدی سردار خزرج اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی اور خوات بن جبیر عمری کو تحقیق واقعہ کے لئے بھیجا اور فرمایا تم لوگ جا کر دیکھو کہ ان لوگوں کے متعلق جو اطلاع مجھے ملی کیا وہ صحیح ہے اگر خبر صحیح ہو تو آ کر ایسے الفاظ میں مجھے اطلاع دینا کہ میں سمجھ جاؤں (ایسا نہ کرنا کہ عام لوگوں کے سامنے اعلان کر دو جس سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو جائے اور) لوگوں کے بازو نہ توڑ دینا اور اگر وہ ہم سے کئے ہوئے سابق معاہدہ پر قائم ہوں تو پھر علی الاعلان لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر سکتے ہو مذکور بالا حضرات حسب الحکم گئے یہودیوں کے پاس پہنچے اور جو خبر ان کے متعلق ملی تھی اس سے زیادہ بگڑی ہوئی حالت پر ان کو پایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ بالکل ہی برگشتہ ہو گئے تھے اور صاف کہہ دیا تھا اب ہمارا اور محمد کا کوئی معاہدہ نہیں حضرت سعد بن عبادہ کے مزاج میں تیزی تھی آپ نے یہودیوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، حضرت سعد بن معاذ نے کہا۔ سعد بن عبادہ ان سے گالی گلوچ چھوڑو۔ ہمارا ان کا معاملہ اب اس سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔

صورت حال کی شدت

اس کے بعد دونوں سعد اور ان کے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا لاعلاج مرض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ غداری بہت سخت ہے اللہ اکبر اے گروہ اہلِ اسلام تم کو بشارت ہو۔ غرض (صحابہ کے لئے) سخت مصیبت آ پڑی اور سخت خوف کا وقت آ گیا دشمنوں نے اوپر (گڑھی کی طرف) سے اور نیچے (خندق کے پار کفار) کی طرف سے گھیر لیا مسلمانوں کے دلوں میں بھی برے برے خیالات آنے لگے،

منافقوں کا خوف

بعض منافقوں کی طرف سے تو اس کا ظہور بھی ہو گیا۔ یہاں تک کہ مکعب بن قشیر عمری نے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ محمد ہم سے تو وعدہ کر رہے ہیں کہ تم کسریٰ اور قیصر کے خزانے کھاؤ گے لیکن ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص رفع ضرورت کے لئے جنگل کو بھی نہیں جا سکتا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ محض فریب ہے۔

اَوس بن قبطی (منافق) نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے گھروں میں کوئی نگراں نہیں اور گھر شہر کے باہر ہیں آپ ہم کو اجازت دے دیجئے کہ واپس گھروں کو چلے جائیں (اس شخص نے یہ بات غلط کہی تھی) ان لوگوں کے گھروں کی نگہبان انہیں کے قبیلہ کے مردوں کی ایک جماعت موجود تھی۔

کعب بن اسد کی بے وقت پشیمانی

میں کہتا ہوں کعب نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور (نقضِ عہد پر قائم رہنے کا) پختہ ارادہ کر لیا تو اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا جن میں زبیر بن بلطا نباش بن قیس اور عقبہ بن زید وغیرہ شامل تھے اور سب کو نقضِ عہد کی اطلاع دی یہ خبر سنتے ہی لوگوں نے اس کو سخت ملامت کی اور عہد شکنی کو پسند نہیں کیا اس وقت کعب اپنی حرکت پر پشیمان ہوا لیکن اس وقت پشیمانی سے کوئی فائدہ نہ تھا اس کے ہاتھ سے باگ ڈور نکل چکی تھی اللہ نے اسی سبب سے بنی قریظہ کو تباہ کر دینا چاہا۔

حضرت زبیر کا بنو قریظہ کی طرف جانا

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر بن العوام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص ہے جو جا کر بنی قریظہ کی خبر مجھے لا کر دے ارشاد گرامی سن کر میں روانہ ہو گیا اور واپس لوٹ کر بنی قریظہ کی خبریں حضور کو پہنچائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام میں اپنے ماں اور باپ دونوں لفظ فرمائے۔

میں کہتا ہوں حضرت زبیر کا بنی قریظہ کی طرف جانا، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے واپس آ جانے کے بعد ہوا تھا (یعنی پہلے خبر کی تحقیقات کے لئے حضرت سعد وغیرہ کو بھیجا گیا جب وہ

Marfat.com

تحقیق خبر کے بعد واپس آ گئے تو حضرت زبیر کو بنی قریظہ کی تیاری کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت زبیر جب بنی قریظہ کی طرف سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اطلاع دی کہ وہ لوگ قلعوں کو درست کر رہے ہیں راستے اور سرحدیں بند کر رہے ہیں چوپایوں کو گڑھیوں کے اندر جمع کر رہے ہیں۔ حضور اقدس نے فرمایا ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری (مخلص دوست ہے) زبیر ہے۔

صلح کی تدبیر اور مسلمانوں کے بلند جذبے

بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ اوپر بیس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فرودگاہ میں اور مشرک اپنے پڑاؤ پر قائم رہے کوئی لڑائی نہیں ہوئی سواء تیر یا پتھر پھینکنے کے کسی طرف سے کچھ نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تکلیف زیادہ ہوئی تو آپ نے بنی غطفان کے دو سرداروں یعنی عیینہ بن حصین اور ابو الحارث بن عمرو کو پیام صلح دے کر بلوایا اور ان سے فرمایا تم اپنے (غطفانی) ساتھیوں کو لے کر اس شرط پر واپس چلے آؤ کہ تم کو مدینہ کے نخلستانوں کی کل پیداوار (یعنی کھجوروں) کا ایک تہائی حصہ دے دیا جائے گا، وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ تحریر لکھ دی گئی لیکن ابھی دستخط ہونا باقی تھا کہ حضور نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے اس کا تذکرہ کیا اور مشورہ طلب کیا دونوں نے جواب دیا یا رسول اللہ کیا ایسا کرنے کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے (اگر ایسا ہے) تو اس کی تعمیل ہم پر واجب ہے یا آپ نے خود یہ تدبیر مناسب سمجھی ہے اور آپ اس کو پسند کرتے ہیں (تب بھی ہمارے لئے مجبوری ہے) یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے فائدے کے لئے ایسا کرنا چاہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کوئی وجہ نہیں صرف تمہارے فائدے کے لئے میں نے ایسا ارادہ کیا ہے میں نے دیکھا کہ سارے عرب تمہارے خلاف ہو گئے اور ایک کمان سے سب تیر پھینکنا چاہتے ہیں اور ہر طرف سے وہ تم پر بھڑک اٹھے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ تمہارے خلاف ان کی اجتماعی طاقت کو توڑ دوں حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک وقت تھا کہ ہم اور یہ لوگ سب بت پرست اور مشرک تھے نہ ہم اللہ کو جانتے تھے نہ اس کی پرستش کرتے تھے اس زمانہ میں ان لوگوں میں یہ طاقت نہ تھی کہ ہمارا ایک چھوارا بھی بغیر خریدے یا بدوں مہمانی کھا سکیں۔ اب جبکہ اللہ نے ہم کو اسلام کی وجہ سے عزت عطا فرما دی اور آپ کی ذات مبارک کے سبب ہماری عزت افزائی کر دی تو کیا ہم ان کو اپنا مال (مفت) دے دیں۔ ہمیں ایسے معاہدے کی ضرورت نہیں بخدا ہم ان کو تلوار کے سوا اور کچھ نہیں دیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان (آخری) فیصلہ فرما دے حضور والا نے یہ تقریر سن کر فرمایا تم کو اختیار ہے (ایسا ہی کرو) سعد نے کاغذ لے کر تحریر مٹا دی اور کہا اب یہ ہمارے خلاف جو کوشش کر سکتے ہیں کریں۔

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ بات اول حضرت اُسید بن حضیر نے کہی تھی پھر حضرت سعد بن عبادہ نے بھی یہی کہا۔

بنی غطفان کے سرداروں کی ناکام واپسی

عیینہ بن حصین اس وقت مجلس میں ٹانگ پھیلائے بیٹھا تھا، حضرت سعد نے اس سے فرمایا، او بندرا اپنی ٹانگ سمیٹ لے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا وقار مانع نہ ہوتا تو میں برچھا تیری کوک میں پیوست کر دیتا، غرض عیینہ اور حارث دونوں ناکام واپس چلے گئے اور سمجھ گئے کہ ان کا تسلط مدینہ پر نہیں ہو سکتا انصار کی قوت اور جرأت کو دیکھ کر ان کے قدم ڈگمگانے لگے۔

دشمن کا محاصرہ

بغوی نے لکھا ہے کہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کئے پڑے رہے کوئی لڑائی نہیں ہوئی صرف قریش کے چند شہسوار جن میں عمرو بن عبدود عامری عکرمہ بن ابی جہل مخزومی ہبیرہ بن وہب مخزومی نوفل بن عبداللہ ضرار بن خطاب اور مرداس بن لوی محاربی شامل تھے گھوڑوں پر سوار ہو کر بنی کنانہ کی طرف سے گزرے اور ان سے کہا لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ آج تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون شہسوار ہے پھر خندق کی طرف رُخ موڑا اور خندق کو دیکھ کر بولے خدا کی قسم یہ تدبیر ایسی ہے جس کو عرب (پہلے) نہیں کرتے تھے اس کے بعد خندق میں ایک تنگ جگہ تلاش کر کے اس میں گھوڑوں کو داخل کر دیا، گھوڑے ان کو لے کر خندق اور کوہ سلع کے درمیانی گڑھے میں گردش کرنے لگے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو یہ بات دیکھی تو کچھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر اس سرحدی مقام پر جا پہنچے جہاں سے دشمن نے اپنے سواروں کو داخل کیا تھا وہ سوار بھی تیزی کے ساتھ ان کے سامنے آ گئے۔ حضرت علی نے اس مقام کو بند کر دیا۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عبدود کا مقابلہ

عمرو بن عبدود بدر کی لڑائی میں شریک اور زخمی ہو گیا تھا اس لئے جنگ احد میں شریک نہ تھا، جب خندق کا واقعہ ہوا تو اپنی اہمیت جتلانے کے لئے وہ بھی ساتھیوں کو ٹریننگ دینے کی غرض سے ساتھ آ گیا حضرت علی کے مقابلہ پر جب وہ خود دوسرے سواروں کے ساتھ مل کر آ کھڑا ہوا تو حضرت علی نے اس سے فرمایا عمرو تو نے اللہ کو گواہ کر کے کہا تھا کہ جب کوئی قریشی تیرے سامنے کوئی سی دو باتیں (ایک مثبت دوسری منفی) رکھے گا تو دونوں میں سے ایک بات کو تو اختیار کر لے گا، عمرو نے کہا بیشک یہی بات ہے حضرت علی نے فرمایا تو میں تجھے اللہ، اللہ کے رسول اور اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں کہنے لگا اس کی مجھے ضرورت نہیں، حضرت علی نے فرمایا تو پھر میں تجھے میدان میں اترنے کی دعوت دیتا ہوں۔ بولا بھتیجے ایسا کیوں کرتے ہو خدا کی قسم میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا حضرت علی نے فرمایا بخدا میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں یہ سنتے ہی عمرو گرما گیا اور گھوڑے سے اتر کر اس کی ٹانگوں کو زخمی کر دیا یا اس کے منہ پر ایک ضرب رسید کی پھر حضرت علی کی طرف پل پڑا دونوں نے ایک دوسری کی پکڑ کی اور کشتی کرنے لگے آخر حضرت علی نے اس کو قتل کر دیا دوسرے سوار شکست کھا کر خندق میں گھس کر بھاگ گئے اس روز عمرو کے دو سپاہی بھی مارے گئے منبہ بن عثمان بن عبدالسیاق بن عبدالدار کے ایک تیر لگ گیا تھا جس سے مکہ میں پہنچ کر اس کا انتقال ہو گیا۔

نوفل بن عبداللہ کا انجام

اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی خندق کے اندر گھس کر جب درمیان میں پہنچا تو مسلمانوں نے اس پر سنگ باری کی۔ کہنے لگا، اے گروہ عرب (لڑائی کا یہ کیا طریقہ ہے) جنگ کا طریقہ اس سے بہتر ہونا چاہیئے (یعنی دو بدو لڑائی ہونی چاہیے) فوراً حضرت علی میدان میں اتر پڑے اور عبداللہ کو قتل کر دیا اور مسلمان غالب آ گئے۔ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مقتول کی لاش ہم کو بقیمت واپس دے دیجئے فرمایا ہم کو نہ اس کی لاش درکار ہے نہ قیمت کی ضرورت لاش کو لے جاؤ۔ چنانچہ آپ نے لاش لے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت سعد بن معاذ کا جذبہ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے خندق کی لڑائی کے دن ہم بنی حارثہ کی گڑھی میں تھے مدینہ کے قلعوں میں یہ سب سے محفوظ قلعہ تھا سعد بن معاذ بھی ہمارے ساتھ گڑھی کے اندر تھے۔ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے سعد بن معاذ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے قلعہ سے باہر نکلے ہاتھ کی بانہہ کھلی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں چھوٹا برچھا تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ کاش لڑائی کو میرا اونٹ پا لیتا جب موت کا مقرر وقت آ جائے تو مرنے میں کوئی باک نہیں۔

سعد کی ماں نے کہا بیٹے بہت جلد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک) جا پہنچ۔ بخدا تو نے دیر کر دی (تو پیچھے رہ گیا) میں نے کہا سعد کی اماں سعد جو زرہ پہنے ہیں میں چاہتی ہوں کہ اس سے بڑی زرہ ان کے بدن پر ہو مجھے اندیشہ ہے کہیں ان کے (برہنہ حصہ پر) کوئی تیر نہ آ لگے سعد کی ماں نے کہا اللہ کا جو حکم ہو گا وہ پورا ہو کر رہے گا (آخر) سعد کے ایک تیر لگ گیا جس سے اکحل رگ کٹ گئی یہ تیر حیان بن قیس عرقہ عامری نے مارا تھا سعد نے (ابن عرقہ کو بددعا دی کہ) اللہ تجھے دوزخ میں درد رسیدہ کرے پھر کہا، اے اللہ اگر تو نے قریش سے لڑائی آئندہ باقی رکھی ہو تو مجھے اس میں شریک ہونے کے لئے باقی رکھ کیونکہ کسی قوم سے لڑنے کی مجھے اتنی خواہش نہیں جتنی اس قوم سے لڑنے کی ہے جس نے تیرے رسول کو ستایا اور جھٹلایا اور (وطن سے) نکالا اور اگر تو نے ہماری اور قریش کی لڑائی ختم کر دی ہو تو اسی (زخم) کو میرے لئے سبب شہادت بنا دے لیکن جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ (کی تباہی) کو دیکھ کر ٹھنڈی نہ ہو جائیں مجھے موت سے محفوظ رکھ دورِ جاہلیت میں حضرت سعد بن معاذ اور بنی قریظہ باہم حلیف اور معاہد تھے۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی بہادری

مجاہد اور محمد بن اسحاق نے بحوالہ یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر عباد کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے فرمایا، ہم حسان بن ثابت کی گڑھی میں تھیں حسان بھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ موجود تھے، ہم نے دیکھا کہ ایک یہودی گڑھی کے آس پاس چکر لگا رہا ہے، اس وقت بنی قریظہ کی رسول اللہ سے جنگ تھی (معاہد ٹوٹ چکا تھا) بنی قریظہ کے اور ہمارے درمیان کوئی محافظ موجود نہ تھا کہ یہودیوں کی ہماری طرف سے مدافعت کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کافروں کے مقابلہ میں مشغولِ جنگ تھے دشمن کی طرف سے منہ موڑ کر ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے ایسی حالت میں وہ یہودی (گھومتا اور ٹوہ لیتا نظر) آیا تھا میں نے حسان سے کہا حسان تم

Marfat.com

دیکھ رہے ہو کہ یہ یہودی گڑھی کے آس پاس چکر لگا رہا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ شخص کسی غیر محفوظ جگہ سے یہودیوں کو اندر لے آئے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مشغولِ مقابلہ ہیں (یہاں پہنچ کر ہماری مدد نہیں کر سکتے) تم گڑھی سے اتر کر جاؤ اور اس کو قتل کر دو حسان نے کہا اے بنت عبدالمطلب اللہ آپ کی مغفرت کرے آپ تو واقف ہی ہیں کہ بخدا میں ایسا کرنے کا اہل نہیں ہوں جب میں نے حسان کا یہ جواب سن لیا اور سمجھ گئی کہ حسان کے اندر یہودی کو قتل کرنے کی بالکل جرأت نہیں ہے تو میں نے خود تہبند کسی اور خیمہ کی ایک ٹیکی لے کر گڑھی سے نکلی اور اس کی گردن پر ایسی ماری کہ وہ مر گیا قتل کر کے گڑھی میں لوٹی تو میں نے حسان سے کہا اب تم جا کر اس کے کپڑے اور ہتھیار اتار لو، یہ اجنبی مرد ہے اس لئے میں خود ایسا نہیں کر سکتی۔ حسان نے کہا بنت عبدالمطلب مجھے اس کے سامان کی ضرورت نہیں۔

یہودیوں کے شب خون کا انسداد

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ بنی قریظہ نے مدینہ پر شب خون مارنا چاہا تھا اور قریش سے اس کام کے لئے مدد کی خواہش کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے سلمہ بن اسلم کی قیادت میں دو سو آدمیوں کو اور زید بن حارثہ کی قیادت میں تین سو آدمیوں کو مقرر کر دیا کہ مدینہ کے (مختلف) مقامات اور گڑھیوں کی حفاظت رکھیں، یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ عباد بن بشیر اپنے ساتھیوں کو لے کر ہر رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکیداری کرتے تھے۔ مشرک چاہتے تھے کہ خندق کے پار آ جائیں اور مسلمان سنگباری کر کے اور تیر مار مار کر ان کو روک رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس بھی چوکسائی رکھتے تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

مسلم و بخاری نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو ایک رات کو بیدار رہے اور فرمایا، کاش کوئی نیک مرد ایسا ہوتا جو میری چوکسائی کرتا اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا سعد ہے فرمایا کیوں آئے ہو سعد نے کہا میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک اندیشہ پیدا ہوا اس لئے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکسائی کے لئے فوراً حاضر ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو دعا دی پھر سو گئے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، خندق کے زمانہ میں جس روز سے سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکسائی کرنی شروع کی تھی جب ہی سے مجھے سعد سے محبت ہو گئی تھی۔

سخت سردی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود نگرانی کرنا

خندق میں ایک مقام ایسا تھا جہاں سے کافروں کے عبور کر آنے کا اندیشہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس جگہ کی نگرانی کرتے تھے اور جب سخت سردی محسوس ہونے لگتی تو میرے پاس آ جاتے اور مجھ سے (مل کر) گرمی حاصل کرتے پھر چلے جاتے اور چوکسائی کرنے لگتے تھے۔ اور فرماتے تھے مجھے صرف اس جگہ سے لشکر (کے گھس آنے) کا اندیشہ ہے ایک بار جو میرے پاس سردی سے سکون حاصل کرنے کے لئے آئے تو فرمایا، کاش کوئی نیک مرد ایسا ہوتا جو آج رات میری چوکیداری کرتا کہ میں سو جاتا اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا، سعد۔ سعد نے کہا ہم (لوگ) اس جگہ کی نگرانی کر رہے ہیں یہ جواب سن کر حضور سو گئے۔ یہاں تک کہ میں نے آپ کی سانس کی آواز سن لی (یعنی خراٹے لینے لگے)

ایک تنگ مقام پر مشرکوں کی شکست

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس چوکسائی کرتے تھے اور سردی سخت ہوتی تھی ایک رات آپ نے اپنے ڈیرے میں نماز پڑھی پھر جا کر چوکسائی کرنے لگے اور فرمایا، مشرکوں کے سوار خندق کے گرداگرد گھوم رہے ہیں پھر آواز دی عباد بن بشیر عباد نے جواب دیا حاضر یا رسول اللہ فرمایا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے، عباد نے کہا جی ہاں میرے قبیلہ کے کچھ لوگ چوکیداری کر رہے ہیں فرمایا اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے جاؤ خندق کے آس پاس کچھ مشرک موجود ہیں جو شب خون مارنا چاہتے ہیں جا کر ہماری طرف سے ان کی شرارت کو دور رکھو اور ان کو دور رکھنے کے لئے ہماری مدد کرو۔ فوراً عباد اپنے آدمیوں کو لے کر خندق کی طرف چلے گئے جا کر دیکھا کہ ابوسفیان اور کچھ دوسرے مشرک خندق کے تنگ مقام میں گھس آئے ہیں اور مسلمان تیر مار مار کر اور پتھر برسا کر ان کو روک رہے ہیں اتنے میں عباد جا پہنچے عباد کا بیان ہے میں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں پر پتھر برسائے آخر شکست کھا کر مشرک بھاگ گئے

Marfat.com

پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا، آپ نماز میں مشغول تھے نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے واقعہ بیان کیا۔

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے کہ میں نے آپ (کی سانس) کی آواز سن لی اور بلال کی اذانِ فجر دینے تک بیدار نہیں ہوئے۔ اذان کے بعد باہر نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حضرت امِ سلمہؓ فرمایا کرتیں اے اللہ عباد بن بشیر پر رحمت نازل فرما۔

صحابہ کے نعرے

حضرت امِ سلمہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ کے اندر سو رہے تھے آدھی رات ہوئی تو کچھ آوازیں اٹھیں میں نے سنا لوگ کہہ رہے تھے اے شہسواران خدا سوار ہو جاؤ اس جہاد میں مہاجروں کا یہ امتیازی نعرہ (مقرر) تھا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جب کافر رات کو تم پر چھاپہ ماریں تو تمہارا امتیازی نعرہ حٰمٓ لَایُنْصَرُوْنَ ہونا چاہیئے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ یہ نعرہ انصار کا تھا اور پہلا نعرہ مہاجرین کا۔

مشرکوں کی شرارت کا خاتمہ

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہو کر خیمہ کے باہر تشریف لے گئے اور ملاحظہ فرمایا کہ کچھ لوگ جن میں عباد بن بشیر بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکیداری کر رہے ہیں عباد سے دریافت فرمایا، یہ آوازیں کیسی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد کو حکم دیا کہ جا کر خبر لاؤ عباد چلے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا انتظار کرتے رہے کچھ دیر کے بعد عباد آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ عمرو بن عبدود مشرکوں کی ایک ٹولی لے کر مسلمانوں سے لڑ رہا ہے باہم تیر اندازی اور سنگباری کر رہے ہیں یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور ہتھیار اٹھا کر برآمد ہوئے پھر گھوڑے پر سوار ہو کر صحابہ کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد خوش خوش واپس آ گئے اور فرمایا اللہ نے ان کی شرارت کو دفع کر دیا اور وہ بہت زخم کھا کر شکست پا کر بھاگ گئے اس کے بعد حضور لیٹ کر سو گئے کہ مجھے آپ کے سانس کی آواز سنائی دینے لگی کچھ مدت کے بعد پھر دوبارہ آوازیں اٹھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور فرمایا عباد دیکھو یہ کیسی آوازیں ہیں عباد گئے اور واپس آ کر عرض کیا یا رسول اللہ ضرار بن خطاب مشرکوں کا ایک ٹولہ لے کر مسلمانوں سے تیر اندازی اور سنگباری کی جنگ کر رہا ہے حضور والا مسلح ہو کر خیمہ سے برآمد ہوئے اور کافروں سے لڑتے رہے اسی میں صبح ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ گئے اور فرمایا وہ لوگ بہت سے زخم کھا کر بھاگ گئے۔

غزوۂ خندق کی شدت

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں غزوۂ مریسع، خیبر، حنین اور فتح مکہ کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی لیکن کوئی غزوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا شاق اور دشوار نہیں گزرا جتنا غزوۂ خندق شدید گزرا، اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت زخم آئے اور زمانہ بھی یہ سخت سردی اور تنگ حالی کا تھا۔

نمازوں میں تاخیر

روایت میں آیا ہے کہ ایک روز کافر جمع ہوئے اور پورے خندق کو آ گھیرا اور سخت لڑائی کی یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز کی فرصت نہیں ملی ظہر کی نماز بھی فوت ہو گئی اور عصر کی بھی اور مغرب کی بھی پھر عشاء کے وقت یہ نمازیں ادا کیں۔

نسائی نے سنن میں لکھا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری نے بیان کیا خندق کے دن ہم کو ظہر عصر مغرب اور عشاء کی نمازوں کی فرصت نہیں مل سکی آخر اللہ نے ہمارا کام پورا کر دیا اسی کے متعلق اللہ نے آیت وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ نازل فرمائی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز کے ارادے سے کھڑے ہوئے (بلال نے) اقامت کہی اور آپ نے اسی طرح ظہر کی نماز پڑھی جس طرح پہلے پڑھتے تھے، پھر اقامت کہی اور حسبِ سابق عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عشاء کی نماز معمولِ سابق کے مطابق ادا کی۔ یہ واقعہ آیت فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا کے نزول سے پہلے کا ہے (اس آیت کے نزول کے بعد تو صلوٰۃِ خوف کا حکم اور اس کی طریقہ بتا دیا گیا) ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت بیان کی ہے لیکن صلوٰۃ عشاء کا اس میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ نماز عشاء تو اپنے وقت میں ادا کی تھی لیکن دوسری روایت میں جو عشاء کی نماز بھی ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز بھی اپنے معمول سے مؤخر ہو گئی تھی۔

نماز میں تاخیر پر مشرکین کو بددعائیں

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے آیا ہے کہ

Marfat.com

غروب آفتاب کے بعد حضرت عمر بن خطاب کفار قریش کو بُرا بھلا کہتے ہوئے آئے اور عرض کیا یارسول اللہ میں تو (عصر کی) نماز بھی نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ اب سورج ڈوبنا ہی چاہتا ہے حضور نے فرمایا، میں نے بھی ابھی نماز نہیں پڑھی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم بطحان میں اترے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے وضو کیا اور حضور نے عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی پھر نماز عصر کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

صحیحین میں حضرت علی کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا اللہ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے (اسی طرح) بھر دے جس طرح انہوں نے غروب آفتاب تک ہم کو درمیانی نماز (عصر کی نماز) پڑھنے کی فرصت نہیں دی۔ مسلم کی روایت میں آیا ہے پھر عصر کی نماز حضور نے مغرب وعشاء (کی نمازوں) کے درمیان پڑھی۔

مسئلہ: اگر چند نمازیں فوت ہوگئی ہوں تو پہلی نماز لوٹانے کے لئے اذان دی جائے (اور اقامت کہی جائے) پھر باقی نمازوں میں سے ہر نماز کی قضاء کے لئے صرف اقامت کہے بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کو لوٹانے کے وقت اذان بھی دی جائے اور اقامت بھی کہی جائے۔ بزار کی روایت کردہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

کافروں کی شکست کیلئے دُعاء

جب مسلمانوں پر تکلیف بہت زیادہ ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے لئے بددعا کی اور اللہ نے آپ کی دعا قبول بھی فرمائی، چنانچہ بخاری نے صحیح میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب (وہ قبائل جو متفق ہوکر مدینہ پر چڑھ آئے تھے) کے لئے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ، اے کتاب نازل کرنے والے اے جلد حساب فہمی کرنے والے احزاب کو شکست دے دے اور ان کو جھنجھوڑ دے (ان کے قدم اکھاڑ دے)

میں کہتا ہوں، حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے لئے تین روز پیہم مسجد فتح میں بددعا کی۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ دوشنبہ سہ شنبہ اور چارشنبہ کے لئے بددعا کی، چارشنبہ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے خوشی کے آثار چہرۂ مبارک پر دیکھ لئے۔ روای کا بیان ہے اس کے بعد جو مصیبت ہم پر آئی اور ہم نے اس ساعت میں (یعنی ظہر وعصر کے درمیان) اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ہماری دعا ضرور قبول فرمائی۔

ایک خفیہ مسلمان کی خفیہ تدبیر

بغوی کا بیان ہے نعیم بن مسعود بن عامر بن غطفان نے (پوشیدہ طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ میں مسلمان ہوگیا ہوں لیکن میری قوم والوں کو میرا مسلمان ہو جانا معلوم نہیں ہے اب آپ ہم کو جو چاہیں حکم دیں (ہم اس کی تعمیل کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہماری جماعت میں تنہا ہو اگر کر سکتے ہو تو (ان جماعتوں میں پھوٹ ڈالدو اور) ایسا کردو کہ ہماری طرف سے ان کا رُخ مڑ جائے اور ایک جماعت دوسری کی مدد نہ کرے کیونکہ لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔

میں کہتا ہوں، دوسری روایت میں آیا ہے کہ نعیم نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ مجھے یہ اجازت دیجئے کہ میں (ان سے) جو کچھ چاہوں کہوں (خواہ بات جھوٹی ہو) حضور نے اجازت دے دی۔ اجازت پا کر نعیم بنی قریظہ کے پاس پہنچے (اسلام سے پہلے نعیم بنی قریظہ ہم نشین تھے) اور کہا اے بنی قریظہ تم واقف ہو کہ میں تمہارا خالص دوست ہوں، بنی قریظہ نے کہا تم نے سچ کہا، ہماری نظر میں تم مشکوک نہیں ہو۔ نعیم نے کہا تو (سنو) قریش اور غطفان لڑائی کے لئے آئے ہیں اور تم ان کے مددگار ہو لیکن ان کی حالت تمہاری حالت کی طرح نہیں ہے یہ شہر تمہارا شہر ہے اس میں تمہارا مال ہے اہل وعیال ہیں تم اس کو چھوڑ کر دوسرے شہر کو نہیں جا سکتے رہے قریش وغطفان (وہ یہاں کے باشندے نہیں ہیں) ان کے مال اور اہل وعیال یہاں سے دور ہیں اگر کامیابی کا موقع اور مال غنیمت ان کے ہاتھ آ گیا تو بہتر ورنہ اپنے شہروں کو چلے جائیں گے اور تم کو اس شخص کے مقابلہ پر تنہا چھوڑ دیں گے اور یہ شخص تمہارے شہر میں رہتا ہے تنہا اس کا مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔ (مناسب یہ ہے کہ) تم اعتماد حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کے کچھ سرداروں کو اپنی تحویل میں بطور رہن رکھ لو تا کہ وہ تم کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں اگر وہ ایسا کرلیں تو ان کے ساتھ مل کر تم محمد سے لڑو اور کھل کر ان کا مقابلہ کرو (اگر وہ ایسا نہ کریں تو سمجھ لو کہ ان کی نیت بُری ہے) بنی قریظہ نے کہا تم نے صحیح مشورہ دیا۔ پھر نعیم یہاں سے نکل کر قریش کے

Marfat.com

پاس پہنچے اور ابوسفیان وسرداران قریش سے کہا تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں اور محمد کے متعلق جو رائے رکھتا ہوں اس سے بھی تم واقف ہو مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔ میں بطور خیر خواہی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ وہ خبر تم تک پہنچادوں لیکن اس کو پوشیدہ رکھنا قریش نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے نعیم نے کہا تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ گروہ یہود اب اپنے کئے پر پشیمان ہیں اور محمد کے پاس انہوں نے پیام بھیجا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہم اس پر نادم ہیں (اس کی تلافی میں) اگر ہم قریش وغطفان کے کچھ سرداروں کو پکڑ کر تمہارے حوالے کردیں تا کہ تم ان کی گردنیں اڑادو تو کیا تم ہم سے راضی ہو جاؤ گے پھر ہم اور تم مل کر باقی لوگوں کا مقابلہ کریں گے محمد نے جواب میں کہلا بھیجا بہتر ہے (ہم اس شرط پر تم سے مصالحت کے لئے تیار ہیں) لہذا یہودی اگر تمہارے پاس پیام بھیجیں اور تمہارے سرداروں کو اپنے پاس بطور گروی رکھنا چاہیں تو تم اپنا ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔ اس کے بعد نعیم غطفان کے پاس پہنچے اور کہا اے گروہِ غطفان تم میرا کنبہ قبیلہ ہو اور میرے پیارے ہو میرا خیال ہے کہ تم مجھے مشکوک نہیں سمجھتے ہو بنی غطفان نے کہا ایسا ہی کریں گے اس کے بعد نعیم نے جو بات قریش سے کہی تھی وہی غطفان سے بھی کہہ دی اور جس بات کا ان کو اندیشہ دلایا تھا اسی بات کا خوف بنی غطفان کو بھی دلایا۔

کافروں میں پھوٹ

شنبہ کی رات ماہ شوال ۵ھ کو اللہ نے اپنے رسول کی کارسازی اس طرح کی کہ ابوسفیان نے ورقہ بن غطفان اور عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ قبیلہ غطفان وقریش کے چند آدمیوں کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا ان لوگوں نے جا کر بنی قریظہ سے کہا کہ ہم یہاں قیام کرنے تو آئے نہیں۔ ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہوئے جارہے ہیں آپ لوگ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں تا کہ ہم کھل کر باہر نکل کر محمد سے جنگ کریں اور اس جھگڑے سے فارغ ہو جائیں جو ہمارا محمد سے ہے یہودیوں نے پیام بھیجا آج سنیچر کا دن ہے سنیچر کے دن ہم کوئی کام نہیں کرتے ہم میں سے بعض لوگوں نے سنیچر کے دن کچھ بدعت کی تھی اس کی جو سزا ان کو ملی وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے پھر ایک بات یہ ہے کہ جب تک ہمارے پاس اپنے کچھ آدمی بطور رہن نہ چھوڑ دو گے ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑنے والے نہیں ہیں اگر ایسا کردو گے تو ہم کھل کر محمد سے لڑیں گے ہم کو اندیشہ ہے کہ اگر لڑائی سے تم کو کچھ نقصان پہنچا اور جنگ کی شدت ہوئی تو تم ہم کو چھوڑ کر اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ گے اور یہ لوگ ہمارے اسی شہر کے باشندے ہیں ہم تنہا ان سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ قاصد جب بنی قریظہ کا یہ جواب لے کر لوٹے تو قریش و غطفان نے کہا تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نعیم بن مسعود نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے اس کے بعد ان لوگوں نے بنی قریظہ کو کہلا بھیجا کہ اپنا ایک آدمی بھی ہم تمہارے قبضہ میں نہیں دیں گے اگر (بلاشرط) تم (محمد سے) لڑنا چاہتے ہو تو نکلو اور جنگ کرو قاصد یہ پیام لے کر بنی قریظہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا نعیم بن مسعود نے جو بات کہی تھی وہ بالکل سچ تھی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر (فتح کا) ان کو موقع مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھیں ورنہ سمٹ کر اپنے شہروں کو چلے جائیں اور تم کو تمہارے گھروں میں اس شخص کے مقابل تنہا چھوڑ جائیں اس کے جواب میں بنی قریظہ نے قریش اور غطفان کو وہی پیام بھیجا کہ یا تو اطمینان کے لئے تم اپنے کچھ سرداروں کو ہمارے پاس بطور گروی چھوڑ دو لیکن قریش نے نہ مانا اس طرح اللہ نے ایک کو دوسرے کی مدد سے محروم کر دیا شدید سردی کی رات تھی اور بہت ہی سخت ٹھنڈک تھی اللہ نے ایک طوفانی ہوا بھیج دی جس سے کافروں کی (چڑھائی ہوئی) ہانڈیاں الٹ گئیں اور ہوا نے برتنوں کو پھینک دیا۔

سردی کی شدت میں حضرت حذیفہ کا جاسوسی کیلئے جانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی پھوٹ کی اطلاع ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو یہ بات معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ رات کو کیا واقعہ ہوا محمد بن اسحاق نے بوساطتِ زید بن زیاد۔ محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے اور بعض اہلِ روایت نے ابراہیم تیمی کے والد کا قول بھی بیان کیا ہے دونوں کی روایت ہے کہ ایک کوفی جوان نے حضرت حذیفہ بن یمان سے دریافت کیا ابوعبداللہ کیا آپ (حضرات) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے حضرت حذیفہ نے فرمایا، ہاں بھتیجے (ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے) جوان نے کہا پھر تمہارا سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، حضرت حذیفہ نے فرمایا، ہم تیاری کرتے تھے جوان بولا اگر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر پیدل نہ چلنے دیتے اپنی گردنوں پر اُٹھائے رہتے اور آپ کی (ہر وقت) خدمت کرتے

Marfat.com

حضرت حذیفہ نے فرمایا، بھتیجے (تم کو کیا معلوم کہ وہ زمانہ کتنی مصائب کا تھا) خدا کی قسم وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ احزاب کی ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (اور انتہائی سخت سردی تھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کوئی ایسا ہے کہ اُٹھ کر جائے اور ہم کو ان لوگوں کی خبر لا کر دے جو کوئی ایسا کرے گا، اللہ اس کو جنت میں داخلہ عطا فرمائے گا، یہ بات سُن کر (بھی) ہم میں سے کوئی نہیں اُٹھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر تک نماز پڑھی اور نماز کے بعد ہماری طرف رُخ موڑ کر وہی پہلی بات فرمائی لیکن سب لوگ خاموش رہے ہم میں سے کوئی بھی نہیں اُٹھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر دیر تک نماز پڑھتے رہے اور نماز کے بعد فرمایا جو شخص اُٹھ کر جائے گا اور دیکھ کر ہم کو آ کر بتائے گا کہ ان لوگوں نے کیا کیا تو وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا، یہ سننے کے بعد بھی سخت سردی سخت بھوک اور شدت خوف کی وجہ سے کوئی شخص بھی نہیں اُٹھا جب کوئی نہیں اُٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا اور پکار کر کہا حذیفہ اب میرے لئے اُٹھے بغیر کوئی چارہ نہ رہا، میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ پھر اُٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اس وقت (سردی کی وجہ سے) میرے دونوں پہلو کپکپا رہے تھے حضور نے میرے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیرا پھر فرمایا ان لوگوں کے پاس پہنچ کر ان کی خبر لاؤ لیکن میرے پاس پہنچنے تک کچھ (چھیڑ چھاڑ) کر نہ بیٹھنا اس کے بعد فرمایا اے اللہ آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے اس کو اپنی حفاظت میں رکھ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مشرکین میں گھس جانا

میں نے اپنے تیر لئے ہتھیار باندھے اور پیدل اُن کی طرف روانہ ہو گیا۔ نکلا ہی ہوں تو ایسا معلوم ہوا کہ حمام میں چل رہا ہوں (ساری سردی غائب ہوگئی) چلتے چلتے ان لوگوں کے اندر داخل ہو گیا۔ اللہ کے حکم سے ان لوگوں پر ایک ہوا کا طوفان اور (غیبی) لشکر آ گیا اور اللہ کے اس لشکر نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ ان کی ایک ہانڈی کو (چولھے پر) اور آگ کو (چولھے میں) اور ڈیرے چھولداری کو (زمین پر) قائم نہ رہنے دیا اس وقت ابوسفیان آگ کے پاس بیٹھا تاپ رہا تھا میں نے تیر نکالا کمان کے چلہ پر چڑھایا اور چھوڑنا چاہتا ہی تھا کیونکہ اگر اس وقت میں تیر چھوڑ دیتا تو ٹھیک ابوسفیان کے لگ جاتا۔ لیکن مجھے اللہ کے رسول کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے۔ اس لئے میں نے تیر واپس نکال کر رکھ لیا۔ ابوسفیان نے جو یہ تباہی دیکھی تو کہا اے گروہ قریش تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لے اور دیکھ لے کہ وہ کون ہے (تاکہ کوئی جاسوس ہمارے لشکر میں نہ گھس آئے۔ شناخت ہو جائے) یہ سن کر میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا تو کون ہے اس نے جواب دیا سبحان اللہ کیا تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں بن فلاں ہوں وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا۔

مشرکین کی پسپائی

ابوسفیان نے کہا اے گروہ قریش تمہارے قیام کی یہ جگہ نہیں ہے (کہ ہمیشہ یہاں رہنا ہو) اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو گئے بنی قریظہ نے بھی ہم سے غداری کی اور ان کی طرف سے ہم کو وہ (پیام) ملا جو ہمارے لئے ناگوار تھا ادھر اس طوفان کی وجہ سے جو بپتا ہم پر پڑی وہ تم لوگ دیکھ ہی رہے ہو لہٰذا کوچ کر چلو میں تو روانہ ہو رہا ہوں اس کے بعد ابوسفیان اُٹھ کھڑا ہوا اور اونٹ کے پاس پہنچا اونٹ کے پاؤں میں اس وقت ڈھنگنا بندھا ہوا تھا (اور وہ بیٹھا ہوا تھا) ابوسفیان اس پر سوار ہو گیا اور اس کو مارا اونٹ فوراً تین ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا چوتھی ٹانگ کا ڈھنگنا کھڑا ہونے کی حالت میں کھولا گیا۔ میں نے سنا ہے کہ جو عمل قریش نے کیا وہی غطفان نے بھی کیا اور سب اپنے شہروں کو لوٹ پڑے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا خوشخبری لے کر لوٹنا

میں رسول اللہ کی طرف لوٹ آیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں حمام میں چل رہا ہوں خدمتِ گرامی میں پہنچا تو آپ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے سلام پھیرا تو میں نے ان لوگوں کا واقعہ عرض کیا۔ حضور ہنس پڑے اتنے کہ رات کی تاریکی میں (سفید چمکدار) کچلیاں نمودار ہو گئیں۔ جب میں اطلاع دے چکا تو وہ سینک (جو اس آمد و رفت اور ٹوہ لگانے کے دوران حمام کی گرمی جیسی محسوس ہو رہی تھی وہ) بھی غائب ہو گئی (اور حسب سابق سردی محسوس ہونے لگی) حضور نے مجھے اپنے قریب اپنے قدموں کے پاس کر لیا اور اپنے کپڑے کا ایک پلہ میرے اوپر ڈال دیا اور میرا سینہ اپنے تلووں سے چمٹا لیا اس طرح میں برابر سوتا رہا جب صبح ہو گئی تو حضور نے فرمایا اے سونے والے اب اُٹھ جا۔

فرشتوں کا اثر

میں کہتا ہوں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کی روایت سے

Marfat.com

بیان کیا کہ جب مشرکوں کے لشکر پر اللہ نے ہوائی طوفان مسلط کر دیا اور اطراف لشکر میں فرشتوں نے تکبیر کہی (یعنی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا) تو طلحہ بن خویلد اسدی نے کہا (لوگو) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر جادو کرنا شروع کر دیا اس لئے تیزی کے ساتھ نکل جاؤ جلدی کرو یہ سنتے ہی بغیر لڑے لوگ بھاگ نکلے۔

رحمۃ للعالمین کا اثر

میں کہتا ہوں شیخ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو ہوا ہر کافر کو چورا چورا کئے بغیر نہ چھوڑتی جیسا عاد کی قوم کے ساتھ ریح عقیم نے کیا تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرشتوں کی بات چیت

دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں کافروں کے لشکر کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا تو اثناء راہ میں میں نے بیس سوار دیکھے جن کے عمامے سفید تھے انہوں نے مجھ سے کہا اپنے ساتھی سے جا کر کہہ دینا کہ اللہ نے تمہارا کام پورا کر دیا اور تمہارے دشمنوں کے شر کو دفع کر دیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

شیخین نے صحیحین میں حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا ان لوگوں (یعنی لشکر کفار) کی خبر کون ہم کو لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ حضور نے پھر فرمایا ان لوگوں کی خبر کون ہم کو لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ (تیسری بار) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کی خبر ہم کو کون لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ اس پر حضور نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے۔

کافروں کی دائمی پسپائی

بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد نے فرمایا جب کافروں کی جماعتیں (احزاب کے دن) نکل کر چلی گئیں تو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا (آئندہ) ہم ان سے جا کر جہاد کریں گے وہ آ کر ہم سے نہیں لڑیں گے ہم ان کی طرف جائیں گے۔

واپس شہر لوٹنے کی دُعاء

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد یا حج یا عمرہ سے لوٹ کر شہر میں پہنچتے تو تین بار اللہ اکبر کہہ کر فرماتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ. اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ.

تنہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کی حکومت ہے اسی کے لئے ہر طرح کی حمد مناسب ہے وہ ہی ہر چیز پر قابو رکھتا ہے ہم (اسی کی طرف) لوٹنے والے ہیں اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (اسی کی) عبادت اور سجدہ کرنے والے ہیں اپنے رب ہی کی ہم حمد کرنے والے ہیں اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جماعتوں کو تنہا شکست دے دی۔

مقتولین کی تعداد

محمد بن عمر کا قول ہے کہ جنگ خندق میں چھ مسلمان شہید ہوئے اور چھ مشرک بھی مارے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ
جب چڑھ آئے تم پر اُوپر کی طرف سے اور نیچے سے

یعنی مدینہ کی شرقی جانب سے جو اونچی ہے اور غربی جانب سے جو نیچی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ
اور جب بدلنے لگیں آنکھیں

یعنی دہشت و حیرت سے آنکھیں پھرنے لگیں اور لوگوں کے تیور بدلنے لگے۔ دوستی جتانے والے لگے آنکھیں چُرانے۔ (تفسیر عثمانی)

انتظامی، معاشرتی امتیاز اسلامی وحدت اور اسلامی قومیت کے منافی نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کے لئے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور حضرات انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا، اس وقت مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کے تعلقات بڑی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم تھے، اور سب بھائی بھائی تھے، مگر انتظامی سہولت کے لئے مہاجرین کی قیادت الگ اور انصار کی

Marfat.com

الگ کر دی گئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قومیت اور اسلامی وحدت انتظامی اور معاشرتی تقسیم کے منافی نہیں بلکہ ہر جماعت پر ذمہ داری کا بوجھ ڈال دینے سے باہمی اعتماد اور تعاون وتناصر کے جذبہ کی تقویت ہوتی تھی، اور اس جنگ کے سب سے پہلے کام یعنی خندق کھودنے میں اس تعاون وتناصر کا اس طرح مشاہدہ ہوا:

خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر کے مہاجرین وانصار کو دس دس آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا۔ (معارف مفتی اعظم)

غزوہ خندق کا موسم اور فرشتوں کا رعب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خندق والی رات سخت جاڑے اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے جو صحابی تمہیں ملیں انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے آئیں۔ اب میں چلا۔ ہوائیں زناٹے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں۔ مجھے جو مسلمان ملا میں نے اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور جس نے سُنا اُلٹے پاؤں فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیا یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مُڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ہوا میری ڈھال کو دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی یہاں تک کہ اُس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جسے میں نے نیچے پھینک دیا۔ اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ خدا تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رُعب سے بھر دیئے۔ یہاں تک کہ جتنے سردارانِ لشکر تھے اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بُلا بُلا کر کہنے لگے نجات کی صورت تلاش کرو، بچاؤ کا انتظام کرو۔ یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا ڈر اور رُعب اور یہی وہ لشکر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ
اور پہنچے دل گلوں تک

یعنی خوف وہراس سے دل دھڑک رہے تھے گویا اپنی جگہ سے اُٹھ کر گلے میں آ لگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا
اور اٹکلیں لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں

غیر یقینی حالات

یعنی کوئی کچھ سمجھتا تھا کوئی کچھ اٹکلیں لڑا رہا تھا۔ مسلمانوں نے سمجھا کہ اس مرتبہ اور سخت آزمائش آئی، دیکھئے کیا صورت پیش آئے۔ کچے ایمان والوں نے خیال کیا کہ بس جی اب کی بار نہیں بچیں گے۔ منافقین کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آگے ان کے مقولے آ رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا
وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور کا جھڑجھڑانا

حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دشمن کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ اُس کا مفصل قصہ حدیث میں پڑھو تو اس جھڑجھڑانے کی کیفیت کا کچھ اندازہ ہو۔ یہاں ترجمہ کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے
مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا
جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا

منافقوں کی بزدلی

بعض منافق کہنے لگے کہ پیغمبر صاحب کہتے تھے کہ میرا دین مشرق و مغرب میں پھیلے گا اور فارس، روم، صنعاء کے محلات مجھ کو دیئے گئے۔ یہاں تو مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ وعدے کہاں ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مسلمان کو چاہیے اب بھی نا اُمیدی کے وقت بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ
اور جب کہنے لگی ایک جماعت اُن میں اے یثرب والو

یثرب

''یثرب'' مدینہ طیبہ کا پُرانا نام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

تشریف آوری سے ''مدینۃ النبی'' ہوگیا۔ (تفسیر عثمانی)

یثرب سے مراد ہے مدینہ۔ ابوعبیدہ نے کہا یثرب ایک قطعۂ زمین کا نام ہے جس کے ایک حصہ میں مدینہ رسول واقع ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ طابہ ہے حضور نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لئے پسند نہیں فرمایا کیونکہ یثرب کا لفظ ثربہ 'یَثربہُ اور ثربَہُ اور ثَرَّبَ عَلَیہِ اور اَثْرَبَہُ سے مشتق ہے (یعنی مادہ سب کا ایک ہے لیکن استعمال فَعل یَفْعِل اور تفصیل اور افعال سے ہوتا ہے اور ثرب ہو یا اثراب یا تثریب سب کا معنی ہے ملامت کرنا۔ عار دلانا کسی جرم پر دلیل کرنا اور مُثْرِب اس شخص کو کہتے ہیں جو بخشش میں دراز دست نہ ہو۔ قاموس۔ مقام یا اسم ظرف ہے ٹھیرنے کا موقع۔ یا مصدر ہے (باب افعال کا) (تفسیر مظہری)

لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ
تمہارے لئے ٹھکانہ نہیں، سو پھر چلو اور رخصت مانگنے لگا ایک فرقہ اُن میں
النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ
نبی سے کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے
اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا
اُن کی کوئی غرض نہیں مگر بھاگ جانا

منافقوں کا مشورہ اور بہانے

یعنی سارے عرب ہمارے دشمن ہوئے تو ہم کو رہنے کا ٹھکانا کہاں۔ سب لشکر سے جُدا ہو کر گھر لوٹ چلو۔ اور حضرت لشکر کے ساتھ باہر کھڑے تھے شہر میں مضبوط حویلیوں کے ناکے بند کر کے زنانے اُن میں رکھ دیئے تھے۔ یہ بہانہ کرنے لگے کہ ہمارے گھر کھُلے پڑے ہیں کہیں چور گھُس کر لوٹ نہ لیں۔ اور یہ محض جھوٹ بات بناتی تھی۔ غرض یہ تھی کہ بہانہ کر کے میدان سے بھاگ جائیں۔ چنانچہ جو اجازت لینے آیا آپ اجازت دیتے رہے کچھ پرواہ تکثیر سواد کی نہ کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تین سُو نفوس قدسیہ آپ کے ساتھ باقی رہ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگی تدبیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ قبیلۂ غطفان کے رئیس نے ان یہودیوں کے ساتھ شرکتِ خیبر کے پھل اور کھجور کی طمع میں کی ہے، آپ نے غطفان کے دو سردار عُیَیْنَہ ابن حصن اور ابوالحارث بن عمرو کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے، اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ، یہ گفتگو درمیان میں تھی اور دونوں سردار راضی ہو چکے تھے قریب تھا کہ معاہدہ صلح پر دستخط ہو جائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ عادت ارادہ کیا کہ صحابہ کرام سے اس معاملہ میں مشورہ لیں، قبیلہ اوس وخزرج کے دو بزرگ سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو بلا کر ان سے مشورہ لیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی اور عزمِ شدید

دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے تو ہمارے کچھ کہنے کی مجال نہیں ہم قبول کریں گے ورنہ بتائیں کہ یہ آپ کی طبعی رائے ہے یا آپ نے ہمیں مشقت وتکلیف سے بچانے کے لئے یہ تدبیر کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ امرِ الٰہی اس کا ہے اور نہ میری اپنی طبیعت کا تقاضا ہے بلکہ صرف تمہاری مصیبت وتکلیف کو دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے، کیونکہ تم لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو، میں نے چاہا فریقِ مقابل کی قوت کو اس طرح فوراً توڑ دیا جائے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم جس وقت بتوں کو پوجتے تھے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانتے تھے نہ اس کی عبادت کرتے تھے، اُس وقت اُن لوگوں کو ہمارے شہر کے پھل میں سے ایک دانہ کی طمع رکھنے کی ہمت نہیں تھی، بجز اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں، اور مہمانی کے طور پر ہم ان کو کھلا دیں یا پھر ہم سے خرید کر لے جائیں، آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائی اور اسلام کا اعزاز عطا فرمایا، کیا آج ہم ان لوگوں کو اپنا پھل اور اپنے اموال دیدیں گے، ہمیں ان کی مصالحت کی کوئی حاجت نہیں، ہم تو ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ فرمادیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی اور غیرتِ ایمانی کو دیکھ کر اپنا یہ ارادہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو، سعد رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ کا کاغذ ان کے ہاتھوں سے لے کر تحریر مٹادی، کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے، غطفان کے

Marfat.com

سردار عُیَیْنَہ اور حارث جو خود اس صلح کے لئے تیار ہو کر مجلس میں موجود تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ قوت وشدت دیکھ کر خود بھی اپنے دلوں میں متزلزل ہو گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا
اور اگر شہر میں کوئی گھس آئے ان پر اس کے کناروں سے پھر اُن سے چاہے
الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا
دین سے بچلنا تو مان لیں اور دیر نہ کریں اُن میں مگر تھوڑی

منافقوں کی اندرونی کیفیت

یعنی جھوٹے حیلے بنا رہے ہیں۔ اگر فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم اِدھر اُدھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ دین اسلام چھوڑ دو۔ جسے بظاہر یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یا کہے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنے فساد برپا کرو۔ اُس وقت اُن کا جھوٹ صاف کھل جائے۔ فوراً اُن مطالبات کی تائید میں نکل پڑیں۔ نہ گھروں کے کھلے ہونے کا عذر کریں نہ لٹنے کا، بس بات چیت کرنے اور ہتھیار اٹھا کر لانے میں جو تھوڑی دیر لگے گی اسے مستثنیٰ کر کے ایک منٹ کا توقف نہ کریں، اسلام کے ظاہری دعوے سے دستبردار ہو کر فوراً فتنہ وفساد کی آگ میں کود پڑیں۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ
اور اقرار کر چکے تھے اللہ سے پہلے کہ نہ پھیریں گے
الْاَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا
پیٹھ اور اللہ کے قرار کی پوچھ ہوتی ہے

منافقوں کی عہد شکنی

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جنگ اُحد کے بعد انہوں نے اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہ کریں گے۔ اس کی پوچھ اللہ کی طرف سے ہوگی کہ وہ قول وقرار کہاں گیا۔ (تفسیر عثمانی)

یزید بن رومان کا بیان ہے کہ جنگِ اُحد کے دن بنی حارثہ نے ارادہ کیا کہ بنی سلمہ کو قتل کر دیں گے لیکن جب ان کے حق میں آیت کا نزول ہوا تو انہوں نے عہد کیا کہ آئندہ ایسی بات نہیں کریں گے قتادہ نے کہا کچھ لوگ غزوۂ بدر سے غیر حاضر تھے لیکن جب (لڑائی کے بعد) انہوں نے اہلِ بدر کی خداداد عزت وبرتری دیکھی تو کہنے لگے کہ آئندہ اگر اللہ نے ہم کو کسی لڑائی میں شریک ہونے کی توفیق دی تو ہم ضرور ضرور لڑیں گے انہی لوگوں کی طرف اللہ نے آیت مذکورہ میں اشارہ کیا ہے۔

وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس ہوگی یعنی پوچھا جائے گا کہ پورا کیوں نہیں کیا مطلب یہ کہ عہدِ خدا کی خلاف ورزی کی سزا دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ
تو کہہ کچھ کام نہ آئے گا تمہارے یہ بھاگنا اگر بھاگو گے مرنے سے
اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا
یا مارے جانے سے اور پھر بھی پھل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں

موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا

یعنی جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو میدان سے بھاگنا بے سُود ہے۔ کیا میدانِ جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہی ہو گیا تو کتنے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذِلت سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا اور ایسی حالت میں بجز تھوڑے سے یا تھوڑے دنوں کے فائدہ سے زیادہ متمتع نہیں ہو سکتے یعنی دنیا میں زندہ رہ کر تم تھوڑی مدت تک یا تھوڑا سا مزہ حاصل کر سکو گے (زیادہ مدت فائدہ اندوز نہ ہو سکو گے) آیت کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر بالفرض میدانِ جنگ سے فرار تمہارے لئے مفید بھی ہو تو یہ فائدہ زیادہ مدت تک باقی نہیں رہے گا کیونکہ دنیا بہر حال فنا پذیر ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ
تو کہہ کون ہے کہ تم کو بچائے اللہ سے اگر
اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً
چاہے تم پر بُرائی یا چاہے تم پر مہربانی

اللہ کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا

یعنی اللہ کے ارادے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اُس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اُسی

Marfat.com

توکل کرے اور ہر حالت میں اُسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔ ورنہ دنیا کی بُرائی بھلائی یا سختی نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اُس کے راستہ میں بُزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چُرائے جو عاقبت خراب ہو اور دنیا کی تکلیف ہٹ نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا
اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوائے کوئی حمایتی اور نہ مددگار

یعنی عرب کی مخالفت سے ڈرتے ہو، اگر اللہ کا حکم دے تو مسلمان اب تم کو قتل کر ڈالیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ
اللہ کو (ن) معلوم ہیں جو اٹکانے والے ہیں تم میں اور کہتے ہیں
لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا
اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کبھی

منافقوں کی بداندیشی اللہ کو معلوم ہے

یعنی ظاہری وضع داری اور دکھاوے کو شرماشرمی کبھی میدان میں آ کھڑے ہوتے ہیں ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے عیش اُڑاتے اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو سچے مسلمان ہیں جہاد میں آنے سے روکتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِخْوَان سے مراد ہیں مدینہ کے باشندے یعنی ہمارے پاس آ جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو ان کے ساتھ مل کر جنگ نہ کرو ہم کو تمہارے مارے جانے کا اندیشہ ہے۔ عائق موڑ دینے والا۔ عَوْق پھیر دینا۔ عائق سے مراد ہوتا ہے خیر سے مانع یہاں معوقین سے مراد وہ منافق ہیں جو لوگوں کو رسول اللہ کا ساتھ دینے اور آپ کے ہمراہ رہنے سے روکتے۔ قتادہ نے کہا یہ لوگ منافق تھے جو انصار کو رسول اللہ کا ساتھ دینے سے روکتے تھے اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے تھے محمد اور ان کے ساتھی گوشت (کی طرح) ہیں۔ ابو سفیان اور اس کے ساتھی ان کو لقمہ بنا لیں گے۔ یہ شخص تو تباہ ہونے والا ہی ہے اس کو چھوڑ دو۔ (تفسیر مظہری)

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ
درپے رکھتے ہیں تم سے

یعنی مسلمانوں کا ساتھ دینے سے دریغ رکھتے ہیں اور ہر قسم کی ہمدردی و بہی خواہی سے بخل ہے ہاں غنیمت کا موقع آئے تو حرص کے مارے چاہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے سارا مال ہم ہی سمیٹ کر لے جائیں اسی احتمال پر لڑائی میں قدرے شرکت بھی کر لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ
پھر جب آئے ڈر کا وقت تو تو دیکھے اُن کو کہ تکتے ہیں تیری طرف پھرتی ہیں
اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ
آنکھیں اُن کی جیسے کسی پر آئے بیہوشی موت کی
فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ
پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے ڈھکے پڑتے ہیں مال پر

منافقوں کی موقع پرستی

یعنی آڑے وقت رفاقت سے جی چُراتے ہیں، ڈر کے مارے جان نکلتی ہے اور فتح کے بعد آ کر باتیں بناتے اور سب سے زیادہ مردانگی جتاتے ہیں اور مال غنیمت پر مارے حرص کے گرے پڑتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق طعن و تشنیع سے زبان درازی کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

منافقوں کی تشبیہ

كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ میں مشبہ بہ یا مدہوش ہونے والے کی نظر ہے یعنی کنظر الذی یغشیٰ علیہ ۔ یا مشبہ بہ آنکھوں کا چکرانا ہے یعنی کدوران عینی المغشیٰ علیہ یا مشبہ بہ دونوں وصف ہیں بے ہوش ہونے والے کی نظر اور آنکھوں کا چکرانا۔ یا مشبہ بہ بے ہوش ہونے والے کی آنکھیں ہیں جب موت کے اسباب چھا جاتے ہیں اور موت کے پسینے آنے لگتے ہیں تو حواس معطل ہو جاتے ہیں عقل زائل ہو جاتی ہے آنکھیں متحیر ہو جاتی ہیں اور ٹکٹکی بندھ جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ
وہ لوگ یقین نہیں لائے پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے اُن کے کیے کام
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا
اور یہ ہے اللہ پر آسان

Marfat.com

منافقوں کے عمل بے جان ہیں

یعنی جب اللہ و رسول پر ایمان نہیں تو کوئی عمل مقبول نہیں ہوسکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جہاں حبط اعمال کا ذکر ہے تو فرمایا کہ یہ اللہ پر آسان ہے یعنی بظاہر اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کو دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے اور یہ بات بھاری معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی کی محنت کو ضائع کردے لیکن اس لئے بھاری نہیں رہتی کہ خود عمل ہی کے اندر ایسی خرابی چھپی ہوتی ہے جو کسی طرح اُس کو درست نہیں ہونے دیتی۔ جیسے بے ایمان کا عمل کہ ایمان شرط اور روح ہے ہر عمل کی، بدون اُس کے عمل مُردہ ہے پھر قبول کس طرح ہو۔ کافر کتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ
سمجھتے ہیں کہ فوجیں کفار کی نہیں پھر گئیں اور اگر آ جائیں وہ فوجیں
يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۭ
تو آرزو کریں کسی طرح ہم باہر نکلے ہوئے ہوں گاؤں میں پوچھ لیا کریں تمہاری خبریں

منافقوں کی بزدلی کا عالم

یعنی کفار کی فوجیں ناکامیاب واپس جا چکیں لیکن اِن ڈرپوک منافقوں کو اُن کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا۔ اور فرض کیجئے کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کردیں تو اُن کی تمنا یہ ہوگی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں جب تک لڑائی رہے کسی گاؤں میں رہنے لگیں اور وہیں دُور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ لڑائی کا نقشہ کیسا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا
اور اگر ہوں تم میں لڑائی نہ کریں مگر بہت تھوڑی

یعنی باتوں میں تمہاری خیر خواہی جتائیں اور لڑائی میں زیادہ کام نہ دیں۔ محض مجبوری کو برائے نام شرکت کریں۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ
تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال اس کے لئے جو کوئی
كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا
اُمید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واجبِ تقلید استقلال

یعنی پیغمبر کو دیکھو ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں۔ حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر اُن ہی پر ہے۔ مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جنبش کھا جائے جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں اُن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہئے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں اُن کے نقشِ قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں اُن کی چال سیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مکمل نمونہ ہے

اُسوۃ بمعنی قدوہ یعنی وہ طریقہ جس کی اقتداء کی جائے اس جگہ مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمہارے لئے خصائل حمیدہ موجود ہیں جو تمہارے لئے واجب العمل ہیں مثلاً لڑائی میں ثابت قدم رہنا اور شدائد کو برداشت کرنا۔

یا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقتدا ہیں تمہارے لئے ان کی اقتداء ہی مناسب ہے بعض نے کہا اُسوۃ بروزن فُعْلَۃٌ اِئْتِسَاء (باب افتعال) سے مشتق ہے جیسے قُدوۃ اقتداء سے بنا ہے یہ اسم ہے جو مصدر کا قائم مقام ہے یعنی تم لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھی ہمدردی (لازم) ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی مدد کی تم بھی ویسی ہی دین کی مدد کرتے رہو۔ ان کا دانت جنگ میں ٹوٹا چہرہ زخمی ہوا ان کے چچا شہید ہوئے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں مگر انہوں نے ہر دُکھ پر صبر کیا اور تمہاری ہمدردی کی لہٰذا تم بھی ان کی طرح مصائب و شدائد پر صبر رکھو اور ان سے ہمدردی کرو اور ان کے طریقہ پر چلو۔

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا اور اللہ کی بہت یاد کرتا ہے۔

دکھ میں بھی اور سکھ میں بھی کثرت ذکر دوام طاعت کا سبب ہے اسی لئے رجاء کے ساتھ کثرت ذکر کا ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے والا وہی ہوسکتا ہے جو امید بھی رکھتا ہو اور اللہ کا ہمیشہ اطاعت گزار بھی ہو۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ حضرت عمر نے حجر اسود پر سر جھکا کر فرمایا میں بلاشبہ جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے لیکن اگر میں نے اپنے پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے اور چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا نہ بوسہ دیتا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ.

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اتباعِ سنت

یعلی بن منبہ کا بیان ہے میں نے حضرت عمر کے ساتھ طواف کیا جب میں حجر کے متصل دروازہ کے پاس رکن کے قریب پہنچا تو میں نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ لیا تا کہ آپ بھی چوم لیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا میں نے جواب دیا کیوں نہیں حضرت عمر نے فرمایا تو کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو چومتے دیکھا ہے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو پھر اپنے سے اس کو دور رکھو لک فی رسول اللّٰہ اسوۃٌ حسنۃٌ. (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا
اور جب دیکھی مسلمانوں نے فوجیں بولے یہ وہی ہے جو
وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫
وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے
وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا
اور اُن کو اور بڑھ گیا یقین اور اطاعت کرنا

مخلص مسلمانوں کی شان

یعنی پکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفر کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے اُن کی اطاعت شعاری کا جذبہ اور اُن کا یقین اللہ و رسول کے وعدوں پر اور زیادہ بڑھ گیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہ ہی منظر ہے جس کی خبر اللہ و رسول نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق اُن کا وعدہ ہو چکا تھا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (بقرہ رکوع ۲۶) اور سورۂ ص میں جو مکیہ ہے فرمایا تھا جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ (ص۔ رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا اور (کافروں کی اس لشکر کشی نے) مومنوں کے ایمان اور تسلیم کو اور پختہ کر دیا۔

ایمان سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق اور تسلیم سے مراد ہے اللہ کے حکم اور تقدیر کے سامنے سر جھکا دینا (اپنے آپ کو اُمر اور قضاءِ الٰہی کے سپرد کر دینا) (تفسیر مظہری)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ
ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا
پھر کوئی تو اُن میں پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے اُن میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں ایک ذرہ

مؤمنوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا

یعنی منافقین نے جو عہد کیا تھا پچھلے رکوع میں گزر چکا۔ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ اُسے توڑ کر بے حیائی کے ساتھ میدانِ جنگ سے ہٹ گئے۔ اُن کے برعکس کتنے پکے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہد و پیمان سچا کر دکھلایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبر کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ و رسول کو جو زبان دے چکے تھے، پہاڑ کی طرح اُس پر جمے رہے۔ اُن میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی جیسے شُہدائے بدر و اُحد جن میں سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا قصہ بہت مشہور ہے اور بہت مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں ابھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ بہرحال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ کی راہ میں جان دے چکے، اور جو مشتاق شہادت ہیں اپنے عہد و پیمان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے۔ (فائدہ) حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا هٰذا مِمَّنْ قضیٰ نَحْبَهٗ (یہ اُن میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا اُن کو اسی زندگی میں شہید قرار دے دیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتیٰ کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے رسول سے انہوں نے معاہدہ کیا تھا کہ ہم معرکۂ جنگ میں آپ کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور آپ کی معیت میں کافروں سے لڑیں گے عرب کہتے ہیں صدقنی اس نے مجھ سے سچ کہا۔ صَدَقُوا بھی اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔ وعدہ پورا کرنے والا اپنے وعدہ کو سچا ثابت کر دیتا ہے (کہ جو کچھ میں نے معاہدہ کیا تھا دیکھو اس کو پورا کر دیا)

Marfat.com

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ پس ان میں سے کچھ لوگوں نے تو اپنی نذر پوری کردی اور عہد کو کامل طور پر پورا کردیا اب کئے ہوئے وعدہ کا کوئی بار اس پر باقی نہیں رہا مطلب یہ کہ اس نے جہاد و طاعت پر صبر کیا یہاں تک کہ شہید ہوگیا یا مر گیا۔

نحب کا معنی نذر بھی ہے اور موت بھی

وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا اور انہوں نے (کئے ہوئے عہد میں) کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

حضرت انس بن النضر کا ایفائے عہد

شیخین، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد۔ ابن سعد اور بغوی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر بدر کی لڑائی سے غیر حاضر رہے تھے ان کو یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ سب سے پہلا معرکہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور میں غیر حاضر رہا۔ (بڑے افسوس کی بات ہے) آئندہ اگر اللہ نے مشرکوں سے جنگ کرنے میں مجھے حاضر ہونے کی توفیق دی تو میری کارگزاری اللہ دیکھ لے گا چنانچہ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حضرت انس بن نضر نے کہا اے اللہ ان لوگوں نے یعنی ساتھیوں نے جو کچھ کیا میں تیرے سامنے اس کا عذر خواہ ہوں اور انہوں نے (یعنی مشرکوں) نے جو کچھ کیا اس سے تیرے سامنے اظہار بیزاری کرتا ہوں کچھ انصار و مہاجرین نے اپنے ہتھیار اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے تھے (اور فکر و غم میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے) حضرت ابن نضر ان کے پاس پہنچے اور کہا یہاں آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں صحابہ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ابن نضر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جی کر کیا کرو گے اٹھو اور جس دین کی خاطر رسول اللہ شہید ہوئے تم بھی اسی پر مر جاؤ اس کے بعد مشرکوں کی فوج کی طرف رُخ کر کے چل دیئے اُحد سے ورے حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی سعد نے کہا میں آپ کے ساتھ ہوں۔

حضرت سعد کا بیان ہے کہ انس کافروں کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ کام کیا جو میں نہیں کر سکا مجھ سے کہا سعد (دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت انس نے کہا اے ابوعمرو) ہاہا یہ جنت کی ہوا ہے قسم ہے ربِ نضر کی مجھے احد کے قریب جنت کی ہوا محسوس ہو رہی ہے پھر آگے بڑھے اور اتنا لڑے کہ شہید ہوگئے آپ کے جسم پر تلوار، تیر اور بھالے کی ضربوں کے کچھ اوپر اسی زخم لوگوں نے پائے۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے آپ کی لاش کو کافروں نے مُثلہ کر دیا تھا (یعنی ناک کان پیشاب گاہ کو کاٹ ڈالا تھا) لوگوں نے لاش کو شناخت بھی نہیں کیا صرف آپ کی بہن بشامہ نے انگلیوں کے پورے دیکھ کر پہچانا۔ ہمارا خیال تھا کہ آیت رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ حضرت انس بن نضر اور ان جیسے لوگوں کے حق میں ہی نازل ہوئی تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

بغوی کی روایت ہے کہ حضرت خباب بن ارت نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہم میں سے بعض لوگ تو چلے گئے (مر گئے) اور اپنی کوشش کا کوئی پھل (دنیا میں) نہ کھا پائے جن میں سے ایک مصعب بن عمیر بھی تھے احد کے دن شہید ہوگئے تو سوا ایک نمدہ کے اتنا کپڑا نہ تھا کہ ہم ان کو کفن دے سکتے نمدہ بھی اتنا تھا کہ سر چھپاتے تھے تو قدم کھلتے تھے اور پاؤں پر ڈالتے تھے تو سر کھلا رہتا تھا حضور نے فرمایا سر پر ڈال دو اور پاؤں کو اذخر (ایک قسم کی گھاس۔ مرچیا گند) سے چھپا دو اور کچھ لوگوں کی کوشش کا پھل پختہ ہوگیا جس کو (دنیا میں) وہ کھا سکے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ

ترمذی نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ کر فرمایا جو شخص پسند کرتا ہو کہ روئے زمین پر (زندہ) چلتے پھرتے ایسے آدمی کو دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہے (اور جتنی ہوگیا ہے) تو وہ اس کو دیکھ لے۔

بخاری کا بیان ہے کہ قیس بن حازم نے فرمایا میں نے حضرت طلحہ کا (ایک) ہاتھ شل دیکھا جنگِ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے حملہ سے انہوں نے اس ہاتھ کے ذریعہ محفوظ رکھا تھا (جس کی وجہ سے ہاتھ اتنا زخمی ہوگیا کہ شل ہوگیا)

عیسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں اور عائشہ بنت طلحہ (یعنی میری بہن) ام المؤمنین حضرت عائشہ کے پاس گئے عائشہ بنت طلحہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبر سے کہنے لگی میں آپ سے اور میرے باپ آپ کے باپ سے افضل ہیں حضرت اسماء عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہنے لگیں اور بولیں تم مجھ سے افضل ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

Marfat.com

فرمایا میں تم دونوں کا جھگڑا طے کردوں دونوں نے کہا کیوں نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک بار ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا تم دوزخ سے آزاد ہو اسی روز سے حضرت ابوبکر کا لقب عتیق (آزاد) ہو گیا پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی نذر پوری کر چکے۔ فَمِنْهُمْ قَضٰى نَحْبَهٗ

معاویہ راوی ہیں میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے۔ (تفسیر مظہری)

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ
تا کہ بدلہ دے اللہ سچوں کو اُن کے سچ کا اور عذاب کرے منافقوں پر
اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
اگر چاہے یا توبہ ڈالے اُن کے دل پر بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

عمل کا بدلہ

یعنی جو عہد کے پکے اور قول و قرار کے سچے رہے اُن کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے اور بدعہد دغاباز منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف فرما دے۔ اُس کی مہربانی سے کچھ بعید نہیں۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا
اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے ہوئے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی

کفار کی ذلت و ناکامی

یعنی کفار کا لشکر ذلت و ناکامی سے پیچ و تاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا میدان چھوڑ کر واپس ہوا۔ نہ فتح ملی نہ کچھ سامان ہاتھ آیا۔ ہاں عمرو بن عبدودّ جیسا اُن کا نامور سوار جسے لوگ ایک ہزار سواروں کے برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے کھیت رہا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار لے کر اُس کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ آپ نے فرمایا وہ تم لے جاؤ، ہم مُردوں کا ثمن کھانے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
اور اپنے اوپر لے لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے اللہ

قَوِيًّا عَزِيْزًا
زور آور زبردست

لڑائی کے بغیر فتح

یعنی مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کر دیا کہ کفار از خود سراسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے۔ اللہ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا اور اللہ ہے قوی غالب یعنی اللہ کا اقتدار قوی ہے وہ اپنے ملک میں جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور (نافرمانوں سے) انتقام لینے میں غالب ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
اور اُتار دیا اُن کو جو اُن کے پشت پناہ ہوئے تھے اہلِ کتاب سے
مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ
اُن کے قلعوں سے اور ڈال دی اُن کے دلوں میں دھاک
فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا
کتنوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو قید کر لیا

یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی کی سزا

یہ یہود بنی قریظہ ہیں مدینہ کے شرقی جانب اُن کا مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے جنگ احزاب کے موقع پر حیی ابن اخطب کے اغواء سے تمام معاہدات بالائے طاق رکھ کر مشرکین کی مدد پر کھڑے ہو گئے اُن میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر بُزدلانہ حملہ کرنا چاہا جس کا جواب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بڑی بہادری سے دیا۔ جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہو کر چلے گئے تو بنو قریظہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے۔ چہرہ پر غبار کا اثر تھا فرمایا۔ یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے حالانکہ فرشتے ہنوز ہتھیار بند ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ پر حملہ کیا جائے فوراً منادی ہو گئی کہ بنو قریظہ کے

Marfat.com

بدعہد یہودیوں پر چڑھائی ہے۔نہایت سُرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے اُن کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ چوبیس پچیس دن محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین تاب نہ لا سکے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کیے۔اخیر میں اُن کی طرف سے بات اس پر ٹھہری کہ ہم قلعوں سے باہر آتے ہیں اور ''اوس'' کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو حکم ٹھہراتے ہیں (کیونکہ وہ اُن کے حلیف تھے) جو فیصلہ ہمارے حق میں حضرت سعد کردیں گے ہم کو منظور ہوگا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبول فرمالیا۔قِصہ مختصر حضرت سعد تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلم حکم کے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں لڑکے سب قید غلامی میں لائے جائیں اور اُن کے اموال وجائداد کے مالک مہاجرین ہوں خدا اور رُسول کی مرضی اور اُن کی بدعہدی کی سزا یہی ہی تھی۔اور یہ فیصلہ ٹھیک اُن کی مسلمہ آسمانی کتاب ''تورات'' کے موافق تھا۔چنانچہ تورات کتاب استثناء اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تُو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کرلیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہوجائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو اُن کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کردے۔باقی بچے، عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔اس فیصلہ کے مطابق کئی سَو یہودی جوان قتل کیے گئے اور کئی سو عورتیں لڑکے قید ہوئے اور اُن کے املاک واموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔(تفسیر عثمانی)

بنوقریظہ کے مقتولین

وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا چنانچہ ان کے ایک فریق کو تم قتل کر رہے تھے اور ایک فریق کو قید کر رہے تھے۔یعنی مردوں کو قتل کر رہے تھے اور عورتوں اور بچوں کو قید کر رہے تھے ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مردوں کی تعداد چھ سو تھی۔ترجمۂ سعد بن معاذ میں ابوعمرو نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے ابن عائذ نے قتادہ کا مرسل قول بیان کیا ہے کہ مرد سات سو تھے۔سہیل نے کہا زیادہ سے زیادہ بیان کرنے والوں کا قول ہے کہ آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھے ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ چار سو جنگ جو تھے۔ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد نو سو بھی بتائی گئی ہے تمام اقوال کے اختلاف باہمی کو دور کرنے کے لئے یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جنگ جو چار سو تھے باقی ان کے تابع تھے۔

عورتوں اور بچوں کی تعداد سات سو پچاس یا نو سو تھی۔سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔(تفسیر مظہری)

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
اور تم کو دلائی اُن کی زمین اور اُن کے گھر اور اُن کے مال
وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا
اور ایک زمین کہ جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم، اور ہے اللہ سب کچھ کرسکتا

یہودیوں کی زمینیں

یہ زمین جو مدینہ کے قریب ہاتھ لگی حضرت نے مہاجرین پر تقسیم کر دی۔اُن کے گزران کا ٹھکانا ہوگیا اور انصار پر سے اُن کا خرچ ہلکا ہوا۔اور دوسری زمین سے مراد خیبر کی زمین ہے جو اس کے دو برس بعد ہاتھ لگی اُس سے حضرت کے سب اصحاب آسودہ ہوگئے بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسری زمین مکہ کی ہے بعض نے فارس وروم کی زمینیں مُراد لی ہیں جو آپ کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے فتح ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قیامت تک جو زمینیں فتح کی جائیں سب اس میں شامل ہیں واللہ اعلم۔(تفسیر عثمانی)

غزوۂ بنی قریظہ کا واقعہ

محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا ہے کہ جب مشرک خندق سے واپس چلے گئے تو بنی قریظہ کو (اپنے تنہا رہ جانے کی وجہ سے) بڑا خوف ہوا۔

امام احمد اور شیخین نے مختصر طور پر اور بیہقی وحاکم نے صحیح سند سے تفصیل کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا۔ ابونعیم اور بیہقی نے دوسری سند سے بھی یہ واقعہ نقل کیا۔ابن عابد نے حمید بن ہلال کے واسطہ سے بیان کیا۔

خندق سے واپسی

ابن جریر نے حضرت ابنِ ابی اوفی کی روایت سے اور بیہقی نے عروہ کے حوالہ سے اور ابن سعد نے ماجشون ویزید بن اصم کی وساطت سے بیان کیا نیز محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کے سلسلہ سے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جب تھکے ہارے خندق سے لوٹے تو ہتھیار کھول دیئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف لے گئے اور پانی طلب کر کے سر دھونے لگے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف لے گئے اور حضرت زینب آپ کا سر دھونے لگیں اور ایک طرف کا سر دھو بھی دیا تھا۔

فرشتے کی آواز

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ (باہر) کسی شخص نے ہم کو سلام کیا ہم گھر کے اندر تھے۔

محمد بن عمر نے کہا وہ شخص جنازوں کے رکھنے کے مقام میں کھڑا تھا اس نے پکار کر کہا اے جنگ کرنے والے (ہتھیار کھول دینے کا) تمہارے پاس کیا عذر ہے حضور آواز سنتے ہی گھبرا کر اچھل پڑے اور یک دم تیزی سے کود (کر باہر نکل گئے میں بھی آپ کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور کیواڑوں کے سوراخ میں سے دیکھنے لگی مجھے دحیہ کلبی کی صورت نظر آئی جو اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے۔

ابن اسحاق نے کہا وہ شخص عمامہ لپیٹے ہوئے تھا۔ اس شخص نے کہا اے اللہ کے رسول آپ نے بہت جلد ہتھیار کھول دیئے اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ہتھیار کھول کر رکھ دیئے حالاں کہ جب سے دشمن اترا ہے ملائکہ نے اس وقت سے اب تک اسلحہ نہیں کھولے دوسری روایت میں ہے چالیس دن سے ملائکہ نے اسلحہ نہیں کھولے۔ ہم نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا اس وقت انہیں کے تعاقب سے لوٹ کر آئے ہیں اللہ نے ان کو بھگا دیا اور آپ کو حکم دیا ہے کہ بنی قریظہ سے جا کر جنگ کرو۔ میں اپنے ساتھ والے ملائکہ کو لے کر انہیں کی طرف جا رہا ہوں تا کہ ان کے قلعوں میں زلزلہ پیدا کر دوں۔ آپ بھی لوگوں کو لے کر نکل کر (میرے بعد) آیئے۔

فقط حملہ کی دیر ہے

حمید بن ہلال کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھی تھک چکے ہیں اگر آپ چند روز کی انہیں مہلت دے دیں تو بہتر ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر ان پر چڑھائی تو کریں میں ان کو اس طرح دے پٹکوں گا جیسے انڈا پتھر کی چٹان پر پٹکا جاتا ہے پھر ان کو ہلا ڈالوں گا (یعنی قلعوں سے باہر نکل پڑنے پر مجبور کر دوں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا آپ جس شخص سے باتیں کر رہے تھے وہ کون تھا۔ فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھا تھا میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تمہارے خیال میں اس کی شکل کس کے مشابہ تھی۔ میں نے عرض کیا دحیہ کلبی کے مشابہ تھی۔ فرمایا وہ جبرئیل تھے انہوں نے مجھے حکم دیا کہ بنی قریظہ کی طرف جاؤں۔

فرشتوں سے اٹھتا ہوا غبار

حمید کا بیان ہے کہ پھر جبرئیل اور ان کے ساتھ کے ملائکہ پشت پھیر کر چل دیئے یہاں تک کہ بنی غنم کے کوچوں میں (ان کی رفتار سے اٹھا ہوا) غبار اڑنے لگا۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا گویا اٹھتا ہوا غبار اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

حملے کا اعلان

قتادہ نے ابن عابد کی روایت کے بموجب بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ایک منادی کو (مسلمانوں کی بستیوں میں) یہ ندا کرنے کے لئے بھیج دیا اے سوارانِ خدا سوار ہو جاؤ اور حضرت بلال کو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو سننے والے فرمان بردار ہوں ان کو عصر کی نماز بنی قریظہ تک پہنچنے سے پہلے نہ پڑھنی چاہیے (یعنی ہر شخص پر لازم ہے کہ عصر کی نماز بنی قریظہ کی بستی میں پہنچ کر ہی پڑھے) شیخین نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیہقی نے حضرت عائشہ اور ابن عقبہ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا میں تم کو تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ عصر کی نماز (بنی قریظہ کی بستی تک پہنچنے سے پہلے کہیں) نہ پڑھنا۔ مسلم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور نے ظہر کی نماز کے متعلق حکم دیا تھا چنانچہ راستہ میں جب عصر کی نماز یا حسب روایت مسلم ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض لوگوں نے کہا ہم تو بنی قریظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھیں گے اس سے پہلے نہیں پڑھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تاکیدی حکم دیا ہے (اگر نماز میں تاخیر ہو گئی تو) ہم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ غروب آفتاب کے بعد جب بنی قریظہ میں پہنچے تو ان لوگوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ کچھ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہم نماز نہ پڑھیں (بلکہ جلد پہنچنے کی تاکید مقصود تھی) اس لئے ہم تو راستہ میں ہی نماز پڑھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس

Marfat.com

کی اطلاع پہنچ گئی مگر آپ نے کسی فریق کو تنبیہ نہیں کی۔

مسئلہ: اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ مجتہد سے اگر اجتہاد میں غلطی ہو جائے تب بھی وہ گناہگار نہ ہوگا دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں فریقوں میں کسی پر درشتی نہیں کرتے۔ جس نے راستہ میں نماز پڑھ لی اس کو بھی برا نہیں کہا اور جس نے پہنچ کر (مغرب ہونے کے بعد) پڑھی اس کو بھی تنبیہ نہیں کی۔

صاحب زاد المعاد نے لکھا ہے کہ ہر فریق نیت کے مطابق ثواب کا حقدار ہو گیا لیکن جس فریق نے راستہ میں نماز پڑھ لی اس کو دوہرا ثواب ہوا ایک بروقت نماز پڑھنے کا اور دوسرا تعمیل حکم میں تیزی کرنے کا۔ کیونکہ بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نماز نہ پڑھنے کے حکم کا مقصد ہی یہی تھا کہ تعمیل حکم میں تاخیر نہ کی جائے۔

جھنڈا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو طلب فرمایا اور اپنا جھنڈا ان کے سپرد کر دیا۔ خندق سے واپسی کے بعد سے جھنڈا کھولا نہیں گیا تھا۔

غزوہ بنو قریظہ کب ہوا

محمد بن عمر و اور ابن ہشام و بلاذری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوب کو مدینہ کا حاکم (اپنی جگہ) بنایا۔ محمد بن عمر کا قول ہے کہ ۲۳ ذی القعدہ کو مدینہ سے برآمد ہوئے۔ بغوی نے کہا یہ واقعہ ۵ھ کا ہے۔ حضور والا نے ہتھیار لگائے زرہ پہنی خود اوڑھا بھالا ہاتھ میں لیا ڈھال گلے میں لٹکائی اور نحیف گھوڑے پر سوار ہو گئے جلو میں صحابہ نے گھیرا ڈال لیا جو مسلح تھے گھوڑوں پر سوار تھے اور تعداد میں چھتیس تھے۔ یہ سوار اور پیادے آپ کے گرداگرد تھے اس شان سے صحابہ کے ہجوم میں آپ روانہ ہو گئے۔

ابن سعد کی روایت کے بموجب ہم رکاب صحابی تین ہزار تھے۔

مسئلہ: اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ماہ حرام میں ابتداء جہاد جائز ہے (کیونکہ خیبر کا واقعہ ذی القعدہ کے آخر کا ہے) لیکن حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور نے ماہ حرام میں قتال کی ممانعت فرما دی تھی مگر یہ ممانعت اباحت کے بعد ہوئی تھی (فتح مکہ کا واقعہ فتح خیبر سے بعد کا ہے) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح حرم مکہ میں ایک ساعت کے لئے حضور کے لئے خصوصیت کے ساتھ قتال حلال کر دیا گیا تھا اسی طرح آپ کے لئے خصوصیت کے ساتھ خیبر کی فتح کے موقع پر بھی ماہِ حرام میں جہاد کو مباح کر دیا گیا۔ یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ ابتداء جنگ نہ تھی بلکہ لڑائی کی ابتداء بنی قریظہ کی طرف سے ہو چکی تھی انہوں نے لڑائی میں قریش کی مدد اس سے پہلے کی تھی۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری

طبرانی نے حضرت ابو رافع و ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی قریظہ پر (یعنی ان کی بستی کے قریب) پہنچے تو ایک برہنہ پشت گدھے پر جس کا نام یعفور تھا سوار ہو گئے۔ لوگ آپ کے گرداگرد تھے۔

جبریل کی سواری اور بنی نجار کو حکم

حاکم بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت عائشہ کی روایت سے نیز محمد بن عمر اور ابن اسحاق نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صَوْرَیْن کی طرف سے گزرے وہاں بنی نجار کے کچھ لوگ جمع تھے جن میں حارثہ بن نعمان بھی تھے سب مسلح اور صف بند تھے۔

حضور نے دریافت کیا کیا تمہاری طرف سے کوئی گزرا تھا۔ انصار نے کہا جی ہاں دحیہ کلبی خچر پر سوار ادھر سے گزرے تھے۔ خچر پر دبیز ریشم کی جھول بھی پڑی تھی ہم کو حکم دیئے گئے تھے کہ ہم بھی ہتھیار اٹھا لیں (مسلح ہو جائیں) چنانچہ ہم مسلح اور صف بند ہو گئے وہ یہ بھی کہہ گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابھی برآمد ہونے والے ہیں۔ حارثہ بن نعمان نے بیان کیا ہم نے دو صفیں بنالی تھیں۔ حضور نے فرمایا وہ جبرئیل تھے جن کو بنی قریظہ کی طرف ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کرنے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت علی کچھ مہاجرین و انصار کی جماعت کو لے کر پہلے آ گئے تھے انہیں میں حضرت ابو قتادہ بھی تھے۔

بنی قریظہ کی گالیاں

محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حضرت ابو قتادہ نے فرمایا جب ہم بنی قریظہ پر پہنچے تو ہم نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کو لڑائی کا یقین ہو چکا ہے۔ حضرت علی نے جا کر قلعہ کی جڑ میں جھنڈا گاڑ دیا ان لوگوں نے اپنی گڑھیوں کے اندر سے ہی گالیوں سے ہمارا استقبال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بیویوں کو گالیاں دینے لگے مگر ہم خاموش رہے اور ہم نے کہہ دیا ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار سے ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچ گئے اور ان کے قلعہ کے قریب بنی قریظہ کے پتھریلے

Marfat.com

میدان کے نشیبی جانب چاہ آنا پر نزول فرمایا۔ حضرت علی نے حضور کو دیکھا تو مجھے حکم دیا کہ میں جھنڈا پکڑلوں۔ میں نے جھنڈا پکڑلیا حضرت علی کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں ان لوگوں کی گالیاں اور گندے الفاظ پہنچیں اس لئے عرض کیا یارسول اللہ اگر آپ ان خبیثوں کے قریب نہ پہنچیں تو کچھ حرج نہیں ہے حضور نے فرمایا کیا تم مجھے واپس جانے کا مشورہ دے رہے ہو میرا خیال ہے کہ تم نے ان کی طرف سے کچھ گندے الفاظ سن لئے ہیں۔ حضرت علی نے کہا جی ہاں ۔فرمایا اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کچھ بھی اس طرح کی بات نہ کہتے۔

یہود کی کہہ مکرنیاں

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے آگے آگے اسید بن حضیر تھے اسید نے کہا اے اللہ کے دشمنوں جب تک تم بھوکے نہ مرجاؤ گے ہم تمہارے قلعوں سے نہیں ہٹیں گے (یعنی رسد نہ ملنے کی وجہ سے تم بھوکے مرجاؤ گے ہم محاصرہ نہیں اٹھائیں گے) تم (اس وقت) ایسے (گڑھیوں میں محصور اور بند) ہو جیسے بھٹ کے اندر لومڑی بنی قریظہ نے کہا اے بن حضیر خزرج کے مقابلہ میں ہم نے تم سے معاہدہ کیا تھا (ہم تمہارے حلیف تھے) حضرت اسید نے کہا اب میرے تمہارے درمیان نہ کوئی معاہدہ باقی ہے اور نہ رشتہ۔

(اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہودیوں کی گڑھی کے) قریب پہنچ گئے اور اتنی اونچی آواز سے یہودیوں کے کچھ سرداروں کو پکارا کہ انہوں نے آواز سن لی اور فرمایا اے بندروں اور سوروں کے بھائیو اور اے بتوں (یا شیطان) کی پرستش کرنے والو جواب دو کیا اللہ نے تم کو رسوا کر دیا اور تم پر اپنا عذاب نازل فرما دیا۔ کیا تم مجھے گالیاں دیتے ہو (اندرون حصن سے) ان لوگوں نے قسمیں کھا کر کہا ابو القاسم ہم نے ایسا نہیں کیا آپ تو جاہل نہیں ہیں دوسری روایت میں جاہل کی جگہ فحش گو کا لفظ آیا ہے۔

چھواروں کا کھانا

شام کو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھواروں کی کچھ بوریاں بھیج دیں یہی اس روز سب کا کھانا ہوا حضور اقدس نے فرمایا چھوارے اچھا طعام ہیں۔

محاصرہ کا آغاز

صبح کو رسول اللہ سحر سے اُٹھ گئے اور تیر اندازوں کو آگے بھیج دیا۔ تیر اندازوں نے جا کر یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور تیر چلانا اور پتھر پھینکنا شروع کر دیا۔ قلعوں کے اندر سے یہودی بھی تیر اور پتھر پھینکتے رہے۔ دن اسی طرح گزر گیا جب شام ہوگئی تو رات بھر مسلمان قلعوں کا محاصرہ کئے رہے اور باری باری سے ڈیوٹی دیتے رہے۔

یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کی طرف سے تیر افگنی برابر جاری رہی یہاں تک کہ یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور انہوں نے تیر افگنی چھوڑ دی اور مسلمانوں سے کہا (لڑائی بند کرو) ہم تم سے کچھ گفتگو کرنی چاہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر ہے یہودیوں نے گڑھی کے اوپر سے نباش بن قیس کو اتار کر بھیجا۔ نباش نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی اور یہ شرط پیش کی کہ جن شرائط پر بنی نضیر نے صلح کی تھی ہم بھی انہی شرائط پر صلح کرنا چاہتے ہیں۔ شرائط یہ ہیں کہ اپنا مال (نقد جنس وغیرہ) اور اسلحہ لے جائیں گے اور عورتوں اور بچوں سمیت تمہاری بستیاں چھوڑ جائیں گے اور سواء اسلحہ کے باقی مال جتنا اونٹوں پر لادا جائے گا لاد کر لے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا یہودیوں نے کہا ت وخیر ہم کو مال کی ضرورت نہیں ہم مال نہیں لے جائیں گے البتہ عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ بحفاظت لے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط ماننے سے بھی انکار کر دیا اور فرمایا بلا شرط تم کو گڑھیوں سے اتر کر آنا ہوگا۔ ہم جو فیصلہ کر دیں گے اس کو ماننا پڑے گا۔ نباش یہ جواب لے کر بنی قریظہ کے پاس لوٹ گیا۔ اور قوم سے جا کر جو گفتگو ہوئی ہو نقل کر دی۔

کعب بن اسد کی حق پرستانہ تجویز

کعب بن اسد نے کہا اے گروہِ بنی قریظہ جو مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے وہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اب میں تین باتیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں تم ان میں سے جو چاہو اختیار کر لو بنی قریظہ نے کہا وہ باتیں کون سی ہیں۔ کعب نے کہا یہ ہے کہ تم اس شخص کی بیعت کر لو اور اس کو سچا مان لو کیوں کہ بخدا یہ وہی نبی مرسل ہے جس کا ذکر تمہاری کتاب میں موجود ہے یہ بات تمہارے سامنے واضح طور پر

Marfat.com

آ چکی ہے اس صورت میں تمہاری جانیں اور مال اور عورتیں محفوظ رہیں گی۔ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ محمد نبی ہیں ہم کو ان کا ساتھی ہونے سے سواء اس حسد کے اور کوئی امر مانع نہیں تھا کہ یہ عرب میں سے ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں مگر اللہ نے یہ مقام (نبوت) ان کو عطا فرما دیا مجھے عہد شکنی اور وعدہ کی خلاف ورزی پہلے ہی پسند نہ تھی لیکن یہ مصیبت اور نحوست اس شخص (یعنی حیی بن اخطب) کی وجہ سے آئی جو بیٹھا ہوا ہے۔ جب قریش اور بنی غطفان واپس چلے گئے تو حیی کعب بن اسد سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق بنی قریظہ کے پاس قلعہ میں آ گیا تھا۔ (اسی کی طرف کعب نے اشارہ کیا) کیا ابنِ جوّ اس کی بات تم کو یاد ہے جو اس نے تم سے کہی تھی یہودیوں نے پوچھا کیا کہا تھا۔ کعب نے جواب دیا ابنِ جوّ اس نے کہا تھا کہ اس بستی میں ایک نبی کا خروج ہوگا اگر میری زندگی میں اس کا خروج ہو گیا تو میں اس کا پیروی اور مدد کروں گا اور اگر میرے بعد وہ پیدا ہوا تو تم اس کا اتباع کرنا۔ خبردار کسی کے بہکاوے میں نہ آ جانا اس کے مددگار اور دوست رہنا اگر تم ایسا کرو گے تو دونوں کتابوں پر تمہارا ایمان ہو جائے گا اول کتاب پر بھی اور آخری کتاب پر بھی۔ ان کو میرا اسلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ان پر ایمان رکھتا ہوں۔

کعب نے کہا (اے معشر یہود) آؤ ہم اس سے بیعت کر لیں اور اس کے سچے ہونے کا اعتراف کر لیں۔

قوم یہود کا انکار

بنی قریظہ نے کہا ہم توریت کا حکم تو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور شریعت توریت کی بجائے دوسری شریعت کو نہیں اختیار کریں گے۔

کعب کی دوسری تجویز

کعب نے کہا جب تم یہ بات نہیں مانتے تو آؤ ہم پہلے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں تلواریں سونت کر نکل آئیں یہاں تک کہ اللہ ہمارا اور محمد کا فیصلہ کر دیں اگر ایسی حالت میں مر جائیں گے تو اپنے پیچھے کسی کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے کہ ہمیں اس کے متعلق اندیشہ ہو اور اگر غالب آ جائیں گے تو یقیناً ہم کو اور بیویاں اور بچے مل جائیں گے یہودیوں نے کہا ہم ان بے چاروں کو کیسے قتل کر سکتے ہیں ان کے بعد جینے میں کیا لذت رہ جائے گی۔ کعب نے کہا جب یہ بات بھی تم تسلیم نہیں کرتے تو یہ سمجھ لو کہ آج شنبہ کی رات ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی بے فکر ہوں گے اگر یہودی آج حملہ نہیں کر سکتے) تم نیچے اترو ممکن ہے غفلت کی حالت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کرنے میں ہم کو کامیابی مل جائے۔ یہودیوں نے جواب دیا ہم یوم السبت (کے حکم) کو بگاڑ نہیں سکتے تم جانتے ہو کہ ہم سے پہلے (ہمارے اسلاف میں سے) جن لوگوں نے یوم السبت میں بدعت (خلاف شرح حرکت) کی تھی ان پر کیسا مسخ شکل کا عذاب آیا تھا اس لئے ہم ایسی حرکت نہیں کر سکتے کہ ہم پر بھی وہ عذاب آ جائے۔ کعب نے کہا تم میں سے کوئی بھی جب سے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اب تک ایک دن کے لئے بھی کبھی سمجھدار (دانشمند) نہیں ہوا۔

ثعلبہ اور اسید کی تقریر اور اسلام

ثعلبہ بن سعید اور اسید بن سعید اور اسد بن عبید نے کہا (یہ خاندان نہ تو بنی قریظہ میں سے تھے نہ بنی نضیر میں سے بلکہ ہذیل میں سے تھے اور پر کسی جگہ بنی قریظہ سے ان کا رشتہ ملتا ہے) اے گروہ بنی قریظہ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا حلیہ اور اوصاف ہمارے پاس (ہماری کتابوں میں) موجود ہیں جو ہمارے علماء اور بنی نضیر کے علماء بیان کرتے رہے ہیں۔ ابن ہیبان ہمارے نزدیک بڑا سچا آدمی تھا یہ حیی بن اخطب جو بنی نضیر کا اول شخص ہے اس کے حالات سے واقف ہے اس نے مرتے وقت اللہ کے رسول کے صفات (حلیہ اخلاق وغیرہ) بیان کئے تھے۔ بنی قریظہ نے کہا ہم (شریعت) توریت کو نہیں چھوڑیں گے جب ثعلبہ اور اسید وغیرہ نے دیکھا کہ بنی قریظہ نے ان کی بات نہیں مانی تو اسی تاریخ کو صبح ہوتے ہی گڑھی سے اتر گئے اور جا کر مسلمان ہو گئے اور اپنی جانوں مالوں اور اہل وعیال کو محفوظ کر لیا۔

عمرو بن مسعود نے عہد پورا کیا

عمرو بن مسعود نے کہا اے گروہِ یہود تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جن باتوں پر بقسم معاہدہ کیا تھا اس سے تم واقف ہو تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا میں تمہارا شریک نہ تھا نہ معاہدہ میں داخل تھا نہ معاہدہ شکنی میں۔ اب اگر (مسلمان ہونے سے) تم انکار کرتے ہو تو جزیہ قبول کرو اور یہودیت پر قائم رہو۔ بنی قریظہ نے کہا ہم عرب کو جزیہ دینے کا بار اپنی گردنوں پر نہیں لیں گے اس سے تو قتل ہو جانا بہتر ہے۔ عمرو نے کہا تو میں تم سے الگ ہوں یہ کہہ کر اسی رات سعیہ کے دونوں بیٹوں کے ساتھ نکل کر چلا گیا۔ اسلامی لشکر کے محافظوں کے کمانڈر محمد بن مسلمہ

Marfat.com

تھے عمرو بن مسعود جب یہودیوں کے پاس سے نکل کر اسلامی لشکر کے محافظوں تک پہنچا تو محمد بن مسلمہ نے کہا کون ہے عمرو بن مسعود نے کہا عمرو بن مسعود۔ محمد بن مسلمہ نے کہا اے اللہ مجھے عزت والوں کی صحبت سے محروم نہ کرنا پھر (عمرو کو داخلہ کی اجازت دے دی) راستہ چھوڑ دیا عمرو آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تک پہنچ گیا اور وہیں رات گزاری صبح ہوئی تو یہ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ اس وقت تک کہاں رہا۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا۔ حضور نے فرمایا اس آدمی کو اللہ نے وفاء عہد کی وجہ سے بچالیا (محفوظ رکھا)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اہلِ مغازی کا بیان ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہم ابولُبابہ سے اپنے معاملہ میں مشورہ کرنا چاہتے ہیں آپ ان کو ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ حضرت ابولبابہ خاندان عمرو بن عوف کے ایک فرد تھے اور یہودی قبیلۂ اوس کے حلیف تھے۔ حضور نے ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا ابولُبابہ پہنچے تو یہودی مردان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور عورتوں اور بچوں نے ان کے سامنے رونا شروع کر دیا ابولُبابہ کو ان پر رحم آ گیا۔ یہودیوں نے کہا ابولُبابہ آپ کی کیا رائے ہے کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے ہم گڑھیوں سے اتر آئیں۔ ابولُبابہ نے (زبان سے تو) کہا ہاں (لیکن) ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا مراد یہ تھی کہ قتل کر دیئے جاؤ گے حضرت ابولبابہ کا بیان ہے کہ میں اس جگہ سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا کہ مجھے خیال آ گیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت (بدعہدی) کی۔ حضرت ابو لبابہ وہاں سے چل کر سیدھے مسجد میں آئے اور ایک ستون سے اپنے کو بندھوا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے اور کہنے لگے میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا جو حرکت مجھ سے ہوئی ہے اللہ اس کو معاف فرما دے۔ میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ بنی قریظہ کی سرزمین پر قدم نہیں رکھوں گا اور جس آبادی میں میں نے اللہ اور اس کے رسول سے بدعہدی کی ہے اس میں کبھی مجھے کوئی نہیں دیکھے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے جانے کی اور اس عمل کی جو مجھ سے سرزد ہو گیا تھا اطلاع پہنچی تو فرمایا اس کو اس وقت تک یونہی رہنے دو جب تک اللہ اس کے بارے میں کوئی جدید حکم نازل نہ فرما دے وہ اگر میرے پاس آ جاتا تو میں اللہ سے اس کے لئے معافی کی دعا کرتا لیکن جب وہ میرے پاس نہیں آیا اور خود چلا گیا تو اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اسی واقعہ کے سلسلہ میں آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ نازل ہوئی۔ اس کے بعد ابولبابہ کے توبہ قبول ہونے کی وحی رسول اللہ پر نازل ہوئی اس وقت حضور حضرت امِ سلمہ کے مکان میں تھے حضرت امِ سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول کو ہنستے سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو ہنستا رکھے آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی میں نے عرض کیا کیا میں اس کو اس کی بشارت دے دوں فرمایا اگر تم چاہتی ہو (تو ایسا کر لو) میں اُٹھ کر حجرہ کے دروازہ پر پہنچی (یہ واقعہ حکم پردہ نازل ہونے سے پہلے کا ہے) اور کہا ابولبابہ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی یہ سنتے ہی لوگ ابولبابہ کو کھولنے کے لئے دوڑ پڑے لیکن ابو لبابہ نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم (مجھے کوئی نہ کھولے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مجھے اپنے ہاتھ سے کھولیں تو خیر فجر کی نماز کے لئے حضور برآمد ہوئے اور ابولبابہ کی طرف سے گزرے اور ان کو آزاد کیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

حماد بن سلمہ نے علی بن زید بن جدعان کی وساطت سے بروایت حضرت علی زین العابدین بن امام حسین بیان کیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء کھولنے کے لئے تشریف لے گئی تھیں تو حضرت ابولبابہ نے کہا میں نے اللہ کی قسم کھا لی ہے کہ سواء اللہ کے رسول کے اور کوئی مجھے نہ کھولے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرا ہی ٹکڑا ہے۔ امام زین العابدین کی یہ روایت مرسل ہے (درمیان کا راوی بیان نہیں کیا گیا اور خود امام زین العابدین صحابی نہیں تھے)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا خواب

ابولبابہ کا بیان ہے جب ہم بنی قریظہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو میں نے ایک خواب دیکھا میں نے دیکھا تھا کہ میں بدبودار سیاہ کیچڑ میں اندھ گیا ہوں اور اس کی بدبو سے مرا جاتا ہوں مگر نکل نہیں پاتا۔ پھر میں نے ایک بہتی نہر دیکھی اور اس میں غسل کرنے لگا یہاں تک کہ پاک صاف ہو گیا اور مجھے پاکیزہ خوشبو محسوس ہونے لگی میں نے اس کی تعبیر حضرت ابوبکر صدیق سے دریافت کی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا تم کسی غم آ گیں بات میں پھنس جاؤ گے پھر اللہ کشائش عطا فرما دے گا۔ میں جس وقت ستون سے بندھا ہوا تھا اس وقت مجھے حضرت ابوبکر کی بات یاد تھی

Marfat.com

اس لئے مجھے امید تھی کہ اللہ میری توبہ کی قبولیت نازل فرمادے گا۔

چنانچہ میں مسلسل اسی حالت میں رہا اور تکلیف کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کانوں سے آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی اور رسول اللہ میری حالت دیکھ رہے تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ابولُبابہ چھ رات بندھے رہے ہر نماز کے وقت بیوی آ کر کھول دیتی تھی۔ آپ وضو کر کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ بیوی پھر باندھ دیتی تھی۔

ابن عقبہ کا بیان ہے لوگوں کا قول ہے کہ تقریباً بیس رات بندھے رہے بدایہ میں اس کو زیادہ صحیح قول قرار دیا ہے ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پچیس دن بندھے رہے۔ نماز کے وقت یا قضاء حاجت کے لئے بیٹی آ کر کھول دیتی تھی۔ فراغت کے بعد بیٹی دوبارہ باندھ دیتی تھی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کبھی بیوی کھول دیتی ہوگی کبھی بیٹی۔

ابولُبابہ کی توبہ کے قبول ہونے کے سلسلہ میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

یہودیوں کی شکست

بغوی نے لکھا ہے مسلمانوں نے بنی قریظہ کا محاصرہ پچیس روز جاری رکھا یہاں تک کہ محاصرہ کی تکلیف سے وہ تنگ آ گئے اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق وہ اتر آئے ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشکیں کسنے کا حکم دے دیا اور محمد بن مسلمہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا پھر ان کو ایک طرف کو لے گئے اور عورتوں بچوں کو قلعوں سے باہر لایا گیا اور یہ خدمت عبداللہ بن سلام کے سپرد کی گئی پھر ان کا سامان جمع کیا جس میں پندرہ سو تلواریں تین زرہیں دو ہزار بھالے پندرہ سو چمڑے کی چھوٹی بڑی ڈھالیں بہت سا اثاث البیت بکثرت ظروف اور شراب اور منشی شربت ملا۔ شراب ساری بہادی گئی اس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا۔ آب کش اونٹوں کی کافی تعداد اور مویشی بکثرت دست یاب ہوئے۔ یہ سب مال جمع کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے۔

قبیلہ اوس کی سفارش

پھر قبیلۂ اوس والے قریب آئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہمارے حلیف ہیں خزرج کے حلیف نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ابن ابی (سردار خزرج) کے حلیفوں یعنی بنی قینقاع کے معاملہ میں آپ نے کیا سلوک کیا۔ خزرج کی وجہ سے تین سو غیر مسلح اور چار سو زرہ پوش لوگوں کو آپ نے معاف کر دیا۔ اب ہمارے حلیف بھی اپنی گذشتہ عہد شکنی پر پشیمان ہیں ان کو ہماری وجہ سے معاف فرما دیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کوئی بات نہیں کی۔

حضرت سعد کا بطورِ جج تقرر

اوس والوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرو گے کہ یہ فیصلہ تمہارے ہی ایک آدمی کے سپرد کر دیا جائے۔ اوس والوں نے کہا کیوں نہیں۔ حضور نے فرمایا تو فیصلہ سعد بن معاذ کے سپرد ہے۔ ابن عقبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہ میں سے جس شخص کا چاہو (اس فیصلہ کے لئے) انتخاب کر لو۔ سفارش کرنے والوں نے حضرت سعد بن معاذ کو منتخب کر لیا۔

ایک مسلمان عورت تھی جس کو رفیدہ کہا جاتا تھا وہ زخمیوں کا علاج کرتی تھی اور جس زخمی کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا تیماردار نہیں ہوتا تھا بامید ثواب اس کی خدمت خود کرتی تھی۔ اس کا خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد کے اندر لگا دیا گیا تھا اور حضرت سعد جب جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے تو حضور نے حکم دے دیا تھا کہ سعد کو رفیدہ کے خیمہ میں رکھوتا کہ قریب سے میں ان کے عیادت اور خبر گیری کر سکوں چنانچہ اس محاصرہ کے زمانہ میں حضرت سعد مسجد کے اندر رفیدہ کے ڈیرے میں مقیم تھے جب حضور نے حضرت سعد کو بنی قریظہ کے معاملہ کا جج بنا دیا تو یہیں رفیدہ کے خیمہ میں قبیلۂ اوس والے حضرت سعد کے پاس آئے اور آپ کو ایک عربی گدھے پر سوار کیا گدھے پر ریشوں سے بنا ہوا چار جامہ رکھا گیا تھا اور چار جامہ کے اوپر ایک کمبل ڈال دیا گیا تھا گدھے کی لگام بھی کھجور کے ریشوں کی تھی حضرت سعد جسیم دار آدمی تھے قبیلہ اوس والے آپ کو اپنے گھیرے میں لے کر چلے اور راستہ میں حضرت سعد سے کہنے لگے ابوعمرو اللہ کے رسول نے آپ کے بھائیوں (یعنی حلیفوں) کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا ہے تا کہ آپ ان کے معاملہ میں اچھا سلوک کریں اس لئے آپ بھی ان کے ساتھ بھلائی کریں (یعنی سخت فیصلہ نہ کریں) آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابن ابی نے اپنے حلیفوں کے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا تھا۔ یہ لوگ حضرت سعد سے بہت زیادہ سفارش کرتے رہے مگر آپ خاموش تھے کوئی بات زبان سے نہیں نکال رہے تھے آخر جب ان لوگوں نے زیادہ زور دیا تو

Marfat.com

آپ نے فرمایا اب سعد کے لئے وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کے برا کہنے کی اس کو پرواہ نہ ہو یہ سن کر ضحاک بن خلیفہ بن ثعلبہ انصاری اور دوسرے لوگ بول اُٹھے۔ افسوس قوم والوں کی تباہی آ گئی سعد کے منہ سے نکلی ہوئی بات ابھی اوس والوں کو پہنچی بھی نہ تھی کہ ضحاک نے ان کو جا کر بنی قریظہ کی موت کی (یعنی فیصلہ موت کی) اطلاع دے دی صحیحین میں آیا ہے کہ جب حضرت سعد مسجد کے قریب پہنچے یعنی اس مسجد کے قریب پہنچے جو محاصرہ کے زمانہ میں بنی قریظہ کے احاطہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے تیار کرائی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سردار کے (استقبال) کے لئے اٹھو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اپنے بہترین (سب سے اچھے) آدمی کے لینے کے لئے اٹھو مہاجرین قریش کے نزدیک یہ خطاب صرف انصار کو تھا اور انصار کہتے تھے رسول اللہ کا یہ خطاب تمام مسلمانوں کو تھا۔ امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا اپنے سردار کو لینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس کو اتارو بنی عبدالاشہل کا بیان ہے کہ (اس حکم کی تعمیل میں) ہم نے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر دو قطاریں بنالیں۔

حضرت سعد کا فیصلہ

بوساطت حضرت جابر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا اللہ ہی نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنے حلیفوں کے معاملہ کا فیصلہ کرو اور اچھی طرح کرو۔ حضرت سعد نے (انصاریانِ اوس سے) کہا کیا بنی قریظہ کے معاملہ میں میرے فیصلہ پر تم راضی ہو سب نے کہا۔ ہاں ہم تو اس وقت بھی راضی تھے جب آپ یہاں موجود نہ تھے ہم نے آپ کا انتخاب کیا تھا اور یہ امید تھی کہ آپ ہم پر احسان کریں گے جیسے دوسروں نے (یعنی ابن ابی نے) اپنے حلیفوں کے ساتھ یعنی بنی قینقاع کے ساتھ کیا تھا۔ سعد نے کہا کیا تم اللہ کے عہد و میثاق کے ساتھ کہتے ہو کہ جو کچھ میں فیصلہ کروں گا تم اس کو واجب النفاذ قرار دو گے سب نے کہا ہاں۔ سعد نے اس گوشہ کی جانب جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اشارہ کرتے ہوئے کہا (یہ فیصلہ) کیا ان پر بھی ہوگا جو یہاں ہیں عظمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے ہوئے حضرت سعد کا رخ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مڑا ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں۔ سعد نے کہا تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں بچوں کو باندی غلام بنالیا جائے اور ان کے مال کو بانٹ لیا جائے اور ان کے گھر مہاجرین وانصار کو دے دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ فیصلہ اس حکم خداوندی کے مطابق کیا جو سات ٹکڑوں (یعنی سات آسمانوں) کے اوپر سے اللہ نے نازل فرمایا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحر کو ہی یہ حکم لے کر فرشتہ میرے پاس آ چکا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دُعاء

جس رات کی صبح کو رسول اللہ کے حکم کے مطابق بنی قریظہ اپنے قلعوں سے اترے تھے اسی رات کو حضرت سعد نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر قریش سے جنگ کرنے کے لئے مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو باقی رکھ کیوں کہ جن لوگوں نے تیرے رسول کی تکذیب کی ان کو ستایا اور جلاوطن کیا ان سے زیادہ کسی قوم سے لڑنے کی مجھے خواہش نہیں اور اگر قریش کی لڑائی ختم ہو چکی ہے تو اسی (زخم) کو میرے لئے باعثِ شہادت بنا دے لیکن جب تک بنی قریظہ کی طرف سے (یعنی ان کی شکست وتباہی کو دیکھ کر) میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں میرے لئے موت مقرر نہ فرما۔

اللہ نے بنی قریظہ کی طرف سے سعد کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔

یہودی مَردوں کا قتل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے بروز پنجشنبہ نویا پانچ ذی الحجہ کو واپس ہوئے اور حسب الحکم رملہ بنت حارث بخاریہ کے گھر میں یہودیوں کو بند کر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ مدینہ کے بازار کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ بازار وہی تھا جو آج بھی ہے۔ وہاں ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا چنانچہ ابوالجہم عدوی کے مکان کے پاس سے احجار الزیت تک بازار میں گڑھا صحابہ کھودنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہے پھر آپ نے بنی قریظہ کے مردوں کو بلوایا اور اس گڑھے میں ان کی گردنیں ماری جانے لگیں۔ کعب بن اسد سے جو یہودیوں کی دستہ دستہ (قطار در قطار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جا رہے تھے۔ یہودیوں نے کہا کعب تمہارا کیا خیال ہے محمد ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ کعب نے جواب دیا کم بختو تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو تم کو پسند نہ ہوگا بہرحال تم کو دیت لے کر چھوڑا نہیں

Marfat.com

جائے گا تم میں سے جو جائے گا وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ خدا کی قسم (اب تو تمہارے لئے) تلوار ہی ہے میں نے تم کو پہلے جس بات کی دعوت دی تھی (یعنی عہد شکنی نہ کرنے کی) تم نے اس کو نہ مانا۔ کہنے لگے یہ وقت عتاب (برا بھلا کہنے) کا نہیں ہے اگر ہم تمہاری رائے کو برا سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیتے تو جو معاہدہ ہمارے اور محمد کے درمیان تھا اس کو توڑنے میں شریک نہ ہوتے۔ حیی بن اخطب نے کہا اب ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا چھوڑو اس وقت اس سے کچھ فائدہ نہیں مرنے پر تیار ہو جاؤ۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن عوام نے بنی قریظہ کو قتل کیا تھا (یعنی قتل کرنے کی خدمت ان ہی دونوں بزرگوں نے انجام دی تھی)

یہودیوں کا سردار حیی

پھر حیی بن اخطب کو لایا گیا اس وقت گردن سے اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے اور فقاحی جوڑا اس نے قتل ہونے کے لئے پہن رکھا لیکن پھر اس کو پھاڑ دیا اور انگل انگل برابر ٹکڑے کر دیئے تا کہ اس کو اتار کر کوئی پہن نہ سکے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو حضور نے فرمایا دشمنِ خدا کیا اللہ نے تجھے میرے قابو میں نہیں کر دیا کہنے لگا کیوں نہیں لیکن آپ سے دشمنی رکھنے پر میں اپنے آپ کو قابلِ ملامت نہیں قرار دیتا کیوں کہ اپنے خیال میں میں آپ پر غالب آ جانے کا خواستگار تھا لیکن اللہ کو یہ منظور نہ تھا اس کو یہی منظور تھا کہ مجھ پر آپ کو قابو عطا کر دے میں نے ہر چند دوڑ لگائی لیکن جس کی مدد اللہ نہ کرے اس کی مدد کوئی نہیں کرتا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا لوگو اللہ کے حکم میں کوئی خرابی نہیں بنی اسرائیل پر یہ خدا کی طرف سے لکھا ہوا اور مقدر کیا ہوا امر ہے۔ یہ کہنے کے بعد بیٹھ گیا پھر اس کی گردن ماردی گئی۔

قیدیوں کو پانی پلانے کا حکم

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنے قیدیوں سے بھلائی کرو اور دوپہر کا وقفہ دو اور پانی پلاؤ تا کہ ان کو کچھ ٹھنڈک مل جائے۔ پھر جو باقی رہ گئے ہیں ان کو قتل کر دینا۔ دوہری گرمی کی مار ان پر نہ ڈالو۔ ایک تلوار کی گرمی دوسری سورج کی گرمی۔

گرمی کا موسم تھا اور وہ دن گرم بھی تھا لوگوں نے یہودیوں کو دوپہر کا کچھ وقفہ دیا اور پانی پلایا جب ٹھنڈک ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کر دیا گیا۔

کعب بن اسد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو

کعب بن اسد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا حضور نے اس سے فرمایا ابن جواس نے تم کو نصیحت کی تھی اور میرے متعلق اس نے سچ کہا تھا مگر تم نے اس کی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا کیا اس نے تم کو میرا اتباع کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ اگر تمہاری ملاقات مجھ سے ہو جائے تو مجھے اس کی طرف سے سلام پہنچا دینا۔ کعب نے کہا بے شک ابوالقاسم توریت کی قسم (اس نے یہی کہا تھا) اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ یہودی مجھے عار دلائیں گے اور کہیں گے تلوار سے ڈر گیا تو میں آپ کا اتباع ضرور کرتا لیکن اب تو دین یہودیت پر قائم ہوں۔ حضور نے حکم دیا اس کو بھی (قتل گاہ میں) پیش کرو۔ چنانچہ اس کی بھی گردن ماردی گئی۔

قتل کا اصول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس مرد کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا جس کے زیرِ ناف بال آ گئے ہوں۔ امام احمد اور اصحاب السنن نے بیان کیا ہے کہ عطیہ قرظی نے کہا میں (اس زمانہ میں) لڑکا تھا زیرِ ناف بال نہیں جمے تھے اس لئے مجھے چھوڑ دیا۔

طبرانی نے حضرت اسلم انصاری کا بیان نقل کیا ہے حضرت اسلم انصاری نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بنی قریظہ کے قیدیوں پر مامور فرمایا تھا میں لڑکے کے شرمگاہ دیکھتا تھا اگر زیرِ ناف بال اُگے ہوئے نظر آئے تو میں اس کی گردن مار دیتا تھا اگر زیرِ ناف بال نہ ہوئے تو اس کو میں مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں شامل کر دیتا تھا۔

رفاعہ کی جان بخشی

رفاعہ بن شمول قرظی بالغ ہو چکا تھا لیکن اس نے اسلیط بن قیس کی بہن ام المنذر سلمی بنت قیس کی پناہ حاصل کر لی۔ ام المنذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالاؤں میں سے تھی یعنی آپ کے دادا عبدالمطلب کی خالہ تھی عبدالمطلب کی ماں قبیلہ بنی نجار میں سے تھی سلمی (قدیم الاسلام تھی اس) نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی۔ سلمی نے رسول اللہ کی خدمت میں گذارش کی اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ قربان مجھے رفاعہ کو بخش دیجئے اس نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ آئندہ نماز پڑھے گا اور اونٹ کا گوشت بھی کھائے گا (یعنی مسلمان ہو جائے گا اور اونٹ کے گوشت کو شریعت اسلامیہ کے مطابق حلال سمجھے گا) حضور نے رفاعہ کو بطور ہبہ سلمی کو دے دیا۔

Marfat.com

رفاعہ کو زندہ چھوڑ دینے کا سبب سلمی ہوئی اس کے بعد رفاعہ مسلمان ہو گیا۔ یہ سلسلہ قتل (دن بھر) قائم رہا۔ یہاں تک کہ شفق چھپ گئی۔ اس کے بعد خندق کے اندر مقتولین پر مٹی ڈال دی گئی یہ سب کچھ حضرت سعد بن معاذ کی نظر کے سامنے ہوا اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔

ایک یہودی عورت کا قتل

(اس روز) سواء بنی نضیر کی ایک عورت کے اور کسی عورت کو قتل نہیں کیا گیا یہ عورت بنانہ تھی جو بنی قریظہ کے کسی مرد کے نکاح میں تھی اور زوجین میں بڑا پیار تھا جب یہودیوں کا محاصرہ سخت ہو گیا تو بنانہ شوہر کے سامنے روئی اور کہا تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے شوہر نے کہا توریت کی قسم تو اور کسی کام نہیں آ سکتی صرف اس چکی کے پاٹ کو اوپر سے مسلمانوں پر لڑکا دے کیوں کہ اب تک ہم ان میں سے کسی کو قتل نہیں کر سکے ہیں تو عورت ہے اگر محمد ہم پر غالب آ گئے تو تجھے قتل نہیں کریں گے کیوں کہ وہ عورتوں کو قتل نہیں کرتے ہیں اور یہ مجھے گوارا نہیں کہ تجھے باندی بنا لیا جائے میں چاہتا ہوں کہ (میرے بعد) تجھے قتل کر دیا جائے۔ بنانہ اس وقت زبیر بن باطا کے قلعہ میں تھی اس نے قلعہ کے اوپر سے چکی کا پاٹ لڑکا دیا مسلمان سایہ لینے کے لئے قلعہ (کی دیوار) کے نیچے بیٹھ جایا کرتے تھے مسلمانوں نے جب یہ حرکت دیکھی تو منتشر ہو گئے خلاد بن سوید کے اوپر چکی گر پڑی اور ان کا سر پھٹ کے ٹکڑے ہو گیا اسی سے ان کی وفات ہو گئی۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا واللہ بنانہ میرے پاس موجود تھی اور خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کو تلواروں سے قتل کر رہے تھے دوسری روایت میں آیا کہ بنانہ (ہنس ہنس کر) کہہ رہی تھی کہ بنی قریظہ کے سردار مارے جا رہے ہیں یک دم کسی پکارنے والے نے بنانہ کا نام لے کر آواز دی فلاں عورت کہاں ہے بنانہ نے کہا میں ہوں خدا کی قسم۔ میں نے کہا کم بخت تجھے اس سے کیا تعلق۔ کہنے لگی (اب) میں ماری جاؤں گی میں نے کہا کیوں کہنے لگی میں نے ایک بات کی ہے چنانچہ وہ چلی گئی اور خلاد بن سوید کے عوض اس کی گردن ماردی گئی۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں میں بنانہ کی خوش طبعی اور ہنسی کی زیادتی نہیں بھولوں گی جب کہ وہ جان چکی تھی کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔ (پھر بھی خوب ہنس رہی تھی)

مسئلہ: جمہور کا مسلک ہے کہ کسی بھاری چیز سے کوئی کسی کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا بنانہ کا واقعہ اس کی شہادت دے رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا بھاری چیز سے قتل کا کوئی قصاص نہیں خواہ کوہ ابو قبیس کسی پر پھینک مارا ہو قتل ہو یا زخم اس کا قصاص صرف اس وقت ہو گا جب آلۂ دھار دار سے ہو۔ سورۂ توبہ کی آیت کتب علیکم القصاص کی تفسیر کے ذیل میں ہم اس مسئلہ کی تنقیح کر چکے ہیں۔

زبیر بن باطا کی عجیب داستان

محمد بن اسحاق نے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ دورِ جاہلیت میں جنگِ بعاث کے دن زبیر بن باطا قرظی جس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی ثابت بن قیس بن شماس کو پکڑ کر لے گیا اور (بجائے قتل کرنے یا غلام بنانے کے) اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر چھوڑ دیا جب بنی قریظہ کا یہ دن آیا تو زبیر قرظی بہت بوڑھا تھا ثابت نے اس سے کہا ابوعبدالرحمٰن کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔ زبیر نے جواب دیا۔ مجھ جیسا آدمی آپ جیسے آدمی سے کسی طرح انجان رہ سکتا ہے ثابت نے کہا آپ نے جو احسان مجھ پر کیا تھا میں آج اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں زبیر نے کہا شریف لوگ بھلائی کا اچھا بدلہ دیتے ہیں اس کے بعد ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ زبیر کا مجھ پر ایک احسان تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کا بدلہ اتار دوں۔ حضور زبیر کی جان مجھے عطا فرما دیں فرمایا وہ تم کو بخش دیا گیا۔ ثابت یہ اختیار لے کر زبیر کے پاس آئے اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے تمہاری جان بخش کر دی زبیر نے کہا ایک بڑا بوڑھا جس کے نہ بیوی نہ بچے زندہ رہ کر کیا کرے گا یہ بات سن کر ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ زبیر کے بال بچوں کو معاف کر دیجئے۔ فرمایا وہ بھی تمہیں دے دیئے گئے۔ ثابت زبیر کے پاس پہنچے اور کہا تمہارے اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیئے اور اب میں وہ تم کو دیتا ہوں زبیر نے کہا وہ گھر والے جو حجاز میں ہوں اور ان کے پاس کچھ مال نہ ہو کس طرح جی سکتے ہیں۔ ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس کا مال بھی عطا فرما دیجئے فرمایا وہ بھی تم کو دے دیا گیا۔ ثابت نے زبیر سے جا کر کہا کہ اللہ کے رسول نے تمہارا مال مجھے بخش دیا اب وہ تمہارا ہے۔ زبیر نے کہا ثابت اس شخص کا کیا ہوا جو خوبصورت چینی آئینہ تھا جس کے اندر (پورے) قبیلہ کا چہرہ دکھائی دیتا تھا یعنی کعب بن اسد ثابت نے کہا اس کو قتل کر دیا گیا۔ زبیر نے اچھا اس کا کیا

Marfat.com

ہوا جو شہریوں کا بھی سردار تھا اور صحرا نشین لوگوں کا بھی دونوں کا سرگروہ تھا۔ لڑائی کے موقع پر لوگوں کو سواریاں عطا کرتا ہے اور قحط کے زمانہ میں کھانا کھلاتا تھا یعنی حي بن اخطب کہاں گیا۔ ثابت نے کہا وہ بھی مارا گیا۔ زبیر نے کہا غزالہ بن شمول کا کیا ہوا جو حملہ کرنے کے وقت ہمارا ہردل تھا اور حملہ سے مڑنے کے وقت ہمارے لئے حاشیہ ہوتا تھا (یعنی میمنہ اور میسرہ ہو جاتا تھا تا کہ ہماری حفاظت ہو سکے) ثابت نے کہا وہ بھی قتل ہو گیا۔ زبیر نے کہا دونوں نشست گاہوں یعنی بنی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کی مجلسوں کا کیا ہوا ثابت نے کہا (دونوں مجلسوں کے) لوگ چلے گئے اور مارے گئے زبیر کہنے لگا ثابت میں نے جو بھلائی تیرے ساتھ کی تھی اس کا واسطہ دے کہ تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے بھی انہیں لوگوں کے پاس پہنچا دے۔ خدا کی قسم ان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں جس گھر میں وہ لوگ فروکش اور مقیم تھے میں اس گھر میں جا کر ان کے بعد ہمیشہ رہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں لیکن ثابت میرے بعد میرے اہل و عیال کا لحاظ رکھنا اپنے ساتھی سے درخواست کرتا کہ وہ ان کو آزاد کر دے اور ان کا مال ان کو دے دے چنانچہ ثابت کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبیر کے بیوی بچوں کو اور باستثناء اسلحہ باقی مال کو واپس کر دیا۔ زبیر نے کہا ثابت میرا جو حق تجھ پر ہے تجھے اس کا واسطہ مجھے (جلد) ان دوستوں سے ملا دے۔ مجھ سے اب اتنی دیر بھی صبر نہیں ہو سکتا جتنی دیر بھرے ہوئے ڈول کو حوض میں الٹ کر دوبارہ ڈول کو کنویں میں ڈالنے میں ہوتی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے ثابت نے لے جا کر زبیر کی گردن مار دی۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ ثابت نے کہا زبیر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تجھے قتل کر دوں۔ زبیر نے کہا مجھے پرواہ نہیں کہ میرا قاتل کون ہو (تیرے ہاتھ سے مارا جاؤں یا کسی اور کے ہاتھ سے میرے لئے دونوں برابر ہیں) آخر حضرت زبیر بن عوام نے اس کو قتل کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق کو جب زبیر قرظی کے اس قول کی اطلاع ملی کہ میں اپنے دوستوں سے ملوں گا تو آپ نے فرمایا جہنم کی آگ میں وہ اپنے دوستوں سے ہمیشہ ہمیشہ ملاقات کرتا رہے گا۔

مال کی تقسیم

اس کے بعد بنی قریظہ کا مال متاع اور عورتوں کی تقسیم کی گئی۔ یہ سب سے پہلا مالِ مفت تھا جس میں (بعض لوگوں کو) دوہرا حصہ ملا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی اور ان میں ۳۶ گھوڑے (سوار) تھے۔ کل مال کے ۳۰۷۲ تین ہزار بہتر حصے کئے گئے ہر آدمی کا ایک حصہ اور گھوڑے کا دوہرا حصہ۔

کچھ قیدیوں کی فروخت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قیدی سعد بن عبادہ کے ساتھ فروخت کرنے کے لئے بھیج دیے تا کہ ان کی قیمت سے اسلحہ اور گھوڑے خرید لئے جائیں۔ یہ روایت محمد بن عمر کی ہے لیکن ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ سعید بن زید انصاری کے ساتھ بنی قریظہ کے کچھ قیدی بھیجے تھے جن کی قیمت سے سعد نے گھوڑے اور اسلحہ خریدے تھے۔

حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن کی تجارت

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کچھ قیدی عورتیں شرکت میں خریدی تھیں پھر حضرت عبدالرحمٰن نے خریدی ہوئی عورتیں دو حصوں میں بانٹ دیں۔ بوڑھی عورتوں کو ایک طرف کیا اور جوان عورتوں کو دوسری طرف پھر حضرت عثمان کو اختیار دے دیا کہ جو حصہ آپ چاہیں لے لیں۔ حضرت عثمان نے بوڑھی عورتوں والا حصہ لے لیا اور اس کی وجہ سے بڑے مالدار ہو گئے کیوں کہ بوڑھی عورتوں کے پاس سے کثیر مال برآمد ہوا۔

ابن سیرہ نے کہا بوڑھی عورتوں کے پاس سے ایک یا دو ماہ کے بعد مال برآمد ہوا تھا اس لئے ان سے مال لے کر مال غنیمت میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عثمان نے اپنی خریدی ہوئی عورتوں میں سے ہر عورت سے کہہ دیا کہ اتنے وقت میں اتنا مال جو عورت دے گی وہ آزاد کر دی جائے گی چنانچہ جس عورت نے مقررہ مدت میں مال کی مقدار دے دی وہ آزاد کر دی گئی۔ حضرت عثمان نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

ماں بچے میں جدائی کی ممانعت

عورتوں سے ان کے بچوں کو جدا کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی تھی۔ تقسیم کے وقت بھی اور فروخت کے وقت بھی اور فرما دیا تھا ماں اور اس کے بچہ میں تفریق نہ کی جائے جب تک بچہ بالغ نہ ہو جائے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ بالغ ہونے سے کیا مراد ہے فرمایا لڑکی کو حیض آنے لگے اور لڑکے کو احتلام ہونے لگے۔ رواہ الحاکم وصححہ عن عبادۃ بن الصامت۔ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

Marfat.com

کہ ماں اور اس کے بچہ میں جدائی نہ کرو۔ عرض کیا گیا کب تک فرمایا جب تک لڑکا بالغ ہو جائے اور لڑکی کو حیض آنے لگے۔

دار قطنی نے بوساطت میمون بن ابی شعیب حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایک باندی اور اس کے بچہ میں جدائی کر دی (یعنی ایک کو فروخت کر دیا دوسرے کو اپنے پاس رکھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرما دی اور بیع لوٹ وا دی۔ ابوداؤد نے منقطعاً یہ لفظ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے اس کو واپس کر دیا۔ ابنِ ہمام نے کہا مرسل ہونا ہمارے نزدیک ضعف نہیں پیدا کرتا۔ حاکم نے اس کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ترجیح دی ہے۔

مسئلہ: اسی حدیث سے امام ابوحنیفہ نے استنباط کیا ہے کہ بیع یا ہبہ وغیرہ کے ذریعہ سے ان دو چھوٹے غلاموں میں تفریق کرنا جو باہم قرابت دار محرم ہوں ناجائز ہے اسی طرح نابالغ اور بالغ میں تفریق کرنا بھی ناجائز ہے جو ایک دوسرے کے قرابت دار محرم ہوں۔ امام احمد کے نزدیک اگر دو بالغ باہم محرم ہوں تو ان کو جدا کرنا بھی جائز نہیں۔

حاکم اور دار قطنی نے ایک اور طریق سے بوساطت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی حضرت علی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ کے پاس کچھ قیدی آئے حضور نے مجھ سے فرمایا کہ ان میں سے دو بھائیوں کو فروخت کر دوں میں نے دونوں کو الگ الگ فروخت کر دیا۔ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دے دی۔ حضور نے فرمایا (جلد) پہنچ اور ان کو واپس لے لو اور یکجا کر کے ان کو فروخت کرو۔ ایک کو دوسرے سے جدا نہ کرو۔ حاکم نے اس روایت کو برشرط شیخین صحیح کہا ہے اور ابن قطان نے بھی کہا ہے اس سند میں کوئی عیب نہیں۔ اگر بچہ کے ساتھ صرف اس کی پھوپھی اور خالہ ہو دادی نہ ہو تو تنہا خالہ اور پھوپھی کو بیچنا جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر ماں اور اس کے بچہ میں جدائی کر دی اور ایک کو فروخت کر دیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بیع نافذ ہو جائے گی لیکن ایسا کرنے والا گناہگار ہوگا۔

مسئلہ: حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اگر دونوں غلام یا باندیاں بالغ ہوں (خواہ دونوں کے درمیان کیسا ہی قریبی رشتہ ہو تو) دونوں کو الگ الگ کر دینا جائز ہے۔

شاہی تحفہ میں آئی ہوئی باندیاں

ایک روایت میں آیا ہے کہ مقوقس شاہ اسکندریہ نے دو باندیاں بطور ہدیہ رسول اللہ کی خدمت میں بھیجیں ایک ماریہ قبطیہ دوسری سیرین حضور نے سیرین تو حسان بن ثابت کو عطا فرما دی جس کے بطن سے عبدالرحمٰن بن حسان پیدا ہوئے اور حضرت ماریہ کو اپنے پاس رکھا جن کے بطن سے حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

واقعۂ بنی قریظہ کے دن خلاد بن سوید اور منذر بن محمد شہید ہو گئے۔

فائدہ: بنی نضیر کے خاندان کی ایک عورت تھی جس کا نام تھا ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خدافہ یہ بنی عمرو بن قریظہ میں بیاہی گئی تھی۔ عورت تھی خوبصورت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھا گئی آپ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا۔ حضور اس سے کنارہ کش ہو گئے لیکن دل میں اس کا خیال رہا۔ اس لئے ابن سعیہ کو طلب فرما کر ان سے اس کا تذکرہ کیا ابن سعیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان وہ مسلمان ہو جائے گی۔ ابن سعیہ یہاں سے نکل کر ریحانہ کے پاس پہنچے اور اس سے کہنے لگے اب اپنی قوم کی طلب چھوڑ دو تم نے دیکھ لیا کہ حی بن اخطب کیسی مصیبت ان پر لے آیا اب مسلمان ہو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اپنے لئے پسند فرما لیں گے۔ ریحانہ نے ابن سعیہ کی بات مان لی۔ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے اچانک حضور کو جوتوں کی آواز سنائی دی فرمایا یہ تو ابن سعیہ کے جوتوں کی آواز ہے مجھے ریحانہ کے مسلمان ہونے کی بشارت دینے آ رہا ہے چنانچہ ابن سعیہ آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ریحانہ مسلمان ہو گئی یہ بات سن کر حضور خوش ہو گئے۔ ریحانہ حضور کی وفات تک آپ کے پاس رہی اور مملوک ہونے کی حالت میں ہی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ریحانہ سے نکاح کر لیں اور اس کو پردہ میں رکھیں لیکن ریحانہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے یوں ہی اپنی ملکیت میں ہی رہنے دیجئے (آزاد نہ کیجئے) میرے اور آپ کے لئے یہی بات آسان ہے (نہ اس میں آپ کو کوئی تکلیف نہ مجھے) اس لئے حضور نے ان کو باندی (ہی کی صورت میں) رہنے دیا۔

فائدہ: جب بنی قریظہ کا قصہ ختم ہو گیا تو حضرت سعد بن معاذ کا زخم بھی کھل گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سب سعد کے پاس (ان کو دیکھنے) گئے (عمر رونے لگے) اس وقت میں اپنے حجرہ میں تھی

Marfat.com

اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے میں نے عمر کے رونے کی آواز ابوبکر کے رونے کی آواز سے الگ پہچان لی۔ اور یہ لوگ ایسے ہی تھے جیسا اللہ نے فرمایا ہے۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ.

مناقب سعد بن معاذ

حضرت انس راوی ہیں کہ جب حضرت سعد کا جنازہ اٹھایا تو منافقوں نے کہا سعد کا جنازہ کتنا ہلکا ہے اس کی وجہ وہ فیصلہ تھا جو بنی قریظہ کے متعلق حضرت سعد نے کیا تھا۔ حضور کو یہ اطلاع پہنچی تو فرمایا فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت جابر کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مرنے سے رحمٰن کے عرش میں لرزہ آ گیا۔ (رواہ الشیخان فی صحیحما)

حضرت براء ابن عازب کی روایت ہے کہ کپڑوں کا ایک جوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (کہیں سے) بطور ہدیہ آیا صحابہ اس کو ہاتھوں سے چھونے لگے اور اس کی نرمی پر تعجب کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اس کی نرمی پر کیا تعجب کرتے ہو۔ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے اچھے اور نرم ہیں (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اعلان کرنے کے لئے ایک منادی بھیج دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم لوگوں کو سُنایا اور پہنچایا لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدُ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ. یعنی کوئی آدمی عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک کہ بنو قریظہ میں نہ پہنچ جائے۔

صحابہ کرام سب کے سب اس دوسرے جہاد کے لئے فوراً تیار ہو کر بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے، راستہ میں عصر کا وقت آیا تو بعض حضرات نے حکمِ نبوی کے ظاہر کے موافق راستہ میں نمازِ عصر ادا نہیں کی، بلکہ منزل مقرر بنو قریظہ میں پہنچ کر ادا کی، اور بعض نے یہ سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد عصر کے وقت میں بنو قریظہ پہنچ جانا ہے، ہم اگر نماز راستہ میں پڑھ کر عصر کے وقت میں وہاں پہنچ جائیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے منافی نہیں، انہوں نے نمازِ عصر اپنے وقت پر راستہ میں ادا کر لی۔

مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب گناہ یا منکر نہیں ہوتی جس پر ملامت کی جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اس اختلافِ عمل کی خبر دی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق میں سے کسی کو ملامت نہیں فرمائی، بلکہ دونوں کی تصویب فرمائی، اس سے علماء امت نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ علمائے مجتہدین جو حقیقۃً مجتہد ہوں اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کے اقوال مختلفہ میں سے کسی کو گناہ اور منکر نہیں کہا جا سکتا، دونوں فریقوں کے لئے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں ثواب لکھا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا
اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ پہنچا دوں تم کو اور رخصت کر دوں بھلی طرح سے رخصت کرنا
وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ
اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور پچھلے گھر کو
فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا
تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے اُن کے لئے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب

ازواجِ مطہرات کا معاملہ

حضرت کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں۔ اُن میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش و ترفہ کی زندگی بسر کر سکیں حضرت کو یہ باتیں شاق گزریں۔ قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں علیحدہ فروکش ہو گئے۔ صحابہ مضطرب تھے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ گتھی سُلجھ جائے۔ انہیں زیادہ فکر اپنی اپنی صاحبزادیوں (عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما) کی تھی کہ پیغمبر کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ آپ قدرے مُنشرح ہوئے ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر اُتری۔ یعنی اپنی ازواج سے صاف صاف کہہ دو کہ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کی عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دو کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ کہ میں کچھ دے دلا کر (یعنی

Marfat.com

کپڑوں کا جوڑا جو مطلقہ کو دیا جاتا تھا) تم کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں (یعنی شرعی طریقہ سے طلاق دے دوں اور اگر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی طلب ہے تو پیغمبر کے پاس رہنے میں اس کی کمی نہیں۔ جو آپ کی خدمت میں صلاحیت سے رہے گی اللہ کے یہاں اُس کے لئے بہت بڑا اجر تیار ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہیں۔ نزول آیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اول عائشہ کو خدا کا حکم سنایا۔ انہوں نے اللہ و رسول کی مرضی اختیار کی۔ پھر سب ازواج نے ایسا ہی کیا۔ دنیا کے عیش و عشرت کا تصور دلوں سے نکال ڈالا۔ حضرت کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ رہتا تھا جو آتا شتاب اُٹھا دیتے تھے۔ پھر قرض لینا پڑتا اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ جو نیکی پر رہیں اُن کو بڑا ثواب ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہیں۔ **الطیبات للطیبین** مگر حق تعالیٰ قرآن میں صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جائے۔ خاتمہ کا ڈر لگا رہے یہی بہتر ہے آگے ان عورتوں کو خطاب ہے جو نبی کی معیت اختیار کر لیں کہ ان کا درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہی چاہیئے کہ ان کی اخلاق اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو جو اس مقام رفیع کے مناسب ہے کیونکہ علاوہ ان کی ذاتی بزرگی کے وہ امہات المؤمنین ہیں۔ مائیں اپنی اولاد کی بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہیں۔ لازم ہے کہ اُن کے اعمال و اخلاق اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

ازواجِ مطہرات کو اختیار

اس آیت نے سب ازواج مطہرات کو اختیار دے دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ حالت یعنی معاشی عشرت و تنگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کے ساتھ آزاد ہو جائیں، پہلی صورت میں ان کو عام عورتوں کی نسبت سے بہت زیادہ اجر عظیم اور آخرت کے خاص درجات عالیہ عطا ہوں گے، اور دوسری صورت یعنی طلاق لینے میں بھی ان کو دنیا کے لوگوں کی طرح کسی تلخی و تکلیف کی نوبت نہیں آئے گی، بلکہ سنت کے مطابق کپڑوں کا جوڑا وغیرہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔

فائدہ: اختیار طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جائے، اگر وہ چاہے تو خود اپنے نفس کو طلاق دے کر آزاد ہو جائے دوسرے یہ کہ طلاق شوہر ہی کے ہاتھ میں رہے کہ اگر عورت چاہے تو وہ طلاق دے دے۔

آیتِ مذکورہ میں بعض مفسرین نے پہلی صورت کو اور بعض نے دوسری کو اختیار کیا ہے، سیدی حکیم الامتؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کے الفاظ میں دونوں احتمال ہیں، جب تک کسی صریح نص سے ایک کی تعیین نہ ہو جائے اپنی طرف سے کسی صورت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

اختیار دینے کا سبب

شروع آیات میں جو ازواج مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے، اس کا ایک یا چند واقعات ہیں جو ازواج مطہرات کی طرف سے پیش آئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف تھے، جن سے بلا قصد و اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مفصل آیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان نفقہ بڑھایا جائے، تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے اس کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد بنو نضیر پھر بنو قریظہ کی فتوحات اور اموالِ غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوش حالی پیدا کر دی تھی، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ان اموالِ غنیمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا حصہ رکھا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے جمع ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کسریٰ و قیصر کی بیبیاں طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباسوں میں ملبوس ہیں، اور ان کی خدمت کے لئے کنیزیں ہیں، اور ہمارا حال فقر و فاقہ کا آپ دیکھتے ہیں، اس لئے اب کچھ توسع سے کام لیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

بغوی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ امہات المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دنیوی ساز و سامان مانگا اور مصارف میں کچھ وسعت کی طلبگار ہوئیں۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اذیت ہوئی اس لئے آپ سب بیویوں سے کنارہ کش ہو گئے اور قسم کھالی کہ ایک ماہ تک کسی کے پاس نہیں جائیں گے اور کاشانہ نبوت سے برآمد بھی نہیں ہوئے۔ صحابہ کو فکر ہوئی کہ جانے کیا بات ہے کچھ لوگ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر نے کہا

Marfat.com

میں تم کو بتاؤں گا کہ اصل بات کیا ہے۔ حضرت عمر کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضور نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مسجد میں مسلمان کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی کیا میں اب جا کر ان سے کہہ دوں کہ حضور نے طلاق نہیں دی۔ فرمایا ہاں اگر تم چاہو تو..... میں جا کر مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور انتہائی اونچی آواز سے پکار کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔

اور یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ اور اگر ان کے پاس خوف یا امن کی کوئی خبر آتی ہے تو (بلا تحقیق) اس کو پھیلاتے ہیں اور اگر اس خبر کو رسول کی جانب اور اپنے سمجھدار لوگوں کی جانب راجع کر دیتے تو اصل واقعہ کا استنباط کرنے والوں کو اس کا (صحیح) علم ہو جاتا۔ حضرت عمر نے فرمایا میں نے اس خبر کی حقیقت دریافت کی تھی۔

ازواج مطہرات کا اجر

فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا تو بلاشبہ اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے یعنی ان عورتوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہیں۔ ایسی ہی عورتیں مُحسِنہ ہیں احسان کا معنی ہی یہ ہے کہ رب کی عبادت اسے حضورِ قلب سے کی جائے کہ گویا رب نظروں کے سامنے رہے۔

ازواجِ مطہرات کی تعداد

بغوی نے لکھا ہے اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نو بیبیاں تھیں پانچ قریشی حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر۔ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق۔ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان۔ حضرت ام سلمہ بنت امیہ۔ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ باقی چار قریشی نہیں تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش اسدی۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالی۔ حضرت صفیہ بنت حی ابن اخطب خیبری اسرائیلی۔ حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا

جب آیت تخییر (مندرجۂ بالا) نازل ہوئی تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی بی بی تھیں۔ حضور نے ان کے سامنے آیت پڑھی اور ان کو (طلاق حاصل کرنے یا ساتھ رہنے کا) اختیار دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا۔ اور اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر خوشی محسوس کی۔ دوسری بیبیوں نے بھی حضرت عائشہ کی پیروی کی۔

ازواجِ مطہرات کی قدر افزائی

قتادہ کا بیان ہے جب امہات المؤمنین نے اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کی قدر افزائی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں بیبیوں پر بس کرنے کا اور آئندہ نکاح نہ کرنے کا حکم دے دیا لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ اور فرما دیا ان کے بعد تمہارے لئے اور عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

اس واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

مسلم احمد اور نسائی نے بوساطت ابوالزبیر حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بارگاہِ نبوت میں داخلہ کی اجازت طلب کی لیکن آپ کو اجازت نہیں ملی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت نہیں ملی۔ کچھ دیر کے بعد دونوں کو اجازت دے دی۔ دونوں حضرات اندر پہنچ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غمگین خاموش بیٹھے ہوئے تھے گرداگرد آپ کی بیبیاں موجود تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دل میں) کہا مجھے ایسی بات کہنی چاہیے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حضرت عمر کا بیان ہے (یہ خیال کر کے) میں نے عرض کیا دیکھئے اگر خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بی بی) مجھ سے (زائد) خرچ مانگتی تو میں اُٹھ کر اس کی گردن توڑ دیتا۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی اور فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ میرے گرداگرد یہ عورتیں جمع ہیں اور مجھ سے زیادہ خرچ دینے کی خواستگار ہیں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت ابوبکر عائشہ رضی اللہ عنہما کی گردن پر ضرب رسید کرنے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حفصہ کی طرف گردن پر ضرب لگانے کے لئے بڑھے اور دونوں نے کہا رسول اللہ کے پاس جو چیز نہیں ہے اس کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز کبھی نہ کرنا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب عورتوں سے ایک مہینہ یعنی انتیس روز کنارہ کش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

Marfat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دانائی

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی اور فرمایا عائشہ میں ایک بات تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ حضرت عائشہ نے کہا اے اللہ کے رسول وہ کیا بات ہے حضور نے آیات مذکورہ پڑھ کر سنادیں حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ کے بارے میں میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں (ایسا نہیں ہوسکتا) میں تو اللہ اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن آپ سے میری درخواست ہے کہ اپنی بیبیوں میں سے کسی کو میرے اس فیصلہ کی اطلاع آپ نہ دیں۔ حضور نے فرمایا مجھ سے تو جو عورت بھی پوچھے گی میں اس کو بتادوں گا اللہ نے مجھے فتنہ انگیز بنا کر نہیں بلکہ بشارت دہندہ اور معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔

صحیح میں زہری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ (۲۹ روز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ہمارے پاس ایک ماہ تک نہیں آئیں گے اور آج تو ۲۹ دن ہوئے ہیں گن رہی ہوں فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا ہے۔

عورت کو اختیارِ طلاق کا مسئلہ

اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس جملہ سے اس کا مطلب تفویض طلاق ہو یعنی یہ مقصد ہو کہ عورت چاہے تو خود اپنے کو طلاق دے لے تو اس مجلس میں عورت جب تک رہے گی اس کو اختیار رہے گا کہ اگر چاہے تو اپنے آپ کو خود طلاق دے لے لیکن اگر اس جگہ سے اُٹھ جائے گی یا کسی اور کام میں مشغول ہو جائے گی تو طلاق کا اختیار ہاتھ سے نکل جائے گا کیوں کہ یہ تملیک فعل ہے اور تملیک فعل کا تقاضا ہے کہ اسی مجلس میں جواب دیا جائے جیسے بیع میں (قبول کا اختیار اسی مجلسِ عقد میں رہتا ہے) صاحب ہدایہ نے لکھا ہے عورت کو خیارِ مجلس باجماع صحابہ ثابت ہے۔ حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابنِ مسعود اور حضرت جابر نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو اس کے نفس کا اختیار دے دے تو عورت کو اختیار اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اس مجلس میں رہے جب مجلس سے اُٹھ جائے گی تو اس کو اختیارِ نفس نہیں رہے گا۔ کسی دوسرے صحابی کا قول بھی اس کے خلاف منقول نہیں لہذا اس پر اجماعِ سکوتی ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ روایات کی اسنادوں میں کلام کیا گیا ہے تو اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا کیوں کہ امت اسلامیہ نے اس قول کو بالاتفاق قبول کر لیا ہے اس کے علاوہ عبدالرزاق نے جو حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن مسعود کا قول جس سند سے نقل کیا ہے وہ کھری ہے (اس سند میں کوئی کلام نہیں رہا ابن منذر کا حدیث کے لفظ لا تستعجلی سے استدلال تو یہ بھی غلط ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کی تفویض نہیں کی تھی (طلب طلاق کا اختیار دیا تھا اور ہماری بحث اس مسئلہ میں ہے جب کہ شوہر نے تفویض طلاق کر دی اور خود اپنے آپ کو طلاق دے لینے کا اختیار دے دیا ہو) آیت فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا اس پر دلالت کر رہی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تجھے اپنا اختیار ہے تو تفویض طلاق کی نیت ضرور اس وقت ہونی چاہئیے کیونکہ ممکن ہے کہ شوہر بیوی کو کسی اور چیز کا اختیار دے رہا ہو (اور یہ مقصد ہو کہ تجھے خود اس کام کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے)

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس نے جواب میں کہا میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو حضرت عمر حضرت عبداللہ بنِ مسعود اور حضرت ابنِ عباس کے نزدیک ایک رجعی طلاق ہو جائے گی کیونکہ شوہر کی طرف سے تفویض اختیار کا معنی ہے تفویض طلاق اور جب عورت نے اختیارِ نفس کا اظہار کر دیا تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے یہ لفظ کہہ دیئے کہ میں نے اپنے آپ کو طلاق دے لی اور اس طرح لفظ طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس کے علاوہ آیت قرآنی سے بھی ثابت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد تو خیر رجوع نہیں کیا جا سکتا البتہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول روایۃً ثابت ہے کہ ایک بائنہ طلاق واقع ہوگی یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے کیونکہ تفویض اختیار کے بعد طلاق کا اختیار صرف عورت ہی کو مل جاتا ہے (مرد کو رجوع کا حق نہیں رہتا)۔

مسئلہ: اگر شوہر کے جواب میں عورت نے کہا میں نے اپنے شوہر کے اختیار کر لیا تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ شوہر نے طلاق نہیں دی تھی بلکہ عورت کو تفویض طلاق کی تھی اور

Marfat.com

عورت نے طلاق کو اختیار نہیں کیا بلکہ بقاء نکاح کو اختیار کیا۔

میں کہتا ہوں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین کو طلاق کا اختیار نہیں دیا تھا بلکہ طلب طلاق کا اختیار دیا تھا۔

مسئلہ: (تفویض طلاق کے لئے) نفس کا لفظ ذکر کیا جانا ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اگر لفظ میں کسی مفہوم کے مراد ہونے کا احتمال ہی نہ ہو تو نیت بیکار ہے۔ (تفسیر مظہری)

ازواج مطہرات کے مطالبہ کے محرکات

قصہ یہ پیش آیا کہ غزوۂ بنی قریظہ و بنی النضیر کے بعد جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اس لئے ازواج مطہرات نے اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور بمقتضائے محبت و ناز مزید نان ونفقہ اور زینتِ دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اور فی الجملہ متاع دنیا کی خواہش کی اور اپنے نفقات میں کچھ زیادتی چاہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری۔ ازواج مطہرات نے جو سامانِ دنیا کا تقاضہ کیا اگرچہ وہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا لیکن وہ بمقتضائے بشریت تھا اور ان کا دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز تھا اور ذرہ برابر اس میں آپ کی ایذاء کا تصور بھی نہ تھا اور جس دنیاوی زینت کا مطالبہ کیا تھا وہ قدر ضرور و راحت تھی معاذ اللہ امیرانہ عیش و عشرت نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی ناگوار گزرا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں فروکش ہو گئے۔ صحابہ سخت مضطرب تھے۔ خاص کر ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان دونوں کو اپنی اپنی صاحبزادیوں عائشہ اور حفصہ کی فکر دامنگیر تھی کہ پیغمبر خدا کو رنجیدہ اور آزردہ کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں اس لئے ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا اور ان کو نصیحت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کریں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض معروض کی اور اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ کا انقباض رفع ہوا اور آپ قدرے منشرح اور منبسط ہوئے دیکھو تفسیر قرطبی ص۲۱۲ ج۱۴، ص۱۶۳ ج۱۴، و تفسیر ابن کثیر ص۴۸۱ ج۳ و تفسیر روح المعانی ص۱۶۲ ج۲۱۔

اسی حال میں ایک ماہ گذرا ایک ماہ کے بعد یہ آیت یعنی يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے لے کر فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا نازل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی

جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ سے دریافت کیا اور یہ آیتیں پڑھ کر ان کو سنائیں انہوں نے بلا کسی تردد اور تامل کے اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا جس سے آپ کا ملال جاتا رہا اور چہرہ پر بشاشت آ گئی اس کے بعد باقی ازواج نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی کہا اور سب نے دنیا کی رغبت کا تصور ہی دل سے نکال ڈالا۔ (معارف کاندھلوی)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ
اے نبی کی عورتو جو کوئی کر لائے تم میں کام بیحیائی کا صریح دونا ہو
لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا
اُس کو عذاب دوہرا اور ہے یہ اللہ پر آسان

امہات المؤمنین کا عظیم درجہ

بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے اگر بالفرض تم میں کسی سے کوئی بداخلاقی کا کام ہو جائے تو جو سزا اوروں کو اس کام پر ملتی اس سے دگنی سزا ملے گی۔ اور اللہ پر یہ آسان ہے یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت زوجیت سزا دینے سے اللہ کو روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک فاحشہ سے مراد نافرمانی بدخلقی (چڑھ کر بولنا)

امہات المومنین کو ارتکاب فاحشہ پر دوہری سزا کی تجویز اس لئے گئی کہ اللہ کے انعامات ان پر زائد تھے اور انعامات کی زیادتی کی صورت گناہ کا ارتکاب زیادہ برا ہوتا ہے۔ اس لئے (زناء وغیرہ کی) آزاد آدمی کے لئے سزا غلام کی سزا سے دوگنی مقرر کی گئی ہے اس کے علاوہ دوہری عذاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصاحبت کی آبرو پر بٹا لگتا ہے جو بہت ہی بری حرکت ہے۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا اور یہ (دوہرا عذاب دینا) اللہ کے آسان ہے۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا

اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے

نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا

دیویں ہم اُس کو اُس کا ثواب دوبار اور رکھی ہے ہم نے اُس کے واسطے روزی عزت کی

عظیم مرتبہ کے لوازمات

یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملے اُس سے دوگنا ملے گا۔ اور مزید برآں ایک خاص روزی عزت کی عطا ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یہ بڑے درجہ کا لازمہ ہے کہ نیکی کا ثواب دونا اور بُرائی کا عذاب دونا'' خود پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا اِذاً لَاَذَقْنَاکَ ضِعْفَ الْحیٰوۃِ وضِعْفَ الْمَمَاتِ (اسلاء۔رکوع ۸) (تفسیر عثمانی)

عمدہ روزی اور حسنِ معاشرت

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک کام کرے گی۔ ہم (دوسری عورتوں کے مقابلہ میں) اس کو دوبارہ (یعنی دوگنا) اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہت عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔ دوہرا ثواب دیا جائے گا ایک تو اللہ اور رسول کی اطاعت کا دوسرا اس بات کا کہ قناعتِ اور حسنِ معاشرت کے ساتھ وہ اللہ کے رسول کی مرضی کی طلبگار ہوئیں۔ مقاتل نے کہا ہر نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔

رزق کریم عالی قدر روزی یعنی جنت جو اصل ثواب کے بعد مزید عطا کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ کی متابعتِ میں ان کو وہ ملے گا جو رسول اللہ کو عطا کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

امہات المؤمنین کا عمل دوگنا ہے

اگر وہ کوئی گناہ کا کام کریں گی تو ان کو دوسری عورتوں کی نسبت سے دوگنا عذاب دیا جائے گا یعنی ان کا ایک گناہ دو کے قائم مقام قرار دیا جائے گا، اسی طرح اگر وہ نیک عمل کریں گی تو دوسری عورتوں کی نسبت ان کو ثواب بھی دوہرا دیا جائے گا، ان کا ایک نیک عمل دو کے قائم مقام ہوگا۔

یہ آیت ایک حیثیت سے ازواج مطہرات کے لئے ان کے اس عمل کی جزاء ہے جو انہوں نے آیتِ تخییر نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت پر دنیا کی فراخی کو قربان کر دیا، اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک عمل کو دو کا درجہ دے دیا، اور گناہ کی صورت میں دوہرا عذاب بھی ان کی خصوصی فضیلت اور امتیازی شرافت کی وجہ سے ہوا، کیونکہ یہ بات عقلی بھی ہے اور نقلی بھی، کہ جتنا کسی کا اعزاز واحترام ہوتا ہے اُتنا ہی اس کی طرف سے غفلت وسرکشی کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے۔

امہات المؤمنین پر انعامات

ازواج مطہرات پر حق تعالیٰ کے انعامات بڑے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے انتخاب فرما لیا، اُن کے گھروں میں وحیِ الٰہی نازل ہوتی رہی تو ان کی ادنیٰ غلطی کوتاہی بھی بڑی ہوگی، اگر دوسروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچے تو اس سے کہیں زیادہ اشد ہوگا کہ ان سے کوئی بات ایذاء و تکلیف کی سرزد ہو، قرآن کریم کے ان الفاظ میں خود اس سبب کی طرف اشارہ ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ۔

فائدہ: ازواجِ مطہرات کی یہ خصوصیت کہ ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملے عام اُمت کے اعتبار سے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت میں کسی فرد یا جماعت کو کسی خصوصیت سے ایسا انعام نہ بخشا جائے کہ اس کو دوہرا ثواب ملے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ

اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں

مقامِ عظمت کا تقاضا

یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا اور اُمہات المومنین بنایا، لہٰذا اگر تقویٰ وطہارت کا بہترین نمونہ پیش کرو گی جیسا کہ تم سے متوقع ہے۔ اس کا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا۔ اور بالفرض کوئی بُری حرکت سرزد ہو تو اسی نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض بھلائی کی جانب ہو یا بُرائی کی عام مؤمنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی عورتوں تم کسی دوسری عورت کی طرح نہیں ہو۔

یعنی نہ تم میں سے کوئی ایک کسی غیر عورت کی طرح ہے اور نہ تمہاری جماعت دوسری عورتوں کی جماعت کی طرح ہے۔ یعنی فضیلت میں کوئی دوسری عورت تمہاری طرح نہیں ہے۔

Marfat.com

حضرت ابن عباس نے یہ مطلب بیان کیا کہ دوسری نیک مومن عورتوں کے برابر میرے نزدیک تمہارا مرتبہ نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک تمہاری عزت اور تمہارا ثواب بہت زیادہ ہے۔

فضیلت والی خواتین

آیت مذکورہ دلالت کر رہی ہے کہ امہات المومنین کو تمام دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے لیکن ایک اور آیت میں حضرت مریمؑ کو سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمانے کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ اے مریم اللہ نے تجھے چن لیا اور پاک کر دیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھے برتری عطا کی۔

چار فضیلت والی خواتین

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے جہان کی عورتوں سے تمہارے لئے کافی ہیں (یعنی سب پر برتری رکھتی ہیں) مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ فرعون کی بی بی۔ آیت کا مناسب مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف تم کو حاصل ہے اس شرف میں اور کوئی عورت تمہاری شریک اور مساوی نہیں ہے۔

تمام خواتین سے افضل

جمہور کا بالاتفاق طے شدہ مسئلہ ہے کہ تمام عورتوں سے افضل حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ بنت خویلد نیز حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون اور حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر تھیں۔

شیخین نے صحیحین میں اور احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے مگر عورتوں میں سواء آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے اور کوئی عورت کامل نہیں ہوئی۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید کی فضیلت۔ صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس کی برترین عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ کریب کی روایت میں ہے کہ وکیع نے یہ حدیث بیان کرتے وقت آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا یعنی آسمان و زمین کی برترین عورتیں صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے بیان کیا (مجھ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ اہل جنت (یا فرمایا مومنوں) کی عورتوں کی تم سردار ہو۔

حضرت خذیفہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتہ (آیا ہے جو) اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے (آ کر) سلام کرے اور مجھے اس بات کی بشارت دے کہ فاطمہ اہل جنت کی سردار ہے اور حسن و حسین جو انانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں (اجازت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اجازت مل گئی اور اس نے آ کر یہ پیام سنا دیا) رواہ الترمذی ترمذی نے اس کو حدیث غریب کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ان تمام آیات سے ازواج مطہرات کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ ان سے کبھی کوئی معصیت قبیحہ سرزد نہیں ہوگی اور یہ عورتیں محسنات اور مخلصات ہیں اور امہات المومنین ہیں اور نبی کی وفات کے بعد ان سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

ازواج مطہرات باجماع صحابہ و تابعین دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ خصوصاً حضرت علی اور حضرت عمار اور ابو موسیٰ اشعری وغیرھم نے صحابہ و تابعین کے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ دنیا اور آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں لہذا کسی اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات کا زوجہ رسول ہونا فقط دنیا تک محدود ہے صریح گمراہی ہے اور کسی رافضی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی نے حضرت عائشہ صدیقہ کو طلاق دے دی تھی یہ کفر بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

تمام ازواج مطہرات متقیہ تھیں

واقعات اور حالات سے اور کتاب و سنت کی شہادات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ الحمد للہ ازواج مطہرات از اول تا آخر تمام زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم رہیں حضور پرنور کی حیات میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی اور اسی وجہ سے یہ حکم نازل ہوا وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ازواج مطہرات دنیا اور آخرت دونوں ہی

Marfat.com

میں آپ کی زوجہ ہیں۔ مخالفین اسلام نے بڑی کوشش کی مگر کوئی خفیف سے خفیف واقعہ بھی ایسا نہ بتا سکے جس سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی جوان آیات میں مذکور ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
اگر تم ڈر رکھو سو تم رب کو بات نہ کرو پھر لالچ کرے
الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا
کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول

غیر مرد سے بات کرنے کا طریقہ

یعنی اگر تقویٰ اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے (جس کی ضرورت خصوصاً امہات المومنین کو پیش آتی رہتی ہے) نرم اور دلکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہئیے کہ حتیٰ المقدور غیر مردوں سے بات کرنے میں بہ تکلف ایسا لب ولہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھاپن ہو اور کسی بدباطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے اُمہات المومنین کو اس بارہ میں اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ احتیاط لازم ہے۔ تاکہ کوئی بیمار اور روگی دل کا آدمی بالکل اپنی عاقبت تباہ نہ کر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ ایک ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اُس طرح کہو جیسے ماں کہے بیٹے کو۔ اور بات بھی بھلی اور معقول ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سو تم چبا کر بات نہ کیا کرو۔ مطلب یہ کہ جب بشرط تقوی تمہاری فضیلت دوسری عورتوں پر ثابت ہے تو تقویٰ کے خلاف تم سے کوئی حرکت سرزد نہ ہونی چاہئے۔ (دوسرے) مردوں سے چبا چبا کر بات نہ کیا کرو (یہ تقویٰ کے خلاف ہے) یعنی اگر عورت کسی غیر مرد سے چبا چبا کر باتیں کرے گی تو اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا لہٰذا تم ایسا نہ کرو۔

جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو غیر عورت سے اس طرح نرم نرم باتیں کرنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ عورت اس کی طرف کچھ رجھنے لگے۔ خضوع کا معنی ہے اطاعت۔

اجنبی خاتون سے نرم گفتگو کرنے والے کی سزا

جزری نے یہ بھی نہایہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں ایک شخص کسی مرد وعورت کی طرف سے گزرا جو باہم نرم نرم باتیں کر رہے تھے اس شخص نے اس مرد کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت عمر نے اس کو کچھ بدلہ نہ دلوایا (ضرب کو بلا قصاص قرار دیا)

بغیر شوہر اجنبی سے بات منع ہے

طبرانی نے اچھی سند سے حضرت عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بغیر شوہروں کی اجازت کے (غیر مردوں سے) کلام کرنے کی ممانعت فرمادی ہے۔

غیر عورت کے سامنے انگڑائی ممنوع

دارقطنی نے افراد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی ہے کہ کوئی مرد نماز میں یا اپنی بیوی اور باندیوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے سامنے انگڑائی لے۔

منافقت کی بیماری

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ (کہیں) اس شخص کو جس کے دل میں بیماری ہے کچھ لالچ ہونے لگے۔

مرض سے مراد ہے نفاق کا شائبہ۔ مومن کامل کا دل تو ایمان پر مطمئن ہوتا ہے اس کو تو اپنے رب کی شان ہر وقت نظر آتی ہے وہ تو کبھی بھی حرام بات کی طرف مائل ہی نہیں ہوسکتا۔ ہاں جس کے ایمان میں ضعف ہوتا ہے اس کے دل میں نفاق کا شائبہ ہوتا ہے وہ ممنوعات خداوندی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اجنبی مردوں سے کلام کرنے کے وقت عورت کو حکم ہے کہ لہجہ میں درشتی اختیار کرے تاکہ میلان ولالچ کا احتمال ہی نہ پیدا ہونے پائے۔

وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا اور قاعدہ (عفت) کے مطابق بات کرو۔ یعنی اس طرح بات کرو کہ شک نہ پیدا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا

Marfat.com

اَلْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى

دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں

عورتوں کیلئے گھروں سے باہر زینت کی نمائش ممنوع ہے

یعنی اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس بد اخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کرسکتا ہے اُس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔ اُمہات المومنین کا فرض اس معاملہ میں بھی اوروں سے زیادہ مؤکد ہوگا جیسا کہ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کے تحت میں گزر چکا۔

ضرورت کے تحت نکلنا

باقی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر بدون زیب وزینت کے مبتذل اور ناقابل اعتناء لباس میں مستتر ہو کر احیاناً باہر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظنہ نہ ہو، بلاشبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے اور خاص ازواج مُطہرات کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ متعدد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت ملتا ہے لیکن شارع کے ارشادات سے یہ بدلہۂ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہرحال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ حجاب شرعی میں ہے۔ رہا شر کا مضمون یعنی عورت کے لئے کن اعضاء کو کن مردوں کے سامنے کھُلا رکھنا جائز ہے۔ اس کا بیان سورۂ نور میں گزر چکا۔ (تنبیہ) جو احکام ان آیات میں بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں۔ ازواج مُطہرات کے حق میں چونکہ اُن کا تاکد و اہتمام زائد تھا اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب اُن کو بنایا گیا۔ میرے نزدیک يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تک ان احکام کی تمہید تھی۔ تمہید میں دو شقیں ذکر کی تھیں۔ ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب۔ اُس کی روک تھام فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى تک کی گئی۔ دوسری اللہ و رسول کی اطاعت اور عمل صالح، آگے وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ سے اَجْرًا عَظِيْمًا تک بھلائی بُرائی وزن میں دوگنی قرار دے گئی۔ اس تقریر کے موافق ''فاحشہ مبینہ'' کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے موافق مت پھرو۔

امہات المومنین کے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت عمومی نہیں کہ نماز یا حج یا ضرورتِ انسانی کے لئے بھی باہر نہ نکلیں۔

شیعوں کی غلط فہمی

وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یعنی شیعہ، آیت میں عمومی ممانعت سمجھ بیٹھے ہیں اس لئے حضرت صدیقۃ الکبری بنت صدیق اکبر حبیبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مکہ کو پہنچیں پھر مکہ سے بصرہ پہنچیں جہاں جنگِ جمل کا واقعہ ہوا یہ سارا سفر ممانعتِ آیت کے خلاف ہوا کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ اس زمانہ میں مدینہ کی فضا پر امن نہیں رہی تھی۔ اُم المومنین کے مدینہ سے نکلتے ہی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اور مصر والوں نے مدینہ میں ایسا فساد مچایا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی خروج پر مجبور ہو گئے اور مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو پہنچے اور انہیں دونوں بزرگوں نے حضرت عائشہ کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی دور کرنے کے لئے بصرہ کو تشریف لے جائیں جب حضرت عائشہ نے انکار کیا تو آیت **لاخیر فی کثیر من نجو اھم الامن امر بصدقة اومعروف اواصلاح بین الناس** سے استدلال کرتے ہوئے خروج کو ضروری قرار دیا۔ اس مشورہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ کو تشریف لے گئیں اور اس خروج ہی کے سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں میں اور حضرت علی کے رفقاء میں صلح ہو گئی لیکن عبداللہ بن سبا یہودی منافق نے جو اپنے کو شیعان علی میں سے کہتا تھا صلح قائم نہ رہنے دی اور دونوں جماعتوں میں فتنہ کی آگ ایسی بھڑکائی کہ جنگِ جمل کا واقعہ ظہور پذیر ہو گیا اور مسلمانوں میں باہم بڑا کشت وخون ہوا۔ ہم نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب سیفِ مسلول میں مفصل طور پر کر دیا ہے۔

''تبرج'' کا معنیٰ

تبرج کا لفظ بروج سے نکلا ہے۔ بروج کا معنی ہے ظہور۔ اس جگہ تبرج سے مراد ہے اظہارِ زینت اور مردوں کے سامنے بناؤ سنگھار کر کے نکلنا۔ ابن قتیبہ نے کہا تبرج کا معنی ہے۔ اٹھلا کر چلنا۔ اس لئے لا تبرجن کا تفسیری ترجمہ کیا ہے اٹھلا کر نہ چلو۔

Marfat.com

دَورِ جاہلیت

جاہلیت اولی سے مراد ہے دور اسلامی سے پہلے کا زمانہ جاہلیت اور جاہلیت دوئم ہے۔ اسلام کے بعد گناہ کبیرہ کا ارتکاب۔ شعبی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک جاہلیت اولیٰ کا دور تھا۔ ابو العالیہ نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانۂ جاہلیتِ اولیٰ کا زمانہ تھا۔ عورتیں ایسی قمیصیں پہن کر نکلتی تھیں جو دونوں طرف سے بغیر سلے ہوئے ہوتے تھے اور ان کا بدن دونوں طرف سے برہنہ دِکھتا تھا۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جاہلیتِ اُولیٰ کا وہ زمانہ تھا جو حضرت نوح اور حضرت ادریس علیہما السلام کے درمیان تھا۔

جاہلیت کی بدفعلی کی ابتداء

حضرت آدم کی نسل سے دو قبیلے ہوئے ایک پہاڑ پر رہتا تھا دوسرا میدانی علاقہ میں پہاڑی مردوں کے چہرے شگفتہ اور گورے تھے مگر عورتیں بدصورت تھیں اور میدانی باشندوں کی عورتیں حسین تھیں اور مرد بدصورت۔

ایک بار ابلیس انسانی شکل میں ایک میدانی باشندے کے پاس آیا اور اس کے پاس نوکر ہو گیا اور خدمت کرنے لگا پھر اس نے چرواہوں کی بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور ایسی آواز سے بجانے لگا جو لوگوں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کو آواز پہنچی تو وہ سننے کے لئے جمع ہو گئے اور اس کو ایک تیوہار بنالیا جہاں مقرر وقت پر جمع ہونے لگے اس طرح بن سنور کو عورتیں مردوں کے سامنے آنے لگیں اور مرد عورتوں کے سامنے۔ ایک روز کوئی پہاڑی اس تیوہار میں پہنچ گیا اور اس نے مردوں عورتوں کو یک جا دیکھا اور عورتوں کا حسن اس کی نظر کے سامنے آیا اس نے جا کر پہاڑی باشندوں سے اس کا تذکرہ کیا اس کے بعد پہاڑی باشندے بھی اپنے مسکن چھوڑ کر میدانی لوگوں کے ساتھ ہی آبسے اور آپس میں بدکاریاں ہونے لگیں۔ آیت میں تبرج جاہلیت اولی سے یہی مراد ہے۔ لیکن اولیٰ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جاہلیت دوئم بھی کوئی گزری ہے کبھی اولی کا لفظ بغیر اُخریٰ کے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے آیت اَهْلَكَ عَادَ ۨ الْاُوْلٰى میں اولیٰ کا لفظ ہے (عاد اُخریٰ کوئی قوم نہیں ہوئی پھر بھی قوم عاد کو عَادَ الْاُولیٰ فرمایا)

یا جاہلیت سے مراد قبل از اسلام کا دور ہے۔ (جس کی کوئی حد بندی نہیں) (تفسیر مظہری)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حالات کا انتشار

صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہن یہ سب حج کے لئے تشریف لے گئیں تھیں، وہاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور بغاوت کے واقعات سنے تو سخت غمگین ہوئیں، اور مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظامِ مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کئے ہوئے تھا، اسی حالت میں حضرت طلحہ اور زبیر اور نعمان بن بشیر اور کعب بن عجرہ اور چند دوسرے صحابہ کرام مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے، کیونکہ قاتلانِ عثمانؓ ان کے بھی قتل کے درپے تھے اس لئے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے، اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مشورہ طلب کیا، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ طیبہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے گرد جمع ہیں، اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رُکے ہوئے ہیں تو آپ لوگ کچھ روز ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں اپنے آپ کو مأمون سمجھیں، جب تک یہ امیر المومنین انتظام پر قابو نہ پالیں، اور تم لوگ جو کچھ کوشش کر سکتے ہو، اس کی کرو کہ یہ لوگ امیر المومنینؓ کے گرد سے متفرق ہو جائیں، اور امیر المومنین ان سے قصاص یا انتقام لینے پر قابو پالیں۔

یہ حضرات اس پر راضی ہو گئے، اور ارادہ بصرہ چلے جانے کا کیا، کیونکہ اس وقت وہاں مسلمانوں کے لشکر جمع تھے، ان حضرات نے وہاں جانے کا قصد کر لیا تو اُم المومنینؓ سے بھی درخواست کی کہ انتظامِ حکومت برقرار ہونے تک آپ بھی ہمارے ساتھ بصرہ میں قیام فرمائیں۔

اور اس وقت قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ اور مفسدین کی قوت و شوکت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اُن پر حدِ شرعی جاری کرنے سے بے قابو ہونا خود نہج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے، یاد رہے کہ نہج البلاغہ کو شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں، نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب و رفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دے دیں جنہوں نے عثمان غنی پر حملہ کیا تو بہتر ہوگا، اس پر حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ میرے بھائی! میں اس بات سے بے خبر نہیں جو تم کہتے ہو، مگر یہ کام کیسے ہو جبکہ مدینہ پر یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں اور تمہارے غلام اور آس پاس کے اعراب بھی ان کے

Marfat.com

ساتھ لگ گئے ہیں ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کر دوں تو نافذ کس طرح ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سفر بصرہ اور اسکے مقاصد

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجبوری کا اندازہ تھا دوسری طرف یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب زخمی ہیں، اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں تاخیر جو امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مجبوری دیکھی جارہی تھی اور مزید یہ کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کی مجالس میں بھی شریک ہوئے تھے جو لوگ حضرت امیر المومنینؓ کی مجبوری سے واقف نہ تھے ان کو اس معاملہ میں ان سے بھی شکایت پیدا ہورہی تھی، ممکن تھا کہ یہ شکوہ و شکایت کسی دوسرے فتنے کا آغاز نہ بن جائے اس لئے لوگوں کو فہمائش کر کے صبر کرنے اور امیر المومنین کو قوت پہنچا کر نظمِ مملکت کو مستحکم کرنے اور باہمی شکوہٴ و شکایت کو رفع کر کے اصلاح بین الناس کے قصد سے بصرہ کا سفر اختیار کرلیا، جس میں ان کے محرم بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ ان کے ساتھ تھے، اپنے اس سفر کا مقصد خود ام المومنینؓ نے حضرت قعقاعؓ کے سامنے بیان فرمایا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا، اور ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المومنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔

شیعوں کا طوفان

اس کے لئے اگر ام المومنین نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے آہنی ہودج میں اختیار فرمالیا تو اس کو جو شیعہ اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے احکامِ قرآن کی خلاف ورزی کی اس کا کیا جواز ہوسکتا ہے،

فتنہ بازوں کی کارروائی

آگے منافقین اور مفسدین کی شرارت نے جو صورت جنگ باہمی کی پیدا کردی اس کا خیال کبھی صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، اس آیت کی تفسیر کے لئے اتنا ہی کافی ہے آگے واقعہ جنگِ جمل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کے لئے چند سطور لکھی جاتی ہیں۔

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہلِ بصیرت و تجربہ غافل نہیں ہوسکتا، یہاں بھی صورت یہ پیش آئی کہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابہ کرام کی معیت میں حضرت صدیقہؓ کے سفرِ بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے سامنے صورت بگاڑ کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لئے بصرہ جارہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں، اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے وہیں جا کر روکیں، حضرت حسن و حسین و عبداللہ بن جعفر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ یہ دیا کہ آپ ان کے مقابلہ پر لشکر کشی اس وقت تک نہ کریں جب تک صحیح حال معلوم نہ ہوجائے مگر کثرت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہو کر لشکر کے ساتھ نکل آئے، اور یہ شریر اہل فتنہ و بغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت قعقاعؓ کو ام المومنین کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، انہوں نے عرض کیا کہ اے ام المومنین آپ کے یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا، تو صدیقہؓ نے فرمایا اَیْ بُنَیَّ اَلْاِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاس، یعنی میرے پیارے بیٹے میں اصلاح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں پھر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی قعقاعؓ کی مجلس میں بلالیا، قعقاعؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ قاتلانِ عثمانؓ پر حدِ شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے، حضرت قعقاعؓ نے سمجھایا کہ یہ کام تو اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور مستحکم نہ ہوجائے، اس لئے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کرلیں۔

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا، حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے جا کر امیر المومنینؓ کو اس کی اطلاع دے دی وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہوگئے اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کرلیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال پر رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہوجائے گا، اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المومنین کی ملاقات حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلانِ عثمان غنی شریک نہیں تھے، یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گزری، اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم اول حضرت عائشہ کی جماعت میں پہنچ کر قتل و غارتگری

Marfat.com

شروع کردو، تاکہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی، اور یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں، ان کی یہ شیطانی چال چل گئی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہؓ کی جماعت پر حملہ ہو گیا تو وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المومنین کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے، اس کی جوابی کارروائی شروع ہو گئی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ ماجرا دیکھا تو قتال کے سوا چارہ نہ رہا، اور جو حادثہ باہمی قتل وقتال کا پیش آنا تھا آ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح طبری اور دوسرے ثقات مؤرخین نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے نقل کیا ہے (روح المعانی)

واقعہ جمل پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا افسوس

غرض مفسدین ومجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا، اور جب فتنہ فرو ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے، حضرت صدیقہ عائشہؓ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا، اسی طرح حضرت امیر المومنین علی مرتضی کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا، فتنہ فرو ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیاً منسیا ہو گیا ہوتا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المومنین جب قرآن میں یہ آیت پڑھتیں وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ تو رونے لگتیں، یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا، (رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد و ابن المنذر وابن شیبۃ عن مسروق، روح)

آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لئے نہ تھا کہ قرار فی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آ گیا اس پر طبعی رنج وغم اس کا سبب تھا۔ (یہ سب روایات اور پورا مضمون تفسیر روح المعانی سے لیا گیا ہے) (معارف مفتی اعظم)

تحفظِ عصمت کیلئے شرعی قوانین

ایک حکم تو یہ دیا ہے کہ عورتیں بلا شدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت مرد کو نہ دیکھے۔

آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا کہ ایک اجنبی مرد یا عورت دوسرے اجنبی مرد یا عورت کو نہ دیکھے اس لئے کہ یہ دیکھنا ہی فتنہ کا سبب ہے بلا تفریق تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اصل محل فتنہ یہ چہرہ ہی ہے جس کے دیکھنے سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں اور مرد اور عورت کی عفت اور عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ عورت کو اپنی یہ زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سر بازار چہرہ کھول کر اپنا حسن و جمال دکھلاتی پھرے حسن و جمال کا تمام دارومدار چہرہ پر ہے اور اصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے زناء کا دروازہ بند کرنے کے لئے نامحرم کے سامنے چہرہ کو کھولنا حرام قرار دیا البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرستوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہو جائے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جن محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدانخواستہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بدچلن ہو تو اس کے سامنے آنا بھی جائز نہیں فتنہ کے خوف سے محرم سے بھی پردہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے کہ زناء سے حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی پردہ ہے۔

چوتھا حکم شریعت نے یہ دیا کہ اگر کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو پردہ کے پیچھے سے اس سے بات کر سکتی ہے۔

پانچواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اگر ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلے تو موٹے کپڑے کا برقعہ اوڑھ کر یا موٹی چادر میں لپٹ کر نکلے۔

عمدہ کپڑوں میں نہ نکلے اور عطر اور خوشبو لگا کر نہ نکلے اور تیسری شرط

Marfat.com

یہ لگائی کہ شوہر کی بغیر اجازت کے نہ نکلے اور چوتھی شرط یہ لگائی کہ عورت سڑک کے کنارے کنارے چلے عورت کو درمیان سڑک چلنے کا نہ حق ہے اور نہ اجازت۔ یہ طبرانی کی ایک حدیث کا مضمون ہے جو عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔

حسن بصری فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اجنبی عورتوں کے یا اجنبی مردوں کے دیکھنے والے اور دیکھنے والی پر اور جس کی طرف دیکھا گیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

پردہ عورت کے حسب نسب کا محافظ ہے بے پردہ عورت اور اس کی اولاد مشکوک ہے پردہ والی عورت کے خاوند کو اپنے بچہ کے نسب میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

انگلستانی خاتون کا بے پردگی پر ماتم

انگلستان کی ایک شریف عورت نے بصد حسرت وندامت اپنے ملک کی عورتوں کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ المنار میں شائع ہوا جس میں یہ تھا کہ انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت اور عصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے دامنِ عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم اور حیاء نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے ان کو اس قابل نہیں رہنے دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے ہمیں سرزمین مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقویٰ کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیر فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آ رہا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ رکھا جائے

(انگلستان کی عورت کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)

بے پردگی کے نقصانات

۱) یہ کہ بے پردگی سے بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا ہوتی ہے۔

۲) زناء کا دروازہ کھلتا ہے۔

۳) اولاد حرام ہوتی ہے۔

۴) حسب اور نسب ضائع ہو جاتا ہے۔

۵) شوہر کو اپنی بیوی پر اطمینان نہیں رہتا تو دل سے کیسے محبت رہے۔

۶) بے پردہ بیوی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے شوہر کو اس پر یقین نہیں ہوتا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو عورت بے پردہ پھرتی

۷) اور جب اس بچہ کا اس کی اولاد ہونا یقینی نہ رہا تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس بچہ کا وارث ہونا بھی یقینی نہ رہا۔ حلال اولاد میراث کی مستحق ہوتی ہے حرام کا بچہ میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔

۸) بے پردہ عورت شوہر کی راحت اور سکون اور اطمینان کا باعث نہیں بنتی۔ شوہر جب گھر آتا ہے تو بیوی کو غائب پاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ نہ معلوم کہاں ہوگی۔

۹) بے پردہ عورت نہ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور نہ اس کی اطاعت کر سکتی ہے۔

۱۰) بے پردہ عورت اولاد کی تربیت اور نگرانی بھی نہیں کر سکتی۔

۱۱) بے پردگی باہمی خصوصیت اور نزاع کا سبب ہے جو بدچلنی کا لازمی نتیجہ ہے۔

۱۲) بے پردگی اپنی آوارگی کی پردہ پوشی کے لئے عورت کو جھوٹ اور مکر اور فریب پر آمادہ کرتی ہے گھر سے باہر جانے کے عجیب عجیب بہانے بناتی ہے۔

۱۳) جس کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ اولاد بھی وہی کرے گی جو ماں کو کرتے دیکھے گی۔

۱۴) جس قدر بے پردگی بڑھتی جائے گی اس قدر بے حیائی اور بے غیرتی بڑھتی جائے گی جس کا لازمی نتیجہ نحوست ہے اور خاندان اور محلّہ میں بدنامی اور بے عزتی ہے۔

۱۵) حتیٰ کہ اس گھرانہ سے حیاء اور شرم اور عصمت اور غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ **اناللّٰہ و انالیہ راجعون.**

فوجی بھرتی کے لئے مرد لئے جاتے ہیں عورت نہیں لی جاتی آج تک دنیا میں کسی بادشاہ نے عورتوں کی فوج بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لئے کبھی بھی عورتوں کی فوج نہیں بھیجی۔

پردہ عورتوں کے لئے قید نہیں بلکہ ان کی عصمت اور عفت کی حفاظت کا ایک قلعہ ہے۔

بے پردگی سے کوئی دنیاوی اور مادی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ

Marfat.com

اخلاقی تنزل اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا آج کل متمدن اقوام کا حال یہ ہے کہ چپہ چپہ پر ناچ گھر قائم ہو گئے ہیں جن میں نوجوان مرد اور عورتیں جمع ہو کر اپنی نفسانی خواہشیں پوری کرتے ہیں اور ایک شخص کسی اجنبی عورت سے چمٹ جاتا ہے اور اس کا شوہر دیوث بھی وہاں موجود ہوتا ہے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کو غیرت نہیں آتی مغربی ممالک میں دن بدن حرامزادوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اب یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مغربی ممالک میں لب سڑک لوگوں کو زنا کرتے دیکھا جاتا ہے گویا کہ مرد اور عورت بہائم کی طرح ہو گئے ہیں جس طرح ایک جانور کو کسی مادہ سے جفتی کرنے کے لئے کسی بند کمرہ کی ضرورت نہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ
اور قائم رکھو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ
وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی

ارکانِ اسلام کی پابندی

یعنی اوروں سے بڑھ کر ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ کیونکہ تم نبی سے اقرب اور اُمت کے لئے نمونہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ یعنی تمام اوامر و نواہی کی پابندی کرو یہی تقویٰ ہے جو تمہاری فضیلت یاب ہونے کی ضروری شرط ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ
اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا
اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے

ازواجِ مطہرات کیلئے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ

یعنی اللہ کا ارادہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک و صاف کر دے اور اُن کے رُتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز و فائق ہو جس کی طرف يُطَهِّرَكُمْ کے بعد تَطْهِيْرًا بڑھا کر اشارہ فرمایا ہے یہ تطہیر و اذہاب جس اُس قسم کی نہیں جو آیت وضوء میں وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (فائدہ۔ رکوع ۲) سے یا بدر کے قصہ میں لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ (انفال۔ رکوع ۲) سے مراد ہے بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں چنانچہ لفظ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ الخ فرمانا اور اَرَادَ اللّٰهُ نہ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں۔

اہلِ بیت میں ازواج یقیناً داخل ہیں

(تنبیہ) نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لئے اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات اُن ہی سے ہوئے ہیں اور بیوت کی نسبت بھی پہلے میں اور آگے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں اور آگے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں ان کی طرف کی گئی ہے اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ نے فرمایا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ھود۔ رکوع ۷) مطلقہ عورت باوجود یہ کہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اُسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا "لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ" (طلاق۔ رکوع ۱) حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بیت کو زلیخا کی طرف منسوب کیا۔ "وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا" (یوسف۔ رکوع ۳) بہرحال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اُولا اُن ہی سے ہے لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہلِ بیت گھر والوں میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ مُسند احمد کی ایک روایت میں احق کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا حضرت فاطمہ علی، حسن حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ وغیرہ فرمانا یا حضرت فاطمہ کے مکان کے قریب گزرتے ہوئے

Marfat.com

یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور اُن ہی سے تخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لئے اُن کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اے اہلِ بیتِ (نبی) اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور کامل طور پر تم کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

یہ کلام استینافی ہے (پہلے کلام سے وابستہ نہیں ہے) اس کلام کا حکم امہات المومنین کو بھی شامل ہے اور اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ اسی لئے مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

سابقہ احکام کا مقصد

یہ کلام سابق کلام کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے گویا یوں فرمایا کہ تم کو جو اوامر نواہی کی پابندی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا وہ تم سے اور تمہارے علاوہ دوسرے اہلِ بیت سے رجس یعنی عمل شیطانی کو دور کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔

رِجس سے مراد ہے عمل شیطانی یعنی گناہ اور ہر وہ حرکت جس میں کوئی شرعی یا ایسی طبعی برائی ہو جو اللہ کو ناپسندیدہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہلِ بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیۂ قلب مراد ہے جو تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام مراد ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھم اجعل رزق اٰل محمد قوتا، اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت لایموت کر دے اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

حدیث نساء ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسین کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا۔

اللّٰھم ھولاء اھل بیتی اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں

اس سے بعض عقلمندوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کی فضیلت میں داخل اور شامل فرمانا اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں اور اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضور پر نور نے جب ان حضرات مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المومنین ام سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عباء میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہلِ بیت میں داخل ہو کذا فی النسواں فی رمضان ص۴ وعظ چہارم از سلسلہ البلاغ۔

حضور پُرنور نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی اللّٰھم ھؤلا اھل بیتی الخ تا کہ اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدہ نعمت و کرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی کے گھرانہ کے لئے ارادہ فرمایا ہے۔

جس طرح احادیث میں حضرت علی اور ان کی اولاد کو عباء میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس کو اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات کے ساتھ دوسرے اعزاء و اقارب بھی اس نعمت اور کرامت میں داخل ہو جائیں۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ کلام یہ کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پُرنور کی ازواج مطہرات اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں اور سب اسی بشارت اور کرامت میں

Marfat.com

شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا آیت کا نزول اصالۃً اگرچہ ازواج مطہرات کے بارہ میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پُرنور کی دعا کی وجہ سے تمام اہلِ بیت کو شامل کیا گیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اھلِ البیت، رسول اللہ کے گھر کے لوگ۔ عکرمہ اور مقاتل کے نزدیک امہات المومنین مراد ہیں۔ حضرت ابنِ عباس کا قول سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہی آیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے (اھل البیت کے مفہوم کے تعیین کے لئے) آیت وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ تلاوت فرمائی رواہ ابن ابی حاتم وروی ابن جریر عن عکرمۃ نحوہ۔ ان حضرات نے آیت کے سیاق وسباق سے بھی اسی پر استدلال کیا ہے۔ لیکن عورتوں کے ساتھ حکم کی تخصیص کیسے ہوسکتی ہے جب کہ کُم ضمیر مذکر مخاطب کی استعمال کی گئی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور بطور تغلیب مذکر کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔ مترجم)

حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت میں داخل ہیں

حضرت ابوسعید حذری اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں مجاہد اور قتادہ بھی شامل ہیں کہ اہل بیت ہیں۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین۔ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ بالوں کی اونی چادر اوڑھے باہر تشریف لے گئے۔ چادر پر کجاوے کے نقوش تھے اتنے میں حسن بن علی آئے حضور نے ان کو چادر میں لے لیا پھر حسین بن علی آئے حضور نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر (سیدہ) فاطمہ آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی چادر میں داخل کرلیا۔ پھر علی آئے آپ نے ان کو بھی داخل کرلیا پھر فرمایا اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا رواہ مسلم۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جب آیت نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو طلب فرمایا، اور فرمایا، اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ (رواہ مسلم)

حضرت واثلہ بن اسقع راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ تلاوت فرمائی اور حضرت علی، حضرت فاطمہ اور دونوں صاحبزادوں کے متعلق فرمایا اے اللہ یہ میرے گھر والے اور میرے خاص لوگ ہیں ان سے گندگی کو دور فرما دے اور ان کو کامل طور پر پاک کردے۔

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ جب آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین کو طلب کیا اور کملی میں داخل کرلیا۔ پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں ان سے گندگی کو دور کر دے اور ان کو کامل طور پر پاک کردے۔

ازواجِ واولاد سب اہل بیت ہیں

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تطہیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی، حضرت سیدہ، حضرت حسن، حضرت حسین کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔ ماقبل اور مابعد کا کلام بھی اس تخصیص سے انکار کررہا ہے اور عرف ولغت کی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔ اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیویوں پر ہوتا ہے۔ اولاد اور دوسرے گھر والے ذیلی طور پر اس میں آجاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا کمرے) عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرکے ملائکہ نے کہا تھا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ کیا تجھے اللہ کے حکم پر تعجب ہورہا ہے۔ اے گھر والو تم پر اللہ کی رحمت ہے۔

حق بات یہ ہے کہ رفتارِ کلام اگرچہ امہات المومنین پر دلالت کررہی ہے لیکن آیتِ تطہیر سب کو شامل ہے حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا میرے گھر میں آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ اور علی اور حسن اور حسین کو بلوایا پھر فرمایا یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی اہل بیت میں سے ہوں فرمایا کیوں نہیں۔ ان شاء اللہ۔ رواہ البغوی وغیرہ۔ یہ حدیث دلالت کررہی ہے کہ اہل بیت میں سب داخل ہیں اور ان شاء اللہ کا لفظ (امید مستقبل کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور) تبرک کے لئے استعمال ہوا ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل

Marfat.com

بیت وہ سب لوگ تھے جن پر صدقہ کا مال (لینا) حرام کر دیا گیا تھا یعنی اولاد علی اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس اور اولاد حارث بن عبدالمطلب۔

گناہ گندگی ہے

تطہیر سے مراد ہے دنیا میں گناہوں کی نجاست سے پاک کرنا اور آخرت میں مغفرت فرمانا۔

اللہ نے آیات مذکورہ میں امہات المومنین کو بعض چیزوں سے منع فرمایا بعض باتوں کے کرنے کا حکم دیا تا کہ رسول اللہ کا گھر والا کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور سب کے سب متقی ہو جائیں۔ بطور استعارہ گناہوں کو گندگی اور تقویٰ کو طہارت فرمایا کیونکہ گناہ کرنے والے کی گناہوں سے اسی طرح آلودگی ہو جاتی ہے جس طرح جسم نجاست سے آلودہ ہوتا ہے اور متقی ایسا ہی پاک صاف ہوتا ہے جس طرح کپڑا پاک صاف ہوتا ہے۔

مستعمل پانی

چونکہ گناہ اور گندگی میں بہت گہری مناسبت ہے اسی لئے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ پانی کا استعمال خواہ رفعِ حدث کے لئے کیا گیا ہو یا بطور ثواب (وقربت) بہرحال مستعمل پانی نجس ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی طرح خوب وضو کرتا ہے اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی خارج ہو جاتے ہیں (اور پانی کے ساتھ بہہ جاتے ہیں) (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلم بندہ (یا فرمایا مومن بندہ) وضو کرتا ہے اور منہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے پانی کے ساتھ آنکھ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ الحدیث۔ (رواہ مسلم)

شیعوں کا غلط استدلال

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ثابت کر رہی ہے کہ علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم معصوم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء یہی تھے دوسرا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اور انہیں حضراتِ اربعہ کا اور ان کے بعد (ان کی نسل کے) دوسرے اماموں کا ہی اجماع معتبر ہے۔ شیعہ کہتے ہیں اللہ کا ارادہ مراد سے منفک نہیں ہوتا (یعنی اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا پورا ہونا لازم ہے) اور حسب صراحت آیت اللہ اہل بیت کو طاہر بنانا چاہتا تھا اس لئے اہلِ بیت کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

گناہگار پاک نہیں ہوتا اور عصمت امامت (یعنی خلافت) کی شرط ہے اور چونکہ ابوبکر اور عمر اور عثمان بالاجماع معصوم نہ تھے اس لئے خلافت کا استحقاق صرف اہل بیت کو تھا۔ شیعہ فرقہ کا استدلال غلط ہے۔

آیت کا نزول امہات المومنین کے لئے ہوا۔ ہاں یہ چاروں بزرگ ہستیاں حکم آیت میں داخل ہیں۔

آیت عصمت پر دلالت نہیں کرتی (ارادہ تطہیر کا معنی عطاء عصمت نہیں) دیکھو آیت وضو میں تمام امت کو خطاب کر کے فرمایا ہے مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ الخ اللہ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے (تو کیا ساری امت اسلامیہ کو اس آیت کی روشنی میں معصوم قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ آیتِ تطہیر کا تقاضا تو گناہوں سے پاک کرنے کا ارادۂ الٰہیہ ہے (یعنی اللہ گناہوں سے تم کو پاک کرنا چاہتا ہے) اور آیت وضوء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو نجاست اور غلاظتِ بدنیہ سے پاک صاف کرنا چاہتا ہے اگر تم وضو کرو گے (تو بدنی نجاست دور ہو جائے گی) دونوں آیتوں میں ایک قسم کی تطہیر نہیں ہے مگر یہ شبہ بے اصل ہے دونوں آیتوں میں اللہ کا ارادہ تطہیر مشروط ہے آیت وضو میں مشروط باوضوء ہے اور آیت تطہیر میں مشروط باتقویٰ۔ یعنی اگر وضو کرو گے تو نجاست بدنی سے پاک ہو جاؤ گے اسی طرح اے اہلِ بیت تم تقویٰ اختیار کرو گے تو گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے یہی وجہ ہے کہ جس طرح طہارت بدنی حاصل کرنے کے لئے اللہ نے پانی کے استعمال کا طریقہ بتا دیا اسی طرح گناہوں سے طہارت حاصل کرنے اور باطن کو پاک رکھنے کے لئے اس نے تقویٰ کا طریقہ بتا دیا اور فرما دیا فَلَا تَخْضَعْنَ پس جس طرح طہارتِ بدن پانی کے استعمال سے وابستہ ہے اسی طرح طہارتِ باطن تقویٰ پر موقوف ہے۔

امامت (یعنی خلافتِ ارضی) کے لئے عصمت شرط نہیں ہے۔ معصوم کی موجودگی میں غیر معصوم خلیفہ ہو سکتا ہے۔ دیکھو حضرت اشموئیل اور حضرت داؤد کے موجود ہونے کے باوجود طالوت کو خلیفہ (بادشاہ) بنا دیا گیا تھا۔ آیت میں آیا ہے وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا۔ (تفسیر مظہری)

عورتوں کیلئے جہاد کا ثواب

ایک روایت میں ہے کہ ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں۔ بزار میں

Marfat.com

ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے، اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پا سکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔

عورت کیلئے قربِ الٰہی

ترمذی وغیرہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے، یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خدا سے قریب اُس وقت ہوتی ہے جب کہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حُجرے میں ہو۔

عورت کی افضل نماز

ابوداؤد وغیرہ میں ہے عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھری کی نماز، گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔

دَورِ جاہلیت کے کرتوت

جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں۔ اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے۔ ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے۔ دوپٹیا گلے میں ڈال لی لیکن اُسے لپیٹا نہیں، جس سے گردن اور کانوں کے زیورات دوسروں کی نظر میں آئیں، یہ جاہلیت کا بناؤ تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔

حضرات حسنین کی فضیلت

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص کُود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا۔ جو آپ کے نرم گوشت میں لگا جس سے آپ کئی مہینے بیمار رہے جب اچھے ہو گئے تو مسجد میں آئے۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا جس میں فرمایا اے عراقیو! ہمارے بارے میں خوفِ خدا کرو۔ ہم تمہارے حاکم ہیں، تمہارے مہمان ہیں، ہم اہلِ بیت ہیں جن کے بارے میں آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اُتری ہے' اس پر آپ نے خوب زور دیا اور اس مضمون کو بار بار ادا کیا جس سے مسجد والے رونے لگے ایک مرتبہ علی بن حسین نے ایک شامی سے فرمایا تھا' کیا تو نے سورۂ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی ؟ اس نے کہا ہاں۔ کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا ہاں۔

ازواج کو خصوصی خطاب کی حکمت

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا آیت سابقہ میں جو ہدایات ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے دی گئی ہیں، وہ اگرچہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ پوری اُمت ان احکام کی مکلّف ہے، مگر ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیتِ نبوت کے مناسب ان اعمال کا زیادہ اہتمام کریں، اس آیت میں اس خصوصی خطاب کی حکمت مذکور ہے کہ اصلاح اعمال کی خاص ہدایت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب یہ ہے کہ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رجس (گندگی) سے پاک کر دے۔

رِجس کا معنی

لفظِ رِجس قرآن میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، ایک جگہ رِجس بتوں کے معنی میں آیا ہے اور کبھی رِجس مطلق گناہ کے معنی میں، کبھی عذاب کے معنی میں کبھی نجاست اور گندگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شرعاً یا طبعاً قابلِ نفرت سمجھی جاتی ہو وہ رجس ہے، اس آیت میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ (بحر محیط)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا چیلنج

حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے، کہ آیت میں اہلِ بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مختلف اقوال میں تطبیق

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہلِ بیت سے وہ مراد ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہلِ بیت میں شامل ہوں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہلِ بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں، کیونکہ شانِ نزول اس آیت کا وہی ہیں اور شانِ نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا متحمل نہیں، اور حضرت فاطمہ و علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی، ارشاد نبوی علیہ السلام کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

Marfat.com

اسلوبِ قرآن کی دلالت

اوراس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساءالنبی صلی اللہ علیہ وسلم عنوان سے خطاب اوران کے لئے صیغے مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں، سابقہ آیات میں فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کے آخر تک سب صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں، اور آگے پھر وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلىٰ میں بصیغہ تانیث خطاب ہوا ہے، اس درمیانی آیت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر بصیغۂ مذکر عَنْكُمْ اور يُطَهِّرَكُمْ فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔

تطہیر کا مطلب

آیت مذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان ہدایات کے ذریعہ اغواء شیطانی اور معاصی اور قبائح سے حق تعالیٰ اہلِ بیت کو محفوظ رکھے گا، اور پاک کردے گا، خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر تشریعی مراد ہے، تکوینی تطہیر جو خاصہ انبیاء ہے وہ مراد نہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب معصوم ہوں اوران سے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی گناہ سرزد ہونا ممکن نہ ہو، تکوینی تطہیر کا جو خاصہ ہے، اہلِ تشیع نے اس آیت میں جمہور امت سے اختلاف کر کے اول تو لفظ اہلِ بیت کا صرف اولاد و عصباتِ رسول کے ساتھ مخصوص ہونے اور ازواج مطہرات کے ان سے خارج ہونے کا دعویٰ کیا، دوسرے آیت مذکورہ میں تطہیر سے مراد ان کی عصمت قرار دے کر اہلِ بیت کو انبیاء کی طرح معصوم کیا، اس کا جواب اور مسئلہ کی مفصل بحث احقر نے احکام القرآن سورۂ احزاب میں لکھی ہے اس میں عصمت کی تعریف اور اس کا انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور ان کے علاوہ کسی کا معصوم نہ ہونا دلائلِ شرعیہ سے واضح کر دیا ہے، اہلِ علم اس کو دیکھ سکتے ہیں، عوام کو اس کی ضرورت نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت شیعوں کی کتاب میں

شیعوں کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہ کے لئے بصیغۂ ماضی وارد ہوئی ہے وہ حدیث طویل ہے جو فروع کافی کلینی جلد اول مطبوعہ نول کشور کتاب الجہاد میں ص ۶۰۹ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادق سے مروی ہے جو مہاجرین صحابہ کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے جس میں صحابہ کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے۔ الذین اخبر عنهم فی کتابه انه اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا بعد ازاں امام جعفر صادق نے مہاجرین کو آیۃ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ الخ اور آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور آیت اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ اور آیت يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفاء ثلاثہ معاذ اللہ ظالم وفاسق نہ تھے۔

شیعوں کی تاویل

حضرات شیعہ کو اس صریح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لئے بھی کوئی موقع اور محل چاہیے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے یہاں امام جعفر صادق کو کیا خوف لاحق تھا۔ (معارف کاندھلوی)

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ
اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں
اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ
اللہ کی باتیں اور عقلمندی کی

تعلیم قرآن وسنت کا حکم

یعنی قرآن وسنت میں جو اللہ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں اُنہیں سیکھو، یاد کرو دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی آیتِ قرآن یا حدیث سنے اس پر لازم ہے کہ وہ اُمت کو پہنچائے، یہاں تک کہ ازواج مطہرات پر بھی لازم کیا گیا کہ جو آیاتِ قرآن ان کے گھروں میں نازل ہوں یا جو تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو حاصل ہوں اس کا ذکر امت کے دوسرے افراد سے کریں، اور یہ اللہ کی امانت ان کو پہنچائیں۔

قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت

اس آیت میں جس طرح آیاتِ قرآن کی تبلیغ وتعلیم اُمت پر لازم

Marfat.com

کی گئی ہے اسی طرح لفظِ حکمت فرما کر احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ وتعلیم کو بھی لازم کیا گیا ہے، اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ہر حال میں کی ہے، صحیح بخاری میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی، لیکن اس کو عام لوگوں کے سامنے اس لئے بیان نہیں کیا کہ خطرہ تھا کہ لوگ اس کو اس کے درجہ میں نہ رکھیں، اور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں، لیکن جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو لوگوں کو جمع کر کے وہ حدیث سنا دی اور فرمایا کہ میں نے اس وقت تک دینی مصلحت سے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا، مگر اب موت کا وقت قریب ہے اس لئے امت کی یہ امانت ان کو پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں، صحیح بخاری میں اُن کے الفاظ یہ ہیں فَاَخْبَرَبِهٖ مَعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاثُماً یعنی حضرت معاذؓ نے یہ حدیث لوگوں کو وفات کے وقت اس لئے سُنا دی کہ وہ گناہگار نہ ہوں کہ حدیثِ رسول امت کو نہیں پہنچائی۔

یہ واقعہ بھی اسی پر شاہد ہے کہ اس حکمِ قرآنی کی تعمیل سب صحابۂ کرام واجب وضروری سمجھتے تھے، اور صحابہ کرام نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہو گئی، اس معاملہ میں شبہات نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات نکالنا ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا
مقرر اللہ ہے بھید جاننے والا خبردار

اسرارِ الٰہی

اُس کی آیتوں میں بڑے باریک بھید اور پتے کی باتیں ہیں اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون اس امانت کے اُٹھانے کا اہل ہے اُس نے اپنے لطف ومہربانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے لئے اور تم کو اُن کی زوجیت کے لئے چن لیا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کے احوال واستعداد کی خبر رکھتا ہے کوئی کام یوں ہی بے جوڑ نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

آئندہ آیت کا شانِ نزول

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس جب اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابو طالب کے ہمراہ حبش سے واپس آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے پاس گئیں تو ان سے دریافت کیا کیا ہمارے معاملہ میں قرآن کی کوئی آیت اتری ہے۔ امہات المومنین نے جواب دیا۔ نہیں۔ اسماء فوراً رسول اللہ کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا یا رسول اللہ عورتیں بڑے گھاٹے میں ہیں، بڑی نامراد ہیں۔ فرمایا کس وجہ سے یہ بات (کہہ رہی ہو) عرض کیا حضور مردوں کا جس طرح ذکر کیا جاتا ہے۔ عورتوں کا اچھائی کے ساتھ (قرآن میں) کہیں ذکر ہی نہیں ہوتا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ
تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد
وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ
اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد
وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ
اور سچی عورتیں اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں

یعنی تکلیفیں اُٹھا کر اور سختیاں جھیل کر احکام شریعت پر قائم رہنے والے۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان دار خواتین کا ذکر

طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابنِ عباس کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابنِ سعد نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ طبرانی نے قابلِ قبول سند سے بروایت ابنِ عباس یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ ہے کہ اللہ ایماندار مردوں کا تو ذکر کرتا ہے اور ایمان دار عورتوں کا ذکر (قرآن میں) نہیں کرتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہ سبب نزول ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے مرسلاً ذکر کیا ہے۔

ترمذی نے بسندِ حسن حضرت ام عمارہ انصاریہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے کہا تھا کیا وجہ کہ میں (قرآن میں) ہر چیز مردوں ہی کے لئے دیکھتی ہوں اور عورتوں کا تذکرہ کسی (اچھی) چیز کے ساتھ (قرآن میں) مجھے نظر نہیں آتا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ
اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں

Marfat.com

یعنی تواضع وخاکساری اختیار کرنے والے یا نماز خشوع وخضوع سے ادا کرنے والے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ
اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ
اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد
كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا
اللہ کو بہت سا اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا

خواتین کی دلجمعی

بعض ازواج مطہرات نے کہا تھا کہ قرآن میں اکثر جگہ مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا کہیں نہیں اور بعض نیک بخت عورتوں کو خیال ہوا کہ آیات سابقہ میں ازواج نبی کا ذکر تو آیا عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا اُس پر یہ آیت اُتری۔ تاکہ تسلی ہو جائے کہ عورت ہو یا مرد کسی کی محنت اور کمائی اللہ کے یہاں ضائع نہیں جاتی۔ اور جس طرح مردوں کو روحانی اور اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے۔ یہ طبقہ اناث کی دلجمعی کے لئے تصریح فرما دی۔ ورنہ جو احکام مردوں کے قرآن میں آئے وہ ہی عموماً عورتوں پر عائد ہوتے ہیں۔ جُداگانہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں خصوصی احکام الگ بتلا دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا مجاہد

الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ یعنی بکثرت دلوں اور زبانوں سے اللہ کی یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔

حضرت معاذ راوی ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا مجاہد سب سے بڑے ثواب کا مستحق ہے فرمایا جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرنے والا ہو۔ عرض کیا کس روزہ دار کو سب سے بڑا ثواب ملے گا فرمایا جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہو پھر اس شخص نے نماز زکوٰۃ حج اور خیرات کا ذکر کیا اور حضور نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرتا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا ابوحفص اللہ کا ذکر کرنے والے ہر بھلائی کو لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک۔

بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ بندہ اسی وقت اللہ کی بکثرت یاد کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے جب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا ہو کسی وقت اللہ کی یاد میں سستی نہ کرتا ہو اس کے بغیر کثیر الذکر بندوں میں سے نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں یہ بات اسی وقت ہوتی ہے جب فناء قلب حاصل ہو جائے ذکر میں دل ڈوبا رہے اور ہر وقت حضور دوامی حاصل رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِفراد والے (سب سے) آگے بڑھ گئے عرض کیا گیا اِفراد والے کون فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ۔

عذابِ الٰہی سے نجات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکرِ خدا سے زیادہ عذابِ الٰہی سے نجات دینے والی اور کوئی چیز نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا نہ جہاد فی سبیل اللہ۔ فرمایا نہ جہاد فی سبیل اللہ ہاں اگر جہاد میں اتنی شمشیر زنی کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔ (ایسی حالت میں مجاہد کا درجہ زیادہ ہو جائے گا) رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر من حدیث عبداللہ بن عمر۔

افضل واعلیٰ آدمی

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون سا بندہ سب سے افضل اور عالی مرتبہ ہوگا فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اللہ کی راہ میں لڑنے والے سے بھی فرمایا اگر (مجاہد) کافروں اور مشرکوں میں اتنی شمشیر زنی کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کو یاد کرنے والا اس سے مرتبہ میں افضل ہوگا۔ رواہ احمد والترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔

غافل وذاکر کی مثال

امام مالک نے فرمایا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یادِ خدا سے غفلت کرنے والوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے (جہاد سے منہ موڑ کر) بھاگنے والوں کے پیچھے (کافروں سے) لڑتا رہنے والا اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے سوکھے درخت میں سبز ٹہنی اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے تاریک گھر میں (روشن) چراغ۔ غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والے کو (دنیا میں ہی) جنت کے اندر اس کا مقام اللہ دکھا دیتا

Marfat.com

ہے اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والے کے گناہ سارے بولنے والوں اور گونگوں کی گنتی کے برابر بخش دیئے جاتے ہیں۔ بولنے والوں سے مراد ہیں تمام بنی آدم اور گونگے سے مراد ہیں چوپائے۔ رواہ رزین۔

مؤمن و مسلم، قانت، صادق، صابر، خاشع، متصدق، صائم اور حافظ

بغوی نے لکھا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے کہا جس نے اپنے کام اللہ کے سپرد کر دیئے وہ **المسلمین والمسلمات** کے تحت آ گیا اور جس نے اقرار کیا کہ اللہ میرا رب ہے اور محمد اس کے رسول ہیں اور دل زبان کے مخالف نہ ہو تو وہ **المومنین والمومنات** کی فہرست میں آ گیا اور جس نے فرائض میں اللہ کی اور سنت میں رسول کی اطاعت کی (یعنی فرائض خداوندی کو ادا کیا اور سنت رسول پر چلا) وہ **القانتین والقانتات** میں شامل ہو گیا اور جس نے اپنے کلام کو جھوٹ سے محفوظ رکھا وہ **الصادقین والصادقات** میں آ گیا اور جو طاعت پر جما رہا اور گناہ سے ڈرتا رہا اور دکھ پر صبر کیا **والصابرین والصابرات** میں شامل ہو گیا اور جس نے (اتنے استغراق سے) نماز پڑھی کہ دائیں بائیں کی بھی اس کو شناخت (یعنی خبر) نہ ہوئی وہ **الخاشعین والخاشعات** میں داخل ہو گیا اور جس نے ہر ہفتہ ایک درہم خیرات کیا وہ **المتصدقین والمتصدقات** میں شامل ہو گیا اور جس نے ہر ماہ چاندنی راتوں کے (یعنی ۱۳۔۱۴ تاریخوں کے) روزے رکھے وہ **الصائمین والصائمات** میں داخل ہو گیا اور جس نے حرام سے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا وہ **الحافظین فروجھم والحافظات** کے ذیل میں آ گیا اور جس نے پانچوں نمازیں ادا کیں وہ **الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات** کے تحت آ گیا۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً یعنی جو گناہ ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کی مغفرت اللہ نے تیار کر رکھی ہے۔

وَّاَجْرًا عَظِيْمًا یعنی طاعت کا بڑا ثواب۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو صراحۃً خطاب فرمایا باقی اکثر آیات میں صرف مردوں ہی کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ مرد حاکم ہیں اور اصل ہیں اور عورتیں ان کے تابع ہیں۔ اس لئے عورتوں کو جداگانہ خطاب نہیں کیا گیا حاکم کو خطاب کافی ہے محکوم اور تابع کو علیحدہ خطاب کی ضرورت نہیں جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات کے قائل ہیں وہ قرآن اور حدیث سے بے خبر ہیں نیز سارا عالم اس بات پر متفق ہے کہ عورتیں مردوں سے جسمانی قوت میں اور عقل اور فہم میں اور اعضاء ظاہری کی ساخت میں مردوں سے بہت کم ہیں حتیٰ کہ آواز میں بھی مرد سے کم ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورت کے متعلق فرمایا اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ یعنی عورتوں کو ابتداء ہی سے زیب و زینت کا شوق ہوتا ہے اور اسی میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور زیب و زینت سے اور غیر ضروری چیزوں سے رغبت قلت عقل کی دلیل سے اور اخیر سورت میں حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ عورتوں کے دوسرے نقص کا بیان ہے کہ وہ قوت بیانیہ میں ضعیف اور کمزور ہے پس جس کو قدرت نے محکوم اور کمزور اور ناقص بنایا ہو وہ حاکم اور قوی کے ساتھ کیسے مساوی ہو سکتا ہے بلکہ یہ محکومیت ہی عورتوں کے لئے اللہ کی رحمت اور نعمت ہے کہ ان کو مردوں کے تابع کر دیا۔ اگر چھوٹے بچے ماں باپ کے تابع نہ ہوں تو یقیناً وہ ہلاک ہوں گے اسی وجہ سے حدیث میں ہے۔ **لانکاح الا بولی** عورت کو بغیر ولی کے ہرگز نکاح نہ کرنا چاہئے۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ
اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جبکہ مقرر کر دے اللہ
وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
اور اُس کا رسول کوئی کام کہ اُن کو رہے اختیار
مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اُس کے رسول کی
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا
سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر

حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیں۔ یہ زید اصل سے شریف عرب تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔

Marfat.com

جب یہ ہشیار ہوئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب گزرے، وہاں ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے والد، چچا اور بھائی حضرت کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ لے کر ہمارے حوالہ کر دیں، فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے خوشی سے لے جاؤ۔ انہوں نے حضرت زید سے دریافت کیا۔ حضرت زید نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت نے اُن کو آزاد کر دیا اور متبنی بنالیا۔ چنانچہ لوگ اُس زمانہ کے مطابق زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے تا آن کہ آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ اُس وقت زید بن محمد کی جگہ پھر زید بن حارثہ رہ گئے چونکہ قرآن کے حکم کے موافق اُن کے نام سے اس نسبت عظیمہ کا شرف جُدا کر لیا گیا تھا شاید اس کی تلافی کے لئے تمام صحابہ کے مجمع میں سے صرف اُن کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ اُن کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا بہر حال حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید بن حارثہ بظاہر داغِ غلامی اُٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے ان کی نیز اُن کے بھائی کی مرضی زید سے نکاح کرنے کی نہ تھی لیکن اللہ و رسول کو منظور تھا کہ اس طرح کی موہوم تفریقات و امتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔ اس لئے آپ نے زینب اور اُن کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کر لیں۔ اسی وقت یہ آیت اُتری اور اُن لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ و رسول کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینب کا نکاح زید بن حارثہ سے ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

طبرانی نے صحیح سند سے بروایت قتادہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنتِ جحش کو پیامِ نکاح بھیجا یہ پیام حضرت زید بن حارثہ کے لئے تھا لیکن حضرت زینب نے خیال کیا کہ رسول اللہ نے اپنے ساتھ نکاح کا پیام بھیجا ہے جب معلوم ہوا کہ زید کا پیام بھیجا ہے تو انکار کر دیا اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

رسول نے کسی بات کا قطعی حکم دے دیا ہو تو پھر کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اپنے امر کا خود اختیار نہیں رہتا۔

نزول آیت کے بعد حضرت زینب راضی ہو گئیں اور انہوں نے مان لیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شادی

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بازار عکاظ سے خریدنے کے بعد آزاد کر کے بیٹا بنالیا تھا پھر حضرت زینب کو پیام نکاح بھیجا۔ حضرت زینب نے خیال کیا کہ اپنے ساتھ نکاح کا پیام بھیجا ہے اس لئے راضی ہو گئیں لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ زید کی طرف سے پیام بھیجا ہے تو آپ کو ناگوار ہوا اور انکار کر دیا اور زینب کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی یہ رشتہ پسند نہیں کیا حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ کی ماں امیمہ بنت عبدالمطلب تھی امیمہ رسول اللہ کی پھوپھی تھی۔

ابنِ جریر نے بطریق عکرمہ و عوفی حضرت ابنِ عباس کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کو زید بن حارثہ کے لئے نکاح کا پیام بھیجا تھا۔ زینب نے یہ رشتہ پسند نہیں کیا اور کہا میں زید سے نسب میں بہتر اور اعلیٰ ہوں اس پر آیت و ما کان لمومن نازل ہوئی۔ مومن سے مراد ہیں عبداللہ بن جحش اور مومنہ سے مراد ہیں زینب بنت جحش یعنی کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

اپنی مرضی کو اللہ و رسول کے تابع بناؤ

اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ کہ ان کو اپنے معاملہ کا اختیار خود اپنے ہاتھ میں رہے کہ جب چاہیں اپنی مرضی کے مطابق کریں بلکہ حکم خدا کی تعمیل ان کے لئے ضروری ہے اور اپنے اختیار کو اللہ اور رسول کی پسندیدگی کے تابع بنانا لازم ہے۔

خِيَرَةٌ اور خیارٌ دونوں ہم معنی ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلق امر (اگر کسی دوسرے معنی کے قرینہ سے خالی ہو تو) وجوب کے لئے آتا ہے۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ عالم اور وہ لوگ جن کو دینی شرف حاصل ہے وہ ہر علوی اور شریف النسب شخص کا کفو ہے (خواہ اس کی ذات اور قوم عرف عام کے لحاظ سے کچھ بھی ہو)

پیغمبر کی نافرمانی یا کفر ہے یا فسق

ضَلٰلًا مُّبِيْنًا راہ صواب سے کھلا ہوا انحراف۔ امر سے انحراف دو طرح کا ہوتا ہے۔ امر کو ماننے سے انکار اور تردید ایسا انحراف کفر ہے انحراف عمل مع اعتقادِ وجوب یعنی امر کے واجب ہونے کا عقیدہ تو ہو لیکن عمل اس کے مطابق نہ ہو، ایسی نافرمانی کو فسق کہتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زینب اور ان کا بھائی دونوں راضی ہو گئے اور دونوں نے مان لیا اور زینب کے

Marfat.com

نکاح کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضور نے زید سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کی طرف سے زینب کو دس دینار ساٹھ درہم ایک اوڑھنی ایک کرتہ ایک تہبند ایک چادر پچاس سیر غلہ اور تقریباً چار من چھوارے دیئے۔ حضرت زید کے پاس ایک مدت تک رہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے (حضرت زینب کی طرف) گئے زینب گوری اور قریش کی حسین ترین عورت تھیں اس وقت صرف کرتہ اور دوپٹہ پہنے کھڑی تھیں حضور کی جو نظر ان پر پڑی تو اچھی معلوم ہوئیں اور دل کو بھا گئیں فوراً زبان سے نکلا سبحان اللہ۔ اللہ دل کو پلٹنے والا ہے۔ اس کے بعد لوٹ آئے جب حضرت زید آئے تو ان سے حضور نے اس بات کا تذکرہ کر دیا۔ زید سمجھ گئے اور اسی وقت سے ان کے دل میں زینب کی طرف سے کراہت پیدا ہو گئی۔ کچھ مدت بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی بیوی کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا ایسا کیوں؟ کیا زینب کی تم نے کوئی ناشائستہ حرکت دیکھی۔ زید نے کہا نہیں خدا کی قسم۔ میں نے تو ان کی طرف سے نیکی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا مگر وہ اپنی شرافت نسب کی وجہ سے مجھ پر اپنی بڑائی جتلاتی ہیں اور زبان سے مجھے دکھ دیتی ہیں۔ حضور نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اس کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ابن جریر نے ابو زید کی روایت سے یہ واقعہ یوں ہی بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نکاح اولیاء کے ذریعہ کفو میں ہونا چاہئے

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی کے ذریعہ ہونا چاہئے یعنی بالغ لڑکی کو بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرے، حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام اس کے والدین اور اولیاء کریں، اور فرمایا کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے کفو ہی میں کرنا چاہئے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، مگر صحابہ کرام کے آثار و اقوال سے اس کی تائید ہو کر حدیث قابلِ استدلال ہو جاتی ہے امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں یہ حکم جاری کروں تاکہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجہ والے سے نہ لیا جائے اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تاکید فرمائی کہ نکاح میں کفایت کی رعایت کی جائے جو متعدد اسانید سے منقول ہے، امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

دینی مصلحت کفو سے افضل ہے

حاصل یہ ہے کہ نکاح میں کفائت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت رہے، لیکن کوئی دوسری اہم مصلحت اس کفائت سے بڑھ کر سامنے آ جائے تو عورت اور اس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفو میں نکاح کر لینا بھی جائز ہے خصوصاً جب کہ کوئی دینی مصلحت پیش نظر ہو تو ایسا کرنا افضل و بہتر ہے جیسا کہ صحابۂ کرام کے متعدد واقعات سے ثابت ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان واقعات سے اصل مسئلہ کفات کی نفی نہیں ہوئی، واللہ اعلم۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب میں ناموافقت

حضرت زینب بنت جحش کا نکاح بامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا، مگر دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہوئی، حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کی تیز زبانی اور نسبی شرافت کی بناء پر اپنے کو اونچا سمجھنے اور اطاعت میں کوتاہی کرنے کی شکایت کیا کرتے تھے، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بتلا دیا گیا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دیں گے، اس کے بعد زینب رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی، ایک روز حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہی شکایات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر کے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ان کو طلاق دے دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو طلاق سے منع فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ منجانب اللہ یہ علم ہو گیا تھا کہ واقعہ یوں ہی پیش آنے والا ہے، کہ زید اُن کو طلاق دے دیں گے، پھر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی۔ لیکن دو وجہ سے آپ نے حضرت زید کو طلاق دینے سے روکا، اول یہ کہ طلاق دینا اگرچہ شریعت اسلام میں جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں بلکہ ابغض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض و مکروہ ہے۔ اور تکوینی طور پر کسی کام کا وقوع تشریعی حکم کو متاثر نہیں کرتا دوسرے قلب مبارک میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ اگر انہوں نے طلاق دے دی اور پھر زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو عرب اپنے دستور جاہلیت کے مطابق یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا،

Marfat.com

اگرچہ قرآن نے اس دستور جاہلیت کو سورۂ احزاب کی ہی سابقہ آیات میں ختم کر دیا ہے، اس کے بعد کسی مؤمن کے لئے تو اس کے وسوسہ کا بھی خطرہ نہ تھا مگر کفار جو قرآن ہی کو نہیں مانتے وہ اپنی جاہلانہ رسم یعنی منہ بولے بیٹے کو تمام احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کی بناء پر زبان طعن دراز کریں گے، یہ اندیشہ بھی حضرت زیدؓ کو طلاق دینے سے منع کرنے کا سبب بنا، حکیم ترمذی اور ابن ابی حاتم وغیرہ محدثین نے حضرت علی بن حسین زین العابدین کی روایت سے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَوْحی اللّٰهُ تَعَالیٰ اِلَیْهِ صَلیَّ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ زَیْنَبَ
سَیُطَلِّقُهَا زَیْدٌ وَیَتَزَوَّجُهَا بَعْدَهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

(روح از حکیم ترمذی)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دے دی تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو زید رضی اللہ عنہ طلاق دینے والے ہیں اور اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آئیں گے"

اور ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اَعْلَمَ نَبِیَّهٗ اَنَّهَا ..... سَتَکُوْنُ مِنْ اَزْوَاجِهٖ
قَبْلَ اَنْ یَّتَزَوَّجَهَا فَلَمَّا اَتَاهُ زَیْدٌ لیشکوهَا اِلَیْهِ قَالَ
اِتَّقِ اللّٰهَ وَاَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ فَقَالَ اَخْبَرْتُکَ
اِنِّیْ مُزَوِّجُکَهَا وَتخفی فِیْ نَفْسِکَ ما اللّٰهُ مبدیه،

"یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتلا دیا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی ازواج مطہرات میں داخل ہو جائیں گی، پھر جب حضرت زیدؓ ان کی شکایت لے کر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تو آپ سے بتلا دیا تھا کہ میں ان سے آپ کا نکاح کرا دوں گا اور آپ اپنے دل میں اس چیز کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔" (معارف مفتی اعظم)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ
اور جب تو کہنے لگا اُس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا
عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰهَ
رہنے دے اپنے پاس اپنی جورو کو اور ڈر اللہ سے
وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ
اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ چاہتا ہے اور ڈرتا تھا لوگوں سے

وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا
اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈر تجھ کو پھر جب زید تمام کر چکا اُس عورت سے اپنی غرض

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی

یعنی زید نے طلاق دے دی۔ اور عدت بھی گزر گئی، زینب سے کچھ غرض مطلب نہ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰهَ

اور جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا تھا کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔

یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ حاکم نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زینب بنت جحش کی شکایت کرنے آئے تو آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اَنْعَمَ اللّٰه اللہ نے اس پر فضل کیا کہ اسلام کی اور آپ کے ساتھ رہنے کی اس کو توفیق دی اور آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دی (جس کی وجہ سے آپ نے اس کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا)

زَوْجَکَ یعنی زینب بنت جحش۔

واتق اللّٰه اور اللہ سے اس کے معاملہ میں ڈر۔ اس کو طلاق نہ دے۔ طلاق اگرچہ جائز ہے لیکن تمام جائز احکام میں سب سے زیادہ بری اور قابلِ نفرت چیز ہے۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ اور آپ اپنے دل میں وہ بات (بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ (آخر میں) ظاہر کرنے والا تھا۔

بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کے معاملہ میں ہوا۔ حسن نے کہا زید کی بات رسول اللہ کو دل سے تو پسند آئی مگر شرم اور شرف ذاتی کی وجہ سے اس بات کو دل میں چھپائے رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلانِ طبع

بغوی نے بروایت سفیان بن عیینہ بیان کیا کہ علی بن زید جدعان نے کہا مجھ سے امام زین العابدین علی بن امام حسین نے پوچھا آیت وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ کے متعلق حسن

Marfat.com

کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا حسن کہہ رہے تھے کہ جب زید نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے اللہ کے نبی میں زینب کو چھوڑنا چاہتا ہوں حضور کو زید کی یہ بات (دل سے تو) پسند آئی لیکن (ظاہر میں) زبان سے فرمایا اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ امام زین العابدین نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔ اللہ نے آپ کو پہلے سے اطلاع دے دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب آپ کی بیوی ہو جائیں گی۔ چنانچہ جب زید نے آ کر کہا میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو اللہ کے رسول نے فرمایا۔ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ یہ بات اللہ کو پسند نہ آئی اور بطورِ عتاب اللہ نے فرمایا جب ہم نے آپ کو بتا دیا تھا کہ زینب آپ کی بیوی ہوگی تو پھر آپ نے زید سے کیوں کہا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو طلاق نہ دو۔ آیت کا یہ مطلب شانِ انبیاء کے موافق ہے (اس سے نبی پر کوئی دھبہ نہیں آتا) اور عبارت بھی اسی کے مطابق ہے کیوں کہ اللہ نے فرما دیا کہ جو بات تم نے چھپائی تھی ہم اس کو ظاہر کرنے والے ہیں لیکن سواء اس کے کہ زَوَّجْنَاكَهَا ہم نے تمہارا نکاح زینب سے کر دیا) فرما دیا اور کوئی بات ظاہر نہیں کی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں زینب کی محبت چھپائے رکھی ہوتی یا دل کے اندر یہ بات مخفی کر لی ہوتی کہ زینب کو زید طلاق دے دے تو اللہ (حسب وعدہ) اس کو ضرور ظاہر کر دیتا حقیقت میں (جب بوحی الٰہی آپ کو معلوم ہو گیا کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب سے آپ کا نکاح ہو جائے گا تو) آپ کو زید سے یہ بات کہتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کہ جو بیوی تیرے نکاح میں اور تیرے پاس ہے وہ میری بیوی ہو جائے گی۔

بغوی نے لکھا ہے امام زین العابدین کا بیان کیا ہوا یہ مطلب نہایت خوبصورت اور پسندیدہ ہے لیکن یہ مطلب بھی غلط نہیں ہے اور نہ شانِ انبیاء کے خلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں زینب کی محبت پیدا ہو گئی اور آپ نے اس کو چھپائے رکھا یا یہ بات پوشیدہ رکھی کہ زید طلاق دے دیں گے تو میں نکاح کر لوں گا کیوں کہ دل میں جو بات بغیر اختیار کے پیدا ہو جائے اس کو قابلِ ملامت اور برا نہیں قرار دیا جا سکتا اس طرح کی واردات قلبی میں کوئی گناہ نہیں دل کا جھکاؤ اور وجدانِ محبت تو طبعی اور فطری چیز ہے۔ باقی اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ الخ فرمایا تو یہ ایک اچھے کام کا مشورہ ہے امر بالمعروف ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید کو مشورہ موجب اجر ہے

میں کہتا ہوں بلکہ یہ مشورہ اور حکیم اجرِ عظیم کا موجب ہے کیوں کہ اپنی طبیعت کے خلاف امر بالمعروف تو (جہاد نفس کی) نہایت اعلیٰ (صورت) ہے اللہ نے فرمایا، وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو بھی سخت حاجت ہو اور جو شخص حرص نفس سے محفوظ رہتے ہیں وہ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

حسن کے قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا سبحان اللہ مقلب القلوب۔ یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال تھا کہ زینب سے زید کا نکاح کرا دیں (چنانچہ ایسا کرا دیا اور باوجود زینب کے میلان طبع اور اقرار کے حضور کے دل میں خود نکاح کر لینے کا خیال ہی نہیں ہوا) پھر اللہ نے دل پلٹ دیا اور زینب سے نکاح کرنے کی طرف دل موڑ دیا۔

انبیاء اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے

وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ اور آپ لوگوں (کے طعن) سے ڈرتے تھے اور ڈرنا تو آپ کو صرف اللہ ہی سے سزاوار ہے، یعنی آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے اللہ کے رسول نے زید سے اس کی بیوی کو طلاق دلوا دی حالانکہ اللہ ہی سے ڈرنا مناسب ہے۔

حضرت عمر اور حضرت ابنِ مسعود نے فرمایا اس آیت سے زیادہ اور کوئی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشوار نہیں ہوئی مسروق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی فرستادہ وحی میں سے کوئی حصہ چھپاتے تو اس آیت وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ کو پوشیدہ رکھتے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ کا خوف وخشیہ نہیں تھا۔ حضور نے خود فرمایا تھا اِنِّيْ اَخْشَاكُمْ وَاَتْقَاكُمْ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف وخشیہ رکھتا ہوں۔

میں کہتا ہوں اللہ نے تمام انبیاء کی شان میں فرمایا ہے يَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ لیکن اس جگہ جب لوگوں سے ڈرنے کا ذکر کیا تو بطور عموم ضابطہ یہ بھی فرما دیا کہ تمام امور واحوال میں خدا سے ڈرنا ہی

Marfat.com

سزاوار ہے۔ میں کہتا ہوں اس تشریح پر آیت کا مطلب اس طرح ہو۔ آپ لوگوں کے طعن سے ڈرتے ہیں اور جتنا لوگوں سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ خدا کا خوف رکھتے ہیں کیوں کہ اللہ ہی سے ڈرنا سزاوار ہے پس لوگوں کے ڈر اور خوف سے آپ نے دل میں ایک بات چھپالی اور اللہ کے خوف سے (زید کو) نیکی اور بھلائی کا حکم بھی دیا اور حکم خدا کی تعمیل میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہ ہی مطلب ہے آیت لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ انبیاء لوگوں کا خوف ولحاظ ایسا نہیں رکھتے کہ اس کی وجہ سے اللہ کے حکم کی تعمیل چھوڑ دیں یا اس میں کمی کر دیں۔ رہا عام طور پر لوگوں سے ڈرنا اور ان کے طعن کا لحاظ رکھنا تو یہ بات بری نہیں بلکہ اچھی ہے حیا تو ایمان کا جز ہے۔ (متفق علیہ)

حیاء کی اہمیت

صحیحین میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے آیا ہے کہ حیاء اور ایمان دونوں کو جوڑ دیا گیا ہے (ہر ایک دوسرے کا ساتھی ہے) جب ایک کو اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرے کو بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے جب ایک کو سلب کر لیا جاتا ہے تو دوسرا اول کے پیچھے آ جاتا ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

امام مالک نے مرسلاً بروایت زید بن طلحہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں نیز ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت ابنِ عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کی ایک سرشت ہوتی ہے اور اسلام کی سرشت حیاء ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پیغام

مسلم۔ احمد۔ نسائی۔ ابو یعلی۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی اور بغوی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے اور روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ بغوی نے ذکر کی ہے کہ جب حضرت زینب کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے فرمایا جا کر زینب سے میرا تذکرہ کرو (یعنی پیام پہنچاؤ) زید گئے اور جس وقت پہنچے ہیں اس وقت زینب آٹا خمیر کر رہی تھیں۔ زید کا بیان ہے میں نے زینب کو دیکھا تو اس کی اتنی عظمت میرے دل میں پیدا ہوئی کہ میں سامنے سے ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے ارادہ سے ان کا ذکر کیا تھا چنانچہ میں نے فوراً اُن کی طرف اپنی پشت کر لی اور ایڑیوں کے بل مڑ کر کہا زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے حضور نے تم کو یاد کیا ہے۔ حضرت زینب نے کہا میں اپنے رب سے مشورہ کے بغیر کچھ کرنے والی نہیں۔ یہ جواب دینے کے بعد حضرت زینب اُٹھ کر مسجد (یعنی اندرون خانہ جو نماز کی جگہ مقرر کر رکھی تھی اس) کی طرف گئیں اور آیت نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پھر جب زید کا اس سے دل بھر گیا (اور اس نے طلاق دے دی) تو ہم نے اس کو آپ کی بیوی بنا دیا۔

منھا کی ضمیر زینب بنت جحش کی طرف راجع ہے وَطَر کا معنی ہے حاجت۔ حاجت پوری کرنے سے مراد ہے دل بھر جانا یعنی جب زینب سے زید کا دل بھر گیا اور زید کو زینب کی حاجت نہ رہی اور انہوں نے طلاق دے دی اور زینب کی عدت گزر گئی۔ بعض علماء تفسیر نے کہا کہ قضاء وطر (حاجت پوری کرنے) سے بطور کنایہ طلاق مراد ہے۔

دعوتِ ولیمہ

حضرت انس کا بیان ہے رسول اللہ (باہر سے) آئے اور بغیر اذن طلب کئے زینب کے پاس اندر تشریف لے گئے۔ ہم کو یاد ہے کہ (حضرت زینب کے ولیمہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو گوشت روٹی کھلایا تھا۔ آدھا دن گزر گیا لوگ کھانے کے بعد نکل کر چلے گئے لیکن دو آدمی باتوں میں مشغول حجرہ میں بیٹھے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مجبوراً خود) باہر نکل گئے میں بھی حضور کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ حضور والا یکے بعد دیگرا مہات المومنین کے حجروں میں تشریف لے گئے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی سلام کیا اور دریافت کیا یا رسول اللہ آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا۔

حضرت انس نے کہا مجھے یاد نہیں کچھ دیر کے بعد میں نے جا کر اطلاع دی یا دوسرے لوگوں نے کہ وہ لوگ چلے گئے۔ یہ سن کر حضور تشریف لے آئے حجرہ میں چلے میں بھی آپ کے ساتھ اندر گھسنے لگا تو میرے اور حضور کے درمیان پردہ کھینچ دیا گیا اور حجاب کا حکم نازل ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا ولیمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا کیا ایسا کسی اور بی بی کا نہیں کیا زینب کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح کی۔ یہ بھی حضرت انس ہی کا بیان ہے کہ زینب بنت جحش کے زفاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پیٹ بھر گوشت روٹی کھلایا۔ (تفسیر مظہری)

Marfat.com

حضرت زینب کا امتیاز

بخاری۔ احمد۔ ترمذی۔ حاکم۔ ابن مردویہ عبد بن حمید اور بیہقی نے سنن میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیویوں پر فخر کرتی اور فرماتی تھیں تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے گھر والوں نے کرایا اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ نے کر دیا دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت زینب کہتی تھیں میرے نکاح کا تو اللہ ولی ہوا اور تمہارا نکاح تمہارے اولیا نے کرایا۔

بغوی نے بحوالہ شعبی بیان کیا ہے کہ زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی تھیں مجھے آپ کے سلسلہ میں (دوسری بیبیوں پر) تین چیزوں سے امتیاز کسی بی بی کو حاصل نہیں۔ میرا اور آپ کا دادا ایک تھا۔ میرا نکاح آپ کے ساتھ اللہ نے آسمان پر کیا میرے نکاح کے سفیر جبرئیل ہیں۔

حضرت زینب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں حکمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں جب بیت اللہ کی تعمیر کی گئی تو اس میں کئی چیزیں بناءِ ابراہیمی کے خلاف کر دی گئی ہیں اول تو یہ کہ بیت اللہ کا کچھ حصہ تعمیر سے باہر چھوڑ دیا، دوسرے بناءِ ابراہیمی میں لوگوں کے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے دو دروازے تھے، ایک مشرقی جانب میں دوسرا مغربی جانب میں، جس کی وجہ سے بیت اللہ میں داخل ہونے اور نکلنے میں زحمت نہ ہوتی تھی، اہلِ جاہلیت نے اس میں دو تصرف کئے کہ مغربی دروازہ تو بالکل بند کر دیا اور مشرقی دروازہ جو سطح زمین سے متصل تھا اس کو اتنا اونچا کر دیا کہ بغیر سیڑھی کے اس میں داخلہ نہ ہو سکے جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ جس کو اجازت دیں صرف وہ اندر جا سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نو مسلم لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو پھر بناءِ ابراہیمی کے مطابق بنا دیتا، یہ حدیث سب کتب معتبرہ میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے اپنا یہ ارادہ جو شرعاً محمود تھا اس کو ترک کر دیا، اور منجانب اللہ اس پر کوئی عتاب نہیں ہوا، جس سے اس عمل کا عنداللہ مقبول ہونا بھی معلوم ہو گیا، مگر یہ معاملہ بیت اللہ کو بناءِ ابراہیمی کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنے کا ایسا نہیں جس پر کوئی مقصد موقوف ہو یا جس سے احکام حلال و حرام متعلق ہوں۔

بخلاف واقعہ نکاح زینب رضی اللہ عنہا کے کہ اس سے ایک مقصد شرعی متعلق تھا اس واقعہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان اختلاف طبائع اور زید رضی اللہ عنہ کی ناراضی پھر طلاق دینے کا عزم یہ سب اسی تکوینی اور تقدیری امر کی کڑیاں تھیں۔ (معارف مفتی اعظم)

آسمان پر نکاح

چونکہ حضرت زینب نے اپنے اس نکاح کے بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا جو اہل ایمان کا اصل ولی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب سے کر دیا آسمانوں میں تو اسی نکاح کا اعلان ہو ہی گیا اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس نکاح کا اعلان ہو چنانچہ جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

اعلانِ نکاح

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی تو اے نبی کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

آیت کے نازل ہونے سے تمام مکہ میں اس کا اعلان ہو گیا اور پیغام کے ذریعہ ایجاب و قبول پہلے ہی ہو چکا تھا اس لئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد (اور اس اعلان عام کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا اذن مکان میں داخل ہوئے۔ رواہ مسلم و احمد والنسائی۔ فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۸ کتاب التفسیر و زرقانی ص ۲۴۵ ج ۳ اور نکاح آسمانی اور حکم قرآنی خود بلا واسطہ ان کو پڑھ کر سنایا۔ (معارف کاندھلوی)

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ
ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا تا کہ نہ رہے مسلمان پر گناہ
فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ
نکاح کر لینا جوروئیں اپنے لے پالکوں کی جب وہ تمام کر لیں اُن سے اپنی غرض
وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا
اور ہے اللہ کا حکم بجالانا

Marfat.com

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طلاق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے اسباب واغراض

حضرت زینب رضی اللہ عنہا زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں تو وہ اُن کی آنکھوں میں حقیر لگتا۔ مزاج کی موافقت نہ ہوئی۔ جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زید آ کر حضرت سے اُن کی شکایت کرتے اور کہتے میں اسے چھوڑتا ہوں حضرت منع فرماتے کہ میری خاطر اور اللہ ورسول کے حکم سے اُس نے تجھ کو اپنی منشاء کے خلاف قبول کیا۔ اب چھوڑ دینے کو وہ اور اُس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لئے خدا سے ڈر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کر۔ اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرتا رہ۔ جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا، اور بار بار جھگڑے قضیے پیش آتے رہے تو ممکن ہے آپ کے دل میں آیا ہو کہ اگر ناچار زید چھوڑ دے گا تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اُس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ کہیں گے اپنے بیٹے کی جورو گھر میں رکھ لی۔ حالانکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے نزدیک لے پالک کو کسی بات میں حکم بیٹے کا نہیں۔ اُدھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اس جاہلانہ خیال کو اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے عملی طور پر ہدم کر دے۔ تاکہ مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا توحش اور استنکاف باقی نہ رہے اُس نے پیغمبر علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ میں زینب کو تیرے نکاح میں دینے والا ہوں۔ کیوں دینے والا ہوں؟ اس کو خود قرآن کے الفاظ لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں یعنی آپ کے نکاح میں دینے کی غرض یہ ہی تھی کہ دلوں سے جاہلیت کے اس خیال باطل کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور کوئی تنگی اور رُکاوٹ آئندہ اس معاملہ میں باقی نہ رہنے پائے۔ اور شاید یہ ہی حکمت ہوگی جو اول زینب کا نکاح زید سے زور ڈال کر کرایا گیا۔ کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مُدت تک باقی نہ رہے گا۔ چند مصالح مہمہ تھیں جن کا حصول اس عقد پر معلق تھا۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ذاتی خیال اور اس آسمانی پیشین گوئی کے اظہار سے عوام کے طعن وتشنیع کا خیال فرما کر شرماتے تھے اور زید کو طلاق کا مشورہ دینے میں بھی حیا کرتے تھے لیکن خدا کی خبر سچی ہونی تھی اور اس کا حکم تکوینی اور تشریعی ضرور تھا کہ نافذ ہو کر رہے۔ آخر کار زید نے طلاق دے دی۔ اور عدت گزر جانے پر اللہ نے زینب کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھ دیا۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آپ دل میں جو چیز چھپائے ہوئے تھے وہ یہ ہی نکاح کی پیشین گوئی اور اس کا خیال تھا۔ اسی کو بعد میں اللہ نے ظاہر فرما دیا۔ جیسا کہ لفظ زَوَّجْنَكَهَا سے ظاہر ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ بعض لوگ اس بات پر بدگمانی یا بدگوئی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کر بیٹھیں یا گمراہی میں ترقی نہ کریں چونکہ مصالح مہمہ شرعیہ کے مقابلہ میں اس قسم کی جھجک بھی پیغمبر کی شان رفیع سے نازل تھی۔ اس لئے بقاعدہ ، حسناتُ الابرار سیئاتُ المقربین اُس کو عتاب آمیز رنگ میں بھاری کر کے ظاہر فرمایا گیا۔ جیسا کہ عموماً انبیاء علیہم السلام کی زَلّات کے ذکر میں واقع ہوا ہے۔

(تنبیہ) ہم نے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نکاح کی خبر پہلے سے دے دی تھی۔ اس کی روایات فتح الباری سورۂ احزاب کی تفسیر میں موجود ہیں۔ باقی جو لغو اور دور از کار قصے اس مقام پر حاطب اللیل مفسرین و مؤرخین نے درج کر دیئے ہیں اُن کی نسبت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ لَايَنْبَغِي التَّشَاغُلُ بِهَا اور ابن کثیرؒ لکھتے ہیں " اَحْبَبْنَا اَنْ نَضْرِبَ عَنْهَا صَفْحًا لِعَدَمِ صِحَّتِهَا فَلَا نُوْرِ دُهَا ". (تفسیر عثمانی)

منہ بولے بیٹے کی بیوی

اَدعیاء کا مفرد دَعِیٌّ ہے دَعی بنایا ہوا بیٹا یعنی زینب زوجہ زید سے ہم نے آپ کا نکاح اس لئے کرایا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹوں کی (مطلقہ) بیویوں سے نکاح حلال ہے خواہ وہ بیٹے اپنی بیویوں سے قربت کر چکے ہیں حقیقی بیٹے کی بیوی کا حکم اس کے خلاف ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت جُلیبیب رضی اللہ عنہ کا نکاح

مسند احمد میں ہے کہ ایک انصاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی لڑکی کا نکاح جلیبیب سے کر دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اچھی بات ہے میں اس کی ماں سے بھی مشورہ کر لوں جا کر ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہم نے فلاں فلاں ان سے بڑے بڑے آدمیوں کے مانگے تو واپس کر دیئے اور اب جلیبیب رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیں۔ انصاریؓ اپنی بیوی کا یہ جواب سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتے ہی تھے کہ لڑکی جو پردے کے پیچھے سے یہ تمام گفتگو سُن رہی تھی، بول پڑی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کی بات رَد کرتے ہو؟ جب آپ اس سے خوش ہیں تو تمہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ اب دونوں نے کہا کہ بچی ٹھیک کہہ رہی ہے بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نکاح سے انکار کرنا گویا حضور کے مانگے کو اور آپ کی خواہش کو رَدّ کرنا ہے یہ ٹھیک نہیں چنانچہ انصاری سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات سے خوش ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تو اس سے رضامند ہوں کہا پھر آپ کو اختیار ہے آپ نکاح کر دیجئے۔ چنانچہ نکاح ہو گیا ایک مرتبہ اہلِ اسلام مدینے والے دشمنوں کے مقابلے کے لئے نکلے لڑائی ہوئی جس میں حضرت جلیبیبؓ شہید ہو گئے۔ انہوں نے بہت سے کافروں کو قتل کیا تھا جن کی لاشیں ان کے آس پاس پڑی ہوئی تھیں۔ روایت میں حضرت ابو ہریرہ اسلمیؓ کا بیان ہے کہ حضرت جلیبیبؓ کی طبیعت میں مذاق تھا اس لئے میں نے اپنے گھر میں کہہ دیا تھا کہ یہ تمہارے پاس نہ آئیں انصاریوں کی عادت تھی کہ وہ کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ یہ معلوم کر لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی بابت کچھ نہیں فرماتے، پھر وہ واقعہ بیان فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جلیبیبؓ نے سات کافروں کو اس غزوے میں قتل کیا تھا۔ پھر کافروں نے بھیڑ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاش کرتے ہوئے جب ان کی نعش کے پاس آئے تو فرمایا سات کو مار کر پھر شہید ہوئے ہیں یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر قبر کھُدوا کر اپنے ہاتھوں پر اُٹھا کر قبر میں اُتارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک ہی ان کا جنازہ تھا اور کوئی چارپائی نہ تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ
نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو مقرر کر دی اللہ نے اُس کے واسطے
سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ
جیسے دستور رہا ہے اللہ کا اُن لوگوں میں جو گزرے پہلے اور ہے
اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ
حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں پیغام
رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا
اللہ کے اور ڈرتے ہیں اُس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے

اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا
اللہ کے اور بس ہے اللہ کفایت کرنے والا

منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے

یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے جو بات اُس کے یہاں طے ہو چکی ضرور ہو کر رہے گی۔ پھر پیغمبر کو ایسا کرنے میں کیا مضائقہ ہے جو شریعت میں روا ہو گیا۔ انبیاء و رُسُل کو اللہ کے پیغامات پہنچانے میں اُس کے سوا کبھی کسی کا ڈر نہیں رہا۔ (چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیغام رسانی میں آج تک کسی چیز کی پروا نہیں کی نہ کسی کے کہنے سننے کے خیال سے کبھی متاثر ہوئے) پھر اس نکاح کے معاملہ میں رُکاوٹ کیوں ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام کی کثرتِ ازواج مشہور ہے۔ جو الزام سفہاء آپ کو دے سکتے ہیں انبیائے سابقین کی لائف میں اُس سے بڑھ کر نظیریں موجود ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی سفیہانہ اور جاہلانہ نکتہ چینیوں پر نظر نہیں کرنا چاہیئے۔ آگے بتلایا ہے کہ زید بن حارثہ جن کو آپ نے متبنیٰ کر لیا تھا آپ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے کہ اُن کی مطلقہ سے آپ نکاح نہ کر سکیں۔ اور ایک زید کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ کیونکہ آپ کی اولاد میں یا لڑکے ہوئے جو بچپن میں گزر گئے۔ اور بعض اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ذریت دنیا میں پھیلی۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبروں کیلئے کثرت نکاح

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ اور پیغمبر کے لئے جو بات اللہ نے مقرر کر دی تھی اس میں ان پر کوئی الزام نہیں۔

حَرَجَ تنگی فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ یعنی عورتوں کی جو تعداد اللہ نے پیغمبر کے لئے مقرر اور مقدر کر دی تھی۔ عرب کہتے ہیں فِرضَ لَهٗ فِی الدّیوان رجسٹر میں اس لئے حصہ مقرر کر دیا گیا۔ فروض العسکر فوج کی مقرر تنخواہیں۔ بعض علماء نے آیت میں فَرَضَ کا معنی اَحَلَّ (پیغمبر کے لئے اللہ نے جو کچھ حلال کر دیا تھا) بیان کئے ہیں۔

بعض کے نزدیک سنۃ اللہ سے مراد ہے نکاح کیوں کہ نکاح سنت انبیاء ہے بعض کے نزدیک کثرت ازواج کی طرف اشارہ ہے جیسے

Marfat.com

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی بیبیاں کثرت سے تھیں۔ (تفسیر مظہری)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ
لیکن رسول ہے اللہ کا

یعنی کسی کو اُس کا بیٹا نہ جانو۔ ہاں اللہ کا رُسول ہے اس حساب سے سب اس کے روحانی بیٹے ہیں جیسا کہ ہم اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں۔

وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ
اور مُہر سب نبیوں پر

ختم نبوت

یعنی آپ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مُہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی، بس جن کو ملنی تھی مل چکی۔ اسی لئے آپ کی نبوت کا دَورہ سب نبیوں کے بعد رکھا۔ جو قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اخیر زمانہ میں بحیثیت آپ کے ایک اُمتی کے آئیں گے خود اُن کی نبوت و رسالت کا عمل اُس وقت جاری نہ ہوگا جیسے آج تمام انبیاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں مگر شش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ کا جاری وساری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام (زمین پر) زندہ ہوتے تو اُن کو بھی بجز میرے اتباع کے چارہ نہ تھا۔ بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیائے سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سُورج کے نُور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اُس وقت دکھائی نہیں دیتا۔ اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رُتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے، آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(تنبیہ) ختم نبوت کے متعلق قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سے سینکڑوں دلائل جمع کر کے بعض علمائے عصر نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مطالعہ کے بعد ذرا تردّد نہیں رہتا کہ اس عقیدہ کا منکر قطعاً کافر اور ملتِ اسلام سے خارج ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ اور لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے لئے خاتم ہیں (سب کے ختم ہونے کے بعد آئے ہیں) اور ہر رسول شفقت و خیر خواہی کے لحاظ سے اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ سب امت کا نسبی باپ نہیں ہوتا کہ امت کی کسی عورت سے اس کا نکاح نہ ہو سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہ رہنے کی حکمت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اگر میں سلسلۂ انبیاء کو محمد پر ختم نہ کر دیتا تو ان کے بعد ان کے بیٹے کو نبی بنا دیتا۔ عطاء نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی بنانا نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی لڑکا یعنی مرد (اولاد) عنایت نہیں کیا۔ ابنِ ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادہ ابراہیم کے متعلق فرمایا اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ پر ہوں گے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت نازل نہیں ہوں گے، ضرور نازل ہوں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ہوں گے اس لئے نزول عیسیٰ علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی جرح نہیں کی جا سکتی اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جدید نبوت کو ختم کر دیا اگر گزشتہ نبی باقی رہے تو اس سے جدید نبوت کی نفی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سلسلہ نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اُس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جہاں کچھ نہ رکھا لوگ اُسے چاروں طرف سے دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن کہتے کیا اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پُر کر لی جاتی پس میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں۔

تخلیق آدم سے بھی قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم تھے

مسند میں ہے میں خدا کے نزدیک نبیوں کا ختم کرنے والا تھا اس

Marfat.com

وقت جب کہ آدم علیہ السلام پورے طور پر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حدیث میں ہے میرے کئی نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں تلے ہوگا۔ اور میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں (صحیحین) (تفسیر ابن کثیر)

اعلیٰ صفت

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالاتِ نبوت و رسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے، اور انتہاء پر پہنچ کر اس کی تکمیل ہوتی ہے، اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصد ہوتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کو واضح کر دیا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔

انبیائے سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے، کوئی ناقص نہ تھا، لیکن کمالِ مطلق اسی دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا جو اولین و آخرین کے لئے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔

اس جگہ صفت خاتم النبیین کے اضافہ سے اس مضمون کو بھی اور زیادہ وضاحت اور تکمیل ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقطوع النسل کہنا جہالت ہے، جبکہ ساری امت کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ متصف ہیں ..... کیونکہ لفظ خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ ہی کی امت میں شامل ہوں گی۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعداد بھی دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے انبیاء کی نسبت سے بھی زیادہ ہوگی۔

صفت خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اپنی اولادِ روحانی یعنی پوری اُمت پر دوسرے تمام انبیاء سے زائد ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک پیش آنے والی ضرورتوں کو واضح کرنے کا پورا اہتمام فرمائیں گے، کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی دنیا میں آنے والی نہیں، بخلاف انبیاء سابقین کے کہ ان کو اس کی فکر نہ تھی وہ جانتے تھے کہ جب قوم میں گمراہی پھیلے گی تو ہمارے بعد دوسرے انبیاء آ کر اس کی اصلاح کر دیں گے، مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر لاحق تھی کہ قیامت تک اُمت کو جن حالات سے سابقہ پڑے گا ان سب حالات کے متعلق ہدایات امت کو دے کر جائیں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شاہد ہیں کہ آپ کے بعد جتنے لوگ قابلِ اقتداء آنے والے تھے اکثر ان کے نام لے کر بتلا دیا ہے، اسی طرح جتنے گمراہی کے علمبردار ہیں ان کے حالات اور پتے ایسے کھول کر بتلا دیئے ہیں کہ ذرا غور کرنے والے کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنِّیْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى شَرِيْعَةٍ بَيْضَاءَ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ "یعنی میں نے تم کو ایسے روشن راستے پر چھوڑا ہے جس میں رات دن برابر ہیں کسی وقت بھی گمراہی کا خطرہ نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی ہیں خاتم الرسل بھی

اس آیت میں یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بصفت رسول آیا ہے، اس کے لئے بظاہر مناسب یہ تھا کہ آگے خاتم الرسل یا خاتم النبیین کا لفظ استعمال ہوتا، مگر قرآن حکیم نے اس کے بجائے خاتم النبیین کا لفظ اختیار فرمایا۔

وجہ یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک نبی اور رسول میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ نبی تو ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ اصلاحِ خلق کے لئے مخاطب فرمائیں۔ اور اپنی وحی سے مشرف فرمائیں، خواہ اس کے لئے کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت تجویز کریں، یا پہلے ہی کسی نبی کی کتاب و شریعت کے تابع لوگوں کو ہدایت کرنے پر مامور ہو، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب و شریعت کے تابع ہدایت کرنے پر مامور تھا۔

اور لفظ رسول خاص اس نبی کے لئے بولا جاتا ہے جس کو مستقل کتاب و شریعت دی گئی ہو، اسی طرح لفظ نبی کے مفہوم میں بہ نسبت لفظ رسول کے عموم زیادہ ہے، تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے ختم کرنے والے اور سب سے آخر میں ہیں خواہ وہ صاحب شریعت نبی ہوں یا صرف پہلے نبی کے تابع، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی جتنی قسمیں اللہ کے نزدیک ہو سکتی ہیں وہ سب آپ پر ختم ہو گئیں، آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

"یعنی یہ آیت نص صریح ہے اس عقیدہ کے لئے کہ آپ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب نبی نہیں تو بدرجہ اولیٰ رسول بھی نہیں، کیونکہ لفظ نبی عام اور لفظ رسول خاص ہے، اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر احادیث متواترہ شاہد ہیں جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے"

قادیانیوں کی تحریفات اور ان کا ردّ

اس آیت کی لفظی تشریح میں کسی قدر تفصیل سے اس لئے کام لیا گیا کہ ہمارے ملک میں مرزا قادیانی مدعی نبوت نے اس آیت کو اپنے راستہ کی رکاوٹ سمجھ کر اس کی تفسیر میں طرح طرح کی تحریفات اور احتمالات پیدا کئے ہیں، مذکور الصدر تقریر سے الحمدللہ ان سب کا جواب ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعیِ نبوت کا کاذب و کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے، اس لئے ضرورت نہ تھی کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے، لیکن قادیانی فرقہ نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لئے بڑا زور لگایا ہے، سینکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں شائع کر کے کم علم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے احقر نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل ایک مستقل کتاب "ختم نبوت" لکھ دی ہے، جس میں ایک سو آیات اور دو سو سے زائد احادیث اور سینکڑوں اقوال و آثار، سلف و خلف سے اس مسئلہ کو پورا واضح کر دیا ہے، اور قادیانی دجل کے شبہ کا مفصل جواب دیا ہے، یہاں اس میں سے چند ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔

مرزائی قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان میں اُٹھایا جانا اور پھر آخر زمانے میں تشریف لانا جو قرآن و سنت کی بے شمار نصوص سے ثابت ہیں ان کا انکار کر کے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور استدلال میں یہ پیش کیا کہ اگر حضرت عیسیٰ بن مریم نبی بنی اسرائیل کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا جائے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہوگا۔

جواب بالکل واضح ہے کہ خاتم النبیین اور آخر النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص عہدۂ نبوت پر فائز نہ ہو گا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے پہلے جن کو نبوت عطا ہو چکی ہے اُن کی نبوت سلب ہو جائے گی، یا ان میں سے کوئی اس عالم میں پھر نہیں آ سکتا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی آپ کی اُمت میں اصلاح و تبلیغ کے لئے آئے گا وہ اپنے منصب نبوت پر قائم ہوتے ہوئے اس امت میں اصلاح کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کے تابع انجام دے گا، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا:

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے یہ مراد ہے کہ وصفِ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گیا، اب کسی کو یہ وصف اور منصب نہیں ملے گا، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس پر امت کا اجماع ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے اور احادیث رسول جو تقریباً درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اس پر شاہد ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں نازل ہوں گے، کیونکہ ان کو نبوت اس دنیا میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مل چکی تھی۔"

ایک بلیغ تمثیل

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں تمام کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اسناد صحیح کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً

"میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا ہو اور اس کو خوب مضبوط اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک گوشہ میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو تو لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اس میں چلیں پھریں اور تعمیر کو پسند کریں مگر سب یہ کہیں کہ اس مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل ہو جاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قصر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں، اور بعض الفاظ حدیث میں ہیں کہ میں نے اس خالی جگہ کو پُر کر کے قصرِ نبوت کو مکمل کر دیا۔"

اس تمثیل بلیغ کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے جس کے ارکان انبیاء علیہم السلام ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو پُر کر کے قصرِ نبوت کی تکمیل فرما دی، اب اس میں نہ کسی

Marfat.com

نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصرِ نبوت میں نہیں ہے۔

آنے والی امت کے ہدایت کا انتظام

صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کانت بنواسرائیل تسوسهم الانبیاء کلماهلک نبی خلفه نبی وانه لانبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون الحدیث،

"بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا، جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے خلیفہ ہوں گے جو بہت ہوں گے۔"

اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا، تو امت کی ہدایت کا انتظام کیسے ہوگا؟

اس کے متعلق فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی تعلیم وہدایت کا انتظام آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے مقاصد نبوت کو پورا کریں گے، اگر ظلی بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی یا غیر تشریعی نبوت باقی ہوتی، تو ضرور تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہو چکی مگر فلاں قسم کی نبوت باقی ہے جس سے اس عالم کا انتظام ہوگا۔

نبوت کی تمام قسمیں ختم ہو گئیں

اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد باقی نہیں، اور ہدایتِ خلق کا کام جو پچھلی امتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، وہ اس امت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع ہے۔

لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ

"یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے۔"

مسند احمد وغیرہ میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لایبقی بعدی من النبوة شیٔ الّا المبشرات قالوا یارسول اللّٰه وماالمبشرات قال الرؤیا الصّالحة یراها المسلم اوتری له (طبرانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے کذا فی الکنز)

"میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مبشرات کیا چیز ہے؟ فرمایا سچے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے"

اس حدیث نے کسی قدر وضاحت سے بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم تشریعی یا غیر تشریعی اور بقول مرزا قادیانی ظلی یا بروزی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں، صرف مبشرات یعنی سچے خواب لوگوں کو آئیں گے جن سے کچھ معلومات ہو جائیں گی۔

اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلارسول بعدی ولانبی رواه الترمذی و وقال هذا حدیث صحیح

"بیشک رسالت اور نبوت میرے بعد منقطع ہو چکی ہے، میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔"

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ غیر تشریعی نبوت بھی آپ کے بعد باقی نہیں، اور ظلی بروزی تو نبوت کی کوئی قسم ہی نہیں نہ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز معروف ہے۔

قادیانی کے من گھڑت عنوانات

اس جگہ مسئلہ ختم نبوت کی احادیث جمع کرنا مقصود نہیں، وہ تو دو سو سے زیادہ رسالہ ختم نبوت میں جمع کر دی گئی ہیں، صرف چند احادیث سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ مرزائی قادیانی نے جو بقاء نبوت کے لئے ظلی اور بروزی کا عنوان ایجاد کیا ہے، اول تو اسلام میں اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، اور بالفرض ہوتی بھی تو ان احادیث مذکورہ نے واضح طور پر یہ بتلا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کی کوئی قسم کسی طرح کی باقی نہیں ہے۔

اجماعِ امت

اسی لئے صحابہ کرام سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کے سب طبقات کا اجماع اس عقیدہ پر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی یا رسول نہیں ہو سکتا، جو دعویٰ کرے وہ کاذب، منکرِ قرآن اور کافر ہے، اور صحابہ کرام کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا

Marfat.com

جس کی رو سے مسیلمہ کذاب مدعیِ نبوت سے خلیفہ اوّل صدیق اکبر کے عہد میں جہاد کر کے اس کو اور اس کے ماننے والوں کو قتل کیا گیا۔

منکرِ ختم نبوت کافر ہے

ائمہ سلف اور علماء امت کے اقوال و تصریحات بھی اسی معاملہ میں رسالہ ختم نبوت کے تیسرے حصہ میں بڑی تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں، اس جگہ چند کلمات نقل کئے جاتے ہیں۔

اور قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب شفا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والے کو کافر اور کذاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والا اور آیتِ مذکورہ کا منکر کہہ کر یہ الفاظ لکھے ہیں:

واجمعت الامة علیٰ حمل هذا الكلام علیٰ ظاهره وانّ مفهومه المرادبه دون تاويل ولا تخصيص فلاشک فی کفر هؤلاء الطوائف کلها قطعاً اجماعاً وّسمعاً.

''امت نے اجماع کیا ہے کہ اس کلام کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور اس پر کہ اس آیت کا نفس مفہوم ہی مراد ہے بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے اس لئے ان تمام فرقوں کے کفر میں کوئی شک نہیں، (جو کسی مدعیِ نبوت کی پیروی کریں)

بلکہ ان کا کفر قطعی طور سے اجماع امت اور نقل یعنی کتاب وسنت سے ثابت ہے (معارف مفتی اعظم)

ختم نبوت کی احادیث کے راوی صحابہ رضی اللہ عنہم

برادرانِ اسلام کی تسلی اور تشفی کے لئے اجمالاً ان صحابہ کرام اور تابعین کے نام شمار کر دیئے جائیں جن سے ختم نبوت کی احادیث مروی اور منقول ہیں۔

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ
عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔
ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔
حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ۔
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔
ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔
جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔
ابوحازم رضی اللہ عنہ۔
جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔
ثوبان رضی اللہ عنہ۔
عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ۔
عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ۔
عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ۔
عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔
ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ۔
اُم کرز رضی اللہ عنہا۔
ابوامامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ۔
سفینہ رضی اللہ عنہ۔
ابن زمل الجہنی رضی اللہ عنہ۔
ضحاک بن نوفل رضی اللہ عنہ
ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ۔
معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔
سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ۔
حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ
اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔
زید بن ابی ادنی رضی اللہ عنہ
ابوقبیلہ رضی اللہ عنہ۔
عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
ابوالفضل رضی اللہ عنہ۔
نافع رضی اللہ عنہ۔
عوف بن مالک رضی اللہ عنہ۔
ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ۔
ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ۔
ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ۔
عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ۔
عمر بن قیس رضی اللہ عنہ۔
سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ۔
تمیم الداری رضی اللہ عنہ۔
نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ۔
عبیداللہ بن عمرو اللیثی رضی اللہ عنہ
نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ۔
محمد بن جزم الانصاری رضی اللہ عنہ
بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ۔
عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ۔
ابوقتادہ رضی اللہ عنہ۔
قتادہ رضی اللہ عنہ۔
عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ۔
الحسن رضی اللہ عنہ۔
انس رضی اللہ عنہ۔
عائشہ رضی اللہ عنہا۔
عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ
عفان بن مسلم رضی اللہ عنہ۔
ابومعاویہ رضی اللہ عنہ۔
سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ۔
عکرمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ
ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔
زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔
ام ہانی رضی اللہ عنہا۔
زبیر رضی اللہ عنہ۔

رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم اجمعین وعنامعهم برحمتک یاارحم الراحمین کذافی هدیة المهدیین ص ۱۰۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ سے خاتم الانبیاء ہیں

اور اہلِ سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آپ دونوں طرح اور دونوں معنی میں خاتم النبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور مرتبہ

Marfat.com

اور کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور جو حضور پُر نور کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے۔ اور صدیق اکبر کا مدعیان نبوت سے جہاد و قتال کرنا اور ان کو اپنی تیغ بے دریغ کا لقمہ بنانا مسلمات میں سے بلکہ حضور کی وفات کے بعد امت محمدیہ میں جو پہلا اجماع منعقد ہوا وہ مدعیان نبوت کے قتل پر ہوا اور کسی سے یہ سوال نہیں کیا گیا کہ تو تشریعی یا غیر تشریعی یا ظلی یا بروزی نبوت کا مدعی ہے۔

منصب نبوت و رسالت میں کوئی آپ کا مثل اور ثانی نہیں۔

عارف رومی مثنوی میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ کمالات نبوت کے خاتم ہیں اسی طرح آپ کمالات نبوت کے فاتح اور مبداء بھی ہیں۔

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود ازکف انافتحنا برکشود
حسنِ یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین تھے اس لئے آپ نے یہ فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں اور آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد ایران یا قادیان میں یا ہندوستان میں کسی جگہ کوئی نبی ظاہر ہو تو تم اس کی پیروی کرنا جیسا کہ انبیاء سابقین اپنے بعد آنے والے نبیوں کی خبر دیتے رہے آپ نے اس قسم کی کوئی خبر نہیں دی بلکہ بار بار یہ فرمایا کہ میرے بعد مطلقاً جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کذاب ہے۔

مسیلمۂ قادیان کا ہذیان

بہر حال ختم نبوت مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور مسیلمۂ قادیان یعنی مرزا غلام قادیانی ختم نبوت کا منکر اور بقاء نبوت کا مدعی ہے کبھی کہتا ہے کہ میں مستقل نبی اور رسول ہوں اور کمالات نبوت میں تمام انبیاء و مرسلین سے برتر اور بڑھ کر ہوں۔ چنانچہ نزول المسیح کے ص ۹۹ پر لکھا ہے۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بعرفان نہ کمترم ز کسے
آنچہ دادہ ست ہر نبی راجام دادآں جام مرا بتمام

اس قسم کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ مرزائے قادیان اپنے کو انبیاء کا ہمسر بھی نہیں بلکہ ان سے برتر اور بہتر سمجھتا ہے۔

بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت

مرزائے قادیان حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۵، ص ۲۶۶ پر بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ لکھتا ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو درحقیقت خاتم النبیین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب وَاٰخَرِیْنَ مِنْہُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ آیت بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود قرار دیا جائے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

اور تریاق القلوب حاشیہ ص ۳۷۷ میں خود مرزا لکھتا ہے۔ غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دو رویہ ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خُو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے تقریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔

اور کتاب قولی فیض ص ۶ میں بحوالہ اخبار الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء مرزا کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے۔ پہلے تمام انبیاء ظلی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خاص صفات میں اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔

ان عبارات میں مرزائے قادیان نے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر دنیا کو دھوکہ دیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا

اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا

اللہ کا علم کافی ہے

یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ رسالت یا ختم نبوت کو کس محل میں رکھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔

اس لئے وہ جانتا ہے کہ کس پر نبوت کا خاتمہ کیا جائے اور اس کی کیا حالت ہونی چاہئیے۔ حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے فرمایا میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوبصورت قصر ہو اس کی عمارت حسین ہو لیکن ایک اینٹ (لگانے) کی جگہ اس میں چھوڑ دی گئی ہو دیکھنے والے آ کر اس کے گرداگرد گھومتے ہوں اور اس کے حسنِ تعمیر پر تعجب کرتے ہوں لیکن (ساتھ ہی) یہ بھی کہیں کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پس اس ایک اینٹ کے مقام کو میں نے درست کر دیا اور مجھ پر پیغمبروں کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (متفق علیہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی

حضرت جبیر بن مطعم کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میرے (بہت) نام ہیں میں محمد ہوں احمد ہوں میں ماحی ہوں کہ اللہ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹائے گا میں حاشر ہوں لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا میں عاقب ہوں (سب سے پیچھے آنے والا) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مختلف نام (صفات) بیان کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا میں محمد ہوں احمد ہوں مقفی ہوں، حاشر ہوں، نبی التوبہ ہوں، نبی الرحمۃ ہوں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾
اے ایمان والو یاد کرو اللہ کو بہت سی یاد
وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا
اور پاکی بولتے رہو اُس کی صبح اور شام

عظیم الشان نعمت کا شکر

یعنی حق تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان پیغمبر اور پیغمبروں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس پر اُس کا شکر ادا کرو۔ اور منعم حقیقی کو کبھی نہ بھولو، اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، رات دن، صبح، شام ہمہ اوقات اس کو یاد رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

ہمہ وقتی عبادت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذکر کے علاوہ اللہ نے ہر فرض کی ایک حد مقرر کر دی ہے اور عذر کے وقت معذور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے مگر ذکر کی کوئی آخری حد مقرر نہیں کی اور سواء دیوانہ کے کسی کو معذور نہیں قرار دیا بلکہ تمام حالتوں میں ذکر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ اللہ کی یاد کرو کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔ اور فرمایا ہے ذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا اللہ کی بکثرت یاد کیا کرو رات میں، دن میں، خشکی میں، سمندر میں، صحت میں، بیماری میں، پوشیدہ اور ظاہر مجاہد نے کہا ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی اللہ کو نہ بھولے، میں کہتا ہوں یہ حالت فناء قلب اور دوامی حضور کے بعد ہوتی ہے۔

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور صبح شام (یعنی ہمیشہ) اس کی پاکی بیان کرتے رہو یعنی فجر کی نماز پڑھو۔

وَّاَصِيْلًا کلبی نے کہا یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھو۔ مجاہد نے کہا تسبیح سے مراد ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه و اللّٰه اکبر ولا حول ولاقوۃ الاباللّٰه العلی العظیم پڑھنا۔ لفظ تسبیح سے تمام ساتھی جملے مراد ہیں۔ (یعنی تسبیح تحمید تہلیل تکبیر وغیرہ) ان الفاظ کو باوضو بے وضو اور جنب سب پڑھیں۔

میں کہتا ہوں اول اللہ نے عمومی ذکر کا حکم دیا کہ کسی وقت خدا کی یاد نہ بھولے پھر مخصوص اوقات میں ذکر کا حکم دیا اول سے مراد ہے ذکر خفی قلبی دوامی اور دوسرے سے مراد ہے ذکر جلی اور مقررہ فرض وسنت عبادت۔

صبح شام کی خصوصیت

بعض اہلِ علم نے کہا تسبیح کے لئے صبح شام کے اوقات کی تخصیص اس لئے کی کہ ان اوقات میں رات اور دن کے ملائکہ جمع ہوتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ باری باری سے تمہارے اندر آتے ہیں اور فجر وعصر کی نماز دن میں سب جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ملائکہ جو رات کو تمہارے پاس رہے اوپر چڑھ جاتے ہیں تمہارا رب ان سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ خود بخوبی واقف ہے) تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں ہم نے ان کو نماز پڑھتے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (متفق علیہ)

نماز میں توجہ کی اہمیت

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک بندہ ادھر ادھر توجہ نہ کرے۔ لیکن بندہ جب ادھر ادھر توجہ کرنے لگتا

Marfat.com

ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے رُخ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والدارمی۔ (تفسیر مظہری)

ذکر کی کثرت

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہو۔ یہاں تک کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں (مسندِ احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو، یہاں تک کہ منافق تمہیں ریاکار کہنے لگیں (طبرانی) فرماتے ہیں جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ کا ذکر نہ کریں وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت وافسوس کا باعث بنے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُذْکُرُوا اللّٰہَ تَعَالٰی حَتّٰی یَقُوْلُوْ مَجْنُوْنٌ (ابن کثیر از مسند احمد)

"یعنی تم اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ دیکھنے والے تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء

امام احمدؒ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا سنی ہے جس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا، وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اُعَظِّمُ شُکْرَکَ
وَاَتَّبِعُ نَصِیْحَتَکَ وَاُکْثِرُ
ذِکْرَکَ وَاَحْفَظُ وَصِیَّتَکَ (ابن کثیر)

"یا اللہ مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیرا شکر بہت کروں اور تیری نصیحت کا تابع رہوں اور تیرا ذکر کثرت سے کیا کروں اور تیری وصیت کو محفوظ رکھوں۔"

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کی دعاء کی کہ ذکر اللہ کی کثرت کی توفیق عطا ہو۔

جامع عبادت

ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے اعمال وفرائض وواجبات تو بہت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی مختصر جامع بات بتلا دیں کہ میں اس کو مضبوطی سے اختیار کر لوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْباً بِذِکْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی.
(مسند احمد، ابن کثیر)

"یعنی تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہنی چاہیے۔"

قابلِ حسرت مجلس

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں جس میں اللہ کا ذکر نہ آئے تو قیامت کے روز یہ مجلس ان کے لئے حسرت ثابت ہو گی، (رواہ احمد، ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ
وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اُس کے فرشتے تاکہ نکالے تم کو
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا
اندھیروں سے اُجالے میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان

ذکر اللہ کی کثرت کا نتیجہ

یعنی اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اپنی رحمت تم پر نازل کرتا ہے جو فرشتوں کے توسط سے آتی ہے یہ ہی رحمت وبرکت ہے جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت وضلالت کی اندھیریوں سے علم وتقویٰ کے اُجالے میں لاتی ہے۔ اگر اللہ کی خاص مہربانی ایمان والوں پر نہ ہو تو دولت ایمان کہاں سے ملے اور کیونکر محفوظ رہے۔ اُسی کی مہربانی سے مؤمنین رُشد وہدایت اور ایمان واحسان کی راہوں میں ترقی کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں اُن کا حال ہوا۔ آخرت کا اعزاز واکرام آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے جو شرف خصوصیت کے ساتھ آپ کو عطا فرمایا ہم کو اس میں ضرور شریک فرما دیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ عبد بن حمید نے اس روایت کی نسبت مجاہد کی طرف بھی کی ہے۔

"صلوٰۃ" کا معنیٰ

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بکثرت اہلِ لغت کا بیان ہے کہ صلوٰۃ کا معنیٰ ہے دعا۔ صَلَّیْتُ عَلَیْهِ میں نے اس کے لئے دعا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اگر کسی کو کھانا کھلانے بلایا جائے تو دعوت قبول کرلے اور اگر روزہ دار ہو تو دعوت کرنے والوں کے لئے صلوٰۃ (دعا) کرے۔ اللہ نے

Marfat.com

فرمایا ہے صَلِّ عَلَيْهِمْ اے نبی آپ ان کے لئے دعا کریں اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔

نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر دعا پڑھی جاتی ہے یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پڑھا جاتا ہے جزء پر کُل کا اطلاق کر دیا گیا۔

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس نے بندوں پر رحمت کرنی اپنی ذات پر لازم کر لی ہے یہی معنی ہے كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ کا ایجاب (لازم کر لینا) اور طلب دونوں کا معنی ایک ہی ہے قطعی طلب ایجاب ہی ہوتی ہے لیکن ایجاب (کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب ہے اور کسی کا خدا پر کوئی لازمی حق ہے جس کو ادا کرنا اس پر لازم ہے بلکہ اس) کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے اپنی مہربانی سے ذمہ لے لیا ہے۔ اگر صلوٰۃ کو بمعنی دعا قرار دیا جائے تو عموم مشترک کا قول لازم نہیں آئے گا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کیا ہمارا رب صلوٰۃ کرتا ہے حضرت موسیٰ پر یہ سوال نہایت شاق گزرا۔ اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی۔ ان سے کہہ دو کہ میں صلوٰۃ کرتا ہوں مگر میری صلوٰۃ (بمعنی) رحمت ہے جو ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے

مؤمنوں پر مہربانی

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا تاکہ تم کو تاریکیوں سے (نکال کر) نور کی طرف لے آئے اور اللہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔ یعنی اپنی رحمت اور ملائکہ کی دعا سے کفر و معاصی سے نکال کر ایمان و طاعت کے نور کی طرف ہمیشہ تم کو لاتا رہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے تاکہ تم کو وقتاً فوقتاً ہمیشہ ظلماتِ (فراق و) بعد سے نکال کر نورِ قرب کی طرف لاتا رہے۔

اللہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے کیوں کہ اس نے مومنوں کے سارے امور کو درست کیا ان کے مرتبہ کو اونچا کیا اور ملائکہ مقربین کی دعا ان کے شامل حال کی۔ (تفسیر مظہری)

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ
دُعا اُن کی جس دن اُس سے ملیں گے سلام ہے
وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا
اور تیار رکھا ہے اُن کے واسطے ثواب عزت کا

مؤمنوں کیلئے سلام کے تحفے

یعنی اللہ اُن پر سلام بھیجے گا اور فرشتے سلام کرتے ہوئے اُن کے پاس آئیں گے۔ اور مؤمنین کے آپس میں بھی یہ ہی دعا ہو گی جیسا کہ دنیا میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جس روز وہ اللہ سے ملیں گے تو ان کا دعائیہ کلمہ السلام علیکم ہو گا اور اللہ نے ان کے لئے (جنت میں) عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ یعنی اللہ کی طرف سے جو تحیت ان کو کی جائے گی۔

يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ جس روز وہ اللہ سے ملیں گے یعنی مرنے کے وقت یا قبر سے نکلنے کے وقت یا جنت میں داخلہ کے وقت یا دیدارِ خداوندی ہونے کے وقت۔

سَلٰمٌ یعنی اللہ کی طرف سے بطور تحیت ان کو سلام کیا جائے گا اور اللہ ان کو تمام ناگوار باتوں سے امن و سلامتی میں رکھے گا۔ (تفسیر مظہری)

جب ملک الموت مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو پہلے اسے سلام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اس کو سلام پہنچاتا ہے۔

زجاج کہتے ہیں کہ یہ سلام درحقیقت سلامتی کی خوشخبری ہوتی ہے کہ اللہ تم کو تمام آفات سے سلامت رکھے گا اور جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے اس وقت فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی بشارت سنائیں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد فرشتے ان کی ملاقات کے لئے آئیں گے اور ان کو سلام کریں گے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (معارف کاندھلوی)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا
اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا

اُمّت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی

یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اُس کا رستہ بتاتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی اُمت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مبارک نے سعید بن مسیب کا قول بیان کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آپ کے سامنے نہ لایا جاتا ہو۔ آپ اپنی امت کو ان کے چہروں سے (یا خصوصی علامات سے) پہچانتے ہیں اسی لئے آپ ان پر شہادت دیں گے (یعنی

Marfat.com

گواہی دیں گے کہ یہ میری امت والے ہیں) یا شاہد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب امت اسلامیہ شہادت دے گی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے۔

انبیاء کیلئے گواہی

بخاری۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نوحؑ کو بلوا کر پوچھا جائے گا کیا تم نے (میرا پیام) پہنچا دیا تھا۔ نوح کہیں گے، جی ہاں۔ پھر ان کی امت کو طلب فرما کر دریافت کیا جائے گا کیا تم کو میرا پیام نوح نے پہنچا دیا تھا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ اس پر نوحؑ سے کہا جائے گا تمہارا شاہد کون ہے۔ کون تمہاری گواہی دے سکتا ہے۔ حضرت نوحؑ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ الحدیث۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

امت کیلئے گواہی کا مقصد اور گواہی کی بنیاد

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت کے ذریعہ اپنی امت کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے کہ بیشک میں نے اُن کو یہ اطلاع دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے سب افراد کے اچھے بُرے اعمال کی شہادت دیں گے، اور یہ شہادت اس بناء پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر روز صبح و شام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک روز پیش ہوتے ہیں، اور آپ اُمت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں، اس لئے قیامت کے روز آپ اُمت کے شاہد بنائے جائیں گے (رواہ ابن المبارک عن سعید بن المسیب، مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا
اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا

یعنی نافرمانوں کو ڈراتے اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سناتے ہیں۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا
اور بلانے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ

نورِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے جو فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مؤمنین کو اندھیرے سے نکال کر اُجالے میں لاتی ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ وہ اُجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔ شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اس معنی میں ہو جو سورۂ نوح میں فرمایا "وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا" اللہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا) یعنی آپ آفتاب نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی سب روشنیاں اسی نُورِ اعظم میں محو و مدغم ہو گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

دعوت حق کی دُشواریاں

باذنہٖ کی قید کا اضافہ کرنے سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ کی توحید و اطاعت کی دعوت دینا بڑا سخت کام ہے۔ اللہ کی مدد اور توفیق کے بغیر اس کی تکمیل ناممکن ہے خصوصاً اللہ کے دیدار کی دعوت تو اتنی دشوار ہے کہ بغیر خاص فضلِ خداوندی کے بندہ کی رسائی بارگاہِ الٰہی تک محال ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ اگر کسی کو ہدایت یاب کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو سیدھے راستہ پر چلانا چاہتا ہے اس کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

داعی اور قوم کی مثال

حضرت ربیعہ جرشی کا بیان ہے کہ (خواب میں) کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا تمہاری آنکھیں سوئیں (مگر) کان سنیں اور دل سمجھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چنانچہ میری آنکھ سو رہی تھی دونوں کان سُن رہے تھے اور دل سمجھ رہا تھا کہ کسی نے کہا۔ ایک سردار نے ایک مکان بنوایا اس میں دسترخوان لگوایا اور (دعوت عام دینے کے لئے) ایک بلانے والے کو بھیجا۔ پکارنے والے کی آواز پر جو آ گیا اس نے مکان کے اندر داخل ہو کر دسترخوان پر (کھانا) کھا لیا اور گھر والا سردار بھی اس سے خوش ہو گیا اور جس نے داعی کی دعوت قبول نہیں کی وہ نہ گھر میں آیا نہ دسترخوان سے کچھ کھا سکا اور سردار اس سے ناراض ہو گیا (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) سردار اللہ ہے گھر (جو سردار نے بنایا ہے) اسلام ہے۔ محمدؐ داعی ہیں اور دسترخوان جنت ہے۔ (رواہ الداری)

روشن چراغ

وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کو روشن چراغ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی میں چراغ جلایا جاتا ہے اور اس کی روشنی سے راستہ دِکھ جاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی (اسلام کی) روشنی اور ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

نورِ نبوت اور اس کے خوشہ چین

مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان سے تو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے اور دل کے اعتبار سے روشن چراغ کی طرح تھے کہ تمام مومن آپ ہی کے نور سے استفادہ کرتے اور آپ ہی کے رنگ میں رنگ جاتے تھے (ایسا ہی بنا کر اللہ نے آپ کو بھیجا تھا) جیسے یہ عالم سورج کی روشنی سے اور ایک گھر چراغ کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساری امت پر فضیلت حاصل تھی۔ علومِ نبوت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سے امت نے حاصل کئے اس میں تو صحابہ کے ساتھ ساری امت شریک ہے۔ کچھ صحابہ ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصل سننے والا بھول جاتا ہے اور جس کو حکم پہنچایا جاتا ہے وہ زیادہ یاد رکھتا ہے۔ امتیاز صحابہ یہ ہے کہ وہ براہِ راست انوار نبوت کے خوشہ چیں تھے۔ دوسروں کو جو روشنی ملی وہ صحابہ کے توسط سے پھر تابعین سے تبع تابعین کو اسی طرح قیامت تک نورِ نبوت امت کے دلوں کو روشن کرتا رہے گا لیکن اس خوشہ چینی میں سننے والا مشاہدہ کرنے والے کی طرح نہیں ہو سکتا جیسے صحن مکان میں سورج کی شعائیں براہِ راست پڑتی ہیں اور صحن روشن ہو جاتا ہے پھر کمروں کے اندر یہ روشنی صحن کی روشنی کے ذریعہ سے پہنچتی ہے، دونوں کی روشنی اور کیفیت انجلائی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف

عطا بن یسار کا بیان ہے میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ملاقات کی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف جو توریت میں (آپ نے پڑھے) ہوں بیان فرمائے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا ہاں بخدا توریت میں آپ کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کچھ قرآن میں بھی موجود ہیں۔ توریت میں کہا گیا ہے اے نبی ہم نے تجھ کو شاہد اور بشارت دہندہ اور عذاب کی وعید سنانے والا اور امیوں کی پناہ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔

وہ بدخو اور درشت مزاج نہ ہوگا۔ بازاروں میں چیختا نہ پھرے گا۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا۔ بلکہ عفو و درگزر سے کام لے گا جب تک کج روملت کی کجی دور نہ ہو جائے گی اللہ اس کی روح قبض نہیں کرے گا۔ اس کی وفات اس وقت ہوگی جب لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں گے اللہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں کو بہرے کانوں کو اور غلاف پوش دلوں کو کھول دے گا۔ رواہ البخاری۔ دارمی نے عطا بن سلام کی روایت سے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت شعیاء علیہ السلام کی تقریر

ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت وہب ابن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ میں تمہاری زبان سے اپنی باتیں کہلواؤں گا میں امیوں میں سے ایک نبی امی کو بھیجنے والا ہوں نہ بدخلق ہے نہ بدگو نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا، اس قدر سکینہ والا ہے کہ اگر چراغ کے پاس سے گزر جائے تو وہ نہ بجھے اور اگر بانسوں پر بھی چلے تو پیر کی چاپ نہ معلوم ہو۔ میں اُسے خوش خبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا جو حق گو ہوگا۔ میں اس کی وجہ سے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا اور بہرے کانوں کو شنوا کر دوں گا اور زنگ آلود دلوں کو صاف کر دوں گا۔ ہر بھلائی کی طرف اس کی رہبری کروں گا۔ ہر نیک خصلت اُس میں موجود رکھوں گا۔ دلجمعی اس کا لباس ہوگی۔ نیکی اس کا وطیرہ ہوگا۔ تقویٰ اس کی ضمیر ہوگی حکمت اس کی گویائی ہوگی، صدق و وفا اس کی عادت ہوگی عفو و درگزر اس کا خلق ہوگا۔ حق اس کی شریعت ہوگی، عدل اس کی سیرت ہوگی ہدایت اس کی امام ہوگی، اسلام اس کا دین ہوگا، احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نام ہوگا، گمراہوں کو میں اس کی وجہ سے ہدایت دوں گا۔ جاہلوں کو اس کی بدولت علماء بنا دوں گا، تنزل والوں کو ترقی پر پہنچا دوں گا، انجانوں کو مشہور و معروف کر دوں گا، قلت کو اس کی وجہ سے کثرت سے، فقیری کو امیری سے، فرقت کو اُلفت سے اختلاف کو اتفاق سے بدل دوں گا۔ مختلف اور متضاد دِلوں کو متفق اور متحد کر دوں گا، جداگانہ خواہشوں کو یکسو کر دوں گا، دنیا کو اس کی وجہ سے ہلاکت سے بچا لوں گا، تمام امتوں سے اُس کی امت کو اعلیٰ و افضل بنا دوں گا۔ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے دنیا میں پیدا کئے جائیں گے۔ ہر ایک کو نیکی کا حکم دیں گے اور بُرائی سے روکیں

Marfat.com

گے، وہ موحد ہوں گے، مومن ہوں گے اخلاص والے ہوں گے۔رسولوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے سب کو سچ ماننے والے ہوں گے۔ وہ اپنی مسجدوں مجلسوں اور بستروں پر چلتے پھرتے بیٹھتے اُٹھتے میری تسبیح حمد وثنا بزرگی اور بڑائی بیان کرتے رہیں گے، کھڑے اور بیٹھے نمازیں ادا کرتے رہیں گے۔دشمنانِ خدا سے صفیں باندھ کر حملے کر کر کے جہاد کریں گے۔ان میں سے ہزار ہا لوگ میری رضامندی کی جستجو میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں گے۔مُنہ ہاتھ وضو میں دھویا کریں گے۔تہبند آدھی پنڈلی تک کا باندھیں گے میری راہ میں قربانیاں دیں گے، میری کتاب ان کے سینوں میں ہوگی، راتوں کو عابد اور دِنوں کو مجاہد ہوں گے۔میں اُس نبی کی اہل بیت اور اولاد میں سبقت کرنے والے صدیق، شہید اور صالح لوگ پیدا کروں گا۔اُس کی اُمت اس کے بعد دنیا کو حق کی ہدایت کرے گی اور حق کے ساتھ عدل وانصاف کرے گی، ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت والا کروں گا اور ان کو مِلانے والوں کی میں مدد کروں گا۔اُن کے مخالفین اور اُن کے باغی اور اُن کے بدخواہوں پر میں بڑے دن لاؤں گا۔میں انہیں اُن کے نبی کا وارث کردوں گا جو اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیں گے، نیکیوں کی باتیں بتلائیں گے بُرائیوں سے روکیں گے، نماز ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، وعدے پورے کریں گے، اس خیر کو میں ان کے ہاتھوں پورا کروں گا جو ان سے شروع ہوا تھا۔یہ ہے میرا فضل ہے چاہوں دوں اور میں بہت بڑے فضل وکرم کا مالک ہوں۔

خوشخبریاں سناؤ، آسانی کرو

ابنِ ابی حاتم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے جو یہ آیت اُتری۔تو آپ نے اُن سے فرمایا جاؤ خوشخبریاں سُنانا نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا سختی نہ کرنا، دیکھو مجھ پر یہ آیت اُتری ہے الخ طبرانی میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا، مجھ پر یہ اترا ہے کہ اے نبی! ہم نے تجھے تیری اُمت پر گواہ بنا کر جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے اس کی توحید کی شہادت کی طرف لوگوں کو بُلانے والا بنا کر اور روشن چراغ قرآن کے ساتھ بنا کر بھیجا ہے پس آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں، گواہ ہیں، اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔جیسے ارشاد ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی ہم تجھے ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔اور آیت میں ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور تم پر یہ رسول گواہ ہیں۔آپ مومنوں کو بہترین اجر کی بشارت سنانے والے اور کافروں کو بدترین عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اس کی بجا آوری کے ماتحت آپ مخلوق کو خالق کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں۔آپ کی سچائی اس طرح ظاہر ہے جیسے سورج کی روشنی۔ہاں کوئی ضدی اڑ جائے تو اور بات ہے۔اے نبی کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو نہ ان کی طرف کان لگاؤ اور ان سے درگزر کرو یہ جو ایذائیں پہنچاتے ہیں انہیں خیال میں بھی نہ لاؤ اور خدا پر پورا بھروسہ کرو۔وہ کافی ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور دِل مبارک

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے، اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے، کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مؤمنین کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں اسی لئے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی وہ ساری امت سے افضل واعلےٰ قرار پائے، کیونکہ ان کے قلوب نے قلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ عیاناً فیض اور نور حاصل کیا، باقی امت کو یہ نور صحابہ کرام کے واسطے سے واسطہ در واسطہ ہو کر پہنچا (انتہیٰ کلامہٗ) اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تمام انبیاء، خصوصاً رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے گزرنے کے..... بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان کی یہ حیاتِ برزخی عام لوگوں کی حیاتِ برزخی سے بدرجہا زیادہ فائق وممتاز ہوتی ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

بہرحال اس حیات کی وجہ سے قیامت تک مؤمنین کے قلوب آپ کے قلب مبارک سے استفاضۂ نور کرتے رہیں گے، اور جو جتنی محبت و تعظیم اور درود شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور چراغ کی روشنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو چراغ سے تشبیہ دی گئی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور باطن آفتاب کے نور سے کہیں زیادہ ہے، آفتاب سے صرف دنیا کا ظاہر روشن ہوتا ہے لیکن آپ کے قلب

Marfat.com

مبارک سے سارے جہان کا باطن اور مومنین کے قلوب روشن ہوتے ہیں، وجہ اس تشبیہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ چراغ کی روشنی سے استفادہ اختیاری ہے، ہر وقت کر سکتے ہیں، اس تک رسائی بھی آسان ہے، اس کا حاصل کرنا بھی آسان ہے بخلاف آفتاب کے کہ وہاں تک رسائی بھی متعذر ہے اور اس سے استفادہ ہر وقت نہیں کیا جا سکتا۔

تورات کی عبارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات جیسے قرآن میں آتی ہیں قرآن سے پہلے تورات میں بھی مذکور ہیں جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ملا، تو ان سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات تورات میں آتی ہیں وہ مجھے بتلایئے، انہوں نے فرمایا بیشک میں بتلاتا ہوں، خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات جو قرآن میں مذکور ہیں وہ تورات میں بھی موجود ہیں، اور فرمایا:

اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّحِرْزًا لِّلْاُمِّیِّیْنَ
اَنْتَ عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ سَمَّیْتُکَ الْمُتَوَکِّلَ لَیْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِیْظٍ
وَّلَا سَخَّابٍ فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا یَدْفَعُ السَّیِّئَةَ بِالسَّیِّئَةِ
وَلٰکِنْ یَعْفُوْ وَیَغْفِرُ لَنْ یَّقْبِضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی حَتّٰی یُقِیْمَ بِهِ الْمِلَّةَ
الْعَوْجَآءَ بِاَنْ یَّقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَیَفْتَحُ بِهٖ اَعْیُنًا عُمْیًا وَّ
اٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور پناہ و حفاظت امیین یعنی عرب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل (یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے نہ آپ تند خو ہیں نہ سخت مزاج اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے، اور آپ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے ہیں، اور آپ کو اللہ تعالیٰ دنیا سے اُس وقت تک نہیں واپس لائیں گے جب تک کہ آپ کے ذریعہ ٹیڑھی اُمت کو سیدھا نہ کر دیں کہ وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا کَبِیْرًا
اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو کہ اُن کے لئے ہے خدا کی طرف سے بڑی بزرگی

یعنی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو حضرت کے طفیل سب اُمتوں پر بزرگی اور برتری دی۔

وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ
اور کہا مت مان منکروں کا اور دغا بازوں کا

کافروں منافقوں کی پرواہ نہ کریں

یعنی جب اللہ نے آپ کو ایسے کمالات اور ایسی برگزیدہ جماعت عنایت فرمائی تو آپ حسب معمول فریضہ دعوت و اصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہیے اور اللہ جو حکم دے اُس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافر و منافق کی یاوہ گوئی کی پروا نہ کیجئے۔

وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ
اور چھوڑ دے اُن کا ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر
وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا
اور اللہ بس ہے کام بنانے والا

کافروں کی ایذاء کو اہمیت نہ دیں

یعنی اگر یہ بدبخت زبان اور عمل سے آپ کو ستائیں تو ان کا خیال چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ وہ اپنی قدرت و رحمت سے سب کام بنا دے گا۔ منکروں کو راہ پر لے آنا یا سزا دینا سب اُسی کے ہاتھ میں ہے، آپ کو اس فکر اور اُلجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ آپ طعن و تشنیع وغیرہ سے گھبرا کر اپنا کام چھوڑ بیٹھیں۔ اگر بفرض محال آپ ایسا کریں تو گویا اُن کا مطلب پورا کر دیں گے اور اُن کا کہا مان لیں گے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا اور اللہ کی کارسازی کافی ہے۔ یعنی جب تم اللہ کو اپنے تمام امور سپرد کر دو گے تو وہ تمہارے سارے امور کے لئے کافی ہوگا۔ تم کو دوسروں کا محتاج نہ چھوڑے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور ذمہ داریاں

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کے پانچ اوصاف بیان فرمائے۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ سراج، منیر، پھر ہر صفت کے مناسب ترتیب وار حکم دیا صرف شاہد کے مقابل کوئی حکم نہیں دیا کیوں کہ مابعد کا کلام تمام احکام نگہداشت کی تفصیل کر رہا ہے (گویا شاہد کا

Marfat.com

لفظ چاہتا تھا کہ نگہداشت کی جائے لیکن نگہداشت کس بات کی کی جائے اس کی تفصیل بعد والے کلام میں کر دی گئی) مبشر کے مقابل (یعنی مناسب) مومنوں کو بشارت دینے کا حکم دیا گیا اور نذیر کے مقابل کافروں کی طرف سے پہنچنے والی اذیت کی پرواہ نہ کرنے کا حکم دیا گیا اور ان کا لحاظ کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور داعی الی اللہ کے مقابل اللہ پر بھروسہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور سراج منیر کے مناسب فرمایا کہ اللہ کی کارسازی کافی ہے اسی کی کارسازی پر اکتفاء کیا جائے۔ کیوں کہ وہ ذات جس نے تمام مخلوق سے زیادہ روشن دلائل آپ کو عنایت کئے ہیں اسی ذات پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ
اے ایمان والو جب تم نکاح سے لاؤ مسلمان عورتوں کو
ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ
پھر اُن کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ اُن کو ہاتھ لگاؤ سو اُن پر
عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ
تم کو حق عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ سو اُن کو دو کچھ فائدہ
وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا
اور رخصت کرو بھلی طرح سے

ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کا مسئلہ

یعنی جو مرد اپنی عورت کو بغیر صحبت کئے طلاق دے اگر اُس کا مہر بندھا تھا تو نصف مہر دینا ہوگا ورنہ کچھ فائدہ پہنچا کر (یعنی عرف اور حیثیت کے موافق ایک جوڑا پوشاک دے کر) خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دے۔ اور عورت اُسی وقت چاہے تو نکاح کر لے۔ اس صورت میں عدت نہیں۔ (حنفیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ بھی صحبت کے حکم میں ہے تفصیل فقہ میں دیکھ لی جائے یہ مسئلہ یہاں بیان فرمایا۔ حضرت کی ازواج کے ذکر میں جس کا سلسلہ دور سے چلا آتا تھا۔ درمیان میں چند آیات ضمنی مناسبت سے آ گئی تھیں۔ یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ جب اُس کے نزدیک گئے کہنے لگی اللہ تجھ سے پناہ دے، حضرت نے اُس کو جواب دیا کہ تو نے بڑے کی پناہ پکڑی۔ اُس پر یہ حکم فرمایا اور خطاب فرمایا، ایمان والوں کو تا معلوم ہو کہ پیغمبر کا خاص حکم نہیں، سب مسلمانوں پر یہ ہی حکم ہے۔ اسی کے موافق حضرت نے اُس کو جوڑا دے کر رخصت کر دیا۔ پھر وہ ساری عمر اپنی محرومی پر پچھتاتی رہی۔ (تفسیر عثمانی)

یہ حکم مسلمان عورتوں کا بھی ہے اور کتابی عورتیں جن سے مسلمانوں نے نکاح کر لیا ہو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ صرف مومنات کا ذکر کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مسلمان عورتوں سے ہی نکاح کرنا مسلمانوں کے لئے مناسب ہے۔

نکاح سے پہلے طلاق معتبر نہیں ہے

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ پھر (یعنی نکاح کے بعد) تم نے ان کو طلاق دے دی ہو۔

بغوی نے کہا اس فقرہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق قابلِ اعتبار نہیں ہے کیونکہ نکاح پر طلاق کو متفرع کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی غیر عورت سے اس طرح کہا کہ جب میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے پھر اس سے نکاح کر لیا تو (نکاح سے) پہلے دی ہوئی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر اس طرح کہا جس عورت سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے پھر کسی عورت سے نکاح کر لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ، حضرت جابر اور حضرت عائشہ کا یہی قول ہے۔ سعید بن مسیّب سعید بن جبیر، عروہ قاسم، طاؤس، حسن، عکرمہ، عطا، سلیمان بن یسار، مجاہد، شعبی، قتادہ اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

اگر آزادی کو مِلک کے ساتھ معلق کر دیا ہو (مثلاً یوں کہا ہو جب میں کسی باندی غلام کا مالک ہوں تو وہ آزاد ہے، یا کسی معین باندی غلام سے کہا ہو جب میں تیرا مالک ہوں تو تو آزاد ہے) تو اس کا بھی یہی حکم ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا (مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں) طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابراہیم نخعی اور اصحاب الرائے یعنی امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا یہی قول ہے۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی میں کہتا ہوں حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث بیان کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ شیخین پر مجھے تعجب ہے کہ کیوں انہوں نے یہ حدیث صحیحین میں ذکر نہیں کی باوجود یہ

Marfat.com

کہ ان کی شرائط کے مطابق (اس کے راوی ثقہ عادل حافظ وضابطہ ہیں)
امام احمد نے کہا اگر طلاق کو معلق بالنکاح کیا ہے تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر باندی غلام کی آزادی کو معلق بالمِلک کیا ہے تو مالک ہونے کے بعد غلام باندی کے آزاد ہونے یا نہ ہونے کے متعلق امام احمد کے دو قول مروی ہیں۔ امام مالک نے کہا کسی خاص شہر کا یا قبیلہ یا کسی خاص صنف کا یا کسی خاص عورت کا نام لیا ہے اور اس کی طلاق کو معلق بالنکاح کیا ہے تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر بالکل تعمیم کی ہے نہ عورت کو نامزد کیا ہے نہ کسی شہر قبیلہ یا صنف کو (اور یوں کہا کہ میں کسی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے) تو طلاق نہیں ہوگی۔

ابن جوزی نے امام احمد کے قول کو ثابت کرنے کے لئے چھ احادیث پیش کی ہیں (۱) عمرو بن شعیب نے بوساطت شعیب اپنے دادا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا کہ غیر مملوک (یعنی غیر منکوحہ) کو طلاق (نافذ) نہیں نہ غیر مملوک کو آزاد کرنا (جائز) ہیں نہ غیر مملوک کو فروخت کرنا (درست) ہے۔ ابن جوزی نے یہ حدیث امام احمد کے طریق سے نقل کی ہے اصحاب السنن نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ ترمذی نے کہا اس باب میں جو روایات آئی ہیں سب سے بہتر یہ روایت ہے۔ بزار کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور نہ ملکیت سے پہلے آزادی ہے بیہقی نے خلافیات میں لکھا ہے کہ بخاری نے اس موضوع کی روایات میں مذکورہ روایت کو سب سے زیادہ صحیح کہا ہے۔

عمرو بن شعیب نے بوساطت طاؤس حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر مملوک کو نہ طلاق جائز ہے نہ آزاد کرنا نہ فروخت کرنا نہ اس نذر کو پورا کرنا جائز ہے جو غیر مملوک چیز کی ہو۔

ابن عدی نے بروایت نافع بیان کیا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طلاق (جائز) نہیں مگر نکاح کے بعد، ابن حجر نے کہا اس سند کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب کو نجران (علاقہ) یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور من جملہ دیگر ہدایات کے یہ ہدایت بھی کی کہ جو نکاح میں نہ ہو اس کو آدمی طلاق نہ دے اور نہ اس کو آزاد کرے جس کا مالک نہ ہو۔

اس سلسلہ کی ایک حدیث حضرت مسعود بن مخرمہ کی بیان کردہ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور نہ مالک ہونے سے پہلے آزاد کرنا ہے۔

عدّت مردوں کا حق ہے

لَکُمْ کا لفظ بتا رہا ہے کہ عورتوں (بیوہ ہوں یا مطلقہ) پر عدت کرنے کا حق مردوں کا ہے اپنے پانی کی حفاظت اور نسب میں شک نہ ہونا عدت کا فائدہ ہے اور نسب مردوں سے ہوتا ہے۔

حربی عورت

حربی عورت اگر مسلمان ہو کر ہمارے ملک میں آ جائے گی تو اس کے لئے کوئی مدت نہیں اگر وہ فوراً نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے کیوں کہ حربی کافر کا از روئے شرع کوئی حق نہیں وہ بے جان جمادات کی طرح ہے کہ مسلمان (دوسرے سامان کی طرح) اس کا مالک ہو سکتا ہے ہاں اگر وہ حاملہ ہوگی تو عدت پوری کرنی ہوگی کیوں کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ وہ ثابت النسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

خلوت سے قبل طلاق کے دو حکم

پہلا حکم یہ کہ کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آ جائے۔ تو مطلقہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں، وہ فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے، آیت مذکورہ میں ہاتھ لگانے سے مراد صحبت اور صحبت کا حقیقی یا حکمی ہونا اور دونوں کا ایک حکم ہونا خلاصہ تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے، اور صحبت حکمی خلوتِ صحیحہ ہو جانا ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو شرافت اور حُسنِ خُلق کے ساتھ کچھ سامان دے کر رخصت کیا جائے کچھ سامان دے کر رخصت دینا ہر مطلقہ کے لئے مستحب و مسنون ہے۔

طلاق کے وقت مُتعہ یعنی لباس کی تفصیل

بدائع میں ہے کہ مُتعہ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے کے وقت ضرور ہی استعمال کرتی ہے۔ اس میں پاجامہ، کرتہ، اوڑھنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن کو چھپا سکے شامل ہے، اور چونکہ لباس قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط ہر طرح کا ہو سکتا ہے، اس لئے فقہاء نے اس کی یہ تفصیل فرمائی کہ اگر شوہر بیوی دونوں مالدار گھرانوں کے ہیں تو کپڑے اعلیٰ قسم کے دیئے جائیں، اور دونوں غریب

Marfat.com

ہیں تو کپڑے ادنیٰ درجہ کے دیئے جائیں، اور ایک غریب اور دوسرا مالدار ہے تو اوسط درجہ کا لباس دیا جائے، (کذا قال الخصاف فی النفقات)

عین طلاق کے موقع پر جو مسلمان کو ہدایات دی ہیں وہ ہی ایسی ہیں کہ ان میں حُسنِ خلق اور حُسنِ معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے (معارف مفتی اعظم)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ
اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر کو
اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ
دے چکا ہے اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگا دے تیرے اللہ

یعنی لونڈیاں، باندیاں جو غنیمت وغیرہ سے ہاتھ لگی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج کا مہر نقد ادا کیا

جتنی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا مہر نقد ادا کر دیا اُدھار نہیں رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جس چیز کا دینا آپ کے ذمہ عائد ہو اس کو فوراً دے کر سبکدوش ہو جاتے تھے، بلاشبہ ضرورت تاخیر نہ فرماتے تھے، اس واقعہ کے اظہار میں عام مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب ہے۔

غیر مسلم بادشاہ کے ہدیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت

دارالحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المؤمنین کے نام پر آئے تو حکمِ شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المؤمنین نہیں ہوتا بلکہ وہ بیت المال شرعی کی ملک قرار دیا جاتا ہے، بخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لئے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا، جیسا ماریہ قبطیہؓ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے ان کو بطور ہدیہ وتحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا، تو یہ آپ ہی کی مِلک قرار پائیں، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

باندیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت

باندیوں کے بارہ میں آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ کو اختیار تھا کہ جو چیز آپ کو پسند آئے وہ لے لیں چنانچہ غزوہ خیبر میں آپ نے حضرت صفیہ کو اسی طرح لیا تھا اور یہ حق آپ کے سوا دوسرے کو نہیں نیز اس بارہ میں ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ اہل حرب کی جانب سے جو ہدایا آپ کے پاس آتے تھے وہ سب آپ کی مِلک ہوتے تھے اور آپ کے بعد اگر کسی خلیفہ یا بادشاہ کو اہلِ حرب کوئی ہدیہ دیں تو وہ عام مسلمانوں اور بیت المال کا حق ہے اور ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ جو باندی وفات تک آپ کے پاس رہی ہو جیسے ماریہ قبطیہ۔ وہ دوسروں کے لئے حرام تھی ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ خصوصیتیں ہوں جو اسی زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہوں اور انہی کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ (معارف کاندھلوی)

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ
اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں
وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۘ وَامْرَاَةً
اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور جو عورت
مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ
ہو مسلمان اگر بخشدے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے
اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
کہ اُس کو نکاح میں لائے یہ خاص ہے تیرے لئے، سوائے سب مسلمان کے
قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ
ہم کو معلوم ہے جو مقرر کر دیا ہے ہم نے اُن پر اُن کی عورتوں کے حق میں
وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ
اور اُن کے ہاتھ کے مال میں تا نہ رہے تجھ پر تنگی
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

ازواج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

تیری عورتیں جن کو مہر دے چکا یعنی جواب تیرے نکاح میں ہیں خواہ قریش سے ہوں اور مہاجر ہوں یا نہ ہوں سب حلال رہیں، ان میں سے کسی کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اور چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ کی بیٹیاں یعنی قریش میں کی جو باپ یا ماں کی طرف سے قرابت دار ہوں بشرط ہجرت کے حلال ہیں اُن سے نکاح کر سکتے ہو۔ اور جو عورت بخشے نبی کو اپنی جان یعنی بلا مہر کے نکاح میں آنا چاہے وہ بھی حلال ہے

Marfat.com

اگر آپ اس طرح نکاح میں لانا پسند کریں۔ یہ اجازت خاص پیغمبر کے لئے ہے گو آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا (کما فی الفتح) شاید اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ کی شرط سے اباحت مرجوحہ سمجھی ہو۔ بہرحال دوسرے مسلمانوں کے لئے وہ ہی حکم ہے جو معلوم ہو چکا اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ (نساء۔ رکوع ۴) یعنی بلا مہر نکاح نہیں، خواہ عقد کے وقت ذکر آیا خواہ پیچھے ٹھہرالیا یا نہ ٹھہرایا تو مہر مثل (جو اُس کی قوم کا مہر ہو واجب ہوگا پیغمبر پر سے اللہ تعالیٰ نے یہ مہر کی قید اُٹھادی تھی۔ برخلاف مؤمنین کے کہ اُن کو نہ چار سے زائد کی اجازت نہ بدوں مہر کے نکاح درست۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باعفت حیاتِ مبارکہ اور تعددِ ازواج کی حکمت

(تنبیہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر تک جو شباب کی اُمنگوں کے اصلی دن ہوتے ہیں محض تجرد میں گزارے۔ پھر اقرباء کے اصرار اور دوسری جانب کی درخواست پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے (جن کی عمر ڈھل چکی تھی اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں) آپ نے عقد کیا۔ ترپین سال کی عمر تک پورے سکون وطمانیت سے اسی پاکباز بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہ ہی زمانہ تھا کہ آپ ساری دنیا سے الگ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کی نیک بندی آپ کے لئے توشہ تیار کرتی اور عبادت الٰہی اور سکون قلبی کے حصول میں آپ کی اعانت وامداد کیا کرتی تھی۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے لئے عموماً نفسانی جذبات کی انتہائی ہنگامہ خیزیوں کے اُٹھ اُٹھ کر ختم ہو جانے کا زمانہ ہوتا ہے، کوئی معاند سے معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف ایک نقطہ، ایک شوشہ آپ کی پیغمبرانہ عصمت اور خارق عادت عفاف وپاکبازی کے خلاف نقل نہیں کرسکتا اور واضح رہے کہ یہ اُس اکمل البشر کی سیرت کا ذکر ہے جس نے خود اپنی نسبت فرمایا کہ مجھ کو جو جسمانی قوت عطا ہوئی ہے وہ اہل جنت میں سے چالیس مردوں کی برابر ہے جن میں سے ایک مرد کی قوت سو کی برابر ہوگی گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کی برابر قوت حضور کو عطا فرمائی گئی تھی۔ اور بیشک دنیا کے اکمل ترین بشر کی تمام روحانی وجسمانی قوتیں ایسے ہی اعلیٰ اور اکمل پیمانہ پر ہونی چاہئیں۔ اس حساب سے اگر فرض کیجئے چار ہزار بیویاں آپ کے نکاح میں ہوئیں تو آپ کی قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار کیا جاسکتا تھا جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کرلے۔ لیکن اللہ اکبر! اس شدید ریاضت اور ضبطِ نفس کا کیا ٹھکانہ ہے کہ ترپین سال کی عمر اس تجرد یا زہد کی حالت میں گزار دی۔ پھر حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد اپنے سب سے بڑے جان نثار و وفادار رفیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ سے عقد کیا۔ ان کے سوا آٹھ بیوائیں آپ کے نکاح میں آئیں۔ وفات کے بعد نو موجود تھیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت اُمِ سلمہ، حضرت زینب، حضرت اُمِ حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن وارضاہن (ان میں پچھلی تین قریشی نہیں) دنیا کا سب سے بڑا بیمثال انسان جو اپنی فطری قویٰ کے لحاظ سے کم از کم چار ہزار بیویوں کا مستحق ہو، کیا نو کا عدد دیکھ کر کوئی انصاف پسند اُس پر کثرت ازدواج کا الزام لگا سکتا ہے۔ پھر جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ آپ کی عمر ترپین سال سے متجاوز ہو چکی تھی، باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے، جو آتا اللہ کے راستہ میں دے ڈالتے، اختیاری فقر وفاقہ سے پیٹ کو پتھر باندھتے، مہینوں ازواج مطہرات کے مکانوں سے دُھواں نہ نکلتا، پانی اور کھجور پر گزارہ چلتا۔ روزہ پر روزہ رکھتے، کئی کئی دن افطار نہ کرتے، راتوں کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے سے پاؤں پر ورم ہو جاتا، لوگ دیکھ کر رحم کھانے لگتے، عیش وطرب کا سامان تو کجا، تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو۔ ہمارے ساتھ رہے جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہو جائے۔ ان حالات کے باوجود دوسری طرف دیکھا جاتا ہے کہ سب ازواج کے حقوق ایسے اکمل واحسن طریقہ سے ادا فرماتے جس کا تحمل بڑے سے بڑا طاقتور مرد نہیں کرسکتا۔ اور میدان جنگ میں لشکروں کے مقابلہ پر جب بڑے بڑے جوان مرد بہادر دل چھوڑ بیٹھتے تھے آپ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے اور زبان سے فرماتے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہ! اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہ اور اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ بیویوں کا تعلق فرائض عبودیت ورسالت کی بجا آوری میں ذرہ برابر فرق نہ ڈالتا۔ نہ کسی سخت سے سخت کٹھن کام میں ایک منٹ کے لئے ضعف وتعب لاحق ہوتا۔ کیا یہ خارق عادت احوال اہل بصیرت کے نزدیک معجزہ سے کچھ کم ہیں؟ حقیقت میں جس طرح آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی ایک معجز

Marfat.com

تھی، بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی پاک زندگی کے ہر ایک دَور میں پاکباز متقیوں کے لئے کچھ نمونے رکھ دیئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں اُن کی عملی رہبری کر سکیں۔ ازواج مُطہرات کی جس نام نہاد کثرت پر مخالفین کو اعتراض ہے وہ ہی اُمت مرحومہ کے لئے اس کا ذریعہ بنی کہ پیغمبر کا اتباع کرنے والے مرد اور عورتیں اُن حکموں اور نمونوں سے بے تکلف واقف ہوں جو بالخصوص باطنی احوال اور خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا کثرت ازواج میں ایک بڑی مصلحت یہ ہوئی کہ خانگی معاشرت اور نسوانی مسائل کے متعلق نبی کے احکام اور اسوۂ حسنہ کی اشاعت کافی حد تک بے تکلف ہو سکے۔ نیز مختلف قبائل وطبقات کی عورتوں کے آپ کی خدمت میں رہنے سے اُن قبائل اور جماعتوں کو آپ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح اُن کی وحشت ونفرت بھی کم ہوئی۔ اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ کی پاکدامنی، خوبی اخلاق، حُسن معاملہ اور بے لوث کیرکٹر کو سُن کو اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک واوہام کا ازالہ ہوا، اور اس طرح خدا کے عاشقوں، آپ کے فداکاروں اور دنیا کے ہادیوں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ پرہیزگار و پاکباز کوئی جماعت (بجز انبیاء کے) آسمان کے نیچے کبھی نہیں پائی گئی اور جو کسی بُرے کیرکٹر رکھنے والے کی تربیت میں محال تھا کہ تیار ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

بغیر ولی اور بغیر مہر کے نکاح

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ اپنے تئیں بغیر ولی اور بغیر مہر کے کسی کے نکاح میں دے دے ہاں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ تھا اور مومنوں پر جو ہم نے مقرر کر دیا ہے اُسے ہم خوب جانتے ہیں یعنی دو چار سے زیادہ بیویاں ایک ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ ہاں ان کے علاوہ لونڈیاں رکھ سکتے ہیں اور ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اسی طرح ولی کی مہر کی گواہوں کی بھی شرط ہے۔ پس اُمت کے لئے تو یہ حکم ہے اوروں پر اس کی پابندیاں نہیں تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور ورحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چھ تو قریشیہ تھیں، خدیجہؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، اُم حبیبہؓ، سودہؓ، اور اُم سلمہؓ اور تین بنو عامر بن صعصعہ کے قبیلے میں سے تھیں اور دو عورتیں قبیلہ بنو ہلال بن عامر میں سے تھیں۔ حضرت میمونہ بنتِ حارثؓ، یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی کنیت اُم المساکین تھی اور ایک عورت بنو ابی بکر بن کلاب سے یہ وہی ہے جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا اور بنو جون میں سے ایک عورت جس نے پناہ طلب کی تھی۔ اور ایک عورت اسدیہ جن کا نام زینب بنت جحش ہے رضی اللہ عنہا۔ دو کنیزیں تھیں صفیہ بنت حي بن اخطبؓ اور جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مصطلق خزاعیہؓ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت حضرت میمونہ بنت حارث تھیں۔ لیکن اس میں انقطاع ہے اور یہ روایت مُرسل ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ حضرت زینبؓ جن کی کنیت اُمّ المساکین تھی، یہ زینب بنت خزیمہ تھیں۔ قبیلۂ انصار میں سے تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی انتقال کر گئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا، واللہ اعلم مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے اپنے نفس کا اختیار آپ کو دیا تھا وہ بہت سی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی قدردانی کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم فرما دیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی ایسی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھی جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہو۔ حضرت یونس بن بکیرؒ فرماتے ہیں گو آپ کے لئے یہ مباح تھا کہ جو عورت اپنے تئیں آپ کو سونپ دے آپ اُسے اپنے گھر میں رکھ لیں، لیکن آپ نے ایسا کیا نہیں کیونکہ یہ امر آپ کی مرضی پر رکھا گیا تھا۔ یہ بات کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مہر ادا کر دے تو بے شک جائز ہے۔ چنانچہ حضرت بروع بنت واثق رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنہوں نے اپنا نفس سونپ دیا تھا، جب اس کے شوہر انتقال کر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان کے خاندان کی اور عورتوں کے مثل انہیں مہر دیا جائے جس طرح موت مہر کو مقرر کر دیتی ہے اسی طرح صرف دخول سے بھی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ تھے، ایسی عورتوں کو کچھ دینا آپ پر واجب نہ تھا۔ گو اسے شرف بھی حاصل ہو چکا ہو اس لئے کہ آپ کے بغیر مہر کے اور بغیر ولی کے اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینے کا اختیار تھا جیسے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصے میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

Marfat.com

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ
پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے اُن میں اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے
وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ
اور جس کو جی چاہے تیرا اُن میں سے جن کو کنارے کر دیا تھا، تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر

ازواج میں باری کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے پاس رکھیں یہ آیت سن کر حضرت عائشہ نے کہا میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش جلد پوری کر دیتا ہے دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو اپنی ذات کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہبہ کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کیا عورت اپنے آپ کو ہبہ کر سکتی ہے لیکن جب آیت ترجی من تشاء الخ نازل ہوئی تو میں نے کہا مجھے دکھائی دے رہا کہ آپ کا رب آپ کی خواہش جلد پوری کر دیتا ہے۔

تُرْجِیْ کا معنی ہے آپ جس کو چاہیں پیچھے کر دیں۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کی تفسیر کا اختلاف ہے سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ اس آیت کا نزول باری تقسیم کرنے کے سلسلہ میں ہوا۔ پہلے عورتوں میں برابری کرنا رسول اللہ پر واجب تھا اس آیت کے نزول کے بعد برابری رکھنے کا حکم ساقط کر دیا گیا اور عورتوں کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اختیار دے دیا گیا۔

ابو زید اور ابنِ زید نے کہا اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب بعض امہات المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں رشک کیا اور بعض نے زیادہ مصارف طلب کئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک سب سے ترکِ تعلق کر لیا تھا یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی اور اللہ نے حکم دے دیا کہ عورتوں کو اختیار دے دو وہ دنیا کو پسند کر لیں یا آخرت کو جو دنیا کو پسند کریں ان کے راستہ میں رکاوٹ نہ پیدا کرو (ان کو آزاد کر دو) اور جو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کریں ان کو اپنے پاس رکھو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مومنوں کی مائیں ہوں گی کبھی کسی اور سے (آپ کے بعد) نکاح نہیں کر سکیں گی اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جس کو چاہیں گے رسول خدا اپنے پاس رکھیں گے اور جس کو چاہیں گے دور رکھیں گے رسول اللہ کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ جس کی باری چاہیں مقرر کریں چاہیں نہ کریں اور مصارف و باری کی تقسیم میں جس کو چاہیں ترجیح دیں یہ سارے اختیارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوں گے یہ خصوصیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی تھی۔ امہات المومنین نے یہ تمام شرائط مان لیں اور ان شرائط پر آپ کے ساتھ رہنے پر رضی ہو گئیں۔

مذکورہ احکام کا عمومی پہلو

میں کہتا ہوں یہ امتیازی حکم صرف رسول اللہ ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری امت کے لئے اس کا جواز ہے اگر کسی کے پاس چند عورتیں ہوں اور وہ اپنے حقوقِ نکاح مثلاً مصارف اور باری کی تقسیم میں مساوات کی طلب گار ہوں اور شوہر ان سے کہہ دے کہ اگر تم چاہو تو آؤ میں تم کو سامان دے کر خوبصورتی کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں اور تم میں سے جو عورت میرے نکاح میں بغیر طلب مصارف کے ان شرائط پر رہنا چاہے کہ میں جس کو چاہوں گا اپنے پاس رکھوں گا اور جس کو چاہوں گا دور رکھوں گا مجھے اختیار ہوگا کہ میں باری مقرر کروں یا نہ کروں یا کسی کی کروں اور کسی کی نہ کروں اور یہ بھی اختیار ہو گا کہ مصارفِ طعام و لباس ایک کو کم دوں دوسری کو زیادہ دوں اور ان تمام شرائط پر عورتیں کہہ دیں کہ ہم کو یہ سب شرطیں منظور ہیں ہم تو تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہیں ہم اپنے حقوق سے دست بردار ہوتی ہیں آپ جیسا چاہیں کریں تو اس صورت میں شوہر کو پورا اختیار ہو جاتا ہے اور کسی کے حقوق نکاح اس پر باقی نہیں رہتے۔

حضرت سودہ خود اپنے حقوق سے دستبردار ہو گئیں اور انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی عظمت

بخاری نے حضرت معاذہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا ہے کہ کسی عورت کی باری کی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے (کسی بیوی کے پاس رہنے کی) اجازت طلب کرتے تھے اور یہ واقعہ آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ الخ کے نزول کے بعد کا ہے۔ حضرت معاذہ نے کہا میں نے پوچھا آپ کیا کہتی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں کہتی تھی اگر اس کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے تو میں کسی کو آپ کے معاملہ میں اپنے اوپر ترجیح نہیں دوں گی۔

Marfat.com

اختیار کے مختلف پہلو

مجاہد نے کہا تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ کا مطلب یہ ہے آپ جس بیوی سے بغیر طلاق دینے کنارہ کش رہنا چاہیں کنارہ کش رہیں اور کنارہ کش ہونے کے بعد اگر پھر اس کو بغیر تجدید نکاح کے اپنے پاس واپس لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔

حسن نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اپنی امت کی جس عورت سے آپ نکاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اور نکاح نہ کرنا چاہیں تو نہ کریں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عورت کو اپنا پیام بھیجتے تھے تو جب تک خود ہی اپنے پیام سے دست بردار نہ ہو جائیں کسی دوسرے شخص کے لئے اس عورت کو پیام بھیجنا جائز نہ تھا۔

بعض نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو مومن عورتیں اپنے آپ کو آپ کے لئے ہبہ کر دیں آپ ان میں سے جس کو چاہیں قبول کر لیں اور اپنے پاس جگہ دیں اور جس کو قبول نہ کرنا چاہیں رد کر دیں۔ (تفسیر مظہری)

دَورِ جاہلیت کا ایک غلط رواج

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ایک خبیث رواج یہ بھی تھا کہ لوگ آپس میں بیویوں کا تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔ یہ اپنی اُسے دے دیتا تھا اور وہ اپنی اسے دے دیتا تھا۔ اسلام نے اس گندے طریقے سے مسلمانوں کو روک دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بی بی کی نوبت میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ اس سے اجازت لیتے تھے، جب کہ یہ آیت بھی نازل ہو چکی تھی، تُنْوِیْ اِلَیْكَ الآیۃ (جس میں ..... بیویوں میں برابری کرنے کا فرض آپ سے معاف کر دیا گیا)

تعدد ازواج کا مسئلہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا، جو بیوہ سن رسیدہ صاحب اولاد اور دو شوہروں کے نکاح میں رہنے کے بعد آئی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی ایک سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گزارا، یہ پچاس سالہ دورِ عمر مکہ کے لوگوں کے سامنے گزرا، چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت کے بعد شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع ہوئی، اور مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ساحر کہا شاعر کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں مل سکا، جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے۔

پچاس سال عمر شریف کے گزرے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نکاح میں آئیں یہ بھی بیوہ تھیں۔

ہجرت مدینہ اور عمر شریف چون سال ہو جانے کے بعد ۲ ہجری میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی رخصتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح ہوا، یہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ دنیا طلبی کے لئے آپ سے جدائی اختیار کریں یا پھر تنگی و فراخی جو کچھ پیش آئے اس پر قناعت کر کے آپ کی زوجیت میں رہیں، تو سب ازواج مطہرات نے اپنے نفقہ کی زیادتی کے مطالبہ کو چھوڑ کر اسی حال میں زوجیت کے اندر رہنا اختیار کیا تو اس پر بطور انعام کے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی انہی نو ازواج کے لئے مخصوص کر دیا، ان کے سوا کسی سے نکاح جائز نہ رہا (رواہ البیہقی فی سننہ کذا فی الروح)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص فرما دیا کہ آپ کے بعد بھی وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن کے لئے مخصوص فرما دیا کہ آپ ان کے علاوہ اور کوئی نکاح نہیں کر سکتے حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہی تفسیر منقول ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ
اس میں قریب ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں اُن کی اور غم نہ کھائیں
وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
اور راضی رہیں اُس پر جو تو نے دیا اُن سب کی سب کو اور اللہ جانتا ہے
مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا
جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ، سب کچھ جاننے والا تحمل والا

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختیارات سے کام نہیں لیا

یعنی واہبۃ النفس کے متعلق اختیار ہے قبول کرو یا نہ کرو۔ اور موجودہ بیویوں میں سے جس کو چاہو رکھو یا طلاق دے دو۔ نیز جو بیویاں رہیں آپ پر قسم (باری باری سے رہنا) واجب نہیں، جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کر سکتے ہیں۔ اور جسے کنارے کر دیا ہو اُسے دوبارہ واپس لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حقوق (اختیارات آپ کو دیئے گئے تھے، مگر آپ نے مدت العُمر ان سے کام نہیں لیا۔ معاملات میں اس قدر عدل و مساوات کی رعایت فرماتے تھے جو بڑے سے بڑا محتاط آدمی نہیں کر سکتا۔ اس پر بھی اگر قلبی میلان کسی کی طرف بے اختیار ہوتا تو فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ ھٰذا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِی فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ (اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اُن چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، جو چیز صرف تیرے قبضہ میں ہے میرے اختیار میں نہیں اُس پر ملامت نہ کیجئے) شاید وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا میں کسی طرف اشارہ ہو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دینے کی حکمت

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ کسی مرد کے کئی عورتیں ہوں تو اُس پر باری سے سب کے پاس برابر رہنا واجب ہے، حضرت پر یہ واجب نہ تھا۔ اس واسطے کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں، تو جو دیں راضی ہو کر قبول کریں (ورنہ روز یہ ہی کشمکش اور جھنجھٹ رہا کرتی، مُہمّاتِ دین میں خلل پڑتا، اور ازواج کی نظر بھی دنیا سے بالکل یکسو ہو کر مقصد اصلی کی طرف نہ رہتی۔ اسی غم و فکر میں مُبتلا رہا کرتیں) پر حضرت نے اپنی طرف سے فرق نہیں کیا سب کی باری برابر رکھی۔ ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے (جب عمر زیادہ ہوگئی اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی تھی۔" (تفسیر عثمانی)

ازواجِ مطہرات کیلئے آسانی

ذٰلِکَ یعنی یہ اختیار جو آپ کو دیا گیا ان کی آنکھوں کی ٹھنڈی رکھنے اور آرزدہ خاطر نہ ہونے اور سب کے راضی رہنے سے بہت زیادہ قریب (تعلق رکھنے والا) کیونکہ اس میں سب برابر ہیں (سب کا اختیار آپ کو ہے کوئی خود مختار نہیں رہی) پھر اگر آپ ان میں سے کسی کو اپنے پاس بلائیں گے تو وہ آپ کے اس فعل کو آپ کی مہربانی سمجھے گی اور جس سے کنارہ کش ہو جائیں گے وہ اس کو حکم خدا سمجھے گی بلکہ اس میں بھی آپ کی مہربانی سمجھے گی کہ آپ نے اس کو صرف اپنے قرب سے ہٹا دیا نکاح سے تو خارج نہیں کیا حالانکہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں تھی (طلاق دے سکتے تھے)

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ اور اللہ کو تم لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم ہیں۔ اس میں اس بی بی کے لئے وعید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت پر راضی نہ ہو۔

بعض اہلِ علم نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر جو بعض عورتوں کی طرف جھکاؤ اور میلان ہوتا ہے اللہ اس سے واقف ہے اور ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آسانی کے لئے یہ اختیار ان کو دیا ہے۔

وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور حلم والا ہے یعنی جاننے کے باوجود فوری سزا نہیں دیتا اس سے ڈرتا رہنا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ			
حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ اُن کے بدلے			
بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ			
کر لے اور عورتیں اگرچہ خوش لگے تجھ کو اُن کی صورت			

یعنی جتنی قسمیں اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ الخ میں فرما دیں، اُس سے زیادہ حلال نہیں۔ اور جو اب موجود ہیں اُن کو بدلنا حلال نہیں، یعنی یہ کہ ان میں سے کسی کو اس لئے چھوڑ دو کہ دوسری اس کی جگہ کر لاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ ممانعت آخر کو موقوف ہوگئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے نہ اس کے بعد کوئی نکاح کیا نہ ان میں سے کسی کو بدلا۔ آپ کی وفات کے وقت سب ازواج برابر موجود رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں (کو چھوڑ کر ان) کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں خواہ آپ کو ان کا حسن دل پسند ہو مگر جو آپ کی باندیاں ہوں (ان کو گھٹا بڑھا سکتے ہیں)

عطاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا تھا کہ جن عورتوں سے سوا محرم کے آپ نکاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْھُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ میں اس کی اجازت دے دی

Marfat.com

گئی تھی کیونکہ یہ آیت اگرچہ ترتیب قرأت میں پہلے ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ کے بعد آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ نازل ہوئی تھی۔

وَلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ یعنی ان عورتوں کا حسن جن سے تم نکاح کرنے کے خواہشمند ہو۔ بغوی نے کہا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے حلال نہیں کہ اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے دو اور اس کی جگہ دوسری سے نکاح کرلو۔ خواہ اس کی خوبصورتی آپ کو کیسی ہی بھلی معلوم ہو۔

حضرت جعفر کی بیوہ

حضرت ابن عباس نے فرمایا ایسی (حسین) عورت جعفر بن ابی طالب کی بیوی بنت عمیس خثعمیہ تھی جب جعفر شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس اپنا پیام بھجوانا چاہا لیکن آپ کو اس کی ممانعت کر دی گئی۔ (تفسیر مظہری)

احمق سردار

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ عیینہ بن حصن بغیر اجازت لئے رسول اللہ کے پاس اندر آ گیا حضور کے پاس اس وقت حضرت عائشہ موجود تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجازت داخلہ کیوں نہیں لی عیینہ نے کہا یا رسول اللہ جب سے میں جوان ہوا ہوں میں نے مضر (مجازی عرب) کے کسی شخص سے داخلہ کی اجازت نہیں لی پھر کہنے لگا یہ آپ کے پہلو میں گوری عورت کون ہے فرمایا ام المومنین عائشہ ہیں بولا کیا ایک حسین ترین عورت دے کر آپ سے اس کا تبادلہ نہ کرلوں۔ حضور نے فرمایا اللہ نے یہ حرام کر دیا ہے۔ عیینہ جب نکل کر چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ یہ کون تھا فرمایا یہ ایک احمق ہے جس کا حکم مانا جاتا ہے جو حالت تم نے اس کی دیکھی اس کی باوجود یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ ط
مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا

حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہما

یعنی لونڈی باندی۔ حضرت کی دو حرم مشہور ہیں۔ ایک ماریہ قبطیہ جن کے شکم سے صاحبزادہ حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے بچپن میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ، رضی اللہ عنہن۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ: حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کے نزول کے بعد صاحبزادہ ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ حضور کی ملک میں داخل ہوئیں (مقوقس شاہِ مصر نے دو لونڈیاں خدمت گرامی میں بطور ہدیہ بھیجی تھی ایک سیرین دوسری ماریہ۔ انہیں ماریہ کے شکم سے حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے)

وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا
اور ہے اللہ ہر چیز پر نگہبان

یعنی اللہ کی نگاہ میں ہے جو اُس کے احکام و حدود کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں کرتے، اُس کا خیال رکھ کر کام کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا اور اللہ ہر چیز کا پورا نگراں ہے۔ اس لئے تم اللہ کے احکام کی پابندی کرو اور اس کی قائم کی ہوئی حد سے تجاوز نہ کرو۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا

بغوی نے لکھا ہے آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو اس کو دیکھنا جائز ہے۔ حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دینا چاہتا ہو اور اس کے ایسے اعضاء کو دیکھنا جو نکاح کی دعوت دیں ممکن ہو تو ایسا کرے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھیجا حضور نے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا اس کی طرف دیکھ لو تم دونوں میں اتفاق قائم رکھنے کے لئے یہ بات زیادہ مناسب ہے۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے کسی انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی طرف دیکھ لو انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے (یعنی پیلا پن) رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ
اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں
النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ
میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے
اِنٰہُ وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا
والے اُس کے پکنے کی لیکن جب تم کو بلائے تب جاؤ

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کیلئے آداب

یعنی بدون حکم و اجازت کے دعوت میں مت جاؤ اور جب تک بلائیں نہیں پہلے سے جا کر نہ بیٹھو کہ وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا پڑے۔ اور گھر والوں کے کام کاج میں حرج واقع ہو۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

بغوی نے ابن شہاب (زہری) کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا جس وقت رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے ہیں اس وقت دس سال کا تھا۔ میری مائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر میری موافقت کرتی تھیں میں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میری عمر بیس سال تھی۔ حجاب کے واقعہ کا علم مجھے سب لوگوں سے زیادہ ہے آیت حجاب کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زینب بنت جحش کی خلوت گاہ میں ہوا صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے شوہر ہونے کی حیثیت میں تھے آپ نے لوگوں کو کھانا کھانے بلایا لوگوں نے آ کر کھانا کھایا الی آخر الحدیث۔ زہری کی یہ روایت بھی بخاری کی روایت کی طرح ہے۔ بخاری کی دوسری روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا اس آیت کو یعنی آیت حجاب کو میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں جب حضرت زینب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیوی کی حیثیت میں بھیجا گیا تو آپ کے گھر کے اندر وہ موجود تھیں اور آپ نے کچھ کھانا تیار کرایا تھا اور لوگوں کو کھانے کے لئے بلوایا تھا۔ (کھانے کے بعد بھی) لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے اس پر اللہ نے آیت حجاب نازل فرمائی تو لوگ اُٹھ گئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا۔

پردے کا حکم

حضرت انس کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت زینب کے ولیمہ میں رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت روٹی تیار کرائی اور مجھے لوگوں کو کھانے کی دعوت دینے کے لئے بھیج دیا گیا لوگ آنے لگے اور کھانے لگے اور نکل کر جانے لگے پھر دوسرے لوگ آنے کھانے اور جانے لگے میں لوگوں کو بلاتا رہا جب کوئی آدمی ایسا نہ رہا کہ میں اس کو بلاتا تو میں نے عرض کر دیا یا نبی اللہ اب تو کوئی آدمی مجھے نہیں ملتا کہ میں اس کو بلاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا اٹھالو تو تین آدمی وہاں گھر کے اندر بیٹھے باتیں کرتے رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف تشریف لے گئے اور (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں جا کر) فرمایا السلام علیکم اھلِ البیت و رحمة الله (اے اہلِ خانہ تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) حضرت عائشہؓ نے جواب دیا وعلیک السلام ور حمة الله آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا اللہ آپ کو مبارک کرے (اس طرح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب بیویوں کے حجروں کی طرف تشریف لے گئے اور وہی بات فرماتے رہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمائی تھی اور بیویوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا کچھ دیر کے بعد واپس آ گئے تو دیکھا تینوں آدمی باتیں کر رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شرمیلے تھے (آدمیوں کو کچھ نہیں فرمایا اور) مڑ کر گھر سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف چل دیئے مجھے یاد نہیں کہ میں نے اطلاع دی یا حضور کو (کسی اور سے) اطلاع ملی کہ لوگ چلے گئے آپ فوراً لوٹ پڑے اور گھر کے اندر داخل ہونے کے لئے ایک قدم چوکھٹ کے اندر رکھا تھا دوسرا قدم باہر ہی تھا کہ میرے اور اپنے درمیان پردہ چھوڑ دیا اور آیت حجاب نازل ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے

طبرانی نے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قاب میں کھا رہی تھی اتنے میں ادھر سے عمر گزرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا لیا وہ بھی آ کر کھانے لگے (اتفاقاً) ان کی انگلی میری انگلی سے لگ گئی فوراً ان کے منہ سے نکلا اوہ اگر تم عورتوں کے بارے میں میرا کہا مان لیا جاتا تو کوئی آنکھ تم کو نہیں دیکھ پاتی۔ اس کے بعد آیت حجاب نازل ہو گئی۔ نسائی نے اور ادب المفرد میں بخاری نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ کے پاس اندر گیا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین بار اُٹھ کر باہر چلے گئے تا کہ وہ شخص بھی چلا جائے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اتنے میں حضرت عمر اندر آ گئے اور چہرہ مبارک پر ناگواری دیکھ کر اس شخص سے کہا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا۔ حضور نے فرمایا میں تین مرتبہ اُٹھا تا کہ یہ بھی میرے پیچھے اُٹھ کھڑا ہو لیکن اس نے ایسا نہیں کیا حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ (عورتوں کے لئے) پردہ اختیار کر لیتے تو مناسب تھا۔ کیونکہ

Marfat.com

آپ کی بیبیاں دوسری عورتوں کی طرح تو ہیں نہیں۔ یہ عمل ان لوگوں کے دلوں کو بھی پاک رکھنے والا ہے اس پر آیتِ حجاب نازل ہوگئی۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بخاری کی یہ روایت ذکر کردی گئی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا تین باتوں میں میری (رائے کی) مطابقت اپنے رب کے (حکم کے) ساتھ ہوگئی میں نے عرض کیا کاش آپ مقامِ ابراہیم کو مقامِ نماز بنا سکتے اس پر آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى نازل ہوئی میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ آپ کی عورتوں کے پاس نیک بد ہر طرح کے آدمی آتے ہیں کاش آپ اپنی عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم دے دیتے اس پر آیت جواب نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رقابت کی وجہ سے آپ کی عورتیں جمع تھیں۔ میں نے کہا عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت ابن مسعود نے فرمایا چار باتوں کی وجہ سے عمر بن خطاب کو لوگوں پر فضیلت حاصل تھی۔

(۱) آپ نے بدر کے قیدیوں کو قتل کردینے کا مشورہ دیا تھا۔ اس پر آیت لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ الخ نازل ہوئی۔

(۲) آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو پردے میں رہنے کا مشورہ دیا تھا جس پر حضرت زینب نے فرمایا خطاب کے بیٹے اب تم کو ہم پر بھی غیرت آنے لگی حالانکہ وحی ہمارے گھروں میں اترتی ہے اس پر آیت وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ الخ نازل ہوئی۔

(۳) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق دعا کی تھی اے اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اسلام کو مضبوط کردے۔

(۴) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں آپ نے رائے دی تھی آپ نے ہی سب سے پہلے حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (تفسیر مظہری)

مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرو

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے کسی کو جب اس کا بھائی بلائے تو اُسے دعوت قبول کرنی چاہیئے خواہ نکاح کی ہو یا کوئی اور۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ
پھر جب کھا چلو تو آپ آپ کو چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگا بیٹھو باتوں میں

کسی کے ہاں دعوت پر جانے کے آداب

یعنی کھانے سے فارغ ہوکر اپنے اپنے گھر کا رستہ لینا چاہیئے۔ وہاں مجلس جمانے سے میزبان اور دوسرے مکان والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ باتیں گو نبی کے مکانوں کے متعلق فرمائی ہیں۔ کیونکہ شانِ نزول کا تعلق اُن ہی سے تھا۔ مگر مقصود ایک عام ادب سکھلانا ہے بے دعوت کسی کے یہاں کھانا کھانے کی غرض سے جا بیٹھنا یا طفیلی بن کر جانا، یا کھانے سے قبل یوں ہی مجلس جمانا، یا فارغ ہونے کے بعد گپ شب لڑانا درست نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ
اس بات سے تمہاری تکلیف تھی نبی کو پھر تم سے شرم کرتا ہے
مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ
اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتلانے میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مروّت

یعنی آپ حیا کی وجہ سے اپنے نفس پر تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ لحاظ کی وجہ سے صاف نہیں فرماتے کہ اُٹھ جاؤ مجھے کُلفت ہوتی ہے یہ تو آپ کے اخلاق اور مروت کی بات ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تادیب واصلاح میں کیا چیز مانع ہوسکتی ہے۔ اس نے بہرحال پیغمبر ہی کی زبان سے اپنے احکام سُنا دیئے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ بندوں کو حق بتلاتا ہے

یعنی تم کو ادب سکھانا حق ہے اور حق بات سے اللہ نہیں جھجکتا اس لئے تم کو ادب سکھانا ترک نہیں کرتا۔ بیضاوی نے یہ مطلب لکھا ہے کہ نبی کے گھر سے تمہارا نکالنا حق ہے اور حق بات کو اللہ ترک نہیں کرتا اس لئے تم کو نکلنے کا حکم دے رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ
اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردہ کے باہر سے
ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ
اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل کو اور اُن کے دل کو

اعلیٰ معاشرت کیلئے احکام

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ادب

Marfat.com

سکھلائے۔ کبھی کھانے کو حضرت کے گھر میں جمع ہوتے تو پیچھے باتیں کرنے لگ جاتے۔ حضرت کا مکان آرام کا وہ ہی تھا۔ شرم سے نہ فرماتے کہ اُٹھ جاؤ۔ اُن کے واسطے اللہ نے فرمادیا۔ اوراس آیت میں حکم ہوا پردہ کا کہ مرد حضرت کی ازواج کے سامنے نہ جانیں کوئی چیزیں مانگنی ہوتو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے مانگیں اس میں جانبین کے دل ستھرے اور صاف رہتے ہیں اور شیطانی وساوس کا استیصال ہوجاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَتَاعاً یعنی کوئی کام کی چیز بطورِ رعایت یا بطور بخشش مانگو یا مانگی ہوئی چیز دینے جاؤ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیتِ حجاب کے نزول کے بعد کسی کو اجازت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بی بی کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھے۔ خواہ وہ نقاب پوش ہوں یا بغیر نقاب کے۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ تمہارا یہ عمل (پردے کے پیچھے سے مانگنا شیطانی وسوسوں سے) تمہارے دلوں کو بھی پاک رکھنے والا ہے اوران کے دلوں کو بھی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا
اورتم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو
اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ
اُس کی عورتوں سے اُس کے پیچھے کبھی البتہ یہ تمہاری بات
كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا
اللہ کے یہاں بڑا گناہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد ازواج مطہرات میں سے کسی کا غیر سے نکاح جائز نہیں ہے

یعنی کافر منافق جو چاہیں بکتے پھریں اور ایذاء رسانی کریں۔ مؤمنین جو دلائل وبراہین کی روشنی میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی انتہائی راستبازی اور پاکبازی کو معلوم کر چکے ہیں، انہیں لائق نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی بات ایسی کہیں یا کریں جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب بن جائے۔ لازم ہے کہ مؤمنین اپنے محبوب ومقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی رکھیں۔ مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہوجائے اور دنیا وآخرت کا خسارہ اُٹھانا پڑے۔ ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بڑا بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنا چاہے یا ایسے نالائق ارادہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اظہار کرے ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی مخصوص عظمت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مؤمنین کی محترم مائیں قرار دی گئیں۔ کیا کسی اُمتی کے عقد نکاح میں آنے کے بعد اُن کا یہ احترام کما حقہ ملحوظ رہ سکتا ہے یا آپ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم وتلقین دین کی اُس اعلیٰ غرض کو آزادی کے ساتھ پورا کرسکتی ہیں جس کے لئے ہی فی الحقیقت قدرت نے نبی کی زوجیت کے لئے اُن کو چُنا تھا۔ اور کیا کوئی پرلے درجہ کا بے حس وبے شعور انسان بھی باور کرسکتا ہے کہ سید البشر امام المتقین اور پیکر خلق عظیم کی خدمت میں عمر گزارنے والی خاتون ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسری جگہ رہ کر قلبی مسرت وسکون حاصل کرنے کی اُمید رکھ سکے گی۔ خصوصاً جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ منتخب خواتین تھیں جن کے سامنے دنیا و آخرت کے دو راستوں میں سے ایک راستہ انتخاب کے لئے پیش کیا گیا تو انہوں نے بڑی خوشی اور آزادی سے دنیا کے عیش وبہار پر لات مار کر اللہ ورسول کی خوشنودی اور آخرت کا راستہ اختیار کر لینے کا اعلان کردیا۔ چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ حضور کی وفات کے بعد کیسے عدیم النظیر زُہد و ورع اور صبر وتوکل کے ساتھ ان مقدس خواتین جنت نے عبادت الٰہی میں اپنی زندگیاں گزاریں اور احکام دین کی اشاعت اور اسلام کی خدمات مہمہ کے لئے اپنے کو وقف کئے رکھا اُن میں سے کسی ایک کو کبھی بھول کر بھی دنیا کی لذتوں کا خیال نہیں آیا۔ اور کیسے آسکتا تھا جبکہ پہلے ہی حق تعالیٰ نے يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا فرما کر اُن کے تزکیہ وتطہیر کی کفالت فرمائی تھی۔ رضی اللہ عنھن وارضاھن وجعلنا ممن یعظمھن حق تعظیمھن فوق مانعظم امھا تنا التی ولدننا امین اس مسئلہ کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی کتاب آب حیات میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

ابنِ ابی حاتم نے ابنِ زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کسی شخص نے کہا ہے اگر

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو (آپ کے بعد) فلاں (بی بی) سے میں نکاح کرلوں گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا اور تمہارے لئے اللہ کے رسول کو دُکھ پہنچانا جائز نہیں اور نہ ان کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرنا تمہارے لئے جائز ہے (نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نہ طلاق دینے کے بعد) تمہارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بڑا جرم ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول اس شخص کے متعلق ہوا جس نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں آپ کی کسی بیوی سے نکاح کرلوں گا۔ سفیان نے کہا ایسی بات حضرت عائشہؓ کے متعلق کہی گئی تھی۔ سدی کا بیان ہے ہم کو اطلاع ملی ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ نے کہا تھا کیا محمد ہماری چچا کی بیٹیوں سے تو ہمارا پردہ کرا رہے ہیں اور ہمارے بعد ہماری بیویوں سے خود نکاح کر لیتے ہیں اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو ہم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابنِ سعد نے ابوبکر بنِ محمد بن عمرو بن حزم کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ آیت طلحہ بن عبیداللہ کے بارے میں اتری طلحہ نے کہا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جائے گی تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے میں نکاح کرلوں گا۔ جویبر نے حضرت ابنِ عباس کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی کے پاس گیا اور ان سے باتیں کرنے لگا یہ شخص ان بی بی کے چچا کا بیٹا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد اس جگہ نہ کھڑا ہونا اس شخص نے کہا وہ میرے چچا کی بیٹی ہے خدا کی قسم نہ میں نے اس سے کوئی بری بات کہی تھی نہ اس نے مجھ سے کوئی بری بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں اور مجھ سے بھی زیادہ کوئی غیرت والا نہیں وہ شخص چلا گیا اور جانے کے بعد کہا مجھے میری چچا کی بیٹی سے بات کرنے سے روکتے ہیں ان کے بعد میں اس سے ضرور نکاح کروں گا اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت ابنِ عباس نے فرمایا پھر اس شخص نے اپنی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کی توبہ میں ایک بردہ آزاد کیا دس اونٹ راہِ خدا میں سوار ہونے کے لئے دیئے اور پیدل حج کیا۔

ایک مستثنیٰ صورت

بیضاوی نے لکھا حرمت نکاحِ ازواج سے وہ عورت مستثنیٰ ہے جس کو بغیر قربت کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ (خلافت) میں اشعث بن قیس نے مستعیذہ (جوینہ کلبیہ) سے نکاح کرلیا حضرت عمر نے اس کو سنگسار کرانے کا ارادہ کیا لیکن آپ کو بتایا گیا کہ مستعیذہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر صحبت کئے چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عمر نے یہ بات سن کر اشعث کو چھوڑ دیا اور حضرت عمر کے اس فیصلہ کے خلاف کسی نے کچھ نہیں کہا (مستعیذہ پناہ طلب کرنے والی۔ اس کا نام جوینہ کلبیہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے کہا میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی اس کو چھوڑ دیا)

تحریم ازواج کی وجہ

میں کہتا ہوں تحریم ازواج کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اسی لئے آپ کے مال کا کوئی وارث نہیں قرار پایا اور نہ آپ کی بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا تو میں اس کو سن لوں گا اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھے گا تو مجھے وہ درود پہنچا دی جائے گی۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ (تفسیر مظہری)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے یہ خصوصی حکم ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی سے نکاح نہیں کرسکتیں۔

اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ بنصِ قرآن امہات المؤمنین ہیں، اور اگرچہ اُن کے اُمہات ہونے کا اثر ان کی اولادِ رُوحانی پر نہیں پڑتا کہ وہ سب بہن بھائی ہوکر باہم نکاح نہ کرسکیں، مگر ان کی اپنی ذات کی حد تک امتناعِ نکاح کا حکم دیا گیا۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسا کوئی زندہ شوہر گھر غائب ہو، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوئی، اسی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا وہ حال نہیں جو عام شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔

یہ حکمت بھی ہے کہ شرعی قاعدے سے جنت میں ہر عورت اپنے آخری

Marfat.com

شوہر کے ساتھ رہے گی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تم جنت میں میری بیوی رہو تو میرے بعد کوئی دوسرا نکاح نہ کرنا، کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کو ملے گی۔ (قرطبی)

اس لئے ازواج مطہرات کو جو شرف حق تعالیٰ نے دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا عطا فرمایا ہے اس کو آخرت اور جنت میں بھی باقی رکھنے کے لئے ان کا نکاح کسی دوسرے سے حرام کر دیا گیا۔

مسئلہ: اس پر تو امت کا اتفاق ہے کہ جو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں رہیں اُن سب کا یہی حکم ہے، لیکن جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی، یا کسی دوسری وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے علیٰحدہ ہو گئیں اُن کے بارے میں فقہاء امت کے مختلف اقوال ہیں جن کو قرطبی نے تفصیل سے لکھا ہے۔

انسدادِ فواحش کا اسلامی نظام

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی اُن مہلک برائیوں میں ہے جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص و افراد کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں جتنے قتل و غارت گری کے واقعات پائے جاتے ہیں اگر صحیح تحقیق کی جائے تو اکثر واقعات کے پس منظر میں کوئی عورت اور شہوانی جذبات کا جال نظر آئے گا، یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی قوم، کوئی مذہب، کوئی خطہ ایسا نہیں جو اس کی بُرائی اور مہلک عیب ہونے پر متفق نہ ہو۔

دنیا کے اس آخری دور میں یوروپین اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم و قوی روایات سب کو توڑ کر اگرچہ زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم ہی نہیں رکھا، اور تمدن و معاشرت کو ایسے سانچوں میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم پر جنسی انارکی اور فواحش کو دعوت عام ہے، مگر ان کے ثمرات و نتائج کو وہ بھی جرائم سے خارج نہ کر سکے، عصمت فروشی، زنا بالجبر، منظر عام پر فحش حرکات کو تعزیری جرم قرار دینا پڑا، جس کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی شخص آگ لگانے کے لئے سوختہ کا ذخیرہ جمع کرے پھر اس پر تیل چھڑکے، پھر اس میں آگ لگائے، اور جب اس کے شعلے بھڑکنے لگیں تو ان شعلوں پر پابندی لگانے اور روکنے کی فکر کرے، ہنڈیا پکانے کے لئے اس کے نیچے آگ جلائے پھر اس کے اُبال اور جوش کو روکنا چاہے۔

اس کے خلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرائم اور انسانیت کے لئے مضر قرار دے کر قابلِ سزا جرم کہا ہے، ان کے مقدمات پر بھی پابندی عائد کیں، اور ان کو ممنوع قرار دیا ہے اس معاملے میں مقصود اصلی زنا اور بدکاری سے بچانا تھا تو اس کو نظر نیچی رکھنے کے قانون سے شروع کیا، عورتوں مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا، عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں محدود رکھنے کی ہدایت کی اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لئے بھی برقع یا لمبی چادر سے پورا بدن چھپا کر نکلنے اور سڑک کے کنارے چلنے کی ہدایت کی، خوشبو لگا کر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کی، پھر جو شخص ان سب حدود و قیود اور پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے اس پر ایسی سخت عبرت آموز سزا جاری کی کہ ایک مرتبہ کسی بدکردار پر جاری کر دی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے۔

پہلے مسئلہ کی مثال شراب فروشی ہے کہ یہ شراب نوشی کا سبب قریب ہے، اس کو بھی شریعت نے اسی طرح حرام کر دیا جس طرح شراب نوشی حرام ہے، کسی غیر عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا اگرچہ عین زنا نہیں، مگر اس کی سبب قریب ہے شریعت نے اس کو اسی کی طرح حرام قرار دے دیا۔

اور دوسرے مسئلے کی مثال یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ انگور فروخت کرنا جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ اس سے شراب ہی بناتا ہے اس کا پیشہ یہی ہے یا اس نے صراحۃً کہہ دیا ہے کہ میں اس کام کے لئے خرید رہا ہوں، یہ اگرچہ شراب فروشی کے درجہ میں حرام تو نہیں مگر مکروہ و ناجائز یہ بھی ہے، یہی حکم سینما گھر بنانے یا سودی بینک چلانے کے لئے زمین مکان کرایہ پر دینے کا ہے کہ معاملہ کے وقت جب معلوم ہو کہ یہ اس مکان کو ناجائز کام کے لئے لے رہا ہے تو کرایہ پر دینا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔

ضروری تنبیہ

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب درجہ اول کا قرار دے کر حرام کر دیا، اس حکم حرمت کے بعد وہ سب کے لئے مطلقاً حرام ہے، خواہ ابتلاء گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے اب وہ خود ایک حکم شرعی ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھئے کہ عورتوں کا پردہ کبھی شرعاً اسی سدّ ذرائع کے اصول پر مبنی ہے کہ ترک پردہ سبب ہے معصیت میں مبتلا ہونے کا، اس میں بھی اسباب کی مذکورہ قسموں کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً کسی جوان مرد کے سامنے جوان عورت کو اپنا بدن کھولنا ابتلاء گناہ کا ایسا سبب قریب

Marfat.com

ہے کہ عادت اکثریہ کے اعتبار سے اس پر گناہ کا مرتب ہونا لازمی جیسا ہے، اس لئے یہ تو شرعاً زنا کی طرح حرام ہو گیا، کیونکہ شرعاً اس عمل کو حکم فاحشہ کا دے دیا گیا ہے، اب وہ مطلقاً حرام ہے، اگرچہ معاملہ کسی معصوم کے ساتھ ہو یا کوئی شخص اپنے نفس پر مکمل قابو رکھنے کی وجہ مطمئن ہو کر گناہ سے بچ جائے گا، مواقع ضرورت علاج وغیرہ کا مستثنیٰ ہونا الگ چیز ہے۔

پردہ کا حکم اسباب، اہمیت اور احکام

عورتوں اور مردوں میں بے محابا اختلاط تو دنیا کی پوری تاریخ میں آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا، اور صرف اہلِ شرائع ہی نہیں دنیا کے عام شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کو روا نہیں رکھا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفرِ مَدْین کے وقت جن عورتوں کا اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے الگ روکے ہوئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے، اس کی وجہ یہی بتلائی گئی ہے کہ ان عورتوں نے مردوں کے ہجوم میں گھسنا پسند نہ کیا، سب کے بعد بچے ہوئے پانی پر قناعت کی، حضرت زینب بنت جحش جن کے نکاح کے وقت پہلی آیتِ حجاب نازل ہوئی ہے اس کے نازل ہونے سے پہلے بھی جامع ترمذی کی روایت میں ان کی گھر میں نشست کی یہ صورت بیان کی ہے وَهِيَ مُوَلِّيَةٌ وَجْهَهَا اِلَى الْحَائِطِ "یعنی اپنا رُخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نزولِ حجاب سے پہلے بھی عورتوں مردوں میں بے محابا اختلاط اور بے تکلف ملاقات و گفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں کہیں نہ تھا، قرآن کریم میں جس جاہلیتِ اُولیٰ اور اس میں عورتوں کے تبرّج وظہور کا ذکر ہے وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں بلکہ لونڈیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا، عرب کے شریف خاندان اس کو معیوب سمجھتے تھے، عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے، ہندوستان میں ہندو بدھ مت اور دوسرے مشرکانہ مذاہب والوں میں عورتوں مردوں کے درمیان بے محابا اختلاط گوارا نہ تھا، یہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے دعوے اور بازاروں اور سڑکوں پر پریڈ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبہ زندگی میں مرد وزن کے بے تکلف اختلاط ضیافتوں اور کلبوں میں بے تکلف ملاقاتوں کا سلسلہ صرف یوروپین اقوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے، جس میں یہ اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد مبتلا ہوئی ہیں، قدیم زمانے میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی، حق تعالیٰ نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے اسی طرح ان کی طبیعتوں میں ایک فطری حیاء کا جوہر بھی رکھا ہے، جو ان کو فطری طور پر عام مردوں سے الگ تھلگ رہنے اور تستر پر آمادہ کرتی ہے۔

خارج نماز لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں، لیکن خلوت میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود نہ ہو وہاں بھی صحیح قول یہی ہے کہ خارج نماز بھی بلا ضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے ستر کھول کر ننگا بیٹھنا جائز نہیں، (کمافی البحر عن شرح المنیہ)

صرف عورتوں پر، ستر عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں، یہ تفصیل اس لئے لکھی گئی کہ ان دونوں مسئلوں کو غلط ملط کر دینے سے بہت سے شبہات مسائل اور احکامِ قرآن کے سمجھنے میں پیدا ہو جاتے ہیں ستر روایات کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مطلوب شرعی حجابِ اشخاص ہے، یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل وحرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو، جو گھروں کی چار دیواری یا خیموں اور معلق پردوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اس کے سوا جتنی صورتیں حجاب کی منقول ہیں وہ سب ضرورت کی بناء پر اور وقتِ ضرورت اور قدرِ ضرورت کے ساتھ مقید اور مشروط ہیں۔

اسی طرح پردہ کا پہلا درجہ جو اصل مطلوب شرعی ہے وہ حجاب اشخاص ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں، لیکن شریعتِ اسلامیہ ایک جامع اور مکمل نظام ہے جس میں انسان کی تمام ضروریات کی رعایت پوری کی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسی ضرورتیں پیش آنا ناگزیر ہے کہ وہ کسی وقت گھروں سے نکلیں اس کے لئے پردہ کا دوسرا درجہ قرآن وسنت کی رُو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر سے پاؤں تک برقع یا لانبی چادر میں پورے بدن کو چھپا کر نکلیں، راستہ دیکھنے کے لئے چادر میں سے صرف ایک آنکھ کھولیں، یا برقع میں جو جالی آنکھوں کے سامنے استعمال کی جاتی ہے وہ لگالیں، ضرورت کے مواقع میں پردہ کا دوسرا درجہ بھی پہلے کی طرح سب علماء وفقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری غزوہ ابی طائف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانی کے برتن میں کلی کر کے حضرت ابوموسیٰ اور بلال رضی اللہ عنہما کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں، اور اپنے چہرے پر مل لیں، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پردہ کے پیچھے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں انہوں نے اندر سے آواز دے کر ان دونوں بزرگوں سے کہا

Marfat.com

کہ اس تبرک میں سے کچھ اپنی ماں یعنی اُمِ سلمہؓ کے لئے چھوڑ دینا۔

یہ حدیث بھی شاہد ہے کہ نزولِ حجاب کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن گھروں اور پردوں کے اندر رہتی تھیں۔

فائدہ: اس روایت میں یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی ایسی ہی شائق تھیں جیسے دوسرے مسلمان، یہ بھی آپ کی ذات اقدس ہی کی خصوصیت تھی ورنہ بیوی سے جو بے تکلف تعلق شوہر کا ہوتا ہے، اس کے ساتھ اس کے تقدس و تعظیم کا یہ درجہ قائم رہنا عادۃً ناممکن ہے۔

اور صحیح بخاری کتاب الادب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ بھی سوار تھیں، راستہ میں اچانک اونٹ کے ٹھوکر لگی، اور ابوطلحہ کے بیان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ سے گر گئے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور عرض کیا اللہ تعالیٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دے آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، تم عورت کی خبر لو، ابوطلحہ نے پہلے تو اپنا چہرہ کپڑے میں چھپایا، پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا تو وہ کھڑی ہو گئیں، پھر اسی طرح پردہ میں مستوران کو سواری پر سوار کیا۔

اس واقعہ میں بھی جو ایک حادثہ کی صورت میں اچانک پیش آیا، صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کا..... پردہ کے معاملہ میں اتنا اہتمام اس کی بڑی اہمیت کا شاہد ہے۔

اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَۃُ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطٰنُ (قال الترمذی هٰذا حديث.حسن صحيح غريب) معنی یہ ہیں کہ "عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے" (یعنی اس کو مسلمانوں میں بُرائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے)۔

اور ابن خزیمہ و ابن حبان نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں، وَاَقْرَبُ مَاتَكُوْنُ مِنْ وَجْهِ رَبِّهَا وَهِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا "یعنی عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو۔"

اس حدیث میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں باہر نہ نکلیں (ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَيْسَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ فِي الْخُرُوْجِ اِلَّا مُضْطَرَّةً (رواہ الطبرانی کذافی الکنز ص ۲۶۳ ج ۸) یعنی عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آ جائے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال فرمایا اَيُّ شَيْءٍ خَيْرٌ لِلْمَرْأَةِ (عورت کے لئے کیا چیز بہتر ہے) صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، پھر جب میں گھر میں گیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا لَا يَرَيْنَ الرِّجَالَ وَلَا يَرَوْنَهُنَّ یعنی عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مرد اُن کو دیکھیں۔ میں نے ان کا یہ جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقل کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صَدَقَتْ اِنَّهَا بِضْعَةٌ مِنِّيْ۔ انہوں نے درست کہا بیشک وہ میرا ایک جُزء ہیں۔

واقعہ اِفک میں جو سبب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جنگل میں رہ جانے کا پیش آیا وہ یہی تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا پردہ صرف برقع چادر ہی کا نہیں تھا بلکہ وہ سفر میں بھی اپنے ہودج (شغدف) میں رہتی تھیں، یہ شغدف ہی اونٹ کے اوپر سوار کر دیا جاتا تھا اور اسی طرح اتارا جاتا تھا، شغدف مسافر کا مثل مکان کے ہوتا ہے، اس واقعہ میں جب قافلہ چلنے لگا تو حسب عادت خادموں نے شغدف کو یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کر دیا کہ اُم المؤمنین اس کے اندر موجود ہیں اور واقعہ یہ تھا کہ وہ اس میں نہیں تھیں، بلکہ طبعی ضرورت کے لئے باہر گئی ہوئی تھیں، اس مغالطہ میں قافلہ روانہ ہو گیا اور اُم المؤمنین جنگل میں تنہا رہ گئیں۔

یہ واقعہ بھی اس بات کا قوی شاہد ہے کہ حجاب شرعی کا مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہی سمجھا تھا کہ عورتیں اپنے مکانوں میں، سفر میں ہوں تو اپنے شغدف میں رہیں، ان کا وجود مردوں کے سامنے نہ آئے، اور جب سفر کی حالت میں حجاب

Marfat.com

اشخاص کا یہ اہتمام تھا تو حضر میں کتنا اہتمام ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اگر کھول کر کہو تم کسی چیز کو یا اُس کو چھپاؤ سو اللہ ہے
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا
ہر چیز کو جاننے والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے کا خیال بھی اللہ دیکھ رہا ہے

یعنی زبان سے کہنا تو کجا دل میں بھی ایسا وسوسہ کبھی نہ لانا۔ اللہ کے سامنے ظاہر و باطن سب یکساں ہے دل کا کوئی بھید اُس سے پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے اللہ (تو بہر حال) ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

یعنی رسول اللہ کو ایذاء یا ان کی بیبیوں سے نکاح (کا ارادہ) ظاہر کرو گے یا دلوں میں چھپائے رکھو گے۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول اس شخص کے حق میں ہوا جس نے رسول اللہ کے بعد حضرت عائشہ سے نکاح کرنے کا ارادہ دل میں پوشیدہ رکھا تھا۔ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے یعنی تم کو اس (ظاہر اور پوشیدہ) گناہ کی سزا دے گا۔

امہات المؤمنین سے نکاح پر وعید

اس تعلیم میں اور امہات المؤمنین سے صراحۃً نکاح کی ممانعت کے بعد برہان بیان کرنے میں مزید زور وعیدِ عذاب اور تخویفِ سزا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی سے نکاح کرنے کا لفظ زبان سے نکالا تھا اس نے اس بات سے توبہ کی اور گناہ کے کفارے میں ایک پردہ آزاد کیا اور جہاد میں سواری کے کام آنے کے لئے دس اونٹ دیئے اور پیدل حج کیا جیسا کہ حضرتِ ابن عباس کے مذکورۂ بالا بیان میں آیا ہے۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول

بغوی نے لکھا جب آیت حجاب نازل ہوگئی تو امہات المومنین کے باپوں بھائیوں اور دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے کہا آئندہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے کلام کریں گے تو پردے کی آڑ سے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ
گناہ نہیں اُن عورتوں کو سامنے ہونے کا اپنے باپوں سے اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے
وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ
اور نہ اپنے بھائی کے بیٹوں سے اور نہ اپنی بہن کے بیٹوں سے
وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
اور نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے ہاتھ کے مملوک سے

محرم مردوں سے پردہ نہیں ہے

اُوپر ازواج مطہرات کے سامنے مردوں کے جانے کی ممانعت ہوئی تھی۔ اب بتلا دیا کہ محارم کا سامنے جانا منع نہیں۔ اس بارہ میں جو حکم عام مستورات کا سورۂ نور میں گزر چکا وہ ہی ازواج مطہرات کا ہے وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کی تشریح ہم سورۂ نور میں کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کر لیا جائے۔

نبی کی بیبیوں پر کوئی گناہ نہیں باپوں سے (بے پردہ باتیں کرنے) میں نہ اپنے بیٹوں سے نہ اپنے بھائیوں سے نہ اپنے بھتیجوں سے نہ اپنے بھانجوں سے نہ اپنی عورتوں سے نہ اپنے مملوک لوگوں سے اور خدا سے ڈرتی رہو اللہ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے۔

چچا اور ماموں کا ذکر آیت میں نہیں کیا کیونکہ بھتیجوں اور بھانجوں کا ذکر کرنے کے بعد دلالت النص سے چچا اور ماموں کا حکم معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ بھتیجوں کے رشتہ سے امہات المومنین پھوپھیاں ہوں گی اور بھانجوں کے رشتہ سے خالائیں اور چچا پھوپھی کا ایک ہی رشتہ ہے اسی طرح ماموں اور خالہ بھی ہم رشتہ ہیں (باپ کا بھائی چچا اور بہن پھوپھی ہوتی ہے اور ماں کا بھائی ماموں اور بہن خالہ ہوتی ہے)

رضاعی رشتوں کے محرم

بخاری نے حضرت عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آیتِ حجاب نازل ہونے کے بعد ابوالقعیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی میں نے کہا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لے لوں گی خود اجازت نہیں دے سکتی۔ ابوالقعیس کے بھائی نے دودھ نہیں پلایا ابوالقعیس کی بیوی نے پلایا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو میں

Marfat.com

نے کہا ابوالقعیس کے بھائی نے میرے پاس اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی مگر آپ کی اجازت کے بغیر میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا فرمایا تم اپنے چچا کو اجازت دے دو میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اس مرد نے دودھ نہیں پلایا بلکہ ابوالقعیس کی بیوی نے پلایا تھا فرمایا تیرا ہاتھ خاک آلود ہو وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دے دے۔ حضرت عروہ نے کہا اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں جن نسبی رشتوں کو تم محرم قرار دیتے ہو انہیں رضاعی رشتوں کو بھی محرم قرار دو۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا
اور ڈرتی رہو اے عورتو اللہ سے بیشک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز

یعنی پردہ کے جو احکام بیان ہوئے اور جو استثناء کیا گیا پوری طرح ملحوظ رکھو ذرا بھی گڑ بڑ نہ ہونے پائے۔ ظاہر و باطن میں حدود اللہ محفوظ رہنی چاہئیں۔ اللہ سے تمہارا کوئی حال چھپا ہوا نہیں يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اللہ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
والو رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور اس کا مفہوم

صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب ہے نبی کی ثناء تعظیم رحمت و عطوفت کے ساتھ پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اُسی کی شان و مرتبہ کے لائق ثناء تعظیم اور رحمت و عطوفت مُراد لیں گے، جیسے کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر مہربان ہے یا ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح کی محبت اور مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے اُس نوعیت کی بیٹے کی باپ پر نہیں اور بھائی کی بھائی پر ان دونوں سے جُداگانہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اللہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں، مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔ آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہیے۔ علماء نے کہا کہ اللہ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار کرنا اور مؤمنین کی صلوٰۃ دُعا کرنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا (یعنی نماز کے تشہد میں جو پڑھا جاتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجئے جو نماز میں پڑھا کریں۔ آپ نے یہ درود شریف تلقین کیا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مجيد. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ. غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجو۔ نبی نے بتلا دیا کہ تمہارا بھیجنا یہ ہے کہ اللہ سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش از بیش رحمتیں ابدالآباد تک نبی پر نازل فرماتا رہے کیونکہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد و نہایت نہیں یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس درخواست پر جو مزید رحمتیں نازل فرمائے وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دی جائیں۔ گویا ہم نے بھیجی ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہ ہی اکیلا ہے کسی بندہ کی کیا طاقت تھی کہ سید الانبیاء کی بارگاہ میں اُن کے رُتبہ کے لائق تحفہ پیش کر سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور اُن کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ اُن پر اُن کے لائق رحمت اُترتی ہے۔ اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اُترتی ہیں مانگنے والے پر۔ اب جس کا جتنا جی چاہے اُتنا حاصل کر لے۔

(تنبیہ) صلوٰۃ علی النبی کے متعلق مزید تفصیلات ان مختصر فوائد میں نہیں سما سکتیں۔ شروح حدیث میں مطالعہ کی جائیں۔ اور اس باب میں شیخ شمس الدین سخاویؒ کا رسالہ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع قابل دید ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بقدر کفایت لکھ دیا ہے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ خدا کا اپنے نبی پر درود بھیجنا اپنے فرشتوں کے سامنے آپ کی ثناء وصفت کا بیان کرنا ہے اور فرشتوں کا درود آپ کے لئے دعا کرنا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی برکت کی دعا۔ اکثر اہلِ علم کا قول ہے کہ خدا کا درود

Marfat.com

رحمت ہے فرشتوں کا درود استغفار ہے۔ عطا فرماتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی صلوٰۃ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بتلائی ہوئی دُعاء

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو اس دعا کا سکھانا بھی مروی ہے۔

اَللّٰھُمَّ دَاحِیَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمُسْمُوْکَاتِ وَ جَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰی فِطْرَتِھَا شَقِیِّھَا وَسَعِیْدِھَا اِجْعَلْ شَرَآئِفَ صَلَوٰتِکَ وَنَوَامِیَ بَرَکَاتِکَ وَفَضَائِلَ اْلَآئِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ الْفَاتِحِ لِمَااُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَاسُبِقَ وَ الْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَیْشَاتِ الْاَبَاطِیْلِ کَمَا حُمِلَ فَاضْطَلَعَ بِاَمْرِکَ بِطَاعَتِکَ مُسْتَوْفِزًا فِیْ مَرْضَاتِکَ غَیْرَ نِکَلٍ فِی قَدَمٍ وَّلَاوَھْنٍ فِیْ عَزْمٍ وَاعِیاً لِّوَحْیِکَ حَافِظًالِعَھْدِکَ مَاضِیاً عَلٰی نِفَاذِ اَمْرِکَ حَتّٰی اَوْرٰی قَبَسًا لِّقَابِسٍ اَلْاٰءُ اللّٰہِ تَصِلُ بِاَھْلِہٖ اَسْبَابُہٗ بِہٖ ھُدِیَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْاِثْمِ وَاَبْھَجَ مُوْضِحَاتِ الْاَعْلَامِ وَنَآئِرَاتِ الْاَحْکَامِ وَمُنِیْرَاتِ الْاِسْلَامِ فَھُوَاَمِیْنُکَ الْمَاْمُوْنُ وَ خَازِنُ عِلْمِکَ الْمُخْزُوْنِ وَشَھِیْدُکَ یَوْمَ الدِّیْنِ وَبَعِیْثُکَ نِعْمَۃً وَّرَسُوْلُکَ بِالْحَقِّ رَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ افْسَحْ لَہٗ فِیْ عَدْنِکَ وَ اجْزِہٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَیْرِ مِنْ فَضْلِکَ لَہٗ مُھَنَّاتٍ بِخَیْرٍ مُکَدَّرَاتٍ مِّنْ فَوْزِ ثَوَابِکَ الْمَعْلُوْلِ وَ جَبرِیَلَ مَطَآئِکَ الْمَحْلُوْلِ اَللّٰھُمَّ اَعْلِ عَلٰی بِنَآءِ النَّاسِ بِنَآءَ ہٗ وَ اَکْرِمْ مَّثْوَاہُ لَدَیْکَ وَنُزُلَہٗ وَاَتْمِمْ لَہٗ نُوْرَہٗ وَاجْزِہٖ مِنِ ابْتِغَآئِکَ لَہٗ مَقْبُوْلَ الشَّھَادَۃِ مَرْضِیَ الْمَقَالَۃِ ذَامَنْطِقٍ عَدْلٍ وَّخُطَّۃَفَصْلٍ وَّحُجَّۃٍ وَبُرْھَانٍ عَظِیْمٍ.

مگر اس کی سند ٹھیک نہیں۔ اس کا راوی سلامہ کندی نہ تو معروف ہے نہ اس کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت یونس بن حباب نے اپنے فارس کے ایک خطبے میں اِس کی تلاوت کی پھر لوگوں کے درود کے طریقے کے سوال کو بیان فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ کَمَا رَحِمْتَ اٰلَ اِبْرَاھِیْمَ کو بھی بیان فرمایا ہے اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے رحم کی دعا بھی ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

درود بھیجنا واجب ہے یا مستحب

بعض کا قول ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپ پر درود واجب ہے۔ پھر مستحب ہے تاکہ آیت کی تعمیل ہو جائے۔ قاضی عیاضؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے وجوب کو بیان فرما کر اسی قول کی تائید کی ہے۔ لیکن طبریؒ فرماتے ہیں کہ آیت سے تو استحباب ہی ثابت ہوتا ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے بہت ممکن ہے کہ ان کا مطلب بھی یہی ہو کہ ایک مرتبہ واجب پھر مستحب جیسے آپ کی نبوت کی گواہی۔ لیکن میں کہتا ہوں بہت سے ایسے اوقات ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا ہمیں حکم ملا ہے لیکن بعض وقت واجب ہے اور بعض جگہ واجب نہیں۔ چنانچہ (۱) اذان سُن کر دیکھئے مسند کی حدیث میں ہے جب تم اذان سُنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو، ایک کے بدلے دس درود اللہ تم پر بھیجے گا پھر میرے لئے وسیلہ مانگو جو جنت کی ایک منزل ہے اور ایک ہی بندہ اس کا مستحق ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سُنو جو میرے لئے وسیلہ کی دُعا کرتا ہے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ پہلے درود کی زکوٰۃ ہونے کی حدیث میں بھی اس کا بیان ہو چکا ہے۔ فرمان ہے کہ جو شخص درود بھیجے اور کہے اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اس کے لئے میری شفاعت قیامت کے دن واجب ہو جائے گی (مسند) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دُعا منقول ہے اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَۃَ مُحَمَّدٍ الْکُبْرٰی وَارْفَعْ دَرَجَتَہُ الْعُلْیَا وَاَعْطِہٖ سُوْلَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی کَمَا اٰتَیْتَ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی عَلَیْھِمُ السَّلَامُ. (۲) مسجد میں جانے اور مسجد نکلنے کے وقت۔ چنانچہ مسند میں ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آل حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں جاتے تو درود وسلام پڑھ کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ پڑھتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلوٰۃ وسلام بھیجنا مسلمانوں پر واجب ہے خواہ عمر میں ایک ہی بار ہو۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی قول ہے طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابنِ ہمام نے کہا امر کا مقتضیٰ قطعی عمر بھر میں ایک بار (تعمیل) ہے کیونکہ امر تکرار کو نہیں چاہتا اور ہم اسی کے قائل ہیں۔

آخری قعدہ میں درود پڑھنا

بعض کا قول ہے کہ ہر نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود

Marfat.com

پڑھنی واجب ہے امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔

رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمۃ میں ہے کہ آخری تشہد میں درود پڑھنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اور مشہور ترین روایت میں امام احمد کا قول آیا ہے کہ درود کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔

ابن ہمام نے اس کو حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ابن جوزی نے کہا اس کی روایت میں جابر ضعیف ہے اور روایت میں اختلاف ہے کبھی موقوفاً بیان کیا ہے کبھی مرفوعاً۔

حاکم اور بیہقی نے بروایت یحییٰ بن سباق قبیلہ بنی حارث کی وساطت سے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھ چکے تو کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَرْحَمْ مُحَمَّدًا وَاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث کے راوی سواء حارثی شخص کے ثقہ ہیں حارثی قابل نظر ہے؛

ابن ہمام نے لکھا ہے حدیث لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ کو تمام اہلِ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے مراد کامل نماز کی نفی ہے (یعنی جس نے مجھ پر نماز کے اندر درود نہیں پڑھی اس کی نماز کامل نہیں ہوئی، یا یہ مطلب ہے کہ جس نے عمر میں ایک بار بھی درود نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔

حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث سے زیادہ قوی حضرت فضالہ بن عبید کی حدیث ہے فضالہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کرتے سنا مگر اس نے رسول اللہ پر درود نہیں پڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے (دعا مانگنے میں) عجلت کی پھر اس کو بلایا اور اس کو نیز دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا تم میں سے جو شخص نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی حمد وثناء کرے پھر مجھ پر درود بھیجے پھر جو کچھ چاہے دعا کرے۔

رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وابن خزیمہ وابن حبان والحاکم ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ فضالہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر کہا اے اللہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما حضور نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے تو نے عجلت کی جب تو نماز پڑھے اور بیٹھ جائے تو (اول) ان صفات کے ساتھ اللہ کی حمد کر جن کا وہ مستحق ہے پھر مجھ پر درود پڑھ پھر اللہ سے دعا کر۔

راوی کا بیان ہے پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجی حضور نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے اب تو دعا کر تیری دعا قبول ہوگی رواہ الترمذی۔ ابوداؤد اور نسائی نے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔ میں کہتا ہوں نماز میں تشہد کے بعد رسول اللہ پر درود پڑھنے کے وجوب پر اس طرح بھی دلیل قائم کی جاسکتی ہے کہ آیت مذکورہ میں جس درود کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد نماز کے اندر درود پڑھنا ہے جیسے آیت وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ میں تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ اور آیت وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ میں قیام سے مراد نماز میں کھڑا ہونا اور آیت وَاسْجُدُ وَارْکَعُوْا میں سجدہ اور رکوع سے مراد نماز میں سجود و رکوع اور آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں قرأت قرآن سے مراد نماز کے اندر قرآن پڑھنا ہے کعب بن عجرہ کی حدیث جس کو بخاری نے نقل کیا ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ پر سلام (کا طریقہ) تو ہم کو معلوم ہے مگر درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے فرمایا کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی محمد الخ یعنی تشہد میں سلام کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو چکا ہے تشہد میں السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھا ہی جاتا ہے مگر درود اس وقت کسی طرح پڑھیں اس سوال کے جواب میں (نماز کے اندر) درود پڑھنے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ اللھم صل علی محمد الخ پڑھا کرو۔ امت اسلامیہ نے بالاتفاق اس حدیث کو تسلیم کیا ہے اور بلا اختلاف تشہد کے بعد درود پڑھنے کی صراحت کی ہے البتہ واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس درود کا حکم آیت مذکورہ میں دیا گیا ہے اس سے مراد تشہد کے بعد نماز کے اندر درود پڑھنا ہے۔

ہر دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود کے واجب ہونے کے دلائل

جو لوگ کہتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے درود پڑھنا واجب ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا تذکرہ آیا ہو اور اس نے

Marfat.com

مجھ پر درود نہ پڑھی ہو اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو کہ اس پر رمضان آ کر گزر بھی جائے اور اس کی مغفرت نہ ہو۔ اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو کہ اس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک اس کی زندگی میں بوڑھے ہو جائیں۔ اور اس شخص کے جنت میں داخلہ کا ذریعہ نہ بنیں (یعنی بیٹا بوڑھے ماں باپ کی خدمت نہ کرے اس لئے وہ ناراض رہیں اور یہ شخص جنت سے محروم ہو جائے) رواہ الترمذی و ابن حبان فی صحیحہ.

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے اور دوزخ میں چلا جائے اللہ اس کو دور رکھے۔

حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے (اور انہوں نے کہا) جس شخص کے سامنے آپ کا تذکرہ ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اور (اس وجہ سے) دوزخ میں داخل ہو جائے پس اللہ اس کو دور رکھے۔ یہ دونوں حدیثیں طبرانی نے نقل کی ہیں۔

ابن سنی نے حضرت جابر کی مرفوع حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھی وہ بدنصیب ہو گیا۔

حضرت علی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے امام احمد نے یہ حدیث حضرت امام حسین کی روایت سے بیان کی ہے۔

طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت امام حسین کی مرفوع روایت اس طرح بیان کی ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ آیا اور اس سے مجھ پر درود پڑھنی چھوٹ گئی اس سے جنت کا راستہ چھوٹ گیا۔ نسائی نے صحیح سند سے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اس کو چاہئے کہ مجھ پر درود پڑھے کیونکہ جو شخص مجھ پر (ایک بار) درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا (یا دس بار رحمت نازل فرمائے گا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی فضیلت و کیفیت

عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کا بیان ہے میری ملاقات حضرت کعب بن عجرہ سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا کیا (حدیث کا) ایک تحفہ میں تم کو پیش نہ کر دوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنی ہے میں نے کہا کیوں نہیں ضرور وہ تحفہ مجھے عنایت فرمایئے کعب نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو سلام کرنا تو اللہ نے ہمیں بتا دیا ہے لیکن آپ (اور آپ کے) اہل بیت پر ہم درود کس طرح پڑھیں فرمایا کہو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَرْحَمْ مُحَمَّدًا وَاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ. (متفق علیہ)

مسلم کی روایت میں دونوں جگہ علیٰ ابراہیم کا لفظ نہیں ہے (صرف علیٰ آلِ ابراہیم ہے) حضرت ابوحمید ساعدی راوی ہیں کہ صحابہ نے کہا رسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں فرمایا کہو۔

اللھم صل علیٰ محمد واَزْواجہٖ وذُرِّیَّتِہٖ کما صلیت علی آل ابراھیم وبارک علیٰ محمد وازواجِہٖ و ذُرِّیتہ کمابارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید. (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک بار مجھ پر درود پڑھے گا اللہ دس بار رحمت اس پر نازل فرمائے گا۔ (رواہ مسلم)

ایک دفعہ درود پر دس رحمتیں

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر ایک درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور دس خطائیں ساقط کرے گا اور دس درجے بلند کرے گا۔ رواہ احمد والبخاری فی الادب والنسائی والحاکم۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا حصول

حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔ (رواہ الترمذی)

سلام پہنچانے والے فرشتے

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے کچھ فرشتے زمین پر گھومتے پھرتے ہیں وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ (رواہ النسائی والداری)

سلام کا جواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں جو کوئی (جب بھی) مجھ

Marfat.com

پر سلام پڑھے گا اللہ میری روح مجھے لوٹا دے گا کہ میں سلام کا جواب دوں گا۔ (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (کہ وہاں نماز نہ پڑھو۔ مترجم) اور نہ میری قبر کو میلہ بنانا۔ اور مجھ پر درود پڑھنا تمہارا درود مجھے پہنچے گا تم جہاں بھی ہو۔

دس رحمتوں اور دس سلامتیوں کا حصول

حضرت ابوطلحہ راوی ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت حضور کے چہرہ پر شگفتگی تھی فرمایا مجھ سے جبرئیل نے آ کر کہا کہ آپ کا رب فرماتا ہے محمد کیا تم اس بات پر خوش نہ ہو گے کہ تمہاری امت میں سے جو کوئی تم پر درود پڑھے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور تمہاری امت میں سے جو کوئی آپ پر سلام پڑھے گا میں دس بار اس پر سلامتی نازل کروں گا رواہ النسائی والدارمی۔

تمام فکر دُور ہو جائیں گے

حضرت اُبی بن کعب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ پر درود بہت پڑھتا ہوں کتنی بار پڑھا کروں فرمایا جتنی (بھی) چاہو میں نے عرض کیا (ذکر خداوندی اور دعا کا) ایک چوتھائی (درود کے لئے مقرر کرلوں) فرمایا جتنا تم چاہو اگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا (کل ذکر کا) آدھا حصہ (درود کو بنالوں فرمایا تم جتنا چاہو (کرلو لیکن) اگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے عرض کیا، کیا دو تہائی فرمایا جتنا چاہو مگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے عرض کیا، کیا میں اپنی ساری دعا آپ کے لئے کردوں فرمایا تو ایسی حالت میں تمہارے سارے فکر دور ہو جائیں گے) کام پورے کر دیئے جائیں گے اور تمہارے گناہ ساقط کر دیئے جائیں گے۔ (رواہ الترمذی)

بھرپور بدلہ

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کو یہ بات (پسند اور) مسرور کرنے والی ہو کہ جب وہ ہم گھر والوں کے لئے دعا کرے تو اس کو بھرپور پیمانہ سے (بدلہ) دیا جائے تو اس کو اس طرح کہنا چاہئے۔ اللھم صل علیٰ محمد النّبیّ الْاُمیّ وَاَزْوَاجِہٖ امھات المؤمنین وذُرّیّتہٖ وَاھلِ بیتہٖ کَمَا صلیّت عَلیٰ ابراھیم انک حمیدٌ مجیدٌ. (رواہ ابوداؤد)

ستر رحمتیں

حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اور اس کے فرشتے ستر رحمتیں اس پر نازل کریں گے۔ (رواہ احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

حضرت رویفع کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر درود پڑھا اور کہا۔ اَللّٰھُمَّ انزلہ المقعد المقرب عندک یوم القیامۃ وجبت لہٗ شفاعتی اے اللہ قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقام قرب عنایت کر اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگئی۔ (رواہ احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) برآمد ہوئے اور ایک نخلستان کے اندر پہنچے وہاں پہنچ کر آپ نے سجدہ کیا اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہو گیا کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہ ہو گئی ہو میں دیکھنے کے لئے (قریب گیا) آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کیا بات ہے میں نے اپنا اندیشہ بیان کر دیا۔ فرمایا جبرئیل نے (آخر) مجھ سے کہا تھا کیا میں آپ کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں کہ اللہ نے آپ کے (اعزاز اور خوش کرنے کے) لئے فرمایا ہے کہ جو شخص آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام پڑھے گا میں اس کو سلامتی عطا کروں گا (رواہ احمد)

دُعاء کی قبولیت

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا دعا آسمان و زمین کے درمیان روک لی جاتی ہے جب تک تم اپنے نبی پر درود نہ پڑھو دعا کا کوئی حصہ اوپر نہیں چڑھنے پاتا۔ (رواہ الترمذی)

جتنا درود اتنی رحمتیں

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نے اپنے باپ کا بیان نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص مجھ پر جتنی درود پڑھتا ہے فرشتے اتنی ہی اس پر رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ اب بندہ کو اختیار رہے کم درود پڑھے یا زیادہ۔ (رواہ البغوی)

احد پہاڑ جتنا ثواب

حضرت علی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص

Marfat.com

مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اس کیلئے ایک قیراط (ثواب) لکھ دیا جاتا ہے اور ایک قیراط کوہ احد کے برابر ہوتا ہے۔ (رواہ عبدالرزاق فی الجامع بسند حسن)

صبح شام دس مرتبہ درود

حضرت ابو درداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح اور شام دس دس مرتبہ درود پڑھے گا اس کو میری شفاعت مل جائے گی۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن)

روئے زمین کے تمام باشندوں کے برابر عمل

حضرت ابو بکر صدیق کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا ایک آدمی نے آ کر سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سلام کا جواب دیا اور کشادہ روئی کے ساتھ اس کو اپنے پہلو میں بیٹھا لیا جب وہ شخص اپنا کام پورا کر کے اُٹھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر روزانہ اس شخص کا عمل باشندگان زمین کے (سارے) اعمال کے برابر اٹھایا جاتا ہے میں نے عرض کیا ایسا کیوں ہے فرمایا جب صبح ہوتی ہے تو یہ شخص دس بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اور اس کا یہ درود ایسا ہوتا ہے جیسے ساری مخلوق کا درود میں نے عرض کیا وہ کیا درود ہے فرمایا وہ کہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ عَدَدَ مَنْ صَلّٰی مِنْ خَلْقِکَ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا یَنْبَغِیْ لَنَا اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْہِ.

گناہوں کی صفائی

حضرت ابو بکر صدیق راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا گناہوں کو اس سے زیادہ مٹا دیتا ہے۔ جتنا پانی آگ کو (بجھاتا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنا گردنیں (یعنی بَردے) آزاد کرنے سے بھی افضل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت (راہ خدا میں اپنا) خونِ دل دینے سے بھی افضل ہے یا فرمایا۔ راہِ خدا میں شمشیر زنی سے بھی افضل ہے۔

وتروں کی دُعاء

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں مجھے حضور نے یہ کلمات سکھائے جنہیں وتروں میں پڑھا کرتا ہوں اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ (اہل السنن)

جمعہ کو درود کی کثرت

نسائی کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ۔ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مسند احمد میں ہے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی میں قبض کئے گئے۔ اسی میں نفخہ ہے اسی میں بے ہوشی ہے پس تم اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو۔ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا، آپ تو زمین میں دفنا دیئے گئے ہوں گے۔ پھر ہمارے درود آپ پر کیسے پیش کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابو داؤد، نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں ہے جمعہ کے دن بہ کثرت درود پڑھو۔ اُس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اُس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک وہ فارغ ہو۔ پوچھا گیا۔ موت کے بعد بھی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو گلانا سڑانا حرام کر دیا ہے نبی اللہ زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں انقطاع ہے۔ عبادہ بن نسی نے حضرت ابو الدرداءؓ کو پایا نہیں، واللہ اعلم بیہقی میں بھی حدیث ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر بہ کثرت درود بھیجو۔ لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ ایک روایت میں ہے اس کا جسم زمین نہیں کھاتی، جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو۔

ابو داؤد میں ہے جو مسلمان مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو لَوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

کتاب میں درود لکھنے کا ثواب

کاتب اس بات کو مستحب جانتے ہیں کہ کاتب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھے صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ لکھے۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے اس کے درود کا ثواب اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ کتاب رہے لیکن کئی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں۔ بلکہ امام ذہبیؒ کے استاد تو اسے موضوع کہتے ہیں یہ حدیث بہت سے طریق سے مروی ہے۔ (ابن کثیر)

انبیاء کے علاوہ کیلئے صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ

کیا انبیاء کے علاوہ دوسروں کیلئے بھی صلوٰۃ وسلام کا استعمال درست ہے؟

Marfat.com

صحیح یہ ہے کہ تنہا غیر انبیاء کے لئے صحیح نہیں ہے اور تبعاً یعنی انبیاء کے ساتھ ملا کر صحیح ہے۔ جس طرح کہ محمد عزوجل کہنا مکروہ ہے باوجود یہ کہ آپ معزز اور جلیل القدر تھے اس کی وجہ یہ ہے عرف میں صلوٰۃ وسلام کا استعمال انبیاء کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ جیسے جَلَّ وَعَزَّ کے لفظ باری تعالیٰ کے لئے خاص کر دیئے گئے ہیں۔ سورہ توبہ کی آیت وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ کی تفسیر کے ذیل میں اس کی مکمل تنقیح ہو چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

نبیوں کے سوا غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنا اگر تبعاً ہو تو بے شک جائز ہے جیسے حدیث میں ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ ہاں صرف غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنے میں اختلاف ہے۔ بعض تو اسے جائز بتلاتے ہیں اور دلیل میں آیت هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ الخ اور اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ اور وَصَلِّ عَلَيْهِمْ پیش کرتے ہیں اور حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ فرماتے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میرے والد آپ کے پاس اپنا صدقے کا مال لائے تو آپ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِىْ اَوْفٰى (صحیحین)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ نہ بھیجنی چاہیے۔ ہاں مسلمان مَردوں عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ بعض لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا کے جمع کرنے کی فکر میں ہیں اور بعض مولوی وعظ میں اپنے خلیفوں اور امیروں کے لئے صلوٰۃ کے وہی الفاظ بولتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے۔ جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو ان سے کہہ دینا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لئے ہے اور عام مسلمانوں کے لئے اس کے سوا جو چاہیں دعا کریں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہر صبح ستر ہزار فرشتے اُتر کر قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پر سمیٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دُعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور ستر ہزار رات کو آتے ہیں۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپ کی قبر مبارک شق ہوگی تو آپ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ (فرع)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ایک ساتھ بھیجنے چاہئیں صرف صلی اللہ علیہ وسلم یا صرف علیہ السلام نہ کہے۔ اس آیت میں بھی دونوں ہی کا حکم ہے۔ پس اَولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ دیکھو خدا کو بیچ میں رکھ کر میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے اصحابؓ کو میرے بعد نشانہ نہ بنا لینا۔ میری محبت کی وجہ سے ان سے بھی محبت رکھنا ان سے بُغض و بر رکھنے والا مجھ سے دشمنی کرنے والا ہے انہیں جس نے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے خدا کو ایذا دی، اور جس نے خدا کو ایذا دی یقین مانو خدا اُس کی بھوسی اُڑا دے گا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے، جو لوگ ایمان داروں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں، جن سے وہ بَری ہیں وہ بڑے بہتان باز ہیں اور زبردست گناہگار ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے تو کفار داخل ہیں۔ پھر رافضی شیعہ جو صحابہؓ پر عیب گیری کرتے ہیں اور خدا نے جن کی تعریفیں کی ہیں یہ انہیں بُرا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ انصار و مہاجرین سے خوش ہے۔ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اُن کی مدح و ستائش موجود ہے لیکن یہ بے خبر کُند ذہن انہیں بُرا کہتے ہیں، ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان میں وہ باتیں بتاتے ہیں جن سے وہ بالکل الگ ہیں۔ حق یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اُن کے دل اندھے ہو گئے ہیں اس لئے ان کی زبانیں بھی اُلٹی چلتی ہیں۔ قابلِ مدح لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور مذمت والوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔

نماز کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دُعاء

صحیحین میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی دعا کی درخواست کی جسے وہ نماز میں پڑھیں تو آپ نے یہ دُعا تعلیم فرمائی اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِىْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِىْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ یعنی خدایا میں نے بہت سے گناہ کئے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی انہیں معاف نہیں کر

Marfat.com

سکتا، پس تو اپنے پاس کی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر، تو بڑا ہی بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صَلوٰۃ وسَلام کا طریقہ

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے صلوٰۃ اور سلام کا سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے (کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَرْحَمْ مُحَمَّدًا وَاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

مسئلہ: اس پر بھی جمہور فقہاء کا اتفاق ہے جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا سُنے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے، جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ یعنی ذلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (قال الترمذی حدیث حسن (رواہ ابن السنی باسناد جید)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ یعنی بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

مسئلہ: اگر ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہوتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار ذکر مبارک خود کرے یا کسی سے سُنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے، حضرات محدثین سے زیادہ کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر سکتا ہے کہ اُن کا ہر وقت کا مشغلہ ہی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں ہر وقت بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے، تمام ائمہ حدیث کا دستور یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ درود سلام پڑھتے اور لکھتے ہیں، تمام کتب حدیث اس پر شاہد ہیں۔ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ اس تکرار صلوٰۃ وسلام سے کتاب کی ضخامت کافی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آتی ہیں جن میں ایک دو سطر کے بعد نامِ مبارک آتا ہے، اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نامِ مبارک مذکور ہوتا ہے، حضرات محدثین کہیں صلوٰۃ وسلام ترک نہیں کرتے۔

مسئلہ: ذکر مبارک کے وقت افضل واعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں پڑھے اور لکھے جائیں، لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک یعنی صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں، شیخ الاسلام نووی وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ فرمایا ہے، ابن حجر ہیثمی نے فرمایا کہ ان کی مراد کراہت سے خلاف اَولیٰ ہونا ہے جس کو اصطلاح میں مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے، اور علماء امت کا مسلسل عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ دونوں ہی کو جمع کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں۔

مسئلہ: لفظ صلوٰۃ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے لئے استعمال کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

جس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو تو وہاں ایک بار واجب ہے اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔

فائدہ: امت کی طرف سے جو صلاۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور پرنور کے احسان کی مکافات نہیں بلکہ ایک فقیرانہ ہدیہ ہے جو شاہ رسالت کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علام ص ۳۱۵ ج ۳۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی
جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو اُن کو پھٹکارا اللہ نے
الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا
دنیا میں اور آخرت میں اور تیار رکھا ہے اُن کے واسطے وقت کا عذاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی سزا

اوپر مسلمانوں کو حکم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب نہ بنیں بلکہ اُن کی انتہائی تعظیم وتکریم کریں جس کی ایک صورت صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اب بتلایا کہ اللہ ورسول کو ایذاء دینے والے دنیا

Marfat.com

وآخرت میں ملعون ومطرود اور سخت رسوا کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔اللہ کو ستانا یہ ہی ہے کہ اُس کے پیغمبروں کو ستائیں یا اُس کی جناب میں نالائق باتیں کہیں۔(تفسیر عثمانی)

یہودی اور عیسائیوں کی ایذاء رسانی

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ بے شک جو لوگ اللہ کو اذیت دیتے ہیں۔بغوی نے لکھا ہے ان لوگوں سے مراد ہیں یہودی، عیسائی اور مشرک یہودی تو کہتے تھے عُزَیْرُ اِبْنُ اللّٰہِ اور یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ اور اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ اور عیسائی کہتے تھے المسیح ابن اللہ اور کہتے تھے اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ اور مشرک کہتے تھے ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور بت (معبود ہونے میں) اللہ کے ساجھی ہیں۔

ابن آدم کی نالائقی

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے آدم کے بیٹے نے میری تکذیب کی اور اس کو ایسا کرنا جائز نہ تھا اور آدم کے بیٹے نے مجھے گالی دی اور اس کے لئے یہ جائز نہ تھا میری تکذیب تو یہ ہوئی کہ وہ کہتا ہے جس طرح خدا نے مجھے پہلی بار پیدا کیا ایسا دوبارہ نہیں کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے آسان نہیں ہے۔اور میرے لئے گالی یہ ہوئی کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنی اولاد بنائی ہے حالانکہ میں احد ہوں بے نیاز ہوں نہ کسی کا والد ہوں نہ کسی کا مولود میرا کفو کوئی نہیں۔

حضرت ابن عباس کی روایت اس طرح ہے اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ (میرے متعلق) کہتا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو اپنی بیوی بناؤں یا اولاد۔(رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے

آدم کا بیٹا دہر (زمانہ) کو گالی دے کر مجھے دکھ دیتا ہے حالانکہ میں ہی دہر (کا حکمران) ہوں میرے ہی ہاتھوں میں حکم دینا ہے۔میں ہی رات دن کو الٹ پلٹ کرتا ہوں۔(متفق علیہ)

بعض نے کہا اللہ کو اذیت پہنچانے سے مراد ہے اللہ کے اسماء و صفات میں کج روی اختیار کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء کی صورتیں

وَرَسُوْلَہٗ اور اس کے رسول کو۔حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگوں نے اللہ کے رسول کے چہرہ کو زخمی کر دیا حضور کا دانت توڑ دیا کسی نے ساحر کہا کسی نے شاعر کسی نے دیوانہ پاگل (یہ سب اللہ کے رسول کو ایذا دینے کی صورتیں تھیں) یہ تشریح ان لوگوں کی نظر میں صحیح ہوگی جو (ایک وقت میں) ایک لفظ کا دو معنی پر اطلاق جائز قرار دیتے ہیں۔(اللہ کو ایذا پہنچانے کا مفہوم کچھ اور ہے اور اللہ کے رسول کو دکھ دینے کا مطلب اور ہے اور لفظ یوذون ایک ہی ہے) جمہور کے نزدیک (یوذون کا ایک ہی معنی مراد ہے)

اللہ کو ایذاء دینے کا مطلب

مطلب یہ ہے کہ ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہیں۔یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایذاء خدا کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے کیا گیا ہو یُؤذونَ اللہ کا معنی یُوذون رسول اللہ ہی ہو گویا جس نے اللہ کے رسول کو دکھ پہنچایا اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی۔

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کی فضیلت

ابن ابی حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابنِ عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ بنت حیی کو (بی بی) بنا لیا تو کچھ لوگوں نے آپ کو مطعون کیا انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

جویبر نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباس کا یہ بیان نقل کیا کہ عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ان لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا وہ شخص جو مجھے اذیت پہنچاتا ہے اور مجھے اذیت پہنچانے والوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے اس کی طرف سے میرے سامنے کون عذر خواہی کر سکتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے ولیوں سے محبت

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے کہ جو (میرے) کسی ولی کی اہانت کرتا ہے دوسری روایت کا لفظ ہے جو (میرے) ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ جنگ

Marfat.com

کے لئے میرے مقابلہ پر آتا ہے۔ اور جو کام میں کرنے والا ہوتا ہوں اس میں مجھے (کبھی) اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا تردد اپنے مومن بندو کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے کہ وہ مرنا پسند نہیں کرتا اور میں اس کو ناراض کرنا نہیں چاہتا اور مرنا اس کے لئے لازم ہوتا ہے۔ میرے مومن بندہ کو میرا قرب (کسی عمل سے) اتنا حاصل نہیں ہوتا جتنا دنیا سے بے رغبت رہنے سے ہوتا ہے۔ اور بندۂ مومن میری کوئی عبادت ایسی نہیں کرتا جیسی میرے عائد کئے ہوئے فرض کو ادا کر کے کرتا ہے۔ (یعنی فرض کی ادائیگی سب سے بڑی عبادت ہے اس کی برابر کوئی عبادت نہیں۔ مترجم رواہ البخاری۔

حضرت ابو ہریرہ اس بیانِ نبوی کے راوی ہیں کہ اللہ فرمائے گا اے ابن آدم میں بیمار ہوا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو رب العالمین ہے (ہر بیماری سے پاک ہے) اللہ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، الی الآخر الحدیث۔ (رواہ مسلم)

میں کہتا ہوں کہ جب اولیاء سے دشمنی اللہ سے دشمنی اور جنگ ہے اور اپنے اولیاء کی بیماری کو اللہ نے اپنا مرض قرار دیا ہے، حالانکہ وہ ان تمام حوادث سے پاک اور بالا ہے تو اس کی وجہ اللہ کے ساتھ اولیاء کا وہ وصل ہے جو ہر کیفیت سے پاک ہے جب (عام) اولیاء کی یہ حالت ہے تو ایذاء رسول کو ایذاء خدا کہنا تو بدرجہ اولیٰ مناسب اور صحیح ہے۔

توہین رسالت کے مجرم کی سزا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، دین، نسب یا حضور کی کسی صفت پر طعن کرنا اور صراحۃً یا کنایۃً یا اشارۃً یا بطور تعریض آپ پر نکتہ چینی کرنا اور عیب نکالنا کفر ہے ایسے شخص پر دونوں جہاں میں اللہ کی لعنت۔ دنیوی سزا سے اس کو توبہ بھی نہیں بچا سکتی، ابن ہمام نے لکھا ہے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دل میں نفرت کرے وہ مرتد ہو جائے گا۔ بُرا کہنا تو بدرجہ اولیٰ مرتد بنا دیتا ہے اگر اس کے بعد توبہ بھی کرے تو قتل کی سزا ساقط نہیں ہو سکتی۔ اہل فقہ نے لکھا ہے یہ قول علماء کوفہ (امام ابو حنیفہ صاحبین وغیرہ) اور امام مالک کا ہے ایک روایت میں حضرت ابو بکرؓ کا بھی یہ فتویٰ منقول ہے۔

یہ سزا بہر حال دی جائے گی، خواہ وہ اپنے قصور کا اقرار کر لے اور تائب ہو کر آئے یا منکر جرم ہو اور شہادت سے ثبوت ہو جائے دوسرے موجبات کفر کا اگر انکار کر دے خواہ شہادت ثبوت موجود ہو تو انکار معتبر ہوگا۔ علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ نشہ کی حالت میں بھی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنے کے جرم کا ارتکاب کیا ہو تب بھی اس کو معاف نہیں کیا جائے گا ضرور قتل کیا جائے گا۔ ہاں نشہ کی حالت کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اس نے خود اپنے اختیار سے بغیر جبر و اکراہ کے ممنوع طریقہ سے نشہ آور چیز کھائی پی ہو اگر ارتکاب منشی اپنے اختیار سے نہ کیا ہو تو ایسا مدہوش آدمی پاگل کے حکم میں ہے (اس کو سزا نہیں دی جائے گی)۔

خطابی نے لکھا ہے، میں نہیں جانتا کہ ایسے شخص کے واجب القتل ہونے میں کسی نے اختلاف کیا ہو، ہاں اگر اللہ کے معاملہ میں کسی کا قتل واجب ہو جائے تو توبہ کرنے سے سزائے قتل ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح کوئی مست نشہ میں مدہوش آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کے علاوہ کوئی اور کلمۂ کفر زبان سے نکال دے تو خواہ اس نے باختیارِ خود بغیر جبر و اکراہ کے ممنوع طریقہ سے نشہ کیا ہو، پھر بھی اس کو مرتد نہیں قرار دیا جائے گا۔

کامل مسلمان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے ظلم و ایذاء) سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے کہ لوگوں کو اپنے جان و مال کا اس کی طرف سے اندیشہ نہ ہو۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

عبداللہ بن اُبی منافق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینی (یعنی زنا کی تہمت لگائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی گالی دینی ہے (کیونکہ ام المومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی تھیں) عرفاً بھی اور عقلاً بھی اور روایت کے لحاظ سے بھی جو بیر نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم نے فرمایا مجھ سے اس شخص کی طرف سے کون عذر خواہی کرے گا جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے اور مجھے ایذاء دینے والوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے۔ یعنی عبداللہ بن اُبی جس نے حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائی تھی۔ بعض لوگوں کا جو قول ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہؓ کے متعلق نازل ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ سے اِثْمًا مُّبِیْنًا تک پوری آیت آپ کے متعلق نازل ہوئی صرف آخری آیت کا نزول مراد نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اسی طرح جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ پہنچایا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (اے علی رضی اللہ عنہ) تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین عن البراء بن عازب)

آوارہ گرد منافق

ضحاک اور کلبی کا بیان ہے کہ آیت کا نزول ان زنا کاروں کے حق میں ہوا جو منافق تھے راتوں کو مدینہ کے راستوں میں گھوما کرتے تھے جب رات کو عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے باہر نکل کر (جنگل کی طرف) جاتی تھیں تو راستہ میں یہ ان کو دباتے تھے اگر عورتیں خاموش رہتی تھیں تو یہ ان کے پیچھے لگ جاتے تھے اور اگر وہ جھڑک دیتی تھیں تو یہ رک جاتے تھے حقیقت میں ان کا مقصد ہوتا تھا باندیوں کو چھیڑنا لیکن لباس چونکہ باندی اور آزاد عورت کا ایک ہی جیسا ہوتا تھا کرتہ اور اُوڑھنی پہن کر سب ہی نکلتی تھیں اس لئے ان کو شناخت نہیں ہوتی تھی کہ کون باندی ہے اور کون آزاد عورت اس لئے آزاد عورتیں اس زد میں آجاتی تھیں۔ عورتوں نے اس کی شکایت اپنے شوہروں سے کی اور شوہروں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پھر اگلی آیت میں آزاد عورتوں کو باندیوں جیسا لباس پہن کر نکلنے کی ممانعت کر دی گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا
اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کے
فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا
تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا

بہتان تراش منافق

یہ منافق تھے جو پیٹھ پیچھے بدگوئی کرتے رُسول کی، یا آپ کی ازواج طاہرات پر جھوٹ طوفان اُٹھاتے جیسا کہ سورۂ نور میں گزر چکا۔ آگے بعض ایذاؤں کے انسداد کا بندوبست کیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کو اُن کی طرف سے پہنچتی تھیں۔ روایات میں ہے کہ مسلمان مستورات جب ضروریات کے لئے باہر نکلتیں، بدمعاش منافق تاک میں رہتے۔ اور چھیڑ چھاڑ کرتے پھر پکڑے جاتے تو کہتے ہم نے سمجھا نہیں تھا کہ کوئی شریف عورت ہے۔ لونڈی باندی سمجھ کر چھیڑ دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ
اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو
وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ
اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکائیں اپنے اوپر
مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ
تھوڑی سی اپنی چادریں

پردہ کا حکم

یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیویں۔ روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیے۔ لونڈی باندیوں کو ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اس کا مکلف نہیں کیا۔ کیونکہ کاروبار میں حرج عظیم واقع ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ نیچے کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔

جلابیب جلباب کی جمع ہے جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت دوپٹے اور کرتے کے اوپر سے لپیٹ لیتی ہے۔

Marfat.com

عورت پردہ کر کے ضروری کام کیلئے گھر سے باہر جا سکتی ہے

بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حکمِ حجاب کے بعد سودہ قضائے حاجت کے لئے نکلیں عورت ڈیل ڈول کی تھیں جو ان کو پہچانتا تھا اس کے لئے (باوجود چہرہ پوشیدہ ہونے کے) مخفی نہیں ہو سکتی تھیں چنانچہ عمر بن خطاب نے (ظاہری قد اور جسامت) دیکھتے ہی پہچان لیا اور آواز دے کر کہا سودہ تم کس طرح نکل رہی ہو اس کو دیکھ لو ہم سے خدا کی قسم تم چھپ نہیں سکتیں (ہم نے تمہیں پہچان لیا) سودہ فوراً لوٹ پڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے گھر میں شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے ہڈی ہاتھ میں تھی سودہ اندر آ گئیں اور کہا یا رسول اللہ میں اپنے کسی کام سے باہر نکلی تھی عمر نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہڈی موجود ہی تھی آپ نے اس کو ہاتھ سے رکھا بھی نہ تھا کہ وحی آنے لگی۔ وحی کے ختم ہونے کے بعد آپ نے فرمایا تم عورتوں کو اجازت دے دی گئی کہ تم باہر اپنے کام سے نکل سکتی ہو۔

میں کہتا ہوں، مراد یہ ہے کہ چادر اوڑھ کر نکل سکتی ہو۔

پردہ کا طریقہ

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا، مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے سروں اور چہروں کو چادروں سے ڈھانک کر نکلیں صرف ایک آنکھ کھلی رہے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ آزاد بیبیاں ہیں باندیاں نہیں ہیں) مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکائیں۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں

اس آیت میں جو لفظ بنات تک آیا ہے وہ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں مگر روافض خوافض۔ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کو اولاد رسول سے خارج سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کا نکاح حضرت عثمان سے ہوا تھا۔ ان کا یہ خیال سراپا اختلال صریح نص قرآنی کے خلاف ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ضرورت کے مواقع میں جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو، یہ سورۂ احزاب کی اس آیت سے ثابت ہے جو آگے آ رہی ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور بنات طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب استعمال کریں جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے۔ (روی ذٰلک عن ابن عباسؓ)

چادر اوڑھنے کی صورت

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے استعمالِ جلباب کی صورت یہ نقل کی ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو اور چہرہ اور ناک بھی اس سے مستور ہو، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے کھلی ہو، اس آیت کی پوری تفسیر آگے آتی ہے، یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ ضرورت کے وقت جب عورت گھر سے نکلنے پر مجبور ہو تو اس کو پردہ کا یہ درجہ اختیار کرنا ضروری ہے کہ جلباب وغیرہ میں سر سے پاؤں تک مستور ہو اور چہرہ بھی بجز ایک آنکھ کے چھپا ہوا ہو۔

باہر نکلنے کیلئے پردہ کے علاوہ شرطیں

یہ صورت بھی باتفاق فقہاءِ اُمت ضرورت کے وقت جائز ہے، مگر احادیث صحیحہ میں اس صورت کے اختیار کرنے پر بھی چند پابندیاں عائد کی ہیں، کہ خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو بجنے والا کوئی زیور نہ پہنا ہو، راستہ کے کنارے پر چلے، مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو وغیرہ۔

جوان عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کی طرف دیکھنا ممنوع ہے

حدیث میں حضرت فضل کو ایک عورت کی طرف دیکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے دوسری طرف پھیر دینا اس کی واضح دلیل ہے تو اس زمانہ فساد میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس خطرے سے خالی ہے متأخرین فقہاء حنفیہ نے بھی بالآخر وہ ہی حکم دے دیا جو ائمہ ثلاثہ نے دیا تھا، کہ جوان عورت کے چہرے یا ہتھیلیوں کی طرف بھی نظر ممنوع ہے۔

پردہ کے دو درجے

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اب باتفاق ائمہ اربعہ یہ تیسرا درجہ پردہ کا ممنوع ہو گیا کہ عورت برقع چادر وغیرہ میں پورے بدن کو چھپا کر مگر

Marfat.com

صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھول کر مردوں کے سامنے آئے، اس لئے اب پردے کے صرف پہلے ہی دو درجے رہ گئے، ایک اصل مقصود یعنی عورتوں کا گھروں کے اندر رہنا بلاضرورت باہر نہ نکلنا، اور دوسرا یعنی برقع وغیرہ کے ساتھ نکلنا ضرورت کی بناء پر بوقت ضرورت وبقدر ضرورت۔

مسئلہ: پردہ کے احکام مذکورہ میں بعض صورتیں مستثنیٰ بھی ہیں، مثلاً بعض مرد یعنی محارم پردہ سے مستثنیٰ ہیں اور بعض عورتیں مثلاً بہت بوڑھی وہ بھی پردے کے عام حکم سے کسی قدر مستثنیٰ ہیں، ان کی تفصیل کچھ تو سورۂ نور میں گزر چکی ہے کچھ آگے سُورۂ احزاب کی ان آیات میں آئے گی جن میں یہ استثناء مذکور ہے۔

پردہ کے مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر اپنے رسالہ تفصیل الخطاب فی احکام الحجاب کا کچھ خلاصہ یہاں لکھ دیا ہے جو عوام کے لئے کافی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ
اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی اُن کو نہ ستائے
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

آزاد عورتوں کا امتیاز

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی پہچانی پڑیں کہ لونڈی نہیں بی بی ہے صاحب ناموس، بدذات نہیں نیک بخت ہے، تو بدنیت لوگ اُس سے نہ اُلجھیں۔ گھونگھٹ اُس کا نشان رکھ دیا۔ یہ حکم بہتری کا ہے۔ آگے فرما دیا اللہ ہے بخشنے والا مہربان یعنی باوجود اہتمام کے کچھ تقصیر رہ جائے تو اللہ کی مہربانی سے بخشش کی توقع ہے۔ (تکمیل) یہ تو آزاد عورتوں کے متعلق انتظام تھا کہ انہیں پہچان کر ہر ایک کا حوصلہ چھیڑنے کا نہ ہو۔ اور جھوٹے عذر کرنے کا موقع نہ رہے۔ آگے عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دی ہے خواہ بی بی سے ہو یا لونڈی سے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی جو کچھ پہلے ہو چکا اللہ اس کو معاف کرنے والا ہے اور اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ بندوں کے مصالح کا لحاظ رکھتا ہے یہاں تک کہ جزئی جزئی مسائل میں بھی بندوں کی مصلحتوں کی پاسداری کرتا ہے۔

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک نقاب پوش باندی حضرت عمرؓ کی طرف سے گزری آپ نے اس کا پردہ اُٹھایا اور فرمایا کیا کمینی تو آزاد عورتوں جیسی بنتی ہے۔ پھر اس کا نقاب پھینک دیا۔ (تفسیر مظہری)

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے

یعنی جن کو بدنظری اور شہوت پرستی کا روگ لگا ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ
اور جھوٹی خبریں اُڑانے والے مدینہ میں

منافقوں فتنہ پردازوں کو تنبیہ

یہ غالباً یہود ہیں جو اکثر جھوٹی خبریں اُڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتے تھے اور ممکن ہے منافق ہی مُراد ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اگر منافق اپنے نفاق سے اور عورتوں کو چھیڑنے سے باز نہ آئے اور جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری ہے وہ اپنے مذہبی عدم استقلال یا بدکاریوں سے باز نہ آئے اور مدینہ میں سنسنی پیدا کر دینے والے اپنی سنسنی خیز جھوٹی خبروں کو پھیلانے سے باز نہ آئے۔ رجفۃ کا معنی زلزلہ اور حرکت کا شدید اضطراب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجی دستوں کو (اِدھر اُدھر قبائل میں) بھیجتے تھے تو کچھ منافق مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلاتے تھے کبھی کہتے جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ مارے گئے یا شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے، کبھی کہتے عنقریب دشمن مسلمانوں پر مدینہ میں حملہ کرنے والا ہے کلبی نے کہا وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی بری بات پھیل جائے وہ جھوٹی خبریں اڑاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

منافقوں کی ایذائیں اور ان کا سدّ باب

منافقین کی طرف سے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو طرح کی ایذائیں پہنچتی تھیں ان دونوں ایذاؤں میں ایک یہ تھی کہ منافقین کے نکلتیں چھیڑا کرتے تھے، اور کبھی کنیزوں کو جب وہ کام کاج کے لئے باہر نکلتیں چھیڑا کرتے تھے، اور کبھی کنیزوں کے شبہ میں حرائر کو ستاتے تھے، جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچتی تھی۔

Marfat.com

دوسری ایذاء یہ تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ جھوٹی خبریں اڑاتے تھے کہ اب فلاں غنیم مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے وہ سب کو ختم کر دے گا، آیات مذکورہ میں پہلی ایذاء سے حرائر (آزاد، بیبیوں) کو بچانے کا فوری اور سہل انتظام یہ ہوسکتا تھا کہ ان کو یہ لوگ ان کے خاندان کی وجاہت اور حمایت کی وجہ سے بالقصد چھیڑنے کی جرأت نہ کرتے تھے، شریعتِ اسلام نے حرائر اور کنیزوں کے پردۂ شرعی میں بضرورت ایک فرق بھی رکھا ہے کہ کنیزوں کا شرعی پردہ وہ ہے جو حرائر کا اپنے محرموں کے سامنے ہوتا ہے کہ مثلاً چہرہ وغیرہ کھولنا جو حرائر کے لئے اپنے محرموں کے سامنے جائز ہے، کنیزوں کے لئے باہر بھی اس کی اجازت اس لئے دی گئی کہ ان کا کام ہی اپنے آقا اور اس کے گھر کی خدمت ہے جس میں اس کو باہر بھی بار بار نکلنا پڑتا ہے، اور چہرہ اور ہاتھ مستور رکھنا مشکل ہوتا ہے، بخلاف حرائر کے کہ ان کو کسی ضرورت سے باہر نکلنا بھی پڑے تو کبھی کبھی ہوگا جس میں پورے پردے کی رعایت مشکل نہیں، اس لئے حرائر کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ لمبی چادر جس میں مستور ہو کر نکلتی ہیں اس کو اپنے سر پر سے چہرے کے سامنے لٹکا لیا کریں تاکہ چہرہ اجنبی مردوں کے سامنے نہ آئے اس سے ان کا پردہ بھی مکمل ہو گیا، اور باندیوں کنیزوں سے امتیاز خاص بھی ہو گیا، کا انتظام ان منافقین کو سزا کی وعید سُنا کر کیا گیا کہ اس سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی اپنے نبی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوائیں گے، اور امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سلمانیؒ سے اس آیت کا مطلب اور جلباب کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے سر کے اوپر سے چادر .....چہرہ پر لٹکا کر چہرہ چھپا لیا، اور صرف بائیں آنکھ کھلی رکھ کر اَدْنَاء وجَلْبَابُ کی تفسیر عملاً بیان فرمائی۔

چنانچہ جس وقت سورۂ توبہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد نام بنام فرمایا۔ اے فلانے تو کھڑا ہو اور نکل جا۔ تو منافق ہے پھر ان منافقوں کے قرابت دار جو مؤمنین صالحین تھے اٹھے اور اُٹھ کر ان منافقین کو ذلت و خواری کے ساتھ مسجد سے نکال دیا۔ تفسیر قرطبی ص ۲۴۷ ج ۱۴ (معارف کاندھلوی)

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا
تو ہم لگا دیئے تجھ کو اُن کے پیچھے پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں

مَّلْعُونِينَ ۖ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا
پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے

فسادیوں کا قلع قمع

یعنی اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے تا چند روز میں ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں، اور جتنے دن رہیں، ذلیل و مرعوب ہو کر رہیں چنانچہ یہود نکالے گئے اور منافقوں نے دھمکی سُن کر شاید اپنا رویہ بدل دیا ہوگا اس لئے سزا سے بچے رہتے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ جو لوگ بدنیت تھے مدینہ میں عورتوں کو چھیڑتے، ٹوکتے اور جھوٹی خبریں اُڑاتے، مخالفوں کے زور اور مسلمانوں کے ضعف و شکست کی۔ اُن کو یہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ تو ہم ضرور آپ کو ان کے خلاف برانگیختہ کر دیں گے یعنی حکم دے دیں گے کہ آپ ان سے قتال کریں اور ان کو جلاوطن کر دیں یا ایسی بات کا حکم دے دیں گے جس کی وجہ سے وہ دیش بدر ہونے کی خواہش پر مجبور ہو جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

کفار کے لئے قانون

اوّل ان کو دعوتِ اسلام دی جائے ان کو شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اس پر بھی وہ اسلام نہ لائیں تو مسلمانوں کے تابع ذمی بن کر رہنے کا حکم دیا جائے، اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں ہی کی طرح فرض ہو جاتی ہے، ہاں جو اس کو بھی قبول نہ کریں اور جنگ ہی پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے کا حکم ہے۔

منافق و مرتد کی سزا

اس آیت میں ان لوگوں کو مطلقاً قید و قتل کی سزا سنائی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ منافقین کا تھا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، اور جب کوئی مسلمان احکامِ اسلام کی کھلی مخالفت اور انکار کرنے لگے تو وہ اصطلاحِ شرع میں مرتد کہلاتا ہے، اس کے ساتھ شریعتِ اسلام میں کوئی مصالحت نہیں، بجز اس کے کہ وہ تائب ہو کر پھر مسلمان ہو جائے، اور احکامِ اسلام کو قولاً و عملاً تسلیم کر لے ورنہ پھر اس کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی تعامل سے ثابت ہے، مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کے خلاف باجماع صحابہ جنگ و جہاد اور مسیلمہ کا قتل اس کی کافی شہادت ہے، اور آخر آیت میں اس کو اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت و دستور قرار دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین کی شرائع میں بھی مرتد کی سزا قتل ہی تھی۔

ایذاء رساں افواہیں پھیلانا حرام ہے

مسلمانوں میں ایسی افواہیں پھیلانا حرام ہے جن سے ان کو تشویش اور پریشانی ہو اور نقصان پہنچے۔ (معارف مفتی اعظم)

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ
دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا اُن لوگوں میں پہلے ہو چکے ہیں
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا
اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی

اللہ تعالیٰ کا قانون

یعنی عادت اللہ یہ ہی رہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنہوں نے شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلائے اسی طرح ذلیل وخوار، یا ہلاک کئے گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی یہ حکم ہوا ہے کہ مفسدوں کو اپنے درمیان سے نکال باہر کرو۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ "تورات" سے نقل فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اقوامِ گذشتہ کا حال دیکھ لو

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اقوام گزشتہ میں اللہ نے (یہی) ضابطہ جاری کر دیا تھا۔ یعنی جو لوگ انبیاء سے منافقانہ سلوک کرتے تھے اور سنسنی خیز خبریں پھیلا کر انبیاء کے مشن کو کمزور کرنا چاہتے تھے ان کو قتل کرنے کا ضابطہ اللہ نے مقرر کر دیا تھا۔

دستورِ الٰہی اٹل ہے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اور اللہ کے ضابطہ میں آپ ہرگز تبدیل نہیں پائیں گے یعنی نہ وہ خود اپنا دستور بدلتا ہے اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ اس کے ضابطے کو بدل دے۔ (تفسیر مظہری)

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو تو کہہ اُس کی خبر ہے
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا
اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو

قیام قیامت کا علم

گو قیامت کے وقت کی ٹھیک تعیین کر کے اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ مگر یہاں اُس کے قرب کی طرف اشارہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی اُٹھا کر فرمایا اَنَاوَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ. (میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں) یعنی بیچ کی انگلی جس قدر آگے نکلی ہوئی ہے میں قیامت سے بس اتنا پہلے آ گیا ہوں قیامت بہت قریب لگی چلی آ رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ شاید یہ بھی منافقوں نے ہٹ کھنڈا پکڑا ہوگا کہ جس چیز کا (دنیا میں کسی کے پاس) جواب نہیں وہ ہی بار بار سوال کریں۔ اس پر یہاں ذکر کر دیا۔ اور ممکن ہے پہلے جو فرمایا تھا لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا اس پر بطور تکذیب واستہزاء کے کہتے ہوں گے کہ وہ قیامت اور آخرت کب آئے گی جس کی دھمکیاں دی جاتی ہیں؟ آخر اس کا کچھ وقت تو بتاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ آپ کہہ دیجئے کہ قیامت (کی تعیین) کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ یعنی قیامت کا علم اللہ نے نہ کسی نبی کو عطا کیا نہ فرشتہ کو۔ (اُس کے سوا کسی کو معلوم نہیں) (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا
بیشک اللہ نے پھٹکار دیا ہے منکروں کو اور رکھی ہے اُن کے واسطے دہکتی ہوئی آگ

ملعون گروہ کا عذاب

اسی پھٹکار کا اثر ہے کہ لاطائل سوالات کرتے ہیں، انجام کی فکر نہیں کرتے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا
رہا کریں اس میں ہمیشہ نہ پائیں کوئی حمایتی اور نہ مددگار
يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ
جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے اُن کے منہ آگ میں

یعنی اوندھے مُنہ ڈال کر اُن کے چہروں کو آگ میں اُلٹ پلٹ کیا

Marfat.com

جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ جس روز کہ آگ کے اندر ان کے چہروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ جیسا کہ گوشت کے بھوننے کے وقت کیا جاتا ہے۔ وجوہ (چہرے) سے مراد یا تو پورا جسم ہے (جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے) یا چہرہ کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا ہے کہ جسم کے سارے اعضاء (ظاہری) میں چہرے کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا
کہیں گے کیا اچھا ہوتا جو ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا

آخرت کی حسرت

اُس وقت حسرت کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ و رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا
اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا
فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ
پھر انہوں نے چکا دیا ہم کو راہ سے اے رب اُن کو دے دونا
مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا
عذاب اور پھٹکار اُن کو بڑی پھٹکار

یہ شدت غیظ سے کہیں گے کہ ہمارے ان دنیوی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے دھوکے دے کر جھوٹ فریب کہہ کر اس مصیبت میں پھنسوایا۔ ان ہی کے اغواء پر ہم راہِ حق سے بھٹکے رہے۔ اگر ہمیں سزا دے جاتی ہے تو ان کو دوگنی سزا دیجئے۔ اور جو پھٹکار ہم پر ہے اس سے بڑی پھٹکار ان بڑوں پر پڑنی چاہیے۔ گویا اُن کو دوگنی سزا دلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔ اسی مضمون کی ایک آیت سورۃ اعراف کے چوتھے رکوع میں گزر چکی ہے۔ وہیں اُن کی اس فریاد کو جواب بھی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى
اے ایمان والو تم مت ہو اُن جیسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو

فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا
پھر بے عیب دکھلا دیا اُس کو اللہ نے اُن کے کہنے سے اور تھا اللہ کے یہاں آبرو والا

بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو

یعنی تم ایسا کوئی کام یا کوئی بات نہ کرنا جس سے تمہارے نبی کو ایذاء پہنچے۔ نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اللہ کے ہاں اُن کی بڑی آبرو ہے وہ سب اذیت دہ باتوں کو رد کر دے گا ہاں تمہاری عاقبت خراب ہو گی۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت لوگوں نے کیسی اذیت دہ باتیں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی وجاہت و مقبولیت کی وجہ سے سب کا ابطال فرما دیا اور موسیٰ کا بے خطا اور بے داغ ہونا ثابت کر دیا۔ روایات میں ہے کہ بعض مفسد حضرت موسیٰ کو تہمت لگانے لگے کہ حضرت ہارون کو جنگل میں لے جا کر قتل کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خارق عادت طریقہ سے اُس کی تردید کر دی۔ اور صحیحین میں ہے کہ حضرت موسیٰ حیا کی وجہ سے (ابنائے زمانہ کے دستور کے خلاف) چھپ کر غسل کرتے تھے، لوگوں نے کہا کہ ان کے بدن میں کچھ عیب ہے، برص کا داغ یا خصیہ پھولا ہوا۔ ایک روز حضرت موسیٰ اکیلے نہانے لگے۔ کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ عصا لے کر اُس کے پیچھے دَوڑے، جہاں سب لوگ دیکھتے تھے پتھر کھڑا ہو گیا سب نے برہنہ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ بے عیب ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے "پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید بے عیباں رالباس عُریانی داد۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون نے ایک عورت کو کچھ دے دلا کر مجمع میں کہلا دیا کہ موسیٰ علیہ السلام (العیاذ باللہ) اس کے ساتھ مبتلا ہیں حق تعالیٰ نے آخر کار قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور اسی عورت کی زبان سے اِس تہمت کی تردید کرائی۔ جیسا کہ سورۂ قصص میں گزرا۔

(تنبیہ) موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کے تعاقب میں برہنہ چلے جانا مجبوری کی وجہ سے تھا اور شاید یہ خیال بھی نہ ہوا کہ پتھر مجمع میں لے جا کر کھڑا کر دے گا۔ رہی پتھر کی یہ حرکت وہ بطور خرق عادت تھی۔ خوارق عادات پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے اُسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی جزئیات میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں رہتی بہر حال اس واقع سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء علیہم السلام کو جسمانی و

Marfat.com

روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام تا کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی طرف سے تنفر اور استخفاف کے جذبات پیدا ہو کر قبول حق میں رُکاوٹ نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی ایذاء پہنچائے آپ کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً وہ کافر ہو گیا، اور اس آیت کی رُو سے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت دنیا میں بھی ہو گی اور آخرت میں بھی۔ (کذا قال القاضی ثناء اللہ فی التفسیر المظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کی شرارتیں

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موسیٰ بڑے حیادار شریف النفس اور اپنے (اندرونی) جسم کو چھپانے والے تھے انتہائی شرم کی وجہ سے وہ اپنی (اندرونی) جلد بھی ظاہر نہیں کرتے تھے بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں نے کہا موسیٰ جو اتنا اپنے بدن کو چھپائے چھپائے رکھتے ہیں ضرور ان کو کوئی جلدی اندرونی بیماری ہو یا برص ہے یا خصوں میں پانی آ گیا ہے یا کوئی اور مرض ہے اللہ کے موسیٰ کو اس غلط بات سے پاک ظاہر کرنا چاہا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک روز غسل کرنے کے لئے موسیٰؑ نے تنہائی میں کپڑے اُتار کر ایک پتھر پر رکھے پھر غسل کیا، غسل کے بعد جب کپڑے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا آپ اپنی لاٹھی لے کر پتھر کے تعاقب میں دوڑے اور کہنے لگے پتھر میرے کپڑے۔ پتھر میرے کپڑے۔ آخر پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ کر ٹھہر گیا لوگوں نے آپ کو برہنہ دیکھ لیا آپ کا اندرونی بدن بہت خوبصورت اور بے عیب پایا اس طرح اللہ نے ان لوگوں کی (بدگمانی سے) موسیٰ کی برأت ظاہر کر دی۔ موسیٰ نے کپڑے لے کر پہن لئے اور لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے۔ خدا کی قسم موسیٰ کی لاٹھی کی ضرب سے پتھر پر تین چار یا پانچ نشان پڑ گئے، آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا سے یہی مراد ہے۔ رواہ البخاری والترمذی واحمد وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وعبدالرزاق وعبد بن حمید۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زناء کی تہمت

ابو العالیہ نے کہا آیت مذکورہ میں قارون کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، قارون نے ایک عورت کو اجرت دے کر اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ بر سر عام مجمع کے سامنے موسیٰ پر اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائے لیکن اللہ نے اس تہمت سے موسیٰ کو محفوظ رکھا اور ان کی تہمت تراشی سے آپ کو بچا لیا، اور قارون کو ہلاک کر دیا۔ سورۂ قصص میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قتل کی تہمت

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موسیٰ کو اذیت دینے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ہارون نے تیہ میں جب وفات پائی تو لوگوں نے موسیٰ پر تہمت لگائی کہ آپ نے ہارون کو قتل کیا ہے اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا فرشتے حضرت ہارون کا جنازہ لے کر بنی اسرائیل کے سامنے لائے اس وقت لوگوں کو یقین آیا کہ موسیٰؑ نے ہارون کو قتل نہیں کیا ہے۔

اخرجہ ابن منیع وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویۃ والحاکم عن ابن عباس عن علی بن ابی طالب۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گرانی

بخاری نے حضرت عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال لوگوں کو تقسیم کیا ایک شخص کہنے لگا یہ تقسیم لوجہ اللہ نہیں ہوئی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اطلاع پہنچا دی۔ سنتے ہی حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ناراض ہوئے کہ غصہ کی علامت چہرۂ مبارک پر نمودار ہو گئی، پھر فرمایا، اللہ موسیٰ پر اپنی رحمت فرمائے ان کو اس سے زیادہ ایذاء پہنچائی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا اور موسیٰ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔ وَجَاہت آبرو۔ وجیہ آبرو دار (منہ والا) حضرت ابن عباس نے فرمایا، حضرت موسیٰ اللہ کے نزدیک اس مقام پر تھے کہ جو مانگتے تھے اللہ عطا فرما دیتا تھا، کذا قال الحسن۔ بعض نے کہا وجیہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کے محبوب اور مقبولِ بارگاہ تھے۔ (تفسیر مظہری)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ
اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور کہو بات سیدھی
یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ
کہ سنوار دے تمہارے واسطے تمہارے کام اور بخش دے تم کو تمہارے گناہ

Marfat.com

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد

سیدھی بات کہو

یعنی اللہ سے ڈر کر درست اور سیدھی بات کہنے والے کو بہترین اور مقبول اعمال کی توفیق ملتی ہے اور تقصیرات معاف کی جاتی ہیں حقیقت میں اللہ و رسول کی اطاعت ہی میں حقیقی کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے جس نے یہ راستہ اختیار کیا مراد کو پہنچ گیا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو

وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا

اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لا

اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان

انسان کی عظیم ذمہ داری

یعنی ستم کر دیئے، جو بوجھ آسمان، زمین اور پہاڑوں سے نہ اُٹھ سکتا تھا اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر اُٹھا لیا آسماں بارِ امانت نتوانست کشید قرعہ کال بنامِ من دیوانہ زدند۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ”یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا۔ امانت کیا ہے؟ پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش کو روک کر۔ آسمان و زمین وغیرہ میں اپنی خواہش کچھ نہیں، یا ہے تو وہ ہی ہے جس پر قائم ہیں۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اُس کے۔ اُس پرائی چیز (یعنی حکم) کو برخلاف اپنے جی کے تھامنا بڑا زور چاہتا ہے۔ اُس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے۔ اب بھی یہ ہی حکم ہے کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کر دے تو بدلہ (ضمان) دینا پڑے گا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ نہیں۔ (موضح) اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا جو اُس امانت کو اگر چاہے تو اپنی سعی و کسب اور قوتِ بازو سے محفوظ رکھ سکے اور ترقی دے سکے۔ تا اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شئون و صفات کا ظہور ہو مثلاً اس نوع کے جو افراد امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں اُن پر انعام و اکرام کیا جائے۔ جو غفلت یا شرارت سے ضائع کر دیں اُن کو سزا دی جائے اور جو لوگ اس بارہ میں قدرے کوتاہی کریں اُن سے عفو و درگزر کا معاملہ ہو۔ میرے خیال میں یہ امانت ایمان و ہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا۔ جس کو ما بہ التکلیف بھی کہہ سکتے ہیں۔ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ اسی کی نگہداشت اور تردد کرنے سے ایمان کا درخت اُگتا ہے گویا بنی آدم کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں، بیج بھی اُسی نے ڈال دیا ہے۔ بارش برسانے کے لئے رحمت کے بادل بھی اُس نے بھیجے جن کے سینوں سے وحی الٰہی کی بارش ہوئی۔ آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس بیج کو جو امانت الٰہیہ ہے ضائع نہ ہونے دے بلکہ پوری سعی و جہد اور تردد و تفقد سے اُس کی پرورش کرے مبادا غلطی یا غفلت سے بجائے درخت اُگنے کے بیج بھی سوخت ہو جائے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ حذیفہؓ کی اس حدیث میں اِنَّ الْاَمَانَةَ نزلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِیْ جذرِ قُلُوْبِ الرِّجَال ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰن (الحدیث) یہ امانت وہ ہی تخم ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں تہ نشین کیا گیا۔ پھر علوم قرآن و سنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اُگے، بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اُس کے ثمرہ شریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے۔ اگر انتفاع میں کوتاہی کی جائے تو اُسی قدر درخت کے اُبھرنے اور پھولنے پھلنے میں نقصان رہے یا بالکل غفلت برتی جائے تو سرے سے تخم بھی برباد ہو جائے۔ یہ امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان و پہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کس میں استعداد تھی جو اس امانت عظیمہ کو اُٹھانے کا حوصلہ کرتا ہر ایک نے بلسانِ حال یا بزبانِ قال ناقابل برداشت ذمہ داریوں سے ڈر کر انکار کر دیا کہ ہم سے یہ بار نہ اُٹھ سکے گا۔ خود سوچ لو کہ بجز انسان کے کون سی مخلوق ہے جو اپنے کسب و محنت سے اس تخم ایمان کی حفاظت و پرورش کر کے ایمان کا شجر بارآور حاصل کر سکے۔ فی الحقیقت عظیم الشان امانت کا حق ادا کر سکنا اور ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کر دی تھی خون پسینہ ایک کر کے باغ و بہار بنا لینا اسی ظلوم و جہول انسان کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے پاس زمین قابل موجود ہے اور محنت و تردد کر کے کسی چیز کو بڑھانے کی قدرت اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے اُس کو عطا فرمائی ہے۔ ظلوم وجہول۔ ظالم وجاہل کا مبالغہ ہے۔ ظالم وجاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل عدل اور علم سے خالی ہو مگر استعداد صلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو۔ پس جو مخلوق بدر فطرت سے علم وعدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اوصاف اُس سے جُدا نہیں ہوئے مثلاً ملائکۃ اللہ یا جو مخلوق ان چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی (مثلاً) زمین وآسمان پہاڑ وغیرہ) ظاہر ہے کہ دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔ بیشک انسان کے سوا جن ایک نوع ہے جس میں فی الجملہ استعداد اس کے تحمل کی پائی جاتی ہے اور اسی لئے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں دونوں کو جمع کیا گیا۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ادائے حق امانت کی استعداد اُن میں اتنی ضعیف تھی کہ حمل امانت کے مقام میں چنداں قابلِ ذکر اور درخور اعتناء نہیں سمجھے گئے۔ گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع قرار دیئے گئے جن کا نام مستقل طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت آدم علیہ السلام پر اطاعت کی پیشکش

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''امانت'' سے مراد یہاں اطاعت ہے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین وآسمان اور پہاڑوں پر پیش کی۔ لیکن وہ بارِ امانت نہ اُٹھا سکے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا۔ جناب باری عزاسمہ نے اسے اب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کی کہ یہ سب تو انکاری ہیں تم کہو۔ آپ نے پوچھا خدایا اس میں بات کیا ہے؟ فرمایا اگر بجالاؤ گے تو ثواب پاؤ گے اور بُرائی کی سزا پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا میں تیار ہوں۔

زمین وآسمان کی حالت

آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں دوسروں پر جو پیش کیا تھا یہ بطور حکم کے نہ تھا بلکہ جواب طلب کیا تھا تو ان کا انکار اور اظہار مجبوری گناہ نہ تھی بلکہ اُس میں ایک قسم کی تعظیم تھی کہ باوجود پوری طاقت کے خدا کے خوف سے تھرا اُٹھے کہ کہیں پوری اَدائیگی نہ ہو سکے اور مارے نہ جائیں لیکن انسان جو کہ بھولا تھا اس نے اس بار امانت کو خوشی خوشی اُٹھالیا۔

انسان کی خطاء

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ عصر کے قریب یہ امانت اُٹھائی تھی اور مغرب سے پہلے ہی خطا سرزد ہو گئی۔

امانت کی متنوع ذمہ داریاں

حضرت اُبی کا بیان ہے کہ عورت کی پاکدامنی بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے قتادہؒ کا قول ہے دین فرائض حدود سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ جنابت کا غسل بھی بقول بعض امانت ہے۔

ذمہ داری کی اہمیت

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں خیال کرو آسمان باوجود اس پختگی اور زینت اور نیک فرشتوں کا مسکن ہونے کے خدا کی امانت برداشت نہ کر سکا جب اس لئے یہ معلوم کر لیا کہ بجا آوری اگر نہ ہوئی تو عذاب ہوگا۔ زمین باوجود صلابت اور سختی کے لمبائی اور چوڑائی کے ڈر گئی اور اپنی عاجزی ظاہر کرنے لگی۔ پہاڑ باوجود اپنی بلندی اور طاقت اور سختی کے اس سے کانپ گئے اور اپنی لاچاری ظاہر کرنے لگے۔

امانت کے اٹھ جانے کا اندیشہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دو حدیثیں سُنیں ہیں، ایک کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دوسری کے ظہور کا انتظار ہے، ایک تو یہ کہ آپ نے فرمایا، امانت لوگوں کی جبلت میں اتاری گئی، پھر قرآن اُترا احدیثیں بیان ہوئیں پھر آپ نے امانت کے اُٹھ جانے کی بابت فرمایا۔ انسان سوئے گا جو اس کے دل سے امانت اُٹھ جائے گی اور ایسا نشان رہ جائے گا جیسے کسی کے پیر پر کوئی انگارہ لُڑھک کر آ گیا ہو اور پھپولا پڑ گیا ہو کہ اُبھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اندر کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ نے ایک کنکر لے کر اسے اپنے پیر پر لُڑھکا کر دکھا دیا کہ اس طرح لوگ لین دین خرید وفروخت کیا کریں گے۔ لیکن تقریباً ایک بھی ایماندار نہ ہوگا یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا کہ فلاں قبیلے میں کوئی امانت دار ہے اور یہاں تک کہ کہا جائے گا یہ شخص کیسا عقلمند کس قدر زیرک دانا اور فراست والا ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

چار بنیادی اوصاف

مسند احمد میں فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ چار باتیں جب تجھ میں ہوں پھر اگر ساری دنیا بھی فوت ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں، امانت کی حفاظت، بات چیت کی صداقت، محسن اخلاق اور وجہ حلال کی روزی۔ (تفسیر ابن کثیر)

Marfat.com

صحیحین بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں سنائی تھیں، ان میں سے ایک کو تو ہم نے خود آنکھوں سے دیکھ لیا، دوسری کا انتظار ہے۔

پہلی حدیث یہ ہے کہ اول رجالِ دین کے قلوب میں امانت نازل کی گئی، پھر قرآن اتارا گیا، تو اہلِ ایمان نے قرآن سے علم حاصل اور سنت سے عمل حاصل کیا۔ اس کے بعد دوسری حدیث یہ سنائی کہ (ایک وقت ایسا آنے والا ہے جس میں) آدمی سو کر اُٹھے گا تو اس کے قلب سے امانت سلب کر لی جائے گی اور اس کا کچھ اثر و نشان ایسا رہ جائے گا جیسے تم کوئی آگ کا انگارہ اپنے پاؤں پر لڑھکا دو (وہ انگارہ تو چلا گیا مگر) اس کا اثر پاؤں پر ورم یا چھالے کی صورت میں رہ گیا حالانکہ اس میں آگ کا کوئی جزء نہیں (الی قولہ) یہاں تک کہ لوگ باہم معاملات اور معاہدات کریں گے، مگر کوئی امانت کا حق ادا نہ کرے گا اور (امانتدار آدمی کا ایسا قحط ہو جائے گا کہ) لوگ یہ کہا کریں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک آدمی امانتدار ہے۔

امانت داری دل کی صفت ہے

اس حدیث میں امانت ایک ایسی چیز کو قرار دیا ہے جس کا تعلق انسان کے قلب سے ہے، اور وہی تکالیف شرعیہ اور وظائف دینیہ کے مکلّف ہونے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے۔

قرب و رضائے الٰہی کا شوق

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آسمان زمین وغیرہ پر عرضِ امانت اور ان کے جواب کے بعد) حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گئے۔ تو آپ اس بارِ امانت کو اٹھائیں گے مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے، آدم علیہ السلام نے سوال کیا کہ اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا کہ اگر حملِ امانت میں پورے اُترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزاء ملے گی، (جو اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی) اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی، آدم علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کے شوق میں) اس کو اٹھا لیا، یہاں تک کہ بارِ امانت اُٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گزرا تھا جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے کہ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرضِ امانت کا وقت

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عرضِ امانت کا واقعہ میثاقِ ازل یعنی عہد اَلَسْتُ سے پہلے کا ہے کیونکہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اسی بارِ امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اُٹھانے کے قائم مقام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

کردۂ بارِ امانت را قبول از کشیدن پس نباید شد ملول

ادائے امانت فرض ہے

امانت کا صاحبِ امانت کو ادا کرنا اور صحیح سالم اس تک پہنچا دینا فرض اور واجب ہے۔

آیت امانت کی شیعی تفسیر

تفسیر قمی میں جو تفسیر اہلِ بیت کے نام سے مشہور ہے اس میں اس آیت کی عجیب و غریب تفسیر کی ہے وہ یہ کہ امانت سے مراد امانت اور خلافت ہے اور انسان سے ابوبکر مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن ابوبکر بڑا ظلوم و جہول تھا اس نے اٹھا لیا اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے بالفرض والتقدیر اگر یہ تفسیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آفرینش عالم سے پہلے سب کون و مکان حتیٰ کہ حضرت علی بھی خلافت سے دستبردار ہو چکے تھے ان سب کی دستبرداری کے بعد اللہ نے خلافت ابوبکر پر پیش کی جس کو ابوبکر نے اُٹھا لیا اور اُٹھا کر اپنی ہی جان پر ظلم کیا نہ کہ حضرت علی پر اور ابوبکر کو جو خلافت ملی وہ مغصوبہ نہ تھی۔ بلکہ خدا کی پیش کردہ تھی۔ خدا کی طرف سے ان کو یہ خلافت ملی تھی جس سے حضرت علی اپنی پیدائش سے پہلے ہی بصد رضا و رغبت دستبردار ہو چکے تھے۔ شیعوں کی یہ تحریف تو اہلِ سنت کو مفید ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل الاعمال بالاختیار ہیں یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے احکام شریعت کو بجا لانا کیونکہ مطلق عبادت اور اطاعت سے کوئی شے خالی نہیں۔

Marfat.com

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد

سید الطائفہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ آدم کی نظر خدا تعالیٰ کے پیش کرنے پر تھی کہ خدا تعالیٰ پیش کر رہا ہے امانت کے ثقل پر اس کی نظر نہ تھی حق تعالیٰ کے پیش کرنے کی لذت نے امانت کا بوجھ بھلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لطف ربانی بزبان عنایت بول اُٹھا کہ اے آدم امانت کا اٹھانا تیری طرف سے ہے اور نگہبانی میری طرف سے ہے چونکہ تو نے خوشی سے میری امانت کو اٹھالیا تو میں نے بھی تجھے اٹھالیا۔

راہ اورابدو توان پیمود بار اور ابد و توان برداشت

(معارف کاندھلوی)

امانت کے متعلق علماء کے اقوال

حضرت ابنِ مسعود نے فرمایا امانت سے مراد ہے نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے، بیت اللہ کا حج، صدقِ مقال، ناپ تول میں انصاف اور ان سب سے زیادہ سخت امانتوں کی حفاظت۔

زید بن اسلم نے کہا امانت سے مراد ہے روزہ، غسل، جنابت اور اندرونی شرائع (جیسے حسد نہ کرنا، دل میں مسلمان سے عداوت نہ کرنا، حبِ جاہ و مال نہ رکھنا وغیرہ تمام اخلاق باطنہ) یعنی جن میں ریاکاری کا کوئی دخل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے فرمایا انسانی جسم میں سب سے پہلے شرمگاہ بنائی اور فرمایا یہ امانت ہے بطورِ ودیعت میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ کان بھی امانت ہے، آنکھ بھی امانت ہے اور جس میں امانت (کی پاسداری) نہیں اس کے پاس ایمان نہیں۔

بعض اہلِ علم نے کہا امانت سے مراد ہیں لوگوں کی باہمی امانتیں اور ایفاء وعدہ۔ ہر مومن پر حق ہے کہ دوسرے مومن یا معاہد کے ساتھ دھوکہ نہ کرے نہ چھوٹے معاملہ میں نہ بڑے معاملہ میں بغوی نے لکھا ہے اللہ نے زمین و آسمان سے فرمایا تھا کیا تم بارِ امانت کو مع ان کے لوازم کے اٹھاتے ہو۔ آسمان و زمین نے کہا لوازم امانت کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا اگر تعمیل کرو گے تو تم کو اچھا بدلہ دیا جائے گا اگر نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ آسمان و زمین نے عرض کیا۔ ان لوازم کے ساتھ ہم برداشت) نہیں (کر سکتے) اے رب ہم تیرے حکم کے پابند ہیں نہ ثواب چاہتے ہیں نہ عذاب۔ آسمان و زمین نے یہ بات (نافرمانی کے) خوف اور دین خداوندی کی تعظیم کی وجہ سے کہی ان کو ڈر ہوا کہ دینِ خداوندی کا حق ہم سے ادا نہ ہو سکے گا (تو عذاب میں مبتلا ہوں گے) یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے بارِ امانت اٹھانے کا حکم ان کو دیا تھا اور انہوں نے سرتابی کی اللہ کی طرف عرض امانت کی برداشت اختیاری تھی لازمی نہیں تھی اگر لازمی ہوتی تو آسمان و زمین ضرور اس بار کو اٹھاتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے شاید امانت سے عقل یا تکلیف شرعی مراد ہے۔ عقل قوتِ غضبیہ و شہوانیہ کی نگراں ہے۔ دونوں کو حدود شرعیہ سے آگے بڑھنے اور تجاوز کرنے سے روکتی ہے۔ شرعی احکام کا اصل مقصد ہی غضبیہ اور شہوانیہ قوتوں کو اعتدال پر لانا ہے۔ اسی تشریح کی بناء پر بیضاوی نے لکھا ہے کہ سابق آیت میں جو اطاعت کی عظمتِ شان کو ظاہر کیا تھا اس کی اس آیت سے تائید ہو رہی ہے۔ طاعت کو امانت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ امانت واجب الرد ہوتی ہے۔ طاعت کا ادا کرنا بھی امانت کی طرح واجب ہے آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ طاعتِ الٰہیہ اتنا بارِ ثقیل ہے کہ اگر آسمان و زمین اور پہاڑوں سے اس کو برداشت کرنے کی پیش کش کی جاتی تو وہ بھی اس بار کو اٹھانے سے انکار کر دیتے اور ڈر جاتے لیکن انسان نے اپنی جسمانی ساخت کی کمزوری اور طاقت کی کمی کے سبب اس کو اٹھالیا لامحالہ جو شخص حقوق امانت پورے پورے ادا کرے گا اور برداشتِ امانت کو ہر وقت پیش نظر رکھے گا وہ ضرور کامیاب ہوگا اور اس کو فلاحِ دارین حاصل ہوگی۔

بعض لوگوں نے کہا کہ اجرام علویہ و سفلیہ پیدا کر کے اللہ نے ان کے اندر سمجھ بھی پیدا کر دی تھی اور فرمایا تھا میں نے ایک فریضہ لازم کیا ہے جو میری اطاعت کرے گا اس کے لئے میں نے جنت پیدا کر دی ہے اور جو نافرمانی کرے گا اس کے لئے دوزخ بنا دی ہے۔ اجرام مذکورہ نے جواب دیا تو نے جیسا ہم کو پیدا کیا ہے ہم (بالاضطرار) اس کے پابند ہیں کسی (اختیاری) فریضہ کو برداشت نہیں کر سکتے اور ثواب نہیں چاہتے لیکن آدم کو پیدا کر کے بارِ فریضہ کی پیش کش کی تو انہوں نے اٹھالیا کیوں کہ وہ یہ بارِ گراں اپنے نفس پر ڈال کر خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے اور انجام کی خرابی سے ناواقف تھے۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد کا یہی تفسیری قول نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ بارِ امانت کو اٹھانے اور جنت سے نکالے جانے کے درمیان بس اتنی ہی مدت ہوئی جتنی ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے۔

Marfat.com

جمادات کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ

بعض اہلِ علم نے کہا جمادات ہمارے لحاظ سے بے عقل ہیں۔ ہماری بات نہیں سمجھتے لیکن اللہ کے فرمان کو سمجھتے ہیں اور سمجھ کر اطاعت کرتے ہیں اور سربسجود ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے آسمان و زمین سے فرمایا۔ اِئْتِیَا طَوْعاً اَوْ کَرْھاً دونوں نے جواب دیا اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ دوسری آیات ہیں وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْہُ الْاَنْھٰرُ وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْہُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَھْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ کچھ پتھروں سے دریا پھوٹ کر نکلتے ہیں اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے نیچے کو گرتے ہیں ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ ۔

حضرت آدم علیہ السلام

بعض علماء نے لکھا ہے حَمَلَھَا الْاِنْسَانُ میں الْاِنْسَانُ سے مراد حضرت آدم ہیں۔ اللہ نے آدمؑ سے فرمایا تھا کہ میں نے یہ امانت آسمان زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھی لیکن سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا کیا تو اس کو مع اس کے لوازم لے لے گا۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب اس کے لوازم کیا ہیں۔ اللہ نے فرمایا اگر تو نیکی کرے گا تو اس کا ثواب پائے گا اور بدی کرے گا تو عذاب میں پکڑا جائے گا۔ آدم نے امانت کو اٹھا لیا اور عرض کیا میں اس بوجھ کو اپنے کاندھے پر لیتا ہوں اللہ نے فرمایا جب تو نے اس امانت کو قبول کر لیا ہے تو میں بھی تیری مدد کروں گا۔ تیری آنکھوں کے اوپر ایک نقاب ڈال دوں گا تاکہ ناجائز چیز پر نظر پڑنے کا جب تجھے ڈر ہو تو آنکھ پر نقاب لٹکا لے۔ (یعنی پلکیں جھکا لے اور آنکھیں بند کر لے) اور تیری زبان کے لئے دو جبڑے اور ایک قفل بنا دوں گا تجھے جب (ناجائز بات زبان سے نکلنے کا) اندیشہ ہو تو قفل بند کر لینا اور میں تیری شرمگاہ کے لئے لباس مقرر کر دوں گا تو شرم گاہ کو اس کے سامنے نہ کھولنا جس کے سامنے کھولنا میں نے حرام کر دیا ہے۔

مجاہد نے کہا برداشت، امانت کے وقت اور جنت سے نکالے جانے کے وقت کی درمیانی مدت صرف اتنی ہوئی جتنی ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں برداشتِ امانت کے بعد جنت سے نکالے جانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ جنت اداء امانت (یعنی عمل) کا مقام نہیں ہے بلکہ اداء امانت کے ثواب کا مقام ہے (دار العمل نہیں دار الجزاء ہے) اس لئے حضرت آدم کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا گیا۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے (بونا دنیا میں ہے کاٹنا آخرت میں ہے)

امانت کی تشبیہ

بغوی نے لکھا ہے نقاش نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابنِ مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ امانت کو اس بھاری پتھر سے تشبیہ دی گئی جو کسی جگہ پڑا ہو۔ آسمانوں کو زمین کو اور پہاڑوں کو اس کے اٹھانے کی دعوت دی گئی لیکن کوئی اس کے قریب بھی نہیں آیا اور سب نے کہہ دیا ہم میں اس کو اٹھانے کی طاقت نہیں پھر بغیر دعوت کے آدم آ گئے اور انہوں نے پتھر کو ہلا کر کہا اگر مجھے اس کو اٹھانے کا حکم دیا گیا تو میں اس کو اٹھا لوں گا اللہ نے فرمایا اٹھاؤ آدم اس کو اٹھا کر زانو تک لے آئے پھر رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم اگر میں زیادہ اٹھانا چاہوں تو اٹھا سکتا ہوں۔ آسمان و زمین نے کہا اٹھاؤ۔ آدم نے اس کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور پھر اتار کر نیچے رکھ دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے فرمایا ہرگز اس کو نیچے نہ رکھو، یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گردن میں قیامت تک بندھا رہے گا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق

میں کہتا ہوں آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ امانت کا حامل صرف انسان ہے۔ اب اگر امانت سے مراد طاعت اور شرعی تکالیف ہوں گی تو انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہو گی جن اور ملائکہ بھی مکلّف شرعی ہیں بلکہ انسانوں پر ملائکہ کی فضیلت لازم آئے گی کیونکہ ملائکہ تو معصوم ہیں امانت کو کامل طور پر ادا کر رہے ہیں؟؟

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ سُست نہیں پڑتے اور انسانوں میں سے کچھ ظَالِمٌ لِنَفْسِہٖ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ مقتصد میانہ چال سے چلنے والے اور کچھ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے۔ اس لئے صوفیہ نے کہا کہ امانت سے مراد ہے نورِ عقل اور نارِ عشق۔ عقل کی روشنی میں منطقی استدلال کے ساتھ معرفت الٰہیہ کا حصول ہوتا ہے اور آتشِ عشق سے سارے درمیانی حجابات سوختہ ہو جاتے ہیں۔ ملائکہ مقربین بارگاہ ضرور ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا مقام قرب و معرفت معین ہے وہ اپنے مقام سے ترقی نہیں کر سکتے اللہ نے فرمایا ہے وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ہماری طرف سے ہر ایک

Marfat.com

کا مرتبہ مقرر ہے۔ ہاں نورِ عشق تمام حجاباتِ بُعد کو جلا ڈالتی ہے اور صرف انسان معرفت الٰہیہ کے غیر متناہی مراتب میں ترقی کرسکتا ہے۔

میں نے حضرت مجدد الف ثانی کے کلام سے یہ استفادہ کیا ہے کہ امانت تجلیات ذاتیہ کو قبول کرنے کی وہ استعداد ہے جو اللہ نے ماہیت انسانیہ میں ودیعت رکھی ہے۔ ایمان اور نیک اعمال کے بعد جن کا الحاق اور شمار ملائکہ میں ہوسکتا ہے اور تجلیات صفاتیہ کو قبول کرنے کی اس میں استعداد ہوسکتی ہے لیکن ذاتی تجلی کی برداشت تو صرف اسی میں ہوسکتی ہے جس کا مزاج خاکی ہو اسی استعداد نے آدم کو مستحق خلافت بنایا اور یہ ہی استعداد مراد ہے اس علم سے جس کا اظہار آیت اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں کیا ہے یعنی اللہ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے کہ تجلی ذاتی کو وہ ہی برداشت کرسکتا ہے جس کا مزاج خاکی ہو اسی کی طرف اشارہ ہے لفظ ظلوم وجہول سے یعنی انسان کو سبعی قوت بھی دی گئی ہے اور بیہقی قوت بھی۔ سبعی قوت کا تقاضا ہے بلند چوٹیوں پر چڑھنا۔ بلند سے بلند مراتبِ معرفت کی طرف ترقی کرتا چلا جانا اور بیہقی قوت انسان کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وصلِ محبوب کے لئے سخت ریاضتیں اور مشقتیں وہ برداشت کرسکے ظلوم وجہول ہونا انسان کی صفت محمودہ ہے اور مستحق خلافت بنا دینے کی علت ہے۔ سبعی اور بیہقی قوتیں ارضی مزاج رکھتی ہیں۔

موجودات ارضی اپنی مزاجی کثافت کی وجہ سے نورِ آفتاب کو جذب کرکے اپنے اندر روک لیتے ہیں اور لطیف اجرام میں جذبِ نور کرکے روک رکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ مادۂ ارضی اپنی کثافت کی وجہ سے تجلی ذاتی کو برداشت کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ مادۂ نوری اس قابلیت سے محروم ہے۔ ملائکہ مقربین کے مقامات قرب محدود ہیں اگرچہ ملائکہ کے قرب و ولایت (اتصال) کا مرتبہ انبیاء کے مقام قرب و ولایت سے بالا ہے کیونکہ ملائکہ کا مرتبۂ ولایت اور انبیاء کا مرتبۂ ولایت دونوں صفات سے مستفاد ہیں مگر انبیاء کے مرتبہ میں ظہور کی حیثیت معتبر ہے یعنی ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ نہیں اور ملائکہ کے مرتبہ ولایت میں بطون کی حیثیت معتبر ہے یعنی ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ ہوتا ہے۔

لیکن تجلی ذاتی جو نبوت کا کمال ہے ملائکہ کو میسر نہیں اس لئے نبوت انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور انبیاء کے خواص ملائکہ کے خواص سے افضل ہیں اور جنت صرف انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ملائکہ کا جنت میں ہر دروازہ سے داخلہ انسانوں کے احترام کے لئے ہوگا۔

علامہ بیضاویؒ کی تحقیق

بیضاوی نے اس آیت کو سابق الذکر وعدہ کی تائید قرار دیا اور مطلب اس طرح بیان کیا کہ امانت اتنا عظیم بار ہے کہ اگر بزرگ ترین اجسام بالفرض باشعور ہوتے تو وہ بھی اٹھانے سے انکار کردیتے اور اٹھا نہ سکتے لیکن انسان نے باوجود اپنی جسمانی کمزوری کے اس کو اٹھالیا اس لئے جو شخص اس امانت کے حقوق کی نگہداشت کرے گا وہ دونوں جہاں میں کامیاب ہوگا اس مطلب پر بیضاوی کے نزدیک اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوماً جَھُوْلاً سے یہ مراد ہوگی کہ انسان نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور حقِ امانت کا لحاظ نہیں رکھا اور حقیقت امانت کے نتیجہ سے ناواقف رہا۔ یہ دونوں برے اوصاف جنس انسان کے قرار دیئے (لیکن کل افراد کے نہیں بلکہ) عام طور پر زیادہ افراد کے (کیوں کہ بعض افراد یعنی انبیاء اولیاء اور مومنین صالحین نے تو امانت کے پورے حقوق ادا کئے اور وعدہ پورا کیا)۔

الانسان سے مراد حضرت آدم ہیں اور آدم ہی نے بارِ امانت اٹھایا تھا اور آدم نبی معصوم تھے انہوں نے جو بوجھ اٹھایا تھا اس کو پورا پورا ادا کردیا اور اِنَّہٗ کی ضمیر کا رجوع اسی شخص کی طرف ہے جس نے بارِ امانت اٹھایا تھا (یعنی حضرت آدم علیہ السلام)

انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا مطلب

صوفیہ نے انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ انسان کے اکثر افراد نے اپنے نفوس پر ظلم کیا معرفت اور تجلیات الٰہیہ کی اس استعداد کو کھو دیا جو فطرت اللہ ہے۔ اللہ نے سب لوگوں کو اس فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اکثر انسان انتہائی نادان بھی ہیں جو چیز فوت ہوگئی اس کی خوبی سے ناواقف ہیں اور جو کمایا اس کی خرابی سے لاعلم ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ الحدیث۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

میں کہتا ہوں یہ بات معلوم ہوگئی کہ بطور کنایہ ظلم سے مراد قوت

Marfat.com

سبعیہ (غضبیہ) ہے اور جہالت سے مراد قوت بہیمیہ (شہوانیہ) ہے اور ان دونوں قوتوں کی اچھائی برائی مصرف کے تنوع کے لحاظ سے ہے۔ قوتِ سبعیہ کا استعمال اگر اللہ کے دشمنوں کو دفع کرنے اور مدارجِ قرب تک پہنچنے اور مراتبِ معرفت میں ترقی کرنے کیلئے کیا جائے تو یہ قوت مستحق قرار پائی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح صف بند ہو کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار ہیں۔ بلاشبہ اللہ بلندی عزم اور رفعت ہمت کو پسند فرماتا ہے۔ لیکن اگر اسی قوت کا استعمال بے قصور لوگوں پر جور و ظلم کرنے اور اللہ کے مقابلہ میں تکبر و غرور کرنے کے لئے کیا جائے تو یہ قوتِ قبیح قرار پاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ خوب سن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اور اللہ ہر اترانے والے شیخی جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح قوتِ بہیمیہ کا استعمال اگر حصول سعادت کے لئے کیا جائے تو یہ قوت اچھی ہے اور اگر فانی لذتوں کے حصول کے لئے کیا جائے تو بری ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ

اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ان دونوں قوتوں کے استعمال و صرف کی اچھائی کا مدار نفس و قلب کے تزکیہ اور عناصر کی تطہیر پر ہے۔ اللہ کے رسول کا ارشاد ہے بنی آدم کے جسم کے اندر ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ خوب سن لو وہ بوٹی دل ہے۔ رواہ البخاری۔ اللہ نے فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا جس نے نفس کو پاک کرلیا وہ فلاح یاب ہوگیا اور جس نے نفس کو میل آلود اور گندہ کر دیا وہ نامراد رہا اور یہ بھی صحیح ہے کہ شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی تطہیر نفس کا ذریعہ ہے اب اگر امانت سے مراد شرعی اوامر و نواہی ہوں تو ظلوم و جہول ہونے سے اشارہ ہوگا اس علت کی طرف جس کی وجہ سے انسان پر بارِ امانت ڈالا گیا اور اس نے اس بوجھ کو اٹھایا ہے۔ اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ انسان چوں کہ ظلوم و جہول تھا اس لئے ہم نے اس پر بارِ امانت ڈالا اور اس نے اٹھالیا تا کہ بری خصلتوں سے اس کی تطہیر ہو جائے اور اعلیٰ فضائل حاصل کرنے کی اس میں صلاحیت ہو جائے اور دونوں جہاں میں وہ بامراد رہے۔ اور اگر امانت سے مراد تجلیاتِ ذاتیہ ہوں تو مطلب اس طرح ہوگا کہ چوں کہ انسان ظلوم و جہول تھا اس لئے وہی اس امانت کو اٹھانے کے قابل تھا اس امانت کو برداشت کرنے کا وہی اہل ہوگا جو ان دونوں اوصاف کا حامل ہو۔

تزکیہ ضروری ہے

امانت سے مراد طاعت و فرائض ہوں یا معرفت اور مراتبِ قرب کا حصول بہرحال سبعیہ اور بہیمیہ قوتیں اچھی بھی ہیں اور بری بھی اگر نفس کا تزکیہ نہ کیا اور اللہ کی طرف سے انسان کو بے مدد چھوڑ دیا گیا اور باطل میں ان قوتوں کو مشغول رکھا گیا تو یہ قوتیں بری ہیں اور اگر اس کے خلاف ان قوتوں سے کام لیا تو یہ قوتیں اچھی ہیں۔ دونوں صورتوں میں ان قوتوں کی عطاء کو بارِ امانت انسان پر لادنے اور اس بوجھ کو اٹھانے کی علت قرار دینا بالکل صحیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

لِّیُعَذِّبَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِکِیْنَ
تا کہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو اور عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو
وَالْمُشْرِکٰتِ وَیَتُوْبَ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو
وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا
اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

منافق، کافر اور مؤمن کا انجام

میرے نزدیک اس جگہ الخ کے معنی معاف کرنے کے نہ لئے جائیں بلکہ اُن کے حال پر متوجہ ہونے اور مہربانی فرمانے کے لیں تو بہتر ہے جیسے "لقد تاب اللّٰہ علی النبی والمھاجرین" میں لئے گئے ہیں۔ یہ تو مؤمنین کاملین کا بیان ہوا۔ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا اور میں قاصرین و مقصرین کے حال کی طرف اشارہ فرما دیا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم نسأل اللّٰہ تعالیٰ اَن یتوب علینا ویغفرلنا ویثیبنا بالفوز العظیم. انہ جل جلالہ وعم نوالہ غفور رحیم. تم سورۃ الاحزاب وللّٰہ الحمد والمنۃ. (تفسیر عثمانی)

لِّیُعَذِّبَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ یعنی تا آنکہ عذاب دے گا اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرکین مردوں اور

Marfat.com

عورتوں کو اور رحمت و مغفرت سے نوازے گا مؤمنین و مؤمنات کو لِیُعَذِّبُ میں حرف لام بیان علت وغرض کے لئے نہیں بلکہ اصطلاحِ عربیت کے لحاظ سے لام عاقبت ہے، یعنی جو کسی چیز کا انجام بیان کرے جیسے ایک عربی شعر میں ہے ؎

لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

یعنی پیدا ہو موت کے لئے اور تعمیر کرو ویران ہونے کے لئے مراد یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والے کا انجام موت اور ہر تعمیر کا انجام ویرانی ہے۔

بارِ امانت کا نتیجہ

اس جملے کا تعلق حَمَلَهَا الْاِنسَانُ سے ہے، یعنی انسان کے بارِ امانت اٹھانے کا انجام یہ ہوگا کہ نوع انسانی میں دو فریق ہو جائیں گے، ایک کفار و منافق وغیرہ جو اطاعتِ الٰہیہ سے سرکش ہو کر امانت کے ضائع کرنے والے ہو گئے، ان کو عذاب دیا جائے گا، دوسرے مؤمنین و مؤمنات جو اطاعتِ احکامِ شرعیہ کے ذریعہ حقِ امانت ادا کر چکے، ان کے ساتھ رحمت و مغفرت کا معاملہ ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

لِیُعَذِّبَ میں لام عاقبت کا ہے یعنی اس برداشتِ امانت کا انجام یہ ہو گا کہ اللہ عذاب دے گا جیسے ایک مصرع ہے لِدُوْا للموت وابنوا للخراب مرنے کے لئے جنم دو اور ویران ہونے کے لئے تعمیر کرو یعنی پیدائش کا نتیجہ موت اور تعمیر کا انجام ویرانی ہے۔

منافق اور مشرک ہی ظلم اور عیش میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہ ہی امانتِ مفوضہ کو کھو دینے والے ہیں اس لئے انہیں کو عذاب دیا جائے گا۔

وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور اللہ (اپنی رحمت، مغفرت اور عطاء قرب کے ساتھ) مومن مردوں اور مومن عورتوں کی طرف متوجہ ہو۔ مومن ہی امانت کا حق ادا کرنے اور تجلیاتِ الٰہیہ میں ڈوب جانے والے ہیں اس لئے انہیں کی مغفرت اور انہیں پر رحمتِ الٰہیہ کی بارش ہوگی۔

شرعی ذمہ داری کی غرض

ابنِ قتیبہ نے آیات کا مطلب اس طرح بیان کیا ہم نے امانت یعنی شرعی تکلیفات یا فطری استعداد کو پیش کیا تا کہ منافق کا نفاق اور مشرک کا شرک ظاہر ہو جائے اور اللہ ان کو عذاب دے اور مومن کے ایمان (نیز عارف کی معرفت) کا اظہار ہو جائے اور اللہ ان پر رحم فرمائے۔ اور اگر کسی طاعت میں ان سے قصور ہو جائے تو اس کو بخش دے۔ (میں کہتا ہوں) اور دوامی تجلیاتِ ذاتیہ کی بارش اور بلا کیف وصلِ بے حجاب کی نعمت ان کو نصیب ہو جائے۔

نکتہ: وعدہ کے موقع پر یَتُوْب کہنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چوں کہ شرشت کے لحاظ سے انسان ظلوم و جہول ہے اس لئے کچھ تصور ان سے ضرور ہوگا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ (مومنوں کو) بخشنے والا ہے۔ ان کی لغزشوں کو وہ معاف کرتا ہے۔ رَّحِيْمًا بڑا مہربان ہے کہ اپنی مہربانی سے مومنوں کی طاعتوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔

الحمد للہ سورۂ احزاب کی تفسیر یکم محرم الحرام ۱۳۰۷ھ کو ختم ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بحمد اللہ تعالیٰ

سورۃ احزاب ختم ہوئی۔

گلدستہ تفاسیر کی 5 ویں جلد بھی اختتام پذیر ہوئی

Marfat.com

قرآن کریم کے معانی ومطالب سے واقف کرانے کیلئے بامحاورہ اور لفظی ترجمہ کے ساتھ آسان تعلیمی
اگر آپ روزانہ پندرہ بیس منٹ قرآن پاک کو دیں اور اس ''درسِ قرآن'' سے ایک درس پڑھیں
تو انشاءاللہ آپ قرآنِ کریم کے معانی ومطالب کو سمجھنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اے ابوذر! اگر تو صبح کو ایک آیت کلامِ پاک کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے
اور اگر علم کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعت نفل پڑھنے سے افضل ہے۔

مکمل 30 پارے

درسِ قرآن

اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۰۱۶ ۰۸

تسہیل شدہ
ترجمہ از: حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تفسیر ملخص از تفسیر ابنِ کثیر، معارف القرآن، بیان القرآن ودیگر تفاسیر

تقاریظ

حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری مدظلہ العالی
سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند صدر جمعیۃ العلماء ہند

حضرت مولانا حافظ محمد طیب فیض آبادی مدظلہ
خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

مع
قرآنی سورتوں کا تعارف وخلاصہ
از شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
سورتوں کے فضائل وخواص

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

Marfat.com

عام فہم تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا
ایک سدا بہار مبارک سلسلہ

درسِ حدیث

(کامل 6 جلد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی اور اسکو یاد کیا اور اسکو محفوظ رکھا اور پھر دوسروں کو پہنچا دیا۔ (ترمذی)

نیز فرمایا سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ مسلمان علم دین کی بات سیکھے پھر اپنے مسلمان بھائی کو سکھا دے۔ (ابن ماجہ)

ترتیب وکاوش

مجلس تحقیقات اسلامیہ

زیر نگرانی

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(0322-6180738, 061-4519240

Marfat.com